لا یمسّہ الا المطہرون

مقدمہ

جمال الایمان

فی

تفسیر القرآن

جلد دوم

فقیر سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی

جامعۃ الزہراؑ

ناشر:

ضیاء العلوم پبلی کیشنز

راولپنڈی پاکستان

Marfat.com

پر، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! عذاب اٹھالو ایک بچہ میری حمد بیان کر رہا ہے، اس قوم پر سے عذاب کو ہٹا دیا جائے، حدیث کی مشہور کتاب ثعلبی میں یہ روایت موجود ہے، صحابہ عالی مقام بھی اسے شفا مانتے تھے، یہ حدیث تقریباً حدیث کی سب کتابوں میں موجود ہے، کہ صحابہ کرام ؓ کا ایک گروہ کہیں باہر جہاد سے پلٹا، ایک گاؤں کے قریب آ کے انہوں نے ڈیرا ڈالا، گاؤں والے لوگ چونکہ مسلمانوں کے شدید مخالف تھے، انہوں نے اپنے گاؤں میں صحابہ عالی مقام کو داخل نہیں ہونے دیا، صحابہ عالی مقام نے گاؤں سے باہر ایک چٹیل سی جگہ پر ڈیرا ڈال لیا، رات کہیں گیارہ بارہ کا وقت ہے ایک بندہ آیا، کیا تم میں کوئی ایسا بندہ ہے جو بچھو کا دم جانتا ہو کہ ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا ہے ہم سارے جتن کر چکے ہیں لیکن سردار کو درد سے افاقہ نہیں ہو رہا ہے، وہ بچوں کی طرح رو رہا ہے اور چلا رہا ہے، صحابہ کرام میں سے ایک صحابیؓ بولے کہ جی میں انہیں دم کروں گا وہ ان صحابیؓ کو اپنے ساتھ لے گئے وہاں پہنچے تو سردار کو سورۃ فاتحہ پڑھ کے دم کر دیا، سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کی دیر تھی کہ سردار کا درد ختم ہو گیا، صحابی دم کرنے کے بعد واپس آ گئے کچھ حضرات نے ان سے پوچھا کہ یہ دم آپ کو کس نے سکھایا تھا وہ صحابی کہنے لگے کہ سرکار کریمؐ نے اسے سورۃ شفا کہا ہے، تو میں نے اس شفا کے پیش نظر اپنے طور پر دم کر دیا تھا اس دم کرنے سے سردار کا درد ٹھیک ہو گیا۔

سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنی عادت مقدسہ یہ تھی، جو حدیث کی بے شمار روایت میں بات آتی ہے، کہ ''رات کو آرام فرمانے سے پہلے سورۃ فاتحہ کو سات مرتبہ تلاوت فرماتے تھے، اور چار قل سات دفعہ تلاوت فرماتے تھے، اپنے ہاتھوں پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے تھے''۔

بے شمار لوگوں کو سرکار کریمؐ نے اس کے پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی شفا کے طور پر، ہمیں بھی جب کوئی مصیبت یا تکلیف ہو تو ہمیں قرآن پاک کا سہارا لینا چاہیے، اور خاص طور پر سورۃ فاتحہ کی تلاوت کر کے اپنے آپ کو دم کر لینا چاہیے۔

آپ سب دل کی گہرائیوں سے دعا کریں کہ ہم نے جس نیک جذبے کے تحت اپنی اس عزیز بہن کے کہنے پر یہ کام شروع کیا ہے، اللہ کریم اسی جذبے کے ساتھ اسے تکمیل تک پہنچائے، اور میرے ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو اللہ کریم قبول فرمائے اور ان کے محبوب رحیم کی سرکار میں بھی اسے شرف قبولیت حاصل ہو ۔ آمین! ☆☆

Marfat.com

کریم کی بابت یہ جانے والی بات نہیں ہوسکتی، اس کا اول ہے نہ آخر اس لیے اس کا جانشین کوئی نہیں ہوتا، یہاں خلیفہ کا معنی ہے نمائندہ۔اگر خلیفہ، خلف سے بنا ہے تو خلف کا معنی ہے پیچھے آنے والا، تو یہ لفظی معنی اللہ کریم کی ذات کے لیے مناسب نہیں ہے۔

یہ آنے والا خلیفہ انسان اول ہے۔ "**خلقت بیدی**" میں نے آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو اللہ کریم نے اپنے ہاتھ سے بنایا، دوسرے مقام پر عظمت انسانیت کو اجاگر کرنے کے لیے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا!

"**ان اللہ خلق ادم علی صورتہ**" اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

اب وہ صورت کیا ہے؟ اس کا انداز تو خالص روحانی ہے لیکن جب وہ ایک شکل میں متشکل ہوتی ہے تو تخلیق کا شاہکار قرار پاتی ہے اور صفات واخلاق کا حسین مجموعہ ہوتی ہے اور اس کا مقام، صفات واخلاق کے لحاظ سے جتنا اعلیٰ ہوگا اتنا ہی سرکار علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوگا۔

رومیؒ نے ایک بات کہی، اور اقبال نے مثنوی اسرار ورموز کی بنیاد اسی پر رکھی، رومیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بندہ دن کے وقت ہاتھ میں لالٹین لیے بازار سے گزر رہا تھا کسی نے پوچھا جناب! سورج کی روشنی میں لالٹین لیے کس کی تلاش ہے؟ کہا کہ ''انسانم آرزو ست'' میں بندے کی تلاش میں ہوں، سائل نے کہا کہ یہ سارا بازار بندوں سے بھرا ہوا ہے کیا یہ بندے نہیں ہیں؟ کہا یہ تو کیڑے مکوڑے پھر رہے ہیں، مجھے انسان کی تلاش ہے۔ایک طرف تو یہ نظریہ ہے کہ آپ اللہ کی نمائندگی کرنے والے لوگ ہیں، دوسری طرف یہ نظریہ ہے کہ اس انسان کو اللہ کریم نے علوم سے آراستہ کر کے بھیجا وجہ کیا ہے؟ کہ یہ انسان اول تھا اگر اس نے ہر بات کو مشاہدے میں لاکر کوئی کام کرنا ہوتا تو اسے صرف روٹی پکانے کے لیے کتنا وقت درکار تھا، لہذا انسان کو بے حد علوم سے آراستہ کیا گیا کہ اس کی اولاد اضافہ کرتی جائے چونکہ ساری کائنات کو اس نے مسخر کرنا ہے، اب یہ الگ بات ہے کہ مغربی مفکرین نے انسان کا نسب کہاں سے جاملایا مثلاً ڈارون نے کہا کہ انسان اصل میں بندر کی اولاد ہے، کہ پانی میں تیرتا تھا تو دم کٹ گئی، جب چلا تو پاؤں کی انگلیاں چھوٹی ہوگئیں، ہاتھ کی انگلیاں بڑی رہ گئیں۔

انجلز نے کہا کہ انسان کرم خاکی ہے جسے پنجابی میں ملھپ کہتے ہیں جب اس نے انگڑائی لی تو درمیان سے ٹوٹ گیا دونوں حصے پروان چڑھتے گئے تو انسان بن گیا۔

لطافت کے لیے ایک اور نظریہ بھی سن لیں کہ کذاب غلام احمد قادیانی نے کہا!

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار (درثمین اردو)

ترجمہ یوں ہے''محبوب یادفرمائیں کہ جب آپ کے رب نے فرمایا کہ یقیناً میں زمین میں اپنا ایک نمائندہ بنانے والا ہوں''۔

"قالوآ اتجعل فیھا" (قالوآ ، وہ بولے۔ **"اتجعل"** کیا تو بناتا ہے یا بنائے گا۔ **"فیھا"** اس زمین میں۔ **"من یفسدفیھا"** جوفساد کرے گا۔ **"فیھا"** زمین میں۔ **"ویسفک"** اور بہادے گا۔ **"الدمآء"** خون)

''وہ بولے کیا بنائے گا اس کو جو زمین میں فساد کرے گا اور خون ریزی کرے گا''۔

بادیٔ النظر میں ہم نے کیا تو وہی کچھ ہے جو فرشتے کہہ رہے تھے، جنگ عظیم اول میں ایک کروڑ تیس اور پینتس لاکھ کے درمیان اور دوسری جنگ عظیم میں دو کروڑ سے زائد آدمی مارے گئے، کیا یہ جنگیں اصلاح کے لیے لڑی گئی تھیں، جملہ معترضہ کے طور پر عرض کروں کہ سرکار علیہ السلام نے قریباً پچاسی (85) یا چھیاسی (86) جنگیں لڑیں، جن میں مسلمانوں اور کافروں دونوں فریقین کی طرف سے اٹھارہ سو اور دو ہزار کے درمیان آدمی قتل ہوئے تھے۔

سوال یہ ہے کہ فرشتوں کو کیسے پتہ چلا کہ یہ فساد اور خونریزی کرے گا؟ جواب یہ ہے کہ ہماری آبادی سے پہلے اس کائنات میں جن رہا کرتے تھے، ان میں صرف آگ تھی، انہوں نے وہ اودھم مچایا کہ فرشتے پکارا تھے''الامان والحفیظ'' تو جب انسان آئے گا جس کے خمیر میں آگ، ہوا، مٹی اور پانی ہے، جدید تحقیق کے مطابق وہ عناصر بانوے (92) سے گزر چکے ہیں، تو جو اتنے عناصر سے بنا ہو وہ بھی وہی کرے گا جو ایک عنصر والوں نے کیا، تو ہماری تخلیق کو دیکھ کر فرشتوں کا یہ نظریہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ اے رب تجھے اگر اپنا ذکر کرانا مقصود ہے تو!

"نحن نسبّح بحمدک ونقدّس لک" (نحن، ہم۔ نسبح تسبیح کہتے ہیں۔ بحمدک، تیری تعریف کی۔ عربی میں ترجمہ ہوگا کہ ہم سبحن اللہ وبحمدہ کہتے رہتے ہیں۔ ونقدس، اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔''لک''تیری)

اتنی ساری تقریر کا جواب یہ تھا۔

"قال انّی اعلم مالا تعلمون" (قال، فرمایا۔ انی، یقیناً میں۔ اعلم، زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ ما، وہ چیز۔ لاتعلمون، جو تم نہیں جانتے)

''ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں اللہ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے''۔

اقبال نے اپنے فارسی کلام میں اس نظریے کو بڑے نفیس انداز میں بیان فرمایا!

نعرہ زد عشق کہ خونی جگرے پیدا شد   حسن آشفت کہ صاحب نظرے پیدا شد

ابھی وہ مخلوق کائنات میں نہیں آئی تھی جس نے غور و فکر کی دنیا میں بڑھتے ہوئے نئے جہان پیدا کرنے تھے، اپنے افکار کے نکتہ نگاہ سے سمندروں کو خود چیرنا تھا، فضاؤں سے نکل کر ستاروں پر کمندیں ڈالنی تھیں، فرشتوں اور جنوں کے بعد کائنات کا حقیقی

Marfat.com

وارث ابھی نہیں آیا تھا اس کو آنا چاہیے تھا، تورات کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ابھی سرکار کی سیٹ خالی ہے یعنی ابھی سرکار کی ضرورت ہے، اسی طرح فرشتوں اور جنوں کو دیکھ کر فطرت کہہ رہی تھی کہ ابھی وہ نہیں آیا بقول ڈاکٹر علامہ اقبال کہ!

فولاد تو تو نے پیدا کیا کلہاڑی تو میں نے بنائی ہے، یعنی جس نے اس میٹیریل Material کو اس انداز سے استعمال کر دینا تھا جو خدا جانے کہاں سے کہاں جا پہنچے اور جب وہ روحانی دنیا میں آئے تو فرشتہ جہاں بیٹھا ہے بیٹھا رہے۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام　　　اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

میں نے سمجھا کہ زمین و آسمان کا کنارا نہیں، لیکن عشق نے ایک چھلانگ لگائی تو کے سے اُٹھ کر لامکاں جا پہنچے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

اور سکھادیے آدم کو نام تمام اشیاء کے پھر پیش کیا انھیں فرشتوں کے سامنے

فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور فرمایا بتاؤ مجھے نام ان چیزوں کے اگر تم (اپنے اس خیال) میں سچے ہو ۳۸

۳۸ " وعلّم ادم الاسماء کلّها " اللہ نے آدم کو نام بتادیے سارے کے سارے۔

علم ۔ تعلیم دی، آج بھی اگر کوئی دوسروں کو تعلیم دے تو گویا اللہ کی سنت پر عمل کررہا ہے، الاسماء جمع اسم کی، بیضاوی نے فرمایا کہ آدم کو سب چیزوں کے نام سکھادیے، یعنی جن کے نام تھے وہ سکھادیے کہ اسے یہ کہتے ہیں اسے یہ کہتے ہیں، مثلاً آپ اگر ایک بچے کو میز، کرسی، گلاس، رومال وغیرہ کے صرف نام رٹادیں اور پھر کہیں کہ جا کر ان چیزوں کو الگ الگ کردو تو وہ نہیں کرسکے گا، جب تک ان کو نظر سے دیکھ کر امتیاز نہ کرسکے۔

تین چیزیں بنیادی ہیں ۔ ۱۔ نام ۔ ۲۔ جس کا نام ہے وہ ہو ۔ ۳۔ اس کے استعمال کا پتہ ہو۔ عربی گرامر میں الاسماء پر الف ،لام استغراقی ہے بمعنی سارے نام سکھادیے ان کے استعمال کا طریقہ بھی بتادیا، اب یہ جمع قلت ہے، الف، لام نے اسے جمع کثرت میں بدلا ہے، دلیل ہے " کلها " سارے کے سارے۔

'' اللہ کریم نے حضرت آدم کو مسمیات کے فوائد کے ساتھ سارے کے سارے نام بتادیے''۔

"ثمّ عرضهم على الملئكة" (ثم ۔ پھر، عرض ۔ بمعنی پیش کرنا)

اگر نام ہوتے تو ضمیر کا لفظ ''ھا'' ہونا چاہیے تھا، اس لیے اسما جمع مکسر ہے اور غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتی ہے، تو ضمیر واحد کی ہونی چاہیے تھی، پیچھے ضمیر جمع کی مذکر بن کر آئی ہے اس نے آ کے بتادیا کہ نام مراد نہیں تھے بلکہ مسمی مراد تھے۔

" على الملئكة " فرشتوں کے سامنے ۔ " فقال انبئونی باسمآء هؤلآء " ۔ "فقال " ، فرمایا ۔ "انبؤا " تم بتاؤ ۔ "نی " ، مجھے ۔ "باسمآء هؤلآء " ان سب کے نام ۔ "ان كنتم صدقين " ، اگر تم سچے ہو۔

'' پھر اللہ نے فرشتوں کے سامنے پیش کیے فرمایا مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَا،اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴿۳۲﴾

عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تو ہی ہے کچھ علم نہیں ہمیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھادیا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے ۳۹؎

۳۹؎ **"قالوآ سبحنک لاعلم لنا"** (قالوا ،کہنے لگے . سبحن، پاک ہے. ک ،تو. لا ،ایک ہوتا ہے نہی کے لیے مگر یہ اس نہی کے لیے استعمال نہیں ہوا، پیچھے علم ہے اور اسے نفی جنس کے لیے استعمال کیا گیا ہے،یعنی جس کا نام علم ہے اس کا ہمیں سرے سے معلوم ہی نہیں ہے۔دربار ربانی کا یہی ادب ہے۔

"الاّ ماعلمتنا" (الا ،مگر۔ما، جو۔ علمت ،تو نے تعلیم دی۔ نا ،ہمیں۔ہم صرف وہ جانتے ہیں جو تو نے بتایا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ فرشتوں میں اجتہادی قوت نہیں تھی، اگر ہوتی تو معلوم کی قوت سے مجہول کو فتح کر لیتے ،اور منطق کی تعریف یہ ہے کہ جس کے سہارے ہم معلوم کو سامنے رکھ کر مجہول تک پہنچتے ہیں۔

"انک انت العلیم الحکیم" (انک ،یقیناً تو۔انت ،تو ہی۔ العلیم ،سدا کا عالم۔ الحکیم ،سدا کا دانا ہے۔علیم اور حکیم صفت مشبہ ہی ہیں، اور اس میں دوام ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْۙ

فرمایا اے آدمؑ! بتادو انھیں ان چیزوں کے نام پھر جب آدمؑ نے بتا دیے فرشتوں کو ان کے نام

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۙ

تو اللہ نے فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ میں خوب جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی

وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴿۳۳﴾

اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ ع

☆ **"قال یاٰدم انبھم باسمآئھم"** (**قال** ،فرمایا۔ **یادم**،اے آدم۔ **انبئھم** ،تو بتادے۔ان فرشتوں کو۔ **باسمآئھم** ،ان سب چیزوں کے نام۔

"فلمّا انباھم باسمآئھم" پس جب ان سب چیزوں کے نام آدم نے ان فرشتوں کو بتادیے۔

"قال الم اقل لکم" کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا۔

انی ، بے شک میں۔ اعلم، میں جانتا ہوں۔

"غیب السمٰوٰت والارض" غیب آسمانوں اور زمینوں کے۔

عالم الغیب اللہ کی ذاتی صفت نہیں ہے، عالم الغیب وہ ہوتا ہے جسے پہلے معلوم نہ ہو اور پھر معلوم ہو جائے ،یعنی جو چیز غیب تھی اسے جان لینے والا ، اللہ سے کبھی کوئی چیز غیب تھی ہی نہیں ،لہذا یہ اس کی اضافی صفت ہے، یہ اللہ کی صفت ہے میری نسبت سے ،فرشتوں ، انسانوں ،جنوں کی نسبت سے ، کہ جسے تم نہیں جانتے میں اسے جانتا ہوں ، ورنہ اگر یہ نظریہ ہو کہ اللہ سے کوئی چیز غیب تھی پھر جان لیا تو یہ کفر ہے، اب علماء کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ صفت اللہ کی ذاتی قرار دے کر کتنے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

"واعلم ماتبدون" اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو کہ یہ فساد وخونریزی کرے گا۔

"وما کنتم تکتمون" اور جو تم چھپاتے ہو یعنی کہ اس سے زیادہ خلافت کے ہم حقدار ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

وَاِذْقُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے

اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور (داخل) ہو گیا کفار (کے ٹولہ) میں ۱ؔ

۱ؔ جب فرشتوں کو جواب دیے جا چکے تو یہ تسلیم کرانا مقصود تھا، کہ سیدنا آدم علیہ السلام کا مقام کیا ہے، فرشتوں پر ان کی عظمت ثابت کرنا تھی، اور یہ بتانا تھا کہ نئی مخلوق جو کائنات میں آئی ہے، اس میں وہ صفات موجود ہیں جو فرشتوں اور جنوں میں نہیں ہیں، اب حکم یہ دیا گیا۔

"**واذقلنا**" اور جب حکم دیا ہم نے ویسے قول کا لفظی معنی کہنا ہوتا ہے، لیکن اللہ کریم کی طرف سے جب مخلوق کو یہ بات کہی جائے تو اس وقت اس کا معنی حکم ہوتا ہے، جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا۔ "**اسجدوا**" تم سجدہ کرو۔ "**لآدم**" آدم کے لیے۔ "**فسجدوا**" انہوں نے سجدہ کر دیا۔ "**الاابلیس**" سوائے ابلیس کے۔ "**اَبٰی**" اس نے انکار کیا۔ "**واستکبر**" اور تکبر وغرور کیا۔ "**وکان من الکٰفرین**" اور تھا وہ کافر۔

حکم سجدے کا فرشتوں اور جنوں کو تھا مفسرین نے کہا کہ فرشتے افضل تھے، لہذا مفضول کا ذکر ساتھ نہیں ہے، سجدے کا حکم فرشتوں کے ساتھ جنات کو بھی تھا، فرشتے چونکہ افضل ہیں لہذا ان کا ذکر آ گیا۔

اس سجدہ کی نوعیت کیا تھی، سجدے کا ذکر کرتے ہوئے ہمارے مترجمین نے عموماً اور علامہ قرطبیؒ نے خصوصاً ایک بات کہی ہے، قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ یہ ہے، "**وضع الجبهة على الارض**" ماتھا زمین پر ٹیک دیا جائے، اب کیا فرشتوں نے ایسا ہی سجدہ کیا تھا؟ یا صرف اپنی عاجزی اور ذلت کا اقرار کیا تھا، دو چار مفسرین ایسے ہیں جنہوں نے مختلف ادوار میں یہ معنی مراد لیا ہے، لیکن امت بحیثیت اجتماعی اس سجدے سے مراد وہی سجدہ لیتی ہے کہ زمین پر ماتھا رکھ دیا جائے، نماز میں سجدے میں سات ہڈیوں کا زمین پر لگنا ضروری ہوتا ہے، دو پاؤں، دو گھٹنے، دو ہاتھ اور ماتھا۔ حدیث مبارکہ کی رو سے ناک بھی ماتھے میں شامل ہے، سجدے کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ عبادت کے لیے۔ ۲۔ عظمت یا تحیہ کے لیے جسے آپ سلام کہتے ہیں۔

Marfat.com

عبادت کا سجدہ یہ ہے کہ جسے سجدہ کر رہے ہیں، اسے اللہ سمجھیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم تک کسی شریعت میں سجدۂ عبادت جائز نہیں تھا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کو بھی سجدہ کریں گے تو یہ شرک ہوگا، اور شرک اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔

اب ہے کسی کے لیے **تحیۃً یا تعظیماً** سجدہ کرنا، تو یہ سابقہ امتوں میں جائز تھا گزشتہ سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اسی نوعیت کا سجدہ تھا، اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شریعت میں سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار نہیں دیا لیکن واضح رہے کہ شرک قرار نہیں دیا، درمیان میں ایک تیسری سٹیج ہے کہ شریعت مطہرہ میں تعظیمی سجدہ حرام ہے لیکن اگر کوئی ایسی غلطی کر جاتا ہے تو وہ کافر و مشرک نہیں ہوتا وہ حرام فعل کا مرتکب ہوا ہے، اسے توبہ کرنی چاہیے، یہاں فرشتوں کا سجدۂ تعظیمی تھا، مطلب یہ تھا کہ اس انسان کے سامنے سجدہ کرو کہ تم آج تک جو کچھ کرتے رہے ہو یا سمجھتے رہے ہو وہ تشریعی یعنی شریعت پر چلنا تھا، اور جسے اب ہم نے خلیفہ بنا کر بھیجا ہے یہ علم تقویمی کا ماہر ہے، اس کائناتی علم کا ماہر ہے، فرشتوں کا علمی مقام بالکل محدود ہے۔ قرآن نے کہا! " **یفعلون مایؤمرون** " فرشتوں کی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ وہی کچھ کرتے ہیں جو کچھ انہیں کہا جاتا ہے، تقویمی علم میں تین باتیں ہوتی ہیں ۔۱۔ اشیاء کو جاننا۔۲۔ جاننے کے بعد ان کی خاصیات کو جاننا۔۳۔ اس کے بعد ان کے اثرات کا علم ہے۔ تو جب تک کسی شے کے متعلق یہ تین چیزیں ترتیب کے ساتھ نہیں آتیں اس چیز کو آپ حقیقتاً جان نہیں سکتے، حضرت آدم علیہ السلام چونکہ زمین پر نائب کے حساب سے تشریف لائے اس لیے انہیں تقویمی علم کا ماہر ہونا ضروری تھا۔

وہ مذہبی لٹریچر جو برصغیر میں لکھا گیا پڑھ کر مجھے کئی معاملات پر بے حد حیرانی ہوتی ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ سابقہ کتابیں جو قرآن پاک کی تفاسیر ہیں انہیں اگر امعانِ نظر سے پڑھا جائے تو آدمؑ کی برتری علمِ تقویمی کی بنیاد پر ہے، علم تشریعی میں فرشتے آپ کے ساتھ شریک تھے، مجھے برصغیر کے ان محققین پر بڑی حیرانی ہوتی ہے، جو کہتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام کو علمِ تشریعی دیا گیا تھا علمِ تقویمی نہیں، اگر یہ جدید و قدیم علوم کو پڑھتے تو انہیں یہ بات معلوم ہوتی کہ اصل حقیقی علم اسی دن کائنات میں آیا تھا جس دن سرکار علیہ السلام کا ظہور ہوا، اس سے پہلے علم وہم وگمان کا نام تھا، اب جب آپ زمین پر تقویمی علوم کے بغیر رہتے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تقویمی علوم کو آپ کافروں کے حوالے کر دیں گے؟ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اگر آدم علیہ السلام فرشتوں میں علومِ تقویمیہ میں افضل ہیں تو نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تقویمی علوم میں قیامت تک آنے والے ہر انسان سے افضل ہونا چاہیے، اگر یہ بات نہیں ہوگی تو ان علوم کا ماہر یہ بات کہہ دے گا کہ میں تقویمی علوم میں اور فلاں علوم میں نبی سے آگے ہوں، پھر میں نبی کی بات کیوں مانوں؟ لہٰذا نبی اسی کو دعوت دے گا جو نبی سے علمی دنیا میں ہزار ہا میل پیچھے ہو، اگر کسی مرحلے میں آگے نکل جائے گا تو علم میں اس کی نبی پر برتری ثابت ہو جائے گی، اور جب یہ بات ہوگی تو آنکھیں بند کر کے نبی کے پیچھے نہیں چل سکتا،

Marfat.com

اور قرآن پاک نے ہمیں یہ بات کہی ہے کہ جب نبی کی بات ہو تو پھر عقل کو ایک طرف چھوڑ دو، اور جب عقل علوم سرکار علیہ السلام کے بارے میں شکوک پیدا کردے تو اقبالؒ والی بات ہے کہ اپنی عقل کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک نعلین پر قربان کردے، تاکہ تجھے آگے کا راستہ مل سکے۔

اب سجدہ ہو گیا مگر ابلیس نے نہ کیا، ابلیس کے کئی نام ہیں، شیطان، عزازیل، اور بھی صفاتی نام بہت ہیں، یہ کون تھا؟ کیا یہ فرشتہ تھا؟ فرشتہ معصوم ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ حکم دے کہ یہ کام کرنا ہے اور معصوم وہ بات نہ کرے تو وہ معصوم نہیں رہتا، حدیث پاک سے ہمیں اس کی تفصیل ملتی ہے، کہ ابلیس ایک جن ہے، قرآن پاک نے بھی فرمایا! ''کان من الجن''۔ ''وہ جنوں میں سے تھا'' اکثر مفسرین نے کہا کہ اصل میں اس کی خواہش یہ تھی کہ اس کائنات کو اللہ نے بسانا تو ہے، شائد قرعہ انتخاب مجھ پر پڑ جائے، اس نے فرشتوں کے ساتھ مل کر لمبی لمبی عبادتیں کی تھیں، جب اسے سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے انکار کر دیا، یہ سمجھ کے کہ جس امید پر میں جی رہا تھا وہ امید آج ٹوٹ گئی ہے، یہ جن تھا فرشتہ نہیں تھا، تو ثابت ہوا کہ معصوم حکم عدولی نہیں کرسکتا۔

پہلی بات یہ تھی کہ اس نے انکار کیا، اور دوسری یہ کہ تکبر کیا، اس تکبر کی نوعیت کیا تھی؟ قرآن پاک نے کئی مقامات پر اس کا تذکرہ کیا ہے، وہ ایک دلیل کے سہارے پہ تکبر کر رہا تھا، دلیل یہ تھی کہ میں آگ سے بنا ہوں اور آدم مٹی سے بنے ہیں، آگ اوپر کو اٹھتی ہے لہذا میرے وجود کے اندر بلندیاں اور رفعتیں موجود ہیں مٹی کو جہاں بھی چھوڑیں گے۔ نیچے کو گرے گی، لہذا پستی آدم کا مقدر ہے، معاذ اللہ اور اس نے یہ دلیل اللہ کریم کے سامنے پیش کی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس نے اللہ کے سامنے قیاس کو پیش کیا، قیاس اس چیز کو کہتے ہیں کہ بہت سارے مقدمات کو سامنے رکھ کے ایک نتیجہ اخذ کرنے کے لیے پیش کیا جائے، اس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے قیاس پیش کیا۔ لہذا مسلک یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان آجائے تو اس کے بالمقابل قیاس کو پیش نہیں کیا جاسکتا، دلائل کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ قرآن پاک ۲۔ سنت رسول ۳۔ امت کا اجتماعی عقیدہ ۴۔ قیاس

ہمارے ائمہ عالی مقام نے فرمایا کہ جہاں قرآن پاک موجود ہو، سنت اور اجماع امت موجود ہو وہاں آپ قیاس نہیں پیش کرسکتے، قیاس وہاں آئے گا جہاں اوپر والی تین چیزیں نہ ہوں، اور کوئی اشارہ وکنایہ بھی نہ ہو، اسے اصول کی زبان میں **عبارۃ النص، دلالت النص، اقتضاء النص، اشارۃ النص** وغیرہ کہا جاتا ہے، ان میں سے کوئی بات نہ ہو تو آپ قیاس کرسکتے ہیں، میں اشارتاً عرض کروں کہ ہمارے کچھ جدید علوم کے فاضل لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اجتہاد کا حق ہے، حالانکہ وہ قرآن وحدیث کو نہیں سمجھتے تو اجتہاد کیا کریں گے؟ اجتہاد کے لیے قرآن وسنت کا گہرا مطالعہ چاہیے، ہم اچانک آسمان سے زمین پر نہیں گرے ہمارے پیچھے چودہ سو سالہ تاریخ ہے اس تاریخ میں بڑے بڑے مفکر گزرے ہیں اور ان سب کی سوچیں مل کر قانون

Marfat.com

کو آگے بڑھاتی رہی ہیں، اگر آپ اپنے آپ کو اتنا قابل سمجھتے ہیں کہ ان سوچوں سے ہٹ کر کچھ کہنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے قرآن وسنت کو ماخذ بنا کر بولیں گے، اور اگر آپ کے نزدیک قرآن وسنت ہی معتبر نہ رہے، اور ان سے ہٹ کے اجتہاد کریں تو کوئی نہیں مانے گا، اس لیے کہ ہمارا ماضی قرآن وسنت کے انوار سے مزیّن ہے۔ اور ہم قانونی وفکری موشگافیوں کا تاج اپنے سر پر سجائے ہوتے ہیں، ایک اور بات کہ اتنی مہارت کے ساتھ بھی آپ جس مسلک کے ہیں مثلاً حنفی ہیں یا جعفری یا مالکی ہیں تو آپ کسی ایک برانچ کے مجتہد ہوں گے، مجتہد مطلق ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ آپ ان سارے علوم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک جتنے بھی فقہی نظریات ہیں وہ سارے نظریات آپ کی نگاہوں میں ہوں۔

"وکان من الکٰفرین" ۔ ''وہ کافروں سے ہوگیا'' یہ بھی اس کا معنی کرسکتے ہیں، لیکن چونکہ اللہ کریم کا علم ازلی اور ابدی ہے لہٰذا اکثر مترجمین نے فرمایا کہ علم الٰہی کے مطابق وہ پہلے ہی کافر تھا، یہاں ''کان'' past tense (فعل ماضی) ہے، اب انعام واکرام کی بات فرمائی۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ آیَاتُھَا سَبْعٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سب سے پہلا فقرہ قرآن پاک کا جو ہے وہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے، کہ جو کام بھی شروع کروا سے بسم اللہ شریف پڑھ کے شروع کرو، جو بسم اللہ پڑھ کے کام شروع نہیں کیا جاتا وہ بے برکت اور کٹا پھٹا رہ جاتا ہے، دوسرے مقام پر مشہور تفسیر قرطبی کے مصنف نے سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک نقل کی ہے، ارشاد فرمایا'' کہ دروازہ بند کرنے لگو تو بسم اللہ شریف پڑھو، دیا گل کرنے لگو یعنی بجلی بجھانے لگو تو بسم اللہ شریف پڑھو، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ برتن کو ڈھانکنے لگو تو بسم اللہ پڑھو، کسی شے کو باندھنے لگو تب بھی بسم اللہ شریف پڑھو، جو بھی کام کرنے لگو تو اس کا آغاز بسم اللہ شریف پڑھ کے کرو''۔

لفظی ترجمہ: ''ب'' کا لفظی معنیٰ ''سے'' بھی ہوتا ہے، اور ''ساتھ'' بھی ہوتا ہے۔ آگے لفظ ''اسم'' ہے، اس کا معنی ہے'' نام ''۔ ''اللہ'' اللہ کریم کا ذاتی نام ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری محفل میں کچھ حضرات ایسے بھی موجود ہیں جن کے مطالعے سے مختلف تفسیریں گزرتی رہتی ہیں، تو میں چاہتا ہوں کہ لفظ اللہ کا تھوڑا سا تجزیہ کر دیا جائے۔

عربی میں لفظ آتا ہے۔ **"الٰہ"** ۔اس کا معنی ہوتا ہے قابل عبادت۔ اس پر الف لام لگا دیں بن جائے گا **"ال الٰہ"** ۔ جب آپ اسے کثرت سے پڑھیں گے تو یہ لفظ بن جائے گا **اللّٰہ** ۔اور اس کا مطلب ہو گا کہ یہ اللہ کریم کا ذاتی نام ہے، اب ہم نے عربی زبان کی گہرائی میں اترنا ہے، تاکہ پتہ چلے کہ اس لفظ کا مسمّٰی کے ساتھ رابطہ کیا ہے تعلق کیا ہے، تو عربی گرامر میں تھوڑی سی بات مشکل تو ہو جائے گی لیکن انشاء اللہ بہت ساری باتیں آپ آسانی سے سمجھ لیں گے، یہ لفظ ''الہ'' سے بنا ہے، اس کا ماضی ''الہ'' ہے۔ اس کا معنی ہوتا ہے عبادت کرنا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہستی جو عبادت کے لائق ہے، دوسرا اس کا معنی ہے حیران ہو جانا، اللہ کریم کی ذات کو جب آپ سوچنے لگتے ہیں تو حیرانی آپ پر چھا جاتی ہے اور اس کی عظمتوں کے سامنے، اس کی رفعتوں کے سامنے، اس کی وسعتوں کے سامنے، اس کی شان رحیمی کے سامنے اس کی شان کریمی کے سامنے آپ حیرت زدہ ہو کے سوالیہ نشان بن کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ وَکُلَامِنْھَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا

اور ہم نے فرمایا اے آدم رہو تم اور تمھاری بیوی اس جنت میں اور دونوں کھاؤ اس سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو

وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾

اور مت نزدیک جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے ۴۲

۴۲ **"وقلنا"** اور حکم دیا ہم نے۔ **"یاٰدم"** اے آدم۔ **"اسکن"** رہ۔ **"انت"** تو۔ **"وزوجک"** اور تیری بیوی۔ **"الجنۃ"** جنت میں۔ **"وکلا"** تم دونوں کھاؤ۔ **"منھا"** جنت سے۔ **"رغداً"** جتنا چاہو۔ **"حیث"** جہاں سے **"شئتما"** تم دونوں چاہو۔ لیکن ایک پابندی ہے۔ **"ولاتقربا"** تم دونوں قریب نہ جاؤ۔ **"ھذہ الشجرۃ"** اس پودے کے۔ یاد رکھیں پودا بڑے درخت کو بھی کہتے ہیں اور چھوٹے کو بھی لیکن اس پر پھل لگتا ہو، یہاں بے پناہ بلاغت سے قرآن پاک نے ایک بات فرمائی کہ تورات میں اس پودے کو گندم کہا گیا ہے لیکن یہاں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ گندم تھی، یہاں جس پودے کا ذکر ہے اس پر الف۔ لام لگا کر خاص پودہ کر دیا گیا ہے، اس کا علم اللہ کریم کو بھی اور آدم علیہ السلام کو بھی ہے، اور یہ الف۔ لام عہد خارجی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بولنے اور سننے والے دونوں کو پتہ ہے چونکہ ان دو سے متعلق ہے، تیسرا کوئی شریک نہیں ہے، لہذا یہ بولنے اور سننے والے کے درمیان رازداری ہوتی ہے، یہ بات الف۔ لام سے نکلی جو عام اردو تراجم میں نہیں۔ **"فتکونا من الظّٰلمین"**۔ عام ترجمہ یہ ہے کہ پھر تم ہو جاؤ گے ظالم، لیکن مجھے اس ترجمے سے اتفاق نہیں ہے، اس لیے کہ آدم علیہ السلام معصوم ہیں وہ ابو البشر بھی اور ابو الانسان بھی ہیں۔ انہیں ہم ظالم نہیں کہہ سکتے، یہ انبیاءؑ کو اللہ کا خطاب ہے، اللہ جس طرح چاہے فرما سکتا ہے، چونکہ وہ اس کی مخلوق ہیں، لیکن ہمیں بار بار فرمایا کہ تم نے انبیاءؑ کا ادب کرنا ہے، ورنہ بے ادب ہو جاؤ گے، اور نبیوں کی بے ادبی دوزخ میں ڈال دیتی ہے، لغت میں ظالم کے دو معنے اور ہیں۔ ا۔ ظلم یہ ہے کہ آپ کسی چیز کو ایسے مقام پر رکھ دیں جس مقام پر وہ فٹ نہ ہو، مثلاً ایک جاہل دیہاتی کسان کو کالج میں پروفیسر کی کرسی پر بٹھا کر کہیں کہ ہم نے پروفیسر صاحب کو آپ کی جگہ ہل چلانے کے لیے بھیج دیا ہے، آپ ان کی جگہ لیکچر دیں، تو یہ ظلم ہے۔ ۲۔ آپ کو ایک حق ملتا تھا اس کو آپ نے رضا کارانہ چھوڑ دیا، معنی یہ بنے گا کہ اس درخت کے قریب بھی نہ جاؤ اگر جاؤ گے تو تم اپنے حق کو تلف کرنے والے بن جاؤ گے، اس ترجمے میں بلاغت ادب اور مقام نبوت کا تحفظ بھی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠

پھر پھسلا دیا انھیں شیطان نے اس درخت کے باعث اور نکلوا دیا انھیں وہاں سے جہاں وہ تھے

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

اور ہم نے فرمایا اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے

وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور (اب) تمھارا زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اٹھانا ہے وقتِ مقرر تک ۴۳

۴۳ **"فازلھما"** ازل کا عام لفظی معنی ہوتا ہے پھسلا دیا، کسی نے لکھا کہ پھر ہلا دیا ان کو شیطان نے، علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ **"ازلۃ فی الاصل اسعرصل الرجل من غیر قصدٍ"** ازل کا لفظی معنی یہ ہے کہ آدمی کسی جگہ پاؤں رکھنا چاہتا ہے اور پاؤں ایسی جگہ آ جاتا ہے جسے زمین اٹھاتی نہیں تو وہ پھسل جاتا ہے، اس میں اس کا اپنا ارادہ شامل نہیں ہے۔

''شیطان نے انہیں اپنے ارادے کے بغیر اس بات سے ہٹا دیا یاد رکھیں کہ گناہ کی اصلیت یہ ہے کہ آپ ایک بات کو ارادے سے کر رہے ہوں درمیان سے جب ارادہ نکل جاتا ہے، تو گناہ گناہ نہیں رہتا، انبیاء علیہ السلام عالی مقام کی جہاں بھی ایسی کیفیت قرآن نے بیان کی ہے، وہاں ان کا ارادہ ساتھ شامل نہیں، لہٰذا ان کی معصومیت پر حرف نہیں آئے گا''۔

"فاخرجھما" اس نے نکلوا دیا۔ ان دونوں کو۔ **"مما کان فیہ"** اس چیز سے جس میں وہ تھے۔ تو چونکہ وہ جنت میں تھے لہٰذا اسکا صحیح ترجمہ یہ ہوگا۔ اس سکون، راحت اور اطمینان سے جس میں وہ موجود تھے نکلوا دیا، اس نکلوانے کا سبب بھی قرآن نے دوسرے مقامات پر بیان کیا ہے، لیکن آپ نے ذہن میں یہ بات رکھنی ہے کہ آدم علیہ السلام اگر جنت میں ہی رہتے تو وہ خلیفۂ ارضی نہیں بن سکتے تھے، اس دنیا کو آباد نہیں کر سکتے تھے، یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ کی طرف سے کچھ ایسے ذرائع پیدا ہونا تھے جن کے بروئے کار آنے کے بعد جناب آدم علیہ السلام کو جنت سے تشریف لے جانا تھا، شیطان، حضرت حوا سلام اللہ علیھا کے پاس گیا اور کہا کہ کیا آپ اس حسین جگہ ہمیشہ رہنا پسند کریں گی جس کے درختوں کی مثال کہیں نہیں ہے، جس کے پانی اور مکانات کی مثال نہیں؟ مائی صاحبہ نے فرمایا میں ہمیشہ رہنا چاہتی ہوں چونکہ یہ آرائش انسانی فطرت میں ہے پھر شیطان نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو اس درخت سے کیوں روک دیا گیا ہے؟ اس لیے کہ اگر آپ اس کا پھل کھا لیں گی تو آپ ہمیشہ

Marfat.com

زندہ رہ جائیں گی، چونکہ پہلے پروگرام کے مطابق آپ نے مرنا ہے اس مرنے سے بچنے کا صرف یہ حل ہے کہ یہ پھل کھالیں، جناب آدمؑ کے سامنے بھی یہ بات آئی تھی۔ اگر آپ کو کہا جائے کہ آپ نے اس درخت سے پھل نہیں کھانا، جو ڈاکٹر کفیل صاحب کے گھر میں ہے وہ آم، انگور یا سیب کا ہے پھر آپ فیصل آباد چلے جاتے ہیں، وہاں وہی درخت موجود ہے جو ڈاکٹر صاحب کے گھر میں تھا آپ یہ سوچیں گے کہ یہ وہی درخت تو ہے لیکن جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا وہ تو ڈاکٹر صاحب کے گھر میں ہے لہذا میں اس درخت سے پھل کھا سکتا ہوں یہ اجتہادی انداز ہے جناب آدم علیہ السلام کے ذہن میں بھی یہی بات آئی ہوگی کہ وہ درخت جس سے ہمیں روکا گیا ہے وہ جنت کے کسی اور گوشے میں ہے یہ درخت تو اس گوشے میں نہیں ہے، اس سے ہزار ہا میل دور ہے اور محترمہ بھی کہہ رہی ہیں کہ کھانے سے دوام مل جاتا ہے، یہ بات شیطان نے قسم کھا کر کہی تھی، مسلمان قسم پر اعتبار کرتا ہے، سیدنا آدمؑ بھی اللہ کے نام کی قسم پر اعتبار کر رہے تھے۔

ہمارے ماضی قریب کا واقعہ ہے کہ علامہ احمد صاحب اورنگ زیب عالمگیر کے استاد تھے، جو بہت ساری کتابوں کے مصنف تھے، جو آج بھی شامل نصاب ہیں، یہ روزانہ بادشاہ کو پڑھانے آتے، ایک دن نہ آئے بادشاہ نے پوچھا حضرت کل آپ تشریف نہیں لائے تھے؟ وجہ کیا تھی؟ کہا اس لیے نہیں آسکا کہ پل کو کل آگ لگ گئی تھی، میں دریا کو عبور کر کے کس طرح آتا، اورنگ زیب نے پوچھا کہ اگر پل جل گیا تھا تو آج آپ کیسے تشریف لائے؟ علامہ احمد نے کہا کہ میں اتنا تو تسلیم کر سکتا ہوں کہ آپ کے لیے شاید اللہ نے نیا پل بنا دیا ہو یا کوئی روحانی طاقت ہو لیکن یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ ایک مسلمان جھوٹ بول سکتا ہے، اب جب جھوٹ بھی بولا جا رہا ہو اور اللہ کی قسم کے ساتھ بولا جا رہا ہو تو آدمؑ بھلا کیوں اس پر اعتبار نہ کرتے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

"فقلنا" اور حکم دیا ہم نے۔ **"اھبطوا"** اتر جاؤ۔ عربی میں **ھبوط** یا ھباط اوپر سے نیچے آنے کو کہتے ہیں، ایک کمرے سے دوسرے میں جانے کو خروج تو کہا جاسکتا ہے لیکن **ھبـــوط** نہیں، اس سے پتہ چلا کہ یہ بلندی سے پستی کی طرف نزول تھا، جسے قرآن نے **اھبطوا** کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

"بعضکم لبعض عدو" تمہارے بعض بعضوں کے دشمن ہوں گے، بامحاورہ ترجمہ: چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہو، شیطان تمہارا دشمن ہے تم شیطان کے دشمن ہو، لیکن اس میں تھوڑے سے آگے بڑھیں تو چونکہ آدمؑ کی بعضیت بھی آگے چلنی ہے یعنی نسل۔ وہاں بھی بعض بعض کے مقابل آجائیں گے، لہذا اس دشمنی کا دائرہ صرف شیطان تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ انسان آپس میں بھی ایک دوسرے سے دشمنی کرنے لگ جائیں گے، ان الفاظ کی گہرائی سے یہ بات سامنے آتی ہے۔

دو قوتیں سامنے آگئیں، ایک بدی کی اور دوسری نیکی کی۔ انسان جن اجزاء سے مرکب تھا وہ بھی ایک دوسرے کی ضد تھے، نتیجتاً انسان میں بیک وقت نیکی و بدی کی دو قوتیں جمع ہو گئیں، اب فرشتے میں بدی کی قوت نہیں ہے، چنانچہ وہ بدی پر غالب نہیں آسکتا، انسان جس میں بدی کی قوت ہے اس نے نیکی کی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے بدی کی قوت کو ختم کر دینا ہے لیکن وہ بدی بار بار سر اٹھاتی رہے گی، تبھی سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بھی دعا مانگنے لگو تو اس بات کو یاد رکھو کہ اے اللہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو، اس لیے کہ کبھی کبھی نیکی پر چلتے چلتے بدی سر اٹھاتی ہے اور پھر سب کچھ راکھ ہو جاتا ہے۔ اقبالؒ مرحوم فرماتے ہیں کہ ایک دن جبرائیل علیہ السلام کی ملاقات شیطان سے ہوئی جبرائیل نے کہا کہ اگر مان لیتا تو کتنی تیری عزت تھی تو شیطان نے کہا کہ!!

میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ھو۔ اللہ ھو۔ اللہ ھو۔ اللہ ھو

مطلب یہ کہ صرف اللہ ھو سے بات نہیں بنتی، اگر آپ کے وجود میں بدی ہے اور آپ اس بدی کو مسلمان کر دیتے ہیں تو بڑی بات ہے، سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ نبی کا شیطان مسلمان ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ کسی موڑ پر بھی نبی کی معصومیت کو ہٹا کر غیر معصومیت کی طرف نہیں لے جاسکتا، ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ بدی کو ختم کریں۔

فرشتے سے بہتر ہے انسان ہونا مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

کیا زمین پر آبادی کے بعد دوام ہوگا؟ نہیں۔ **"ولکم فی الارض"**۔ اور تمہارے لیے زمین میں۔ **"مستقر"** قرار گاہ ہے۔ **"ومتاع"** اور نفع اندوزی ہے۔ **"الی حین"** ایک وقت تک۔ لفظ حین نکرہ ہے یعنی اس کی تعیین نہیں ہے، اگر انسان کو پتہ ہو کہ میں نے فلاں دن مر جانا ہے تو نیکی اختیاری نہیں رہتی، بلکہ وہ اضطراری نیکی ہوگی، لہذا موت اور قیامت کو چھپا دیا تا کہ آپ کا اختیار باقی رہے جس کے ساتھ آگے بڑھیں، اگر اضطرار اور مجبوری کے ساتھ آگے بڑھیں گے تو اس نیکی کا ثواب کوئی

Marfat.com

نہیں ہوگا، اب حضرت آدمؑ کو بے حد دکھ تھا کہ ہم نے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ عجیب انداز سے شیطان کی بات مانی ہے اب ہم یہاں سے جا رہے ہیں، رجوع الی اللّٰہ کا طریقہ کیا ہوگا، یہ انسانی فطرت کی طرف بڑے حسین انداز سے قرآن اشارہ فرما رہا ہے مطلب یہ ہے کہ آپ سے غلطی سرزد ہوگئی ہے، اس کے بعد کیا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف مڑتے ہیں یا نہیں، اگر مڑتے ہیں تو ضمیر زندہ ہے، ورنہ آپ نے نیکی کا گلا گھونٹ دیا ہے، اور بدی کو اپنے اوپر مسلط کرلیا ہے، آدمؑ وہاں سے نکلے اب واپسی کا طریقہ کیا ہو۔

/☆☆☆/

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾
پھر سیکھ لیے آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ۴۳

۴۳ **"فتلقّٰی ادم من ربه کلمات فتاب علیه"** ۔**"تلقّٰی"** لفظی معنی قبول کرلیا، ہم معنی کریں گے سیکھ لیا۔ **"من ربه"** اپنے پروردگار سے۔ **"کلمٰت"** کچھ کلمات، کلمات کیا تھے؟ مفسرین کے دو اقوال ہیں، ایک قول ہے کہ **"ربنا ظلما انفسانا .... من الخسرین"** سیکھ لیے۔

دوسرا قول جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے علاوہ بیسیوں مفسرین کا بھی قول ہے۔ شاہ صاحب نے تفسیر عزیزی جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 116 پر لکھا ہے کہ بڑی مدت تک حضرت آدم علیہ السلام شرم سے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے نہیں تھے، آخر کار عرض کی **"اللّٰھم اسئلک بحق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ان تغفرلی"** اے اللہ میں حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے حق کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ مجھے معاف کردے اللہ کریم نے پوچھا اے آدم تم انہیں کیسے پہچانتے ہو، جواباً عرض کی کہ عرش کے پایوں پر جنت کے دروازوں پر لکھا ہوا تھا **"لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ"** میں نے سوچا کہ ان مقامات پر جس ہستی کا نام تو نے لکھا ہے، ان سے بڑھ کر تیرے نزدیک کوئی بھی نہیں ہوگا، اللہ کریم نے فرمایا کہ میں نے تجھے معاف کردیا، لیکن یہ یاد رہے۔ **"لولاہ لماخلقتک"** ۔اگر وہ نہ ہوتے تو آپ کو کسی نے وجود نہیں بخشنا تھا، یہی حدیث دوسرے مقامات پر ان الفاظ سے بھی ہے۔ **"لولاک لماخلقت الافلاک"** ۔اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ فرماتا۔ **"لولاک لماخلقت الارضین"** ۔اگر آپ نہ ہوتے تو میں زمینوں کو پیدا نہ فرماتا۔ تبھی برصغیر کے عظیم محدث ومفکر قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ نے تفسیر مظہری میں **"واذقال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفه"** ۔کے تحت ایک نکتہ اٹھایا کہ اصلِ وجود سرکار علیہ السلام کی ذات اقدس ہے، اور خلیفۂ اعظم بھی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ (مثلاً آپ ایک بیج زمین میں بودیتے ہیں اس کا مقصد بہت سارے دانے حاصل کرنا ہے اس کے پتے اور ٹہنیاں ہیں) آدم علیہ السلام کی شکل میں جو نبوت بوئی گئی ہے اس کا اختتام سرکار علیہ السلام کی ذات گرامی ہے جو اس بیج کی تکمیل ہے، لہذا کائنات میں وہی خلیفۂ اعظم ہیں۔

"فتاب علیه" ۔توبہ کا معنی ہے رجوع کرنا۔ شریعت میں حقیقت توبہ کیا ہے، اللہ نے اپنی صفت 'تواب' رکھی ہے مطلب یہ ہے کہ جب کوئی بندہ غلطی کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر کرم بھی اس کی طرف رجوع کرلیتی ہے، بار بار

Marfat.com

توبہ بار بار گناہ۔ یہ توبہ نہیں ہے، توبہ کے لیے کچھ قاعدے ہیں، کہ بندہ اپنے جرم کا اقرار کرے پھر آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو، ان چیزوں سے مل کر توبہ بنتی ہے، اور اگر تلافی ہو سکتی ہو تو تلافی کرے، لیکن ہر عمل کی تلافی نہیں ہوتی، مثلاً ایک بندہ نمازیں قضا کرتا رہا، پھر اسے احساس ہوا کہ یہ گناہ عظیم ہے، اس صورت میں اعتراف کرے پھر نادم ہو، پھر پختہ ارادہ کرے کہ اب کوئی نماز نہیں چھوڑے گا لیکن قضا شدہ نمازیں پھر بھی پڑھنی پڑیں گی، علما نے کہا کہ ہر نماز کے ساتھ ایک نماز کی قضا کرتے جائیں، اسی طرح روزے کے بارے میں ہے۔

"انّه هو التّواب الرحيم "۔ یقیناً اللہ توبہ قبول فرمانے اور رحم کرنے والا ہے۔

ہمارے ایک صوفی نے بڑا نفیس نکتہ پیدا کیا ہے اور اقبال نے پوری نظم لکھ ڈالی، ایک بندے سے کسی ولی کامل نے پوچھا کدھر جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ اللہ کو تلاش کرنے، انہوں نے فرمایا مبارک ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے سے ہی تلاش کرنے نکلا ہوا ہے، یہ تو اب آپ نے رخ اُدھر موڑا تو اس کی توجہ آپ کی طرف مڑ آئی۔

﴿☆﴾﴿☆﴾﴿☆﴾﴿☆﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى
حکم دیا ہم نے اترو تم سب جنت سے پھر جس کے پاس میری ہدایت (پیغام حق) پہنچی
فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾
تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی ان پر کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہونگے ۴۵

۴۵ قلنا اهبطوا منها جميعا حکم دیا ہم نے کہ اتر جاؤ اس سے سارے کے سارے۔

پہلی دفعہ بات جنت سے نکالنے کی تھی، یہاں زمین پر اتارنے کی ہے، اب وہ کہاں کہاں اترے تھے حضرت مائی حوا سلام اللہ علیھا جدہ میں اتری تھیں، جدہ کا لفظی معنی ہے وادی۔ حضرت آدم علیہ السلام مالدیپ کے جزیروں میں اتارے گئے تھے، بہت بڑا جھد ہے، مطلب یہ کہ جدو جہد والی زندگی کا آغاز ہو گیا ہے، اور اسلام کا نکتہ نظر، یہ ہے کہ جب تک آپ اس دنیا میں زندہ رہیں آپ کی زندگی جدو جہد سے عبارت ہونی چاہیے، پیدائش کے وقت گھریلو حالات کیا تھے اور واپسی کے وقت کیا ہیں، اگر اچھی تبدیلی آپ نے پیدا کی ہے تو زندگی کامیاب ہے، اقبال نے اس مفہوم کو کتنے حسین انداز میں بیان کیا۔

چوں درون من در آئی دگر آرزو نہ بینی مگر ایں کہ شبنم تو یم بے کنار بادا

اگر تو کسی وقت میرے اندر داخل ہو جائے تو اقبال کے سینے میں تجھے ایک ہی آرزو ملے گی، کہ تو ایک قطرے اور شبنم کی صورت میں یہاں آیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ تو سمندر بن جائے، تیرا کنارا کسی کو نہ مل سکے، قرآن کے اس پیغام کو اس قلندر نے شعر کا رنگ دے کر نئے رنگ میں ڈھال دیا۔

" فامّا یاتینکم منی هدًی "۔ تمہارے پاس میری طرف سے اگر پیغام ہدایت آجائے۔

"فمن تبع هدای "۔ جو میرے پیغام ہدایت کے پیچھے چل پڑا۔

"فلاخوف علیهم ولاهم یحزنون"۔ ایسے لوگوں پر نہ تو کوئی خوف ہے نہ انہیں غم ہوگا۔

یہاں امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بڑا ہی نفیس نکتہ بیان فرمایا۔ کہ یہاں 'اما' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کتاب اور انبیاء کو بھیجنا فرض میں شامل نہیں ہے، اگر یہ آجائیں تو بات مان لو، لیکن اگر یہ نہ بھی آئیں تو اپنی عقلی قوت سے کائنات کا دل چیر کر مجھ تک پہنچ جاؤ اسی مقصد کے لیے تو تمہیں عقل عطا ہوئی ہے، فقیر نے عرض کیا ہے۔

Marfat.com

نہ پوچھو میری وسعت کی مکاں سے لامکاں تک ہے نگاہوں کی رسائی اس جہاں سے اس جہاں تک ہے

"خوف" عام مترجمین نے لکھا ہے کہ مصیبت آنے سے پہلے جو ڈر ہے وہی خوف ہے، اور جب مصیبت آ کر گزر جاتی ہے تو بعد والی کیفیت غم ہے، مثلاً ایک بیمار کی موت کا اندیشہ یا خوف ہے، وہ مر جاتا ہے تو پھر غم ہے لغت کے حساب سے یہ بات ٹھیک ہے لیکن آیئے اسے ایک معنی پہنا دیں، خوف اپنی ذات کے متعلق ہوتا ہے اور حزن دوسرے کے متعلق۔ مثلاً چھوٹے سے صندوقچے میں حضرت موسیٰؑ بہتے جا رہے ہیں ان کی والدہ کو کہا جاتا ہے کہ **"لاتحزنی"** انہیں غم اس بات کا ہے کہ بیٹا کہیں غرق نہ ہو جائے، دوسری مثال غار میں سرکار علیہ السلام ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہیں 'لاتحزن ان الله معنا' تو صدیق کو اپنے لیے غم نہیں بلکہ سرکار علیہ السلام کا ہے، سرکار علیہ السلام نے تسلی دی کہ غم نہ کر۔ اپنے لیے خوف ہوتا ہے، اب قرآن کی آیت نے یہ بات کہی، جو میری ہدایت کا پیروکار ہو کر میری طرف مڑ آئے گا، ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ معاشرے کو بنانے کے لیے اٹھے ہیں، خواہ انبیاء، اولیاء یا صلحاء ہیں انہیں کہا جاتا ہے کہ نہ تمہیں اپنا غم ہے اور نہ ان کا جن کے لیے تم یہ سارے جتن کرتے رہے ہو نہ حزن ہو گا نہ غم ہو گا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ع﴿۳۹﴾

اور جنھوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو(تو) وہ دوزخی ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۳۶

۳۶ "والذین کفرو و کذبوا بایتنا اولٓئک اصحب النار ھم فیھا خلدون " ۔اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

پتہ چلا کہ اولاد آدم علیہ السلام دو حصوں میں بٹ جائے گی، کچھ تو احکام خداوندی کے پیرو ہونگے تو ان کا انجام پہلے ذکر ہو چکا اور کچھ ذات خداوندی کے بھی منکر ہونگے اور مزید یہ بھی کریں گے کہ وہ آیات الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کی کتابوں کا بھی انکار کردیں گے اب وہ زندگی اپنی مرضی سے گزاریں گے تو ان کا انجام اچھا نہیں ہے، یہ ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے، جہاں کا عذاب دائمی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

اس کا جب یہ معنی ہے تو اللہ وہ ہوگا جسے سوچتے ہوئے آپ حیرانی میں ڈوب جائیں، اور وہاں تک پہنچتے ہوئے آپ راستے کی پہنائیوں سے اور وسعتوں سے حیرت زدہ ہو کے رہ جائیں، اب جب آلـہ کے بعد الـہ آجائے تو اس کا معنی ہوتا ہے سکون پانا، چونکہ اللہ کریم کی وہ ذات ہے جب آپ گھبرا جاتے ہیں، مصیبتیں آپ کو گھیر لیتی ہیں، ساتھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں تو اس وقت سب سے کٹ کے جس ذات کی طرف آپ متوجہ ہوتے ہیں، جہاں آپ کو سکون ملتا ہے، وہ ذات ربانی ہوتی ہے، ایک معنی اس کا "**فـزع**" بھی ہے، اس کا مطلب ہوتا ہے کسی کے سامنے آہ و زاری کرنا (فریاد کرنا) یعنی آپ مصیبتوں میں گھر کے جس ذات اقدس کے سامنے دامن پھیلا کے آہ و زاری (فریاد) کرتے ہیں وہ اللہ کی ذات پاک ہے، اب "**الـہ**" کو متعدی بنائیں، "**الـہ الفصیل**" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ کوئی بھی جانور، اونٹ کا بچہ، گائے کا بچہ، بکری کا بچہ، ہاتھی کا بچہ، شیر کا بچہ، جب وہ راستے کی رکاوٹیں توڑ کے ماں کی طرف بھاگنا چاہے تو اسے "**الہ**" کہتے ہیں۔

آپ کو جب مختلف مصیبتیں گھیر لیتی ہیں یا آپ مصیبتوں میں پھنس جاتے ہیں تو آپ اس دنیا سے اپنا دامن چھڑا کے جس ذات کی طرف جانا چاہتے ہیں اس ذات کا نام اللہ ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جو اس عربی لفظ کے مختلف انداز سے سامنے آتی ہے، کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ یہ لفظ "**الـہ**" سے نہیں بلکہ "**ولـہ**" سے بنا ہے، اور عربی گرامر میں واؤ لف سے بدل گئی ہے، اگر وہ لفظ ہے تو میں نے پھر لغت کا سہارا لیا وہاں اس کا معنی وہی تھا کہ حیرت زدہ ہو کے کسی ذات کی طرف لپکنا۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے جن کے ساتھ میرا اتفاق نہیں ہے، کہ یہ اصل میں لفظ سریانی ہے عربی نہیں ہے، اور "**لا ھا**" سے بنا ہے، لیکن عربی کی وسعتیں اتنے نازک موضوع پر عربی کو چھوڑ کے سریانی کی طرف نہیں جاسکتی تھیں، دنیا کی سب سے وسیع زبان عربی ہے، اگر یہ لفظ "**سریانی**" سے بنا ہو تو سریانی میں اس کا معنی ہے پردے کے پیچھے چلا جانا، یعنی نظر نہ آنا۔ تو اللہ کریم کی ذات اقدس بھی نظر نہیں آتی، عقیدہ توحید پر ابتداء میں ایک مفصل خطاب میں یہ بات میں نے آپ کو بتائی تھی کہ اس ذات کا جسم نہیں ہے کہ اسے کوئی دیکھ سکے، لہٰذا جب یہاں لفظ اللہ کا استعمال کیا تو یہ ساری لطافتیں اس نے عربی میں سمو دیں، کہ اللہ کے نام سے پھر آگے لفظ رحمٰن کہا ہے، رحیم کہا ہے۔ پہلے میں ان کا لغوی معنی کروں گا، پھر وسعتوں کی طرف بڑھوں گا۔

"**رحمٰن**" عربی زبان میں مبالغے کا لفظ ہے، اس کا معنی ہوتا ہے ''بہت زیادہ رحم کرنے والا''۔ لہٰذا ہمارے اکثر مترجمین نے اس کا معنی کیا ''نہایت مہربان''۔ ''نہایت رحم کرنے والا''۔

البتہ "**رحیم**" کے معنی سے ہمارے بہت سارے مترجمین نے بہت ہی کم انصاف کیا ہے، رحیم کا معنی انہوں نے ''رحم کرنے والا'' کہہ دیا ہے، اس کا یہ معنی صحیح نہیں ہے، عربی زبان میں یہ صفت مشبہ کا لفظ ہے، اسم فاعل نہیں ہے، اسم فاعل اور صفت مشبہ میں فرق یہ ہوتا ہے، کہ اسم فاعل کی بات وقتی ہوتی ہے، مثلاً آپ کہتے ہیں ''ضارب'' مارنے والا۔ تو یہ وقتی بات ہوگی کہ وہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ
اے اولادِ یعقوب یادکرو میرا وہ احسان جو کیا میں نے تم پر
وَ اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ وَ اِیَّایَ فَارۡہَبُوۡنِ ﴿۴۰﴾
اور پورا کرو تم میرے وعدے کو میں پورا کروں گا تمھارے وعدہ کو اور مجھی سے ڈرو ۴۷

۴۷ **"یٰبنی اسرآءیل اذکروا نعمتی الّتی انعمت علیکم واوفوا بعهدیۤ اوف بعهد کم و ایّای فارهبون"**
یہاں سے لے کر سپارے کے اختتام تک یہود کا بڑی تفصیل سے تذکرہ ہے، اس کی کچھ وجوہات ہیں، پہلی اور بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلام سے پہلے مختلف قوموں اور مذہبوں میں یہود ایسی قوم تھی جس قوم کو یہ شرف حاصل تھا کہ ان کے پاس الہامی علوم موجود تھے، اس وجہ سے یہ علمی میدان میں باقی سب پر چھائے ہوئے تھے، عرب میں بالخصوص مدینہ طیبہ اور خیبر میں ان کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی، عرب کہتے کہ اگر یہود سرکار علیہ السلام کو مان لیں گے تو ہمارے لیے ماننا کوئی مسئلہ نہیں رہے گا، چونکہ وہ علم وفکر والے لوگ ہیں، اس لیے قرآن کریم نے براہ راست یہود کو خطاب فرمایا پھر قدیم دور کی تورات میں یہ بات بھی موجود تھی کہ پیچھے آنے والا نبی اگر تورات کی تصدیق کرے تو سچا ہے 'والا فلا' ورنہ نہیں۔ سرکار علیہ السلام کے لائے ہوئے قرآن نے تورات کی تصدیق اس انداز سے کی کہ یہ کتاب اللہ کریم کی طرف سے اللہ کریم کے کلیم پر نازل ہوئی تھی، اور ایسی باتیں جو اخلاقی یا توحید کے مختلف اطوار کے نکتہ نگاہ سے سابقہ کتابوں میں موجود تھیں قرآن پاک نے ان کی صرف تصدیق ہی نہیں کی بلکہ انہیں اپنے ضمن میں بھی لے لیا، لیکن سرکار علیہ السلام کی بعثت کے بعد یہود نے تسلیم کا انداز چھوڑ دیا، اور انکار کیا، اس انکار کی دو وجوہات تھیں۔ ۱۔ یہ کہ وہ شان وشکوہ جو انہیں اپنی قوم میں حاصل تھا وہ انہیں اسلام کی طرف نہیں آنے دیتا تھا۔ ۲۔ کچھ دنیاوی اغراض تھیں جو انہیں اس علم سے حاصل ہو رہی تھیں اگر وہ سرکار علیہ السلام کی طرف آجاتے تو واضح بات ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑنا پڑتا۔ اتنا تفصیل سے ذکر کرنے کی ایک اور حکمت بھی ہے کہ جب کسی قوم کو عروج ملتا ہے تو عروج کے ساتھ ساتھ ان میں مختلف اخلاقی، تہذیبی اور اقتصادی خرابیاں بھی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں، تو ایک نوخیز جماعت جو سرکار علیہ السلام کے ارد گرد جمع ہے ان کے سامنے یہود کی وہ ساری حرکتیں بیان کی جارہی ہیں، کہ اگر یہ صفات کل تم میں پیدا ہو جائیں تو تمہارا بھی یہی حال ہو سکتا ہے،

Marfat.com

قرآن کریم نے جس نبی کے واقعات سب سے زیادہ بیان کیے ہیں وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس ہے، اور اسی ضمن میں یہود کا ذکر بڑی کثرت سے آیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہود کو خطاب کرنا دراصل اہل دانش و اہل علم کو خطاب کرنا تھا، لہذا قرآن نے اس بات پر بہت زور دیا، مفسرین سے ہٹ کر میں ایک اور بات سمجھتا ہوں، کہ باقی لوگ توحید کے قائل نہیں تھے، آسمانی کتابوں کے قائل نہیں تھے، انہیں سمجھانا بہت زیادہ مشکل تھا، بہ نسبت ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کو جانتے ہوں، رسولوں کو بھی، کتابوں اور قیامت کو بھی مانتے ہوں، چونکہ یہ باتیں یہود میں موجود تھیں، اس لیے زیادہ توجہ یہود کی اصلاح پر دی، اور فکری طور پر یہ ہماری بدقسمتی رہی، کہ روز اول سے لے کر آج تک جس گروہ نے ہمارے ساتھ سمجھوتا کسی بھی موقعے پر نہیں کیا وہ یہی یہود ہیں۔

"**یٰبَنِیٓ اسرآءیل**" ۔ یآ ۔اے۔بنی ۔ابن ۔بیٹا۔اس کا جمع بنون ، بنین بنتا ہے، اضافت سے واؤ گر جاتی ہے، **حالت نصبی** میں واؤ نہیں بلکہ یا ہوتی ہے، یہاں اس پر زبر پڑھی جانی چاہیے تھی لہذا یا آ گئی ہے۔

اسرائیل ۔سیدنا یعقوب علیہ السلام کا عبرانی نام ہے، اسرائیل کا لفظی معنی ہے، عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ ہے اس کا ترجمہ تین طرح سے ہوسکتا ہے، کہ اے یعقوب کے بیٹو، اے اسرائیل کے بیٹو اے عبداللہ کے بیٹو۔

"**اذکروا**" "تم یاد کرو،" **نعمتی** " ۔یہاں احسان کے معنی میں ہے کہ تم یاد کرو میرا احسان ۔"**التی**"جو۔ "**انعمت**" میں نے انعام کیا تھا۔ "**علیکم** "تم پر۔

اب یہ نعمت چونکہ مصدر ہے لفظ جنس کے طور پر واحد ہے، معنی جمع کا ہوگا معنی ہوگا میرے ان احسانوں کو یاد کرو، جو میں نے تم پر کیے ہیں۔

"**واوفوا بعھدی** " ۔تم پورا کرو۔ب۔ساتھ ۔ **عھدی**۔میرا عہد۔عربی کا اپنا سٹائل ہے، اس لیے۔ب۔کا معنی نہیں آئے گا، تم میرا عہد پورا کرو۔

"**اوف بعھدکم** " ۔اوف'۔میں پورا کروں گا، "**عھدکم** "تمہارا عہد۔عہد کا قرآن نے تفصیل سے ذکر کیا ہے، لیکن تورات میں باب استثنا 17 تا 26 آیت تک اس عہد کا ذکر ہے، جو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جناب موسیٰ کی وساطت سے کیا تھا، اس عہد کی ایک بات یہ تھی کہ مستقبل میں اس عظیم انسان کے آنے کے بعد جو ساری کائنات کا ہادی ہے ہم اسے تسلیم کریں گے، پھر جب سرکار علیہ السلام تشریف لے آئے تو یہ بات نہ ہوئی اس لیے قرآن نے کہا کہ تم میرا عہد پورا کرو، میں تمہارا عہد پورا کروں گا، ان کا عہد جو یہ بار بار زبان پر لاتے تھے وہ یہ تھا جس طرح بھی ممکن ہو ملک شام یہودیوں کے قبضے میں رہنا چاہیے، آج بھی تورات کے مطالعے سے بات ثابت ہوتی ہے کہ شام ہمارا استحقاقی گھر ہے، تو قرآن نے فرمایا! کہ تمہارے

ساتھ کیا ہوا عہد پورا ہوگا اگر تم نبی آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلیم کرلو تو شام تمہیں عطا ہوگا، انہوں نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمکو تسلیم نہیں کیا، تو ملک شام اللہ کریم نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادموں کو عطا فرمادیا، پھر ساتھ یہ بات فرمائی!

" فایای فارھبون" اصل میں یہ لفظ **'ارھبونی'** ہے، **ارھبوا!** تم ڈرو۔ نی۔ مجھ سے۔ **ارھبونی**۔ کی **یا** کو۔ **ایا** ۔لگا کر پہلے ذکر کردیا۔ اور جب اس کے ساتھ۔ ایا آجائے تو پھر۔ یا پر زبر پڑھی جاتی ہے، اور معنے میں حصر پیدا ہوجاتا ہے، اب معنی ہوگا، صرف مجھ سے ڈرو، **'ارھبو ن'** کے آخر میں۔ ن۔ باقی رہا تا کہ معلوم ہو، کہ پیچھے۔ یا۔ حذف ہے بدلے میں یا کو پہلے بھیج دیا گیا ہے۔

اب اس میں اس بات کی تنبیہ تھی کہ تم ظاہری اقتدار، اقتصادی بدحالی سے ڈر رہے ہو، ان باتوں سے مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرو، کیا تاریخ اس بات کی شاہد نہیں ہے کہ عرب کے رہنے والے یہ لوگ اپنے دور میں سب لوگوں سے غریب تھے، بالکل بدویانہ اور جاہلانہ زندگی تھی، تو کیا جب وہ اللہ سے ڈرنے لگے، تو ایسی بات نہیں ہوئی، کہ اقتدار ان کے قدموں سے چمٹ گیا، اور پھر کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے، کہ اقتصادی میدان میں وہ لوگ سب سے آگے نکل گئے، یہ الگ بات ہے کہ اس کو اپنے اوپر سوار نہیں کیا، بلکہ سواری ہی رکھا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ

اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو نازل کی ہے میں نے یہ سچا ثابت کرنے والی ہے اس کو جو تمھارے پاس ہے اور نہ بن جاؤ تم پہلے انکار کرنے والے اس کے

وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۴۱﴾

اور نہ خرید و تم میری آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت اور صرف مجھی سے ڈرا کرو ۴۸

۴۸ " وامنوا بما انزلت مصدقا لما معکم " ۔'وامنوا' اور تم ایمان لاؤ۔ بما۔ اس چیز پر جو۔ "انزلت" میں نے اتاری ۔"مصدقا" وہ تصدیق کرتی ہے۔ 'لما' اس چیز کی جو۔ 'معکم تمہارے پاس ہے۔

تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے میں نے اتارا ہے، اور وہ تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہے، واقعاتِ تورات کی عملی تصدیق اور اخلاق کی تصدیق عملی انداز سے قرآن نے کی اور انہیں منسوخ نہیں کیا، کچھ ایسے احکام ہیں کہ جو وقتی تھے، انہیں قرآن نے منسوخ قرار دیا ہے، منسوخ ہونے کے بعد کیا ان حروف کی عزت باقی ہے یا نہیں؟ اسلامی نکتہ نگاہ سے باقی ہے قرآن کی کچھ آیات منسوخ ہیں کیا آپ نے منسوخ آیات کی تلاوت کرتے ہوئے حلاوت محسوس نہیں کی؟ یا کیا ان کا ثواب نہیں ہے؟ کیا اُن کے پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی؟ یہ بات نہیں ہے اسی طرح اگر تورات کے کچھ احکام قرآن نے منسوخ کر دیے ہیں تو ان کے فوائد اس دور کے لیے نہیں تھے، جس دور میں قرآن آ رہا تھا لہذا اس کے احترام میں کوئی فرق نہیں ڈالا۔ اور یہی تصدیق ہے، لیکن تصدیق اس کتاب کی ہے، جو 'محرف' نہیں، جس میں تحریف نہیں ہوئی، جب کتاب کو تبدیل کر دیا جائے، جو انسانوں نے اس کے اندر بھر دیا ہے، تو اس کا قرآن مصدق نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی صاحب علم و رائے اس کی تصدیق کر سکتا ہے، اس لیے کہ ایک انسان کا ذہن جو آج سے چار ہزار سال پہلے سوچ رہا تھا وہ سوچ آج نہیں ہو سکتی، تو ان کی تصدیق کے متعلق جو انسانی نکتہ نگاہ سے تحریریں آئی ہیں کسی انداز سے بھی اقرار، نہ قرآن کرتا ہے نہ مسلمان، نہ ہی فکری دنیا کا کوئی انسان کر سکتا ہے۔

"ولا تکونوا اول کافر بہ" ۔'ولا تکونوا' اور تم نہ ہو۔ 'اول کافر بہ' سب سے پہلے اس کے منکر۔ ہمارے مفسرین ایک بات میں الجھ گئے کہ مکہ والے پہلے انکار کر چکے تھے، تو مدینے والے یہود پہلے منکر تو نہ ہوئے؟ وہ تو دوسرے نمبر پر ہیں، جواباً عرض کروں کہ مکے والوں کے انکار کو قرآن نے اہمیت نہیں دی، اس لیے کہ ایک ان پڑھ اگر تعلیم کا انکار کرتا ہے، تو اس کا انکار کسی شمار و قطار میں نہیں ہے، انکار اسی کا ہوگا جو جانتا سمجھتا ہے، اور پھر کسی عناد کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے وہ مخالفت کرتا

Marfat.com

ہے، تو لکھے پڑھے انکاری مدینے کے یہودی تھے، جن کا منکرین اولین میں شمار قرآن نے کیا۔

عربی کا عظیم شاعر متنبی بیٹھا تھا کچھ لوگوں نے اس کے سامنے اس کی بے پناہ تعریف کی جب وہ اٹھے تو متنبی رو رہا تھا کسی نے رونے کی وجہ پوچھی ؟اس نے کہا کہ میں آج تک سمجھتا تھا کہ میں بڑا ہی اونچا فکری شاعر ہوں لیکن یہ تعریف کرنے والے ان پڑھ بدوی ہیں، جب یہ میری بات کو سمجھ لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ میرا علم وادب میں کوئی مقام نہیں، یہ بات آج مجھے دیر کے بعد سمجھ آئی ہے، جس کی وجہ سے رو رہا ہوں، مقصد یہ کہ جاہل کے قول پر اعتبار نہیں ہوتا، لہذا اہل مکہ کا اعتبار نہیں، نتیجہ یہ نکلا کہ علمی دنیا میں پہلے جاہل یہود ہیں، لہذا انہیں کہا گیا کہ تمہارے پاس تو وحی، کتاب، رسول آیا تھا، تم جاننے والے لوگ ہو، تمہیں اس کے انکار کا حق نہیں ہے، اب قرآن نے ان کی عادات کا پردہ چاک کیا تا کہ عربوں کے ذہن سے اس بات کو نکالا جا سکے، کہ جن کے سر پر آپ نے علم وعظمت کی پگڑی باندھ رکھی ہے، وہ اندر سے کتنے کھوکھلے ہیں، اور جو انہوں نے جعلی سا معاشرہ بنا رکھا ہے وہ کتنا ناپائیدار ہے چار ہزار سال میں ان کے پاس چار ہزار انبیاء تشریف لائے، اب صاف بات یہ ہے کہ علم وحکمت ان کے پاس تھی، انبیاء کی تعلیمات بھی تھیں، لیکن ان کا سب سے بڑا کام یہ بن گیا کہ وہ آیات ربانی میں تحریف کرنے لگے۔ آیات ربانی کی ابتداء میں انہوں نے تعبیر غلط کی۔ الفاظ کے ہیر پھیر سے مطلب کو بدل دیا، پھر جب سمجھا کہ اب ہم اس بات میں ماہر اور ہوشیار ہو گئے ہیں تو پھر الفاظ کی تحریف شروع کی، اور بے شمار آیات کے الفاظ کو بدل دیا گیا، وہاں تو صرف الفاظ بدلے گئے تھے، آگے چل کر اصل تورات اپنی زبانِ اصل میں نہ رہی، یعنی عبرانی زبان میں تورات دنیا میں ختم ہوگئی، کیفیت یہ تھی کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس پر حملہ کر کے تباہی و بربادی مچادی تو اس نے تورات کے سارے نسخے جمع کر کے انہیں آگ لگادی، چونکہ سارا کام قلمی ہوتا تھا، سیدنا عزیر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں آپ کو تورات دیتا ہوں، کسی مقام سے جگہ کھدوائی گئی تو نیچے سے تورات کا نسخہ برآمد ہوا، بجائے اس کے کہ وہ یہودی صرف معتقد ہوتے، کہنے لگے۔

"وقالت الیھود عزیر ن ابن اللّٰہ"۔ اور کہا یہودیوں نے کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، میں سوچتا ہوں کہ عزیر علیہ السلام نے ایک کتاب نکال کر دی تو یہودیوں نے ابن اللہ کہا، مگر مسلمانوں کے ہاں لاکھوں حفاظ موجود ہیں کسی مسلمان نے سرکار علیہ السلام کو ابن اللہ نہیں کہا؟ ۔۔ بھی پکارا، عبدہ ورسولہ ہی کہا۔ فرمایا! کہ تم تورات میں اس لیے تبدیلی لاتے ہو کہ اصل نظریہ بدل جائے، مطلب یہ ہوا کہ دنیاوی اغراض کے لیے عموماً اور طلب زر یعنی پیسہ کے لیے خصوصاً تم آیات کے مفہوم کو تبدیل کرتے ہو، اسے قرآن پاک نے یوں تعبیر کیا۔

"ولا تشتروا بایٰتی ثمنا قلیلاً" ۔ **ولا تشتروا** تم نہ خریدو۔ یعنی نہ لو یہاں با کا معنی بدلہ ہے، آیات۔ آیتیں۔ ی۔ میری۔ میری آیات۔ **ثمناً** ۔ قیمت۔ **قلیلاً** تھوڑی۔ میری آیات کے بدلے میں تھوڑی قیمت مت لو۔ اس کا مطلب یہ

نہیں کہ تھوڑی قیمت میں نہیں بلکہ زیادہ قیمت میں بیچو، یہ مطلب اس لیے نہیں ہے کہ ساری دنیا کا جتنا سامان ہے اللہ نے اسے قلیل قرار دیا ہے۔

"قل متاع الدنیا قلیل" اگر یہ سارا مل جائے تو قرآنی آیات یا تورات کی اصل عبارت کے مقابلے میں ثمن قلیل ہوگا، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دولت آنی اور جانی چیز ہے، لہذا نہ وہ اخلاق کو پیدا کرتی ہے نہ ایمان اور نہ ہی عظمت کو آگے وہی اوپر والا انداز ہے کہ

"وایای فاتقون"۔ صرف اور صرف مجھی سے ڈرو۔ ان کی اگلی عادت یہ تھی کہ کوئی بات ہے اور ان لوگوں سے واسطہ پڑا ہے جو لکھے پڑھے ہیں یعنی ظاہری طور پر تحریف کر رہے ہیں، یا فکر، ڈانڈے غلطی سے کہیں اور ملا رہے ہیں، وہ مانتے نہیں ان کے سامنے اور کچھ نہ ہوا تو مختلف چیزوں کو یوں خلط ملط کر دیا، تا کہ وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں کہ براہ راست سوشل ازم نہیں ہے تو اسلامی سوشل ازم بن جائے، براہ راست کیپیٹل ازم نہیں ہے، تو اسلامی کیپیٹل ازم بنا دو، یعنی گفتگو میں اتنا خلط مبحث کرو کہ سننے والا الجھ کے رہ جائے کہ حقیقت کیا ہے، اس کو قرآن کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ حق و باطل کو ملا دینا، فرمایا!

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور مت ملایا کرو حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو ۴۹

۴۹ **"ولاتلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون"** ۔ **'ولاتلبسوا الحق'** اور تم نہ ملاؤ حق کو۔ **'بالباطل'** باطل کے ساتھ۔ **'وتکتموا الحق'** اور تم نہ چھپاؤ حق کو۔ جو پیچھے 'لا' کا لفظ ہے وہ اس **تکتموا** سے پہلے بھی عربی قاعدے کے مطابق موجود ہے، اب اگر عربی سے واقف نہ ہوں تو ترجمہ بڑا غلط ہوگا، کہ حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور (العیاذ باللہ) حق کو چھپادو۔ اب یہاں 'لا' موجود ہے اگرچہ سامنے لفظوں میں موجود نہیں۔ **"وانتم تعلمون"** ۔ جبکہ تم جانتے ہو، بامحاورہ ترجمہ یہ ہوگا کہ حق اور باطل کی آمیزش نہ کرو، حق کو مت چھپاؤ جان بوجھ کر۔ واضح رہے کہ قرآن کی تعلیمات دائمی ہیں، قرآن جب سابقہ امتوں کی کسی خامی کو بیان کر رہا ہو تو اس کی مرضی اور منشاء یہ ہوتی ہے کہ امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس خامی سے پاک رہے، یہ بھی عرض کروں کہ قرآن کا مفسر تفسیر کرنے بیٹھتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کے پیچھے چلے اسے اپنے پیچھے چلانے کی ناکام کوشش نہ کرے۔ اور جب غلط تفسیر ہوتی ہے تو تین ہستیاں حیران ہو جاتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس۔ ۲۔ سرکار علیہ السلام کی ذات اقدس۔ ۳۔ اور جبرائیل امین علیہ السلام کی ذات اقدس

کہ ہم نے کیا کہا تھا اور یہ کیا کر رہا ہے اب قرآن کے الفاظ کی تحریف نہیں ہوسکتی یہ ٹیکسٹ بک TextBook جو چودہ سو سال سے محفوظ ہے لیکن مختلف ادوار میں مختلف اندازوں سے اس پر غبار ڈالنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے بطور ٹیکسٹ بک اس لیے محفوظ رکھا ہے، کہ جب غبار پڑ چکا ہوگا تو کوئی اللہ کا بندہ اٹھ کھڑا ہوگا جو اسے جھاڑ دے گا، کبھی وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کبھی شاہ ولی اللہ کبھی کسی اور مرد کامل کی شکل میں اٹھ کھڑا ہوگا پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا، یہ قرآن اس لیے محفوظ ہے ورنہ معنوی تحریف کرنے میں یہودی صفت لوگوں نے مختلف ادوار میں قرآن کے معانی بدلنے کی بھی ناکام کوشش کی ہے، مثلاً قرآن نے کہا **"محمد رسول اللہ وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین"** تو قادیان میں ایک لعنت پیدا ہوئی تھی جس نے کہا یہ دونوں آیتیں میری شان میں نازل ہوئیں۔ (العیاذ باللہ) اس سے بڑھ کر اور معنوی تحریف کیا ہوگی؟

اللہ کا شکر ہے کہ ایک منحوس طبقہ ختم ہو گیا ہے جسے معتزلہ کہتے تھے، معتزلہ نے قرآنی آیات کو تاویلات سے بھر دیا اور انہی باتوں کو سامنے رکھ کر اقبالؒ نے کہا!

Marfat.com

ولے تاویل شان درحیرت انداخت خدا و جبریل و مصطفیٰ را

اب قرآن نے عبرت دلائی کہ جن کے پاس پہلے کتاب آئی تھی، انہوں نے اس کے الفاظ و معانی بدلے مسلمانو! تم دو باتوں کو سامنے رکھو سرکار علیہ السلام نے قرآن کی تفسیر کا گر بتایا کہ!

"القرآن یفسر بعضہ بعضاً" او کما قال قرآن خود اپنے کچھ حصوں کی دوسرے مقام پر تفسیر کر دیتا ہے، دوسری تفسیر وہ مانو جو میں بیان کر رہا ہوں تو جو بھی تفسیر قرآن وسنت کے معیار پر پوری نہیں اترے گی وہ تفسیر قرآن نہیں ہے، ضمناً یہ بات ہوئی کہ یہودیوں کی یہ بیماری تم میں نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارے ملک پاکستان میں بڑی دیر سے ایک بحث چل رہی ہے کہ کیا تین طلاقیں ایک محفل میں دی جائیں تو وہ ایک ہوتی ہے یا تین ہوتی ہیں۔

صدر ایوب خان نے فیملی لاز Family Laws میں تین کو ایک قرار دیا دوسری طرف ساری امت تین کو تین ہی کہتی ہے۔ میرا ایک فتویٰ عدالت میں گیا تو عدالت نے مجھے طلب کیا جج مجھے کہتا ہے کہ آپ کو معلوم ہے ملکی آئین میں تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں میں نے کہا مجھے معلوم ہے جج نے کہا کہ شاہ صاحب! آپ نے اس آئین کی جان بوجھ کر مخالفت کی ہے؟ میں نے کہا بالکل جان بوجھ کر مخالفت کی ہے اور ساری زندگی کرتا رہوں گا چونکہ میں اس آئین کا مقلد اور پیروکار نہیں ہوں میں صرف قرآن وسنت کا پیروکار اور مقلد ہوں جج نے کہا کہ جب عدلیہ کہتی ہے اور فیملی لا بھی یہی کہتا ہے کہ تین ایک ہیں تو آپ کو بدیر یا بسویر تین کو ایک ماننا پڑے گا، میں نے سوچا کہ میں جج صاحب کو کسی اور رخ پر لے چلوں میں نے کہا جناب والا! آپ مجھے تین لاکھ روپے دے دیں دو تین ماہ کے بعد میں آپ کو ایک لاکھ واپس کردوں گا چونکہ تین ایک ہوتا ہے کہنے لگے یہ تو نہیں ہوسکتا، میں نے کہا تو پھر دین کو ہی مذاق بناتے ہو، اگر یہ نہیں ہوسکتا تو وہ کیسے ہوسکتا ہے کیا آج کے علماء بیں اسلاف سے بڑھ کر عقل آگئی ہے؟ تو یہ وہ باتیں ہیں جو تحریف کے ضمن میں آتی ہیں۔ آج کل فیملی پلاننگ والے قرآنی آیات کا جو مفہوم عوام کے ذہن میں ڈال رہے ہیں وہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے کہ الفاظ تو باقی رہیں لیکن معانی تبدیل ہو جائیں۔

٪☆☆☆☆☆☆☆٪

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ ۵۰

"واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وارکعوا مع الراکعین" اور قائم کرو نماز اور دو زکوۃ اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں سجدہ تو تھا لیکن رکوع نہیں تھا مگر سرکار علیہ السلام کی شریعت میں رکوع بھی باقی ہے گویا انہیں کہا گیا کہ اب تورات میں نجات نہیں رہ گئی، اب نجات تب ہے کہ جب نبی کریم علیہ السلام کی پیروی ہوگی، اور پھر یہاں بنیاد بیان کردی یعنی بنیادیں سامنے رکھ دیں کہ عبادات میں نماز کا پہلا مقام ہے ایک طرف عبادت کی تکمیل ہونی چاہیے دوسری طرف اقتصادی میدان میں زکوۃ کا نفاذ کرو تا کہ معاشرے میں اونچ نیچ ختم ہو جائے غریب تمہارے ساتھ کم از کم اس حد تک تو چل سکے کہ تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا مل سکے، پیٹ پالنے کے لیے روٹی مل سکے اور اگر کسی ملک میں زکوۃ بطور اقتصادی نظام کے آجائے تو کئی مشکلات آسان ہو سکتی ہیں مجھے تاریخی بات یاد آرہی ہے، کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب عراق کی زکوۃ کا مال لایا گیا تو فرمایا کہ اللہ بیڑا غرق کرے حجاج بن یوسف کا کہ اس نے لوگوں کی چمڑیاں ادھیڑ دیں اور جو زکوۃ کی رقم اسے ملی اس سے دس گنا زیادہ ہمیں مل گئی ہے، جبکہ ہم نے قوم کے اعتماد کو بحال کر دیا ہے، کہ تم جس نیت سے دے رہے ہو آگے اسی نیت سے خرچ ہو رہا ہے، ہم نے ڈنڈا استعمال کیا اور نہ ہی فوج صرف قوم کے ذہن کو متاثر کیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرے سامنے مال و دولت کے ڈھیر لگ گئے۔ اسلام کے اقتصادی نظام کے نفاذ کے لیے یہ ضروری ہے کہ کام چلانے والے کارندے مخلص، اور ایمان دار ہوں۔

"وارکعوا مع الراکعین" اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، مطلب یہ کہ اب وہ طریقہ عبادت متروک ہے جو جناب موسیٰ علیہ السلام کے دور میں تھا اب جب نماز پڑھنی ہے تو اس میں رکوع آئے گا، چونکہ ڈائریکٹ خطاب ادھر تھا اس لیے جماعت کو سنتِ موکدہ کہا گیا یعنی قریب بواجب، اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہاں امر کا صیغہ تھا اس سے وجوب اور فرض ہی ثابت ہونا چاہیے تھا، پھر بات یہ ہوتی کہ جماعت فرض ہے، لیکن چونکہ خطاب یہود کو تھا جن کی عبادت میں سرے سے رکوع شامل ہی نہیں تھا اس بنیاد پر رکوع کو سنت کے زمرے میں شمار کیا گیا اور فرائض میں جماعت کو فرض نہیں قرار دیا گیا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا تم حکم کرتے ہو (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے ۵۱

۵۱ "اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتب افلا تعقلون" ۔ 'اتامرون' کیا تم حکم دیتے ہو۔ 'الناس' لوگوں کو۔ (یہ جمع خلاف قیاس ہے) 'بالبر' نیکی کا۔ 'وتنسون' اور بھول جاتے ہو۔ 'انفسکم' اپنی جانوں کو۔ (نفس کا معنی خون بھی ہوتا ہے اور سانس جان اور اصلیت بھی ہے تو یہاں انفس بمعنی جان ہے) 'وانتم' و۔ حالیہ۔ 'انتم' ۔تم۔ 'تتلون' پڑھتے ہو۔ 'الکتاب' ۔ خاص کتاب یعنی تورات مقدس۔ 'افلاتعقلون' کیا تم میں عقل نہیں، یہ ڈانٹ کے لیے ہے، تم اپنے آپ کو صاحب علم و عقل و صاحب کتاب بھی کہتے ہو۔

'' کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم خاص کتاب (تورات) کو پڑھتے ہو، کیا تم میں عقل نہیں ہے؟

اب اس انداز کو بدل دو، بدلنے کا طریقہ یہ ہے کہ!

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور مدد طلب کرو (اللہ کی) صبر اور نماز کیساتھ اور بیشک یہ (نماز) بھاری ہے لیکن (ان پر نہیں) جو عاجزی کرتے ہیں ۵۲

۵۲ "واستعینوا بالصّبر والصلوۃ وانھا لکبیرۃ الا علی الخشعین" ۔ 'واستعینو ا' لفظ استعانت سے امر کا صیغہ ہے یعنی تم مدد لو، 'بالصّبر' صبر سے۔ 'والصلوۃ' اور نماز سے۔ نماز سے مدد لینے کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی آپ مشکلات میں ہوں تو نماز پڑھیں فرائض کے علاوہ نوافل زیادہ ہوں تو اللہ تعالیٰ مشکل حل فرمادیں گے۔

احادیث کی کتب میں یہ حدیث بے شمار سندوں سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مشکل آتی تو آپ وضو فرما کر نماز نفل شروع فرمادیتے۔ اہل اللہ کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ 'صبر' کا سادہ مطلب یہ ہے کہ مشکلات کو ہمت سے برداشت کیا جائے، بے قراری، اضطرار ظاہر نہ ہو، لیکن یہاں چار چیزوں کو ذہن میں رکھنا ہے۔

ا۔ سختی اور مصیبت میں اپنے آپ کو روکنا ہے۔ ۲۔ یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کرنا چاہتے ہیں اور یہ بات آپ کی طبیعت کے خلاف جارہی ہے، مثلاً طبیعت آمادہ نہیں ہے اس آمادہ نہ ہونے کی وجہ شدید سردی، گرمی یا جسمانی تھکن بھی ہوسکتی

Marfat.com

ایک منٹ دو منٹ مارے گا پھر چھوڑ دے گا، اسی طریقے سے "ناصر" ہے مدد کرنے والا۔ تو مدد بھی محدود وقت کے لیے ہوگی، لیکن جب آپ صفت مشبہ کا لفظ بولتے ہیں تو اس میں دوام ہوتا ہے، اور اس کا وزن فعیل آتا ہے، یہ رحیم فعیل کے وزن پر ہے، اب اس کا معنی میں ایک نیا کروں گا جو اردو تراجم میں شاید ہی کسی نے کیا ہو، اس کا معنی بنے گا "انتہائی مہربان اور سدا رحم کرنے والا"۔ اب جس انداز سے لوگوں نے ترجمہ کیا ہے، پہلے میں اس انداز سے ترجمہ کرتا ہوں، انہوں نے یہاں ایک فعل محذوف مانا ہے، جس کا انہوں نے معنی کیا ہے، "میں شروع کرتا ہوں" یعنی ان کے نزدیک لفظ شروع ہے۔ "میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان سدا رحم کرنے والا ہے"۔ کچھ لوگوں نے "میں شروع کرتا ہوں" کو چھوڑ دیا ہے، اور انہوں نے ترجمہ اس طرح کیا کہ "اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان سدا رحم فرمانے والا ہے"۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سارے ترجمے مفہوم کو تو واضح کر رہے ہیں لیکن عربی گرائمر کے مطابق نہیں ہیں، گرائمر میں لفظ اللہ موصوف (اس ذات کا نام) ہے، رحمٰن اور رحیم اس کی دو صفتیں ہیں، قاعدہ یہ ہے کہ صفت کا معنی پہلے ہوتا ہے اور موصوف کا معنی بعد میں ہوتا ہے، لہذا اس کا ترجمہ یہ ہوگا۔

"انتہائی مہربان سدا رحم کرنے والے اللہ کے نام سے"۔

یہ وہ ترجمہ ہے جو عربی گرائمر کے مطابق ہے، اب یہ بات کہ "میں شروع کرتا ہوں" بیضاوی نے ایک بڑی نفیس بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ ایک کام ختم کر رہے ہیں، اور سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ وہاں بھی بسم اللہ شریف پڑھو، (کام شروع کرتے وقت بھی بسم اللہ شریف پڑھو اور کام ختم کرتے وقت بھی بسم اللہ شریف پڑھو) آپ سوتے وقت بھی بسم اللہ شریف پڑھو، آپ کسی چیز کو بند کرنے لگے ہیں مثلاً بوتل پر ڈھکنا لگانے لگے ہیں تو پہلے بسم اللہ شریف پڑھو، تو ہر جگہ شروع کرتا ہوں کا معنی دینے والا الفعل محذوف نہیں مان سکتے۔ "میں اللہ کے نام شروع کرتا ہوں"۔ اگر طالبعلم مطالعہ کرنے کے لیے بیٹھا ہے تو وہ کہے گا "میں اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں"۔ کوئی کام کر رہے تھے جب کام ختم ہو گیا ہے تو آپ کہیں گے "میں اللہ کے نام سے ختم کرتا ہوں"۔ ایسا فعل محذوف مانا جائے جو اس کام سے مطابقت رکھتا ہو۔ یہاں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ ساری دنیا کی الہامی کتابیں آپ سامنے رکھ لیں، ان سے پوچھیں کہ تم نے خالق کائنات کا تعارف کس انداز سے کرایا ہے، وہاں آپ کو تعارف اس انداز سے نہیں ملے گا جس انداز سے قرآن پاک نے کرایا ہے، قرآن پاک نے اپنے آغاز میں رب کریم کا تعارف رحمٰن اور رحیم کے انداز سے کرایا ہے، اس نے ان الفاظ سے نہیں کرایا ہے جو سختی کے الفاظ ہوں، رحمت کے لفظ سے آغاز ہوتا ہے، اسی کو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کریم کی رحمت ہمیشہ اس کے غضب پر غالب رہتی ہے، اور یہی بات ہے جو اس دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں، جب ہم اپنے اندر جھانک کے دیکھتے ہیں، تو اللہ کریم کی نافرمانیوں سے اپنے وجود کو بھرا ہوا پاتے ہیں، لیکن کیا اللہ کریم کی ذات نے ہماری زندگی کو اجیرن فرمایا ہے، کیا کبھی اس نے انتقام لیا ہے، کیا کبھی اس نے

ہے،تو ان وجوہات کو ایک طرف لپیٹ کے رکھ دیں اور اطاعت وعبادت میں اپنے وجود کو مستقل رکھیں ۔۳۔طبیعت گناہ کی طرف مائل کرتی ہے جان کو معصیت کی طرف مائل نہ ہونے دیا جائے بلکہ اسے لگام ڈال لیں۔

اسی آیت کے تحت ایک نکتہ عرض کرتا چلوں کہ کچھ لوگ غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک قرار دیتے ہیں کہتے ہیں کہ عالم تصورات میں سرکار علیہ السلام کا خیال کر کے استعانت چاہنا شرک ہے،(العیاذ باللہ) جواباً عرض کروں کہ قرآن امر کے صیغے سے فرما رہا ہے کہ ان سے مدد مانگو کیا خیال ہے قرآن درسِ شرک بھی دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ،انسانیت کی عظمت کے لیے جو ذرائع بھی آپ استعمال کر سکتے ہیں وہ استعانت جائز ہوگی ،خواہ وہ صبر ونماز وتلاوت واستعانت سرکار علیہ السلام کے ذریعے سے ہو یا کسی اور ذریعے سے ہو ہر وہ چیز جو آپ کو قربِ ربانی عطا کرتی ہے اسے استعانت کے لیے ضروری جانیں۔

"وانھا لکبیرۃ" لفظی معنی ضرور بڑی ہے بامحاورہ ترجمہ یہ بھاری ہے۔

'الا'۔مگر۔**'علی'**۔اوپر۔**'الخاشعین'**۔عاجزی کرنے والوں کے۔

اور مدد چاہو صبر اور نماز سے اور بے شک یہ بھاری ہے مگر ان پر نہیں جو ڈرنے والے عاجزی کرنے والے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ پھر یہ نماز عادت میں داخل ہو جاتی ہے آپ چھوڑنا چاہیں بھی تو نہیں چھوٹ سکتی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین نے ایک دفعہ سرکار علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ عرصے سے نمازیں پڑھ پڑھ کر ہم اس کے عادی بن چکے ہیں اب اسے چھوڑ دینا چاہیے فرمایا ٹھیک ہے چھوڑ دو کچھ لوگوں کو فرمادیا کہ ان کے دروازوں کو باہر سے تالے لگا دو تا کہ یہ لوگ نماز کے لیے مسجد نبوی میں نہ آسکیں۔اب جب نماز کا وقت ہوا دیکھا تو تالے لگے ہوئے ہیں،چھتوں سے چھلانگیں لگا کر مسجد میں گئے مسجد نمازیوں سے بھر گئی سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگوں نے کہا تھا کہ کافی نمازیں پڑھ لیں ہیں اب بس کر دی جائے پھر یہاں کیسے آگئے ہو؟ عرض کی کہ آپ نے نماز اس طرح ہماری گھٹی میں ڈال دی ہے کہ اس کے بغیر جی نہیں سکتے۔

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ کیفیت آجائے تو سمجھیں کہ نماز آپ کا خلق بن چکی ہے اور یہی وہ مقام ہے جسے قرآن خشوع کہتا ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَاَنَّهُمۡ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ ع﴿۴۶﴾

جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور یہ کہ وہ یقیناً اس کی طرف پلٹنے والے ہیں ۵۳

۵۳ **"الذین یظنون انھم ملقو ا ربھم وانھم الیہ راجعون"** ۔ جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور یقیناً وہ اس کی طرف پلٹنے والے ہیں۔

کچھ لوگوں نے 'ظن' کا معنی خیال لکھا ہے کیونکہ لفظ 'ظن' گمان کے معنی میں استعمال ہوتا تھا، 'یظنون' ان لفظوں میں شامل ہے جو متضاد معانی رکھتے ہیں عربی میں کچھ الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے دو معانی ہیں اور دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں، مثلاً شراء کا لفظی معنی خریدنا بھی ہے اور بیچنا بھی، اسی طرح بیع کا لفظی معنی بیچنا بھی ہے اور خریدنا بھی، اس قسم کے بے شمار الفاظ اور بھی ہیں جن میں یہ لفظ 'ظن' بھی شامل ہے۔ اس کا معنی یقین بھی ہے اور گمان بھی، لیکن جب یہ علوم الہیہ کے متعلق استعمال ہوتا ہے یا اخلاق عالیہ کے متعلق استعمال ہوتا ہے اگر وہاں اس کا معنی گمان کریں گے تو اعتقاد کی حسین عمارت گر جائے گی، جو یقین سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا یہاں معنی یقین ہوگا۔

(ملقوا کے تحت ایک لطیف نکتہ) فلاسفر خواہ وہ مسلمان ہوں اللہ کریم کی توحید کو بیان کرتے ہوئے جب ان پر قرآنی رنگ چھایا تو انہوں نے ایک بات سے انکار کر دیا کہ چونکہ کوئی کیفیت اللہ کریم پر طاری نہیں ہوتی اور ظاہری جسمانیت کسی کیفیت کو چاہتی ہے لہٰذا قیامت کو بھی اللہ کریم سے ملاقات نہیں ہو سکے گی، ہم اسے دیکھ نہیں سکیں گے۔

یہ ایک ذہنی اختراع ہے اب جب قرآن کا سورج طلوع ہوتا ہے تو یہ اختراع اڑ جاتی ہے، اور ہم فلاسفہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، اس لیے نہیں کہ اس کا ہمارے پاس جواب نہیں ہے بلکہ اس لیے کہ قرآن پاک کا ارشاد ان کے خلاف جا رہا ہے اور یہی نکتہ پیدا کیا امام فخر الدین رازی وعلامہ بیضاوی اور الجمل نے فرماتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اگر رب نظر ہی نہ آئے تو ملاقات کیسی۔ **'ملاقوا'** کا لفظ **ملاقاۃ** سے بنا ہے اور ملاقات کا معنی ہے ایک دوسرے سے ملنا۔ اگر ایک سمت والا دیکھ رہا ہو اور دوسری سمت والا نظر نہ آئے تو یہ ملاقات نہیں ہے لہٰذا اس آیت نے بتا دیا کہ ہم آنکھوں سے رب کریم کو دیکھیں گے لیکن بیان کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے قرآن پاک نے دوسرے مقام پر واضح الفاظ میں فرمایا!

"وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرہ" ۔ کہ قیامت کو کچھ چہرے بڑے شاداب ہونگے، شادابی کی وجہ یہ ہے کہ وہ رب کو دیکھ رہے ہوں گے صحابہ کرام نے سرکار علیہ السلام سے پوچھا کہ آقا! جب رب کو دیکھیں گے تو بے پناہ بھیڑ ہوگی تو دھکم پیل ہوگی، فرمایا جب چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے ہوتے ہو تو کبھی دھکم پیل ہوئی ہے؟ اسی طریقے سے تم رب کو دیکھو گے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ

عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ﴿۴۷﴾

اے اولاد یعقوب! تم میرا وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیا (اور یہ بھی کہ) میں نے تمھیں فضیلت دی تھی

سارے جہان والوں پر

بنی اسرائیل اپنے پہلے دور میں ہدایت، علم و حکمت اور حکومت سے مزین تھے ان تین صفات کے اجتماع کی وجہ سے وہ باقی قوموں سے آگے تھے لوگ ان کے برابر نہ تھے تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ وہ اولاد یعقوب علیہ السلام ہونے کے ناطے سب سے افضل و اعلیٰ ہیں، غرور میں مبتلا ہو کر اپنے نبیوں کو قتل و قید کیا اذیتیں دیں، برائیوں میں کھو گئے، ذلت و پستی کے گڑھوں میں گر گئے تو فضیلت بھی ان سے چھن گئی جو انہیں حاصل تھی کیونکہ جن اوصاف کی وجہ سے فضیلت تھی وہ ان سے چھن گئے۔ اولاد آدم ہونے کی حیثیت سے سب انسان مساوی ہیں اب ان کا یہ سوال کہ قرآن نے بھی ہمیں عالمین سے افضل قرار دیا ہے بالکل لغو ہے کیونکہ یہ فضیلت دور موسوی کی دنیاؤں پر تھی اور ان صفات کی وجہ سے تھی جو نگاہ رسول علیہ السلام نے ان میں پیدا فرمائی تھیں جب وہ صفات نہ رہیں اور جرائم پیشہ یہودی، بادشاہ بن گئے تو وہ عظمت جاتی رہی اب عظمت انہیں مل گئی جو نگاہ مصطفویؐ کے پروردہ ہیں

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـــًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ

اور تم اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی جان کا کچھ بدلہ بھی نہیں دے سکے گی اور نہ ہی کسی جان کی طرف سے سفارش قبول کی

وَّلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ﴿۴۸﴾

جائے گی اور نہ ہی کسی جان کی طرف سے معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ہی انکی مدد کی جائے گی

۵۵ مجرم کی رہائی کے چار طریقے ہیں ۱) مجرم کے بدلے کوئی شخص اپنی جان پیش کردے ۲) مجرم کی کوئی سفارش کر کے چھڑا دے ۳) معاوضہ دے کر مجرم کو چھڑا لیا جائے ۴) مقابلہ کر کے اسے چھڑا لیا جائے۔ قیامت کے دن ایسی کوئی بات بھی نہیں ہوسکے گی پھر یہود کو اس دن سے ڈرنا چاہیے اور اس مصنوعی اعتقاد سے توبہ کرنی چاہیے۔ معتزلہ نے اس آیت سے مومن گنہگار کے حق میں شفاعت سے انکار کیا ہے، یہ انکار اسلئے غلط ہے کہ بقول علامہ قرطبی ''سب مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت سے مراد کافر جان ہے ہر جان مراد نہیں'' بقول علامہ بیضاوی یہ آیت یہود کے غلط عقیدے کے بطلان کے۔ یہ نازل ہوئی ہے کہ وہ جو بھی کرتے رہیں یقیناً جنتی ہیں۔ لہٰذا گنہگار ایمانداروں کی شفاعت کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ کُمْ

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات بخشی جو تمہیں سخت عذاب دیتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور ۵۶

وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَ کُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾

تمہاری عورتوں (بچیوں) کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ۵۷۔

۵۶ اسرائیلی بچوں کو فرعون کیوں قتل کرا رہا تھا؟ اس کا ذکر قرآن نے نہیں فرمایا، عام مفسرین کا ارشاد ہے کہ نجومیوں نے اسے بتایا تھا کہ اسرائیلیوں میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت ختم کر دے گا لہٰذا اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر حکم دیا کہ جو بچہ اسرائیلیوں کے گھر پیدا ہو اسے مار دیا جائے البتہ بچیاں زندہ چھوڑی جائیں تاکہ وہ انکی لونڈیاں اور خادمائیں بنیں، فقیر سیالوی عرض کرتا ہے کہ استحیاء مصدر سے یستحیون بنا ہے) ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہو تو معنی ہوگا وہ انکی خواتین کی حیا چھیننے کیلئے زندہ چھوڑ دیتے تھے اس طرح انکی بدکاری کی طرف کمال بلاغت سے اشارہ ہو جائے گا علامہ مفتی عبدہ نے ایک اور توجیہ پیش فرمائی ہے کہ اسرائیلیوں کی نسل بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی فرعون نے سوچا اگر یہی حال رہا تو یہ اقلیت اکثریت میں بدل جائے گی ہم سے اقتدار چھن جائے گا۔ آج بھارت بھی اسی خوف میں مبتلا ہے اور مسلمانوں کے خلاف بھارت میں عموماً اور کشمیر میں خصوصاً فرعون کے نسخے کو پوری قوت سے برتا جا رہا ہے۔

۵۷ مصیبت میں آزمائش ہو تو توحید و ثبات کو شیوہ بنایا جائے نعمت سے آزمائش ہو تو شکر کا انداز اپنایا جائے ذٰلکم سے ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور یہ بھی یاد کرو جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا پھر تمہیں ہم نے بچالیا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا اور تم (یہ منظر) دیکھ رہے تھے ۵۸

۵۸ طویل عرصہ تک اسرائیلوں نے مصر میں ظلم برداشت کئے پھر اللہ کے حکم سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام انہیں راتوں رات لیکر مصر سے روانہ ہوئے، صبح فرعون کو پتہ چلا تو اپنے عظیم لشکر کے ساتھ تعاقب میں نکلا ادھر موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیلی بحر قلزم کے کنارے پہنچے تو فرعونی لشکر کا غبار انہیں پیچھے نظر آیا، اب کیا ہوگا؟ نجات کے سارے راستے تو بند ہو گئے! سامنے سمندر ہے اور پیچھے فرعونی لشکر ہے اسرائیلی مایوسی میں عجیب وغریب باتیں کرنے لگ گئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا سے سمندر میں ضرب کلیمی لگائی تو وہ سمٹ گیا اور راستہ صاف پا کر اسرائیلی پار نکل گئے، فرعونیوں نے اپنے گھوڑے پیچھے ڈال دیئے جب سمندر کے درمیان پہنچے تو وہی پہاڑ نما پانی جو تھم گیا تھا پوری ٹھاٹھوں سے آگے بڑھا اور فرعونیوں کو نگل گیا اسرائیلی یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، آگے قرآن حکیم بیان فرمائے گا کہ یہ منظر دیکھ کر فرعون بولا ''میں موسیٰ کے رب پر ایمان لایا'' مگر اب وقت جا چکا تھا۔ یہ بھی آئیگا کے عبرت کے لیے اس کی لاش اللہ کریم نے محفوظ فرما دی قرآن کی یہ پیش گوئی گذشتہ صدی (بیسوی صدی) میں پوری ہوئی انگریزوں نے فرعون کی لاش نکالی اور جو اب بھی مصر کے عجائب گھر میں عبرت کا نشان بنی ہوئی ہے

یہ کیسے ہوگیا؟ انکار کی ضرورت نہیں علل واسباب کی دنیا کا کچھ حصہ ہم جانتے ہیں لہذا جس بات کو ہم جان نہ سکیں اور قرآن اس کا ذکر کرے تو ہمیں ایمان لانا ہوگا کیونکہ ہمارا علم ناقص ہے مشہور سائنس دان نیوٹن نے ہیروز آف سولائزیشن Heroes of Civilization میں حسین الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ میں تو اس بچے کی طرح ہوں جس کو سمندر کے کنارے کوئی خوبصورت سنگریزہ ملا تو پھر بحر میں اور کیا ہے مجھے اس کا کیا پتہ علم الٰہی اور عمل خداوندی کے سامنے علم انسانی کی حقیقت ... وہ علم الٰہی کے حقائق کو سمجھ لینے کا دعویٰ کرے حسب ارشاد نبویؐ انسان کا علم، علم الٰہی کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں جتنا سمندر سے چڑیا چونچ میں پانی لیتی ہے .

☆☆☆☆☆

وَاِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤی اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ فرمایا پھر تم نے انکے بعد بچھڑے کو (معبود) بنالیا

وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۵۱﴾

اور تم ظالم ہو

ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۵۲﴾

پھر ہم نے اسکے بعد بھی تمہیں معاف فرمادیا شاید کہ تم شکر گزار ہو جاؤ ۵۹؎

۵۹؎ غلامی سے نجات کے بعد اللہ کریم نے اپنی حکمت کے تحت انہیں ہدایت کے لیے کتاب دینا چاہی موسیٰ علیہ السلام چالیس دنوں کی چلہ کشی کے لیے طور پر تشریف لے گئے سامری نے زیورات کو ڈھال کر بچھڑا بنادیا وہ ایک کل دبانے سے آواز نکالتا تھا اسرائیلی اسے معبود بنا بیٹھے۔

اللہ کریم اس واقعہ کی طرف اشارہ فرما کر انہیں معافی کا ارشاد فرماتے ہیں حالانکہ شرک جلی اور کفر صریح پر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر رحمت خداوندی جاری رہی اور انہیں ایک موقع عطا فرمادیا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴿۵۳﴾

(یاد کرو!) جب ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والی چیز یہ اس لیے عطا فرمائی تاکہ تم ہدایت پالو۔۶۰

۶۰ بنی اسرائیل کے کچھ واقعات، کچھ علمی حقائق، کچھ موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات، کچھ تورات کے احکام قرآن پاک یہاں مسلسل بیان کررہا ہے، اس آیت مقدسہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی!

اب یہاں دو باتوں کا ذکر ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں، ایک کتاب ہے اس پر قاعدے کے مطابق وہی الف اور لام عہد خارجی ہے جس سے خاص کتاب مراد ہے، اور وہ خاص کتاب تورات ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی، دوسری بات یہ ہے کہ انہیں ایسی قوتیں عطا فرمائیں، ایسے معجزات عطا فرمائے جو حق اور باطل کو الگ الگ کردیتے تھے، باطل حق کے ساتھ مل کے نہیں رہ سکتا تھا، عربی زبان میں جہاں بھی ف، ر، اور ق اکٹھے ہوجاتے ہیں اس کا معنی ہوتا ہے الگ الگ کرنا، اسی لیے سر میں جو مانگ نکالی جاتی ہے اسے عربی زبان میں مفرق کہا جاتا ہے، اسی طرح وہ انسان جو بڑا جرات مند اور دلیر ہو اور حق و باطل کو اپنی زندگی میں ملنے نہ دے اسے فاروق کہتے ہیں، اور جب بہت سارے ایسے فاروق اکٹھے ہوجائیں تو ان کے قائد کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے، تو یہ وہ دو باتیں تھیں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں، اس کے لیے مفسرین نے کہا کہ لاٹھی پھینکی تو وہ سانپ بن گئی ہاتھ کو بغل میں رکھا اور جب باہر نکالا تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگا، یہ بالکل حق باتیں ہیں، لیکن اس کے ساتھ تھوڑا سا اور آگے بڑھ کے سوچنا ہوگا کہ نبی کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمودہ سوچوں کی ایسی قوت موجود ہوتی ہے جو کسی معاملے میں بھی باطل کو حق کے ساتھ ملنے نہیں دیتی، تو اس قوت کا نام بھی فرقان ہے، وہ اللہ کریم کے نبیوں کے پاس مختلف ادوار میں موجود رہی ہے، تو یہاں وہ بھی بات مراد ہوسکتی ہے، اب جب نبی کے پاس کتاب آتی ہے یا حق و باطل میں فرق کرنے والی قوت آتی ہے یا نبی کے پاس معجزہ آتا ہے تو اس کی غرض و غایت کیا ہوتی ہے تاکہ وہ لوگ جو باخدا نہیں ہیں جو راہ خدا سے بھٹکے ہوئے ہیں وہ ہدایت پالیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے جاتے ہیں، چالیس دن وہاں قیام فرماتے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو منظر بدلا ہوا ہے، ایک آدمی جسے سامری کہتے تھے، میں گزشتہ ہفتے بھی اشارہ کرچکا ہوں اس نے زیورات ڈھالے اس سے بچھڑا بنا کر انہیں کہہ دیا کہ یہ تمہارا معبود ہے، جناب موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو انہوں نے قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا!

وَاِذْقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى

اور یادکرو جب کہا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے اے قوم تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے بچھڑے کو معبود بنا کر سو توبہ کرو

بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ط فَتَابَ عَلَيْكُمْ ط

اپنے خالق کے حضور اور قتل کرو اپنوں کو (جنھوں نے شرک کیا تھا) یہ بہتر ہے تمھارے لیے تمھارے خالق کے نزدیک پھر حق تعالی نے تمھاری توبہ قبول کرلی

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔[1]

[1] یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنی قوم کو (اے میری قوم) بے شک تم نے ظلم کیا (یقیناً تم نے ظلم کیا ہے) اپنی جانوں پر، کہ تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا تھا، اپنے خالق کے سامنے توبہ کرو، کیونکہ تم سے شرک کا گناہ سرزد ہوا ہے کہ ایک بچھڑے کو جو سونے سے ضرور ڈھالا گیا ہے لیکن وہ بالکل بے جان ہے، اسے معبود بنا کے تم نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ خواہ ساری کائنات کافر ہو جائے اللہ کریم کے پاس کوئی مسئلہ نہیں ہے، کسی نے اللہ کریم پر ایمان لانا ہے تو اپنے فائدے کے لیے، اور کسی نے کفر اختیار کرنا ہے تو اپنے نقصان کے لیے، تو ارشاد فرمایا! اس شرک کی وجہ سے تم راستے سے بھٹک گئے ہو اپنے خالق کے سامنے توبہ کرو، اب تم نے اپنے آپ کو قتل کرنا ہے، تورات میں یہ بات موجود ہے اور تورات کے حوالے سے ہمارے مفسرین نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ ساری قوم نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی یعنی وہ لوگ جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی وہ پوجا کرنے والوں کو سزائے موت دیں گے یعنی جو اسلام پر قائم رہے وہ سزا دیں گے، یہاں آج مغربی دنیا میں ایک عجیب بات ہوتی ہے کہ مذہب کے نام پر کسی کو کیوں مارا جائے، پہلے تو یہ بات ہی محلِ نظر ہے کہ ایک وقتی اقتدار کے لیے لوگوں کو سزائے موت دیدی جائے، اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہے، اور مذہب کے نام پر کسی کو کیوں مارا جائے، لیکن ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ مغرب والے جس تورات اور انجیل کو مانتے ہیں کیا ان میں مرتد کے لیے سزائے موت ہے یا نہیں، تو ان دونوں کتابوں میں مرتد کے لیے سزائے موت ہے، ان کتابوں میں بات یہاں تک ہی نہیں ہے بلکہ جب کوئی بیل کسی انسان کو مار دیتا ہے تو اس بیل کو سنگسار کر دیا جائے حالانکہ وہ بیل شعور اور عقل نہیں رکھتا مگر یہ بات تورات میں لکھی ہوئی ہے کہ بیل کو سنگسار کیا جائے اب مغرب کس منہ سے قرآن پاک پر اعتراض کرتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہاں ایک بنیادی نکتہ آپ نے ذہن میں رکھنا ہے، مغرب دین

Marfat.com

اور سیاست کو الگ الگ سمجھتا ہے،لہٰذا دین کے اندر سیاست مداخلت نہ کرے اسی طرح سیاست میں دین مداخلت نہ کرے ۔لیکن اسلام میں سیاست دین کے علاوہ الگ شے نہیں ہے،اب مغرب کی کوئی بھی ریاست جو قائم ہے ریاست کے خلاف بغاوت کی سزا موت ہے،اگر موت نہیں تو چند ایٹمی راز 54-1953ء میں امریکہ کے دو سائنسدانوں نے روس کو پہنچا دیئے تھے ان دونوں کو کس برے انداز سے سزائے موت دی گئی؟ لوہے کی کرسیوں پر بیٹھا کے،اخبار نویسوں اور دوسرے سائنسدانوں کی موجودگی میں انہیں بجلی کا کرنٹ لگا کے مارا گیا تھا،تو اس دور میں دنیا بھر کے پریس میں ان کی تصاویر چھاپی گئی تھیں،اب ریاست کی بغاوت تو سزائے موت کا استحقاق رکھتی ہے اور جو خالق ارض وسما ہے اس کے خلاف بغاوت پر سزائے موت ہو تو مغرب چیں چیں شروع کردے،تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی،اگر ایک اقتدار کی خاطر آپ ایک جان لینا جائز سمجھتے ہیں تو جس نے تخلیق کیا ہے اگر وہ کہہ دے کہ اسے سزائے موت دے دو،تو اسے کیوں نہ سزائے موت دی جائے،اب یہاں جو بے قصور تھے انہوں نے قصور والوں کو سزائے موت دی،انہیں قرآن پاک نے اپنے بندے یا اپنی جانیں قرار دیا ہے،اس لیے کہ وہ اسی معاشرے اور اسی برادری کے لوگ تھے،ایک دور ایسا تھا جب انگریز کی حکمرانی کے آخری آخری دن تھے،45-1940ء کے درمیان میں اس بات پر بے حد زور ڈالا گیا کہ مرتد کی سزا موت نہیں ہے،میں اس ضمن میں ایک دو باتیں عرض کروں گا کہ مرتد کی سزا موت کیوں ہے،اس بارے میں مولانا محمد علی جوہر نے ایک کتاب لکھ ڈالی کہ اسلام میں مرتد ہو جانے کی سزا موت نہیں ہے،اس کتاب کا بڑا چرچا ہوا۔جب میں علمی دنیا سے گزر کے آگے بڑھا تو پھر میں نے اس کتاب کا اچھے طریقے سے مطالعہ کیا،دراصل مولانا محمد علی جوہر تحریک آزادی کے بہت بڑے ستون ہیں،عشق رسولؐ کے ترجمان ہیں،لیکن خدا جانے اس مسئلے پر وہ مغرب سے کیوں مرعوب ہو گئے،ویسے ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ ان کی ساری عظمتوں پر سلام کے ساتھ کہ وہ دینی علوم کے بہت بڑے عالم نہیں ہیں درمیانے درجے کے عالم بھی نہیں ہیں اسلام کے ساتھ صرف جذباتی سا لگاؤ ہے،اور یہ بات بھی ضمنی طور پر سمجھا دوں کہ یہی حال سید احمد خان صاحب کا ہے،جو علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی ہیں،دین کا عالم ہونا اور بات ہوتی ہے،دنیوی علوم کا فاضل ہونا اور بات ہوتی ہے،تو چونکہ مغربی تہذیب کو پڑھ کے مولانا محمد علی جوہر اسی تہذیب کو لانا چاہتے تھے لہٰذا انہوں نے شائد اسی جمہوریت سے مرعوب ہو کے کہہ دیا کہ یہ اسلام کی سزا نہیں ہے،اسی دور میں ایک اور کتابچہ بھی میری نظر سے گزرا اس کا نام ہے''اسلام میں مرتد کی سزا''۔یہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے لکھا تھا،انہوں نے مولانا محمد علی جوہر کی تردید کی،کہ یہ بات نہیں ہے،مرتد کی سزا اسلام میں موت ہے،لیکن مودودی صاحب بھی 1953ء کے بعد علمی دنیا میں آئے پہلے یہ بھی اور ٹائپ کے آدمی تھے،اس دور میں جو کچھ انہوں نے نقل کیا ہے وہ کہیں کی اینٹ ہے اور کہیں کا روڑا ہے،جو کچھ مودودیؒ کے اس رسالے میں ہے،مودودیؒ صاحب کو تحریک ختم نبوت کے دوران اس میں شامل نہ ہونے کے باوجود جیل بھیج دیا گیا تو اس وقت

Marfat.com

مودودی صاحب نے مولانا اصلاحی سے عربی کی تعلیم پڑھی یعنی اس کے بعد انہیں عربی سے براہ راست رابطہ ہوا تو اب انہوں نے اپنی کتاب میں جو دلائل دیئے ہیں ان میں وزن نہیں ہے، قرآن پاک کی مشہور آیات جو عام لوگوں کی زبان پر تھیں وہ تو انہوں نے درج کر دیں لیکن علمی اور فکری انداز سے یہی آیت ان کے اس رسالے میں نہیں ہے اب یہ بنیاد ہے اس بات کی کہ جنہوں نے شرک کیا تھا وہ مرتد ہو گئے اور مرتد کی سزا تورات میں بھی موت ہے لہذا انہیں سزائے موت دی گئی اور اسی بات کو قرآن پاک نے جاری رکھا، اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ قرآن پاک سیاست اور مذہب کو الگ الگ قرار نہیں دیتا، اور اگر آپ گہرے انداز سے مطالعہ کریں تو صرف تھوڑی سی مشابہت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو سرکار علیہ السلام سے ملتی ہے، باقی انبیاء کا انداز صرف ون سائیڈڈ One sided ہے، وہ صرف تبلیغ تو کرتے ہیں لیکن اقتدار تک نہیں پہنچتے ،اقتدار کو ساتھ لے کے شریعت کے تابع اقتدار کو کر دیا جائے یہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں تھوڑی سی جھلکی ملتی ہے، اس پوری کائنات میں وہ واحد ہستی جس نے سیاست کو، اقتصادیات کو، مالیات کو، تعلیم کو، فوج کو، ان سب کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے تابع کر دیا ہے وہ سرکار علیہ السلام کی کتاب قرآن حکیم ہے یا سرکار علیہ السلام کا عمل ہے، ورنہ انجیل میں یہ بات موجود ہے کہ قیصر کا حصہ قیصر کو دو اور خدا کا حصہ خدا کو دو، دیکھا انجیل نے زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، کہ قیصر کا حصہ الگ ہے، اور خدا کا حصہ الگ ہے، اسلام نے یہ الگ الگ حصے تسلیم نہیں فرمائے، تو اسلام نے یہ سزائے موت اس لیے بحال رکھی کہ جب کوئی ایسی بغاوت کرتا ہے تو وہ تین چیزوں کو توڑتا ہے، اللہ کریم کے احکام کو توڑتا ہے، مصطفیٰ علیہ السلام کے ارشادات کو توڑتا ہے اور اس حکومت کی بغاوت کرتا ہے جو ان دو اصولوں پر قائم ہے، لہذا اسلامی نکتہ نگاہ سے اس پر تین قسم کی دفعات لگ جاتی ہیں، بغاوت خدا، بغاوت مصطفیٰ علیہ السلام اور اس سٹیٹ State کی بغاوت جو ان دو اصولوں پر قائم ہے، تو اب یہاں ارشاد ہوا! کہ اپنے ساتھیوں کو جو ایسے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں ان کو تم نے قتل کرنا ہے، تورات میں ان کی تعداد بھی موجود ہے، اور غالباً وہ ستر ہزار ہے، جنہیں یہ سزا دی گئی تھی۔

ارشاد فرمایا! ''یہ بات تمہارے لیے بہت بہتر ہے، تمہارے خالق کے نزدیک تمہارا ربّ یہی چاہتا ہے''۔

قرآن پاک خانہ پری کرنے کے لیے کچھ باتیں چھوڑ دیتا ہے کہ پڑھنے والا اس بات کو خود سمجھ لے گا، اب قرآن پاک نے یہ آگے نہیں بیان کیا کہ انہوں نے توبہ کی، ان میں سے بے شمار لوگ قتل ہو گئے، اس بات کو چھوڑ دیا، یعنی جب تم نے ایسا کر دیا تو اللہ کریم نے تمہاری طرف رجوع فرمایا، تمہاری توبہ کو قبول کر لیا۔ ''یقیناً وہی توبہ قبول فرمانے والا ہے، اور انتہائی رحم کرنے والا ہے''۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

ہمیں مہلت دیئے بغیر گرفت
فرمائی ہے، اس کا جواب ہے بالکل نہیں، تو یہ وہی رحمت ہے جس کا تعارف قرآن پاک نے رحمٰن اور رحیم کے الفاظ سے کیا ہے، لیکن سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں ایک اور بڑی نفیس بات ارشاد فرمائی، وہ بھی آپ کے گوش گزار کر دینا چاہتا ہوں، تا کہ قرآن پاک کے ساتھ ساتھ حدیث پاک کی وضاحت بھی سامنے آتی جائے۔

سرکار کریمؐ نے فرمایا کہ ''اللہ کریم کے پاس ایک سو رحمتیں ہیں جو بڑی ہی وسیع ہیں، اور جب سے کائنات بنی ہے اور قیامت کے دن اسرافیل صور پھونک دیں گے اور یہ دنیا ختم ہو جائے گی اس وقت تک اللہ کریم صرف ایک رحمت کو استعمال فرمائیں گے، باقی جو ننانوے رحمتیں ہیں وہ میدان محشر کے لیے رکھی ہوئی ہیں''۔

تبھی ایک بڑے نفیس مزاج شاعر نے کہا! مجھے محشر سے مت ڈراؤ وہاں مجھے دو کریموں سے واسطہ ہوگا، دو رحیموں سے واسطہ ہوگا، ایک طرف میرا ربّ رحیم اور کریم ہوگا دوسری طرف میرا رسول رحیم اور کریم ہوگا، تو ان دو رحمتوں کے ہوتے ہوئے مجھے کس بات کا خوف ہے، تو سرکار علیہ السلام کے ربّ کریم نے سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے اپنے کلام میں جو تعارف کرایا ہے وہ رحمٰن اور رحیم کے انداز سے تعارف کرایا ہے، اور اس تعارف کے بعد میں یہ کہوں گا کہ رحمت وہ ہے کہ جس سے رحمٰن اور رحیم بنا ہے، رحمت کا ترجمہ کرتے ہوئے کشاف نے بھی یہی مطلب اخذ کیا لغت کے حساب سے، فخر الدین رازی نے بھی یہی بات کہی، بیضاوی نے بھی یہی بات کہی، اور یہ تینوں حضرات باقی علوم کے ساتھ ساتھ خاص طور پر لغت عربی کے امام مانے جاتے ہیں، یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رحمت کا مطلب ہوتا ہے **"رقت القلب"**۔ دل کے اندر رقت پیدا ہو جائے، آپ کہتے ہیں مجھے رقت نے آلیا اور آنکھوں سے آنسو ٹپک آئے ہیں، تو اس رقت کو رحمت کہتے ہیں، پھر اس کے ساتھ ساتھ اس کا تقاضا کیا ہوتا ہے کہ جس کے دل کے اندر رقت پیدا ہوتی ہے وہ مڑ پڑتا ہے کس بات کے لیے؟ کہ کسی پر مہربانی اور احسان فرما دے۔ یہ اس کا لفظی معنی تھا جو عربی لغت نے بیان کیا، اب ایک بات قانون کے طور پر آپ کی خدمت میں عرض کروں، کہ یہ الفاظ جب اللہ کریم کی ذات کے لیے استعمال کیے جائیں تو اس کے لغت کے مفاہیم نہیں ہوتے، اس کے نتائج ہوتے ہیں، اب دل کی رقت سے اللہ کریم پاک ہے، لہذا وہاں ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے، وہاں بات کیا ہوگی اس کا نتیجہ تھا کسی پر مہربانی کر دینا یا کسی پر فضل فرما دینا، لہذا اللہ کریم کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہوگا تو اس کا مطلب ہوگا ''فضل فرمانے والا اور رحمت فرمانے والا''۔ آپ رحمٰن کا معنی مبالغے کے طور پر کریں تو اس کا معنی ہوگا بے حد رحم فرمانے والا، رحم کی ساری حدیں توڑ دینے والا، اور رحیم وہ ہے جو ہمیشہ کے لیے رحم فرمائے اس کے رحم میں کسی مقام پر خلا پیدا نہ ہو، یہی بات یہ ہے اور اولیائے امت نے اس بات کو بے حد وضاحت سے بیان کیا ہے، کہ ادھر سے رحمت کا سلسلہ ایک لمحے کے لیے بھی ٹوٹ جائے تو ہماری یہ دنیا ختم ہو جائے، یہ وہ رحمت کا سہارا ہے جس کے سہارے یہ وجود مختلف مراحل طے کرتا جاتا ہے۔ اب آیئے بسم اللہ شریف کے بعد جو پہلا جملہ ہے قرآن اقدس کا اس کی وضاحت کی طرف بڑھتے ہیں۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَهْرَةً

اور یاد کرو وہ وقت جب کہا تم نے اے موسیٰؑ ہم کبھی بھی تجھ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم اللہ کو واضح (کھلی آنکھ سے) نہیں دیکھ لیتے

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴿۵۵﴾

تو تمہیں بجلی کی کڑک نے آ پکڑا (کفریہ کلمات کہنے پر) اور تم (یہ سب ہوتا) دیکھ رہے تھے ۶۲

۶۲ **واذقلتم یموسٰی لن نؤمن لک حتٰی نری اللّٰہ جھرۃ فاخذتکم الصعقۃ وانتم تنظرون**

ان کی ایک اور بات تھی جو وہ ہر وقت کرتے رہتے تھے جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ، اصل بات یہ ہے کہ انسان چونکہ مادی وجود رکھتا ہے لہذا وہ مادیت پسند ہے، اور مختلف ادوار میں مادیت پرست بھی رہا ہے، اب یہاں بھی وہی بات تھی، وہ کہتے تھے کہ موسیٰ وہ خدا کیا ہوگا جو تو ہمیں دکھاتا نہیں ہے، مسلمانوں نے سوال نہیں کیا، سوال کے بغیر رب کریم نے تیسرے پارے میں فرمایا! کہ اگر اللہ کریم سے محبت کرتے ہو اور یہ خواہش ہے کہ وہ تمہارا معبود بنے تو پھر میرے پیچھے پیچھے چل پڑو، سوال کے بغیر یہ جواب دیا تھا اور اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا، یہاں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے ایک عجیب بات کہی، آپ نے کچھ بندے ساتھ لیے قرآن پاک کے مختلف مواقع پر یہ مضمون آرہا ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام کے بعد جس پیغمبر کا قصہ قرآن پاک نے بار بار لیا ہے وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہیں، اور اس کی بنیادی وجہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں سے پہلے علم وفکر والی قوم صرف یہی یہودی اور عیسائی قوم تھی، لہذا فکری میدان میں انہی کو سامنے رکھنا ہے، اب وہ ستر آدمی لے کے طور پہاڑ پر گئے، اللہ کریم سے شرف ہم کلامی پایا، جب ان سے کہا سن لیا ہے تو کہنے لگے، سن لیا ہے، دیکھے بغیر ہم نہیں مانتے، آواز تو سنی ہے لیکن دیکھے بغیر بات نہیں بنتی، اب ذرا موازنہ کیجئے ماننے والوں کا، صحابہ کی پوری زندگی میں اور خاندان نبوت کی پوری زندگی میں آپ یہ بات کہیں نہیں دیکھیں گے کہ کم از کم اللہ تعالیٰ کی آواز ہی آجائے تو ہم مان لیں گے، کسی ایک صحابی نے بھی یہ بات نہیں کہی، ان کا خیال یہ تھا کہ سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ فرما رہے ہیں یہ ربّ کریم کی طرف سے ہے، اور سرکار کریم علیہ السلام کی آواز ربّ کریم کی آواز ہے، سرکار کریم علیہ السلام کی بات ربّ کریم کی بات ہے، لہذا ہم وہی کچھ مانیں گے جو سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمائیں گے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقدس کا وہ مقام سرکار علیہ السلام کے لیے

Marfat.com

صحابہ نے سمجھا جو کائنات ارضی میں کسی انسان نے کسی بھی ماننے والے کے لیے نہیں سمجھا، یہ وہ نکتہ تھا جو میں آپ کے ذہن میں ڈالنا چاہتا تھا، کہنے لگے کہ جی آواز تو آرہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں سامنے نظر کیوں نہیں آتا، اسے قرآن پاک نے یوں بیان کیا!

''جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے''۔ یہ تاکیدی لفظ ہے عربی زبان کے مطابق۔ ''ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے''۔ ادبی نکتہ نگاہ سے اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ ہم ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے، کب مانو گے، ''یہاں تک کہ ہم دیکھیں اللہ تعالیٰ کو سامنے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے آجائے، ہمیں نظر آئے اس کے بعد مانیں گے صرف آواز کی وجہ سے ہم بات نہیں مان سکتے، یہودیوں کا قدیم لٹریچر ان کی ایک اور بات بھی بتاتا ہے، یہ ان کی کوڑ مغزی کی دلیل ہے، یا یہ ان کے ٹیڑھے پن کی دلیل ہے، وہ کہنے لگے کہ کیا پتہ ہے کہ اس درخت کے اندر کوئی ایسی جگہ ہو جسے آپ پنجابی میں کھوڑ کہتے ہیں جس میں آپ نے کسی کو چھپا کے رکھا ہو، دیکھا نبی کے متعلق ان کا یہ تصور ہے، اور وہ بول رہا ہو، ہم تو اسی وقت مانیں گے جب ربّ کریم سامنے آجائے گا، پھر کیا ہوا۔ ''پکڑ لیا تم کو بجلی کی زوردار کڑک نے''۔ تمہیں بجلی کے شدید کڑکے نے آلیا۔ ''تم وہ بجلی گرتے اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے''۔ تو پھر کیا تم اس سے بچ گئے نہیں بچ سکے، بجلی پڑی تو پھر نتیجہ کیا نکلا وہی نتیجہ جو ہونا چاہیے تھا اسے بھی قرآن پاک نے لفظوں میں بیان نہیں کیا، یعنی تم پھر سارے کے سارے مرگئے، تباہ ہوگئے، یہ درمیان گیپ چھوڑ کے قرآن پاک نے کہا۔ ''ہم نے زندہ کردیا تمہیں، تمہاری موت کے بعد''۔ دیکھا قرآن کریم کی جامعیت اوپر فقرے میں موت کا ذکر نہیں آیا تھا اور یہاں ضمناً موت کا ذکر آگیا۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾
پھر ہم نے تمھاری موت کے بعد تمھیں (پھر) زندہ کردیا شاید (اب) تم شکر کرو ۶۳

۶۳ ''پھر ہم نے تمہیں زندہ کردیا تمہاری موت کے بعد'' کیوں زندہ کیا۔ ''تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ''۔ لیکن کیا تم نے شکر کیا یہ پھر آگے گیپ gap آگیا، مطلب یہ ہے کہ موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد اور زندگی کی لطافتیں دوبارہ سمیٹنے کے بعد تم راہ شکر پر راہ ایمان پر، راہ تہذیب پر اور راہ انسانیت پر پھر بھی نہیں چلے، تمہیں یاد ہوگا کہ یہاں ہی بات ختم نہیں ہوئی تھی، ہم نے تم پر ایک اور بھی احسان فرمایا تھا، یہ ساری باتیں تورات میں بھی موجود ہیں، اور قرآن پاک نے بھی بیان فرمائی ہیں، البتہ انداز اپنا اپنا ہے، قرآن پاک کا انداز اصلاح پسندی کا ہے، اب بھی یہ بگڑی ہوئی قوم صدیوں بعد درست ہوجائے تو بہتر بات رہے گی۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔

اور سایہ کیا ہم نے تم پر بادل کا اور اتارا تم پر من وسلویٰ کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور انہوں (بنی اسرائیل) نے ہم پر کوئی زیادتی نہ کی (نہ ہی کر سکتے تھے) لیکن اپنے آپ پر ہی زیادتیاں کرتے رہے (نافرمانیاں کر کے) ۶۴

۶۴ موسیٰ علیہ السلام صحرا میں ہیں، اس کا آگے تفصیل سے ذکر آ رہا ہے، مصر سے نکلے فرعون پیچھے آیا، اور پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں کہ فرعون سمندر میں ڈوب کے غرق ہو گیا تھا، موسیٰ علیہ السلام صحرا میں تھے، جناب موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے صحرا کو عبور کر کے شام میں داخل ہونا ہے، وہاں کی قوم جسے تاریخ عمالقہ کہتی ہے، ہم نے جنگ کر کے شام ان سے لینا ہے، بس اس کے بعد وہ ملک آپ کا ہو گا، سرسبز و شاداب ملک ہے اور اس پر اقتدار آپ کا ہو گا، آپ کی غلامی ختم ہو جائے گی، جیسے ہم مصر سے نکلتے وقت فرعون کو سمندر میں غرق کر کے آگے بڑھے ہیں، یہ کہنے لگے کہ ہم تو آگے نہیں جائیں گے، ہم آپ کے ساتھ مل کر جنگ نہیں لڑ سکتے، قرآن پاک نے آگے کسی مقام پر یہ بات کہی کہ بڑی لمبی چوڑی بحث کے بعد نتیجہ یہ نکلا اور آخری جملے یہ تھے! ''موسیٰ علیہ السلام آپ تشریف لے جائیں اور اپنے رب کریم کو بھی شامل کر لیں، دونوں مل کے لڑو، اور ہم یہاں ہی ٹھہرے رہیں گے''۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب انہوں نے پریشان کیا تو موسیٰ کو یہ پریشانی دینے کی انہیں یہ سزا دی گئی کہ وہ چالیس سال تک اس صحرا میں بھٹکتے رہے، اس صحرا کو عربی میں تیہ کہتے ہیں، چالیس سال تک آئے پیچھے پھرے، لیکن اللہ کریم نے کتنی رحمت فرمائی کہ اس دور میں دو نعمتیں ان کے پاس آتی تھیں، من بھی اترا اور سلویٰ بھی آیا، تورات کے حوالے سے مفسرین نے جو تشریحات سامنے رکھی ہیں، ان کو سامنے رکھ کے میں شائد ایک دو نئی باتیں بھی کر دوں، من کے متعلق خیال یہ ہے کہ ایک میٹھی چیز تھی، مثلاً موٹی موٹی چینی، جو درختوں کے پتوں پر پڑی ہوئی ہوتی تھی، اور وہ بڑی طاقت والی شے تھی، وہ یہ کھاتے تھے، سلویٰ کے متعلق ان کا خیال ہے کہ یہ بٹیر تھے، جو ڈاروں کے ڈار دفعتاً پاس آ جاتے تھے، وہ انہیں پکڑ لیتے تھے، کچھ لوگوں نے کہا کہ من کا معنی کھمبی ہے، یہ ہمارے پنجاب میں بے شمار ہوتی ہے، اور یہ انڈے کی طرح پکتی ہے، زمین میں یہ بہت زیادہ تعداد میں اگتی تھی اور یہ اسے اکٹھی کر لیتے تھے، یہ بات بھی ٹھیک ہے، ایسا بھی ہو سکتا ہے، قرآن پاک نے یہ سارا کچھ من کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، من کا عربی میں لفظی معنی احسان ہوتا ہے، اب میں تفسیروں سے ہٹ کے باہر نکل رہا ہوں اور عربی ادب

کی طرف بڑھ رہا ہوں۔

اللہ کریم نے مومنوں پر احسان کیا، تو میم اور نون جہاں عربی میں مل جاتا ہے اس کا معنی احسان ہوتا ہے، اسی سے مفعول کا لفظ اردو میں بھی آپ استعمال کرتے ہیں، میں آپ کا بے حد ممنون ہوں، وہ اسی کا اسم مفعول ہے، تو اب ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جو کچھ صحرا میں تمہیں ملا وہ صرف ہمارے احسان کی وجہ سے تھا، کہ نبیوں کی قوم ہے تو خالق انہیں وہاں بھوکا نہیں مارنا چاہتا، سلویٰ اصل میں شکار کو کہتے ہیں، قدیم عربی میں، لیکن جو سارے عرب میں عربی مروج تھی اس میں سلویٰ کا معنی ہے تسلی دینا، چونکہ ان لوگوں کی باہر جنگلوں میں گھومنے پھرنے کی فرعون کے دور میں عادت تھی، اس لیے یہ جنگلوں میں شکار کرتے رہتے تھے، لہٰذا شکار کے معنے میں لازمی معنے کے حساب سے یہ لفظ پہنچا، ورنہ حقیقی معنی میں اس کا مطلب تسلی پانا ہے، کہ تمہیں تسلی دینے کے لیے کہ تم صحرا میں بے وسیلہ نہیں رہ گئے ہو، اللہ کریم کی ذات تمہارے ساتھ ہے، تم پر احسان بھی کیا اور تمہیں تسلی بھی دی، احسان اور تسلی دونوں اللہ کریم کی طرف سے انہیں ایک قسم کا خاص تحفہ تھا۔

میں جس نتیجے پر پہنچا کہ وہ کہتے تھے کہ اے موسیٰ ہم تمہارے ساتھ آگے نہیں جاتے، وہاں بڑی جابر قوم رہتی ہے، ہم ان سے نہیں لڑتے، تو اس عرصے میں ان کے ہاں اولادیں ہوئیں، چالیس سال کا عرصہ ایک طویل عرصہ تھا، ان کے بچے جوان ہو گئے اب وہاں فرعون کوئی نہیں تھا، فرعون کی پولیس بھی کوئی نہیں تھی، فرعون کی فوج بھی کوئی نہیں تھی، کھلی فضائیں تھیں، اقبال کی روح کو سلام انہوں نے اس موقع پر ایک بڑے مزے کی بات کہی،

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی | یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی

اب یہ صحرا میں جو پیدا ہوئے جن پر کسی سمت سے گرفت نہیں تھی، جب یہ جوان ہوئے تو انہیں کسی کے خلاف لڑانا مسئلہ نہیں تھا، اس چالیس سال کے عرصے کے بعد وہ آگے بڑھے۔ قرآن پاک نے کہا! ''ہم نے سایہ کیا تم پر بادل کا''۔ ہم نے اس صحرا میں جہاں بے پناہ دھوپ تھی، تم پر بادل کا سایہ کیا، میں عموماً مسلمان علماء سے حیران ہوں جو کہتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام پر بادل کا سایہ کہیں اتفاقاً ہو گیا ہو تو ہو، ویسے یہ بات نہیں ہے، اگر آپ حدیث کو نہیں مانتے لیکن قرآن پاک ربّ کریم کے اس پاک کلام کو تو مانتے ہیں، میں ایمان کی وسعتوں کے ساتھ پوری تحقیق سے یہ بات عرض کر سکتا ہوں کہ ان سارے اسرائیلیوں کو جناب موسیٰ علیہ السلام کو نکال کے اکٹھا کیا جائے تو وہ مٹی جس پر میرے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ علیہ السلام قدم رکھ کے گزر گئے ہیں وہ مٹی ان سب اسرائیلیوں سے افضل ہے، ان کے لیے جب قرآن پاک کہے کہ ان پر اللہ کریم سایہ کر رہا تھا اور ہمارے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اگر اللہ کریم سایہ کرے تو آپ کے پیٹ میں مروڑ کیوں اٹھنے لگ جاتے ہیں، کہ نہیں جی ایسا نہیں ہو سکتا، چالیس سال تک یہ کون سا بادل ہے جو ان پر اس صحراء میں سایہ کرتے پھر رہا ہے، فرمایا ''ہم نے تم پر بادل سے سایہ

کیا، اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ اتارا۔

یہاں ایک لفظ اور ہے جو قابل غور ہے، ہم نے اتارا یعنی یہ چیز اوپر سے برس رہی تھی، زمین سے اُگی ہوئی بات نہیں تھی، یعنی جو شے آئی ہے وہ اوپر سے آئی ہے، زمین سے نہیں اُگی۔

آگے ارشاد فرمایا! ''کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تمہیں رزق کے طور پر دی ہیں''۔ یہ پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں بطور رزق عطا فرمائی ہیں، پھر بھی انہوں نے زیادتی کی اور بات کوئی نہ مانی، قرآن پاک کہتا ہے! ''انہوں نے ظلم نہیں کیا ہم پر''۔ یعنی وہ ہم پر کیا زیادتی کر سکتے تھے۔ ''لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے''۔ مطلب یہ ہوا کہ جو بھی انسان کوتاہی کرتا ہے، اس کوتاہی کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑتا ہے، لہٰذا عمل رفعتیں بھی عطا کرتا ہے اور بد عملی پستیوں میں گرا بھی دیا کرتی ہے، انسان ایک خالی سفید کاغذ ہے، جسے آپ نے اپنے ہاتھوں سے پُر کرنا ہے، تو یہ ضروری ہے کہ عمل ایمان کے ساتھ بنیادی انداز سے زندگی میں داخل ہو جائے، اس کو اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں!

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

یہ انسان جس نے ابھی کوئی عمل نہیں کیا یہ نہ جنت کا حقدار ہے نہ جہنم کا حقدار ہے، جب یہ اپنی کتاب حیات کو جنتی اعمال سے پُر کرلے گا تو جنت میں چلا جائے گا، اور جب کتاب اعمال گناہوں سے بھرلے گا تو جہنم میں چلا جائے گا، اب وہ تیہ سے باہر نکلے، بات ختم ہوگئی کہ سامنے ایک گاؤں آگیا، یہ گاؤں کونسا تھا، کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ بیت المقدس تھا کچھ نے کہا اریحا تھا، کچھ نے کوئی اور نام لیے ہیں، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے آخری حصے میں یہ بات ہوئی ہے، ارشاد ہوا کہ اس گاؤں میں چلے جاؤ، اب من و سلویٰ نہیں اترے گا، اب تم وسائل کی دنیا میں آگئے ہو، ایک بات کو یاد رکھیں کہ جب وسائل ختم ہو جاتے ہیں تو اس وقت پھر رحمت باقی رہ جاتی ہے، وہ آگے بڑھ کے انسانیت کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا! جب امام مہدیؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری دور میں مسلمان کافروں کے گھیرے میں آجائیں گے، تو یہ گھیرا کافی طویل عرصے تک پھیل جائے گا، ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں رہے گا، صحابہ کرامؓ نے سرکار علیہ السلام سے پوچھا کہ جب کچھ نہیں ہوگا تو پھر وہ کیا کھائیں گے، سرکار کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اللہ کریم کے ذکر کے ساتھ زندہ رہیں گے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کبھی باطنی غذا نوری غذا کا کام کر جاتی ہے اور کبھی مادی غذا کا، ویسے بھی عام زندگی میں اس بات کی پریکٹس ہونی چاہیئے، کہ کبھی بھی مادی غذا کو اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دینا چاہیے، اس کی ثانوی حیثیت ہو، اولیاء امت نے اس بات کو تو بڑا ہی اہم قرار دیا اور کتنے ہی طویل عرصے تک کچھ بھی کھائے پیئے بغیر زندہ رہنے کی کوششیں کیں، لمبے چلے کیے اور چوبیس گھنٹے کے بعد دو چار نوالے لے لیے ورنہ صرف

پانی پر گزرا کرلیا، حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ حدیث سب کتابوں میں موجود ہے۔ ''جب اصحابِ رسولؐ یمن کی طرف لشکر اسلام لے کے جا رہے تھے، ایک مرحلے پر امیر کارواں نے یہ فرمایا کہ کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے جس کے پاس جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ سارا اکٹھا کرلو کسی کے پاس آدھا کلو کھجور ہے کسی کے پاس ایک پاؤ جو ہے یا ستو ہے، ان سب کو ملا دیا، پھر امیر کارواں انہیں روزانہ ایک ایک کھجور دے رہے تھے، پھر وہ ایک ایک کھجور بھی ختم ہوگئی، ایک بندے نے پوچھا کہ حضرت جب ایک کھجور چوبیس گھنٹے کے بعد ملتی تھی تو آپ کیسے زندہ رہ رہے تھے، انہوں نے کہا! عزیز من جس دن وہ ایک کھجور بھی ملنا بند ہوگئی تھی، اس دن ہمیں دکھ ہوا کہ اب یہ ایک ایک کھجور بھی نہیں ملے گی، پھر کیا ہوا ہم کئی دنوں کے بھوکے ساحل سمندر کے پاس جب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں ایک بہت بڑی مچھلی کو سمندر کی لہر نے ساحل سمندر پر پھینک دیا ہے، ہم نے اسے کاٹا اور جتنی راستے کی بھوک تھی اسے مٹانے کے لیے ربّ کریم نے سبب پیدا کر دیا تھا، صحابی کہتے ہیں کہ وہ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ اس کی ایک پسلی کو جب ہم نے کھڑا کیا تو اس کے نیچے سے گھوڑا نکل سکتا تھا، اس کو فوج کئی دن تک کھاتی رہی۔

دور حاضر میں مولانا ظہور احمد بگوی مرحوم و مغفور حضرت پیر سیال کے اشارے پر ایک تحریک کو لے کے چلے تھے، ان کی ڈائری میں ایک بات آئی جو بعد میں مختلف رسائل اور اخبارات میں بھی چھپی، کہ ہم اتنے دور نکل گئے کہ ہمارے پاس موجود تمام ذرائع ختم ہو گئے، دریا میں کشتی پر بیٹھے دریا کے بہاؤ کے ساتھ آگے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ آگے فلاں گاؤں ہم نے پہنچنا ہے، وہاں پہنچ کے ہم نے باطل کا مقابلہ کرنا ہے، تو ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ بھائی تم میں سے کوئی کرامت دکھائے تاکہ بات بن جائے! مولانا لکھتے ہیں کہ اچانک دریا سے ایک مچھلی اُچھلی اور ہماری کشتی کے اندر آ گری، وہ تقریباً تین یا چار کلو کی تھی، میں نے کہا کہ بھائی صحابہ کرامؓ کو اللہ کریم نے بہت بڑی عطا کی تھی اس لیے کہ ان کے ساتھ بہت بڑی فوج تھی لیکن ہم چار یا پانچ آدمی ہیں اس لیے اللہ کریم نے اسے ہمارے لیے کافی سمجھا اور ہمیں عطا فرما دی، تو عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب ہم مادیت کے خول سے باہر نکلتے ہیں تو ایک اور دنیا بھی ہماری منتظر ہوتی ہے، لیکن اس دنیا پر چلنے کے لیے انداز مادی دنیا کے اندر رہتے ہوئے پیدا کر لینا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اور یاد کرو جب کہا ہم نے کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو جتنا چاہو اور دروازے میں سر جھکاتے ہوئے گزرنا

وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور کہنا حطۃ (ہمیں بخش دے) ہم بخش دیں گے تمھاری خطائیں اور نیکوکاروں کو ہم زیادہ دیں گے ۶۵

۶۵ آگے ارشاد فرمایا! ''اس گاؤں میں جاؤ کھاؤ جو وہاں رزق موجود ہے، جہاں سے چاہو اور جتنا چاہو کھاؤ ،اور تم اس دروازے سے جھکتے ہوئے داخل ہو جاؤ''۔

یہاں سجدہ کا اصطلاحی معنی ہے لیکن ایک اس کا لغوی معنی بھی ہے ،لغت میں آپ تھوڑا سا جھک جائیں تو یہ سجدہ ہے لیکن اصطلاح میں یہ سجدہ نہیں ہے، اصطلاحی سجدہ وہ ہے جو آپ نماز میں ادا کرتے ہیں ،اس میں بہت سارے لوازمات ہیں اس میں یہ لوازمات نہ ہوں تو وہ سجدہ نہیں رہتا، لہذا یہاں صرف جھکنا مراد ہے سب مفسرین نے یہ بات کہی ،کچھ لوگوں نے یہاں حقیقی سجدہ بھی مراد لیا ہے، کہ اللہ کریم نے تمہیں اس جنگل سے نکال لیا ہے تو جب پر امن جگہ پر پہنچ گئے ہو تو سجدۂ شکر بجالاؤ، جن لوگوں نے حقیقی سجدہ مراد لیا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں ،تو اب اللہ کریم نے فرمایا کہ شہر کے دروازے سے اندر جاؤ تو پورے احترام کے ساتھ اندر جاؤ، سجدۂ شکر بجالا کے آگے بڑھو اور جب شہر میں داخل ہو جاؤ۔'' پھر تم کہو حطۃ'' ح اور ط جب مل جائیں تو ان کا معنی ہوتا ہے مٹا دینا تو جب یہ قرآن پاک کی اصطلاح میں آئیں گے تو ان کا معنی مغفرت یا بخش دینا ہوتا ہے،'' تم کہو کہ ہم بخشش مانگتے ہیں ''۔گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، جب تم یہ کہو گے تو پھر ہم بخش دیں گے تمھیں اور تمہارے گناہ بھی ہم معاف فرما دیں گے۔'' اور ہم نیکی کرنے والوں کو بڑھاتے ہیں''۔لیکن اس کا معنی میں زیادہ وسیع یہ سمجھتا ہوں کہ شکر گزاروں کے لیے اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے، اسی لیے سرکار کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جو نعمت ملے اس پر شکر ادا کرتے جاؤ، تاکہ تمہاری نعمتیں ٹوٹیں نہیں، وہ تسلسل سے ساتھ چلتی جائیں، اب یہاں انہیں یہ بات کہی گئی کہ اس شہر میں جانا ہے اور اس انداز سے جانا ہے، آگے ارشاد ہوا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

پس بدل ڈالا ظالموں نے اور بات سے جو کہا گیا تھا انھیں تو ہم نے اتارا ان ستم پیشہ لوگوں پر

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ع﴿۵۹﴾

عذاب آسمان سے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۶۶

۶۶ ''ان لوگوں نے کہ جو ظالم تھے بدل دیا بات کو''۔ ظالموں نے بات کو بدل دیا) ''اس بات کے بغیر جو انہیں کہی گئی تھی''۔ ''کہ ظالموں نے جو بات کہی گئی تھی اسے چھوڑ کے ایک اور بات کر دی''۔

وہ بات کیا تھی اسے مفسرین نے بیان کیا ہے، جب شہر میں داخل ہونے لگے تو بڑے اکڑ کے داخل ہوئے کہ خدا جانے یہ کیسے لوگ ہیں اگر ہم جھک کے داخل ہوں گے تو یہ سمجھیں گے کہ یہ کوئی ماندہ اور کمزور قوم ہے، تو ہم پر چڑھ دوڑیں گے، ہم تو اکڑ کے اس شہر میں داخل ہوں گے، لہذا وہ شہر کے اندر اکڑ کے داخل ہوئے، بجائے یہ کہنے کے کہ ہم معافی چاہتے ہیں لیکن انہوں نے درمیان میں ایک نون بڑھا دیا، کہنے لگے ''حنطۃ'' گندم کی روٹی چاہیے، صرف ہمیں گندم کی روٹی چاہیے، آگے ان کے اور بھی مطالبات آرہے ہیں، اللہ کریم نے فرمایا! ''ہم نے اتارا ان لوگوں پر جو ظالم تھے عذاب آسمان سے''۔ ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب اتار دیا، 'باء' کا معنی بھی یہاں سبب ہے، کہ وہ حکم نہیں مانتے تھے، تو یہاں حکم نہ ماننا بدی کا ارتکاب کرنا ہے، نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ بدی کے مرتکب تھے، لہذا ہم نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کر دیا، تورات میں آتا ہے کہ چالیس ہزار آدمی وہاں تباہ و برباد ہو گئے اس عذاب سے جو اللہ کریم نے اتارا تھا، تو یہ عذاب کیا تھا؟ کوئی آسمان سے پتھر برسے تھے یا کوئی اور بات تھی، تو تفاسیر میں طاعون کا مرض آتا ہے، کہ طاعون سے یہ لوگ تباہ ہو گئے تھے، میں آپ کو ایک اور بات عرض کر چکا ہوں کہ قرآن پاک تاریخی حوالوں کو ملحوظ نہیں رکھتا، وجہ یہ ہے کہ جب میں تاریخ لکھنے بیٹھوں گا تو اس میں ترتیب ہوگی، علامہ شبلی بیٹھیں گے تو اس کی کوئی نہ کوئی ترتیب ضرور ہوگی، تو یہ انسانوں کا سٹائل ہے، اگر اللہ تعالیٰ بھی اسی طریقے سے چلے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی نقل کر رہا ہے، لہذا قرآن پاک نے یہ انداز بالکل نہیں اپنایا قرآن پاک کا اپنا انداز ہے، لیکن تفسیروں میں جو بات آپ کو ملے گی وہ اس سے ہٹ کے ملتی ہے، وہ یہ ادبی انداز نہیں جو میں آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں، ان میں سے تو اکثریت اس بات کی طرف چلی گئی کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے کہہ دے ہمیں اعتراض کرنے کا حق نہیں، یہ بات بالکل بجا ہے،

Marfat.com

لیکن ہمیں سوچنے کا اللہ تعالیٰ نے حق دیا ہے، اور میں سوچ کے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس انداز کو اپنائے جو انسانوں کا انداز ہے، تو اللہ انسانوں کا تابع ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ انداز نہیں ہے، پھر اس دور میں نثر کے جتنے بھی طریقے تھے ان سب کو بھی اللہ کریم نے اٹھا کے ایک طرف پھینک دیا، اور جب پھینکا تو ایک نیا انداز معرضِ وجود میں آیا، جو اللہ تعالیٰ کا ہو سکتا ہے وہ بندے کا نہیں ہو سکتا، اور آج تک اس انداز کو اسی طریقے سے کوئی اپنا نہیں سکا، البتہ یہ انداز لوگوں کے دلوں پر چھا گیا، حضرت لبید کہتے ہیں جو اسلام سے پہلے بہت بڑے شاعر تھے اور جب مسلمان ہو گئے تو شاعری بڑی مدہم پڑ گئی، کسی نے پوچھا کہ اب تو وہ شاعری کا انداز نہیں رہا، وجہ کیا ہے، تو انہوں نے کہا کہ اب قرآن پاک میرے ذہن پر چھا گیا ہے، اور میں بے بس ہو گیا ہوں، اب جب سوچنے بیٹھتا ہوں تو قرآن پاک کی کوئی آیت سامنے آ جاتی ہے، میں کہتا ہوں کہ اتنے وسیع کلام کے ہوتے ہوئے تو کیا لغویات لکھے گا، میں فوراً قلم چھوڑ دیتا ہوں، اب میں لکھ نہیں سکتا۔ اب یہاں بھی قرآن پاک نے ترتیب نہیں رکھی، وہ جنگل میں ہیں، پھر وہ جنگل سے نکل کے ایک گاؤں میں پہنچ گئے، لیکن جنگل کے منظر کو قرآن پاک اب بیان کرنے لگا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہ نکلے اس چٹان

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی

سے بارہ چشمے پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو اللہ کے دیے ہوئے رزق سے اور نہ پھرو زمین میں

الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۶۰﴾

فساد کرتے ہوئے ۶۶

۶۶ "یاد کرو"۔ 'اذ' کا معنی ہوتا ہے 'جب'۔ لیکن سارے مفسر اس بات پر متفق ہیں کہ یہ 'اذ' وہ نہیں ہے، یہ 'اذکر' کا مخفف ہے، تو ان یہودیوں کو ان کا ماضی یاد کرایا جا رہا ہے، اور جب سرکار علیہ السلام کے لیے آتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام کے علم میں ایک بات ہے، اور اس بات کی توجہ دلائی جا رہی ہے، "یاد کرو جب مانگا موسیٰ علیہ السلام نے پانی"۔ (یعنی پانی طلب کیا) اسی لیے جب بارش نہ ہو تو لوگ نماز استسقا پڑھتے ہیں، یعنی پانی مانگنے والی نماز، جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا، آگے اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا! "آپ ماریں اپنی لاٹھی اس پتھر پر"۔ یہاں مفسرین کسی مخصوص پتھر کی

Marfat.com

طرف چلے گئے ہیں، وہ لاٹھی صحراء میں ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے، اس لاٹھی کے بارے میں اللہ کریم نے کہا کہ اس کو پتھر پر ماریں، یہ بات بھی ٹھیک ہے میں اس کی تردید نہیں کر رہا، لیکن یہاں تحقیق کچھ اور ہے، تحقیق یہ ہے کہ راستے پر ایک بہت بڑی چٹان ہے جو ان کے راستے پر آئی تھی اس وقت اتفاقاً ان کے پاس پانی نہیں تھا، ر آس سفسفہ آج بھی صحرائے سینا میں موجود ہے، اس کے قریب ایک وادی تھی جسے وادی لیجا کہتے ہیں اس میں یہ چٹان آج بھی موجود ہے، ڈین اسٹینلے Dean Stanley ایک پادری پچھلی صدی میں گزرا ہے اس کی ایک کتاب تھی سینائے فلسطین Sinal Palestine، اس میں اس نے یہ بات کہی ہے کہ میں نے وہ چٹان خود جا کے وہاں دیکھی وہ تقریباً دس سے پندرہ فٹ تک اونچی تھی، اوپر سے تھوڑی آگے جھکی ہوئی تھی، اس کے اندر مختلف جگہوں پر دراڑیں تھیں، دوسرے لفظوں میں دوسری پہاڑیوں کی طرح اس میں بھی نالیاں بنی ہوئی تھیں، یہ نالیاں تقریباً بارہ تھیں، لیکن تورات نے بارہ کا ذکر نہیں کیا، مولانا عبدالماجد دریاآبادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ان بارہ نالیوں کا جس کتاب نے ذکر کیا ہے وہ قرآن پاک ہے، اور یہ پادری جو ہے یہ کہتا ہے کہ اس چٹان کا میں نے خود مشاہدہ کیا ہے، اس سلسلے میں آپ کو میں ایک اور بات بھی عرض کروں، جن لوگوں نے پچھلی صدی کا ادبی لٹریچر یا مغربی محققین کی تاریخ پڑھی ہے انہیں اس بات کا پتہ ہے کہ مغربی ملکوں میں سے برطانیہ میں زیادہ اور چونکہ مغربی دنیا سب سے زیادہ ان کے زیرِ سایہ تھی، جرمنی اور فرانسیسی ان سے کم اور اٹلی والے ان سے کم۔ ان کے بہت سارے پڑھے لکھے لوگ مشرقی دنیا میں آ گئے تھے، دو باتیں تھیں ایک تو وہ ہماری تہذیب کو دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کیسی ہے، دوسرا وہ ہمارے علوم وفنون کو جاننا چاہتے تھے کہ دیر تک انہوں نے یہاں پر حکومت کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا، تو وہ بھگوڑا نہیں تھے کہ انہیں واپس چلا جانا تھا بلکہ انہوں نے آپ کے تمدن کو مٹانا تھا، آپ کی تہذیب کو مٹانا تھا، ایسے لوگوں کو عربی زبان میں مستشرقین کہا جاتا ہے، یعنی وہ لوگ جو مشرق کے رہنے والے نہیں ہیں لیکن مشرقیت کو جاننے کے لیے مشرق میں آ کے کچھ عرصہ ٹھہرتے ہیں، ان لوگوں نے تین چار ملکوں پر خصوصی توجہ دی، مصر پر، عراق پر اور برصغیر پر۔ مشرقی دنیا میں اس پر جو آج کل آپ کے خطے آزاد ہیں مثلاً ملائیشیا وغیرہ، تو برصغیر کو تو انہوں نے اس طرح چھانا کہ کسی چیز کو پیچھے نہیں چھوڑا، تو اس دور میں یورپ سے جو لوگ عربی دنیا میں پھر رہے تھے، یہ اسٹینلے ان میں سے ایک تھا، آپ کو پتہ ہے کہ اس دور میں فرعون کی لاش بھی برآمد ہوئی تھی، جو آج بھی مصر میں محفوظ ہے، تو جب آپ اسے دیکھتے ہیں تو آپ کو پتہ چلتا ہے کہ یہ جلاد قسم کا انسان تھا، تبھی تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ اس قسم کی باتیں کر رہا تھا۔

قرآن پاک نے کہا! کہ اے فرعون ہم تیری لاش کو باقی چھوڑیں گے تاکہ آنے والی نسلیں تجھے دیکھ کر عبرت حاصل کر سکیں، تمہاری لاش محفوظ رہے گی اسے کوئی شے نہیں کھائے گی، میں ضمناً ایک سوال کرتا ہوں اگر فرعون جو خدا کا دشمن ہے اور اللہ کریم چاہے تو اس کی لاش کو باقی چھوڑ دیتا ہے تو کیا فرماتے ہیں وہ لوگ جناب سرکار علیہ السلام کے وجود پاک کے بارے میں

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾

سب تعریفیں[۲] اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کی تربیت فرمانے والا ہے[۳]

۲۔ "حمد" کیا ہے؟ اور کس مقام پر اس کو بولا جاتا ہے؟ اردو میں تو ہم نے اس کا معنی تعریف کر دیا، اور "الحمد" کا معنی کیا "سب تعریفیں"۔ یہ سب اس الف اور لام کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ لیکن جب ہم نے عربی کی لغت کو دیکھا تو وہاں حمد کے لیے ہمیں کچھ اور بات ملی، حمد کا انہوں نے معنی یہ کیا ہے، کہ کسی کے اندر کوئی خوبی ہے ذاتی، اس ذاتی خوبی پر جو تعریف آپ کرتے ہیں اسے حمد کہتے ہیں، لہذا جب آپ کسی درخت کو دیکھتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ بڑا حسین درخت ہے، کسی انسان کو دیکھتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ بڑا حسین انسان ہے، تو یہ حمد نہیں ہے، یعنی حمد اس جمیل بات پر اس پیاری بات پر جو کسی کے اختیار کے اندر ہو، تو چونکہ یہ باتیں کسی انسان کے یا کسی اور شے کے اختیار میں نہیں ہیں لہذا ان کے لیے حمد نہیں ہے، اس معنی میں حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اس جگہ پر عرب مدح کا لفظ استعمال کرتے ہیں، جب کسی کا کوئی معاملہ ہے جو اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہے تو وہاں اس خوبی کی تعریف کے لیے لفظ مدح استعمال کریں گے، اور جب آپ کسی کی تعریف کرنا چاہتے ہیں یہ تعریف اپنی زبان سے کرتے ہیں یا دل سے کرتے ہیں، یا ہاتھ ہلا کے کرتے ہیں تو یہ شکر کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے عربی زبان میں اسے حمد کے لفظ سے تعبیر نہیں کرتے، اب جب آپ ترجمہ کریں گے اور اس بات کو ذہن میں رکھیں گے تو بات صاف ہو جائے گی، حمد کی مستحق اللہ کریم کی ذات ہے، کیوں حمد کی مستحق ہے؟

اس کے لیے ساتھ پھر دلیل آگئی ہے، کہ وہ عالمین کا رب ہے، رب کا ایک معنی وہی ہے جو عام تفسیروں میں موجود ہے یا ہمارے ترجموں میں ہے، کہ وہ جہانوں کا پروردگار ہے، لیکن اصل یہاں اس کا معنی رب نہیں ہے تربیت ہے۔ حمد کا مستحق اللہ ہے، اس لیے اللہ ہے کہ وہ سب کائنات کی تربیت کرتا ہے، تربیت کے لفظ پر آپ غور کریں گے تو وہاں عربی میں یہ معنی ملے گا کہ ایک شے کو رفتہ رفتہ کمال تک پہنچا دینا یہ تربیت ہے۔ جب کسی گھر میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے پھر آپ اسے پالتے ہیں اس کے جسم کو پالتے ہیں غذا سے، اس کے دماغ کو پالتے ہیں علم سے، اس کے دل کو پالتے ہیں قرآن و سنت کے انوار سے، تو یہ بات بڑھتی جاتی ہے تو پھر آپ ایک دن کہتے ہیں کہ بچے نے پی ایچ ڈی کر لی ہے، یا ایم اے کر لیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ علمی دنیا میں آپ نے اس کی تربیت کر دی ہے، تو یہاں رب کا معنی تربیت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہوگا۔

"کہ وہ سب جہانوں کی تربیت فرمانے والا ہے"۔ میں یہاں مزید تفصیل میں اس لیے نہیں جانا چاہتا، کہ غالباً تیسرے یا چوتھے

Marfat.com

ایسے کفریہ لغویات بکتے رہتے ہیں کہ قبر میں تو ان کا وجود پاک مٹی میں مل کر ختم ہو چکا ہوگا، جہاں فرعون کا جسم محفوظ رہ سکتا ہے وہاں آفاقی وجود کو بھی کوئی شے کھا سکتی ہے، کوئی ایمان کی بات کیجئے، اب آپ اندازہ فرمائیں کہ اس دور میں یہ سارا کچھ برآمد ہوا، آگے چل کے بہت ساری اور مختلف باتیں آئیں گی، جو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا چلا جاؤں گا۔

یہاں جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ پتھر پر اپنی لاٹھی مار دیں تو اس پتھر سے مراد یہی کچھ تھا، موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی ماری، پتھر سے پانی نکلا، ایک نکتہ عرض کر رہا ہوں، اور پوری توجہ چاہتا ہوں، پانی پتھروں سے ہی نکلتا ہے کشمیر کی ساری وادیوں میں پانی پتھروں سے ہی نکل رہا ہے، ایک صحابیؓ آ کے عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ پانی نہیں ہے حضور پاکؐ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس تھوڑا سا ہے تو پیالے میں ڈال کے لے آئے پھر سرکار علیہ السلام نے اس پیالے میں اپنی مبارک انگلیاں ڈال دیں، وہاں موجود سب صحابیؓ کہتے ہیں کہ پانچوں انگلیوں سے پانچ چشمے بہہ رہے تھے، جناب موسیٰ علیہ السلام نے تو پتھر پر لاٹھی ماری تھی، لیکن مصطفیٰ کریمؐ نے تو انگلیوں سے پانی بہا دیا، اور سب صحابہ نے پانی پی لیا، ایک دفعہ کسی نے عرض کی کہ حضورؐ پانی نہیں ہے، کنواں تو موجود ہے لیکن اس کی تہہ میں بالکل تھوڑا سا پانی ستارے کی مانند چمک رہا ہے، ارشاد فرمایا کہ تھوڑا سا پانی پیالے میں لے آؤ، ایک پیالے میں صحابہ پانی لائے اس میں سرکار کریمؐ نے اپنا تھوک مبارک ڈالا، اور پیالے والا پانی اس کنوئیں کے اندر ڈال دیا، یہ تبوک کا واقعہ ہے، کنوئیں سے بے شمار پانی نکل آیا، مولانا مودودی جب وہاں گئے تو ان کے ساتھ خلیل حامدی بھی تھے، جو ابھی چند ہی سال پہلے فوت ہوئے ہیں، انہوں نے مولانا مودودی صاحب کی ساری ڈائری لکھی تھی، تو یہ ڈائری ان کے رسالے ''ترجمان القرآن'' میں مسلسل چھپتی رہی، خلیل حامدی لکھتے ہیں کہ جب ہم وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کنوئیں پر گیارہ ٹیوب ویل لگے ہوئے ہیں، اور وہ پانی ختم نہیں ہوتا، میں سوچتا ہوں کہ یہاں فیصل آباد، لاہور وغیرہ جو پانیوں کا مرکز ہے، چار یا پانچ گھنٹے کسی کنوئیں پر دو ٹیوب ویل نصب کر دیئے جائیں تو مٹی بھی اٹھا کے باہر پھینک دیں گے، پانی ختم ہو جائے گا، خدا جانے کس کوثر کے ساتھ کس سلسبیل کے ساتھ مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے اس کنوئیں کا کنکشن جوڑ دیا ہے، کہ گیارہ ٹیوب ویل نصب ہیں اور اتنا عرصہ گزر جانے کے باد جود اس کنوئیں کا پانی ختم نہیں ہو رہا، تو پانی صحابہؓ نے بھی مانگا اور پانی امت موسیٰ نے بھی مانگا، مگر پانی دینے والوں کا اپنا اپنا انداز تھا۔

ارشاد فرمایا! **"فانفجرت منه"**۔ ''فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے''۔ **"اثنتا عشرة عينًا"**۔ ''بارہ چشمے''۔

بارہ چشمے کیوں پھوٹے چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارہ قبیلے تھے، میرا خیال ہے کہ جس طرح آج کل ہمارا حال ہے کہ اگر پوچھا جائے کہ سیاسی جماعتیں کتنی ہیں تو ایک بچہ بھی جواب دیتے ہوئے یہی کہتا ہے کہ آج رات جو گزری ہے اس میں دو چار اور نہ بن گئی ہوں تو پتہ نہیں پہلے اتنی تھیں اگر پوچھا جائے کہ مذہبی جماعتیں کتنی ہیں تو جواب ملے گا آج کل تک تو اتنی

Marfat.com

تھیں لیکن خدا جانے رات کو مُلّاؤں نے کتنی اور بنالی ہوں! کس طریقے سے بکھیر کے رکھ دیا ہے پوری امت محمدیہ کو ان نئے صدی کے مولویوں نے، جب ملت اسلامیہ کو اسلام ایک واحد اکائی قرار دیتا ہے تو ان مولویوں کی وجہ سے ہم خدا جانے کس گڑھے میں جا کے گریں گے، اور نہ جانے ہمارا انجام کیا ہوگا، تو یہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم اسی طرح تھی جس طرح آج ہم بکھرے ہوئے ہیں، وہ کہتے تھے کہ ہم بارہ قبیلے ہیں اور جب تک الگ الگ بارہ چشمے نہیں نکلیں گے تو اس وقت تک بات نہیں بنے گی، یہاں بھی ایک بڑی مشہور بات ہے ادھر چکوال کی طرف آگے میں نکلیں تو وہاں ایک گاؤں ہے۔اس گاؤں میں ملک صاحب کے ہاں کوئی مہمان گیا ہوا تھا اس نے کہا ملک صاحب اذان ختم ہوئی ہے تو آپ نے کلمہ نہیں پڑھا، تو ملک صاحب کہنے لگے کہ تمہیں نہیں پتہ کہ یہ جس مسجد میں ابھی اذان ختم ہوئی ہے یہ ہمارے دشمنوں کی ہے، تو دشمنوں کی مسجد میں اذان ہو تو ہم کلمہ نہیں پڑھا کرتے، یعنی یہ پستی کا وہ اتھاہ سمندر ہے جس میں ہم غرق ہو رہے ہیں، تو یہی حال موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا تھا، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمارا معاشرہ انہیں امراض میں مبتلا ہوا جن امراض میں پہلے لوگ مبتلا ہو کے تباہ ہوگئے تھے تو اس معاشرے پر کوئی سونے کے سینگ نہیں ہیں یہ بھی اسی طریقے سے تباہ ہو جائے گا جس طرح پہلے والے معاشرے تباہ ہوتے رہے ہیں۔

آگے ارشاد ہوا!"**قد علم**"۔جان لیا۔"**کل اناس**"۔سب لوگوں نے۔"**مشربھم**"۔اپنا اپنا گھاٹ۔قرآن پاک نے اشارد فرمادیا کہ وہ ایک گھاٹ پر پانی پینے کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے انہوں نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔"**کلوا واشربوا**"۔کھاؤ اور پیو۔"**من رزق اللّٰہ**"۔اللہ تعالیٰ کے رزق سے۔"**ولا تعثوا**"۔لیکن پھر نہیں۔"**فی الارض**"زمین میں۔"**مفسدین**"۔فساد کرتے ہوئے۔زمین میں فساد کرتے ہوئے مت پھرو، اللہ کریم ہمارا کہنا، سننا، آنا اور بیٹھنا قبول فرمائے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دعا کیجیے ہمارے لیے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لیے

الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ

جو اگاتی ہے زمین (مثلاً) ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز موسیٰ نے کہا کیا تم لینا چاہتے ہو وہ چیز جو

اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ

ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو عمدہ ہے (اچھا) جا رہو کسی شہر میں تمہیں مل جائے گا جو تم نے مانگا اور مسلط کر دی گئی اُن پر ذلت اور مسکینی

الْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے

النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

انبیاء کو ناحق یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جایا کرتے تھے ۶۷

۶۷ یہودیوں کو تیہ کے ریگستان میں اللہ کریم منّ و سلویٰ بلا محنت عطا فرما رہے تھے، مگر انہوں نے اس نعمت خداوندی پر صبر نہ کیا اور ساگ، گیہوں، مسور اور پیاز مانگنے لگے، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ مصر میں وہ فرعونیوں کے مزارع تھے اور ساگ وغیرہ پر گزارہ کرتے تھے لہذا ان چیزوں کو کھانے کی عادت پڑ گئی تھی لہذا انہیں اس صحرا میں بھی ساگ، دال، چٹنی اور چپاتیاں یاد آنے لگیں، یہ مطالبہ کر کے انہوں نے یہ سوچنا بھی گوارہ نہ کیا کہ عطیہء خداوندی کو چھوڑ کر کتنی بے مایہ چیزوں کا انہوں نے مطالبہ کیا ہے۔ یہاں ایک بات دل میں کھٹکتی ہے کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ یہودیوں پر فقر اور تنگدستی مسلط کر دی گئی ہے حالانکہ وہ دنیا کی امیر قوموں میں شمار ہوتے ہیں۔ تو اس سلسلہ میں عرض کرنا ہے کہ جیوش انسائیکلو پیڈیا صفحہ نمبر ۱۰ اے ۱۵۱ ملاحظہ فرمائیں اور ان فقروں پر توجہ دیں" گو یہود کا تموّل ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس ملک میں آباد ہیں وہاں کی آبادی میں ان ہی کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے" ضیا القرآن ۱/ ۶۱۔ علامہ عبدالماجد دریا آبادی تفسیر ماجدی ۱/ ۶۱ میں فرماتے ہیں "عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت دولت مند ہیں"

یہودیوں پر یہ ذلت و مسکنت اور عذاب بلاوجہ نہیں تھا یہ انکے کرتوتوں کا منطقی انجام اور انکے افعال بد کا ردعمل تھا۔ تورات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایسے جرائم سے انکی تاریخ بھری پڑی ہے ہم اس موضوع پر بشرط فرصت وصحت ایک مستقل کتاب لکھنے والے ہیں جس کا مواد ہم نے تورات وانجیل (عہد نامہ قدیم وجدید) سے اکٹھا کر لیا ہے صرف نمونہ کے طور پر کچھ عرض کرتا ہوں:۔

''خدا کی روح زکریا پر نازل ہوئی سو وہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑے ہو کر کہنے لگا۔۔۔ چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا ہے تب اپنوں نے اسکے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کر دیا''

2- تواریخ باب 20 آیت 26 - 21 ۔

مزید برآں مرقس کے باب 6 آیات 17 تا 29 میں یحیٰی علیہ السلام (یوحنا) کے بارے میں یوں تفصیل ہے کہ جب آپ نے ہیرودس بادشاہ کو اس پر ٹوکا کہ اس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کو اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے تو بادشاہ نے پہلے انہیں قید کر دیا بعد میں اپنی داشتہ کی فرمائش پر آپ کا سر مبارک کاٹ کر ایک تھال میں رکھا اور داشتہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ واقعہ لمبا ہے ہم نے اس کا خلاصہ پیش کر دیا ہے قارئین اگر اصل کتاب سے تفصیلات پڑھ سکیں تو انکی ریشہ دوانیاں کھل کر سامنے آجائیں گی، آیات ربانی کا انکار، انبیاء کا قتل، نافرمانیوں کا کھلم کھلا ارتکاب اور معاشرہ کے ساتھ زیادتیوں کے واقعات سے تورات وانجیل کے صفحات بھرے پڑے ہیں اس کے باوجود کہنا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے لاڈلے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن فہمی کیلئے تورات اور انجیل کا مطالعہ کرنا چاہیے تا کہ قرآنی حقائق سامنے آسکیں اور یہود کی روباہ مزاجیوں سے پردہ ہٹ سکے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے، اور وہ لوگ جو یہودی ہو گئے اور وہ لوگ جو عیسائی ہو گئے، اور وہ جو صابی ہیں، جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾

کے دن پر (یعنی قیامت پر) اور نیک عمل کیے تو ایسے لوگوں کے لیے اجر ہے ان کے رب کریم کے ہاں، اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غم کھائیں گے ۶۸

۶۸ پہلے چار پانچ الفاظ کی تشریح درکار ہے، ایماندار تو مسلمان لوگ ہیں "ھادوا" سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہودی ہیں، یہودی انہیں کہا جاتا ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کو نبی مانتے ہیں اور بعد میں آنے والے تمام انبیاء کو نبی نہیں مانتے، جناب عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نبی نہیں مانتے اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی نبی نہیں مانتے "نصری" وہی جنہیں ہم عیسائی کہتے ہیں، جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے۔ "صابئین" کون لوگ ہیں، مفسرین نے ان کے بارے میں بہت ساری باتیں لکھی ہیں، اصل بات یہ ہے کہ صابی قدیم لغت میں وہ ہوتا تھا، جو ایک مذہب کو چھوڑ کے دوسرے مذہب میں داخل ہو جائے، یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو اس دور میں ایران اور عراق کی سرحد پر رہتے تھے، اسی طرح شام اور عراق کی سرحد پر رہتے تھے، انہیں عام طور پر صابی کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مختلف مذہبوں کی اچھی باتوں کو اکٹھا کر کے مان لیا جائے اور باقی باتوں کو چھوڑ دیا جائے، ایسا کرنے والوں کو صابی کہا جاتا تھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ یہ تمام صحابہ میں بڑے عالم آدمی ہیں، یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اہل کتاب تھے، لیکن یہ بھی اسی طرح بگڑ گئے جس طرح باقی لوگ بگڑ گئے تھے، بخاری میں ایک حدیث پاک آتی ہے اس حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ صابی اس آدمی کو کہتے تھے جو ایک نظریے کو چھوڑ کر دوسرے نظریے کو مان لیتا تھا، مثلاً حضرت خالد بن ولیدؓ ایک دفعہ میدان جنگ میں حملہ آور ہوتے ہیں اور ایک آدمی فوراً کہہ دیتا ہے کہ **"قد صبات"**۔ میں صابی ہو گیا ہوں، میں مسلمان ہو گیا ہوں میں نے اپنا مذہب چن لیا ہے، حضرت خالدؓ نے اس لفظ کو قبول نہیں فرمایا اور اس آدمی کو مار دیا، اور جب سرکار علیہ السلام کے سامنے یہ بات آئی تو حضرت خالدؓ سے کہا کیا تم نے اس کا دل چیر کے دیکھا تھا۔ جب تم نے نہیں مانا تو یہ رحمت کے تقاضوں کے خلاف بات جاتی ہے، اس آیت کو موضوع بناتے ہوئے دور حاضر میں بہت سارے لوگوں نے عجیب وغریب باتیں کی ہیں جن کا قرآن پاک سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا میں چاہوں گا ان باتوں کا بھی ذکر کر لیا جائے، برصغیر کی ماضی قریب کی تاریخ میں وہ عرصہ جو 47-1940ء تک ہے یہ بڑا ہی پر آشوب دور تھا، کانگرس اور اس کے ہم نوا مسلمانوں پر عجیب وغریب قسم کے

اعتراضات کر رہے تھے، کہ ملک ایک ہے اس لیے اس میں بسنے والے سارے ایک ہیں، یہ فلسفہ قومیت تھا، جو سب سے بڑھ کر نہرو اور گاندھی نے لوگوں کو دیا تھا، اور اسی فلسفہ قومیت کو دیوبند کے علماء مولانا حسین احمد مدنی نے فلسفہ قومیت پر ایک کتاب لکھ کے بہت زیادہ دور دراز تک پھیلا دیا تھا، مولانا ابوالکلام آزاد جو تقسیم ہند کے بعد بھارت کے وزیر تعلیم تھے، اور اپنی باقی ساری زندگی بھارت کے وزیر تعلیم رہے انہوں نے آیت کا حلیہ بالکل ہی بگاڑ کے رکھ دیا، ان کا نکتہ نظر یہ تھا اور مجھے چند ایسے لوگ جو مولانا آزاد سے متفق تھے اسی طرح مدنی صاحب سے متفق تھے یا ایسے باقی لوگوں سے متفق تھے اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے وہی انداز اپنایا جو مولانا آزاد کا انداز تھا، میں نے جب آزاد صاحب کی تفسیر دیکھی تو صرف سرسری سی نگاہ ڈالی، کیونکہ میں زیادہ تر عربی تفاسیر پڑھا کرتا ہوں، اللہ کریم نے مجھے جو علوم عطا فرمائے ہیں، ان کی مدد سے میں اجتہادی انداز سے قرآن پاک کے معانی کرنے کی کوشش کرتا ہوں، یا اپنے متقدمین میں سے جن کی عربی میں کتابیں ہیں صرف وہی پڑھا کرتا ہوں اور ان کو سامنے رکھ کے آپ کے سامنے قرآن پاک کا مفہوم آسان زبان میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں، ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کا ایک طبقہ مل گیا تھا اس طبقے نے اس آیت کو مسخ کر دیا، مولانا آزاد نے بڑی عجیب بات کہی، کہ قرآن پاک کہتا ہے کہ جو ایماندار ہو وہ، اور جو یہودی ہو وہ اور جو نصرانی ہو وہ، ان میں سے جو اللہ کریم پر ایمان لے آئے اور آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو اسے لازماً اس کا بدلہ ملے گا، لہذا وہ کافر جو اسلام کے نام سے بھی الرجیک ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کو مان لیتے ہیں، فلاح و بہبود کے لیے کوئی سڑک یا کوئی پل وغیرہ تعمیر کرا دیتے ہیں تو یہ سیدھے جنت میں جائیں گے، اب اس نظریئے کو سامنے رکھ کے ساری کانگرس کو اپنے ساتھ ملا لیا، جب میں نے ان کی تفسیر کا مطالعہ کیا تو میں حیران ہوا کہ یہ کہتے ہیں کہ میں اپنی تفسیر اپنے ایک طالبعلم کے نام کر رہا ہوں میں بے حد متاثر ہوا ان کے اس پیش لفظ سے، وہ طالبعلم کون تھا فرمایا کہ میں ایک دن باہر نکلا، ایک لڑکا میرے پیچھے پیچھے آ رہا تھا اس کے کپڑے پھٹے پرانے تھے اور پاؤں میں خدا جانے جوتا بھی تھا یا نہیں، میں نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو تو اس لڑکے نے جواب دیا کہ میں افغانستان سے آیا ہوں، میں نے پوچھا مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ وہ بولا آپ سے صرف قرآن پاک کی تفسیر پڑھنا چاہتا ہوں، اس کے عظیم جذبے کو دیکھ کر مولانا اپنی کتاب کا آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اپنی تفسیر کو اس کے نام سے منسوب کرتا ہوں، جسے عشق قرآن یہاں میرے پاس کھینچ کے لے آیا، لیکن جب وہ کانگرس کی گود میں چلے گئے تو عشق قرآن پاک کا یہ حال ہو گیا کہ عیسائی بھی جنت میں جائے گا، یہودی بھی جنت میں جائے گا اسی طرح ہندو بھی جنت میں جائے گا، یعنی جس میں یہ دو تین باتیں آ جائیں۔

اب ہم نے قرآن پاک سے پوچھنا ہے، کہ جو مفہوم مولانا ابوالکلام آزاد ہمیں دینا چاہتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے؟ میں بھی کبھی سوچا کرتا ہوں مولانا ابوالکلام آزاد کو، چونکہ یہ ہماری ماضی قریب کی بات ہے اس لیے میں اس پر روشنی ڈالنا چاہوں گا کہ

Marfat.com

کاش یہ بندہ سیاست میں نہ آیا ہوتا، تو یہ بہت بڑا علمی کام کر جاتا! جس انداز سے اس بندے کا ذہن تھا یا جس انداز سے اس کا قلم تھا، یہ تحریر کے میدان میں بہت کچھ کر سکتا تھا، لیکن اس نے وہ سب چھوڑ دیا، اور سیاست نے اسے خراب کر دیا، اب سیاست کے میدان میں ایک بڑا مزے دار فقرہ ہے جو مرحوم و مغفور قائداعظمؒ نے مولانا آزاد صاحب کے لیے کہا تھا، آزاد کی مدد سے کانگرس کو مسلمانوں سے قبولیت کا سرٹیفکیٹ دلوانے کے لیے گاندھی اور نہرو نے اسے مل کے صدر بنا دیا تھا، اور جب قائداعظمؒ سے بات کرنے کے لیے انہیں کانگرس کا صدر منتخب کیا گیا تو قائداعظمؒ نے فرمایا کہ میں اس سے بات نہیں کر سکتا، میرے ساتھ بات کرے تو نہرو کرے یا گاندھی کرے، نہرو اور گاندھی کانگرسی ہیں آزاد کو میں کانگرسی نہیں مانتا، یہ تو شعبدہ باز ہے کانگرس کا، قائداعظمؒ نے یہ الفاظ فرما کے آزاد سے بات کرنے سے انکار کر دیا، یہ سیاست تھی اور قائداعظم کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، انہوں نے اس آیت کا یہ مفہوم پیدا کر دیا، تاکہ ہندو کو خوش کیا جا سکے۔

یہ آیت قرآن پاک میں تین جگہ آتی ہے، ایک تو اس مقام پر آتی ہے جس کا ترجمہ میں پہلے کر چکا ہوں، اور دوسری جگہ یہ سورۃ المائدہ پارہ نمبر 6 میں آتی ہے، میں تینوں جگہ کے الفاظ اس لیے بیان کر رہا ہوں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکے، اور اسے اچھے طریقے سے سوچا جا سکے۔ یہاں الفاظ یہ ہیں۔

''جو لوگ ایمان لائے، جنہوں نے یہودیت اختیار کی، اور جو صابی بن گئے، اور جو عیسائی ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے''۔

اب یہی آیت آگے چل کے سترویں پارے، سورۃ الحج میں تھوڑی اور وضاحت سے آتی ہے، وہاں کے الفاظ یہ ہیں۔ ''جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور جو صابی ہیں جو نصرانی ہیں جو مجوسی ہیں اور جو مشرک ہیں یقیناً اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اللہ ہر چیز پر گواہ ہے''۔

یہاں مجوس کا ذکر الگ آ گیا، مجوس وہ ہیں جو زرتشت کو مانتے تھے، ان کا نکتہ نظر یہ تھا کہ خدا دو ہیں ایک نیکی کا خدا ہے اور ایک بدی کا خدا ہے، تو یہ مجوسی ہیں، مجوسی کے بعد اس آیت میں اللہ کریم نے مشرک کا بھی ذکر کر دیا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ کریم نے اس بات کی وضاحت کی، آخری فیصلہ کہ ان سب میں سے حق پر کون ہے قیامت کے دن ان کے سامنے کیا جائے گا، ان تین آیتوں کا جو اصل مفہوم ہے وہ نہیں ہے جو مولانا آزاد فرماتے ہیں، اس کا ایک پس منظر ہے، پس منظر یہ ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ جنت میں صرف ہم جائیں گے، آگے جب نصرانی آئے انہوں نے بھی ان کا فقرہ ہی نقل کیا، کہ جنت میں صرف ہم جائیں گے۔

آگے ارشاد ہوا کہ یہودی کہتے ہیں کہ نصرانیوں کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، اسی طرح نصرانی کہتے ہیں کہ یہودیوں کے

Marfat.com

پاس کچھ بھی نہیں ہے، لہٰذا دونوں کا کہنا یہ تھا کہ جنت میں صرف اور صرف ہم اکیلے ہی جائیں گے، آپ کے لیے میں یہاں ایک عجیب غریب لطیفہ عرض کرنا چاہتا ہوں، یہودیوں نے کہا کہ جنت میں ہم جائیں گے اور نصرانیوں نے کہا یہ غلط کہتے ہیں جنت میں صرف ہم جائیں گے، اس فقرے کی تھوڑی سی وضاحت ہو جائے، انسائیکلوپیڈیا والوں نے ایک بات لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں جہنم میں بھیجا جائے گا تو جب ہم جہنم کے دروازے پر پہنچیں گے تو ہم بے حد واویلا کریں گے اس کی وجہ سے اللہ کریم ہمیں واپس اپنے پاس بلا لے گا لہٰذا ہم جہنم میں نہیں جائیں گے"۔ اب اس کے ساتھ قرآن پاک کے اندر اس کی اپنی شہادت ہے، ہم صرف چند دن جہنم میں جائیں گے، وہ چند دن جہنم میں جانے کے کون سے ہیں، وہ دن کہ جتنے دن ہم نے گاؤ سالہ کی عبادت کی ہے، یعنی بچھڑے کو جتنے دن ہم نے پوجا ہے، اتنے دن ہم نے جہنم میں جانا ہے، اور ان دنوں کی تعداد صرف چالیس دن ہے، اس لیے ہم نے صرف چالیس دن جہنم میں جانا ہے یہ قرآن پاک کی شہادت ہے یہودیوں کے عقیدے کے متعلق۔ جب دونوں نے کہا کہ ہم نے جنت میں جانا ہے اور ساتھ دلیل یہ دی کہ ہمارا تعلق اللہ کریم کی مقبول قوم اسرائیل سے ہے، اس لیے ہم نے ضرور جنت میں جانا ہے، اس لیے جنت میں وہی لوگ جائیں گے جو اسرائیلی ہیں اور جو اسرائیلی نہیں ہیں وہ صرف جہنم کے لیے پیدا ہوئے ہیں، ان کے اس مسلمہ قاعدے کی قرآن پاک نے تردید کی ہے کہ یہ بات خیال سے نکال دو یہودی ہونے کے ناطے تم جنت میں نہیں جاسکتے، نصرانی ہونے کے ناطے تم جنت میں نہیں جاسکتے، مجوسی ہونے کے ناطے تم جنت میں نہیں جاسکتے، مسلمانوں تمہارا بھی ان کی طرح غلط عقیدہ نہیں ہونا چاہیے کہ تم جیسی بھی بدعملیاں کرتے رہو تم سے خدا باز پرس نہیں فرمائے گا، یہ بات غلط ہے، سب ایک بات یاد رکھو کہ درست عقیدہ اور صحیح عمل ہی آپ کو جنت لے جائے گا، تو درست عقیدے کی بنیاد اللہ کریم کو واحد ماننا ہے، جب آپ اللہ کریم کو مانتے ہیں تو اس کی تمام صفات بھی آپ مانتے ہیں اس کے احکام بھی آپ مانتے ہیں، اور جنہیں احکام دے کے بھیجا ہے انہیں بھی آپ مانتے ہیں لہٰذا علامہ آزاد صاحب کا یہ کہنا کہ درمیان میں سے اگر رسولوں کو نہ بھی مانا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، یہ بات بالکل غلط ہے، رسول اللہ کریم کی صفت ہیں، قرآن پاک اللہ کریم کی صفت ہے، اسی طرح باقی چیزیں بھی اللہ کریم کی صفت ہیں، اللہ تعالیٰ کو مانیں اور اس کی صفات کو نہ مانیں تو یہ اللہ تعالیٰ کو ماننا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کو ماننا تب ہوتا ہے کہ اسے ذات اور صفات سمیت مانا جائے، اس کی صفات کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں تمام آسمانی کتابیں اس کی صفت ہیں، تمام رسول اس کی صفت ہیں، قیامت اس کی صفت ہے، ان سب چیزوں کو ماننا ضروری ہے، قرآن پاک یہ کہہ رہا تھا، اب ان کی رہی یہ بات کہ کافر کہیں جنت میں چلا جائے گا، تو یہ ہم قرآن پاک سے ہی پوچھ لیتے ہیں کہ اس سلسلے کی یہ ایک آیت تو ہے نہیں بلکہ ایسی آیات سے قرآن پاک بھرا پڑا ہے کہ گروہ دو ہی ہیں یعنی ایک صاحب ایمان ہیں اور ایک کافر ہیں، تو قرآن پاک نے یہ کہا!

''اللہ یقیناً نہیں بخشے گا ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کرتے ہیں، اس کے علاوہ وہ جسے چاہے بخش دے، اور جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اس نے بہت بڑا گناہ قبول کر لیا ہے''۔

اس آیت نے یہ بتا دیا کہ کافر جنت میں نہیں جا سکتا، یہ پارہ نمبر 5 اور سورۃ النساء کی آیت نمبر 48 ہے، اب آگے چلیں قرآن پاک نے اسی سورۃ کی آیت 56 میں یہ بات کہہ دی کہ! ''جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا ہے اور کفر کیا ہے ہم انہیں بہت جلد جہنم میں ڈال دیں گے، جب ان کے جسم کے چمڑے جل جائیں گے ہم ان کے چمڑے تبدیل کر دیں گے اور مرنے نہیں دیں گے تاکہ وہ اچھی طرح عذاب چکھ سکیں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور اپنے کاموں میں دانا ہے''۔ اس آیت سے بھی واضح ہو گیا کہ کافر جنت میں نہیں جا سکتا، اب آگے چلیں تو قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ چھٹے پارے کی سورۃ النساء کی آیت نمبر 51-50 میں ارشاد فرماتا ہے کہ!

''جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا انکار کر دیتا ہے، وہ کفر کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم کچھ باتیں تو مان لیں گے اور کچھ باتوں کو نہیں مانیں گے، وہ اس کے درمیان ایک نیا راستہ قائم کرنا چاہتے ہیں جو ایسا کرتے ہیں وہ پکے کافر ہیں ہم نے کافروں کے لیے رسواء کن عذاب مقرر فرما رکھا ہے''۔

یہی وہ بات تھی کہ جس کے بارے میں ابوالکلام نے کہا تھا کہ رسولوں کو نہ مانیں تو کوئی حرج نہیں، کیا ابوالکلام آزاد کی نگاہ سے یہ آیت نہیں گزری تھی کیا انہوں نے اس آیت کی تفسیر نہیں کی ہوگی، کہ اللہ کریم خود فرما رہے ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتا وہ پکا کافر ہے اور کافر کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اس لیے کافر اور مسلمان کا رستہ الگ الگ ہے، اگر سخاوت کرتے ہوئے کفر کو اسلام کے ساتھ ملا دیا جائے تو یہ ایسی بات ہوگی جس کے لیے قرآن اور سنت میں بالکل گنجائش نہیں ہے، اور نہ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کوئی گنجائش ہے۔ میں اس سلسلے میں آپ سے یہ بات ضرور کہوں گا کہ تحریک پاکستان کا وہ حصہ جو خاص طور پر 47-1940ء تک گزرا ہے، اس میں ان دو آدمیوں کے بیانات بڑے ہی مضر قسم کے ہیں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی، ابوالکلام آزاد نے ایک تو یہ ظلم کیا کہ اس آیت کو سامنے رکھ کے ہندوؤں کو مسلمانوں کا رشتہ دار بنا دیا اور جنت کا حقدار ٹھہرا دیا، دوسری زیادتی یہ کی کہ کہتے ہیں، جس طرح پہلے والے مذاہب ناکام ہو گئے ہیں اسی طرح چالیس سال کے بعد اسلام آگے چل کے ناکام ہو گیا ہے، میں سوچتا ہوں کہ ہندو کی صحبت اور قرب کا یہ اثر ہے کہ جو چیلوں میں پلتا ہے اسے کیا پتہ ہوتا ہے کہ شہباز کیا ہے، تو اس نے یہ انداز اپنا لیا، اب دوسرے صاحب حسین احمد مدنی جنہوں نے فکری آبیاری کی متحدہ قومیت کے نام سے کتاب لکھ کے یہ بات کہی کہ وطن سے قومیں بنتی ہیں، قوموں سے وطن نہیں بنتا، لہٰذا برصغیر ایک وطن ہے اس لیے یہ مسلمان اور ہندو ایک قوم ہیں، اقبال'' کو اسی کے جواب میں کہنا پڑا!

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

رسول ہاشمی کی قوم کی ترکیب کچھ اور ہے، مولانا نے کہا! مسلمان اور کافر سرکار علیہ السلام کی امت ہیں، اقبالؒ نے گرہ لگائی اور کہا کہ اگر سارے رسول کی امت ہیں تو رسول کو مکہ چھوڑ کے مدینہ کیوں جانا پڑا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساری امت نہیں تھی، تو ان دو حضرات نے اسلامی کاز کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور انہوں نے اس آیت کو سامنے رکھ کے بے پناہ ظلم کیا، آیت کا مفہوم وہ نہیں تھا جو انہوں نے بیان کیا تھا کہ صرف مذہبوں کی طرف منسوب ہو جانا کمال نہیں ہے، کمال یہ ہے کہ مذہب جو کہتا ہے اس پر عمل کیا جائے، اسی لیے ہمارے جو عقل مند مفسرین تھے انہوں نے "انّ الّذین آمنوا" کا معنی یہ کیا ہی نہیں ہے انہوں نے یہ معنی کیا ہے کہ "جو ایمان کے دعویدار ہیں" یعنی وہ منافق جو مکہ اور مدینہ میں رہتے تھے وہ ہوں، یہودی ہوں، نصرانی ہوں، مجوسی ہوں، مشرک ہوں یعنی جو بھی کافر ہوں جب تک اللہ کریم کو صحیح انداز سے اس کی ذات اور صفات کے ساتھ نہیں مانیں گے، اس کی کتابوں کو نہیں مانیں گے، اس کے رسولوں کو نہیں مانیں گے وہ مومن نہیں ہو سکتے۔

ایمان کی پانچ بنیادیں ہیں جنہیں ماننا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کو ماننا، رسولوں کو ماننا، اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو ماننا، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو ماننا اور قیامت کو ماننا، یہ ایمان کی پانچ بنیادیں ہیں، لہذا ان سے جہاں بھی بات کٹ جائے گی وہاں کفر آ جائے گا آگے چل کے آپ دیکھیں گے کہ قرآن پاک نے کتنی جگہ ان پانچ باتوں کو گن کے کہا کہ یہ ایمان ہے، ان میں سے ایک بھی رہ گئی مثلاً قیامت کا انکار کر دیا تو وہ کافر ہے، رسولوں کا انکار کر دیا تو کافر ہے، فرشتوں کا انکار کر دیا تو کافر ہے، ہمارے معاشرے میں چونکہ اصل علمی بنیادی انداز کبھی بن نہیں سکا، لہذا ہم تاویلات کر کے گزارا کرنے کے عادی ہیں، تو اس آیت کو میں نے باقی دو آیات سے ملا دیا اور جوابی طور پر چار آیات پیش کر دیں، کہ اس آیت کا وہ مطلب نہیں ہے جو ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی نے بیان کیا ہے، اس دور میں مولانا مودودیؒ کا بھی کچھ اور نظریہ تھا ان کے دل میں بھی کانگرس کے لیے تھوڑا سا نرم گوشہ تھا، یہ

فرماتے تھے کہ ہم مسلم لیگ کے مخالف ہیں، آپ اس دور کی فائلیں اٹھا کے دیکھ لیں، آج پروفیسر خورشید یا کسی اور کے مختلف حوالہ جات کو کاٹ دینے سے حقیقت مسخ نہیں ہو جائے گی، ان لوگوں نے قیام پاکستان کی شدید مخالفت کی، میں نے تحریک پاکستان پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جو جلد ہی مارکیٹ میں آ جائے گی، میں نے ان نام نہاد عظماء کا وہ پوسٹ مارٹم کیا ہے کہ ان کی نسلیں بھی یاد رکھیں گی، مودودی صاحب نے فرمایا کہ مجھے صرف ایک مربع زمین دے دو جس میں پچاس بیگھے زمین ہوتی ہے، میں وہ قبول کر لوں گا مجھے پاکستان کا بننا قبول نہیں ہے، اس دور میں 'کوثر' کے نام سے جماعت اسلامی کا ایک اخبار نکلتا تھا، وہ دور میری طالبعلمی کا دور تھا میری تقریباً 13 یا 14 سال عمر تھی، ایک صفحے پر ان کا ایک مستقل عنوان تھا جناح اور جناحیوں کی ایک اور

Marfat.com

لیکچر میں "رب العلمین" پر میں نے ایک مکمل لیکچر دیا ہے، اور جو بھی عالمین میں جہان آتے ہیں ان پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اب یہاں بات ایک ہی ہوگی کہ وہ سب جہانوں کی تربیت فرماتا ہے، آپ کبھی گوشہ تنہائی میں بیٹھ جائیں ذہن سے ساری باتیں نکال کے باہر پھینک دیں، پھر جس دن سے آپ کے شعور کا آغاز ہوا ہے، یعنی شعور کے آغاز سے لے کر آج تک جس انداز سے اللہ کریم نے آپکی تربیت کی ہے یا تربیت کروائی ہے وہ سب اللہ کریم کے تربیت کرنے میں شامل ہے، جو آپ کے باپ نے تربیت کی ہے وہ بھی اللہ کریم کی تربیت میں شامل ہے، چونکہ اللہ کریم نے ہی تربیت والی بات تمہارے باپ کے دل میں ڈالی تھی، ماں کے دل میں جو ممتا آئی ہے وہ اللہ کریم کی تربیت سے ہی وہاں پیدا کی گئی ہے، بہن اور بھائی کی چاہت اور محبت جو ہے وہ اللہ کریم کی تربیت کا ایک حصہ ہے، تو اس دن سے لے کے آج تک آپ کس کس مرحلے سے گزرے ہیں، اللہ کریم نے آپ کی کس کس طریقے سے تربیت کی ہے، اور جب آپ کا سر اس تربیت کے موضوع کو سوچتے ہوئے ربّ کریم کی عظمتوں کے سامنے جھک جائے تو پھر آپ اس کا شکر ادا کریں، زبان سے بھی ادا کریں، دل سے بھی ادا کریں، اور اس کی کائنات اور انسانیت کی خدمت کر کے بھی کریں، انسانوں کی خدمت کرنا اللہ کریم کا شکریہ ادا کرنا ہے، اس نے ہاتھ دیئے ہیں آپ کسی کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے کا شکر ادا کر رہے ہیں، اس نے آپ کو علم دیا ہے علمی تربیت کر کے آپ زبان سے اس کا شکر ادا کر رہے ہیں، اس نے آپ کو باطنی انوار سے نواز دیا ہے ان باطنی انوار کو آپ تقسیم کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں، تو اللہ کریم وہ ہے جو سارے جہانوں کی تربیت فرمانے والا ہے۔

اب ایک نکتے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، لغت کے حوالے سے جب بھی بات ہوگی تو میں تین حوالے ضرور دیا کروں گا، انہیں یاد رکھا جائے، کیونکہ یہ تینوں آدمی اس فن میں بے حد معتبر ہیں، بیضاوی، فخر الدین رازی اور صاحب کشاف۔ ان تینوں نے عالم کا معنی یہ بیان کیا کہ ''عالم وہ شے ہے جس کے ذریعے کسی اور شے کا علم حاصل ہو سکے، وہ کسی اور شے کے لیے علامت کا کام دے سکے''۔ یہ لغت کا مفہوم تھا، لیکن شریعت کی اصطلاح میں عالم کا معنی کیا ہے؟ ''ہر وہ شے، جو اللہ کے بغیر ہے، خواہ وہ جوہر ہے یا عرض ہے، ایک آپ کی روح ہے وہ جوہر ہے، آپ کا ایک جسم ہے یہ عرض ہے، اس جوہر کے ساتھ یہ عرض وابستہ ہوتی ہے''۔ تو کائنات کی جتنی چیزیں بھی ہیں وہ دو چیزوں کا مرکب ہیں، یہاں پر بیضاوی فرماتے ہیں کہ اللہ کریم کے بغیر جو بھی جسم ہے خواہ وہ جوہر ہے خواہ وہ عرض ہے، ان سب کا مجموعہ عالم۔ اور اس عالم کی جمع العالمین ہے۔ تو جتنی بھی دنیائیں ہیں ان دنیاؤں تک ہم نے کس حد تک رسائی حاصل کر لی ہے، چار لاکھ دنیاؤں سے سائنس آگے نکل چکی ہے، لیکن قرآن پاک نے ان دنیاؤں کی تعداد نہیں بتائی، اس کا انداز یہ ہوتا ہے کہ تجسس باقی رہے، تحقیق باقی رہے، اجتہاد باقی رہے،

Marfat.com

غلطی، جناح اوراس کے ساتھیوں پر الزامات کی بارش ہوتی تھی، اتفاق کی بات تھی کہ میرے استاد محترم جن کے پاس میں عربی گرائمر پڑھتا تھا وہ بھی مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد تھے، حسین احمد مدنی کی مجھے زیارت نہیں ہوئی ان کے ساتھ میری خط وکتابت رہی مختلف موضوعات پر، اور میرا خیال ہے کہ انہیں بعد میں ہوش آ گیا تھا مگر اس وقت پانی سر سے گزر چکا تھا، میرے استاد گرامی روزانہ مجھے کوثر اخبار پڑھایا کرتے تھے، کہتے کہ یہ چھوٹا سا بچہ ہے اس طریقے سے اسے اچھی اردو آ جائے گی، اسے روزانہ پڑھا کرو، جس دن پاکستان بن گیا اس دن میں اپنے گاؤں میں تھا میں نے پہلا خط قیام پاکستان کے بعد اپنے اسی استاد صاحب کو لکھا، کہ جناح اور جناحیوں کی غلطی نے ایک اور اسلامی ملک بنا دیا ہے، اب آپ میں تھوڑی سی بھی غیرت ایمانی ہے تو جناح اور جناحیوں کی غلطی سے نکل کر باہر کہیں جا کے گزارا کریں! ،تو ان لوگوں نے اس دور میں مسلمانوں کو کس حد تک تنگ کیا اور کس حد تک قرآنی آیات کو غلط انداز سے بیان کیا، یہ طویل داستان ہے میں صرف اشارہ کر رہا ہوں، قرآن پاک نے آگے چل کے کہا!

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا

اسرائیلیو! یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا، ہم تمہارے اوپر طور پہاڑ اٹھالائے تھے، لو جو ہم نے تمہیں دیا ہے قوت سے اور یاد کرو

مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

جو اس میں ہے (اگر اس پر عمل کرو گے) تو پرہیزگار ہو جاؤ گے متقی ہو جاؤ گے ۷۹

۷۹ یہ بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کرتے تھے، کہ ہمیں کوئی آسمانی کتاب ملنی چاہیے، اس کے جواب میں اسی عہد کے تحت تورات شریف انہیں دی گئی، جب تورات ملی تو کہنے لگے کہ ہم یہ باتیں تو نہیں مان سکتے، اس پر عمل نہیں کر سکتے، اب اپنے عہد کو توڑا یہاں ایک نکتہ یاد رکھیں نکتہ یہ ہے کہ جبراً کسی سے مذہب نہیں منوایا جاتا، یہاں مذہب نہیں منوایا جارہا معاہدہ جبراً منوایا جارہا ہے، اس میں فرق ہے معاہدہ کو منوانے میں اور مذہب کو جبراً منوانے میں فرق ہے، اسلام جبری مذہب کا قائل نہیں ہے، مذہب وہ ہوتا ہے جسے دل کی گہرائیوں سے قبول کیا جاسکے، وہ مذہب نہیں ہے جسے قوت کے دباؤ کی وجہ سے قبول کیا جائے، تو یہاں مذہب کی بات نہیں اے یہودیو! جو تم نے پہلے عہد کیا تھا اس کو تم اب کیوں توڑ رہے ہو، کیوں نہیں مانتے، پھر طور اوپر آگیا، اس کائنات کا انداز تکوینی انداز کا ہے، اور اسی تکوینی انداز سے نظام چلتا ہے، سورج اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے اسی طرح چاند اپنے وقت پر آسمان پر نظر آنا شروع ہوتا ہے پھر صبح ہونے سے پہلے ہی اس کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے، اسی طرح موسم اپنے وقت پر تبدیل ہوتے ہیں، بچہ اپنے وقت پر جوان ہوجاتا ہے جوان اپنے وقت پر بوڑھا ہوجاتا ہے، بندہ اس دنیا میں آتا اور اس دنیا میں اس نے جتنا وقت گزارنا ہوتا ہے وہ گزار کے چلا جاتا ہے، یہ سارا نظام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی قدرت سے چل رہا ہے، اور ہماری عقلیں بار بار اسی کو دیکھ کے اس کی قائل ہوگئی ہیں، لیکن جس نے اسے یہ تکوینی نظام دیا ہے، اگر وہ اسے بدلنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا، وہ جس طرح چاہے گا اسے چلاتا رہے گا، جو طور کو زمین پر بناتا ہے اور ہم اسے زمین پر بنا ہوا دیکھ رہے ہیں، اب تکوینی انداز یہ ہے کہ سورج مغرب میں جاکے ڈوب جاتا ہے، لیکن ایک دن سورج کے ڈوبنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی مبارک انگلی سے اسے اشارہ کیا تھا کہ واپس آجا تو سورج واپس آگیا، پتہ چلا کہ تکوینی نظام کو اللہ تعالیٰ بھی بدل دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قوت سے اس کے رسول بھی اسے تبدیل فرمادیا کرتے ہیں، سرکار علیہ السلام نے تکوینی نظام تبدیل کردیا تھا، پتہ چلا کہ تکوینی نظام، نظام فطرت ہے لیکن یہ میرے لیے ہے آپ کے لیے ہے یہ عام دنیا کے انسانوں

Marfat.com

کے لیے ہے، کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جو تکوینی نظام کو تبدیل کر دیتے ہیں یہ بات بتانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ یہ تکوینی نظام اس قاعدے اور کلیہ پر ہمیشہ قائم رہ سکے، لہذا اس تکوینی نظام کو اللہ تعالیٰ خود تبدیل کرنا چاہے یا کسی رسول کے واسطے سے کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، جن مفسرین نے خواہ مخواہ سینہ زوری کر کے یہ بات کہی کہ وہ پہاڑ کے دامن میں بیٹھے تھے اور انہیں معلوم ہوا کہ پہاڑ اوپر گر رہا ہے، اس سے یہ مراد ہے طور کا زمین سے اٹھنا مراد نہیں ہے، میں اس مراد کو قبول کر لیتا اگر قرآن پاک کے الفاظ اسے برداشت کر لیتے قرآن پاک کے الفاظ اسے برداشت نہیں کرتے، اور ایک قاعدہ آپ کو بتا دوں کہ ہمیں مفاہیم پر چلانا یہ ثانوی حیثیت ہے، قرآن پاک کے اصل الفاظ پر ایمان لانا یہ پہلی حیثیت ہے، لہذا قرآن پاک کے جو الفاظ ہیں ان کا میں لفظی ترجمہ کر دیتا ہوں۔

"ورفعنا" ۔ہم نے اٹھایا۔ **"فوقکم"** ۔تمہارے اوپر۔ **"طور"** ۔طور کا پہاڑ۔

اس میں دو باتیں ہیں ایک اٹھانا دوسرا تمہارے اوپر، اور کس کو اٹھایا طور کو۔ یہ تین باتیں اس آیت میں آ گئیں، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے دامن میں تھے اور پہاڑ ان کے اوپر گر رہا تھا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کریم کی لغت اور اللہ کریم کی ڈکشنری میں ایسے الفاظ نہیں تھے جو اس مفہوم کو بیان کر سکتے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسی انداز سے مفہوم بیان ہو سکتا تھا، تو ان لفظوں کو چھوڑ کے یہ واضح لفظ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عقلی گھوڑے وہاں دوڑائے جائیں جہاں ایسے الفاظ موجود نہ ہوں، جہاں اتنے واضح الفاظ موجود ہوں وہاں عقلی گھوڑے نہیں دوڑایا کرتے، تبھی امام اعظمؒ نے بڑی نفیس بات کہی "کہ قرآن پاک کے ظاہری الفاظ کو اس کے ظاہری معنوں میں رہنے دو"۔ ان ظاہری معنوں کے پیچھے رہ کے حقائق تلاش کرنے کی کوشش ضرور کرو لیکن ظاہری الفاظ کو بدل کے اپنا مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ بات غلط ہو جائے گی۔

قرآن پاک نے ارشاد فرمایا کہ پہاڑ بھی تمہارے اوپر آ گیا تم نے اقرار بھی کر لیا پھر آگے ارشاد ہوا۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
پھر منہ موڑ لیا تم نے پختہ وعدہ کرنے کے بعد تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی
لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾
تو تم ضرور ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں میں ۰ ے

۰ے "ثم تولیتم من بعد ذلک" ۔اس کے بعد پھر تم رخ موڑ گئے بات نہیں مانی ۔"فلولا فضل الله علیکم ورحمته لکنتم من الخسرین" ۔اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم خسارے میں چلے جاتے۔

اب یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کیا تھا، دو چیزیں تھیں ایک جناب موسیٰ علیہ السلام تھے اور دوسری تورات تھی، یہ دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انہیں معاف کر دیا گیا، قرآن پاک نے دوسرے مقام پر مکہ کے کافروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

"عذاب میں ذرا بھی دیر نہ لگتی اگر میرا محبوب
اس شہر میں نہ ہوتا"۔

تو پتہ یہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی وجہ سے فضل بھی ہوتا ہے اور رحمت بھی ہوتی ہے، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی وجہ سے فضل بھی ہوتا ہے اور رحمت بھی ہوتی ہے، انہوں نے ایک اور عجیب معاملہ کیا جسے قرآن پاک اگلی آیت میں بیان کر رہا ہے، ترجمہ کرنے سے پہلے میں وہ واقعہ بیان کر دینا چاہتا ہوں، واقعہ یہ تھا؛

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ

اور تم خوب جانتے ہو انھیں جنھوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت کے قانون کی

كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾

تو ہم نے حکم دیا انھیں کہ بن جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے اے

اے ہفتے کا دن یہودیوں کے لیے بڑا مبارک اور برکت والا دن تھا، اس دن وہ پوری چھٹی کرتے تھے کوئی کام کاج نہیں کرتے تھے، ہمیں جمعہ کے دن چھٹی کا حکم نہیں ہے، آپ کے ذہن میں سے ایک بات گزار دوں کہ اسلام میں چھٹی کا تصور نہیں ہے، اسلام کا تصور یہ ہے کہ کام اور بس کام۔ اسی لیے تو ہمارے قائد جناب قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا کہ '' کام، کام اور بس کام ''۔ اس لیے فرمایا کہ جمعہ کی نماز سے پہلے کا جو وقت ہے اس میں تم اپنے کام کاج کرو جب فارغ ہو جاؤ تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کی تلاش کے لیے اللہ کریم کی کائنات میں نکل جاؤ، اس کا فضل تلاش کرو، اسلام واحد مذہب ہے جو ہمیں چھٹی کا تصور نہیں دیتا، عیدوں کے دن دیئے تو اس کے ساتھ عبادت بھی دی، وہاں بھی مکمل چھٹی نہیں دی، پھر آگے ارشاد فرمایا کہ غرباء کو تلاش کرو اور انہیں قربانی کا گوشت دو اور ان کی ہر ممکن مدد کرو، انہیں صدقہ فطر دو انہیں زکوٰۃ پہنچانے کی کوشش کرو، تو فراغت کا دن اسلامی زندگی میں کہیں نہیں ہے، یہ عملی زندگی ہے، اور ابتداء سے لے کے انتہا تک اعمال سے پر ہے۔

ان کے لیے ہفتے کا دن بڑا مقدس دن تھا، سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم آئے پیچھے ہیں چاہیئے یہ تھا کہ جو پہلے آیا ہے اسے ہفتہ ملا ہے اس کے بعد جو آیا ہے اسے اتوار ملا تو ہم ان سب سے بعد آئے تو ہمیں سوموار (پیر) ملتا، لیکن اللہ کریم نے ہمیں ہر معاملے میں مقدم رکھنا تھا لہٰذا ان سے پہلا دن ہمیں جمعہ عطا فرمایا، لیکن وہاں چھٹی کا تصور نہیں ہے، اب وہ ہفتے کو چھٹی کرتے تھے، عجیب بات ہوتی تھی کہ جب وہ ہفتے کو اپنے اپنے تالابوں پر جاتے تھے یا نہروں کے کنارے تو وہاں مچھلیاں عام تیرتی ہوتی تھیں، باقی دنوں میں انہیں شکار کے لیے مچھلیاں بہت کم ملتی تھیں یا سامنے کم آتی تھیں، یہ بڑی عجیب قسم کی قوم تھی، انہوں نے طریقہ یہ کیا کہ ہفتے کے دن باہر گڑھے کھود دیئے اور جب سویرا ہوئی تو ہفتے کے دن وہ مچھلیاں ان گڑھوں میں آ جاتیں تو پیچھے سے جو نالی بناتے تھے اسے بند کر دیتے تھے، وہ ہفتے والے دن سارا وقت اس گڑھے میں تیرتی رہتیں اتوار کے دن بڑی آسانی سے وہ ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے تھے، اور یہ کام اسی (80) سال تک چلتا رہا، ایک دو دن کی بات نہیں ہے، داؤد علیہ السلام کا دور آ گیا

انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اس کام سے باز آ جاؤ، انہوں نے کہا کہ یہ ہم نے ایک حیلہ کر لیا ہے، پتہ چلا کہ جب اللہ تعالیٰ کے قانون کو حیلوں سے ٹالا جاتا ہے تو پھر حشر کیا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے قانون کو حیلوں سے بالکل نہ ٹالا جائے، نہ انفرادی انداز سے نہ معاشرتی انداز سے نہ ملکی انداز سے نہ بین الاقوامی انداز سے، ہر وہ حیلہ جو اللہ تعالیٰ کے قانون کو ٹالتا ہے وہ حیلہ مکروہ ہے حرام ہے اور نتیجے کے حساب سے وہ جہنم کا داعی ہے، اب ہوا یوں کہ جنہوں نے اس طرح کیا تھا جناب داؤد علیہ السلام کے حکم کے بعد وہ سارے کے سارے بندر بن گئے، قدیم مفسرین میں سے صرف ایک صاحب ہیں جنہوں نے کہا کہ حضرت مجاہد، یہ ایک عالم ہیں انہوں نے کہا یہ مسخ معنوی ہے، یعنی ان کا ظاہر وجود اسی طرح رہا جس طرح تھا ان کا باطن مسخ ہو گیا، اور ان میں بندروں جیسی عادتیں آ گئیں، لیکن باقی سارے کے سارے مفسرین یہی کہتے ہیں کہ وہ شکل میں بھی بندر بن گئے تھے البتہ دماغ کی سوچیں بالکل انسانوں جیسی تھیں اور شکل ساری بندروں جیسی بن گئی تھیں، بخاری شریف میں جو حدیث پاک آتی ہے وہ اسی معنی کی تائید کرتی ہے، کہ وہ بندر بن گئے تھے اور جب گھر آئے اور گھر والے تو انہیں پہچانتے نہیں تھے لیکن جو بندر بن گئے تھے وہ اپنے گھر کو پہچانتے تھے یعنی باہر گیا ہوا بھائی جب واپس بندر بن کے آیا تو بہن نے ڈنڈا لے لیا اور اس کی وہ مرمت کی کہ اسے گھر سے بھگا کے دم لیا، تو اس طرح وہ تین دن بھٹکتے بھوک سے تڑپتے مر گئے، یہ وہ سزا تھی جو ان پر اللہ کریم کی طرف سے آئی تھی، یہاں بھی میں وہی بات کرتا ہوں کہ تکوینی قانون یہ ہے کہ بندہ بندہ رہتا ہے، لیکن یہ میرے اور آپ کے لیے قانون ہے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ قانون نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جب چاہے تو ایک انسان کو بندر کی شکل دے دیتا ہے، اور آخرت کی ایک بات بتاؤں کہ جس قسم کی صفات انسان پر غالب آ جاتی ہیں قبر میں جب اس پر عذاب ہوتا ہے تو وہ وہی شکل اختیار کر جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ آپ کو بصیرت دے تو آپ قبر میں دیکھیں گے کہ کوئی ریچھ کی شکل میں پڑا ہے، کوئی خنزیر کی شکل میں پڑا ہے، کوئی بندر کی شکل میں پڑا ہے، جو بُری صفت اس پر حائل تھی وہ اسی صفت کی شکل اختیار کر گیا ہے، لیکن یہاں میں ایک بات ضمنی طور پر کہہ دوں کہ انسانیت کا اللہ تعالیٰ کو کتنا احترام ہے کہ انسانیت کی شکل میں سزا بھی نہیں دی، کہ اس سے انسانیت کی شکل کی توہین ہوتی ہے، اب آپ اندازہ فرمائیں کہ یہاں بھی تکوینی انداز جو ہے وہ امر الٰہی کے انداز سے تبدیل ہو گیا ہے، ایسا کیوں ہوا اس کا قرآن پاک خود جواب دیتا ہے۔

"ولقد علمتم" ۔ یہودیو! تم جانتے ہو۔ **"الذین"** ۔ ان لوگوں کو۔ **"اعتدوا منکم"** ۔ جنہوں نے تم میں سے زیادتی کی تھی۔ **"فی السبت"** ۔ ہفتے کے دن کی۔ (ہفتے کے قانون کی)۔ **"فقلنا لھم"** ۔ ہم نے انہیں کہا۔ **"کونوا"** ۔ ہو جاؤ۔ **"قردۃ"** ۔ بندر۔ **"خاسئین"** ۔ ذلیل۔

یہاں ایک اور علمی لطیفہ میں آپ کی خدمت میں عرض کر دیتا ہوں، کہ ڈارون نے کہا کہ انسان اصل میں بندر تھا ترقی

Marfat.com

کرتے کرتے انسان بن گیا، تو میں عرض کروں کہ پھر حیرت کی کیا بات ہے، کہ وہ اگر بندر بن گئے تھے، ان کی اصلیت جو بندر تھی ، ڈارون کے نظریئے کے مطابق، تو پھر اگر وہ دوبارہ بندر بن گئے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، اگر اصل ان کا وہی تھا تو دوبارہ وہ اصل کی طرف پلٹ گئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴿۶۶﴾

پس ہم نے بنادیا اس سزا کو عبرت ان کے لیے جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور (اسے) نصیحت بنادیا پرہیزگاروں کے لیے ۲۷

۲۷ **"فجعلنها"** ۔(یہ ایسا اس لیے ہوا) کہ ہم نے اس واقعہ کو بنادیا۔**"نکالا"** ۔عبرت۔**" لمابین یدیھا"** ۔ان لوگوں کے لیے جو اس وقت موجود تھے۔

"وما خلفھا" ۔اور جو اس واقعہ کے بعد آنے والے تھے۔(اب آنے والے صرف یہودی نہیں ہیں، قیامت تک آنے والے سارے لوگوں کے لیے یہ واقعہ اس لیے عبرت ہے کہ زندہ کتاب میں آگیا ہے تو جب زندہ کتاب میں آگیا ہے تو ہمیشہ یہ واقعہ پڑھا جاتا رہے گا)

"وموعظة للمتقین" ۔یہ نصیحت تھی ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں۔ (اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اگر ہم نے غلط راستہ پکڑا تو پھر اس غلط راستے کے انجام کو بھی قبول کرنا پڑے گا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۔ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۔ قَالَ

اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق اُڑاتے ہیں

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں میں ۳ے

۳ے اب یہاں آگے ایک خاص واقعہ ہے، جسے قرآن پاک نے بیان فرمایا ہے، میں نے ابتداء میں عرض کی تھی کہ میں اردو کی تفاسیر نہیں پڑھا کرتا، آپ کی خاطر دو تین کا مطالعہ کر لیتا ہوں تاکہ وہاں جو بحث تشنۂ تکمیل رہ گئی ہے تو اسے مکمل کیا جا سکے، اور اگر کوئی ایسی بات ہے جو کسی ایک خاص نظریئے کو سامنے رکھ کے لکھی گئی ہے تو عام اسلامی نظریہ جو ہے اس کے مقابلے میں اسے بیان کر دیا جائے، یا کوئی ایسی بات ہے جو چودہ سو سال کی تحقیق کے خلاف ہے تو اس کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا جائے اور اسے غلط ثابت کر دیا جائے تاکہ آنے والے کہیں اس کی وجہ سے غلط راستے پر نہ چل پڑیں، آگے بیان ہونے والے واقعہ کو بھی قرآن پاک نے آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کے طور پر بیان کیا ہے، بنی اسرائیل میں ایک صاحب بے اولاد تھے ان کے بھتیجوں نے کہا کہ چچا مرتا تو ہے نہیں اس لیے اسے مار دیا جائے تاکہ آسانی سے اس کی تمام جائیداد ہمیں مل سکے، کچھ مفسرین نے کہا ہے کہ اس کا ایک ہی بیٹا تھا انہوں نے کہا کہ چچا کے اس بیٹے کو مار دیا جائے، تاکہ وراثت ہمیں مل جائے، اردو مفسرین میں سے پیر کرم شاہ صاحب مدظلہ العالی اس دوسرے نظریئے کو قبول فرماتے ہیں، اور باقی اردو کے مفسرین نے پہلے والے نظریئے کو قبول کیا ہے، اس شخص کا نام ہابیل تھا جسے قتل کیا گیا اب وہ قتل تو ہو گیا، مسئلہ یہ تھا کہ اس کا قاتل کون ہے، قاتلوں نے اس کی لاش اٹھا کے ایسی جگہ پھینک دی جہاں اس کے دشمنوں کا محلہ تھا تاکہ آسانی سے وہ عدالت میں چلے جائیں اور بچ بھی جائیں نیز وراثت بھی مل جائے گی، یہاں ضمنی طور پر اسلام کا ایک اصول آپ کے سامنے بیان کر دوں تاکہ اسلام کی برتری ثابت ہو سکے، اسلام نے یہ بات کہی کہ جو بندہ کسی کو قتل کرتا ہے وہ اس کا وارث نہیں رہتا، تاکہ وراثت کے لیے قتل کرنے کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے، وہ اگر وراثت اور روپے پیسے کے لیے مارتا ہے یا زمین ہتھیانے کے لیے تو پھر وہ وارث بن ہی نہیں سکے گا، لہذا فتنے کا یہ دروازہ اسلام نے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا، اب کیا کیا جائے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں انہوں نے حاضری دی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک گائے ذبح کرو اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا اسے مارو تو یہ زندہ ہو کے اٹھ جائے گا اور تمہیں بتا دے

Marfat.com

گا کہ قاتل کون ہیں، جناب موسیٰ علیہ السلام نے ایک گائے ذبح کرنے کے لیے کہا یہاں بھی میں آپ کے ذہن میں ایک نکتہ ڈالنا چاہتا ہوں کہ قدیم تاریخ میں دو قومیں عجیب انداز سے رہی ہیں، ہندو گائے کی پوجا کرتے تھے اور مصری بیل کی پوجا کرتے تھے، مصر کا قدیم لٹریچر جب آپ پڑھیں تو اس میں بیل آپ کو محترم نظر آتا ہے، ہندو گائے کو محترم سمجھتے تھے۔

ایک بڑا مشہور لطیفہ ہے کہ گائے ایک ہندو کے گھر میں موجود تھی دونوں میاں اور بیوی گھر پر موجود نہیں تھے صرف ان کا ایک چھوٹا بیٹا گھر پر موجود تھا ابھی لیکچر سن کے آیا تھا کہ گائے ہماری ماتا ہے اور پیپل ہمارا پتا، اور اس آدمی نے گھر میں ایک چھوٹا سا پیپل کا درخت لگایا ہوا تھا، جب باہر سے گائے گھوم پھر کے آئی تو آتے ہی اس پیپل کے درخت کو اوپر سے کھانا شروع کر دیا، بچہ پاس کھڑا ہو کے رونے لگ گیا باہر سے ماں باپ آئے اور بچے سے کہا کہ گائے کو مارا نہیں کہ اس نے پیپل کا درخت کھا لیا ہے اور خود رونے لگ گیا ہے، بچے نے کہا کہ اسی بات پر تو روتا ہوں کہ یہ ماتا اور پتا کا مسئلہ ہے اس میں میں درمیان میں کیسے مداخلت کروں، گائے ماتا ہے اور پیپل پتا ہے، یہ ماتا اور پتا کا مسئلہ تھا اس لیے میں مداخلت نہیں کر سکتا تھا، اسی لیے میں خاموش کھڑا رہا، تو یہ ان کا نظریہ ہے، اسلام کا اس کے مقابلے میں کتنا عظیم مرتبہ ہے، جو ہمارے ذہنوں میں ڈال دیا گیا ہے، اب وہ پوچھنے لگ گئے کہ گائے کس رنگ کی ہو، اس کی عمر کیا ہو اس کے سینگ کیسے ہوں وغیرہ وغیرہ، جناب موسیٰ علیہ السلام بتاتے رہے آخر ایک ایسی گائے مل گئی، اب اس کی قیمت کیا ہوگی؟ گائے کی طرف جاتے ہیں، گائے کا یہ واقعہ حضرت ابن عباس سے لے کے دور حاضر کے سب مفسرین نے بیان کیا ہے، لیکن اس بیان کو مودودی صاحب پی گئے کیونکہ اس طرح ان کا نظریہ سارے کا سارا غلط قرار پاتا تھا، اگر اس واقعہ کو مان لیا جاتا جو چودہ سو سال سے چل رہا تھا۔

واقعہ یہ تھا کہ ایک بندے کے ہاں ایک گائے تھی، اس بندے کا چھوٹا سا بچہ تھا اس نے سمجھا کہ میری زندگی کے آخری دن ہیں اس نے اپنی گائے کو ایک انداز سے نشانی لگائی، بیوی کو بتایا اور گائے کو جنگل میں چھوڑ آیا، اور بیوی سے کہتا ہے کہ جب بچہ بڑا ہو جائے تو اسے کہنا کہ وہاں جنگل میں جا کے یہ بات کہے تو وہ گائے اس کے پاس آجائے گی، اب وہ جنگل میں گائے چھوڑ کے جب واپس پلٹا اور اللہ کریم سے یہ التجا کی کہ اے میرے پروردگار میرے مرنے کے بعد میرا بیٹا یتیم ہو جائے گا اور جب وہ بڑا ہو جائے تو میں یہ جو امانت تیرے حوالے کر کے جا رہا ہوں اس بچے کو آپ نے واپس عطا فرمانی ہے، بچہ جب بڑا ہو لیا تو والدہ نے کہا کہ بیٹا ہمارے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں ہے جنگل میں جاؤ تمہارا باپ اللہ تعالیٰ کے حوالے ایک گائے کر گیا تھا تم نے وہاں جا کے کہنا ہے کہ اے پروردگار میرا باپ جو گائے چھوڑ گیا تھا وہ مجھے واپس مل جائے، اس نے یہی بات جا کے جنگل میں کہی، تو تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہے کہ دور سے ایک گہرے پیلے رنگ کی گائے بھاگی اس کی طرف چلی آرہی ہے، اسے پکڑ کے گھر لے آیا، والدہ نے کہا اسے جا کے بیچ دو اس کے پیسے لے لینا پہلے تو اس گائے کے پیسے اس لڑکے کو تھوڑے مل رہے تھے

تھوڑی دیر بعد ایک اور گاہک آیا اس نے پہلے والے کی نسبت اسے ڈبل پیسے دیئے، تو بچہ کہنے لگا کہ میری والدہ نے زیادہ پیسے لینے سے مجھے منع کیا ہے، تم اپنی والدہ کو نہ بتانا اور مجھے یہ گائے دے دو، بچہ کہنے لگا کہ میں والدہ کے فرمان کو ٹال نہیں سکتا، جب بچہ واپس گھر آیا تو والدہ نے کہا کہ جب وہ تجھے زیادہ پیسے دے رہا تھا تو اسے گائے دے دیتے، دوسرے دن والدہ نے وہ قیمت بتادی جو پہلے دن والے دوسرے گاہک نے قیمت لگائی تھی، دوسرے دن جب بچہ گائے بیچنے کے لیے منڈی میں پہنچا تو اسی بندے نے پہلے دن کی نسبت اور زیادہ قیمت دینا چاہی، بچے نے پھر انکار کر دیا، بھائی میں اپنی والدہ کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا، والدہ بڑی عقل مند تھی وہ سوچنے لگی کہ یہ خریدار انسان نہیں ہو سکتا یہ آزمائش کا مسئلہ ہے اور بالیقین یہ فرشتہ ہے جو انسانی شکل میں آتا ہے اور ہماری رہنمائی کرنا چاہتا ہے، والدہ نے کہا کہ بیٹا آج اسے کہہ دینا کہ آپ ہمیں قیمت بتادیں ہم قیمت نہیں بتاتے، وہ فرشتہ ہنسا کہنے لگا ٹھیک ہے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اسرائیلیوں کو بہت جلد ایسی گائے کی ضرورت پیش آنے والی ہے، اس وقت آپ کہنا کہ اس گائے کے چمڑے میں جتنا سونا اور چاندی بھرا جا سکتا ہے وہ ہمیں دے دیا جائے، بچہ یہ بات سن کے واپس آ گیا اور ابھی واپس پہنچا ہی تھا کہ اسرائیلی ان کے گھر جا پہنچے کہ جس کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام نے بتایا تھا وہ یہی گائے ہے، رنگ بھی وہی ہے اور باقی نشانیاں بھی وہی ہیں، اور یہی بات ہے کہ قیمت ادا کرنے کے بعد گائے انہوں نے خرید لی لیکن قیمت کیا ادا ہو؟ فیصلہ کیا کہ ایسا کرتے ہیں کہ بوڑھا جب زندہ ہو گا تو بوڑھے کا جتنا مال ہے اس گائے کے چمڑے میں بھر دیں گے لہذا چمڑے میں مال بھرا گیا، اور وہ مال اس بچے کے پاس پہنچ گیا جو یتیم تھا نادار تھا اور اس کے باپ نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ معاملہ کیا تھا، وہ مال اس بچے کے پاس آ گیا، دم کا کوئی حصہ اس مرنے والے کو مارا گیا اور وہ اٹھ کے بیٹھ گیا، اس کے گلے سے خون بہہ رہا تھا کہنے لگا کہ مجھے میرے بھتیجوں نے مارا ہے، یہ کہہ کے وہ دوبارہ مر گیا، وراثت ساری اس بچے کو مل گئی، اب یہاں دو باتیں ہو گئیں چونکہ مصری بیل کو پوجتے تھے، اور اسرائیلی ان کے ساتھ مل کے ایک طویل عرصہ گزار چکے تھے، شعوری طور پر ان کے قریب بھی گائے اور بیل محترم تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اسے ہی ذبح کرنے کا انہیں حکم دیا، معبودان باطلہ خواہ وہ بے جان ہوں تب اور اگر جاندار ہوں اور عقل والے نہ ہوں تب، یہ سارے کے سارے جہنم کا ایندھن ہیں۔ اب آئیے ہم قرآن پاک کی آیات کی طرف آتے ہیں۔ لیکن قرآن پاک نے تاریخی انداز سے واقعہ کو بیان نہیں کیا، نتیجہ پہلے ذکر کر دیا، اور جو بحث تھی اسے پیچھے جا کے ذکر کیا اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر تاریخی طور پر قرآن پاک اس واقعہ کو بیان کرتا تو ایک بندہ اٹھ کے کہہ سکتا تھا کہ انسانوں کے طرز تحریر اور طرز خطاب کو قرآن پاک نے مان کے وہی انداز اپنایا ہے، لہذا آپ جب بھی قرآن حکیم کا مطالعہ کریں گے اس کے لیے میں آپ سے یہ بات کہوں گا کہ انسانوں نے جو شاہراہیں متعین کی تھیں انہیں قرآن پاک نے اٹھا کے ایک طرف پھینک دیا ہے، اور اپنا ایک الگ انداز قائم کیا۔ قیامت تک لوگ اس کی طرف دوڑ دوڑ کے آتے رہیں گے۔ (انشاءاللہ)

Marfat.com

سوچنے والے سوچتے رہیں اگر قرآن پاک ایک بات کہہ کے ختم کردیتا تو پھر سوچ کے دروازے بند ہوجاتے، لہٰذا قرآن پاک کے اس حکیمانہ انداز کو آپ جگہ جگہ پر ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ ایک ایسا نفیس لفظ استعمال کردے گا جس کے نیچے لاکھوں حقیقتیں چھپی ہوئی ہوں گی، اور ان حقیقتوں کو کریدنا انسان کے ذہن پر چھوڑ دے گا، اور ہدایت یہ دے گا کہ اس راستے پر چلنے کے لیے دامن مصطفیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے، اگر ان کو چھوڑ کے قرآن پاک کو پڑھنے لگے گا تو قرآن پاک تیرا ساتھ نہیں دے گا، اسی لیے قرآن پاک نے کہا! "**لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ**" ٥ یا اسی انداز کی باقی آیات ارشاد فرمائیں۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾
بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا۞

۴ آگے پھر دوبارہ رحمٰن اور رحیم کا لفظ نقل فرمایا کہ عالمین کی تربیت جو ہو رہی ہے وہ جبار اور قہار کے انداز سے نہیں ہو رہی بلکہ عالمین کی تربیت میں بھی وہ سدا رحمت فرمانے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے، اس انداز سے اس کی تربیت ہو رہی ہے۔

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ط ﴿۳﴾
مالک ہے روزِ جزا کا۞

۵ اس کے بعد اگلا لفظ ارشاد فرمایا! "**ملک یوم الدین**" ٥ "وہ قیامت کے دن کا مالک ہے"۔ مالک کا معنی بادشاہ بھی عربی نے بیان کیا ہے، اور اس کا متبادل لفظ مَلِک ہے، اور قرآن پاک کی تلاوت میں یہ مَلِک کا لفظ بھی مستعمل ہے، مالک اپنی محدود ملکیت کا مالک ہوتا ہے، اور بادشاہ اپنی ساری حدود میں جس طرح چاہے احکام نافذ کرتا رہتا ہے، تو یہ دونوں الفاظ آتے ہیں، یہاں ایک خصوصی بات مسلمانوں کو سمجھادی کہ یہ زندگی جو آپ کو عطا کرکے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے، ہدایت اور گمراہی کے سارے ذرائع تمہارے سامنے موجود ہیں اور تمہیں یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ ان دو راستوں میں سے کس راستے کو تم منتخب کرتے ہو، یاد رکھو کہ یہ تمہاری ساری زندگی تمہارے ساتھ ہوگی اور ایک دن تم نے اللہ کریم کے سامنے اس ساری زندگی کا حساب دینا ہوگا، اب جب یہ بات ہوتی ہے تو

Marfat.com

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَاهِیَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ

بولے دعا کیجئے ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کہ کیسی ہے وہ گائے موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہے

وَّلَا بِکْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَیْنَ ذٰلِکَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور نہ بچی (بلکہ درمیانی عمر کی ہو) تو بجالاؤ جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ

کہنے لگے دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا رنگ ہو اس کا موسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی گائے

صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ ﴿۶۹﴾

جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَاهِیَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

کہنے لگے پوچھو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو بے شک گائے مشتبہ ہو گئی ہم پر اور اللہ نے چاہا تو

لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

ہم ضرور اس کو تلاش کر لیں گے

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ

موسیٰ بولے اللہ فرماتا ہے وہ گائے ایسی ہے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ ہل چلاتی ہو زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب ہو

لَّا شِیَةَ فِیْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

بے داغ ہو (عاجز ہو کر) کہنے لگے اب آپ لائے صحیح پتہ پھر اُنھوں نے ذبح کیا اُسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے

Marfat.com

۴ ۷ ''اور یاد کیجئے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو انہوں نے کہا کہ آپ ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں، کہنے لگے ہمارے لیے اپنے ربّ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس گائے کی اصلیت کیا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ وہ ایک گائے ہے نہ تو وہ بوڑھی ہے اور نہ وہ بالکل بچھڑی ہے، اس کے درمیان جوان عمر کی ہے، تم کرو جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ کہنے لگے کہ آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کریم فرماتے ہیں وہ ایسی گائے ہے جس کا رنگ گہرا پیلا ہے، اور اتنی خوبصورت ہے کہ دیکھنے والے اسے دیکھ کے خوش ہو جائیں، کہنے لگے کہ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ بتائے کہ گائے کیسی ہو، کیونکہ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے، یقیناً ہم اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو راستہ پالیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں وہ ایسی گائے ہے جو محنتی گائے نہیں ہے کہ زمین میں ہل چلائے، اور نہ ہی وہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، وہ بے عیب ہو، اس میں کسی قسم کا داغ تک نہ ہو، بولے اب آپ نے سچ فرمایا، انہوں نے اسے ذبح کر دیا لیکن وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ج﴿۷۲﴾

اور جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ

تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے (دیکھا) یوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ مردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

اپنی (قدرت کی) نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ ۵ ۷

۵ ۷ اور یاد کرو جب تم نے ایک جان کو مار دیا پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے لیکن اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا جسے تم چھپانے والے تھے۔ ہم نے کہا کہ گائے کا کوئی حصہ لے کے اسے مار دیں اسی طرح اللہ تعالیٰ زندہ کر دے گا مُردوں کو، اور دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں کہ شاید تم سمجھ جاؤ''۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

پھر یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے وہ تو پتھر کی طرح ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں (کیونکہ) کئی پتھر ایسے ہیں

لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ

جن سے نہریں بہہ نکلتی ہیں، اور کئی ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان میں سے پانی نکلنے لگ جاتا ہے اور کئی ایسے ہیں جو گر جاتے ہیں

مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

خوف خدا سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے ۶۶

۶۶ آیت مبارک میں انسانی فطرت کا حسین بیان ہے کہ اسکی زندگی کے دو پہلو ہیں جب وہ سنورتا ہے تو فرشتوں کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور جب بگڑتا ہے تو اسکی سختی اور سنگ دلی پتھروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی ہے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں (دریا) نکلتی ہیں، پانی بہتا ہے وہ تو خوف خدا سے لرزتے بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بھی کرتے ہیں مگر بگڑا ہوا انسان اللہ کریم سے بھی منہ موڑ لیتا ہے، اسکے رسولوں کی بھی نافرمانی کرتا ہے اور اسکی کتابوں کی بھی پرواہ نہیں کرتا وہ نافرمانی کے گھوڑے پر سوار خود پرستی کے میدان میں سرگرداں رہتا ہے

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ ۢ

مسلمانو! کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے پر ایمان لائیں گے حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا تھا جو کلام خداوندی کو سنتا تھا پھر وہ اسے

بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر بدل دیتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے ۶۷

۶۷ کیا یہودی کسی دلیل کی بنا پر ایمان لانے سے انکار کر رہے ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہے وہ جانتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں انکی صفات وکمالات سے انکی اپنی کتابیں بھری پڑی ہیں انکے نبیوں نے شفیع المذنبین ﷺ کی تشریف آوری کے تذکرے کئے تھے اور انہیں آپ پر ایمان لانے کی تاکید بھی فرمائی تھی یہ اب جان بوجھ کر ایمان نہیں لا رہے اس لیے ان سے ایمان کی توقع فضول ہے۔

Marfat.com

سید کل علیہ التحیۃ والسلام کے کمالات کو چھپانا اور ان کا انکار یہود کی کل بھی عادت تھی اور آج بھی عادت ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر اگر کوئی شخص ایسی عادات کا مرتکب ہوتا ہے ذکر رسول محترم ﷺ سے ان کی زبان پہلوتہی کرتی اور کنی کتراتی ہے ان کے فضائل سننے سے ان کا دل گھبراتا ہے تو اسے سوچنا چاہئے کہ وہ یہود کے راستے پر تو نہیں چل رہا۔ ان کے ایسے انداز سے انکی شان نہیں گھٹتی بلکہ تمہارا ایمان گھٹتا ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا

اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا تم مسلمانوں کو وہ

فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

بتاتے ہو جو اللہ کریم نے تم پر کھولا ہے پھر تو وہ تم پر تمہارے رب کے سامنے دلیل قائم کریں گے کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے ۸ے

۸ے منافق یہودیوں کا بیان ہو رہا ہے کہ مسلمان سے ملاقات ہوتی ہے تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں جب دوسرے یہودیوں کے پاس جاتے ہیں تو وہ انہیں کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایسی باتیں کیوں بتاتے ہو جن کا ذکر تمہاری کتابوں میں ہے اس طرح وہ تم پر دلیل وحجت قائم کر دیں گے مسلمان اپنی آیات سے تمہیں لاجواب کر دینگے لہذا انہیں ایسی باتیں ہرگز نہ بتاؤ تاکہ کل شکست نہ کھاؤ علامہ زمخشری اور علامہ بیضاوی نے عند ربکم کا معنی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ 'فی کتاب ربکم' مطلب یہ ہوا کہ وہ تمہارے رب کی کتاب کی آیتوں سے تمہارے خلاف دلیل قائم کر دینگے عند اللہ کا عموماً مطلب ہوتا ہے کہ فی کتاب اللہ۔ اس سے یہ ہی مراد ہے۔

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو سوائے جھوٹی آرزوں کے کتاب کو نہیں جانتے اور وہ صرف وہم وگمان ہی کرتے ہیں ۹ے

۹ے اوپر یہودیوں کے علماء کا ذکر تھا اب یہودی عوام کا ذکر ہے کہ ان کا سرمایہ حیات تو صرف جھوٹی آرزوئیں اور پسندیدہ خیالات ہیں امانی، امنیۃ کی جمع ہے اس کا اصل معنی فرض کرنا ہے، مطلب یہ ہے کہ

استحقاق کے بغیر اپنے آپ کو انعام واکرام کا امیدوار بنالینا، یہودی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم بلکہ کائنات کی سب قوموں سے ارفع قوم سمجھتے عوام میں راہبوں نے یہ عقیدہ پھیلا رکھا تھا قرآن حکیم نے اسکی شدید تردید کی ہے۔آج مسلمان معاشرہ بھی ایسی راہ پر چل پڑا ہے کسی بھی قوم کے زوال کا آغاز ایسی جھوٹی خواہشات سے شروع ہوتا ہےمسلمانوں کو اپنے ماضی کو دیکھنا چاہیے جب انکی زندگی عمل سے عبارت تھی؛

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے — پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۚ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا

تو ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو کتاب خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ تحریر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑے سے

قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

دام حاصل کرلیں، پس انکے لیے ہلاکت ہے بسبب اسکے جوانکے ہاتھوں نے لکھا اور ہلاکت ہے ان کے لیے بسبب اسکے جوانہوں نے اس طرح کمایا

۸۰۔یہودی کتاب اللہ (تورات) کے امین تھے کتاب کی حفاظت اس پر ایمان اور عمل ان پر لازم تھا۔مگر دنیوی مقاصد کے لیے انہوں نے تورات میں تبدیلی اور تحریف کی آیات بدل ڈالیں فقرات بدل دئے مفاہیم کو بگاڑ دیا، کتاب اگر محفوظ رہتی تو آنے والی سلیم الطبع نسلیں شاید اس پر عمل پیرا ہو جاتیں مگر انہوں نے یہ سارے راستے ہی بند کردیئے۔یہود و نصاریٰ اب تک تورات میں تحریف کا انکار کرتے رہے تھے اب انکے محققین تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ان کی کتابوں میں تحریف وتغیر ہوا ہے۔ہم نے پوری توجہ اور ارمعانِ نظر سے دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ہماری ایماندارانہ رائے ہے کہ اب تو یہ کتابیں محض تاریخی نوعیت کی ہیں، وحی والہام بہت ہی کم ہے آپ حضرات خود پڑھ کر ملاحظہ فرما سکتے ہیں

Marfat.com

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَاللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ

اور کہتے ہیں ہمیں چند دنوں کے سوا ہرگز دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی آپ فرمایئے کیا تم نے وعدہ لے رکھا ہے اللہ سے پھر تو اللہ خلاف ورزی ہرگز نہ کرے گا

عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

اپنے وعدہ کی، یا کیا تم یونہی اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہو جو تم جانتے نہیں ۸۱

۸۱ یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ ہم خدائے کریم کے لاڈلے ہیں اسکے محبوب ہیں دوزخ کی آگ ہمیں جلا نہیں سکتی۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ آتش دوزخ یہودی قوم کے گنہگاروں کو نہیں چھوئے گی اس لیے کہ وہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے اور خدا کے پاس واپس چلے جائیں گے 5/583

کچھ یہودی کہتے تھے کہ ہم نے چالیس دن بچھڑے کی پوجا کی تھی لہذا سزا بھی چالیس دن کی ہوگی۔ تو ایک طرف تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جبر و قہر بہر حال ہے اور اسلاف کے گناہوں کی سزا قیامت تک بھگتیں گے دوسری طرف ارشاد ہوتا ہے کہ سنگین سے سنگین گناہوں پر بھی کوئی سزا انہیں نہیں ہوگی یہ معمہ وہ خود ہی حل کر سکتے ہیں۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

ہاں سن لو جس نے جان بوجھ کر برائی کمائی اور اسکی خطاؤں نے اسے گھیر لیا تو (ایسے لوگ ہی) دوزخی ہیں اور وہ اس میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

ہمیشہ رہیں گے ۸۲

۸۲ قرآن حکیم نے انسانیت کی فلاح کیلئے یہاں اصول بیان فرمایا اور یہودیوں کے عقیدے کی تردید فرما دی کہ نجات کا دارو مدار کسی قوم یا کسی نسب سے منسوب ہونے پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے اسلام سے پہلے انسان رنگ، نسل اور وطن میں تقسیم تھے سفید رنگ کو سیاہ رنگ پر برتری تھی ہندو برہمن اپنے سیاہ کرتوتوں سمیت ہر طرح غیر برہمن سے بہتر تھا۔ جرمنی والے ہر غیر جرمن کو کمین سمجھتے تھے، اسلام آیا تو اس نے ان غیر انسانی حدود پر ضرب کاری لگائی اب انسان یا مومن تھا یا کافر، صالح تھا

Marfat.com

یا فاسق ،اب فخر کے ناکارہ ہتھیار چھن گئے اور راستہ کے یہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگئے ،انسانیت کا گلشن کھل گیا ،صدیق عربی ،صہیب رومی اور بلال حبشی مرکز نور کے ارد گرد جمع ہوگئے اور چشم فلک نے ایک نیا نظارہ کیا تھا جو پہلے کبھی نہیں کیا اب وہ ہادی اعظم ﷺ تشریف لائے جنھوں نے انسانیت کو اس کا اصل مقام عطا فرمایا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے رہے وہی جنتی ہیں وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے ۸۳

۸۳قرآن حکیم نے ان سب وعدوں کی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے جو تورات وانجیل میں آج بھی مذکور ہیں اور جو شرف انسانیت کیلئے زینے ہیں مگر اسرائیلیوں نے وعدوں کی پرواہ نہ کی قرآن پاک انہیں یاد دہانی کرا رہا ہے کہ وعدہ شکنی سے باز آجاؤ اور تمہارے انبیاء نے جو احکام تمہیں دئے ہیں انہیں بجالاؤ آئندہ ایسی لغزشوں سے بچو۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ط ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت (بندگی) نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی (مہربانی کرنا)، اور لوگوں سے اچھی گفتگو کرنا اور نماز صحیح طرح ادا کرنا اور زکوۃ دینا پھر تم پھر گئے (اپنے عہد سے) سوائے تم میں سے چند کے اور تم روگردانی کرنے والے ہو

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا کہ تم اپنوں کا خون نہیں بہاؤ گے اور اپنوں کو انکے وطن سے نہیں نکالو گے پھر تم نے (وعدہ نبھانے کا) اقرار بھی کیا اور تم خود اس کے گواہ ہو

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

پھر تم وہی ہو کہ (وعدہ خلافی کر کے) اپنے ہی لوگوں کو قتل کر رہے ہو اور تم اپنے گروہ کو انکے گھروں سے باہر نکال رہے ہو، اور گناہ اور ظلم کے ساتھ (دشمنوں کو) انکے خلاف مدد دیتے ہو اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی بن کر آجائیں تو پھر (ہمدرد بن کر) ان کا فدیہ (آزاد کرانے کے لیے) دیتے ہو حالانکہ انہیں گھروں سے نکالنا تمہارے لیے حرام کیا گیا تھا کیا تم کتاب (تورات) کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو (بتاؤ) جو تم میں سے ایسی (مذموم حرکتیں) کرے اسکی سزا اسکے بغیر کیا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں خوار رہے اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لیے شدید ترین عذاب (انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیوی زندگی آخرت کے بدلے میں خرید لی ہے، تو ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائیگی ۸۴

۸۴ یثرب کے مشرک اوس اور خزرج دو قبیلے تھے یہ اکثر آپس میں لڑتے رہتے تھے یہودیوں کے بھی دو بڑے قبیلے بنو قریظہ اور بنو نضیر تھے لڑائی ہوتی تو بنو قریظہ اوس سے مل جاتے اور بنو نضیر خزرج کے ساتھ ہوتے اس طرح یہودی ایک دوسرے کا قتل کرتے جنگ ختم ہوتی اور مغلوب فریق کے جنگی قیدیوں کو آزاد کرانے کے لیے فدیہ کا مسئلہ درپیش ہوتا تو پھر تورات سے فدیہ دینے اور فدیہ لینے کا جواز تلاش کرتے، قرآن نے فرمایا تورات تمہیں قتل وغارت اور کسی کو جلاوطن کرنے سے روکتی ہے اس پر تم عمل نہیں

کرتے جب روپے پیسے کی بات آتی ہے تو تمہیں تورات یاد آجاتی ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ من پسند احکام مان لیے اور خلاف طبعیت جسے چھوڑ دیے، یہ کیا انداز ہے؟ اللہ کرے مسلمان انکے انداز سے بچے رہیں!

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ج فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور ہم نے انکے پیچھے پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو لگاتار نشانیاں عطا فرمائیں اور ہم نے روح القدس سے ان کو تقویت دی تو کیا جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسا حکم لایا جسے تمہارے نفس پسند نہیں کرتے تو تم غرور کرنے لگے بعض رسولوں کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کردیا ۸۵

۸۵ روشن معجزات یہ تھے مادرزاد اندھوں کو نور نظر دینا، کوہڑیوں کو شفا بخشنا، مردوں کو زندہ کرنا اور غیب کی خبریں دینا وغیرہ قرآن کے علاوہ چاروں انجیلیں ایسے معجزات سے بھری پڑی ہیں

روح القدس سے مراد اکثر مفسرین نے جبریل علیہ السلام کو لیا ہے اور کچھ حضرات کا ارشاد ہے کہ اس سے وہ اسم اعظم مراد ہے جس سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے حضرت شاہ ولی اللہ کی اس سلسلے میں بہت ہی نرالی تحقیق ہے وہ بہت طویل ہے لہذا اہل علم وہ خود حجۃ اللہ البالغہ سے مطالعہ فرمائیں

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

یہودی بولے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں (ایسا نہیں) بلکہ انکے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے ان میں سے کم ہی ایمان رکھتے ہیں ۸۶

۸۶ یہودی بڑے متکبر تھے کہتے ہمارے دلوں پر غلاف ہیں، لہذا کسی کی قوت استدلال، کسی کی جادو بیانی کا سحر، گفتگو اور کسی کے معجزات ہم پر کوئی اثر نہیں رکھتے اللہ کریم نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری نافرمانیوں اور تمہارے گناہوں نے تمہیں اس قابل نہیں چھوڑا کہ تم پر رحمت الٰہی کا نزول ہو لہذا تمہارے دلوں کی تاریکیوں کو نور ایمان سے مزین نہیں کیا جاسکتا

Marfat.com

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ

اور جب آئی انکے پاس اللہ تعالیٰ کی وہ (کتاب) جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتی تھی جو انکے پاس ہے اور وہ اس سے پہلے کافروں پر

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۬ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

اس نبی کے وسیلے سے) فتح مانگتے تھے جب تشریف لایا انکے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو اسے ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی

پھٹکار

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ہو ان کافروں پر ۸۷

۸۷ یہود کو جب کفار و مشرکین سے لڑتے ہوئے شکست کے آثار نظر آتے تو تورات کھول کر ان مقامات پر ہاتھ رکھ کر جہاں آقا علیہ السلام کا ذکر ہوتا یوں دعا کرتے ''اے اللہ اس نبی رحمت عالم کے صدقے ہمیں فتح نصیب فرما'' (روح المعانی، قرطبی) اب جب وہ رسول اقدس علیہ السلام تشریف لے آئے تو جانتے ہوئے بھی ان پر ایمان نہ لائے۔ اسکی وجہ سوائے حسد کے کیا ہے؟

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

بہت بری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کا سودا کیا کہ وہ اللہ کی کتاب (قرآن) کا انکار کرتے ہیں حسد کے مارے کہ اللہ

تعالیٰ اپنا فضل (وحی) نازل فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وہ لگاتار ناراضگی کے مستحق ہو گئے اور کافروں کیلئے ذلیل و رسوا

کرنے والا عذاب ہے ۸۸

۸۸ اس ساری سرکشی اور بغاوت کی وجہ یہ حسد تھا کہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کو اولاد اسماعیل علیہ السلام میں بھیجا گیا وہ اسرائیلوں میں کیوں نہیں مبعوث ہوئے، کیا اللہ تعالیٰ کی مرضی میں تمہیں کوئی دخل ہے وہ جسے چاہے اپنا فضل و کرم عطا فرمادے، لہٰذا اس نے سید کل علیہ السلام کا انتخاب فرمایا ہے تو تم اعتراض کیوں کرنے لگے ہو۔

Marfat.com

بدی کو لگام دے دی جاتی ہے، جب آخرت پر یقین ہو تو پھر انسان وہ راستہ نہیں چلتا جو آخرت میں رسوائی کا ذریعہ بن جائے، یہ وہ تصور ہے جسے حقیقت بنا کے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کی تربیت کی، لہذا وہ لوگ جو سرکار علیہ السلام سے براہ راست فیض یاب ہوئے تھے، ہم تو کئی واسطوں کے بعد فیض یاب ہوئے ہیں، جو براہ راست ہدایت یافتہ تھے ان کی کیفیت یہ تھی کہ انہوں نے زندگی کی ہر بُری بات کو اپنی زندگی سے خارج کر دیا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ انقلاب اتنا جلدی کامیاب ہو گیا۔

آپ دیکھیں اسلام کی تاریخ اور آپ سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابتدائی دس سال لے لیں، جو مدینہ طیبہ کی حیات طیبہ کے ہوں، چونکہ اقتدار کا انداز وہاں سے شروع ہوتا ہے، اور مولائے کائنات حضور حیدر کرار ؓ کی شہادت پر وہ آ کے ختم ہو جاتا ہے، یہ سارے چالیس سال بنتے ہیں، ان چالیس سالوں میں اسلامی اقتدار کہاں سے کہاں جا پہنچیں، آپ اندازہ تو لگائیں کہ پینتالیس یا چھیالیس لاکھ مربع میل ان کے قدموں کے نیچے تھا، قیصر و کسریٰ ختم ہو گئے تھے دنیا کی واحد سپر پاور اسلام رہ گیا تھا، اور ان کی افرادی تعداد بالکل محدود سی تھی، یہ کیوں تھا؟ اس لیے کہ ان کے اندر والا انسان جاگ اٹھا تھا، اور اسے جگانے کے لیے قرآن پاک نے ازلی اور ابدی اصولوں سے انہیں بھر دیا تھا، انہیں کوئی چیز راستے پر روک نہیں سکتی تھی، اور ان کی تربیت یوں ہوتی تھی کہ گویا اللہ کریم ہر وقت ان کے ساتھ ہے، اس گویا کو بھی انہوں نے درمیان سے نکال دیا تھا یہ لفظ میں آپ کو سمجھانے کے لیے استعمال کر رہا ہوں، ان کی زندگی سر سے لے کر پاؤں تک قرآن پاک سے وابستہ تھی، ان کی زندگی سر سے لے کر پاؤں تک سنت مصطفوی ؐ کے عین مطابق گزرتی تھی، لہذا یہ تصور دینا کہ ہم نے ایک دن جواب کے لیے کھڑا ہونا ہے، یہ بات آپ کو بدی سے روکتی ہے، آپ بدی سے رک جاتے ہیں، جب آپ کوئی جرم کرنے لگتے ہیں تو پہلے یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے جو بعد میں چشم دید گواہ بن جائے، گواہ کی دنیا سے نکل کر جرم کیا جائے، تاکہ کوئی گواہ نہ ہو، تو مجھے یہ بتائیں کہ جب آپ کی دنیا میں یہ بات آ جائے کہ جہاں میں ہوتا ہوں وہاں خدا بھی ہوتا ہے، میرا کوئی لمحہ، میری زندگی کی کوئی سانس، میری کوئی حرکت، میرا کوئی سکون کا لمحہ اس کی معیت اور ساتھ ہونے کے بغیر نہیں ہے، تو کیا پھر بدی کی طرف رجحان ہو سکتا ہے۔ اگر ہوتا ہے تو پھر سرکار کریم ؐ نے اس نکتے کو بڑے نفیس انداز سے ارشاد فرمایا! کہ بد جب بدی کرتا ہے تو اس وقت وہ یہ سمجھتا ہے کہ خدا میرے ساتھ نہیں ہے، اگر بندہ ساتھ ہو تو وہ بدی کا ارتکاب نہیں کر سکتا، تو اللہ کریم کو گواہ بنا کے اگر وہ بدی کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو یہ کتنا بڑا جرم ہے، لہذا قیامت کا تصور دے کے جو ایک حقیقت ہے اس کے ذریعے اسلام نے بدی کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کی ہے۔

سب تعریفیں جو ذاتی عظمتوں کی بنیاد پر ہوں وہ اللہ کریم کے لیے ہیں، جو سب جہانوں کی تربیت فرمانے والا ہے، (اور

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ

مُّؤْمِنِيْنَ﴿۹۱﴾

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ اس پر جسے اللہ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم تو صرف اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اور (دوسری کتابوں) کا انکار کرتے ہیں جو اس کے سوا ہیں حالانکہ وہ کتاب حق ہے تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے فرما دیجئے پھر تم اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو اس سے پہلے اگر تم (اپنی کتاب پر) ایمان رکھتے تھے ۸۹

۸۹ قرآن حکیم پر ایمان لانے کی جب یہودیوں کو دعوت دی جاتی تو وہ کہتے ہم صرف اسی وحی اور اسی کتاب کو مانتے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی تھی اور کسی نازل ہونے والی وحی، الہام اور کتاب کو ہم نہیں مانتے قرآن حکیم نے جواب میں فرمایا کہ تمہارا ایمان اسرائیلی انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابوں پر بھی نہیں ہے اگر ایمان ہوتا تو اپنے نبیوں کو تم کیوں قتل کرتے ان کو قتل کرنا تمہاری بے ایمانی کی دلیل ہے

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴿۹۲﴾

اور تمہارے پاس موسیٰ روشن دلیلیں لے کر آئے تھے پھر تم نے ان کے جانے کے بعد بچھڑے کو (اپنا معبود) بنالیا اور تم (عادی) جفا کر رہے ہو ۹۰

۹۰ تم مسلّم نافرمان ہو، تم وہی ہو جو موسیٰؑ پر ایمان کے دعویدار ہو پھر بتاؤ تم نے ان کے کوہ طور پر جانے کے بعد ایک بچھڑے کو معبود کیسے بنالیا؟ کیا ایماندار ایسا کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر بچھڑے کے پجاری ایماندار کیسے بن گئے؟

Marfat.com

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ

اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا اور تمہارے سروں پر کوہ طور بلند کر دیا (اور تمہیں حکم دیا) کہ تم پکڑو جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا مضبوطی سے اور (غور سے سنو) یہودی بولے ہم نے سن لیا (دل میں کہا) ہم نے مانا نہیں، اور ان کے دلوں میں کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی۔ فرمادیجئے بہت برا ہے جس کا حکم تمہیں یہ تمہارا (انوکھا) ایمان دیتا ہے اگر تم ایمان والے ہو

۹۱ ایمان کے دعوے دارو! ذرا یہ تو بتاؤ کہ اتنی نافرمانیوں اور ایسے مکروہ شرک کے باوجود تم کیسے ایماندار ہو؟ کیا کوئی ایسا ایمان بھی ہے جو بدی پر اکساتا ہے اور نیکیوں سے باز رکھتا ہے تم ظلمت کو نور کہنے پر مصر ہو اور ایمان کے دعوے دار بھی ہو؟ قرآن حکیم کا یہ انداز بیان کتنا دل کش ہے مگر دل پر کفر و شرک کی سیاہی چھائی ہوئی ہو تو قبولیت کی امنگیں مرجایا کرتی ہیں

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

آپ فرمائیں اگر آخرت کا گھر اللہ کے ہاں صرف تمہارے لیے ہے اور لوگوں کو چھوڑ کر تو پھر موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

وہ ہرگز کبھی بھی اسکی تمنا نہیں کرینگے بسبب ان (بداعمالیوں کے) جو وہ آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ

اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع

اور آپ ان کو پائیں گے سب لوگوں سے زندگی کا زیادہ حریص پائیں گے حتی کہ مشرکوں سے بھی ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ اسے ہزار سال زندگی ملے حالانکہ اتنا عرصہ زندہ رہنا اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اللہ تعالی انکے اعمال کو دیکھتا ہے ۹۲

Marfat.com

۹۴ وہ حق کا انکار اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے کرتے تھے کہ انکی نجات ہو چکی ہے، جنت صرف ان کے لیے ہے وہاں کی نعمتیں صرف ان کے انتظار میں ہیں ادھر مرے ادھر جنت کی رعنائیوں میں پہنچے قرآن نے دلیل سے اس عقیدہ کی تردید فرمائی ارشاد ہوا اگر یہ بات ہے تو پھر دعا کرو کہ تمہیں موت جلد آ جائے اور تم جنت میں جا پہنچو۔ اللہ کریم نے پیش گوئی فرمائی کہ وہ کبھی ایسی دعا نہیں کرینگے وجہ یہ ہے کہ انہیں انجام کی تلخیاں معلوم ہیں ان کے لیے کتنی آسان بات تھی کہ اکٹھے ہو کر نکلتے مسلمانوں کو کہتے آؤ ہماری دعا سنو ہم مرنے کی آرزو کر رہے ہیں جب کہ تمارا قرآن کہتا ہے کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کرینگے پھر قرآن کی پیش گوئی تو غلط ہوگئی وہ کیوں ایسی دعا نہ کر سکے؟ اسلئے کہ ان کے دل میں چور تھا اور وہ جانتے تھے کہ ہم نے اگر ایسی دعا کی تو سید کل ﷺ کا خدا ہمیں اسی وقت موت دے دیگا لہذا انہوں نے ایسی دعا سے اپنے آپ کو پوری قوت سے محفوظ رکھا ہمارے آقا ﷺ سے مروی ہے کہ اگر یہود اس وقت مرنے کی تمنا کرتے تو ان میں سے ایک بھی نہ بچتا، لہذا اس شاطر قوم نے شرمندگی اور خجالت قبول کر لی مگر موت کی آرزو سے پہلو تہی کی، تورات بھی ان کے مکر و فریب کے قصص سے بھری ہوئی ہے

☆☆☆☆

Marfat.com

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

آپ فرمایئے جو دشمن ہو جبریل کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ تصدیق کرنے والا ہے پہلی کتابوں کی

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

اور سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے ۹۳

۹۳ قرآن پاک نے اس آیت مقدسہ میں ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، مسلمانوں کے پاس عبداللہ بن قریہ نامی ایک یہودی آیا، اور اس نے یہ بات پوچھی کہ آپ کے پاس جو فرشتہ وحی لے کے آتا ہے وہ کون ہے، اسے جواب دیا گیا کہ جبرائیل علیہ السلام وحی لے کے آتے ہیں، اس نے جواباً کہا کہ یہ ہمارا پرانا دشمن ہے، جب بھی ہم پر مصیبت آتی ہے، اسرائیلیوں میں کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے تو اس کا منبع یہی جبرائیل ہوتے ہیں، اللہ کریم نے ان کی اس بات کی تردید کے لیے، یہ آیت بیان فرمائی لفظی ترجمہ یہ ہے۔

"قل" فرمادیجئے۔ "**من كان**" جو ہے۔ "**عدوا لجبريل**" دشمن جبرائیل کا۔ "**فانه**" جبرائیل نے ہی۔ "**نزّله**" اتارا ہے اس قرآن کو۔ "**على قلبك**" اے محبوب آپ کے دل پر۔ "**باذن الله**" اللہ کے حکم سے۔

مطلب یہ ہوا کہ قرآن اللہ کریم کا کلام ہے، وہ جناب جبرائیل علیہ السلام لے کے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب انور پر نازل کرتے رہے، یہاں ضمناً اشارہ ہو گیا، کہ زبان سے پڑھنا اور بات ہوتی ہے، اور کسی چیز کو دل پر نازل کر دینا اور بات ہے، اسے پھر دہرانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، یاد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، وہ دل پر **مستقیم** ہو کے وجود کو اس انداز سے آگے چلاتا ہے کہ بھولتا نہیں، ارشاد ہوا کہ انہیں تو اس لیے اعتراض نہیں کرنا چاہیے کہ

"**مصدقالمابين يديه**" قرآن تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے ہے، قرآن نے تورات کی تصدیق کی ہے، تورات وہ کتاب ہے جسے یہ لوگ مانتے ہیں، تو جو کتاب آ کے کہتی ہے کہ میں نے تورات کی تصدیق کر دی ہے، اس کا انکار یہ کس انداز سے کرتے ہیں، آیئے اس کا لفظی معنی کر دیں۔

"**مصدقا**" تصدیق کرنے والا ہے۔ "**ل**" لیے۔ "**ما**" وہ چیز جو۔ "**بين**" درمیان۔ "**يدى**" دو ہاتھ۔ "**ه**" اس کے جو اس کے دو ہاتھوں کے درمیان ہے اس کی تصدیق کرتا ہے، یہ لفظی معنی ہے، بامحاورہ ترجمہ یہ ہوگا۔

Marfat.com

"جو پہلی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے"

اور پھر قرآن کی اس تصدیق کے علاوہ دوسری صفت یہ ہے کہ

"ھدًی" یہ ہدایت ہے۔ **"وبشری"** یہ خوشخبری ہے، ان سب لوگوں کے لیے جو اسے تسلیم کرتے ہیں۔ **"مومن"** "ماننے والا۔ یہ سب ماننے والوں کے لیے ہدایت بھی ہے اور بشارت بھی ہے۔

اب ایک قاعدہ کلیہ اگلی آیت میں آیا ہے۔

مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰلَ
جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور رسولوں کا اور جبرائیلؑ اور میکائیلؑ کا
فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۹۸﴾
تو اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا ۹۴

۹۴ **"من"** جو۔ **"عدوا"** دشمن۔ **"للّٰہ"** اللہ کا۔ **"وملٰئکتہ"** اس کے فرشتوں کا۔ **ملٰئکہ** ملک کی جمع ہے۔ ل پر زبر ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے فرشتہ۔ ل کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے بادشاہ۔ **"رسل"** رسول کی جمع ہے، اور اللہ کے رسولوں کا دشمن۔ چونکہ بات جبرائیل کی چل رہی تھی پھر اللہ کریم نے عام کے بعد خاص کا ذکر کر دیا۔ **"جبرایل ومیکل"** جبرائیل اور میکائیل علیہ السلام۔ **"فان اللّٰہ"** یقیناً اللہ۔ **"عدو للکفرین"** کافروں کا دشمن ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَکۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۹۹﴾
اور یقیناً ہم نے اتارے آپ پر روشن نشان اور کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ان کا بجز نافرمانوں کے ۹۵

۹۵ اب یہاں قرآن نے تین چار باتوں کا ذکر کیا، اللہ کی دشمنی نتیجہ کفر، فرشتوں کی دشمنی نتیجہ کفر، رسولوں کی دشمنی نتیجہ کفر، پھر اللہ نے فرمایا کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

" **ولقدانزلنا الیک ایت بینت** " محبوب ہم نے اتاریں آپ کی طرف۔ ''ایت'' آیتیں۔ ''بینت'' واضح اور روشن محبوب ہم نے آپ کی طرف واضح آیات اتاری ہیں۔ ''**وما یکفر بها**''۔ ''ما'' نہیں۔ ''یکفر'' انکار کرتا۔ ''بها'' ان آیات کا۔ مگر فاسق لوگ۔ ان آیات کا انکار صرف فاسق لوگ کرتے ہیں۔ "**فاسق**" بدکردار۔

محبوب آپ ان سے ایک بات تو پوچھیں کہ ان کا سارا ماضی ایک ہی حقیقت رکھتا ہے، کہ یہ اللہ والوں کا انکار کرتے ہیں، انبیاء کا انکار کرتے ہیں۔ ملائکہ کا انکار کرتے ہیں، "**ولقد انزلنا**" بے شک ہم نے اتاریں آپ کی طرف واضح آیتیں تو ان کا انکار تو فاسق ہی کرتے ہیں، ان کا حال کیا ہے!

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾
کیا (یوں نہیں) کہ جب بھی اُنھوں نے وعدہ کیا تو پھر توڑ پھینکا اُسے انہیں میں سے ایک گروہ نے بلکہ ان کی
اکثریت تو (سرے سے) ایمان ہی نہیں لاتی ۹۶

۹۶ " **او کلما** " کیا جب کبھی بھی۔ "**عهدوا**" وہ عہد کرتے ہیں۔ "**عهدا**" کوئی عہد، جب کبھی بھی یہ کوئی عہد کرتے ہیں، "**نبذ**" پھینک دیتا ہے۔ ''ہ'' اس عہد کو۔ "**فریق**" ایک گروہ۔ "**منهم**" ان میں سے۔ ان میں سے ایک گروہ اس عہد کو پھینک دیتا ہے، "**بل اکثرهم لا یومنون**" بلکہ ان کی اکثریت ایماندار نہیں ہے۔

وہ دو چار حصوں میں بٹے ہوئے ہیں، کچھ وہ جو سرے سے منکر ہیں، کچھ وہ جو سب کے منکر نہیں کچھ حصے کے منکر ہیں، کچھ وہ جو ظاہری طور پر تو مانتے ہیں لیکن دل سے نہیں مانتے، تو ارشاد فرمایا کہ جو صرف اطاعت کرنے والے ہیں، وہ بہت کم ہیں ان

Marfat.com

کی اکثریت ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہے جو ایمان والے نہیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ

اور جب آیا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ان میں سے ایک

اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

جماعت نے جنہیں کتاب دی گئی تھی اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے گویا وہ کچھ جانتے ہی نہیں ۹۷

۹۷ **"ولمّا جآء هم"** (پہلے عہد کو یہ توڑتے رہے) پھر جب آئے، **"رسول من عنداللّٰه"** ان کے پاس رسول۔ رسول پر یہ تنوین تعظیم کے لیے، جب ایک عظیم المرتبت رسول اللہ کی طرف سے ان کے پاس تشریف لے آیا، اور اس نے تصدیق بھی کی اس (کتاب) کی جو ان کے پاس تھی **"مصدق"** اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے، جو ان کے پاس ہے۔ **"نبذفريق"** ایک گروہ نے پھینک دیا۔ **"من الّذين"** ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تھی۔ یعنی یہودیوں میں سے ایک گروہ نے ڈال دیا۔ **"كتب اللّٰه"** اللہ کی کتاب کو۔ **"ورآء ظهورهم"** اپنی پشتوں کے پیچھے۔ **"كانّهم لايعلمون"** گویا انہیں اس کتاب کا علم ہی نہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ شان والے رسول (سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب آپ تشریف لے آئے اور تورات میں آپ کے متعلق جو ارشادات تھے، وہ مسلمانوں نے ان کے سامنے پیش کیے، اس کتاب کو کہ جسے وہ پہلے مان رہے تھے، یعنی تورات کو انہوں نے اپنی پشت کے پیچھے پھینک دیا، گویا انہیں تورات کا پتہ ہی نہیں ہے۔ اب اگلی آیت میں ان کی ایک اور عادت کا ذکر ہے۔ اور اس پر ہمیں ذرا تفصیلی گفتگو کرنی ہوگی، میں پہلے لفظی ترجمہ کر دیتا ہوں، تاکہ ایک نظریہ آپ کے ذہن میں آ سکے، اور پھر اس پر تفصیل سے گفتگو ہو سکے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاتَّبَعُوْا مَاتَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَاكَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ

اور پیروی کرنے لگے اس کی جو پڑھا کرتے تھے شیطان سلیمانؑ کے عہدِ حکومت میں حالانکہ سلیمانؑ نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے

كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ

ہی کفر کیا سکھایا کرتے تھے لوگوں کو جادو نیز وہ بھی جو اتارا گیا دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں (جن کے نام) ہاروت اور ماروت تھے

وَمَايُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَاتَكْفُرْ ۚ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَايُفَرِّقُوْنَ

اور (کچھ) نہ سکھاتے تھے وہ دونوں کسی کو جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش ہیں (ان پر عمل کرکے) کفر مت کرنا (پھر بھی) وہ سیکھتے

بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ۚ وَمَاهُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُوْنَ

جس سے جدائی ڈالتے تھے خاوند اور بیوی کے درمیان اور ضرر نہیں پہنچا سکتے اپنے جادو منتر سے کسی کو بغیر اللہ کے اذن کے اور سیکھتے ہیں وہ چیز

مَايَضُرُّهُمْ وَلَايَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَالَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ

جو ضرر رساں ہے ان کے لیے اور نفع پہنچا نہیں سکتی انھیں اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے اُس کا سودا کیا اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں

مَاشَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور بہت ہی بری ہے وہ چیز بیچا انھوں نے جس کے عوض اپنی جانوں (کی فلاح کو) کاش! وہ کچھ جانتے ۹۸

۹۸ "واتبعوا" انہوں نے پیروی کی۔ "ما تتلوا الشیطین" جو پڑھتے تھے شیطان۔ "علی ملک سلیمن" سلیمانؑ کے دورِ حکومت میں، انہوں نے اس کی پیروی کی، جو شیطان سلیمانؑ کی حکومت کے دور میں پڑھا کرتے تھے۔ "وما کفر سلیمن" سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا۔ "ولکن الشیطین" لیکن شیطانوں نے۔ "کفروا" کفر کیا۔ "یعلمون الناس السحر" وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے۔

Marfat.com

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات پاک مسلمانوں کے نزدیک مقام نبوت پر فائز ہے، آپ بھی نبی ہیں، آپ کے والد گرامی حضرت داؤد علیہ السلام بھی نبی تھے، لیکن یہودی تعلیمات جو تورات میں موجود ہیں، وہ یہ ہیں کہ سلیمانؑ ایک بادشاہ تھے، ان کی ابتدائی زندگی نسبتاً بہتر تھی، لیکن آخری زندگی میں وہ صحیح عقیدے سے پھر گئے تھے، میں وہ عبارت آپ کو پڑھ کے سنا دیتا ہوں، یہ تورات کا باب سلاطین ہے، اس کا اندر کا ذیلی باب نمبر 12 اور آیت نمبر 1 سے 9 تک جناب سلیمان علیہ السلام کے متعلق باتیں لکھی گئی ہیں، اس کے چیدہ چیدہ ٹکڑے یہ ہیں۔

"چونکہ جب سلیمان خود بڈھا ہو گیا، مترجم نے وہاں بڈھا ہی لکھا ہے، تو میں نے بھی اسے بوڑھا ہی بیان کرنا ہے، چونکہ جب سلیمان بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر دیا، مطلب یہ ہوا کہ جو عبادت کا طریقہ تھا ان کا اس طریقے کو چھوڑ کے وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے لگ گیا اور اس کا دل اپنے خداوند کے ساتھ کامل نہ رہا اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی (اب ایسی بات نبی سے کبھی بھی ظہور پذیر نہیں ہوتی) اور خداوند سلیمانؑ سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خداوند سے پھر گیا تھا"۔

تو یہ ہیں وہ الفاظ جو تورات میں سلاطین والے CHAPTER میں بڑی تفصیل سے ہیں جن کا یہاں میں نے خلاصہ بیان کیا ہے اب میں سوچتا ہوں کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کتنا رفیع مقام ہے کہ سلیمان علیہ السلام سے ہزار ہا سال بعد تشریف لائے اور قرآن نے آ کے یہ اعلان کیا کہ "وما کفر سلیمٰن" سلیمانؑ نے تو کوئی کفر نہیں کیا، پتہ چلا کہ دامن سلیمانی کو رحمت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آ کے بچالیا، یہ وہ بات تھی جو تورات کہہ رہی تھی، یہ وہ بات تھی جو یہودی کہہ رہے تھے۔ لیکن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کے ایک مقدس پیغمبر کا مقدس دامن محفوظ فرما دیا اور اعلان کر دیا کہ انہوں نے کفر نہیں کیا، کیا مغربی قوموں نے اپنے اس نظریے کو چھوڑ دیا ہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام نے کفر کیا تھا؟ تو انسائیکلوپیڈیا برطانیہ کی جلد 2 صفحہ 252 پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ سلیمان علیہ السلام خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے۔ اب میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ مغرب کے جدید محققین نے وہ بات مان لی جو سلیمان علیہ السلام کے متعلق قرآن نے کہی تھی۔ انسائیکلوپیڈیا پبلک، اس کا کالم 4689 اس میں وضاحت سے یہ بات مغربی مفکرین نے کہی ہے کہ یہ جو اوپر والی 1 سے لے کر 9 تک سلاطین کے گیارویں باب کی آیات ہیں یہ سب کی سب ذاتی ہیں، اصل انجیل میں اور اصل تورات میں یہ بات کوئی نہیں ہے، یہ بعد میں ملا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے انہوں نے اپنے گھر سے یہ بات مان لی کہ تورات اور انجیل کا جو حشر وہ کرتے رہے ہیں وہ یہ تھا۔ اب ایک نے ایک طرف یہ کہہ دیا کہ سلیمان علیہ السلام اللہ کے خالص پوجا کرنے والے تھے اور وہ کسی اور کی پوجا نہیں کرتے تھے، دوسرے نے کہہ دیا کہ یہ

Marfat.com

9 کی 9 آیات جو سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہیں یہ ساری ان کی ذاتی ہیں اور بعد میں ملا دی گئی ہیں اصل انجیل اور اصل تورات میں یہ بات نہیں تھی، اب ایک بات تو یہ ہوئی کہ جناب سلیمان علیہ السلام کا دامن قرآن پاک نے آ کے صاف کر دیا۔

اصل واقعہ یہ تھا جو مختلف مفسرین نے لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے وصال پاک کے بعد یہودیوں کے ذہن میں ایک بات آئی کہ جنات بھی ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور انسان بھی ان کے تابع فرمان تھے، یہ عظمتیں جو حضرت سلیمانؑ کو ملی تھیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا نہیں تھیں ان کے پاس جادو کی کتابیں تھیں اور وہ ساری کی ساری ان کی کرسی کے نیچے مدفون ہیں یہ سب ان جادو کی کتابوں کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ اب بحیثیت مجموعی یہ قوم جادو کے پیچھے پڑ گئی کہ اسے حاصل کیا جائے تاکہ ہمیں بھی عظمت سلیمانی مل سکے تو قرآن پاک نے شدت سے اس بات کی تردید کر دی کہ یہ یہودی لوگ اس کی پیروی میں لگ گئے جو شیطان سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے دور میں پڑھا کرتے تھے۔ یہ معنی اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے۔ میں لفظی انداز سے تھوڑا ''تتلو'' کے لفظ پر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں، ''تتلوا'' کا اگر مصدر تلاوت ہو تو اس کا معنی پڑھنا ہوتا ہے، اگر اس کا مصدر تلهم ہو تو اس کا ایک معنی تو اطاعت کرنا ہوتا ہے، پیروی کرنا ہوتا ہے دوسرا اس کا معنی بہتان باندھنا بھی ہوتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ کسی مترجم نے بھی یہاں یہ معنی نہیں کیا چونکہ یہ مقام ایسا تھا جو اختلافی ہے تو میں نے اردو کی تقریباً تمام تفاسیر کھنگالی ہیں، اپنے لیے نہیں آپ حضرات کے لیے، تاکہ اگر آپ تفسیر پڑھتے ہوئے کوئی لغزش کھا جائیں تو اس کا تدارک کیا جا سکے۔ تو اس تلهم کا ایک معنی بہتان باندھنا ہوتا ہے، اگر اس کا معنی بہتان باندھنا کر لیں تو بڑا وسیع ترجمہ ہو جائے گا اور اس الزام کو دور کرنے کے لیے ایک نئی بات سامنے آ جائے گی کہ انہوں نے تو اس بات کی پیروی کی ہے جو سلیمانی دور میں شیطان بطور بہتان سلیمان کے خلاف کہتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس ترجمے کے بعد وہ سارا غبار اڑ جاتا ہے جو سیدنا سلیمان علیہ السلام پر انہوں نے باندھا تھا۔ چونکہ لغت ہمارا ساتھ دے رہی ہے لہٰذا اس معنی کو کرنے میں مجھے ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں، اس طریقے سے قرآن کی تفسیر بہت عمدہ ہو رہی ہے۔ آگے پھر قرآن نے بڑی وضاحت کے ساتھ کہہ دیا کہ **"وما کفر سلیمن"** کہ سلیمان علیہ السلام نے تو کفر نہیں کیا یہ شیطان تھے جنہوں نے کفر کیا تھا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، لہٰذا اس الزام کو بھی دور کر دیا گیا کہ جادو سلیمان علیہ السلام سکھا رہے تھے جو جادو کے سہارے اپنی حکومت قائم رکھے ہوئے تھے ان سب باتوں کی قرآن نے تردید کر دی اب یہاں ایک اور واقعہ تفصیلاً عرض کرنا ہے اور اس لیے بھی خاص طور پر عرض کرنا ہے کہ اس آیت کی تشریح کے لیے میں نے ایک تو یہی تفسیر جو میرے سامنے پڑی ہے یہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی ہے دوسری تفسیر میں نے وہ دیکھی جو مولانا مودودی نے لکھی ہے اسی طرح اردو کی جو غیر معروف تفاسیر ہیں وہ بھی میں نے اس مقام سے دیکھی ہیں۔ میں حیران ہوں کہ کسی بندے نے ایک روایت کو کس طریقے سے قرآن کی تفسیر میں داخل کر دیا اور پچھلے حضرات عقل کا استعمال نہ کرتے ہوئے اسی ڈگر پر خدا جانے کس طرح چلتے

Marfat.com

اس تربیت میں صرف انسان شامل نہیں ہیں ،فرشتے ہیں ،جنات ہیں ،حیوانات ہیں، نباتات ہیں، جمادات ہیں، یہ سب اللہ کریم کی تربیت کے محتاج ہیں ،قرآن پاک نے کہا کہ زمین مرچکی ہوتی ہے پھر بارش آجاتی ہے جس کی وجہ سے زمین جی اٹھتی ہے، بتائیے کیا یہ زمین کے اندر بھی تربیت ہے کہ نہیں، یہ نظام تربیت کس انداز سے کام کر رہا ہے) وہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی، قیامت کے دن کا مالک بھی۔

اب یہ اللہ کریم کی ساری صفات ہیں میں ابھی آپ کو کہہ رہا تھا کہ ترجمہ کرتے وقت سب سے پہلے صفات کا ترجمہ کریں پھر ذات کی طرف بڑھیں، جب آپ اس انداز سے ان تین آیات کا ترجمہ کریں گے تو ترجمہ یہ بنے گا۔

''سب ذاتی تعریفوں کا مستحق ،قیامت کے دن کا مالک ،سدا رحمت فرمانے والا ، بے حد مہربان ،سب جہانوں کے پالنے والے اللہ کی ذات ہے''۔

بیضاوی نے یہاں ایک بڑا نفیس نکتہ پیدا کیا ہے، کہ وہ ذاتی صفات کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زندہ ہے ایک بات، اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ زندہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ سارے نظام کو چلانے والا ہے، تیسرا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے ارادے کے ساتھ ساری باتوں کو کرتا ہے، یہ ساری باتیں ضروری ہیں اس کے لیے جس کی ذاتی خوبیوں پر اس کی حمد کی جاسکے، یہاں تک اللہ کریم کا تعارف تھا، ذات کا بھی اور صفات کا بھی، لیکن یہاں جو بات ہم نے ذہن میں رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ذات تک ہمارا ذہن نہیں جاتا، عقل نہیں جاتی، اس لیے کہ وہ کسی جسم کے لباس میں ہمارے سامنے کبھی نہیں آیا، اور یہی وجہ ہے کہ جہاں لفظ اللہ استعمال کیا ہے قرآن پاک میں بے شمار جگہوں پر اس کے ساتھ صفات کا ایک مناسب انتظام فرما دیا ہے، تاکہ ان صفات کا مظہر جو انسان میں موجود ہے اسے پا کے انسان اللہ کریم کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے، اب یہاں اسی انداز سے لفظ اللہ کہہ کے کہ جب بھی آپ اپنے خالق کا نام لینا چاہیں تو اس کے لیے اللہ استعمال کریں گے جو ذاتی نام ہے، صفاتی نام نہیں ہے، آپ میں سے ہر صاحب کا ایک ذاتی نام ہے اور ایک صفاتی نام ہے، میرے سامنے علامہ مقصود احمد جعفری صاحب تشریف فرما ہیں، ان کا ذاتی نام مقصود کے لفظ سے میں ادا کرتا ہوں، احمد لگا دوں یا حسین لگا دوں جو لفظ بھی ساتھ لگ جائے لیکن جب صفاتی نام آئے گا تو میں انہیں جعفری کہہ دوں گا، جب ایک اور لفظ کہنا چاہوں گا تو میں پروفیسر کہہ دوں گا، ایک اور لفظ کہنا چاہوں گا تو ایک اور بات آجائے گی لیکن یہ سارے صفاتی نام ہیں، اور صفاتی نام ذات کے تعین میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، مقصود کوئی اور بھی ہو سکتا ہے جب یہ صفاتی نام آئیں گے تو باقی سارے الگ ہو جائیں گے۔ لفظ اللہ کے لیے صفاتی نام اس لیے بے حد ضروری ہیں کہ ہم نے کبھی اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں ہے، کبھی اس نے ہم سے بات نہیں کی کہ ہم نے اس کی آواز سنی ہو، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کے دیکھ لیا ہو کہ وہ کیسا ہے، یہ باتیں نہیں ہیں، یعنی اللہ وہ ذات ہے جسے ظاہری فائیو گیٹس آف نالج (علم کے پانچ دروازوں) سے بھی نہیں پہچانا جاسکتا۔

Marfat.com

گئے! مجھے بھرپور توقع تھی کہ مودودی صاحب اس عام ڈگر سے ہٹ جائیں گے لیکن یا تو پھر ان کا علمی مواد عربی زبان میں بڑا محدود تھا اور جو آیا وہ اس وقت آیا جب وہ تفسیر لکھ چکے تھے اور اس وقت بھی وہ عربی کے ماہرین میں شامل نہیں تھے حیرانی ہے علامہ عثمانی پر کہ یہ عربی کے ماہرین میں شامل تھے اور ان کے ذہن میں یہاں پھر کیوں لغزش آئی؟ ترجمہ کرتے ہوئے شاہ عبدالعزیز صاحب بھی، شاہ عبدالقادر صاحب بھی اسی مشہور روایت کے پیچھے چل رہے ہیں۔

روایت یوں ہے، جسے میں نے تسلیم نہیں کرنا ہے اور تسلیم نہ کرنے والے مفسرین کا بھی تجزیہ آپ کے سامنے کرنا ہے ان کی عظمتوں کو سلام بھی کہنا ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے تھے ان کا نام ہاروت اور ماروت تھا وہ زمین پر آئے انہیں حکم یہ تھا کہ آپ نے لوگوں کو جادو سکھانا ہے اور جادو سکھانے کے ساتھ یہ بات کہنی ہے کہ یہ آزمائش ہے آپ اس کفر میں مبتلا نہ ہوں۔ لوگ پھر بھی ان کے پاس آتے تھے اور وہ ان کے پاس آ کے جادو سیکھتے تھے۔ ان جادو سیکھنے والے لوگوں کا سب سے غالب طبقہ جادو اس لیے سیکھتا تھا کہ کسی آباد گھر کو غیر آباد کرے یعنی میاں بیوی میں طلاق دلوانے اور خواہش پیچھے یہ ہوتی تھی کہ اس خاتون کو ادھر سے طلاق ہو اور خود نکاح کر لے۔ وہ جادو سکھا کے کہتے تھے کہ کسی کو سکھانا نہیں ہے، آپ انسانی فطرت سے واقف ہیں کہ آپ کسی کو کوئی بات کہہ دیں اور یہ نہ کہیں کہ کسی کو نہیں بتانی ہے تو شاید وہ سال ہا سال تک نہ بتائے لیکن آپ کہہ دیں کہ نہیں بتانی ہے تو شام سے پہلے بات آگے چلی جائے گی یہ انسان کی فطرت ہے۔ آپ ایک علم کے فائدے بتاتے ہیں اور ساتھ یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ نے کسی کو سکھانا نہیں ہے اور استعمال نہیں کرنا ہے، جیسے آپ رائفل دیتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ اسے یوں چلایا جاتا ہے کیا وہ تجربے کے بغیر رہ سکے گا؟ یہ تو بات ناممکن ہے اور انسانی فطرت کے خلاف ہے اب ہوا یہ کہ ایک زہرہ نامی خاتون، آپ تصور کریں کہ کہانی چلی کیسے اور آگے اپنے انجام تک کیسے پہنچی، زہرہ ان فرشتوں کے پاس گئی اب تورات میں بھی قرآن میں بھی فرشتے معصوم لکھے ہوئے ہیں۔ معصوم فرشتوں کے پاس وہ خاتون جاتی ہے اور عجیب بات ہے کہ وہ عشق و محبت میں مبتلا ہو جاتی ہے وہ خاندان میں تفرقے کا عمل ان سے نہیں پوچھتی ہے۔ وہ پوچھتی ہے کہ مجھے ایسا عمل بتائیں کہ آپ آسمان سے زمین پر آ گئے ہیں تو میں اڑ کے زمین سے آسمان پر چلی جاؤں وہ اسے ایسی بات سکھا دیتے ہیں وہ آسمان کی طرف اڑ جاتی ہے اور ایک ستارے کے قریب جاتی ہے۔ کشش ثقل کا اصول تو اب ہمیں معلوم ہوا ہے اس کی مدت تھوڑی ہے لیکن یہودیوں نے عجیب کہانی گھڑی انہوں نے کہا کہ ایک ستارہ جو حسن کا ستارہ تھا جب وہ اوپر گئی تو اس نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا وہ بالکل راکھ بن کے اس ستارے کے ساتھ چمٹی رہی چونکہ ستارے میں بے حد حرارت تھی لہذا اس ستارے کا نام زہرہ پڑ گیا اب بھی سات مشہور ستاروں میں ایک ستارے کا نام زہرہ ہے اور یہودی لٹریچر میں اس کا زہرہ نام رکھنے کی یہ وجہ ہے جو میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں اب ہمارے مفسرین نے بھی آنکھیں بند کر کے ایک دور گزارا ہے، آج ہم بھی

یہ باتیں گزر رہے ہیں، مستقبل کا محقق ہماری بھی بے شمار غلطیاں نکالے گا، اسے حق ہے نکالنے کا، جس طرح آج ہم پرانے دور کے ہوم کو قرآن میں داخل کرنے والوں کے خلاف بول رہے ہیں تو کل کا لکھنے والا جب بولے گا تو شاید آج کے سائنسی نظریات جو شیخ رشید رضا صاحب وغیرہ نے **المنار** وغیرہ تفاسیر میں داخل کر دیے ہیں، اگر پچاس سال کے بعد یہ نظریات غلط ثابت ہو جائیں تو کیا قرآن غلط ثابت ہو جائے گا؟ اس کا مطلب ہے کہ جس نے ان نظریات کو قرآنی آیات کے اندر وارد کیا ہے اس نے ظلم کیا ہے۔ قرآن کو قرآن رہنا چاہیے تھا۔ قرآن کو قرآن سے حل کیا جائے، قرآن کو حدیث کے ساتھ حل کیا جائے جس پر قرآن نازل ہوا ہے۔ قرآن کو عربی زبان سے حل کیا جائے، جس زبان میں یہ نازل ہوا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو رطب و یابس ہے وہ قرآن میں داخل کر دیا جائے۔ میں سلام کرتا ہوں روح البیان کے مصنف کو جس نے اس مقام سے گزرتے ہوئے (یہ صوفی تفسیر ہے اور شہرہ آفاق تفسیر ہے) انہوں نے کہا کاش ہمارے یہ مصنفین اپنی یہ لغویات قرآن کی تفاسیر میں نہ جوڑتے۔ اب پہلے میں اس طرح ترجمہ کرتا ہوں جس طریقے سے ان سارے مترجمین نے ترجمہ کر کے ان ساری باتوں اور متناقضات کو قرآن میں داخل کر دیا ہے۔ فرشتہ معصوم ہوتا ہے وہ اس قسم کے چکر میں کیوں پڑا؟ فرشتہ معصوم ہوتا ہے وہ پھر اپنی نورانی ذات سے بڑھ کر ایک خاتون کو اس نے وہ عمل کیوں سکھایا جس عمل کی بنیاد پر وہ زمین سے اڑ کر آسمان پر چڑھ گئی؟ فرشتہ معصیت ربانی سے دور ہوتا ہے کفر کی تعلیم کے لیے کوئی معصوم کبھی آیا ہو اس کی مثال نہیں ملتی! آدم علیہ السلام سے لیکر مصطفیٰ علیہ السلام تک توحید کی تعلیم کے لیے آتے تھے۔ جادو قرآن کہتا ہے کفر ہے تو کفر کی تعلیم کفر ہوتی ہے۔ ان سارے اعتراضات کا ان مفسرین کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ ترجمہ کر کے آگے بڑھ رہے ہیں آیئے پہلے ان کا ترجمہ کرتے ہیں پھر میں آپ کو بتاتا ہوں۔ یہ چھوٹے سے ایک لفظ سے لغزش کھا گئے اور پچھلے مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے! ترجمہ کیا تھا:

"**وما انزل**" اور جو اتارا گیا۔ میں ان کے مطابق ترجمہ کر رہا ہوں "**علی الملکین**" دو فرشتوں پر۔ جو شہر بابل میں تھے ان کا نام ہاروت اور ماروت تھا "**ومایعلمن**" اور وہ نہیں سکھاتے تھے دونوں۔ "**من احد**" کسی کو "**حتی یقولا**" یہاں تک کہ وہ دونوں کہتے تھے۔ "**انما نحن**" ہم تو صرف۔ "**فتنة**" آزمائش ہیں "**فلاتکفر**" تو کفر مت کر، کفر کی تعلیم دے کے فرما رہے ہیں لہٰذا کفر نہ کر عجیب بات ہے۔ "**فیتعلمون منهما**" وہ سیکھتے تھے ان دونوں سے۔ "ما" وہ چیز۔ "**یفرقون**" تفرقہ ڈال دیتے "**به**" اس کے ذریعے۔ "**بین المرء وزوجه**" آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان۔ وہ چیز سیکھتے تھے۔ "**وما هم بضآرین به**" حالانکہ وہ نہیں تھے ضرر پہنچانے والے اس جادو سے۔ "**من احد**" کسی کو۔ "**الا باذن الله**" مگر اللہ کے حکم سے اللہ کے حکم کے بغیر اثر پیدا نہیں ہوتا۔ "**ویتعلمون مایضرهم**" وہ سیکھتے تھے جو انہیں ضرر دیتا تھا "**ولا ینفعهم**" انہیں نفع نہیں دیتا

تھا۔ **"ولقد علموا"** انہیں پتہ تھا۔ **"لمن اشتره"** کہ جو اسے خریدتا ہے۔ جو جادو پر عمل کرتا ہے۔ **" ماله فی الاخرة من خلاق"** نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ۔ **" ولبئس ماشروا به انفسهم "** بدترین ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا۔ **"لو كانوا يعلمون "** کاش انہیں پتہ ہوتا۔

ترجمہ میں یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ دو فرشتے تھے یہ بابل میں تھے۔ مفسرین نے بتایا کہ یہ دو ایک کنویں میں الٹے لٹکے ہوئے ہیں اور سزا بھگت رہے ہیں کہ کیوں اس عورت کو ایسا جادو سکھا دیا تھا جس کی وجہ سے وہ آسمان پر چڑھ گئی۔ کیا معصوم سے ایسی غلطی سرزد ہوتی ہے جس کی سزا میں اسے ہزار ہا سال تک کنویں میں الٹا لٹکا دینا ہو؟ یہ کوئی عجیب سی بات ہے! کتنا چھوٹا سا لفظ ہے جس پر غور نہیں فرمایا گیا! اسے مفسرین میں علامہ قرطبی نے سب سے پہلے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور میں حیران ہوں کہ درسی کتابوں میں جناب علامہ شبیر احمد عثانی مرحوم ومغفور ساری زندگی بیضاوی پڑھاتے رہے اور بیضاوی میں یہ لکھا ہوا ہے اسی طریقے سے باقی مفسرین نے کیا۔ کیا ساری زندگی شاہ ولی اللہ کے خاندان نے بیضاوی نہیں پڑھی تھی جو درسی کتاب تھی انہوں نے لازماً پڑھی تھی۔

سلیمان نے کفر نہیں کیا۔ سلیمان علیہ السلام کا دامن صاف ہوگیا اب جو دو فرشتے آئے ہیں ان کا دامن بھی صاف ہونا چاہیے تاکہ یہودی کی یہ ساری بات ختم ہو جائے۔ قرآن نے یہاں پھر وہی لفظ استعمال کیا، **"وما انزل علی الملكين"** دو فرشتوں پر کچھ بھی نہیں اترا، جو بابل میں تھے جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا ان پر کچھ بھی نہیں اترا۔ جس طرح پہلے معصوم کی لفظ 'ما' سے نفی کی گئی تھی اسی طرح پچھلے معصوموں میں بھی 'ما' نے آ کے نفی کی تھی ان لوگوں نے 'ما' کا معنی نہیں کیا یعنی اس کا معنی 'نہ' نہیں کیا، اس کا معنی کیا گیا کہ جو کچھ اتارا گیا تھا۔ اب اس جو کچھ کے پیچھے پھر وہ یہودیوں کی کہانی نقل ہوگی حالانکہ قرآن اس کی نفی کر رہا تھا، نہ سلیمان نے جادو کر کے کفر کیا نہ ہاروت و ماروت نے جادو سکھا کے کفر کیا نہ انہیں یہ کہنے کی ضرورت تھی کہ ہم تو آزمائش ہیں تو کفر نہ کر یہ بات نہیں ہے۔ اب میرا خیال ہے کہ آیت کا مفہوم بالکل واضح ہوگیا ہے کہ جس طرح لفظ 'ما' نہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اسی طرح آگے بھی۔ **" وماآ انزل علی الملكين ببابل هاروت وماروت"**o یہاں بھی نہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جب یہ نہ کے معنی میں استعمال ہوا تو وہ ساری کی ساری عمارت دھڑام سے زمین پر آ گری جو یہودیوں نے صدیوں سے تصورات پر بنائی تھی اور قرآن نے ان دونوں کی نفی کی اب آگے چلیں۔

"ولو انهم آمنوا واتقوا لمثوبة من عند الله خير لو كانوا يعلمون"o

"اگر یہ یہودی بھی ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو ضرور وہ ثواب جو اللہ کی طرف سے تھا وہ بہتر تھا کاش یہ سمجھتے اس بات کو"۔

یہ قرآن کا جامع حکم ہوا کہ اصل بنیاد جس پر ہے وہ ایمان اور تقویٰ ہے، ایمان اور تقویٰ کے بغیر انسانی زندگی کی عظمتیں قائم نہیں ہوتیں، یہ وہ بنیاد ہے جس کی طرف اسلام ہمیں بار بار متوجہ کرتا ہے، اب ان کی تھوڑی سی لفظی تشریح کر دوں کہ جادو ہے کیا۔ جادو کو عربی زبان میں سحر کہتے ہیں س کے نیچے زیر ہے، اس پر زبر ہو۔ تو اس کا معنی سحری ہوتا ہے جو رمضان میں آپ صبح کھاتے ہیں اسے سحر کہتے ہیں وہ سحری نہیں ہوتی، وہ سحری ہے اور جادو جو ہے وہ سحر ہے۔ جادو کی حقیقت کیا ہے؟ لغت کی مشہور کتاب تاج العروس میں لفظ سحر کی شرح کرتے ہوئے لغوی طور پر انہوں نے یہ جملے استعمال فرمائے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

''جادو کی اصل یہ ہے کہ ایک شے کو اپنی حقیقت سے موڑ دیا جائے جو اس کی اصل حقیقت ہے وہ سامنے نہ آنے دی جائے کسی اور طرف موڑ دیا جائے۔ جادوگر جب باطل کو حق کی شکل میں دکھاتا ہے اور دوسروں کے ذہن کو اصل شے کی حقیقت کے خلاف موڑ دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے کسی شے کو اپنی اصل حقیقت سے موڑ دیا''۔

اسلام میں اس کی کیفیت یہ ہے کہ ایسے اعمال کر دیئے جائیں، شیطان اور شیطانی قوتوں کے قرب کی وجہ سے کہ آپ اصلیت کو جانچ نہ سکیں آنکھوں کے سامنے کچھ اور نظر آ رہا ہو کانوں میں کچھ اور سنا جا رہا ہو۔ جب ایسی کیفیت پیدا ہو جائیں تو اسے جادو کہا جاتا ہے ایسی کیفیات چونکہ انسان کے نقصان کے لیے پیدا کی جاتی ہیں اور انسان کا نقصان اسلام کے نزدیک بہت ہی بڑا گناہ ہے لہذا اسلام نے اسے کفر قرار دیا ہے امام اعظم جن کے ہم مقلد ہیں اور پاکستان میں غالب ترین تعداد حنفیوں کی ہے ان کا ارشاد یہ ہے کہ اگر جادوگر ایسے جادو کر کے انسانوں کو تباہ کرتا ہے، تو اسے اسلامی حکومت سزا دے گی۔ ان کا ارشاد ہے کہ ایسے جادوگر کو مار دیا جائے۔ اگر وہ تلوار چمکتی دیکھ کر کہہ دے کہ میں نے توبہ کر لی ہے تو اس وقت توبہ بھی قبول نہیں ہے توبہ کا وقت گزر چکا ہے۔ یعنی اس کی یہ بات اب ہم نہیں مانیں گے، کہ اس سے توبہ کرتا ہوں اور اسے چھوڑتا ہوں''۔ یہ امام اعظم یعنی امت کے سب سے بڑے فقیہی امام کا فتویٰ ہے، اب ہم نے سوچنا یہ ہے کہ ہمیں عمل کرنے کی کس حد تک اجازت ہے جادو تو سرے سے کفر ہے لیکن وہ عمل جو قرآن و حدیث میں ثابت ہے اسے انسانی تکلیف کے لیے کرنا حرام ہے اس بات کو آپ نوٹ فرمائیں ہماری فقہ کی کتابوں میں یہی باتیں لکھی ہیں مثلاً **الفقه على المذاهب الاربعه** یہ قانون کی دور حاضر کی مستند ترین کتاب ہے یہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں اسلامی قانون کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مطلب یہ ہے۔ ''چار مذاہب کے مطابق اسلامی قانون'' وہاں انہوں نے لکھا ہے کہ مثلاً آپ لفظ رحمٰن پڑھتے ہیں اور مقصد کسی کی رسوائی ہے اس انداز سے لفظ رحمٰن پڑھنا بھی حرام ہے حالانکہ ویسے آپ رحمٰن کہیں تو اس سے پانچ برکات ہوتی ہیں اس کے کہنے سے آپ کو پچاس نیکیاں ملتی ہیں لیکن جب اس کا مصرف غلط ہو گیا ہے اور اس کو برے مقاصد کے لیے پھیلایا جا رہا ہو۔ آج ہمارے بے شمار مسلمان اذیت والے معاملات کرتے ہیں رحمت والے معاملات نہیں اور ہمارے ملک میں خاص طور پر دو طبقات ایک تو

Marfat.com

عیسائیوں کا ایک مخصوص طبقہ ہے جو اس قسم کے عملیات میں مصروف ہے دوسرا مسلمانوں میں سے ایک برادری کے لوگ جو اس بات میں مصروف ہیں ایسی باتیں جو انسانوں کی اذیت کے لیے ہوتی ہیں اسلام ان کے شدید مخالف ہے، اب آپ اگر لفظ رحمٰن پڑھ رہے ہیں اس کی برکات اگر فوری طور پر ظاہر نہیں ہو رہی ہیں تو کوئی بات نہیں وجہ یہ ہے کہ اگر یہی ظاہری زندگی ہوتی تو آپ کہہ دیتے کہ معاوضہ نہیں ملتا جب آپ کے نزدیک اور زندگی بھی ہے قبر بھی ہے حشر بھی ہے جنت بھی ہے۔ معاوضہ تو مل جائے گا یہاں نہیں ملا تو کیا بات ہے دوسری دنیا میں مل جائے گا اور شاید پھر دوگنا ملے چونکہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے ایک بندہ اخروٹ جتنی شے اللہ کی رضا کے لیے دیتا ہے اللہ کتنا کریم ہے! فرماتے ہیں اللہ اپنی انگلیوں میں پکڑ لیتا ہے۔ یہ سمجھانے کا انداز ہے ورنہ انسانوں جیسی انگلیاں اللہ کی کوئی نہیں ہیں۔ اللہ انگلیوں میں پکڑ لیتا ہے اس کی تربیت کرتا ہے جب قیامت کو وہی اخروٹ جتنی غذا اسے ملے گی تو وہ ایک پہاڑ بنی ہوگی چونکہ اللہ کریم کی توجہات عالیہ کا وہ مرکز بن چکا ہے تو آئیے ان باتوں کی طرف ہم بڑھیں، یہ تھا جادو کے متعلق اسلام کا نظریہ جو میں آپ حضرات کے سامنے پیش کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا

اے ایمان والو! (میرے حبیبؐ سے کلام کرتے وقت) مت کہا کرو راعنا بلکہ انظرنا کہا کرو اور (ان کی بات) غور سے سنا کرو

وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾

اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے ۹۹

۹۹اب آگے الفاظ جو آتے ہیں وہ ایک اور مسئلہ ہے ان کے اندر کی جو بیماری تھی وہ ہر دور میں کسی نہ کسی طریقے سے ظاہر ہوتی رہتی ہے جناب موسیٰؑ کو انہوں نے بڑا تنگ کیا عیسیٰؑ کو مارنے کے لیے تو ان کے مکان کو بھی آ کے گھیر لیا تھا جس میں وہ تشریف فرما تھے میں پہلے ایک لیکچر میں عرض کر چکا ہوں کہ تورات کے اندر موجود ہے کہ انہوں نے آٹھ نبیوں کو قتل کیا تھا طرح طرح کی سزائیں دی تھیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی تھیں۔

قرآن نے بھی کئی جگہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا جو قرآن کے پہلے مخاطب تھے یعنی صحابہ اور اہل بیت کہ میرے رسول سے بار بار سوال مت کرو جس طرح یہودی اپنے رسولوں سے کرتے تھے اس بات سے روک دیا گیا۔ اب وہی جو ان کا سابقہ مرض تھا یہاں بھی آ کے ظاہر ہوا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل میں آ کے بیٹھتے تھے، اور ایسے الفاظ زبان پر لے آتے تھے، جو ذو معنی ہوتے تھے، ذو معنی لفظ وہ ہوتا ہے جس کے ایک سے زیادہ معنی نکلتے ہوں، ابھی میں آپ کے سامنے معنی کر رہا تھا کہ یتلو کا مصدر تلاوت ہو تو یہ معنی ہے اور اس کے ساتھ دوسرا یہ معنی ہے، اس قسم کے ذو معنی الفاظ استعمال کر کے جو مکروہ معنی ہوتا تھا وہ مراد لیتے تھے۔ ایک عربی کا لفظ ہے جو اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی مراعات، میں تو آپ سے مراعات چاہتا ہوں، رعایت چاہتا ہوں تو اس مراعات کا امر عربی زبان میں ہے راع، آپ رعایت کریں، آپ مجھے مراعات دیں اس معنی میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے صحابہ عالی مقام اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کرتے تھے اور جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بات فرما رہے ہوتے جو کسی خاص علمی نوعیت کی حامل ہوتی اور سمجھ نہ آتی تو وہ کہتے تھے یا رسول اللہؐ راعنا۔ حضورؐ آپ ہماری رعایت فرمائیں، اب جب یہودی آپ کی محفل میں آتے تو اسے ایک اور مفہوم میں ادا کرتے جو عربی نہیں عبرانی کا معنی تھا، اور چونکہ تورات عبرانی

میں نازل ہوئی تھی، اس وقت اس کا معنی بے وقوف ہوتا تھا ایک بات، یہ بھی کچھ مفسرین نے لکھی ہے مودودی صاحب نے بھی یہی معنی مراد لیا ہے لیکن جو میں سمجھتا ہوں اس سے ہٹ کے ہے، وہ یہ ہے کہ 'ع' کی زیر کو تھوڑا کھینچ دیتے تھے، تو 'ع' کی زیر کو تھوڑا کھینچیں تو عربی میں زیر کو کھینچنے سے 'ی' پیدا ہوتی ہے، زبر کو کھینچنے سے 'الف' پیدا ہوتا ہے، پیش کو کھینچنے سے 'و' پیدا ہوتی ہے، لہذا عربی میں پیش کو 'و' کی بہن کہتے ہیں، زیر کو 'ی' کی بہن کہتے ہیں، اور زبر کو 'الف' کی بہن کہتے ہیں، عربی زبان کا انداز ہے، اب جب اس کو تھوڑا سا لمبا کر دیں تو 'راعی' بن جاتا ہے، اور 'راعی' کا مطلب ہوتا ہے چرواہا، تو مدینہ کے جو یہودی تھے، وہ سارے عربوں کو چرواہے شمار کرتے تھے، چونکہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرب برادری اور ہاشمی خاندان سے تھے، اس طریقے سے تلفظ کرتے کہ نہ پتہ چلتا کہ یہ **'راعنا'** کہہ رہے ہیں یا **'راعینا'** کہہ رہے ہیں، 'زیر' کو لمبا کر جاتے تھے، جب سوال ہوتا تو کہتے کہ جی نہیں میں تو 'ع' کے نیچے زیر پڑھ رہا ہوں، اس کا لفظی مطلب بن جاتا **"راعینا"** ہمارا چرواہا، آپ کو ایک علمی نکتہ سمجھا رہا ہوں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد عالی ہے۔

میں نے بکریاں چرائی ہیں، اور نبیوں کی تربیت کرنے کے لیے اللہ نے ان سے بکریاں چروائی ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے ساری کائنات کا چرواہا بننا ہوتا ہے، لہذا ان سے پہلے بکریاں چرواکے وہ سلیقہ آپ نے سیکھا ہے۔ ایک دفعہ پیلو کا درخت ہوتا ہے کچھ پیلے رنگ کے پیلو ہوتے ہیں اور کچھ سیاہ رنگ کے پیلو ہوتے ہیں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے فوائد بیان فرما رہے تھے، کچھ نوخیز نوجوانوں نے کہا حضور معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگلوں میں پھرتے رہے ہیں، وہاں بھی آپ نے فرمایا جی میں نے بکریاں اور بھیڑیں چرائی ہیں، تاکہ نبیوں کی جو سنت ہے اسے میں پورا کرسکوں، اب یہ تو انسانی عظمت ہے کہ عام انسانوں جیسا کام نبی کردیتا ہے، اور اس پر تھوڑا غور کریں تو ایک اور نکتہ سمجھ آجائے گا، مزدور مزدوری کرتا رہے تو خبر نہیں بنتی، ملک کا سربراہ کسی دن بیلچہ لے کر مزدوری کر رہا ہو تو خبر بن جائے گی، چرواہا بھیڑیں چراتا رہے تو اس کا کمال نہیں ہے نبی کا کمال ہے کہ وہ بھیڑیں چرانے لگ جائے، وہ اپنی عظمتوں سے اتنے نیچے اتر کے انسانیت کا ہاتھ پکڑے تو یہ اس کی عظمت ہے، لیکن چونکہ وہ اس معنی میں نہیں لے رہے تھے، کہ یہ ایک اچھی اور محمودہ صفت ہے، انہوں نے معنی بدل دیا، کہا کہ یہ ان پڑھ لوگوں کا ساتھی ہے، یہ نبوت کا دعویدار ہے، ذہن میں یہ بات اور یہ خباثت رکھ کے، انہوں نے کہا 'راعنا' اب یہ لفظ بالکل بجا ہے آپ میری مراعات کریں آپ مجھے رعایت دیں، ذرا دوبارہ یہ فقرہ سمجھادیں مجھے سمجھ نہیں آرہی لیکن جب انہوں نے اس کا معنی اور مفہوم کچھ اور لیا جس سے نبوت کی عظمت پر ذرا سی گستاخی کا چھینٹا پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فوراً فرمایا اس لفظ کو لغت سے نکال دو، چھوڑ دو اس لفظ کو۔ پھر ارشاد فرمایا!

یٰٓایھا الذین امنو ا لا تقولو اراعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکفرین عذاب الیم "o

ایماندارو! تم راعنا مت کہو اس کو چھوڑ کر تم کہو انظرنا اور ان کی بات غور سے سنا کرو، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کرم فرمائیں بات کو دہرادیں' لفظوں کا معنی ایک ہی ہے لیکن وہاں مفہوم ایک ایسا آ گیا تھا کہ اس کو چھوڑنا ضروری تھا۔ اب ہمارے اردو لٹریچر میں بے شمار کتابوں میں بڑے آدمیوں نے لکھ دیا کہ نبی کی عزت اس طرح کرو جس طرح بڑے بھائی کی کرتے ہو۔ انہوں نے بڑے بھائی کا مقام نبوت سے کہاں جاملایا کیا یہ بھی کوئی بات ہے۔ بس نبی بھی ایسے آتا ہے جس طرح کوئی گاؤں کا چوہدری آجائے' "میں آکھیا کہ اے مولوی کسے چوہدری دے ہتھے چڑھیا نہیں جس ویلے کسی چوہدری دے ہتھے چڑیا تے تینوں اس ویلے لگ پتہ دیسی" اور یہ اس طرح بڑے بھائی والا معنی نہیں کرے گا۔ جس طرح گاؤں کا چوہدری ہوتا ہے اسی طرح نبی بھی آجاتے ہیں تو یہ مقامِ نبوت کے خلاف بات ہے۔ یہ اس قاعدے کے خلاف ہے جو قرآن نے یہاں ذکر کیا ہے کہ ہر وہ لفظ جس میں ذرا بھی بے ادبی کا احتمال ہو وہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف استعمال کرنا بے حد گناہ کی بات ہے، اور اسی مفہوم میں اسے لے کے استعمال کیا جائے تو کفر ہے، آیئے اس سلسلے میں بھی میں ایک عبارت نقل کرتا ہوں، انہیں کی لغت کے جو بہت بڑے امام ہیں امام قرطبی، وہ کہتے ہیں۔

"اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ایسے الفاظ سے بچا جائے جن میں نقصِ شان کا احتمال ہو، ایسا کوئی لفظ بھی کسی نبی کی شان میں استعمال نہ کیا جائے جس سے نبی کی شان میں فرق آتا ہو"۔

اب یہاں ہمارے ہاں جو بشر بشر کی رٹ لگی ہوئی ہے بشر کا معنی بالکل ٹھیک ہے، لیکن جس معنی میں ہم بشر کو استعمال کرتے ہیں وہ ان ساری اچھی اور بری صفات کا مجموعہ ہے جو انسان میں ہوتی ہیں اس معنی میں اگر بشر لیا جائے تو نبی معصوم خطا سے پاک ہوتا ہے اس معنی میں نبی کے لیے بشر استعمال کرنا کفر ہوتا ہے آپ اگر کبھی استعمال کرنا چاہیں تو یوں استعمال کریں کہ سید البشر، بشر کا آقا، مولیٰ البشر، امام البشر، جب تک ساتھ کوئی نسبت نہیں کریں گے صرف بشر کہنا تحقیق کی دنیا میں کفر کے مترادف ہے لہٰذا اس لیے اس سے بچا جائے کہ اس آیت میں ہمیں ادب سکھایا گیا ہے۔ جس معنی میں ہم بشر استعمال کرتے ہیں جو عام طور پر سامنے آتا ہے، بہت سارے علاقوں میں کسی کو گالی دینی ہو تو اسے کہتے ہیں بشرا، تو پھر ہمارے ہاں چونکہ اس لفظ میں وہ لطافت نہیں ہے، لہٰذا اسے جب بھی استعمال کیا جائے تو اضافت کے ساتھ استعمال کیا جائے، یہ بصد ادب درخواست ہے۔

Marfat.com

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں، اگر ایسا کوئی لفظ بھی کسی کی زبان پر آجائے، چاہے وہ اس کا معنی مراد نہ لے رہا ہو، اور اس سے شان رسالت میں گستاخی کا پہلو نکلتا ہو تو اسے اسی (80) کوڑے ضرور مارے جائیں، یہ حضرت امام مالکؒ، امام مدینہ کا فتوی ہے۔ تو قرآن نے ارشاد فرمایا! کہ "راعنا" نہیں کہنا ہے، تم کہو کہ "محبوب نظر کرم فرمائیں"، لیکن ایک بات تم بھی یاد رکھو، جب وہ بول رہے ہوں تو سارے وجود سمیت کان بن جاؤ، "واسمعوا" توجہ سے سنو۔ اس کا میں مفہوم یوں بیان کرتا ہوں کہ کبھی انسانی فطرت سمٹ کے ایک نکتے پر آجاتی ہے اس وقت تم سراپا کان ہی کان بن جاؤ مطلب یہ ہے کہ تمہاری توجہ کسی بھی اور بات کی طرف نہ ہو صرف زبان اقدس سے نکلنے والے الفاظ کی طرف ہو، یہ عام محفل میں پہنچنے والے لوگوں کی بات ہے، ورنہ صحابہ کرامؓ تو اسی انداز کے تھے۔ "وللکفرین عذاب الیم" ٥ کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ جنہوں نے توہین رسالت کی ہے وہ کافر ہیں تبھی تو اس آیت کا اختتام ان الفاظ سے کیا، کہ کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ
نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب سے اور مشرک کہ اتاری جائے تم پر کچھ بھلائی
رَّبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۱۰۵﴾
تمہارے رب کی طرف سے اللہ خاص فرما لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل فرمانے والا ہے ۱۰۰

۱۰۰ "مایود الذین کفروا من اھل الکتب ولا المشرکین ان ینزل ...... ٥"

نہیں چاہتے، کون نہیں چاہتے، اہل کتاب کافر، اور مشرکین، چونکہ ایک طرف تو یہودی اور نصرانی تھے دوسری طرف مشرک تھے، مشرک اور اہل کتاب دونوں قسم کے کافر نہیں چاہتے تھے، کہ تم پر اتاری جائے کوئی اچھائی رب کی طرف سے، اچھائی سے مراد یہاں وحی ہے، تمہارے پاس وحی آئے اس بات کو یہ لوگ نہیں چاہتے، اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے خاص کر دیتا ہے، ان کا خیال یہ تھا کہ نبوت صرف حق ہے اسرائیلیوں کا، یہ نبوت اسماعیلیوں میں کیوں چلی گئی ہے، لہذا ان کے پاس وحی نہیں آنی چاہیے، ہم وحی کے بھی دشمن ہیں جو وحی مصطفی علیہ السلام پر نازل ہو، اور ہم اس فرشتے کے بھی دشمن ہیں جو فرشتہ ایسی وحی لے کر سرکار علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وحی بھیجنے والا تو میں ہوں، فرشتہ تو ایک آلہ کار ہے جس کے

Marfat.com

ذریعے یہ کام ہو رہا ہے، تو میں جسے چاہتا ہوں اپنی رحمت سے خاص کر دیتا ہوں، اللہ بڑے فضل والا ہے، اور وہ بڑا فضل اب مصطفیٰ علیہ السلام کے پاس ہے، قرآن نے دوسری جگہ خود اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا! "**وکان فضل اللہ علیک عظیماً**"۔ "محبوب آپ پر عظیم فضل ہے"۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا ؕ
جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا (کم از کم) اس جیسی
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾
کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے ۱۰۱

"ما ننسخ من ایۃ اوننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر"٥

۱۰۱ اسلام پر مستشرقین نے بے شمار اعتراضات کیے اور یہ آیت ان کی بحث کا اہم ترین موضوع تھا ان کا اعتراض یہ تھا کہ آج ایک حکم آتا ہے اور کل وہ منسوخ ہو جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ یا تو اللہ تعالیٰ کی حکمتوں میں (العیاذ باللہ) کمی تھی، کہ کل ایک بات آج دوسری بات یا یہ قرآن انسانوں کا بنایا ہوا تھا، کہ آج ایک بات کہی اور کل دوسری، یہی وہ بات تھی جسے یہ لوگ بار بار اچھال رہے تھے، لہذا ضروری ہے کہ جو ہمارا نظریہ 'نسخ' پر ہے وہ سامنے آئے۔ پہلی بات یہ کہ کیا یہودیت یا عیسائیت نے ان باتوں کو تورات وانجیل میں منسوخ نہیں کیا جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں تھیں، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ادوار میں تھیں، اگر انہیں منسوخ کیا ہے اور یقیناً منسوخ کیا ہے تو جو اعتراض آپ لوگ آج ہم پر کر رہے ہیں وہی پلٹ کر آپ پر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں 'نسخ' سے مراد کیا ہے، علماء اسلام اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟ اس آیت مقدسہ سے 'نسخ' سے مراد میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہاں قرآن نے جو نسخ کی بات کی ہے وہ قرآنی آیات کے منسوخ ہونے کی طرف ثانوی حیثیت سے ہے، اصل یہاں نسخ سے مراد یہ ہے کہ جو تورات وانجیل میں سابقہ آیات تھیں، جس طرح تورات وانجیل نے سابقہ آیات کو منسوخ کر دیا اسی طرح قرآن نے آکر اپنی ماقبل کی آیات کو منسوخ کر دیا ہے اور یہی بات ہے جو مستشرقین کو پسند نہیں ہے، ثابت ہوا کہ قرآن پاک نے اپنی ماقبل کی کتابوں کو منسوخ کر کے نئے احکام جاری کیے، نئے احکام کی حکمت یہ تھی کہ انسانیت بتدریج۔۔۔

Marfat.com

پانچ جو باطنی کیفیات ہیں ان کی مدد سے بھی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی، تو ایک بات حضرت صدیق اکبرؓ نے اس مقام سے گزرتے ہوئے بڑے ہی پتے کی کہی ہے کہ! ''آپ کسی چیز کی سمجھ سے عاجز آ گئے ہوں اور یہ کہنا کہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی یہ بھی سمجھ ہے''۔ اس بات کا اقرار کر لینا کہ یہ چیز میری سمجھ میں نہیں آ رہی یہ بھی سمجھ ہے اور عقل کے مطابق بات ہے، تو یہاں اللہ کے لفظ پر ہماری یہی کیفیت ہو جاتی ہے، لہذا ہمارا ہاتھ پکڑنے کے لیے وہ اپنے نام کے ساتھ رحمٰن بھی کہہ دیتا ہے، رحیم بھی کہہ دیتا ہے، پھر ہم اپنے اوپر اس کی رحمتوں کو دیکھتے ہیں، تو پھر اس کی طرف لپکتے ہیں، پھر وہ اپنے تعارف کے لیے ربّ العلمین بھی کہہ دیتا ہے، یہاں ایک چھوٹی سی مثال آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ آپ صرف سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود پاک کو سامنے رکھ لیں اور پھر ایک بات کو سوچیں کہ اپنے محبوب ﷺ کو رحمت للعالمین بنانے کے لیے رب نے تربیت کے کون کون سے سانچے ڈھالے ہوں گے، تو اس ایک چیز کو سوچتے ہوئے انسان بوڑھا ہو جائے گا لیکن ربّ کریم کی تربیت کا وہ انداز جس سے اس نے اپنے محبوب کو رحمت العلمین کے مرتبے پر فائز کیا وہ سمجھ نہیں سکے گا، اور پھر جب آپ اسی تربیت کو آگے لے کے چلیں گے تو خدا جانے آپ کو کس کس سے واسطہ پڑے گا، اور یہ تربیت کس کس انداز سے میرے کریم ربّ نے کی ہوگی، اور یہ تربیت صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں ہے، ابھی میں کہہ چکا ہوں کہ عالمین تک محدود ہے، اس کی تربیت کا کیا رنگ ہے کہ زمین سے تو ایک اکھوا (ننھی سی کونپل) سا نکلا تھا اور جب نتیجے پر پہنچا تو وہ گلاب کا پھول تھا، زمین کی مٹی میں یہ رعنائی کس نے ڈال دی ہے، زمین کی مٹی میں یہ رنگ کس نے ڈال دیا ہے، چونکہ زمین میں نظر نہیں آتا لیکن گلاب کے پھول میں یہ رنگ موجود ہے، اسی طرح زمین کی مٹی میں یہ خوشبو کہاں سے آئی ہے، تبھی تو ربّ کریم نے کہا! **''تبارک اللہ احسن الخالقین'' ۝** ''وہ کتنا برکت والا ہے گھڑنے اور بنانے والے سے حسین تر بنانے والا ہے''۔ تو یہ وہ بات ہے جسے یہاں کہا گیا کہ وہ عالمین کی تربیت کر رہا ہے صرف انسانوں کی نہیں، سورج کی تربیت کس طریقے سے ہوئی ہے، یہ کب سے روشنی بکھیر رہا ہے، کہ اس روشنی کے لیے بھی کسی نے آپ کو مہینے کے بعد آ کے بل دیا ہے کہ جناب آپ نے مہینے میں اتنی توانائی صرف کر دی ہے اس کے پیسے جمع کرا دیں، اس نے کب تک روشنی بکھیرتے رہنا ہے، یہ کس کی تربیت کا اثر ہے، یہ اس کی تربیت کا اثر ہے جو اپنا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے ربّ العلمین۔ اب آپ دیکھیں کہ جو تربیت پا رہے ہیں ان کے لیے وے آف لائف یعنی زندگی کے راستے متعین ہیں، میں ایک انتہائی اہم نکتہ عرض کرنے لگا ہوں، پوری توجہ سے اس نکتے کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، کہ جن کی بھی تربیت ہو رہی ہے، ان کے لیے راستے متعین ہیں، سورج اپنے راستے پر جا رہا ہے، چاند اپنے راستے پر جا رہا ہے، موسم اپنے راستے پر جا رہا ہے، پانی اپنے راستے پر بہہ رہا ہے، نظام فطرت میں کوئی بھی نظام دوسرے نظام سے نہیں الجھتا، اور وہ امت جس نے اس نظام کو اس کائنات میں پیش کیا وہ آپس میں لڑنے لگ جائے، اس امت کے آدمی ایک دوسرے کو مارنے لگ

Marfat.com

آگے بڑھتی جارہی ہے، اب اسے وہی دین درکار ہوگا جو بالغ انسانیت کے کام آسکے۔

نسخ کی تعریف: ''بچہ پیدا ہوتا ہے آپ اسے جو غذا دیتے ہیں وہ چار یا پانچ سال کے بعد بدل جاتی ہے تو گویا جو پرسوں غذا تھی وہ آج نہیں ہے یہی تو نسخ ہے لہذا انسانی وجود کے اندر ابتداء سے لے کر انتہاء تک نسخ چلتا رہتا ہے۔ آپ نے ایک موسم میں دیکھا کہ پھول کھل اٹھے دوسرے موسم میں دیکھا کہ پتوں کو ہوا دوش پر اڑا کر لے جارہی ہے یہی نسخ ہے، نسخ کبھی کائناتی اور کبھی وجودی ہوتا ہے، یہ نسخ ہم روزانہ ملاحظہ کرتے رہیں تو اعتراض کوئی نہیں، اور جب اللہ کریم کہہ دے کہ تمہارے ذہنوں کی رسائی کے مطابق یا عملی زندگی کی رسائی کے مطابق بھی نسخ ہوتا ہے تو وہاں ہمیں اعتراض کا حق نہیں ہے۔

علماء کرام نے کوشش کی کہ کم سے کم آیات منسوخ قرار دی جائیں اور برصغیر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنا پورا زورِ قلم اس موضوع پر صرف کیا، انہوں نے آیات کے نئے مفہوم سامنے رکھ کے نسخ کو محدود کرنے کی کوشش کی، اور پندرہ آیات ان سے رہ گئیں جن کے لیے نسخ کی کوئی تاویل نہیں فرما سکے، اور فرمایا کہ یہ زیادہ سے زیادہ منسوخ ہیں لیکن آنے والے محققین شاید ان سے بھی نسخ کر کے دکھا سکیں۔

معاشرہ ہمیشہ تدریجی ارتقائی مراحل طے کرتا رہتا ہے، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابتدائی دور کا معاشرہ جاہلیت کا تھا، سرکار نے جو احکام انہیں عطا فرمائے وہ تدریجی احکام تھے، مثلاً کتبِ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ محفل پاک میں آنے والے لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ میری محفل میں آکر بیٹھ جایا کرو، جو میں کہتا رہوں اسے سنتے رہو، چند ہفتوں کے بعد جب یہ عادت پختہ ہوگئی تو فرمایا کہ وضو کر کے بیٹھ جایا کرو، یہ عادت جب پختہ ہوگئی تو فرمایا کہ جس طرح میں کرتا ہوں اسی طرح کیا کرو، اب نماز کے لیے کافی تدریجی مرحلہ طے کرنا پڑا اور آخری مرحلے پر جا کر فرمایا کہ اب بات پختہ ہوگئی ہے اب اس میں مزید ترمیم یا تنسیخ نہیں ہوگی۔ مثلاً آپ ایک معاشرے کو مسلمان کرتے ہیں کیا وہ کلمہ پڑھنے کے بعد آپ کے ساتھ اگلی نماز پڑھ سکے گا؟ اس کا مطلب ہے اس معاشرے میں وہی تدریجی ارتقاء ملحوظ رکھنا ہوگا جو سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دورِ اقدس میں تھا، تو اس تدریجی ارتقاء کا نام نسخ ہے، شہرہ آفاق تفسیر مدارک میں باعتبار لغت نسخ کا معنی یہ ہے۔

"تفسیر النسخ لغۃ التبدیل" نسخ کی تفسیر یہ ہے کہ ایک حکم کو کسی اور حکم سے بدل دیا جائے، اور تشریع میں نسخ کا معنی یہ ہے کہ **"بیان انتہاء الحکم الشرعی المطلق"** شریعت میں ایک مطلق حکم تھا اس کے متعلق بتادینا کہ آج یہ ختم ہوگیا ہے۔

اب ہمارے ذہنوں میں یہ بات آتی تھی کہ یہ حکم باقی رہے گا لیکن شارع علیہ السلام کے ذہن پاک میں یا شریعت بھیجنے

والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ صرف بیان تھا، یعنی پہلے حکم کا ایک بیان، ہمارے حق میں تو یہ تبدیلی ہوئی لیکن شریعت بھیجنے والے کے حق میں یہ تبدیلی نہیں ہے بلکہ صرف ایک بیان ہے، علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں!

" النسخ بیان المحض لانتهاء الحکم الاول " پہلے حکم کے خاتمے کے لیے نئے حکم کو بیان کردینا، یہ بات نسخ کہلاتی ہے، اس آیت سے کیا مراد ہے کیا قرآنی آیت مراد ہے تو یہی موضوع بحث ہے کیا وہ منسوخ ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اور اگر آیت سے مراد کائناتی نشانات ہیں تو وہ روزانہ مٹتے رہتے ہیں اور روزانہ بنتے رہتے ہیں، لہذا وہاں تو نسخ جاری ہے اس میں کسی مسلمان، عیسائی، یہودی اور دھریے کو اعتراض نہیں کہ کائنات میں ہمارے سامنے تبدیلیاں آتی رہتی ہیں تو جس کائنات میں ہم رہتے ہیں اگر اس میں تبدیلی آجائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو روح کی دنیا میں اگر تبدیلی تدریجی ارتقاء سے آتی رہے تو اس میں بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے، یعنی ایمان قبول کرنے کے بعد عظمتِ ایمان کے لیے اگر کچھ باتیں کرنی پڑیں اور کچھ نہ کرنی پڑیں تو چھوڑنا بھی اور کرنا بھی نسخ ہے، لہذا ان کا ہونا ایک روحانی ترقی کے لیے ضروری ہے۔

''ہم جس آیت کو منسوخ فرمادیتے ہیں، **"او ننسها"** یا وہ بھلا دیتے ہیں، **"نات بخیر منها"** ہم لے آتے ہیں اس سے بڑھ کر۔ اس سے افضل، اس سے اعلیٰ۔ **"او مثلها"** یا اس جیسی ایک اور آیت (اس سے بڑھ کر یا اعلیٰ کا میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ پیچھے وہ حکم آجاتا ہے جو اٹل ہوتا ہے اور اس جیسی کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تدریجی ارتقاء ہو رہا ہے کہ اگلا حکم بھی شاید کچھ وقت کے بعد منسوخ ہو جائے)۔ **"الم تعلم "** مخاطب تجھے نہیں پتا۔ **"ان اللّٰه علی کل شی ء قدیر"** ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، عام مترجمین نے **'الم تعلم'** سے مراد مخاطب سرکار علیہ السلام کو سمجھا، حالانکہ یہ غلط ہے اکثر مقامات پر حاضر کا لفظ سرکار علیہ السلام کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن سرکار علیہ السلام کی ذاتِ اقدس مراد نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ جملہ مقام نبوت پر فٹ نہیں بیٹھتا، مثلاً مجھے معلوم ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو جس پر قرآن نازل ہو رہا ہے انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟ اس لیے جہاں بھی ایسے مقام پر خطاب واحد حاضر کے لفظ سے آتا ہے اس سے مراد سرکار علیہ السلام کی ذاتِ اقدس نہیں ہوتی، بلکہ قرآن کا ہر قاری ہوتا ہے، یہاں یہی بات ارشاد فرمائی کہ اے مخاطب کیا تجھے پتہ نہیں ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قدرتوں کا تو بیرونی دنیا میں ہر جگہ مشاہدہ کرتا رہتا ہے، تو جب اللہ کریم باطنی دنیا میں بھی تبدیلی کے لیے احکام بدل دے تو اس وقت تجھے اعتراض کرنے کا حق کہاں سے مل جاتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

ایک نکتہ قدرت مشیت کے تابع ہوتی ہے۔ جس کو اللہ چاہے وہ قدرت کے اندر شامل ہے جسے اللہ نہ چاہے وہ تحت قدرت آتا نہیں لہذا ہر وہ شے جو عیب ہے وہ مشیت الٰہی کے تابع نہیں آتی لہذا جھوٹ عیب ہے تو یہ قدرتِ الٰہی کے تحت نہیں آئے گا۔ وعدہ خلافی عیب ہے یہ قدرتِ الٰہی کے تابع نہیں آئے گی۔

Marfat.com

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
کیا تمھیں نہیں پتہ کہ اللہ کے لیے ہے زمین اورآسمانوں کی بادشاہی
وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾
اور تمھارا اللہ کے سوا کوئی یار و مددگار نہیں ۱۰۲

"الم تعلم ان اللّٰہ لہ ملک السمٰوٰت والارض ومالکم من دون اللّٰہ من ولی ولانصیر "o

۱۰۲ "کیا اے مخاطب تو نہیں جانتا کہ یقیناً اللہ کے لیے ہے زمین وآسمانوں کا ملک اللہ کے مقابلے میں آپ کسی کو اپنا دوست یامددگار بنائیں (چونکہ وہ سب اللہ کی مخلوق ہے) تو کوئی تمہارا دوست یامددگار نہیں"۔

مفسرین نے کہا کہ اس دنیا میں جو دوست ہوتا ہے وہ ولی ہے اور جو آخرت میں مددگار رہوتا ہے وہ نصیر ہے، ایک منشاء اللہ تعالیٰ کا ہو اور آپ کا منشاء اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر ہو، پھر آپ خیال کریں کہ اللہ کے مقابلے میں کسی اور کو لے آئیں گے تو یہ بات ناممکن ہے۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ
کیاتم یہ چاہتے ہوکہ پوچھو اپنے رسولؐ سے (ایسے سوال) جیسے پوچھے گئے موسیٰ سے پہلے اور جو بدل لیتا ہے
الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾
کفر کو ایمان سے وہ (قسمت کا مارا) تو بھٹک گیا سیدھے راستہ سے ۱۰۳

۱۰۳ "ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسیٰ من قبل "o ام' بمعنی بل، عام طور پر ام' کا معنی بل کے طور پر آتا ہے جیسے "ام تریدون" بلکہ تم تو چاہتے ہو۔ "ان تسئلوا" کہ تم سوال کرو۔ "رسولکم" اپنے رسول سے۔ "کماسئل" جس طرح کیے گئے۔ "موسیٰ من قبل "موسیٰ علیہ السلام اس سے پہلے محض الجھاؤ کے لیے، قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے بے پناہ سوال کیے، مثلاً گائے کے ذبح کے لیے کتنے سوالات کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب کی بارگاہ اقدس میں اطاعت شعاری کام آئے گی، جس طریقے سے فرمائیں تم کرتے جاؤ۔ میں نے جہاں تک مطالعہ کیا اس

Marfat.com

نتیجے پر پہنچا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک، تمام صحابہ نے لفظ کیوں اپنی زندگیوں سے نکال دیا تھا، میں کسی عارف کو پڑھ رہا تھا تو فرمایا کہ جو کیوں کرے اس کے گلے میں دو کیوں ڈال دو۔

"ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل" ٥ اور جو تبدیل کر دیتا ہے کفر کو ایمان کے ساتھ پس وہ بھٹک گیا سیدھے راستے سے، راہیں دو ہیں ایک ہدایت کی ایک گمراہی کی۔ اب جو شخص ایمان کی راہ چھوڑ کر کفر کی راہ پر نکلا وہ اتنا دور نکل گیا کہ اس کی زندگی کا انداز بدل گیا۔

وہاں کے لوگ ایک اور بات چاہتے تھے جب دیکھا کہ اسلام روز بروز پھیلتا جا رہا ہے تو روکنے کا طریقہ یہ اختیار کرتے کہ پاس آکر بیٹھتے شبہات پیدا کرتے، کچھ اعتراضات کرتے، کچھ کہتے کہ فلاں باتیں جو سابقہ مذہب میں تھیں وہ بہت اچھی تھیں، آیئے واپس پلٹ جائیں ان کی اس خصلت کو قرآن نے ان الفاظ سے تعبیر فرمایا!

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ

دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہلِ کتاب کہ کسی طرح تمہیں بنا دیں ایمان لانے کے بعد کافر (ان کی یہ آرزو) بوجہ حسد کے ہے

عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ

جو ان کے دلوں میں ہے اس کے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے اُن پر حق پس معاف کرتے اور درگزر کرتے رہو یہاں تک اللہ بھیج دے اپنا حکم

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۱۰۴

۱۰۴ **"ود کثیر من اھل الکتاب لو یردو نکم من بعد ایمانکم کفاراً"** ٥ 'ود' مودت سے ہے یعنی کسی بات کا دل سے چاہنا۔ **"من اھل الکتاب"** بہت سے اہل کتاب دل سے چاہتے ہیں، ''لو'' کاش وہ تمہیں پلٹا دیں تمہارے ایمان کے بعد، تمہیں کافر بنا کر۔ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

"حسدا من عند انفسھم" یہ حسد ہے ان کی جانوں میں بھرا ہوا۔ حسد کا معنی یہ ہے کہ کسی آدمی کے پاس نعمت ہے وہ زائل ہو جائے اور آپ کو مل جائے، اور اگر یہ خیال کریں کہ اس کے پاس جو نعمت ہے اسی کے پاس رہے اور اللہ تعالیٰ مجھے بھی عطا فرما دے تو یہ رشک ہوگا، رشک محبوب ہے اور حسد مکروہ، سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ دو بندوں پر رشک کرو ایک وہ بندہ جسے اللہ نے علم دیا اور اس پر عمل کرتے ہوئے رات بھر اللہ کی عبادت کرتا ہے تم اس انداز کو حاصل کرنے کے لیے رشک کرو، دوسرا اس

Marfat.com

پر رشک کرو جسے اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مال سے نوازا ہے اور وہ اسے حاجتمندوں اور غرباء میں دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرتا پھر رہا ہے ان دونوں پر رشک کرو۔

انہیں حسد اس بات پر تھا کہ قرآن کریم اسماعیلی خاندان میں کیوں نازل ہوا اسے تو اسرائیلی خاندان میں نازل ہونا چاہیے تھا یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جان کے دشمن تھے انہیں قتل کرنے کے لیے ان کے گھر کو گھیرا گیا، کم بخت گروہ نے اس حد تک شک کیا کہ معاذ اللہ ان کو حلال کی اولاد نہیں سمجھا، لیکن جب وہ اس دنیا سے تشریف لے گئے، اتنے اختلاف کے باوجود تورات عہد نامۂ قدیم قرار پائی اور انجیل کو عہد نامۂ جدید کر کے اس کے ساتھ شامل کر دیا گیا، کیا عیسائیت یا یہودیت نے چودہ سو سالوں میں اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ وہ دونوں عہد نامے پہلے ہوں اور تیسرا عہد نامہ قرآن شامل کر دیا جائے؟ بالکل ایسا نہیں ہوا کیوں؟ اگر قرآن بھی کسی اسرائیلی نبی پر نازل ہوتا تو یقیناً یہ بھی عہد نامہ جدید میں شامل ہو گیا ہوتا۔ اس پر آج ہر طوفان قرآن کے خلاف برپا کیا جاتا ہے اگر یہی بات ہے تو پھر بنیاد پرست کون ہوا؟ عیسائی اور یہودی یا مسلمان؟

ان کے دل میں حسد ہے حالانکہ **"من بعد ماتبین لهم الحق "**حق ان کے سامنے کھل کر آ گیا ہے تورات وانجیل کے مطالعہ سے انہیں معلوم ہے کہ قرآن اور صاحبِ قرآن حق ہیں۔ اب مسلمانوں کو فرمایا!

"فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللّٰہ بامرہ" ۵ ''معاف کر دو اور درگزر کر دو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے''۔

آج آپ عجیب انداز سے تھوڑی سی تعداد کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور ہر طرف یہودی اور عیسائی چھائے ہوئے ہیں تو خیال رکھو کہ **"ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر"** یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ قرآن کی پیش گوئی ہے کہ عظمت مٹ بھی سکتی ہے کہ جس نے دی ہے وہ اسے واپس بھی لے سکتا ہے اور آپ غور فرمائیں کہ اس دور میں جن جن علاقوں پر یہودی اور عیسائی چھائے ہوئے تھے وہاں آج اسلام کا بول بالا ہے تھوڑے سے عرصے کے بعد مدینے کے یہودی وہاں سے نکل نہیں رہے تھے؟ اور فاروق اعظمؓ نے کتنے ہی علاقے فتح فرمائے۔

آگے تنبیہ فرمائی کہ مرض لگتا ہے بے عملی سے۔ مسلمانو! دو باتوں کو یاد رکھو ایک یہ کہ اپنا عقیدہ جو انفرادیت پر مبنی ہے اسے نہیں چھوڑنا اور دوسرا یہ کہ اللہ سے عمل والا تعلق نہیں چھوڑنا، اپنی تیاری کے طور پر۔

☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰهِ ؕ

اور صحیح ادا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے لیے نیکیوں سے ضرور پاؤ گے اس کا ثمر اللہ کے ہاں

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب دیکھ رہا ہے ۱۰۵؎

۱۰۵؎ "واقیموا الصلوۃ" نماز قائم کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ نماز جب توجہ سے پڑھی جاتی ہے ایک عقیدے میں پختگی، دوسرا عمل میں پختگی، تیسرا وقت کی پابندی، چوتھا ظاہری طہارت، پانچواں باطنی طہارت، یہ سب باتیں نماز میں اکٹھی ہو جاتی ہیں، میں سوچا کرتا ہوں کہ سرکار علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھنے والا کوئی صدیق بن گیا، کوئی فاروق اعظم بن گیا، اور وہ انداز آیا کہ عقل والے حیرت زدہ ہو کر رہ گئے کہ انہیں فوجی ٹریننگ، گھڑسواری، تیر و تلوار چلانے کا انداز کہاں سے آ گیا، جب نماز کی عادت پڑی تو اگلی عادت کس انداز سے پختہ ہوئی کہ فاروق اعظم نے فرمایا کہ بھلا وہ بھی کوئی فوجی ہے جو سہارا لے کر گھوڑے پر سوار ہوتا ہے، چھلانگ لگا کر سوار کیوں نہیں ہوتا؟ وہ بھی کوئی فوجی ہے جو پانی پر تیر نہیں سکتا، وہ بھی کوئی فوجی ہے جو پچیس تیس میل پیدل چل نہیں سکتا، یہ الفاظ آپ کی کتاب زندگی کے نمایاں پہلو ہیں ایک تو نماز قائم کرنی ہے دوسرا!

"واتوا الزکوۃ" اور زکوۃ ادا کرو۔ اگر معاشرے کے طبقات انتہائی غریب ہوں، نمبر دو غریب، اس سے اوپر تھوڑا سا متوسط، اس سے اوپر اور تھوڑا سا متوسط، اس کے اوپر امیر۔ اس سے اوپر اور امیر پھر وہ مٹھی بھر جو کسی ملک کی قسمت سے کھیل رہے ہوتے ہیں، اگر یہ تقسیم جاری رہے گی تو یہ انسانیت کی توہین و تذلیل ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندو نے جس طرح انسانیت کو چار گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا ہم نے بھی اسے چھ یا سات مالیاتی گروہوں میں تقسیم کر دیا تو یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، لہذا زکوۃ اور صدقات ادا کر کے سارے معاشرے کو ساتھ لے کر چلا جائے، زکوۃ ادا کرتے وقت آپ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں، کسی پر احسان نہیں، اندازہ فرمائیں کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے قرض لیا ہوا تھا کافی چلنے کے بعد پسینہ آ رہا تھا ساتھی سے کہا یار اس مکان کے سائے میں تھوڑا سا ستا ہی لیں تا کہ تھکاوٹ دور ہو جائے اس وقت تک آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ مکان اسی آدمی کا ہے جس نے آپ کا قرض ادا کرنا ہے سایہ میں جانے کی دیر تھی کہ فرمایا ہمیں اس سایہ میں ٹھہرنے کا حق نہیں اس لیے کہ مالک مکان نے میرا قرض دینا ہے اگر یہ سایہ میں نے استعمال کر لیا تو کہیں یہ 'سود' اور 'ربا' میں شامل نہ

ہو جائے، یہ وہ تقدس ہے جسے لے کر اسلامی معاشرہ آگے بڑھا کرتا ہے۔

"ومالقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عنداللّٰہ" ۝

لفظی ترجمہ: **"ومالقدموا"** اور جو تم آگے بھیجو۔ **"لانفسکم"** اپنی جانوں کے لیے۔ **"من خیر"** نیکی یا بھلائی یا مال۔" (تینوں معنوں میں خیر کا لفظ استعمال کیا) **"تجدوہ عنداللّٰہ"** تم اسے اللہ کے ہاں پالو گے۔ **"ان اللّٰہ بما تعملون بصیر"** ۝ یقیناً اللہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

جو ہم عمل کرتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتا اسے بقا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہو جاتا ہے جب آپ وہاں جائیں گے تو اس بنک سے جو اللہ تعالیٰ نے قائم کر رکھا ہے وصول کر لیں گے اگر آپ کسی کے لیے بھیج دیتے ہیں تو وہ بھی وہاں پہنچ جاتا ہے، یہ دونوں باتیں سرکار علیہ السلام کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ ارشاد فرمایا!

"تم اتنی سی چیز راہ خدا میں دے دیتے ہو اللہ اپنی انگلیوں میں پکڑ لیتا ہے، (یہ سمجھانے کا انداز ہے حالانکہ اللہ انگلیوں سے پاک ہے) **"ویقلبہ"** اور اسے گھماتا رہتا ہے، جب آپ قیامت کو اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو وہ اخروٹ جتنی چیز احد پہاڑ جتنی بن کر ملے گی، یہ بخاری سمیت حدیث کی سب کتابوں میں ہے اب یہ کہ آپ کسی اور کے لیے کر دیتے ہیں اس کا ثبوت بھی حدیث پاک سے ملتا ہے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میری والدہ فوت ہو گئیں میں چاہتا ہوں کہ ان کے لیے کوئی نیکی کا کام کروں! سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کے لیے کنواں کھدوا دو تاکہ انہیں اس کا اجر ملتا رہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس کا نام **"بئر ام سعد"** سعد کی ماں والا کنواں مشہور ہے۔ اسی طرح قرآن کا ثواب، کسی غریب کو کپڑے دیے جائیں، اسے کھانا کھلا دیا جائے، تو ثواب پہنچ جاتا ہے۔

ایک اور نکتہ یہ ہوا کہ بنانے والوں کے انداز دو ہوتے ہیں ایک چیز کو کسی نے بنا دیا بنانے کے بعد کاریگر کا تعلق بننے والی چیز سے باقی نہیں رہتا، مثلاً ایک مالک نے دو ہزار کاریں بنائیں، بنانے والوں کو یہ نہیں پتہ کہ یہ کہاں کہاں جائیں گی، اور کب کسی کا ایکسیڈنٹ ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کی صفتِ تخلیق مجازاً تو ہے لیکن یہ اپنی بنائی ہوئی چیز کا علم نہیں رکھتے تمہارے جتنے بھی اعمال ہیں وہ سب اللہ کریم کی نگاہ میں ہیں، اور وہ نگاہ اگر کسی سے ایک لمحہ کے لیے ہٹ جائے تو وہ چیز ختم ہو جاتی ہے مطلب یہ ہوا کہ ہر چیز کا وجود ذات حق کے ساتھ وابستہ ہے یہی وہ بات ہے جسے کچھ لوگوں نے وحدت الوجود کہہ دیا، اور کچھ نے وحدت الشہود کہہ دیا، بات اتنی ساری ہے کہ ذات ربانی کے ساتھ آپ کی وابستگی ہے اگر ذات ربانی کی توجہ آپ سے ہٹ جائے تو آپ اپنے وجود کو ثابت نہیں کر سکتے، ہر وجود اور ہر موجود ذات ربانی کا محتاج ہے اپنے قیام میں بھی اور اپنی بقا میں بھی، جب بھی ادھر سے رابطہ کٹ گیا تو نہ قیام رہے گا اور نہ بقا رہے گی۔

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ

اور انھوں نے کہا نہیں داخل ہوگا جنت میں (کوئی بھی) بغیر ان کے جو یہودی ہیں یا عیسائی یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

آپ فرمادیجئے! لاؤ اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو ۱۰۶

۱۰۶ "وقالوا لن ید خل الجنة الامن کان هوداً او نصرٰی" ٥ ''وہ بولے جنت میں کوئی ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہی جو یہودی یا نصرانی ہو''۔ یہودیوں نے کہا جنت میں ہم جائیں گے نصرانی نہیں۔ نصرانیوں نے کہا ہم جائیں گے یہودی نہیں، قرآن نے فیصلہ کن بات فرمادی۔ "تلک امانیهم" ۔ یہ ان کی آرزوئیں ہیں، یہ صرف خواہشات کے پجاری ہیں اور بے بنیاد بات کہہ رہے ہیں۔

"قل هاتوا برهانکم ان کنتم صدقین" ٥ ''محبوب آپ فرمادیں لے آؤ اپنی دلیل اگر ہو تم سچے''۔
ضمنی طور پر ایک بات نکلی کہ اسلام دلیل کا مذہب ہے وہ جب غیروں سے دلیل مانگتا ہے تو جب اپنی باری آئے گی تو دلیل پیش کرے گا، لہٰذا اسلام دلیل کا مذہب ہے اور وہ دلیل پیش کرتا ہے حقانیت پر آگے اب دلیل آگئی۔

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪

ہاں جس نے بھی جھکا دیا اپنے آپ کو اللہ کے لیے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اپنے رب کے پاس

وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

نہ کوئی خوف ہے انھیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے ۱۰۷

۱۰۷ "بلٰی من اسلم وجهه لله وهو محسن" ٥ 'بلٰی' جی ہاں۔ 'من' جو۔ 'اسلم' مطیع کردینا۔ مان لینا، جھک جانا۔ 'وجه' چہرہ، لیکن یہاں ذات مراد ہے، (ہاں جس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ذات کو جھکا دیا) "وهو محسن" اور وہ نیکوکار ہو۔ یعنی ماننے کے بعد عمل صالح بھی ہو۔ "فله اجره عند ربه" پس اس کے لیے اجر ہے اللہ کے ہاں۔ یہاں ایک

بات سب سے ممتاز کرتی ہے کہ یہودی جناب یہودا کی نسبت سے ہیں، جناب یہودا، سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے ناصرہ گاؤں کی وجہ سے نصرانیوں کی نسبت تھی، لیکن ہماری نسبت مسلم ہے اطاعت کرنے والا، گردن جھکا دینے والا، مان لینے والا، ہم ایک صفت کی وجہ سے جانے جاتے ہیں کسی نسل کی وجہ سے نہیں کسی زبان کی وجہ سے نہیں اور نہ کسی ملک کی وجہ سے۔ ایسے لوگوں کے لیے!

"ولاخوف علیھم ولا ھم یحزنون " نہ خوف ہے نہ حزن ہوگا۔

مفسرین نے فرمایا کہ اس دنیا میں خوف اور آخرت میں حزن ہوتا ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ خوف اپنے لیے حزن دوسرے کے لیے۔ وہ معاشرہ جو اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے اسے نہ اپنا خوف نہ اعزا و اقرباء کا خوف ہوتا ہے، وہ کامل انسان جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیتا ہے اسے نہ اپنا خوف ہوتا ہے نہ ساتھیوں کا۔ نجران کے عیسائی مدینہ طیبہ میں آئے۔ یہودی بھی بیٹھے تھے آپس میں بحث شروع ہوئی اس کو نقل کرتے ہوئے قرآن نے ان کی ایک اور عادت کا ذکر کیا کہ!

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى

اور کہتے ہیں یہودی کہ نہیں ہیں عیسائی سیدھی راہ پر اور کہتے ہیں عیسائی نہیں ہیں یہودی سیدھی راہ پر

شَىْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ

حالانکہ وہ سب پڑھتے ہیں (آسمانی) کتاب اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو کچھ نہیں جانتے ان کی سی بات تو اللہ فیصلہ

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴿۱۱۳﴾

فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ جھگڑتے تھے ۱۰۸

۱۰۸ **"وقالت الیھود لیست النصٰرٰی علی شیء وقالت النصٰرٰی لیست الیھود علی شیء وھم یتلون الکتب"** ٥ "اور کہا یہودیوں نے نہیں ہیں نصرانی کسی ہدایت پر، اور نصرانیوں نے کہا نہیں ہیں یہودی ہدایت پر، اور وہ پڑھتے ہیں کتاب" کہ یہودیوں نے کہا نصرانیوں کا کوئی مذہب کوئی دین نہیں، قرآن نے تجزیہ کیا کیا یہی اہل کتاب ہیں؟ یہ دونوں کتاب (تورات اور انجیل) پڑھتے ہیں۔ انجیل میں جناب موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی نشانیاں موجود ہیں، اور آنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت بھی دے گئے، تو یہ دونوں گھر دونوں کتابوں کو پڑھ رہے ہیں۔

"کذلک قال الّذین لایعلمون" ٥ اسی طرح انہوں نے بات کی انہی کی جیسی جو بے علم ہیں۔ یہاں ایک ضمنی بات عرض کروں کہ قریش مکہ اس وقت کے دنیوی علوم رکھتے تھے، فصاحت و بلاغت کے سمندر تھے، جغرافیہ اور تاریخ جانتے تھے۔

Marfat.com

اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمیؑ سے بھی وابستہ کرتے تھے، یہ ساری باتیں ہوتے ہوئے بھی اللہ کریم نے انہیں فرمایا "**لایعلمون**" وہ کچھ نہیں جانتے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ علوم جن سے ہم نے ساٹھ یا ستر سال کی زندگی گزارنی ہے ان علوم کو قرآن علوم نہیں کہتا علم تو اللہ تک پہنچنے کا نام ہے اس کی کتابوں رسولوں تک پہنچنے کا نام علم ہے لہٰذا ترجمہ کرتے ہوئے سعدی شیرازی بڑی مزے کی بات کہہ گئے!

علمے کہ راہِ حق نہ نماید ضلالت است (جو علم رب تعالیٰ کا راستہ نہ بتائے وہ گمراہی ہے)

اب جس علم نے اس ظاہری دنیا میں ساٹھ سال کے بعد ہمارا ساتھ چھوڑ جانا ہے کہ جناب ریٹائر ہو گئے ہیں گھر تشریف لے جائیں اس کے اس علم نے کام نہیں آنا اور اگر ٹوٹا پھوٹا اس سے کام لیتے رہے تو جس دن آپ کی چھٹی ہو جائے گی یعنی موت تو قبر میں اس علم نے ساتھ نہیں جانا اور وہاں مسئلہ ایک اور پیش آئے گا قبر وحشر میں سوالات وغیرہ سب عربی میں ہونگے عربی آئے گی کیسے؟ قرآن نے کہہ دیا!

"**اقــراء کتـــابک**" اپنا خط پڑھ لے۔فرشتے کے حرف اقراء کہنے سے اس آدمی کو عربی زبان آجائے گی، اور وہ عربی میں جوابات دے گا اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرمایا!

"**اقراء باسم ربک الذی خلق**" ہ تو اس کے بعد آپ ان پڑھ ہی رہ گئے تھے؟؟؟

"**فاللّٰہ یحکم بینھم یوم القیمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون**" ہ اللہ فیصلہ فرمادے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جس میں ان کا اختلاف ہے، لیکن یہ دونوں تو میں ایک بات میں شریک ہیں کہ نیکی کو روکتی رہی ہیں، انہوں نے نیکی سے کیسے روکا؟

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰى فِىۡ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ

کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام کا اور کوشاں ہو ان کی ویرانی میں

مَا كَانَ لَهُمۡ اَنۡ يَّدۡخُلُوۡهَآ اِلَّا خَآئِفِيۡنَ ؕ لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ وَّلَهُمۡ

انھیں مناسب نہیں کہ داخل ہوتے مسجدوں میں مگر ڈرتے ڈرتے ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے

فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۱۰۹

Marfat.com

جائیں، کہ یہ سنی ہے یہ شیعہ ہے یہ بریلوی ہے، یہ دیوبندی ہے، یہ ساری باتیں اس تربیت کے خلاف ہیں، لہذا یہ تربیت جب چلتی ہے تو سب کو ساتھ لے کے چلتی ہے، لہذا آپ اپنی زندگی کا راستہ متعین رکھیں گے جس طرح قرآن پاک نے متعین کیا ہے تو پھر آپ کائنات میں کہیں بھی دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں ٹھوکر نہیں کھائیں گے، یہ تربیت آپ کو کہاں لے جائے گی؟ حقیقی محبت تک لے جائے گی، تو جب یہ حقیقی محبت آتی ہے تو اس مقام پر اقبالؒ نے ایک بڑا ہی نفیس نکتہ بیان کیا ہے، کہ حقیقی محبت دیکھنی ہو تو شمع کو جلا کے رکھ دو پروانہ کسی اور کا دفاع نہیں کرتا وہ اپنی زندگی کا راستہ متعین کر کے گھومے جا رہا ہے، مرنے کے لیے بے قرار ہے جان دینے کے لیے وہ بے چین ہے، لیکن دوسرے کو پَر مار کے پیچھے نہیں ہٹاتا، دوسرے کا راستہ نہیں روکتا، اگر اس شمع کو یہاں دیکھا ہے تو اب مدینے کی شمع کو اپنے اندر سدا روشن رکھو!

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ط ﴿۴﴾

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں ے

پہلی تین آیات میں اللہ کریم کی ذات اور صفات دونوں کا ذکر تھا، اب وہ ذات جسے ہم اپنے ذہن میں لانے سے قاصر ہیں، اور جسے ذات کے حساب سے سمجھا نہیں جا سکتا، اس کے لیے جتنی صفات کا تذکرہ آیا ان صفات کی مدد سے وہ ذات ایک انداز سے ہمیں سمجھ آ گئی، ایک انداز سے معلوم ہوگئی، لہذا اس ذات کے لیے غائب کا لفظ چھوڑ کے حاضر کا لفظ آ گیا ہے، اب یہاں لفظ "**ایاک**" آ گیا ہے اس کا لفظی معنی ہوتا ہے "تجھی کو"۔ "**نعبد**" ہم عبادت کرتے ہیں۔ مکمل ترجمہ ہوگا۔ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں"۔ "**وایاک**" اور تجھی سے۔ "**نستعین**"۔ استعانت اور مدد چاہتے ہیں۔ اب یہاں غائب کے لفظ کو چھوڑ کے حاضر کے لفظ یعنی تیری یا آپ کی یا تیری ہی عبادت کرتے ہیں، عربی بلاغت کا ایک قاعدہ ہے کہ طبیعت میں رنگارنگی پیدا کرنے کے لیے غیب سے حاضر کی طرف پلٹ جاتے ہیں اور حاضر سے متکلم کی طرف پلٹ جاتے ہیں، قرآن پاک میں جگہ جگہ یہ انداز آئے گا، کہ لفظ غائب تھا اس کے بعد متکلم کا لفظ آ گیا، مثلاً ایک آیت کا ترجمہ کرتا ہوں کہ "اللہ وہ ہے جو بادلوں کو چلاتا ہے"، یہاں پہنچ کے لفظ متکلم آ گیا، پھر ہم اسے مردہ زمین کی طرف بھیج دیتے ہیں، اب پہلے غائب کا لفظ تھا اسے پھر آگے حاضر سے تبدیل کر دیا گیا ہے، تو اسے عربی بلاغت میں تفنن کلام کہا جاتا ہے، یہاں وہ بات بھی استعمال ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ اسلوب بھی ہمارے سامنے آیا بطور تصوف کے کہ وہ ذات اقدس جس تک ہمارا ذہن نہیں پہنچتا تھا جس تک ہماری نگاہیں نہیں پہنچتی تھیں جو ہمارے افکار کی رینج سے باہر ذات تھی اس کا تعارف کراتے ہوئے ہم نے رحمٰن کہا، رحیم کہا، ربّ

ایک گروپ نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تو دوسرے گروپ نے کہا کہ آپ بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکتے، آج یہ حقیقی وارثوں کے پاس چلا گیا ہے، اور ادھر قریش مکہ نے مسلمانوں سے کہا کہ آپ کعبے میں نہیں آسکتے یہاں ہمارے بت پڑے ہیں لہذا نہ آئیں، رب کریم نے دونوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ!

اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا کرو۔ **"وسعٰی"** اور وہ انہیں غیر آباد کرنے کی کوشش کرتا ہے، ان کی خرابی کے لیے، اب یہاں سے فقہاء نے چند باتیں اخذ کیں ہیں کہ ہر وہ کوشش جس سے مسجد کی آبادی میں خرابی پیدا ہو وہ شرعاً حرام ہے۔

خاص مسئلہ: آپ نے اپنی ذاتی جائیداد مسجد کے لیے دی اور مسجد تعمیر ہوگئی، آپ نے اسے ہبہ نہیں کیا، پہلی نماز جب بھی پڑھی جائے گی تو وہ مسجد آپ کی ملکیت سے نکل جائے گی، اب آپ کسی کو وہاں نماز پڑھنے سے روک نہیں سکتے، اور فقہاء نے فرمایا کہ مسجد ایسی جگہ ہو جہاں نمازیوں کو کسی قسم کی دقت نہ ہو، ایک اور خاص بات یہ کہ مسجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے، اب اس کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ دل کا ذکر۔ ۲۔ زبان کا ذکر۔ ۳۔ جوارح یعنی اعضاء کا ذکر۔ دل و زبان کا ذکر اور اعمال کا ذکر یعنی نماز میں ہاتھوں کا اٹھانا، باندھ لینا گھٹنوں پر رکھنا، سجدے میں یہ ہاتھوں کا ذکر ہے ماتھے کا ذکر یہ ہے کہ آپ نے اسے زمین پر رکھ دیا ہے۔ پاؤں کا ذکر کہ ان پر نماز کے دوران کھڑا ہونا اور ان میں سے کسی ذکر سے کسی کو منع نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر یہ کہنا کہ نماز میں خلل واقع ہوگا لہذا بلند آواز سے ذکر نہ کریں تو یہ طرز فکر غلط ہے اس لیے کہ موجودہ بخاری شریف جو برصغیر میں چھپی ہے اس کے صفحہ نمبر 116 پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت موجود ہے کہ "گھر میں بیٹھے ہمیں معلوم ہو جاتا تھا کہ مسجد نبوی میں نماز ختم ہوگئی ہے"۔

اب باطنی ذکر کو بھی سلام لیکن جو بلند ذکر ہے اس کو شجر و حجر بھی سن رہے ہیں لوگ بھی سن رہے ہیں لہذا ذکر جہر و ذکر خفی ہر طرح سے جائز ہے۔ سرکار علیہ السلام نے فرمایا خوشخبری ہے ان کے لیے جو رات کی تاریکیوں میں ٹھنڈی ہواؤں میں شدید گرمیوں میں اپنے گھروں سے مسجدوں کی طرف نکلتے ہیں گویا کہ اس حدیث میں پاؤں کا ذکر ہے جن سے چل کر جارہے ہیں آنکھوں سے دیکھ کر جارہے ہیں راستہ میں کسی سے مصافحہ کریں تو ہاتھوں کا ذکر ہے یہ تمام ذکر مختلف اندازوں سے مسلمان کو گھیرے رہتے ہیں۔

تو اللہ کریم نے آداب مساجد کے لیے فرمایا! یہ یہودی نصرانی یہ مکہ کے مشرک!

"اولٓئک ماکان لھم ان ید خلوا ھا الا خآئفین" ۰ **'اولٓئک'** یہ سارے لوگ۔ **'ماکان لھم'** ان کا یہ حق نہیں تھا۔ **'ان ید خلوھا'** کہ مسجدوں میں داخل ہوتے۔ 'الا' مگر۔ **'خآئفین'** ڈرتے ڈرتے۔

امام محی الدین عربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کی پیش گوئی ہے کہ مستقبل آرہا ہے جب ان مقامات پر یہ ڈرتے ڈرتے جائیں گے۔

Marfat.com

آج تو یہاں ان کی حکومت ہے لیکن کل جب یہ جگہیں مسلمانوں کے پاس ہوں گی تو یہاں یہ لوگ خوف کے بغیر جا بھی نہیں سکیں گے۔ **"لهم فی الدنیا خزی ولهم فی الاخراة عذاب عظیم"** ۝ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے یہ دو باتیں ان پر مسلط ہونے والی ہیں، اب اس سے بڑھ کر رسوائی اور کیا ہوگی کہ قرآن نے فتح مکہ کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ کوئی مشرک اب کعبے کے قریب نہیں جا سکے گا، اس لیے مشرکانہ عقیدہ توحید کی ضد ہے اب وہ بار بار ایک سوال اٹھایا کرتے تھے کہ ان مسلمانوں کا منہ کبھی بیت المقدس کی طرف اور کبھی کعبۃ اللہ کی طرف ہوتا ہے، اللہ کریم نے اس کا توڑ ارشاد فرمایا کہ کعبہ شریف یا بیت المقدس یا کسی اور قوم کا کوئی قبلہ ہو اس کی اہمیت یہ ہے کہ وہ قوم کو اکٹھا کر سکتا ہے اور قوم جب ایک انداز فکر پر مجتمع ہو جائے گی تو قبلہ ان کی شناخت ہو جائے گا، وہ مشرق و مغرب جہاں بھی ہو اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے اصل بات یہ تھی کہ جاہلیت کے دور میں وہ لوگ کہتے تھے اور بہت سارے اہل کتاب کا یہ نظریہ تھا کہ ساری عظمت مشرق کو حاصل ہے اس لیے کہ ادھر سے سورج طلوع ہوتا ہے مغرب میں عظمت نہیں ہے کہ یہ ساری روشنی وہاں ڈوب جاتی ہے میری ایک بات سے آپ ضرور متفق ہوں گے کہ آج کل کے مغرب کے لوگوں کی غالباً یہی عظمت تھی کہ مغرب میں اللہ تعالیٰ نے ایک نبی بھی پیدا نہیں کیا، سب اسی ایشیاء میں پیدا ہوئے یا ان خطوں میں پیدا ہوئے جنہیں مشرق کہتے ہیں تو آئیے پھر ہماری عظمت کو مان لیجئے جو مشرق میں آباد ہیں فرمایا!

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط
اور مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی سو جدھر بھی تم رخ کرو وہیں ذات خداوندی ہے
اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
بے شک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا خوب جاننے والا ہے!!!

!!! **"ولله المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجه الله"** ۝ مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ کا ہے مگر ایک بات یاد رکھو **"فاینما تولوا فثم وجه الله"** تم جدھر بھی منہ پھیرو گے ذاتِ خدا کو وہاں موجود پاؤ گے، اسی جملے سے ہمارے فقہانے دو مسئلے اخذ کیے۔ ا۔ پہلا مسئلہ یہ کہ تم سوار ہو، سواری کا رخ جدھر بھی ہوتا جائے تمہاری نماز ہو جائے گی۔

Marfat.com

۲۔تم ایسی جگہ ہو کہ کعبہ شریف کی سمت تمہیں معلوم نہیں کوشش کے بعد کسی سمت آپ نے منہ کرلیا ہے جسے فقہی زبان میں تحری کہتے ہیں تو وہ نماز آپ کی ہو جائے گی، لیکن اولیاء امت نے ایک اور بات ارشاد فرمائی کہ باقی لوگ جن کو معبود سمجھتے ہیں ان کا معبود اگر ہے تو وہ مکانی ہے اگر بت کے علاوہ کوئی اور ہے تو وہ زمانی ہے زمانی ہے تو ایک زمانے میں محدود مکانی ہے تو ایک مکان میں محدود ہے لیکن مسلمانوں کا خداوہ ہے کہ مسلمانوں کا جدھر بھی رخ ہو، اسی طرف ذاتِ ربانی موجود ہوگی لیکن وہ کسی چیز میں حلول کیے ہوئے نہیں ہے، اس کا وجود ایسا ہے کہ ہر شے کا وجود اس کے وجود سے ہے لیکن کوئی وجود ایسا نہیں کہ جس سے اس کا وجود ہو، انسانی عقل میں یہ بات آتی ہے کہ جب ہر چیز اس کے سہارے قائم ہے تو پھر وہ نظر کیوں نہیں آتا، اسی نکتے کو حل کرتے ہوئے ایک عارف نے کہا!

مشکل حکایت ایست کہ ہر ذرہ عینے اوست لیکن نمی تواں کہ اشارت باد کنند

اتنی مشکل بات بن گئی ہے کہ ہر ذرہ میں ذاتِ خدا موجود ہے، لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے اشارے کے ساتھ کہ یہ خدا بیٹھا ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں جسمانیت والی ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے یہ چیزیں مادیت والی ہیں اور اللہ تعالیٰ مادیت سے پاک ہے۔ میں تو حیران ہو گیا کہ ہمارے مفسرین نے **"اللہ نور السموت والارض"** کی تفسیر کی ہے۔ نور ایک کیفیت ہے اور اللہ کیفیتوں سے پاک ہے لہذا نور کی نسبت ہم اللہ کی طرف نہیں کر سکتے۔ پھر ترجمہ یہ ہوگا۔

"اللہ نور السموت والارض" ٥ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا منور فرمانے والا ہے۔

"ان اللہ واسع علیم" ٥ یقیناً اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور یہ کہتے ہیں بنالیا ہے اللہ نے (اپنا) ایک بیٹا، پاک ہے وہ (اس تہمت) سے، بلکہ اسی کی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

سب اسی کے فرمانبردار ہیں ۱۱۲

"وقالوا اتخذ اللہ ----------

۱۱۲ ''اور انہوں نے کہا اللہ نے بنالیا ہے ایک لڑکا وہ تو پاک ہے بلکہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کے سب اس کے فرمانبردار ہیں''۔ (آیت نمبر 116)

عقیدۂ عیسائیت برائے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

جہاں تک میں نے تورات وانجیل یا عیسائیت کا لٹریچر پڑھا ہے اس میں براہ راست یہ بات کہیں لکھی ہوئی نہیں کہ اللہ باپ ہے، اور عیسیٰؑ بیٹا۔ ان کی تعلیمات کی نوعیت یہ ہے کہ جس طرح کوئی بندہ کسی بیٹے کو اپنا لے پالک بنالیتا ہے، جناب عیسیٰؑ کی بے شمار صفاتی خصوصیات کو دیکھ کر انہوں نے کہہ دیا کہ اللہ نے عیسیٰؑ کو اپنا لے پالک بنالیا ہے۔ اور **اقانیم ثلاثہ** میں سے عیسیٰ علیہ السلام ایک **اقنیم** بن گئے ہیں، ان کے نزدیک تصورِ توحید کی تین بنیادیں ہیں ۱۔ اللہ تعالیٰ ۔۲۔ روح القدس۔ ۳۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام ۔ ان کا اہم نظریہ ہے کہ تثلیث میں توحید ہے اور توحید میں تثلیث یعنی جب ایک کی حد بندی کرنی ہے تو اس کے تین زاویے مثلث بنا کر اسے درمیان میں رکھنا ہے اسلام اس بات کا اس لیے قائل نہیں ہے کہ ماہیات اور کیفیات سے اللہ کریم کی ذات ماوراء ہے اگر بیرونی حد بندیاں اسے اگلے حصے سے الگ کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وجود ایک تھا جسے آپ نے حد بندی کر کے مثلث میں ڈال کر الگ کر دیا ہے۔ لہٰذا ایسی کوئی کیفیت جو اسلام کے خلاف جاتی ہے اسلام اس کا قائل نہیں ہے، ان لوگوں نے اس عقیدۂ ابنیت پر پانچویں صدی میں بہت زیادہ زور ڈالا تھا، آٹھویں صدی میں ان کے پوپ نے اس نظریے کو بہت بڑا کفر قرار دیا، اور ایسے لوگوں کے خلاف چرچ نے تردید کی، بارھویں صدی میں اس فتنے نے پھر سر اٹھایا اور اب ان میں ایک ایسا طبقہ ضرور ہے جو یہ کہتا ہے کہ اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنیم کا نام عیسیٰؑ ہے اور یہ نظریہ دوبارہ سترویں اور اٹھارویں صدی میں بڑی شدومد سے آیا، اور اس نظریے نے انگریزی میں بہت سے لفظ وضع کیے، اس تمام نظریے کو قرآن نے ایک لفظ سبحانہ فرما کر رد کر دیا، کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے کہ نہ تو اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی کوئی لے پالک ہے، وہ ان باتوں سے کیوں پاک ہے اس لیے کہ **"بل لہٗ ما فی السمٰوٰت والارض"** اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس میں دو باتیں ہیں۔ ۱۔ کہ یہ سب کچھ اللہ کی تخلیق ہے اگر تخلیق ہے تو خالق اور ہوگا تخلیق اور ہوگی۔ ۲۔ سب اسی کا ہے اسی کی ملکیت اگر ملکیت ترجمہ کریں گے تو تب بھی بات یہ ہوگی کہ مالک اور مملوک میں باپ اور بیٹے کا رشتہ نہیں ہوتا، اگر کسی کی زمین اور مکان اس کی ملکیت ہے تو اس ملکیت اور مالک کے درمیان باپ بیٹے کا رشتہ نہیں ہوگا، بیٹا اور ہے ملکیت اور ہے تو جو دو دلائل سامنے آتے ہیں یہ ساری چیز اللہ کی مخلوق ہے تو پھر اللہ نہیں ہو سکتی، اگر اللہ کی ملکیت ہے تو اللہ نہیں ہو سکتی تو چونکہ سیدنا عیسیٰؑ بھی اللہ کا ایک تخلیقی شاہکار ہیں لہٰذا وہ خدا نہیں ہو سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جناب عیسیٰؑ اللہ کی ملکیت ہیں تو ملکیت خدا ہونے کی ضد ہے لہٰذا وہ اللہ نہیں ہو سکتے ۔ تیسری بات کہ اس کائنات کی جتنی چیزیں بھی ہیں وہ

Marfat.com

ساری کی ساری اللہ کی فرمانبردار ہیں۔ابن جریر نے قنوت کا معنی یہ کیا ہے کہ!

"واولی معانی القنوت الطاعت والاقرار لله عزوجل بالعبودیه بشهادة

اجسامهم بما فيها من اٰثار الصنيعة" ٥

قنوت کا اعلیٰ ترین معنی یہ ہے کہ اطاعت بھی اور اللہ کے سامنے بندہ ہونے کا اقرار بھی کیا جائے،خارجی دینا نہ ہو پھر بھی اپنے وجود سے اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کی صفت کی نشانیاں ہمارے اجسام میں بے شمار موجود ہیں، یہ بذات خود اطاعت کیشی کے لیے اپنا وجود ہی کافی دلیل ہے،اطاعت کیشی دو اندازوں سے ہے۔

ا۔رضامندی سے۔۲۔مجبوراً۔ مثلاً آپ کے پاس یہ اختیار ہے کہ کھانے کے وقت کھالیں،سونے کے وقت سو جائیں،روزانہ کے معمولات اپنی مرضی سے کریں لیکن اختیار نہیں کہ بڑھاپے میں جا کر اپنی جوانی واپس لاسکیں یا بڑھاپے کو روک لیں،یعنی اپنی مرضی کے خلاف ان ساری باتوں کو ہم مانتے جارہے ہیں،دوسری بات کہ موسم آتا ہے جون کی کڑاکے دار دھوپ میں آپ چاہتے ہیں کہ جنوری کی ہوا کا جھونکا آجائے،زیادہ سردی میں ایک اور کپڑا اوڑھ لیں لیکن سردی کو روک نہیں سکتے گرمی میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرلیں یا ٹھنڈے کمرے میں بیٹھ جائیں لیکن گرمی کو روک نہیں سکتے،اس قانونِ فطرت کے تحت خوشی اور مجبوری والی باتیں ماننی پڑتی ہیں،اور اس ماننے کے مقام والے کو "قانت" کہتے ہیں اسی کا مصدر "قنوت" ہے۔

بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ط وَاِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ﴿۱۱۷﴾

موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب ارادہ فرماتا ہے کسی کام کا تو صرف اتنا حکم فرماتا ہے ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے ۳۱۱

۳۱۱ **"بدیع السمٰوٰت والارض"** ۔وہ آسمانوں اور زمین کو سابقہ مثال کے بغیر پیدا فرمانے والا ہے، یہاں اللہ نے خالق کا لفظ استعمال نہیں فرمایا یہ نہیں فرمایا! "خالق السموت والارض" اس لیے کہ تخلیق میں یہ شرط لازمی نہیں ہے کہ پہلے Material نہ ہو،میٹیریل موجود ہو آپ کوئی چیز بنادیں تو یہ تخلیق ہے میٹیریل خدا بنائے اور آپ کوئی چیز بنادیں تو مجازاً آپ بنانے والے ضرور ہوں گے کہ کسی نے موٹر کار بنادی ہے تو مجازی معنی میں آپ کے لیے خالق کا لفظ آئے گا لیکن بدیع کا لفظ نہیں لا سکتے،بدیع میں دو باتوں کا ہونا

ضروری ہے۔ا۔کہ میٹیریل نہ ہو تو وہ بنائے ۲۔اس کی پہلے اور کوئی مثال نہ ہو۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ خالق کے بجائے بدیع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

''واذاقضی امراً''۔

قضی کا لفظی معنی ہے فیصلہ کرنا، یہاں ہوگا حکم دینا امر کا معنی ہے بات، جب وہ کسی بات کا حکم دیتا ہے۔

''فانمایقول''

وہ صرف فرماتا ہے۔ **''لہٗ''** اس چیز کو۔ جس کا اس نے ارادہ فرمایا ہے۔

''کن'' ہوجا۔

''فیکون'' پس وہ ہوجاتی ہے۔

اس ہوجا کے اندر میٹیریل، نمونہ سب بن جاتا ہے تو اس فقرے کا آغاز لفظ **سبحٰن** سے کیا۔ **سبحٰن** اس وقت بولا جاتا ہے جب بات انسانی سوچ اور دسترس سے باہر ہوجائے، کہ تمہارا کام صرف اس کو تسلیم کرنا ہے لفظ کیوں نہیں کہہ سکتے، اس لیے کہ کیوں وہ کہے جو مساوی ہو تو تم مساوی نہیں ہو تم مخلوق اور وہ خالق ہے۔

کن فیکون

اللہ کریم کا کلام انسانوں کے کلام جیسا نہیں ہے، اگر وہ اس طرح بولے تو انسانوں سے مشابہ ہوجائیگا اور انسان چونکہ فانی ہے لہذا اس کی مشابہت بھی فانی ہے تو کسی فانی چیز سے اللہ کو تشبیہ دینا کسی انداز سے بھی توحید کے خلاف ہے توحید کا یہ وہ نازک مسئلہ ہے جس میں ناسمجھی کی وجہ سے کچھ لوگ لوگوں کو مشرک قرار دیتے ہیں جو لوگ یہ گردانیں کررہے ہیں کہ ان کی ساری کتابیں دیکھ لیں اور یہاں قرآن توحید پر جو نکتے بیان فرماتا ہے انہیں سامنے رکھیں یہ نکات ان کی کسی کتاب میں نہیں ملیں گے اس لیے کہ ان کی ذہنی اپروچ Approch سے یہ مسئلہ بہت اونچا ہے۔ اب اللہ بولتا ہے کس طرح؟ کاش کہ کسی کو اس 'کس طرح' کا علم ہوسکتا، یہی وہ بات ہے جو کسی کو معلوم نہیں ہوسکی، سوائے انبیاء عالی مقام کے چونکہ وہ اللہ کے ترجمان تھے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ نے لفظ کن اس طرح نہیں فرمایا جس طرح ہم بولتے ہیں بس ایک بات کا ارادہ فرمایا کیسے فرمایا؟ جیسے اس کی شان کے مطابق ہے ویسے ہی فرمایا جسے میں اور آپ نہیں سمجھ سکتے، اس انداز سے اس نے کن کا حکم دیا، اور وہ چیز بن گئی۔

اقبالؒ نے اسے ایک اور انداز سے لیا ہے خلاصہ شعر یہ ہے کہ میں جب کائنات پر نگاہ ڈالتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ ابھی یہ مکمل نہیں ہوئی اس لیے کہ کائنات کے اندر سے آواز آرہی ہے، کہ ابھی میں نامکمل ہوں ابھی کن فیکون کا مسئلہ جاری ہے یعنی تخلیق میں تدریجی ارتقاء جاری رہے گا وہ کسی نکتہ پر آ کر ختم نہیں ہوگا۔

مشاہدے میں بناؤ اور بگاڑ ہوتا رہتا ہے، اور ایک عارف نے کہا کہ اس بناؤ کے اندر جو حسن ہے اس سے بڑھ کر حسن اس کے بگاڑ میں ہے، اور جو حسن بگاڑ میں ہے اس سے کہیں زیادہ حسن اسؐ کے بنانے میں ہے یہ ایک لگاتار تکمیل کا چکر ہے جو ایک مرتبہ کن فرمانے کے بعد چلتا جارہا ہے۔

قَالَ الَّذِیۡنَ لَایَعۡلَمُوۡنَ لَوۡلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ
اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے (خود) اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی، یوں ہی کہا ان سے پہلے لوگوں
مِّثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ؕ تَشَابَہَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾
نے انہی سا قول ان کے دل یکساں ہیں بلاشبہ یقین رکھنے والی قوم کے لیے ہم تو اپنی نشانیاں صاف بیان کر چکے ہیں ۱۱۸

Marfat.com

"ان لوگوں نے کہا جن کے پاس علم نہیں ہے اس دور کے مشرکین، عیسائی اور یہود تقریباً اس بات میں سب شریک ہیں"۔
۱۱۴ کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم جب آپ سے اللہ بات کرتا ہے تو ہم سے کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آجاتی، یعنی انہوں نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس مقام پر کھڑا کرنے کی کوشش کی جو ان کا اپنا مقام ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتنی بڑی شان ہے کہ حضرت ابراہیم بھی دیکھیں تو سر مبارک سے پگڑی مبارک اتر جائے، نگاہ جبرائیل بھی نہ دیکھ سکے۔ قرآن نے ان کی اس بات کا جواب دیا۔"کذالک قال الذین" اس طرح ان لوگوں نے کہا تھا کہ جو ان سے پہلے تھے مطلب یہ کہ نہ ماننے والوں کی برادری بڑی دور تک پھیلی ہوئی ہے، اور انبیاء کو اپنے جیسا کہنے والوں کی برادری کا بھی یہی حشر ہے۔

"تشابھت قلوبھم" ان کے دل باہم مشابہ ہیں، یعنی کفر کا انداز ہر دور میں ایک جیسا رہتا ہے اب قرآن نے اس بات کا جواب نہیں دیا کہ اللہ نے ہمارے ساتھ کلام کیوں نہیں فرمایا، اگلی بات یہ تھی کہ ہمارے پاس معجزہ کیوں نہیں آتا، اس کا جواب اللہ نے دیا کہ ہم نے معجزے تو بیان کر دیئے ہیں اس قوم کے لیے جو یقین کی دولت سے مالا مال ہے، اشارہ یہ فرمایا کہ محبوب تمہاری ذات ہی معجزہ ہے معجزہ ہم نے ان کے سامنے رکھ دیا، اس معجزے کے اندر بے شمار معجزے ہیں۔ عارف رومیؒ اس مقام پر فرماتے ہیں کہ!

در دلِ ہر کس کہ از دانش فراست — رو و آوازِ پیمبر معجزہ است

جس دل میں عقل وشعور کی ذرا بھی لطافت آگئی ہے اس کے لیے نبی کا چہرۂ اقدس اور آواز مبارک ہی معجزہ ہوتے ہیں۔
سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینے میں قدم رنجا فرمارہے تھے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سلام کھجور کے درخت پر چڑھے کھجوریں اتار رہے تھے، دفعتاً آپ کا مختصر سا قافلہ پاس سے گزرا، پلٹ کے دیکھا یہ کون ہیں، بتایا گیا کہ یہ نبی آخرالزمان ہیں، عبداللہ ابن سلام پکار اٹھے کہ! **"انّ ھذا الوجہ لیس بوجہِ کاذب"** یہ کسی جھوٹے کا چہرہ ہو ہی نہیں سکتا۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک آواز سننے کے لیے صحابہ بے تاب رہتے تھے، کیونکہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز مبارکہ رب تعالیٰ کی آواز مبارکہ ہے، میں عرض کر چکا ہوں اللہ ایسے الفاظ نہیں فرماتا جیسے ہم بولتے ہیں وہ کلام نفسی ہوتی ہے لفظی نہیں ہوتی۔ اور نفسی کلام کو ہم تک پہنچانے کے لیے الفاظ نبی کی زبان مبارک سے ادا کرائے جاتے ہیں اس لیے قرآن نے کہا۔ **"انما یسرناہ بلسانک"** ○ "محبوب ہم نے قرآن کو آپ کی مبارک زبان کی وجہ سے آسان کر دیا ہے"۔ اسے اقبالؒ نے ایک اور انداز سے لیا اس نے کہا کہ نبی راضی بھی اور ناراض بھی ہو جاتے ہیں دراصل علامہ نے اس اعتراض کا جواب دیا کہ نبی کا سراپا کیسے معجزہ ہے؟

لطف و قھر او سراپا رحمت است — آں بیاراں ایں باعداء رحمت است

محبوب کا لطف وقہر دونوں رحمت ہیں ان کا لطف وکرم مسلمانوں کے لیے رحمت ہے اور ان کا غصہ وجلال کافروں کے لیے رحمت ہے جس کے طفیل وہ اسلام کی طرف پلٹ آئیں۔

مبارک انگلی اٹھائیں تو ڈوبا سورج واپس آجائے اک اشارے سے چاند چر جائے۔ مقدس کانوں کی یہ کیفیت ہے کہ پتھر گرے دھما کہ ہو تو ساتھ صحابہ بھی سن لیں فرمایا آواز سنی ہے؟ جی بڑے زور کا دھما کہ ہے فرمایا جہنم میں ایک پتھر بلندی سے نیچے گر گیا ہے یہ اس کی آواز ہے (بحوالہ بخاری) فرمایا کہ جب جنت کے دروازے بند ہوتے ہیں تو میں مدینے میں بیٹھ کر سن رہا ہوتا ہوں، کبھی تڑپتے دل کے ساتھ جب آپ یاد محبوب میں محو ہوں تو جو بے جان دروازوں کی آوازیں سنتے ہیں وہ آپ کی نہیں سنتے، امت کے احوال سے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقف ہوتے ہیں۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۱۹﴾

بلاشبہ ہم نے آپ کو بھیجا حق کیساتھ (نبی بنا کر) خوشخبری سنانے والا اور عذاب سے ڈرانے والا آپ سے اہل دوزخ کی باز پرس نہ ہوگی ۱۱۵

۱۱۵ یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا حق کے ساتھ، بشیر ونذیر بنا کر، آپ سے نہیں پوچھا جائے گا دوزخیوں کے بارے میں کہ یہ دوزخ میں کیوں جارہے ہیں بشیر اور نذیر کے لیے اقبالؔ والی گزشتہ بات کافی ہے آگے والے فقرے کی ضرورت کیا پیش آئی کہ سرکارؐ انسان کو بدی پر دیکھ کر چاہتے تھے کہ یہ اس سے ہٹ کر نیکی کرے اور دوزخ سے بچے، رب نے محبوب کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ دوزخ والوں کے متعلق آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔ رہی یہود ونصری کی بات تو یہ باراں دیدہ بھیڑئے ہیں ان کی کیفیت یہ ہے کہ!

وَلَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَہُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَہُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ ہُدَی اللّٰہِ

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہودی اور عیسائی جب تک آپ ان کے دین کے پیرو کار نہیں ہو جاتے آپ (انہیں) بتا دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی

ہُوَ الۡہُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَہۡوَآءَہُمۡ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنۡ

اصل ہدایت ہے اور اگر (اے مخاطب) تو نے پیروی کی ان کی خواہشوں کی اس علم کے بعد جو تیرے پاس آچکا ہے (تو پھر) نہیں ہوگا

وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۲۰﴾

تیرے لیے اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور نہ کوئی مددگار ۱۱۶

Marfat.com

یہودی اور نصرانی ہرگز آپ سے راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی کریں‘‘۔

۱۶۱ ان کے مذہب کی پیروی آپ کے لیے ممکن نہیں ہے کیونکہ آپ رسول ہیں اور وہ رسول نہیں ہیں پھر انہوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کر کے مذہب کی شکل ہی بدل دی ہے، تو چونکہ وہ مذہب محرف ہے لہذا آپ نے ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرنی ہے، دین اور ملت کا معنی ایک ہے لیکن دین کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے اور اللہ کی نسبت جب بندے کی طرف ہو تب بھی دین اور جب دین کی نسبت نبی کی طرف ہو تو ملت ہے یعنی ملت رسول ملت ابراہیمی۔

تحریک پاکستان کے وقت فکری دنیا میں بے حد الجھاؤ تھا ایک طرف مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام آزاد تھے اور دوسری طرف علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ تھے، واضح بات ہے کہ جناح علوم دین کے ماہر نہیں تھے تو پھر چوکھی جنگ صرف اقبالؒ کے سر آپڑی، خوب جنگ کی اور جیتی، جب حسین احمد مدنی یہ بات کہہ بیٹھے کہ وطن سے ملت بنتی ہے تو اقبالؒ نے کہا کہ ملت سے وطن بنتا ہے، اقبالؒ عربی سے واقف تھے دوسروں نے سمجھا کہ شاید کچھ نہیں جانتے، میں خاص طور پر عرض کروں گا کہ حرفِ اقبالؒ میں وہ خط ضرور پڑھیں جو اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کو لکھا اقبالؒ بڑے غور و فکر کے بعد اس بات پر پہنچے کہ جو معنی وہ کر رہے ہیں وہ ہندو کو خوش کرنے کی بات تو ہو سکتی ہے لیکن ملت اسلامیہ کی ترجمانی کی بات نہیں ہو سکتی۔

قلندر جز دو حرفِ "لاالہ" کچھ بھی نہیں رکھتا فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

میں تو قلندر ہوں میرے پاس "لاالـہ" کے دو حرف ہیں آپ تو فقیہ شہر ہیں اور حجازی یعنی عربی زبان کی لغت پر قارون بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آخر مولانا مدنی و آزاد نے کافر کو خوش رکھ کر کون سا تیر مار لیا۔ آپ اگر غور کریں تو نتیجہ منفی آئے گا، برصغیر کے مجموعی ووٹوں کی نسبت سے ملک کو تقسیم ہونا تھا، اب جو علماء کانگرس کے ساتھ تھے اور خاص طور پر دیوبند سر کی چوٹی سے پاؤں کے ناخن تک کانگرس کے ساتھ تھا، سوائے مولانا شبیر احمد عثمانی کے، ان کے معتقدین سے برصغیر بھرا پڑا تھا وہ سب ووٹ کانگرس کے پاس چلے گئے، اور جب تقسیم کی نوبت آئی تو ہمارا مشرقی پنجاب اگر سالم نہیں تو چند ضلعے کٹ گیا، اگر وہ نہ کٹتے تو کشمیر کا مسئلہ کبھی نہ ہوتا، تو ان فقیہانِ شہر نے اس وقت عجیب گستاخی کی اس وقت دیوبند کو قائم ہوئے بہتر (72) سال ہو چکے تھے، بہتر سال تک قرآن و سنت کا درس دینے والے ملت کی نبض پر ہاتھ نہ رکھ سکے اور قلندر نے جناح کو مسلمانان ہند کی قیادت پر آمادہ کر لیا اور صفحہ دہر پر پاکستان قائم ہو گیا۔

کاش ہمارا یہ علمی سرمایہ المعروف دیوبند مسلمانوں کی قیادت کر سکتا اس طرح ایک تو مسلمانوں کو علمی و فکری رہنمائی مل جاتی دوسرا کچھ زیادہ قطعۂ ارضی بھی مل جاتا اور کشمیر کا مسئلہ سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا۔ (اے بسا آرزو کہ خاک شدہ)

العلمین کہا، **ملک یوم الدین** کہا،تو اس ذات کا تشخص ہمارے سامنے اس کی صفات کے ساتھ آ گیا،لہذا ہم کہتے ہیں کہ اے رب! جب تیرا یہ انداز ہے تو اب ہم غائب کی دنیا سے نکل کے تجھے براہ راست خطاب کرتے ہیں، یہ عربی بلاغت ہے، یہاں عربی گرائمر کا ایک خاص انداز ہے، سادہ لفظوں میں '**نعبدک**'' کا ترجمہ 'ہم تیری عبادت کرتے ہیں' بنے گا، اور ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں '**نستعینک**'' کا ترجمہ بنے گا، اس کاف کو ساتھ سے ہٹا دیا گیا ہے، اور اس سے پہلے 'ایا'' لگا کے ابتداء میں لے آئے ہیں، اس صورت میں اسے عربی گرائمر میں ضمیر منصوب منفصل کہا جاتا ہے، لیکن اس کا بھی طریقہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ "**نعبد ایاک**" اسی طرح "**نستعین ایاک**" ۔ پھر ان الفاظ کو پہلے لانے میں کیا راز تھا، عرب کا قاعدہ یہ ہے کہ جسے پیچھے لانا تھا اسے اگر آپ پہلے لے آئیں گے تو کلام میں زور اور حصر پیدا ہو جائے گا، اب "**نعبدک**" کا ترجمہ تھا کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں، جب آپ اس کاف کو 'ایا'' لگا کے پہلے لے آئے تو اس کا معنی ہو گا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور یہ بات ہمارے چشم تصور میں بھی نہیں ہے، یہ وہ بات ہے جو فکر نے پیدا کی ہے، آیئے اس کی ایک اور مثال میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، کہ جسے پیچھے جانا چاہیے تھا جب وہ پہلے آ جائے تو اس میں کس طرح بڑائی پیدا ہو جاتی ہے، سورۃ انشراح میں قرآن پاک نے کہا، "**ورفعنالک ذکرک**" ، عربی قاعدے کے مطابق عبارت تھی "**ورفعنا ذکرک**" اس کاف کو پہلے لے آئے، لک ذکرک ۔ تو اس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ ''محبوب صرف آپ کی خاطر یا آپ کی رضا کے لیے ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے''۔ جب پچھلے لفظ کو پہلے لے آتے ہیں تو عربی زبان میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب ہم نے سوچنا ہے کہ عبادت ہے کیا؟ اس لفظ عبادت کا تجزیہ کرنا ہے، تو اس سلسلے میں عبادت کی تشریح کرتے ہوئے ہمارے ماہرین لغت نے ایک بات کہی، یہ وہ معنی ہے جو بیضاوی نے بھی لکھا ہے اور فخر الدین رازی نے بھی لکھا ہے اور یہی معنی صاحب کشاف نے بھی لکھا ہے، ''کہ انتہائی عاجزی اور اپنے آپ کو انتہائی نیچے سمجھنا یہ عبادت ہوتی ہے''۔ لہذا ایک عربی محاورہ ہے کہ ''وہ راستہ جو ہر وقت پاؤں کی ٹھوکروں کے نیچے ہو اسے طریقہء معبد یا صراط معبد کہا جاتا ہے''۔ یعنی انتہائی ذلت ہے کہ وہ ہر وقت قدموں کے نیچے ہے، انتہائی عاجزی جس چیز میں پیدا ہو جائے وہ عبادت ہے، اور اس عاجزی کو اسلام نے ایک مخصوص شکل دیدی ہے، وہ مخصوص شکل یہ ہے کہ انسانی وجود کا ارفع ترین اور اعلیٰ ترین حصہ اس کا چہرہ ہوتا ہے، اس چہرے کو آپ عاجزی کے ساتھ اللہ کریم کے سامنے زمین پر رکھ دیتے ہیں یہ عاجزی کی انتہاء ہے، جو اسلام نے ہمارے سامنے پیش کی ہے، اور اسی بات کو انتہا سمجھتے ہوئے اس نے کسی غیر کے سامنے سجدہ کرنے کو جائز قرار نہیں دیا، اب یہاں ایک بات اور بھی آپ کے ذہن میں ڈالتا چلوں، کہ

سجدے کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک سجدہ وہ ہے جو سجدۂ عبادت ہے، یہ سجدہ اللہ کریم کی ذات کو چھوڑ کے کسی اور کو کرنے سے شرک لازم آ جاتا ہے لہذا یہ ساری شریعتوں میں ممنوع تھا، سرکار کریم سے پہلے بھی اب بھی، ایک نکتے کی بات جو آپ کو ذہن نشین کرانا

Marfat.com

قل ان ھدی اللہ ھو الھدی ولئن اتبعت اھوآء ھم بعد الذی جآء ک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر

محبوبؐ! آپ فرمادیں کہ ہدایت صرف وہی ہے جو اللہ دے، اگر اے مخاطب تو نے پیروی کی یہودیوں اور نصرانیوں کی خواہشات کی اس کے بعد کہ تیرے پاس قرآن کے ذریعے علم آچکا ہے تو تیرے لیے دنیا و آخرت میں کوئی مددگار نہ ہوگا (ولی اس دنیا میں مددگار اور نصیر آخرت میں مددگار)

قرآن پاک میں کئی ایسے مقامات ہیں کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے درحقیقت وہ امت کو ہوتا ہے، اور اگر خطاب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہو اور آگے والی بات سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کے مطابق نہ ہو تو وہ خطاب نبی کو نہیں بلکہ امت کو ہوتا ہے اس آیت میں یہی بات ہے۔ میں حیران ہوں مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اوپر حاشیے میں یہ قاعدہ لکھا ہے اور نیچے پھر خطاب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براہ راست کرتے چلے گئے، اردو کی تمام تفاسیر میں مولانا دریا آبادی کا اچھا نمبر ہے لیکن چند ایسے مقامات پر خدا جانے ایسا کیوں ہو جاتا ہے اب یہاں خطاب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں ہے، اس لیے کہ وہ معصوموں کے بادشاہ ہیں، کائنات کی روح ہیں، یہ خطاب امت کو ہے کہ جب تمہارے پاس سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے قرآن آگیا ہے اس قرآن کو پڑھ کر تم یہودیوں اور نصرانیوں کی پالیسی اپناؤ گے تو دنیا و آخرت تباہ ہوگی۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ

جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان لائے ہیں اس (قرآن) پر

وَمَنْ یَّکْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اور جو کوئی انکار کرتے ہیں اس کا تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ۱۱/۷

"الذین اتینھم الکتب یتلونه حق تلاوته اولٓئک یؤ منون به ومن یکفر به فاولٓئک ھم الخسرون" ۝

۱۱/۷ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ایسے پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہی خسارہ پانے والے ہیں۔

تلاوت اور قرءت میں فرق:۔

تلاوت اور قرءت میں فرق یہ ہے کہ عام پڑھنے کے لیے "قرء" کا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن جب قرآن پاک کی بات ہو تو

Marfat.com

لفظ تلاوت آتا ہے، تلاوت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح لڑی میں موتی پرو دیئے جاتے ہیں اسی طرح یکے بعد دیگرے الفاظ پرو دیئے جائیں۔

مجھے مفسرین سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہاں بھی کتاب سے مراد تورات ہے حالانکہ تورات مراد نہیں ہے اصل میں قرآن ملت اسلامیہ کی عظمت بیان کر رہا ہے کہ جنہیں پہلے کتابیں دی گئی تھیں انہوں نے ان میں تحریف کر دی لہذا ان کے پڑھنے کا حق ادا نہ ہوا، میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا عیسائیوں کی کوئی عبادت ایسی ہے جس میں انجیل شامل ہو؟ کیا یہودیوں کی ایسی عبادت ہے جس میں تورات پڑھی جاتی ہو؟

لہذا دونوں کو تورات و انجیل یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن آپ کی نماز کیا تلاوت قرآن کے بغیر ہو جائے گی؟ نہیں تو پھر آپ کو قرآن کے کچھ حصے یاد کرنے ہوں گے، اس قرآن کو ہم پانچ نمازوں میں پڑھتے ہیں اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نو نمازوں میں پڑھتے تھے۔

آپ سوال کریں گے کہ نو نمازیں کیسی؟ تو عرض کروں کہ پانچ فرض اور چار نوافل:۔

۱۔تہجد ۲۔اشراق

۳۔چاشت ۴۔اوابین

یہ سب ملا کر نو ہوئیں۔ اب میں آپ کو نو کے ہندسے کے بارے میں ایک علمی نکتہ بتاتا ہوں۔

علمی نکتہ

نو کا ہندسہ غیر فانی ہے، نو کو دو گنا کر دیں تو اٹھارہ ہوگا، اٹھارہ کے اندر آٹھ اور ایک مل کر پھر نو بن جاتا ہے، اس کا تین گنا کر دیں ستائیس ہوگا، ستائیس میں سات اور دو کو ملائیں تو پھر نو بنے گا، اسی طرح نو کو چار گنا کریں چھتیس ہوگا، چھتیس میں چھ اور تین کو ملائیں تو نو بنے گا۔

جہاں تک چاہیں چلے جائیں نو اپنے وجود کو ختم نہیں کرتا، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازیں پانچ فرض اور چار نفلی ہیں، نو بن گئیں، اللہ نے فرمایا یہ عبادت کا وہ معیار ہے جو قیامت تک ٹوٹ نہیں سکتا، قرآن کا عدد بھی نو ہے یعنی اس نے ختم نہیں ہونا ہے، اسی طرح نمازوں کی تعداد نو ہے تو کبھی ختم نہ ہوں گی، اگر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت سے قرآن بھی غیر فانی، نمازیں بھی غیر فانی ہو جائیں تو اس ذات اقدس کا اپنا کیا عالم ہوگا، لہذا انہوں نے فرمادیا کہ میں نے قبر میں بھی اسی طرح رہنا ہے جس طرح ظاہری دنیا میں ہوں، میری آخرت تو اس دنیا سے بہتر ہے جس میں تم مجھے دیکھ رہے ہو، بہر حال یہاں کتاب سے مراد قرآن ہے جو غیر فانی ہے۔

یہاں جب ابتداء میں پادری آئے تو انگریز نے یہ کوشش کی کہ برصغیر سے قرآن کے نسخے ختم کر دیے جائیں، وہ بڑی قیمت پر قرآن کے نسخے خرید رہے تھے، شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس بھی آئے آپ نے پوچھا کہ اتنے مہنگے کیوں خریدتے ہو، کہا کہ جس طرح دنیا میں تورات وانجیل ختم ہو گئیں ہم چاہتے ہیں کہ اسی طرح قرآن بھی ختم ہو جائے، (معاذ اللہ) آپ نے فرمایا یہ تمہاری کوشش ناکام ہے تم بے شک تمام نسخے خرید کر ختم کر دو جب ماہ رمضان آئے گا ہمارا ایک بچہ تراویح میں پورا قرآن سنادے گا۔ اقبالؒ نے فرمایا!

آں کتابِ زندہ قرآن حکیم　　　حکمتِ اولا یزال است وقدیم

☆☆☆☆☆

يٰبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا

اے بنی اسرائیل! یادکرو میری وہ نعمت جو میں نے تم پر فرمائی اور میں نے تم کو فضیلت دی سب لوگوں پر اور ڈرو اس دن سے کہ

لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

جب کوئی جان کسی جان کی طرف سے بدلہ نہ بن سکے گی اور نہ ہی قبول کیا جائے گا اس کا معاوضہ اور نہ ہی اس جان کو کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی

"اے اسرائیل کی اولاد میری اس نعمت کی یاد کرو جو میں نے تمہیں انعام فرمائی ہے اور اپنے دور کے سب لوگوں پر میں نے تمہیں فضیلت عطا فرمائی تھی، اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی جان کی طرف سے بدلہ نہیں بن سکے گی کچھ بھی، اور نہ ہی قبول کیا جائے گا اس کا معاوضہ اور نہ ہی اس جان کو کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی"۔

آپ کسی کے لیے کچھ کرنا چاہیں تو اس کی چار صورتیں بن سکتی ہیں۔

۱۔آپ اسے چھوڑ دیں بدلے میں مجھے پکڑ لیں ۔۲۔معاوضہ لے لیں ۔۳۔سفارش ۔۴۔لڑائی
فرمایا ان باتوں میں سے تم وہاں کوئی ایک بات بھی نہ کر سکو گے۔
آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے قرآن کے نزول سے پہلے مذہبی قیادت وسیادت یہود و نصریٰ کے پاس تھی آج قیادت بدل رہی ہے تو دو باتیں بدلنی ہوں گی۔

۱۔ نبی کے بدلنے سے نظریات بدلیں گے۔ ۲۔مرکز بدلے گا۔

بڑی دیر تک بیت المقدس کعبہ رہ چکا ہے اب اس کعبے نے بدلنا ہے اس لیے کہ نبوت بدل گئی ہے، نبوت پہلے اسرائیل کے گھر میں تھی اب اسماعیل علیہ السلام کے گھر جا رہی ہے، فرمایا!

Marfat.com

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

اور جب امتحان لیا ابراہیمؑ کا ان کے پروردگار نے کچھ باتوں میں، ابراہیمؑ نے انہیں پورا کر دکھایا، فرمایا میں تمہیں لوگوں کا قائد بنانے والا ہوں

قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

عرض کی میری اولاد سے بھی ہوگا؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں مل سکے گا ۱۱۸

"واذابتلیٰ ابراھم ربه بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظلمین ○"

۱۱۸ "جب ابراہیمؑ کا امتحان لیا ان کے پروردگار نے کچھ باتوں میں ابراہیم نے انہیں پورا کر دکھایا، فرمایا میں تمہیں لوگوں کا قائد بنانے والا ہوں عرض کی میری اولاد میں سے بھی کوئی ہوگا؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں مل سکے گا۔ یعنی نبوت ظالموں کے گھر نہیں جاتی"۔ یہاں ابراہیم کے بارے میں کچھ باتیں ذہن میں رکھیں، مفسرین نے دو گروہوں میں بٹ کے دو باتیں کی ہیں۔

۱۔ کہ انہیں بطور سنت 10 باتیں فرمائی گئیں کہ آپ نے موچھوں کے بال کاٹنے ہیں ناک سے بال نکالنے ہیں ناخن اتارنے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ کہ کلمات سے مراد شریعت ہے میں سمجھتا ہوں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ یہ ثانوی چیزیں ہیں اولیت اس بات میں ہے کہ ابراہیمؑ راہ خدا میں بے پناہ امتحان دے رہے ہیں، کبھی تو وہ بڑی لطافت کے ساتھ آگ میں بیٹھ گئے کبھی بیٹے کو ذبح کرنے لگے ہیں پھر سرکار علیہ السلام کے لیے زمین ہموار کرنی ہے شرق اردن میں اپنے بھتیجے جناب لوط علیہ السلام کو مرکز پر بٹھاتے ہیں، شام میں اپنے بیٹے جناب اسحاق علیہ السلام کو بٹھاتے ہیں، باقی عرب کا خطہ جناب اسماعیلؑ کے لیے، کیا یہ آزمائشیں نہیں ہیں؟ یہ وہ بڑی آزمائشیں ہیں جن کے ضمن میں چھوٹی چھوٹی سب آجاتی ہیں۔ تورات کے قول کے مطابق جناب عیسیٰؑ سے دو ہزار ایک سو ساٹھ سال پہلے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے، قولِ تورات کے مطابق آپ کی عمر ایک سو پچھتر سال تھی جناب ابراہیمؑ کا مقام ولادت اُور تھا جو عراق میں ہے جدید انگلش میں اسے U.R سے لکھا جاتا ہے، بڑی دیر تک یہ شہر غائب رہا، 1884ء میں مغربی دنیا میں یہ خیال پیدا کیا گیا کہ مشرقی علوم بھی ضروری ہیں اور آسمانی کتابیں بھی قابل تحقیق ہیں، وہ اس کام کے لیے آئے لیکن بڑی دیر تک وہ کام کرنے کے باوجود ناکام رہے، یہ 1922ء کا واقعہ ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کی کمپنیاں مل کر اس علاقے کی چھان بین کر رہی تھیں تو U.R کی جگہ مل گئی۔ یہودی بڑی عجیب و غریب قوم ہے کچھ وقت کے بعد یہ کہنے لگ گئے کہ لفظ ابراہیم استعاراتی ہے اس نام کا کوئی بندہ موجود نہیں تھا، (العیاذ باللہ) جب شہر واضح طور پر نکل آیا تو پھر دوبارہ انہوں نے تسلیم کیا کہ وہ ایک عظیم شخصیت تھی۔

آپ کے لیے ان کا تعارف یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیمؑ سب سے بڑے عظیم المرتبت نبی تھے، آپ کی نسل پاک میں بے شمار انبیاء پیدا ہوئے، اسی لیے آپ کا ایک نام ابوالانبیاء بھی ہے، آپ کی پہلی عمر میں اولاد نہیں تھی، طویل عرصے کے بعد حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے ہماری عام تفاسیر میں لکھا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر ننانوے (99) سال تھی، اب اسی تورات میں جناب اسماعیلؑ کی ولادت پاک دو ہزار چوہتر (2074) قبل مسیح لکھی ہے، اگر یہ بات ٹھیک ہے تو اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر مبارک صرف چودہ سال ہونی چاہیے، چونکہ دو ہزار ساٹھ (2060) میں وہ خود پیدا ہوئے تھے، اور اس دور کے رواج کے مطابق اتنی عمر کے بچے کی شادی نہیں کی جاتی تھی، اور آج بھی نہیں کی جاتی، تو معلوم ہوا کہ تورات کو ڈاکو مل گئے ہیں، کہ انہوں نے ایسی ترمیم کردی ہے جس کی وجہ سے اصل تاریخِ پیدائش معلوم نہیں ہوسکتی، تورات میں ان کی عمر ایک سو سینتیس (137) سال مذکور ہے آج کی تورات شارٹ شارٹ زندگی بیان کرتی ہے کہ ولادت اور جوانی کے دو تین کام پھر وفات۔ اور یہ تاریخی انداز ہے، اور خدا کی کتابیں تاریخ نہیں ہوتیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش جن باتوں میں تھی وہ بیان ہوچکی ہیں پھر اللہ نے آپ کو قیادتِ عامہ کا تاج پہنایا، یہ قیادتِ عامہ کس حد تک پھیلی؟ آپ اس بات کو تو جانتے ہیں کہ نبوت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔

۱۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے گھر ۲۔ سیدنا اسحاق علیہ السلام کے گھر

بعد میں جتنے نبی آئے ہیں جنہیں صاحبِ کتاب انبیاء کہا جاتا ہے خواہ وہ سیدنا موسیٰؑ، عیسیٰؑ، داؤدؑ یا سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس ہے سب نے جناب ابراہیم علیہ السلام کی عظمتوں کو مانا ہے، ہمارے لیے قرآن نے دوسرے مقام پر فرمایا "**ملة ابیکم ابراهیم**" تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہو "هو سمّٰکم المسلمین" انہوں نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، معلوم ہوا کہ بعد میں آنے والے سارے لوگ آپ کی عظمتوں کو مانتے ہیں، میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ یورپ میں لوگ کہتے تھے کہ ابراہیمؑ ایک وہمی شخصیت ہے، تاریخ کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے، حالانکہ اس بات کی کوئی اصلیت نہیں اور اب ان کی اپنی تحقیق سے وہ جگہ معلوم ہوچکی ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ اس آیت کریمہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ جب اللہ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو امام بنادیا ہے تو جواباً عرض کی، کیا میری اولاد کو بھی؟ جواباً اللہ نے فرمایا کہ نبوت اللہ کریم کا انتخاب ہے اور اگر نسلوں میں سے کچھ لوگ ظلم کریں تو ظالموں کو یہ قیادت نہیں دی جائے گی، اس آیت میں ایک یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے، کہ جب یہ عہدہ روحانی دنیا میں ظالموں کو نہیں مل سکتا تو سرکار علیہ السلام کے بعد صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کو راہ راست پر لازماً ماننا پڑے گا، کیونکہ یہ تمام حضرات سرکار علیہ السلام کے جانشین ہیں، اور رب کا فرمان ہے کہ یہ جانشینی ظالموں کو نہیں مل سکتی، کوئی کہے کہ وہ خلافت کا استحقاق نہیں رکھتے تھے تو اس کو اسلام کی عظمتوں کا پتہ نہیں ہے

Marfat.com

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى

اور جب ہم نے بنایا اس گھر (کعبہ شریف) کو مرکز لوگوں کے لیے اور امن کی جگہ اور (انھیں حکم دیا) بنالو! مقام ابراہیمؑ کو جائے نماز اور عہد لیا ہم نے

اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے کہ میرے گھر کو پاک رکھو گے، طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے ۱۱۹

۱۱۹ ''محبوب! یاد فرمائیے جب ہم نے بیت اللہ کو بنادیا مرکز لوگوں کے لیے، اور لوگوں کے لیے امن کی جگہ، تم بنالو مقام ابراہیمؑ کو نماز گاہ، ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک رکھو گے، طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں، رکوع اور سجدہ کرنے والے لوگوں کے لیے''۔

یہاں قرآن پاک نے کعبے شریف کی دو صفات بیان کیں۔

۱۔ لوگوں کے لیے مرکز ہے آپ اس کی تاریخ سے لے کر آج تک دیکھ لیں کہ وہ کائنات کے لیے کس انداز سے مرکز ہے قرآن پاک نے دوسری جگہ فرمایا کہ دور دراز وادیوں سے لوگ دبلی پتلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر یہاں حج کے لیے آیا کریں گے۔ یہ امن کی جگہ ہے اگر کوئی جرم کر کے وہاں چلا جائے تو آپ اس پر سختی نہیں کر سکتے، آپ وہ ذرائع ختم کر دیں گے جن کے ذریعے وہ وہاں بیٹھا ہے تاکہ وہ باہر نکل آئے۔

۲۔ مقام ابراہیمؑ کو جائے نماز بنالو۔ مقام ابراہیمؑ ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کے مبارک پاؤں کے نشان ہیں، اور یہ آپ کا معجزہ ہے کہ پتھر میں پاؤں دھنس گئے ہیں، اور آپ کے لیے وہ پتھر بذاتِ خود اوپر اٹھ جاتا ہے جدھر جدھر دیوار اٹھتی چلی جاتی ہے، اب اس کو جائے نماز بنانے کا اہتمام سرکار علیہ السلام نے کیسے فرمایا، آپ نے حکم دے دیا کہ جب آپ طواف... ساتھ پھیرے مکمل کر چکیں تو دو رکعت نماز نفل ادا کریں، البتہ سرکار علیہ السلام نے اس میں تھوڑی سی اجازت مرحمت فرمائی کہ اگر مجمع زیادہ ہے اور وہاں نماز نہیں پڑھ سکتے تو حدودِ کعبہ میں جہاں بھی جگہ ملتی ہے پڑھ لیں، لیکن نیت وہی ہوگی جو مقام ابراہیمؑ کی ہے۔

کعبہ تعمیر ہو گیا بعد از اں اللہ کریم یہ عہد لے رہے ہیں اب وہاں دو ہی انسان ہیں۔

۱۔ جناب ابراہیمؑ جو کعبہ کے بانی ہیں۔

۲۔ جناب اسماعیلؑ جو پتھر پکڑانے والے ہیں جنہیں ہم اپنی اصطلاح میں مزدور کہتے ہیں۔

وہ عہد کیا تھا؟

کہ میرے اس گھر کو پاک رکھنا ہے، اب اس میں دو قسم کی طہارت لازماً آتی ہے

۱۔ ظاہراً کوئی گندگی نہ ہو، دیواریں صاف ہوں جالے وغیرہ نہ ہوں، زمین صاف ستھری ہو، کوئی ایسی چیز وہاں نہ ہو جسے دیکھ کر انسانی دل و دماغ کدورت کرتا ہو۔ ۲۔ وہ اللہ کا گھر ہے لہذا وہاں بت نہیں ہونے چاہئیں، وہاں غیر اللہ کا کوئی تصور نہ ہو۔

اسلامی قانون کے ماہرین نے فرمایا، چونکہ مسجدوں کی نسبت بھی کعبہ کی وجہ سے اللہ کریم کی ذات اقدس کی طرف ہے لہذا مساجد کو بھی ان باتوں سے پاک ہونا چاہے، سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ تم دیکھو کہ کسی کا دل مسجد کی طرف لگا ہوا ہے اس کی صفائی کر رہا ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو۔ وہ بندہ مغفور ہے ایک حدیث میں ہے کہ سرکار علیہ السلام کی مسجد مبارک کی ایک عورت صفائی کیا کرتی تھی، آپ کئی دنوں کے بعد واپس تشریف لائے پوچھا وہ عورت کدھر ہے لوگوں نے عرض کی کہ اس کا وصال ہو گیا ہے، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چلو قبرستان جہاں اس کی قبر ہے میں وہاں جنازہ پڑھوں گا، یاد رہے کہ یہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ کئی دنوں کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور قرآن فرماتا ہے!" **وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم**"۔ "کہ محبوب ان لوگوں کی نماز جنازہ پڑھایا کریں"۔ کہ آپ کے پڑھانے سے انہیں تسکین مل جاتی ہے، اور قبر میں تسکین تب ملتی ہے جب بندے کی مغفرت ہو جائے، قرآن پاک کے فقرے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس کا جنازہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھا دیں وہ مغفور ہو جاتا ہے، اور جس کے لیے دعا فرما دیں قبول ہوتی ہے۔

بہر حال کعبے کے صدقے تمام مساجد کی صفائی لازماً کرنی ہے۔ شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں ایک آدمی مسجد کی صفائی کیا کرتا تھا خطیب نے کہا کہ مسجد کی ایسی صفائی کرو کہ ہر گندی چیز کو باہر پھینک دو، وہ خود مسجد چھوڑ کر چلا گیا، چند ماہ کے بعد کسی کو ملا، اس نے پوچھا کہ مسجد چھوڑ دی؟ جواب دیا کہ مجھے کہا گیا تھا کہ مسجد سے گندگی کو دور کر دو میں نے جب اپنے آپ کو دیکھا تو میں ہی زیادہ گندا تھا لہذا میں نے اپنے آپ کو مسجد سے نکال دیا، تو یہ ہے وہ انداز جو تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔

اب اس گھر کے مقاصد بھی آ گئے ہیں، کہ لوگ یہاں طواف کرنے کے لیے آئیں گے وہ طواف عمرہ و حج۔ اور نفلی طواف بھی ہو سکتا ہے، سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ کعبے کو دیکھنا عبادت ہے، اور پھر جب طواف سے فارغ ہو جائیں تو بیٹھ کر کعبے کو دیکھتے رہیں اور اس نیت سے دیکھیں کہ اس پر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہیں پڑی ہیں، چشم تصور میں دیکھیں کہ اس کعبے کو کس کس نے اپنے اپنے انداز سے دیکھا

Marfat.com

اور چوما حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبے کے پتھروں کو چوم رہے تھے کسی نے عرض کیا جناب لوگ حجر اسود یا رکن یمانی کو چومتے ہیں اور آپ کعبے کو چوم رہے ہیں وجہ؟ فرمایا کہ کعبے کا کوئی حصہ چھوڑنے کے قابل نہیں ہے، جہاں بھی جگہ ملے چوم لو۔'عاکف' یعنی اعتکاف کرنے والا۔ ہر طرف سے توجہ کاٹ کر کعبہ میں بیٹھ جانا اور ہمہ تن اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا، یہ بھی یاد رہے کہ رمضان کے آخری عشرے میں بھی اعتکاف ہوتا ہے چاند کے نظر آنے تک بیٹھنا ہے، البتہ اولیاء امت کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ چاند رات بھی مسجد میں گزارتے نماز عید ادا کر کے واپس گھر تشریف لاتے۔

رمضان کے علاوہ بطور نظر جتنے دن چاہیں اعتکاف کر سکتے ہیں، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب مسجد میں داخل ہوں تو اعتکاف کی نیت کر لیں، فرائض ونوافل کے علاوہ اس کا بھی الگ ثواب مل جائے گا۔

''طواف'' کعبے کے علاوہ کسی اور چیز کا نہیں ہو سکتا، اس سے سرکار علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اس لیے کہ کفار اپنے بتوں کا طواف کرتے تھے، اسی بات کو سامنے رکھ کر اقبالؒ نے ایک نظم میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا کہ میں خیالاتی طور پر آپ کے مزار پر حاضر ہوں اگر اسلام منع نہ کرتا تو میں آپ کے مزار کا طواف کرتا، اور باقی مساجد کعبے میں اس حد تک شریک ہیں کہ ان میں رکوع وسجود ہوتا ہے لیکن طواف کا امتیاز صرف کعبے کو حاصل ہے۔ اسے کعبہ البیت، کعبۃ اللہ اور بیت اللہ بھی کہتے ہیں، قرآن نے دوسرے مقام پر کعبے کو **''قیامًا للناس''** بھی کہا ہے۔ اور میرے نزدیک یہی کعبے کا ترجمہ ہے۔

کعبہ کا معنی ہے اٹھان، مثلاً پاؤں کے ٹخنے کو کعب کہتے ہیں، یعنی اٹھا ہوا تو کعبے میں اٹھان ہے، ایک تو وہ زمین سے عام عمارتوں کے مقابلے میں اٹھا ہوا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ہر دور میں یہ گرے پڑے لوگوں کی جائے پناہ رہ کر انہیں اٹھانے کا کام سرانجام دیتا رہا ہے، یہ وہ مرکز ہے جو مسلمانوں کو اجتماعی قوت دے کر باطل قوتوں کے مقابلے میں اٹھاتا رہا ہے، لہذا یہ اس کی وجہ تسمیہ ہے۔

☆☆☆☆☆

وَاِذْقَالَ اِبْرٰھِمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًاوَّارْزُقْ اَھْلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰہِ

اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیمؑ نے، اے میرے رب بنا دے اس شہر کو امن والا اور رزق دے پھلوں کا جو ان میں سے اللہ پر ایمان لائے

وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّہٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ

اور روز آخرت پر بھی! فرمایا اور جو کوئی کفر کرے گا تو اسے بھی تھوڑا سا فائدہ اٹھانے دوں گا اور پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف مجبور

وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾

کر دوں گا اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔۱۲۰

۱۲۰ "یاد فرمائیں جب ابراہیمؑ عرض کر رہے تھے، اے میرے پروردگار تو اس شہر کو امن والا شہر بنا دے اور یہاں کے رہنے والوں کو رزق دے پھلوں کا جو ان میں سے اللہ تعالیٰ وآخرت پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا! جو ان میں سے کفر بھی کرے گا میں اسے تھوڑی دیر کے لیے نفع اندوز ہونے دوں گا، پھر اسے مجبور کر دوں گا کہ آگ کے عذاب کی طرف چلا جائے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے"۔

کعبہ بن گیا جناب ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا دیئے آپ ملاحظہ فرمائیں کہ آج تک شہر مکہ امن والا شہر ہے اس کے ساتھ ایک حدیث ملالیں کہ سرکار علیہ السلام مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا! اللہ تعالیٰ تیرے خلیل علیہ السلام نے مکہ کو امن والا شہر بنایا تھا تو نے یہ بات قبول فرمالی میں عرض کرتا ہوں کہ میرے مدینے کو بھی امن والا شہر بنا دے، پھر پھلوں کی دعا کی، لیکن ابراہیمؑ نے ایک شرط لگا دی تھی کہ پھل اسے ملے جو اللہ تعالیٰ پر بھی اور قیامت پر بھی ایمان رکھتا ہو، یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی تھی کہ اللہ تعالیٰ! میری اولاد کو بھی یہ امامت ملے گی؟ جواب ملا کہ ظالموں کو نہیں ملے گی، اب وہ ادب نبی کے ذہن مبارک میں ہے، لہٰذا اگر امامت ظالموں کو نہیں ملے گی تو یہاں آپ نے خود کافروں کو درمیان سے نکال دیا، کہ اے اللہ یہاں اسی کو رزق ملے جو صاحب ایمان ہے۔

Marfat.com

چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ شرک کسی بھی نبی کے دور میں جائز نہیں رہا، لہذا سجدۂ عبادت جس طرح آدم علیہ السلام کے دور میں جائز نہیں تھا اسی طرح نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں بھی شرک ہے اور جائز نہیں ہے، البتہ سابقہ امتوں میں ایک اور سجدہ ہوتا تھا جسے وہ تعظیمی سجدہ کہتے تھے، اس کا ثبوت قرآن پاک سے ملتا ہے، لیکن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے بھی حرام قرار دیا ہے، لہذا تعظیمی سجدہ شریعت محمدیہ میں کفر بھی نہیں، شرک بھی نہیں لیکن حرام ضرور ہے، اب آپ سوچیں گے کہ سابقہ ادوار میں تعظیمی سجدہ کہاں جائز تھا تو ابھی چند دنوں کے بعد ہم وہاں پہنچنے والے ہیں جہاں آدم علیہ السلام کے سامنے یہ تعظیمی سجدہ کرنے کا اللہ کریم نے حکم دیا تھا، سورۃ یوسف میں ہم وہاں پہنچنے والے ہیں جہاں یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے سامنے تعظیمی سجدہ بجالاتے ہیں، لہذا اسے بالکل سجدۂ عبادت نہ کہا جائے، سجدۂ عبادت کبھی بھی اور کسی طریقے سے بھی جائز نہیں تھا، تو یہاں جو بات ہم نے کہی وہ یہ ہے کہ! "**ایاک نعبد**" ٥ ہمارے رحیم اور مہربان پروردگار، قیامت کے دن کے مالک ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیری عبادت میں ہم کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔

سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث گرامی ہے، ارشاد ہے کہ اگر سجدۂ تعظیمی میری شریعت میں جائز ہوتا تو میں بیوی کو کہتا کہ وہ خاوند کے سامنے سجدہ کرے، لیکن یہ بات میری شریعت میں قطعاً جائز نہیں ہے، سرکار کریم علیہ السلام کا احترام جس طرح سے ان کا خاندان کرتا تھا یا آپ کے غلام صحابہ کرتے تھے اس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، لیکن ان میں سے کسی صاحب نے سرکار کریم کے سامنے تعظیمی سجدہ نہیں کیا تھا، آپ کے ہاتھوں کو چوما ہے آپ جس جگہ بیٹھے تھے جب وہاں سے اٹھے ہیں تو بعد میں صحابہ نے اس جگہ کو بھی چوما ہے لیکن تعظیمی سجدہ نہیں کیا، کیونکہ یہ سرکار کریم کی شریعت کے خلاف بات ہے، اب اگلا لفظ ہے۔

ہے "**ایاک نستعین**" ٥ یہاں اس کا ترجمہ ہم نے یہی کرنا ہے کہ ہم تجھی سے استعانت چاہتے ہیں، استعانت کا معنی ایک انداز سے مدد فرمانا ہوتا ہے، یعنی اے رب العزت ہم تجھ سے ہی مدد کے طلب گار ہیں، ہمارے دور میں اس لفظ پر عجیب و غریب بحثیں چل رہی ہیں، میں آپ کے گوش گزار کروں گا کہ ہمارے اسلاف نے گزشتہ چودہ سو سال میں اس مدد طلب کرنے کو کس معنے میں لیا ہے، تاکہ بات کھل کے واضح ہو سکے، اس سلسلے میں علامہ بیضاوی نے، فخر الدین رازی نے، میں ان حضرات کو بطور خاص حوالے کے لیے پیش کرتا ہوں کہ یہ عربی زبان کے زبردست ماہر ہیں، لہذا اس سلسلے میں انہی کو رہبر سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

تو فرمایا! کہ امامت کے ساتھ بہت بڑا تقدس وابستہ ہے جو کافر کو نہیں مل سکتا، لیکن رزق میں ساری مخلوق شریک ہے،

لہٰذا اے ابراہیم علیہ السلام! جو کفر کریں گے انہیں تھوڑی دیر کے لیے دنیا کی چیزیں استعمال کرنے کی اجازت ہوگی آخرت میں جہنم ان کے نصیب میں ہوگی اور انہیں سخت عذاب دیا جائے گا۔

ایک صاحب مجھے کہنے لگے کہ قرآن پاک میں اکثر سزاؤں کا ذکر ہے یہ نہیں ہونا چاہیے میں نے کہا اگر یہ بات ہے تو دنیا سے تمام عدالتیں ختم کرا دو چونکہ یہ بھی سزائیں نافذ کرتی ہیں پھر دیکھیں کہ عدالتیں ختم ہونے کے بعد دنیا امن کا گہوارہ بنتی ہے یا عذاب کا. عدالتوں کے باوجود اس وقت دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ کوئی جرم کرے تو آپ منصف بن جائیں لیکن اللہ کریم سے انصاف نہ کرنے کی درخواست کر دیں یہ بات نا قابل فہم ہے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ

یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام بنیادیں اٹھا رہے تھے بیت اللہ کی اور اسماعیل علیہ السلام بھی، اے اللہ تعالیٰ اسے ہماری طرف سے قبول فرمالے

اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾

بے شک تو سننے اور جاننے والا ہے ۱۲۱

۱۲۱ "واذ یرفع ابرٰھم القواعد من البیت واسماعیل ؕ ربنا تقبّل منّا انّک انت السّمیع العلیم" ○

"یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام بنیادیں اٹھا رہے تھے بیت اللہ کی اور اسماعیل علیہ السلام بھی، اے اللہ تعالیٰ اسے ہماری طرف سے قبول فرمالے بے شک تو سننے اور جاننے والا ہے"

گویا یہ ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کی سنت ہے کہ کوئی بھی نیکی کا کام ہو، اس کے بعد قبولیت کی دعا کرنا۔

Marfat.com

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج

اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا، اور ہماری فرمانبردار اولاد میں ایک فرمانبردار امت پیدا فرما، اور تو ہمیں حج کے مناسک (قواعد، فرائض)

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

بتادے اور ہماری طرف رجوع فرما یقیناً تو ہی رجوع فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے ۱۲۲

۱۲۲ ''اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا، اور ہماری فرمانبردار اولاد میں ایک فرمانبردار امت پیدا فرما، اور تو ہمیں حج کے مناسک (قواعد، فرائض) بتادے اور ہماری طرف رجوع فرما، یقیناً تو ہی رجوع فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے''

پہلی بات یہ عرض کی کہ ہماری ساری زندگی یوں گزرے کہ تیرے سامنے گردن جھکائے رکھیں دوسری بات یہ تھی کہ یہ سلسلہ صرف ہم باپ بیٹے پر ختم نہ ہو بلکہ ایک مسلم امت پیدا فرمادے جس کا کام تیری فرمانبرداری کرنا ہو۔ ہم نے تیرا گھر تعمیر کردیا اب جس طریقے سے حج کرنا ہے وہ بھی بتادے، اے اللہ تعالیٰ ہم تیری توجہ کے محتاج ہیں، توجہ فرما کر کسی کی دستگیری کرنا تیرا ہی کام ہے، اور تو ہی رحم فرمایا کرتا ہے ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کررہے تھے اور دوسری طرف حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت جبرائیل علیہ السلام آمین کہہ رہے تھے۔

دعائے ابراہیمی علیہ السلام کا یہ انداز حیران کن ہے اور دعا کا نکتۂ عروج اگلی آیت میں ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط

اے ہمارے پروردگار ان میں بھیج دے ایک شان والا رسول جو انہی میں سے ہو وہ انکے سامنے تیری آیات پڑھے انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

انہیں پاک کردے یقیناً تو ہی غالب حکمت والا ہے ۱۲۳

Marfat.com

"ربنا وبعث فیھم رسولاً منھم یتلو علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتب والحکمۃ
ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم "o

۱۲۹ "اے ہمارے پروردگار ان میں بھیج دے ایک شان والا رسول جو انہی میں سے ہو وہ انکے سامنے تیری آیات پڑھے انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کردے یقیناً تو ہی غالب حکمت والا ہے"۔

یہاں کچھ باتیں یاد رکھیں کہ رسول ایک ہوگا۔زیادہ مراد نہیں کیونکہ لفظ رسول واحد ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی وہ شاخ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی طرف سے آتی ہے اس میں رسول صرف ایک ہوگا اور ان کی اولاد سے ہوگا، اب جو ان کی اولاد سے نہیں ہے وہ اس کا حصہ دار نہیں بن سکتا۔

آپ پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ وہ نبیوں کا دور تھا نبی آرہے تھے جناب اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سینکڑوں نبی پیدا ہوئے، آخر کیا وجہ ہے اسماعیل علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔یہ تین حوالے اس کا واضح ثبوت ہیں۔تو ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ! وہ شان والا رسول ان میں بھیج دے اب تورات وانجیل بے حد محرف ہو چکی ہیں۔لفظ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تبدیل کر کے فارقلیط لایا گیا کئی مختلف زبانوں میں تبدیل کیا گیا لیکن آج بھی تین باتیں براہ راست سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں۔

جناب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو خطاب کر رہے ہیں فرمایا!

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھرنا۔جناب موسیٰ علیہ السلام میں ایک خصوصی امتیاز جہاد کا ہے جو سابقہ امتوں میں نہیں تھا یہی امتیاز سرکار علیہ السلام میں ہے کہ جہاد کی تکمیل آپ کی ذات اقدس پر ہوتی ہے لہذا جناب موسیٰ علیہ السلام نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ مشابہ قرار دیا۔(بحوالہ استثنا۔باب 180۔آیت نمبر 15)

پھر موسیٰ علیہ السلام اللہ کریم کا ارشاد یوں نقل کرتے ہیں خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا، یعنی آپ کے غلاموں میں، میں ان میں سے ان کے بھائیوں سے تجھ جیسا ایک نبی برپا کروں گا۔اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔

(تورات استثنا۔باب 180۔آیت نمبر 18)

یہی بات ہے جو قرآن نے فرمائی کہ!

"وماینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی" o

Marfat.com

''کہ محبوب اپنی مرضی سے نہیں بولتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے''۔

تیسرا حوالہ موجودہ انجیل کا ملاحظہ ہو، موسیٰ علیہ السلام نے کہا'' خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ تم سے کہے تم اس کی سننا''۔

اب سرکار علیہ السلام عظیم المرتبت رسول ہیں وہ ایک ہیں اور جس طرح ان تین عبارتوں سے یہ بات واضح ہے کہ وہ جناب اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے چچازاد بھائیوں میں سے آئیں گے تو چچازاد بھائیوں میں سے سوائے سرکار علیہ السلام کی ذات اقدس کے اور کوئی نہیں۔ لہٰذا اس آیت میں رسول سے مراد سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی ہے۔

ایک نکتہ:

عربی کے الفاظ پر تنوین آتی ہے اور یہ کبھی تعظیم کے لیے ہوتی ہے لفظ رسول پر بھی تعظیم کے۔ لیے ہے، ترجمہ ہوگا'' کہ ایک عظیم الشان رسول آئے گا اس رسول کے کام یہ ہیں!

"یتلوا علیھم ایٰتک" ٥ اے اللہ وہ رسول ایسا ہو جو ان کے سامنے تیری آیتیں تلاوت فرمائے۔

"ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ" ٥ اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔

"ویزکیھم" ٥ اور وہ انہیں پاک کر دے۔

"انک انت العزیز الحکیم" ٥'' بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے آنے والے رسول کے لیے تین دعائیں فرمائیں۔ کہ تیری آیتیں وہ لوگوں کو سنائے، اب پڑھ کر سنانے کے بعد ایک مقام پر آگئے، یہ سب سے پہلی سٹیج ہے اور یہ تبلیغ کا ابتدائیہ ہوتا ہے لہٰذا اس حیثیت سے سرکار کائنات میں سب سے بڑے مبلغ ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کتاب انہیں پڑھائے، قرآن کے معانی سمجھائے سرکار مسجد نبوی سے جا رہے تھے اس میں دو حلقے بنے بیٹھے تھے کچھ لوگ ذکر کر رہے تھے کچھ پڑھا رہے تھے، پہلے حلقے کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ بڑا اچھا کام کر رہے ہو، دوسری محفل میں خود جا کر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا!

"انما بعثت معلماً" ٥ ''میں تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔

لفظ حکمت کی تشریح

ہمارے مفسرین نے حکمت کا معنی دانائی کیا ہے یعنی عقل وشعور کی باتیں اور یہ عقل وشعور کی باتیں سرکار علیہ السلام اپنی زبان میں سمجھاتے ہیں۔ یعنی الفاظ اپنے ہوتے ہیں اور جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک ہوں وہ حدیث ہے اسے سنت

Marfat.com

کہتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو ارشاد فرمائیں وہ حکمت ہے، کیا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہے؟ اگر اس کا معنی حدیث ہے تو کچھ لوگ حدیث کے منکر ہیں پھر ہمیں قرآن سے دلیل لینی ہوگی کہ کیا یہ حکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ہے، قرآن پاک نے فرمایا!

"وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ" ٥

"کہ محبوب اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت دو چیزیں نازل فرمائیں"۔

معلوم ہوا کہ حکمت بھی "منزل من اللہ" ہے تبھی پوری امت آج تک اس بات پر متفق ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی جو تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن پاک۔ دوسری جو تلاوت نہیں کی جاتی اور وہ ارشاداتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اب سادہ سی بات ہے قرآن کی تشریح کرنے کا مجھے تو حق ہو علماءِ دیوبند کو تو حق ہو اور آپ کہہ دیں کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی زبان میں قرآن کی تشریح کرنے کا حق نہیں؟ یہ بات نا قابل قبول ہے، اور وہ تشریح جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمائیں کائنات میں معتبر ترین ہے، اور بڑے تمام مفسرین نے کوشش کی کہ قرآن کی تشریح حدیث سے کی جائے اور جب وہ کتاب پڑھا رہے ہیں تو وہ معلم اعظم ہیں اور جب قرآن کو اپنی تعلیمات کی روشنی میں منور کرتے جا رہے ہیں تو مرشدِ اعظم ہیں۔

یزکیھم کی تشریح

تزکیہ کا معنی یہ ہے کہ ہر قسم کی نجاست **"ظاھراً و باطناً"** کو دھو دینا۔ ظاہر کو پانی سے دھویا جاتا ہے اور باطن کی پاکیزگی کے لیے نگاہِ نبوت درکار ہوتی ہے، جو سینہ چیر کے دل میں اتر جاتی ہے، اور دل کو تبدیل کر کے رکھ دیتی ہے، ایک مثال عربی میں جانور کے ذبح کرنے کو تزکیہ کہتے ہیں اس کے جسم سے خون نکل جائے گا اب جو باقی گوشت بچ گیا وہ طاہر و پاک ہے خون جو قابل استعمال نہیں تھا وہ جسم سے نکال دیا گیا ہے اب جانور پاک ہو گیا ہے۔

سینے کے اندر دل ہے جس میں حسد، کینہ، بغض اور کفر و شرک کی غلاظتوں اور تاریکیوں کا ڈھیر ہوتا ہے، اس دل کو نبی کا انداز پاک کرتا ہے، کسی نے ترجمہ کیا!

جس طرف چشم محمدؐ کے اشارے ہوگئے
جتنے ذرے سامنے آئے ستارے ہوگئے

Marfat.com

تصوف کا یہ سب سے بڑا قاعدہ ہے کہ اولیاءِ امت باطن کو پاک کرنے کی کوشش فرماتے ہیں اور پاک کر کے انسان کا عقیدہ اتنا پختہ کر دیتے ہیں کہ وہ اپنے راستے سے ہٹ نہیں سکتا۔ بہر حال دعائے ابراہیمی علیہ السلام پوری ہوئی تبھی سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ ہوں۔

وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى

جو آدمی ابراہیم علیہ السلام کے مذہب سے منہ موڑے وہ وہی ہے جس نے اپنے آپ کو حماقتوں میں ڈال دیا، ہم نے انہیں دنیا میں چن لیا

الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾

تھا یقیناً وہ آخرت میں صلاحیت والے لوگوں میں شامل ہیں ۱۲۴

"ومن یرغب عن ملة ابرٰھم الا من سفه نفسه ولقد اصطفینه فی الدنیا وانه فی الاخرة لمن الصلحین" ٥

۱۲۴ "جو آدمی ابراہیم علیہ السلام کے مذہب سے منہ موڑے وہ وہی ہے جس نے اپنے آپ کو حماقتوں میں ڈال دیا، ہم نے انہیں (ابراہیم علیہ السلام کو) دنیا میں چن لیا تھا یقیناً وہ آخرت میں صلاحیت والے لوگوں میں شامل ہیں"۔

صالح کا معنی نیک ہے لیکن جب یہ لفظ انبیاءؑ کے لیے استعمال ہو تو ان کی وسعتوں کے سامنے لفظ تنگ ہو جاتا ہے لہذا میں ترجمہ صلاحیت کروں گا آخرت میں نبی کی صلاحیت سے شفاعت ہوگی اور جنت ملے گی۔

اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾

جب اس کے رب نے اسے کہا کہ گردن جھکا دے، اس نے کہا میں سب عالمین کے رب کے سامنے گردن جھکائے بیٹھا ہوں ۱۲۵

"اذقال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العلمین" ٥

۱۲۵ "جب اس کے رب نے اسے کہا کہ گردن جھکا دے، اس نے کہا میں سب عالمین کے رب کے سامنے گردن جھکائے بیٹھا ہوں"۔

یہ وہ عظیم مقام ہے جہاں نبی کھڑا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے نبی کی اپنی خواہشات نہیں ہوتیں وہ معصوم ہوتا

Marfat.com

ہے۔انسانیت کی معراج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکا دے،کیا بات یہاں ختم ہوگئی؟نہیں!

وَ وَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ

اسی کی وصیت کی ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اے بیٹو! یقیناً اللہ نے تمہارے لیے دین کو منتخب کر لیا ہے

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ﴿۱۳۲﴾

تو تمہیں ہرگز نہ موت آئے مگر یہی حالت ہو کہ تم مسلمان ہو ۱۲۶

۱۲۶ ''اسی کی وصیت کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو۔(یعنی جو مذہب جناب ابراہیم علیہ السلام لے کر آئے تھے اس کی تعلیم اپنے بیٹوں کو دی) اے بیٹو! یقیناً اللہ نے تمہارے۔یہ دین کو منتخب کر لیا ہے تمہیں ہرگز نہ موت آئے مگر یہی حالت ہو کہ تم مسلمان ہو''۔

آپ جب بھی قرآن پاک کا مطالعہ کریں گے تو یہ فقرہ آپ کو روح قرآن نظر آئے گا وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو تمہارے لیے چن لیا ہے،اب تمہیں صرف اسلامی کیفیت میں موت آنی چاہیے،مطلب یہ کہ موت کی خبر نہیں کہ کس وقت آئے گی،اس لیے پوری زندگی میں ہر وقت موت کے لیے تیار رہیں،جب تیار رہیں گے تو توجہ الی اللہ ایک لمحہ کے لیے غائب نہیں ہوگی،یہود بار بار مسلمانوں کو کہتے کہ ہمارا مذہب سچا ہے آپ نئے مذہب والے ہیں ہمارے پاس قدیم مذہب ہے یہاں قرآن نے اس کا جواب دیا کہ!

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ

اے دور محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہودیو! کیا تم حاضر تھے جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی،جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بعد کس کی عبادت کرو گے

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ

بیٹے بولے کہ ہم عبادت کریں گے آپ کے اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل و اسحٰق علیہ السلام کے معبود کی،وہ ایک ہی معبود

وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

ہے اور ہم نے اس کے سامنے گردن جھکائی ہوئی ہے ۱۲۷

Marfat.com

ام كنتم شهدآء اذ حضر يعقوب الموت اذ قال لبنيه ما تعبدون من بعدى قالوا نعبد الهك واله ابآئك ابرٰهم واسمٰعيل واسحٰق الها واحدا ونحن له مسلمون0

ترجمہ: اے محبوب کیا تم موقع پر موجود تھے، کیا تم حاضر تھے جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے (کوئی اور ہوتا تو وصیت کرتا کہ زمین، رقم وغیرہ وارثوں میں تقسیم کرنی ہے مگر نبی کو فقط عبادت کی تبلیغ ہوتی ہے) بیٹے بولے کہ ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل و اسحٰق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے، وہ ایک ہی معبود ہے اور ہم نے اس کے سامنے گردن جھکائی ہوئی ہے۔

یہ عبارت قرآن میں نہیں بلکہ تلمود میں اس سے بھی وصیت موجود ہے اس آیت کو تلمود والی وصیت کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے یہاں ایک ترتیب ہے جو عام ترتیب کے خلاف ہے ہم باپ، دادا، پردادا یعنی نیچے سے اوپر جاتے ہیں، مگر یہاں اوپر سے بات نیچے آئی ہے ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق۔ معلوم ہوا کہ مرتبے میں کوئی بڑا ہو تو اس کا نام پہلے لیا جاتا ہے لہذا یہاں اولیت جناب ابراہیم علیہ السلام کو ملی۔ یہودی حضرت اسماعیل علیہ السلام پر الزامات لگاتے تھے ان کو لونڈی زادہ کہتے تھے، حالانکہ یہ بات سراسر غلط تھی۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ان لوگوں نے لونڈی کہا، اور جناب اسماعیل علیہ السلام کو لونڈی زادہ کہہ کر توہین کی۔ دور حاضر کے یہودیوں، عیسائیوں نے کتابوں میں سیدہ ہاجرہ کو شہزادی لکھا ہے۔ قرآن کی عظمتوں کو سلام کہ اس نے حقائق واضح کیے، اب اگر قرآن پاک رب کی کتاب نہ ہوتی تو کیا جناب اسماعیل علیہ السلام کی مدح و شان ہوتی؟ جناب اسحٰق علیہ السلام کو چھوڑ دیا جاتا تاکہ اس غلط کا ازالہ ہو سکے جس کو وہ شروع کر کے بیٹھے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَ لَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ
وہ ایک قوم تھی جو چلی گئی ان کے لیے جوانہوں نے اعمال کیے اور تمہارے لیے ہیں جو تم اعمال کرو گے
وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾
تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ لوگ کیا کیا کرتے تھے ۱۲۸؎

"تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عمّا کانوا یعلمون "٥

۱۲۸؎ "وہ ایک قوم تھی جو چلی گئی ان کے لیے ہیں جوانہوں نے اعمال کیے اور تمہارے لیے ہیں جو تم اعمال کرو گے تم سے یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ وہ لوگ کیا کیا کرتے تھے"۔

اس سے مراد مذکورہ بالا نبی اور تینوں نبی اوران کے ماننے والے، جو چلے گئے انہوں نے جو اعمال کرنے تھے کر گئے، ان کے اعمال تم سے نہیں پوچھے جائیں گے، تم سے یہ پوچھا ہے کہ تمہارے اعمال کیا ہیں، یہاں قرآن نے دو نظریوں کی تردید کر دی ہے۔ عیسائیوں کا نظریہ یہ تھا کہ معصیت متوارث ہوتی ہے، یعنی گناہ ورثے میں چلا جاتا ہے، باپ کا گناہ بیٹے تک پوتے تک، تو اس جرم میں اگلی نسلیں بھی شریک ہوں گی، اس کے جواب میں یہودیوں نے ایک اور نظریہ گھڑا تھا اور انہوں نے نجات متوارث کا نظریہ رکھا کہ اسی طرح ورثے میں نجات ملتی ہے، اگر باپ قائل ہے تو بیٹے کو ناقص اعمال کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو قرآن پاک نے اس کی تردید کی، یہاں عمل صالح پر مدار ہے، جو گزر گئے وہ اپنے اعمال ساتھ لیے چل دیئے اور بعد میں آنے والے اپنے اپنے اعمال کے ساتھ جائیں گے، اسے ایک حدیث نے واضح کر دیا کہ سرکار علیہ السلام نے معراج سے واپسی پر جناب ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی جناب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہنا، اور فرمانا کہ جنت کی زمین بالکل چٹیل پڑی ہے اس میں اپنے اعمال کے پودے لگاؤ، مطلب یہ ہوا کہ اعمال جنت کے پودوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور فرمایا کہ وظیفہ!

"سبحن اللہ وبحمدہ سبحن اللہ العظیم "٥ پڑھا کریں۔

Marfat.com

وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ

وہ کہتے ہیں کہ تم یہودی یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے، فرمادیجئے! بلکہ ملت ابراہیمی علیہ السلام قبول کرو جو یکسو اللہ کے ہو گئے تھے اور وہ

الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾

شرک کرنے والوں میں شامل نہیں تھے ۱۲۹

"وقالوا کونوا ھوداً او نصٰری تھتدو ا قل بل ملّۃ ابرٰھم حنیفاً وما کان من المشرکین" ٥

۱۲۹ "وہ کہتے ہیں کہ تم یہودی یا نصرانی ہو جاؤ، ہدایت پا جاؤ گے، فرمادیجئے بلکہ ملت ابراہیم علیہ السلام قبول کرو جو یکسو اللہ کے ہو گئے تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں شامل نہیں تھے"۔

یہاں قرآن پاک نے یہود و نصاریٰ کا ایک نظریہ پیش کیا جو کہتے تھے کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت مل جائے گی، قرآن کریم نے ان کے اس نظریے کی تردید بڑے ہی نفیس انداز سے فرمائی، کہ اگر تم نے اسی طرح تبلیغ کرنی ہے تو سیدھی سی بات ہے کہ ملت ابراہیمی میں شامل ہو جاؤ، تمہاری عادات یہ ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا ہے کسی کے لیے کچھ اور بات کہہ دی ہے، اور ابراہیم علیہ السلام تو ہر باطل مذہب سے بالاتر ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہو گئے تھے، اور اگر تم بھی ان کی پیروی کرو تو یہ دین حق ہو گا ابراہیم علیہ السلام کا شرک سے تعلق نہیں اور تم شرک میں مبتلا ہو، یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، نصرانیوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، (العیاذ باللہ) تو یہ شرکیہ تعلیم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس تعلیم سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔

☆☆

ان کا ارشاد یہ ہے کہ استعانت یا مدد دو قسم کی ہوتی ہے، ایک بات یہ ہے کہ ایسی قوت عطا کر دینا جس سے آپ نئی کام کر سکیں، یہ آغاز ہے، مثلاً آپ کو اللہ کریم جسمانی قوت عطا فرما دیتے ہیں، اعصابی قوت عطا فرما دیتے ہیں، ذہنوں کی سوچیں عطا فرما دیتے ہیں یہ اس انداز کا سب سے پہلا حصہ ہے تا کہ آپ اللہ کریم کے دیئے ہوئے اختیارات کو استعمال فرما سکیں، سب سے پہلے طلب مدد ان باتوں میں آتی ہے کہ آپ کو لازمی قوتیں دیدی جائیں، جن قوتوں کی وجہ سے آپ کسی بات پر قادر ہو سکیں، مثلاً آپ نے نماز پڑھنی ہے تو اس کے لیے آپ وضو کرنے پر قادر ہوں، نماز کے افعال ادا کرنے پر آپ قادر ہوں تو یہ وہ باتیں ہیں جو ابتدائی انداز سے طلب مدد میں شامل ہیں، تو یہ وہ مدد ہے جسے ضروری مدد کہتے ہیں، دوسری مدد وہ ہے جو اتنی ضروری نہیں اس کے لیے ہمارے مفسرین نے یہ مثال پیش کی ہے کہ آپ کسی مقام پر جانا چاہتے ہوں آپ میں قوت تو موجود ہو کہ آپ وہاں تک چل کے پہنچ جائیں لیکن جب آپ کو وہاں جانے کی سواری مل جاتی ہے تو یہ سہولت ہے، تو یہ وہ مدد ہے جو غیر ضروری مدد ہے، ضروری مدد صرف وہ ہوتی ہے جس کی مدد سے آپ مختلف کاموں کے کرنے پر قدرت پا سکیں، اور اس قدرت کو آپ استعمال کر سکیں، اب یہاں اختیارات سے مراد یہ بات ہے کہ اللہ کریم نے جو قوتیں آپ کو عطا فرمائی ہیں ان قوتوں کو ہم ان مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں، جو مقاصد آپ نے ہمارے لیے متعین کیے ہیں، یہ وہ معنی ہیں جو ماہرین تفسیر کر رہے ہیں، اب دور حاضر میں اسے ایک عام معنے میں لے لیا گیا اور پھر یہ نہیں سوچا گیا کہ اس کے اثرات کیا مرتب ہوں گے، وہاں یہ کہہ دیا گیا کہ کسی انسان سے جب آپ مدد طلب کرتے ہیں تو یہ شرک ہے، یہ بات نہیں ہے، اس ضمن میں دو انداز ہمارے کام آتے ہیں، ایک حقیقت ہے ایک مجاز ہے، اور اس انداز میں مجاز سے قدم قدم پر ہمیں واسطہ پیش آتا ہے، اگر ہم مجاز کو چھوڑ دیں گے اور صرف حقیقت مراد لیں گے تو بات نہیں بنے گی، مثلاً آپ اللہ کریم کے بغیر کسی اور سے مجازی معنی میں بھی مدد کے قائل نہیں ہوں گے، تو آپ استاد کے پاس کیسے جائیں گے، وہ اللہ تو نہیں ہے وہ تو غیر اللہ ہے، آپ اپنے مالک کے پاس کیسے جائیں گے جس کے پاس آپ کام پر جاتے ہیں اسی طریقے سے دنیا کے جتنے بھی کام ہوں ان کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایک مجازی بات ہوتی ہے، اب آپ جس استاد کے پاس جا رہے ہیں اور واضح بات ہے کہ اسے اللہ کریم نے علم عطا کیا ہے، جس ڈاکٹر کے پاس آپ جا رہے ہیں اسے بھی اللہ کریم نے ہی یہ فن عطا کیا ہے، یہ مجازی حیثیت ہے جو انہیں اللہ کریم نے عطا کی ہے، لیکن عقیدہ مجازی یہ ہے کہ اصل سارے کا سارا اللہ کریم کی طرف پلٹتا ہے، لیکن اللہ کریم نے مجازی انداز کے جو ذرائع پیدا فرما دیئے انہیں استعمال کرتے رہنا اور جب مدد کی بات آئے تو یہ کہہ دینا کہ ہم مدد کے قائل نہیں ہیں، لہذا استعانت ہم صرف اللہ کریم سے کریں گے، اس میں کوئی شک نہیں کہ استعانت صرف اللہ کریم کی ہی ہے، لیکن اللہ کریم نے استعانت کے لیے جو ذرائع عطا فرمائے ہیں، ان ذرائع کو مجازی انداز سے آپ نے لینا ہوگا، آپ پانی بھرنے جا رہے ہیں اور پانی آپ نے کنوئیں سے نکالنا ہے تو اس کے لیے آپ کو

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ

مسلمانو! تم کہو ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اور جو ہماری طرف اتارا گیا ہم نے اسے بھی مانا (یعنی قرآن پاک) اور جو ابراہیم علیہ السلام

، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اور ان کی اولاد پر نازل ہوا، وہ بھی ہم مانتے ہیں اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو جو عطا کیا گیا اور ان کے باقی جتنے بھی انبیاء کو رب کی طرف سے جو

ملا (سب کو مانتے ہیں)،

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور بحیثیت نبی کسی کی تفریق نہیں کرتے ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں ۱۳۰

۱۳۰ ''مسلمانو! تم کہو ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اور جو ہماری طرف اتارا گیا ہم نے اسے بھی مانا (یعنی قرآن پاک) اور جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوا وہ بھی ہم مانتے ہیں موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو جو عطا کیا گیا، ان کے باقی جتنے بھی انبیاء کو رب کی طرف سے جو ملا ہے ہم اس سب کو مانتے ہیں، ہم ان میں سے بحیثیت نبی کسی کی تفریق نہیں کرتے ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں''۔

اس آیت سے بنیادی عقیدہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کریم کی ذات کو ماننے کے بعد ہم سب انبیاء کو مانتے ہیں، اور بحیثیت نبی ہم اس بات کے مکلف ہیں کہ ان کی نبوت پر ایمان لائیں اگر ان میں سے ہم کسی نبی کو نہیں مانیں گے، تو ہم مسلمان نہیں۔ یہاں قرآن نے بڑی بلاغت سے ڈائریکٹ یہود و نصاریٰ پر سخت چوٹ کی ہے، بہرحال مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو تو مانتے ہیں، باقی انبیاء کو مانتے ہیں، لیکن یہودیت و عیسائیت کو نہیں مانتے گویا!

۱۔ یہودیت و عیسائیت کا انکار ۲۔ تحریف شدہ کتاب کا انکار

ضمناً ایک بات عرض کروں کہ ایمان کے اجزا پانچ ہیں۔

Marfat.com

۱۔اللہ کو ماننا ۲۔انبیاء کو ماننا ۳۔اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو ماننا ۴۔فرشتوں کو ماننا ۵۔اور قیامت کو ماننا

کچھ لوگوں نے اس کے ساتھ تقدیر کا اضافہ کیا کہ یہ بھی جزوِ ایمان ہے لیکن وہ ایک اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کو مانیں گے تو تقدیر اس کے ساتھ مانی جائے گی۔

اور جب آپ گہرے انداز سے قرآن پاک کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ان پانچ چیزوں میں سے دو چیزیں باقی تینوں کے ساتھ وابستہ ہیں، اصل مرکزی عقیدے تین رہ جاتے ہیں۔

۱۔اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک ماننا ۲۔انبیاء کو ماننا ۳۔قیامت کو ماننا

جب آپ نے نبی کو مان لیا تو اس کے ساتھ دو باتیں بذاتِ خود مانی جائیں گی، کہ نبی پر کتاب آتی ہے لہذا مانی جائے گی اور کتاب کو لانے والا فرشتہ ہے لہذا فرشتوں کو مانا جائے گا، کتاب اور فرشتوں کا ماننا نبی کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ

اگر وہ ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پر ہیں اور اگر وہ نہ مانیں تو وہ پھوٹ میں پڑے ہیں، محبوب! لازماً

ان کی طرف سے آپ کے لیے اللہ کافی ہے

اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اور وہ سننے اور علم والا ہے ۱۳۱

'اگر وہ ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پر ہیں اور اگر وہ نہ مانیں تو وہ پھوٹ میں پڑے ہیں، محبوب! لازماً آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ سننے اور علم والا ہے''۔

۱۳۱ آیت نے دو مفاہیم کو واضح کیا، سرکار علیہ السلام کی تعلیمات کو جن لوگوں نے مانا ہے وہی معیار ہے اس لیے یہاں قرآن پاک نے (امنوا) جمع کا لفظ پھر آگے (امنتم) بھی جمع کا لفظ استعمال کیا، اگر یہ سارے لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح مسلمانو تم ایمان لائے ہو۔ جب قرآن نے یہ خطاب فرمایا اس وقت ہم تو نہیں تھے بلکہ صرف صحابہ اور سرکار کا اپنا خاندان موجود تھا جن کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، ان سب کا ایمان سرکار پر دو طرح کا نہیں بلکہ ایک طرح کا تھا دو طرح کا ایمان ہو تو دو عملی

Marfat.com

ہوتی ہے اور یہی منافقت ہے، لہذا

تعلیم سرکار ایک ہے۔ اور اسی ایک تعلیم کو صحابہ اور اہل بیت دونوں نے مانا، معلوم ہوا کہ ان کا ایمان معیاری ہے لہذا جب اللہ نے دعوت دی تو فرمایا جس طرح تم ایمان لائے ہو اس طرح جو ایمان لائے گا وہ ہدایت پائے گا، اب ہم نے قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے انداز وہ اپنانا ہے جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے نکتہ آغاز کا تھا جنہیں صحابہ و اہل بیت کہتے ہیں اور پھر ماننا پڑے گا کہ ان کے دو مذہب نہیں تھے کہ صحابہ کا الگ اور اہل بیت کا الگ بلکہ مذہب ایک ہی تھا اسی لیے قرآن پاک نے لفظ ''آمنتم'' استعمال فرمایا ہے۔

''وان تولوا'' ٥ اگر وہ رخ موڑیں تو یہ خود بھی باہمی خلفشار میں مبتلا ہیں، یہودی کچھ اور کہتے ہیں، عیسائی کچھ اور کہتے ہیں پھر عیسائیوں میں بھی کئی فرقے تھے، زمانے کے گزر جانے نے ہمیں بھی ان بدعات میں مبتلا کیا، جن بدعات میں وہ قومیں مبتلا تھیں، ہم بھی گروہ بندی کا شکار ہو گئے، قرآن نے فرمایا کہ اگر یہ ضد بندی کی وجہ سے نہ مانیں تو ان کی گروہ بندی ہے، حقائق کھل کر ان کے سامنے آگئے ہیں اگلے فقرے میں قرآن نے ایک پیش گوئی فرمادی، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت یہود و نصاری کا مدینہ کی سیاست، اقتصادیات، تہذیب اور اقتدار پر قبضہ تھا، قرآن نے فرمایا!

''فسیکفیکھم اللّٰہ'' ٥ ''فرمایا محبوب ان سب کی طرف سے اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے''۔

اب یہاں عربی کے پریزنٹ ٹینس (فعل مضارع) پر 'س' لگ گیا ہے جس کی وجہ سے یہ فیوچر ٹینس (فعل مستقبل) میں تبدیل ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل قریب میں اللہ آپ کو کافی ہوگا، کہ اسلام غالب آنے والا ہے، پھر کائنات نے دیکھا کہ اسلام غالب آگیا، مدینہ کی برادریاں بنو قریظہ، بنو نضیر وغیرہ شکست کھا گئیں، اپنے ہاتھوں سے اپنے مکان گرا کے چھتیں اپنے اونٹوں پر لادیں، اور مدینہ چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے، یہودیت و عیسائیت شکست کھا گئیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا جو محبوبؐ سے فرمایا تھا۔ آگے ان کے ایک اعتراض کا جواب آرہا ہے، دو قومیں عجیب انداز اپنائے ہوئے ہیں، اہل کتاب پیلا رنگ گھول کر یہودی یا عیسائی ہونے والے پر لگا دیا کرتے تھے، ہمارے پڑوسیوں کا طریقہ یہ ہے کہ گائے کا گوبر گھول کر ان کے جسم پر مل دیتے ہیں، اور دو چار گھونٹ پلا دیتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ پکا ہندو ہو گیا ہے۔ بہر حال وہ لوگ اسے صبغہ کہتے ہیں، اس کا مصدر صباغت استعمال کرتے ہیں، جب وہ مسلمان سے ملتے تو کہتے کہ آپ کے پاس کون سا رنگ ہے قرآن نے اس کا جواب دیا!

☆☆

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اللہ کا رنگ اور اللہ سے بہتر اور کون ہے جو رنگ لگائے ہم تو اسی اللہ کے عبادت گزار ہیں ۱۳۲

۱۳۲ "**صبغة اللّٰه** "مسلمان تو اللہ کے رنگ میں رنگا گیا ہے یہ بتاؤ۔"**ومن احسن من اللّٰه صبغة** " اللہ سے بہتر اور کون ہے جو رنگ لگائے۔"**ونحن له عبدون** " ہم تو اسی اللہ کے عبادت گزار ہیں۔

اللہ کے رنگ کی دو نوعیتیں ہیں، پہلی نوعیت قوی ہو تو دوسری نوعیت برقرار رہتی ہے، پہلی کمزور ہو تو دوسری ختم ہو جاتی ہے، قرآن کا رنگ یہ ہے کہ آپ کے دل میں اس عقیدے کو راسخ کر لیا جائے جسے لے کر چل رہے ہیں، جب دل ایک بات کو مان لیتا ہے تو اعضاء اس کے تابع ہو جاتے ہیں، اللہ کے رنگ کا تعلق پہلے باطن کو رنگنے سے ہے، جب باطن رنگا جائے گا تو ظاہر اس کے تابع ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام انسانی وجود کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس کی اصلاح کرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ باطن کی اصلاح ہو۔

۱۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور پختہ ہو جائے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے منع فرمایا وہ دل سے نکل جائیں، پھر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت پر چلنا آسان ہو جائے گا۔

۲۔ ظاہر کی طہارت یہ ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ اچھے رہیں اپنے گھر والوں، معاشرے والوں سے ملک وملت سے اچھے رہیں، ظاہری عبادات، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو، جب آپ یہ رنگ اپنالیں گے تو یہ رنگ اللہ تعالیٰ کا رنگ ہوگا، جس سے بہتر اور کوئی رنگ نہیں ہے۔ اب قرآن پاک نے ان کی ایک اور بحث کو لیا کہ تمہارا ،ہمارا نزاع ذات رسالت پہ ہے، ذاتِ خدا میں نہیں، لہذا گفتگو کرتے ہوئے اصل نکتے پر بات کو محدود رکھو۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

آپ فرما دیں! کیا ہم سے اللہ کے بارے میں حجت بازی کرتے ہو، حالانکہ ہمارا اور تمہارا پروردگار وہی ہے اور ہمارے اپنے اعمال ہیں اور تمہارے اپنے

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۙ ﴿۱۳۹﴾

ہم تو خلوص سے ایک اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں ۱۳۳

"قل اتحآ جّو ننا فی اللہ وھو ربنا وربّکم ج ولنا اعمالنا ولکم اعمالکم ج ونحن لہ مخلصون"o

"محبوب آپ فرمادیں! کیا تم ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں حجت بازی کرتے ہو، حالانکہ وہ ہمارا بھی اور تمہارا بھی پروردگار ہے، ہمارے لیے ہمارے اپنے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، ہم تو خلوص سے ایک اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں"۔

۱۴۳ یعنی اس کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔ خلوص کا معنی یہ ہے کہ چھننی سے آٹا چھاننا، چھان اوپر رہ جاتا ہے، آٹا نیچے چلا جاتا ہے، جو آٹا نیچے نکل گیا ہے وہ خلوص ہے اور پر رہنے والا بیکار ہے نتیجہ یہ نکلا کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس میں کوئی ملاوٹ نہ ہو۔ اب ان کا ایک اور دعویٰ تھا کہ سب انبیاء یہودی یا نصرانی تھے (العیاذ باللہ) اس کی قرآن نے تردید کی!

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ط

کیا تم کہتے ہو بے شک ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولادیں وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے

قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ط وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ط وَمَا اللّٰهُ

آپ فرمادیں کہ کیا تمہیں زیادہ علم ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو شہادت کو چھپالیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس تک پہنچ چکی، اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۴۰﴾

تمہارے ان کرتوتوں سے جو تم کرتے ہو ۱۴۴

۱۴۴ شہادت کیا تھی

وہ بار بار کہتے تھے کہ ہمیں یعقوب علیہ السلام نے بتایا تھا کہ یہودی ہو جاؤ گے تو ہدایت پا جاؤ گے، میرا اور میرے آباؤ اجداد کا بھی یہی دین ہے، (العیاذ باللہ) حضرت یعقوب کی وصیت مختلف جگہوں پر موجود ہے۔ انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر 7 صفحہ نمبر 24 پر یہ الفاظ موجود ہیں۔ تلمودس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں، ان کی وصیت کے تین جز ہیں۔

۱۔ میرے بعد بت پرستی نہیں کرنی ہے۔ ۲۔ اللہ کریم کی بے حرمتی نہ کی جائے بر انداز سے۔ ۳۔ میرے جنازے کو کافر ہاتھ نہ لگائے۔ اب رہی بات جناب ابراہیم علیہ السلام کی تو ہماری تفاسیر میں یہ الفاظ موجود ہیں جو قدیم تاریخ سے نقل ہوتے رہے ہیں

Marfat.com

آپ آگ میں پڑے تھے تو حضرت جبرائیل خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے عرض کی ''ھل لک حاجۃ الیّ ؟ میرے لیے کوئی خدمت ہے؟ فرمایا ''اما الیک فلا '' آپ کے پاس میرا کوئی کام نہیں ۔عرض کی اگر مجھ سے نہیں تو ''فاسئل ربک '' اپنے رب سے عرض کرلیں فرمایا **"حسبی من سوالی علمہ بحالی"** مجھے سوال کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ اسے میرے حال کی خبر ہے، مطلب یہ نکلا کہ جس ہستی کے یہ الفاظ ہوں وہ یہودی یا نصرانی نہیں ہو سکتی ،لہذا شہادتِ یعقوب کو چھپانا تمہارا حق نہیں اسے واضح کرنا چاہیئے ،لیکن ایک بات یاد رکھو!

تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ ج لَھَا مَا کَسَبَتْ وَ لَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ ج

وہ ایک قوم تھی جو چلی گئی ان کے لیے جو انہوں نے اعمال کیے اور تمہارے لیے ہیں جو تم اعمال کروگے

وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ لوگ کیا کیا کرتے تھے ۱۳۵

"تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم و لا تسئلون عمّا کانوا یعملون " ٥

'' یہ لوگ انسانی جماعت تھے جو گزر گئی ان کے لیے وہی ہے جو انہوں نے کیا، اور تمہیں وہ ملے گا جو تم کروگے اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

۱۳۵ یعنی صحت عقیدہ کے بعد نجات کا مدار اعمال خیر پر ہے، وہ لوگ اب اس دنیا میں نہیں جن کے نام سے تم اپنا آپ ظاہر کرتے ہو اگر عظیم ہو تو ان کی تعلیم کو اپنی عادت بنالو، نہ تمہارا عقیدہ ان کے عقیدہ جیسا ہے نہ عمل ان کے عمل جیسا ہے، تو پھر تم ان کے کیسے ہو سکتے ہو۔

آگے وہی بات جو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دوبارہ ''یابنی اسرائیل'' کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اب امامت بدل رہی ہے آج تک حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں مذہبی اور سیاسی قیادت تھی، آج دونوں قیادتیں اولاد اسماعیل علیہ السلام میں منتقل ہو رہی ہیں، نتیجہ یہ نکلا کہ

سرکار علیہ السلام مکہ مکرمہ میں تھے تو مکہ کے مشرکین کے خلاف آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، تا کہ کافریہ

Marfat.com

نہ کہیں کہ کعبہ بتوں سے بھرا پڑا ہے تو سجدہ دراصل بتوں کو کرتے ہیں لہٰذا آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اس دور میں بیت المقدس عمارت کی شکل میں موجود نہیں تھا، اس کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ واقعہ معراج میں کروں گا۔

ایک فقہی مسئلہ:

اگر کسی وجہ سے قبلہ اپنی شکل میں نہیں رہتا تو وہ فضا ساری کی ساری قبلہ ہے اور پھر زمین سے لے کر لامکان تک سب فضا قبلہ ہے یہ کہاں سے اخذ کیا گیا؟ اس سے کہ جب سرکار نے بیت المقدس کی طرف منہ مبارک کر کے نماز پڑھی تو اس وقت بیت المقدس باقاعدہ عمارت کی شکل میں نہیں تھا، موجودہ بیت المقدس کی عمارت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور اقدس میں تعمیر ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆

﴿الحمد للہ پارہ الٓمّٓ کی تفسیر مکمل ہوئی﴾

بدھ ۱۵/ اکتوبر ۲۰۰۳

مفسر القرآن سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی صاحب

خادم القرآن حافظ عرفان علی ایم اے (اسلامک سٹڈیز)

(کمپوزیشن جامعہ الزہراء راولپنڈی)

Marfat.com

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ

جلد ہی بے وقوف لوگ کہیں گے کس وجہ سے انہوں نے وہ قبلہ چھوڑ دیا جس کی طرف یہ منہ کرتے تھے، فرما دیجئے

الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾

کہ مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ کا ہے، وہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے ۱۳۶

۱۳۶ یقول "یَ" س' آیا جس کا معنی مستقبل قریب کا ہے۔ 2 ہجری رجب یا شعبان میں دوران نماز سرکار علیہ السلام کو حکم ملا کہ رخ مبارک کعبے کی طرف کر لیں۔ اس کی ایک خاص وجہ تھی، مکہ میں تھے تو بیت المقدس کی طرف رخ انور کیا کہ مشرکوں کو اعتراض کرنے کی جسارت نہ ہو سکے، جب مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہودی کہنے لگے کہ ہمیں مختلف باتوں میں ایک دوسرے سے اختلاف ہے لیکن یہ نیا مذہب بھی نیا نہیں ہے اس لیے کہ ان کا رخ تو ہمارے قبلے کی طرف ہے لہذا ہم قبلہ میں مشترک ہیں۔ بہر حال سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تحویل قبلہ کا حکم ملا اس لیے کہ ملتِ اسماعیلؑ ہو یا ملتِ اسحٰقؑ۔ ان کا اصل ملتِ ابراہیمی ہے، اور بیت المقدس کے معمار سلیمان علیہ السلام ہیں، جناب ابراہیم علیہ السلام نہیں ہیں تو چونکہ آپ سب کے جدِ اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام ہیں لہذا کعبہ اور مرکز ملتِ اسلامیہ وہی ہونا چاہیے، جو حضرت اسماعیل و ابراہیم نے تعمیر کیا۔

جب یہ آیت نازل ہوگئی تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ چپ ہو جاتے تا کہ بے وقوف ثابت نہ ہوں لیکن قرآن کی پیش گوئی اسی طرح تھی قرآن نے ایک اور قاعدہ بیان فرمایا کہ سمت مقدس نہیں ہوتی اصل وہ عمارت مقدس ہوتی ہے جسے اللہ کریم اعزاز عطا فرما دیتے ہیں فرمایا! مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ کا ہے مقدس وہی جگہ ہے جدھر وہ منہ کرنے کا حکم دیدے۔

کعبہ مکہ شریف میں ہے اب جو مکہ سے مشرق سمت کے لوگ ہیں ان کا رخ مغرب کو ہوتا ہے لیکن مغرب والوں کا مشرق کو ہوتا ہے، مصر والوں کو مشرق کی طرف منہ کرنا پڑتا ہے کہ کعبہ ادھر کو ہے، اہل شام جنوب کو اہل یمن شمال کی طرف منہ کرتے ہیں کہ کعبہ ادھر ہے معلوم ہوا کہ کعبے نے سمتوں کے تصور کو ختم کر دیا ہے، وہ ایسے مقام پر ہے کہ کوئی خاص سمت متعین نہیں ہو سکتی۔ میں نے دوران حج دوستوں سے کہا تھا کہ کعبے کی مختلف سمتوں میں کھڑا ہوا کرو تا کہ سب سمتوں کی طرف سے کعبے کی طرف منہ کرنے کا شرف حاصل ہو سکے اور ہر انداز کا ثواب مل سکے۔

ایک خاص نکتہ جب سرکار علیہ السلام مدینے میں نماز پڑھا رہے تھے تو آپ ﷺ کا رخ انور شمال کو تھا۔ آپ امام تھے سب سے آگے تھے جب تحویل قبلہ کا دوران نماز حکم ملا تو رخ انور جنوب کو فرما لیا، چونکہ کعبہ وہاں سے جنوب کی

طرف تھا جب صفوں کا رخ پھرا تو سب سے پچھلی صف پہلی بن گئی اور پہلی آخری بن گئی، اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سمت سے پلٹ کر دوسری طرف تشریف لے آئے۔ دوران نماز نبی جدھر بھی رخِ انور موڑ لیں مقتدی اہل عقیدہ بھی محبوب کی پیروی میں رخ موڑ لیتے ہیں ورنہ نماز نہ ہوگی لیکن جو نبی کے پیچھے پہلی نماز پڑھی وہ بھی ہوگئی اور جو بعد میں ہے وہ بھی ہوگئی بلکہ بسا اوقات یوں ہوا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑکی کھول کر دیکھا تو صحابہ نے دوران نماز چہرہ سرکار کی طرف پھیر لیا جب کعبہ سے چہرہ پھر کر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہوا تو صحابہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ نماز ٹوٹ گئی ہے نتیجہ یہ نکلا کہ ایک کعبہ کا بھی کعبہ ہوتا ہے اور جب تک آپ کا رخ کعبے کی طرف ہے تو نماز ہو رہی ہے اگر رخ کعبے سے ہٹ کر کعبے کے کعبے کی طرف ہو جائے تو نماز کیسے نہ ہوگی؟ جو صحابہ یہاں سے نماز پڑھ کر نکلے وہ مختلف مساجد کی طرف گئے اور جہاں بھی نماز شروع تھی باہر سے اعلان کیا کہ آج تحویل قبلہ کا حکم آگیا ہے سننے کے بعد یہاں بھی وہی مسئلہ پیش آیا کہ پہلی صف آخری بنی اور آخری پہلی امام کو ایک جگہ چھوڑ کر دوسری طرف آنا پڑا۔ یہ واقعہ قریباً احادیث کی سب کتب میں ہے اور عظیم مفسرین کی سب تفاسیر میں بھی درج ہے۔

مدینہ طیبہ میں **بنو سلمہ** کی مسجد میں تحویل قبلہ کا واقعہ پیش آیا، جسے آج بھی **مسجدِ قبلتین** کہا جاتا ہے، جس کی دونوں محرابیں دونوں سمتوں میں موجود ہیں، سابقہ کتابوں میں اس بات کا ذکر تھا کہ آنے والا نبی **ذوالقبلتین** ہوگا۔ اب قرآن پاک نے فرمایا کہ جس بات کا تمہیں علم ہے آج اس سے کیسے انکار کر رہے ہو۔

☆☆☆☆☆

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّ سَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور سرکار علیہ السلام تم پر گواہ ہوں، اور ہم نے قبلہ مقرر نہیں کیا تھا جس کی طرف

عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ

آپ منہ مبارک فرماتے تھے، (یعنی بیت المقدس) مگر تا کہ دیکھیں کہ محبوب علیہ السلام کی پیروی کون کرتا ہے، اور کون الٹے پاؤں مڑتا ہے، (کعبہ جب بدلے گا تو لوگ سوچیں گے کہ ایسا کیوں ہوا جو کیوں کر کے سوچنے لگ جائے گا وہ راہ راست نہیں پا سکے گا، یہاں کیوں نہیں چلتی صرف سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع چلتی ہے، قرآن نے تسلیم کیا) کہ یہ بات بڑی بھاری اور مشکل تھی

يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ

مگر ان لوگوں کے لیے کوئی بھاری نہیں ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی (اب ان لوگوں کا خیال تھا کہ فوت شدہ اہل ایمان اور بقید حیات جو اس سے پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھ چکے ہیں ان کے ایمان تو ضائع ہو گئے جواباً فرمایا!)

لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

اللہ ان کے ایمانوں کو ضائع نہیں کرتا، اللہ لوگوں کے لیے بڑا شفیق اور مہربان ہے ۱۳۷

۱۳۷ "وسط" کا معنی ہے میانہ رو، عدل کرنے والا یہ امت اس دنیا میں امت وسطہ کیسے ہے، اس کے دو پہلو ہیں ایک کو افراط کہتے ہیں، اس کا تعلق اخلاق سے بھی ہے اور عقائد سے بھی اور ایک پہلو حد سے پیچھے رہ جانے کا ہوتا ہے جسے تفریط کہا جاتا ہے، مثلاً جسے ہم شجاعت کہتے ہیں وہ قابلِ تعریف ہے لیکن اگر بندہ ہر وقت لڑتا ہے تو یہ افراط ہے، اور جہاں حمیت کی وجہ سے سامنے آنا چاہے۔ جس طرح اب ایسے حالات ہیں کہ ہمیں بھارت کے سامنے آنا چاہیے تو ایسے مرحلے پر سامنے نہیں آتا تو یہ بے ہمتی ہوتی ہے، یہ تفریط اور بزدلی ہے، اب اس وسط کو ایک اور انداز سے سوچنا ہے ایک چیز کو آپ سنٹر قرار دیتے ہیں مختلف سمتوں سے سنٹر اونچا ہوگا، اسلام نے سنٹر میں کھڑا ہو کر سب مذاہب کو دعوت دی کہ! "**تعالوا الی کلمة سوآء بیننا و بینکم** ۝" (سورۃ آل عمران۔ 63۔ پارہ نمبر 3) جو گروہ درمیان میں ہے وہ مصالحت کرائے گا، لڑنے بھی نہیں دیگا، ان تک فیض بھی پہنچائے گا، ان کی عادات اطوار کو بھی بدلے گا، اب اگر ہم یہ بات چھوڑ دیں تو ہم امت وسط نہیں رہیں گے اور میرا خیال ہے کہ ہم چند صدیوں سے انفرادی کوششوں کو چھوڑ کر اجتماعی میدان میں اس بات کو چھوڑ چکے ہیں۔ اب امت وسطہ ہونے کی وجہ یہ فرمائی کہ تم لوگوں کے گواہ ہوگے اور محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے گواہ ہوں گے۔ یہاں سے ہمارے عظیم فقہاء نے ایک بات اخذ کی کہ اجماع امت حق ہے امت جو بات کہتی ہے جو عمل کرتی ہے وہ

Marfat.com

ڈول اور رسی کی ضرورت ہوگی، آپ سفر کرنا چاہ رہے ہیں تو سفر کے لیے ایک مجازی ذریعہ، کار بھی ہوسکتی ہے ہوائی جہاز بھی ہوسکتا ہے لہذا مجاز اور حقیقت میں فرق کر کے سمجھنا بے حد ضروری بات ہے، قدم قدم پر قوم کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشرک اور کافر کہنا اچھی بات نہیں ہے، اگر یہ رویہ رہا تو ذہن محدود بن جائیں گے، لہذا سب حضرات نے اس موضوع پر یہی بات کہی کہ حقیقت اور ہے اور اسے لازماً قبول کرنا ہوگا مجاز ہمارے سامنے ہے لیکن اس مجاز کو بھی جس کے ذریعے علم، فکر ملا ہے، اس مجاز کو بھی تسلیم کرنا ہوگا، اس کے ساتھ فوراً قرآن پاک نے ہمیں مدد طلب کرنے کی جو بات بتائی تھی، آگے اس کا ذکر آ گیا ہے، یہ تو میں نے فکری طور پر تجزیہ کر دیا۔ لیکن ہم اللہ کریم سے جو رہنمائی براہ راست مانگ رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ لا ﴿۵﴾
چلا ہم کو سیدھے راستے پر ۸

۸ ا"اھدنا الصراط المستقیم" ٥ اے اللہ ہماری مدد فرما تا کہ ہم سیدھے راستے پر زندگی گزار سکیں، اب یہاں دو لفظ ہیں جو قابل تجزیہ ہیں ان شاء اللہ ان کی وضاحت کے بعد بات بالکل واضح ہو جائے گی، ایک تو ہمارے سامنے لفظ آتا ہے ہدایت اور دوسرا ہے صراط مستقیم۔ ہدایت کا لغت میں معنی ہے "مہربانی کر کے رہنمائی کر دینا"۔ صرف رہنمائی نہیں بلکہ وہ رہنمائی جس کے ساتھ لطافت بھی شامل ہو، مہربانی بھی شامل ہو، اب اس ہدایت کی بے شمار قسمیں ہیں، اگر ہم انہیں تقسیم کرنا چاہیں تو بنیادی طور پر انہیں چار حصوں میں ہم تقسیم کر سکتے ہیں، پہلی بات یہ ہے جو ابھی میں اوپر ذکر کر آیا ہوں استعانت کے سلسلے میں، کہ ہدایت کی ابتداء یہ ہے کہ اللہ کریم آپ کو ایسی قوتیں عطا فرما دیں، جن قوتوں کو لے کے آپ راہ راست پر چل سکیں، لہذا ہدایت کا پہلا درجہ، آپ کی باطنی قوتیں جنہیں استعمال کر کے آپ نے یہ راستہ منتخب کرنا ہوتا ہے، یہ پہلی بات ہے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے وجود کے اندر یا وجود کے باہر ایسے دلائل رکھ دیے جائیں کہ ان دلائل کو دیکھ کے آپ اپنی کوئی ایک سمت متعین کر سکیں، یہ ہدایت کی دوسری قسم ہے۔ اب اسے قرآن پاک نے ایک اور انداز سے دوسرے لفظوں میں فرمایا" کہ ہم نے انسانوں کے سامنے دونوں راستے وضاحت سے کھلے چھوڑ دیے ہیں"۔ یہ اس انسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ شکر گزار بندہ بن جائے یا ناشکرا اور بے قدرا انسان بن جائے، یہ دونوں اس کے اپنے بس میں ہیں، ہم نے نیکی اور بدی کے دونوں راستے اس کے سامنے بڑی وضاحت سے رکھ دیے ہیں، یہ وہ دلائل ہیں جو انسان پر اس کے اپنے ماحول کے مطابق اثر انداز ہوتے ہیں، کبھی وہ اپنے وجود پر سوچنے لگے تو صرف اس کا وجود ہی خدا جانے کہاں تک اس کی رہنمائی کر دے گا، اور جب وہ بیرونی دنیا پر نگاہ ڈالنے لگے تو اسے اللہ کریم تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق اس کے ماحول کے ساتھ وابستہ ہے فرمایا!

وہ مستند اور معتبر ہے کہ لاتعداد ذہنوں کی سوچ قرآن وسنت کے خلاف نہیں جاسکتی۔ آیئے ذرا اپنے مذہب کے مآخذ پر غور کرلیں۔ دین کے بنیادی عقائد چار چیزیں ہیں۔

۱۔ قرآن حکیم ۲۔ سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۳۔ اجماع امت ۴۔ قیاس

تیسری دلیل اجماع امت ہے وجہ؟ آپ کسی ڈھیر پر پیدا ہونے والے دھتورے نہیں ہیں بلکہ اس گلشن حسین کے گلاب ہیں، جو سرکار علیہ السلام نے لگایا تھا اور آج تک ساری امت نے اس کی رکھوالی کی ہے، آپ کا ایک حسین ماضی ہے اسلام کو سوچنے والے دور اول سے لے کر آج تک اربوں انسان تھے ان کی سوچیں ایک طرف رکھ دیں تو آپ ان سب پر غالب نہیں آسکتے لہذا امت کے نظریات کو لے کر آگے بڑھنا ہوگا، جس کی ماضی میں جڑ نہیں ہوتی وہ کہتا ہے کہ صرف حال اور مستقبل ہی ہے، جس کی جڑیں ماضی میں ہوتی ہیں وہ قوم ایک بہنے والا دریا ہے جس کا آغاز سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوا اور آج تک جاری ہے اگر دریا روک کر آگے بڑھیں گے تو ایک نیا دریا چلانا پڑے گا، کیا آپ کو نیا دریا چلانے کی سہولتیں ہیں؟ اگر نہیں تو ایک ہی سبق ہے کہ! پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

آخری بات یہ ہوگی کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رابطہ رکھ۔ فرمایا کہ تم دنیا وآخرت میں لوگوں پر گواہی دینے والے ہو، دنیا کی گواہی **"ھوالذی ارسل رسولہٗ باالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ"**o (سورۃ الفتح۔ 28۔ پارہ نمبر 26) تم نے دین اسلام کو سب دینوں پر عقلی، فکری اور عملی طور پر غالب کر کے دکھا دینا ہے۔ لہذا تم یہاں ان کے نہ بن جاؤ جن کے نظریات غلط ہیں۔

آخرت میں تم نے گواہی یوں دینی ہے کہ سابقہ امتیں اپنے نبیوں کی شہادتوں کا انکار کردیں گی اور آپ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ ان کے نبی ان کے پاس آئے تھے آپ نے یہ گواہی کس بنیاد پر دی؟ کیا نہیں دیکھا؟ اس کا جواب ہے نہیں، سابقہ انبیاء کو تبلیغ کرتے دیکھا؟ نہیں۔ تو پھر آپ کی گواہی کی حیثیت کیا ہے، بس یہی وہ باریک نکتہ ہے جو قابل غور ہے، ہماری گواہی سرکار علیہ السلام کے ارشادات عالیہ پر موقوف ہے جو حالات ان لوگوں کے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے بیان فرمائے ان میں ذرہ بھر بھی شک نہیں۔

اسلامی قانون کی ایک شق ایسی بات جس کے سچ ہونے پر آپ کو ذرہ بھی شک نہ ہو خواہ آنکھوں سے نہ دیکھی ہو تو آپ اسے تائیدی شہادت کے لیے پیش کرسکتے ہیں دلیل یہ ہے کہ ہم نے سرکار علیہ السلام سے سنا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دے رہیں چونکہ اس میں شک نہیں تھا۔ اب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسی گواہی دیں گے ہمارے علم کا مدار ذات رسول کے علم پر ہے، اور ذات رسول کے علم کا مدار اللہ کے سامنے گواہی دے رہے۔ حضور ﷺ کی شہادت اللہ

تعالیٰ کی عطا سے ذاتی مشاہدہ پر ہے، وہ صرف اپنی امت کے حالات کو ہی نہیں بلکہ سابقین کے حالات بھی جانتے ہیں۔ تبھی ساری امتوں کی شہادت دینی ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ اٹھانا، آسمان کی طرف تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں اب پھیر لو اپنا

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

چہرہ مسجد حرام کی طرف (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ کو اس کی طرف اور بے شک وہ جنھیں کتاب دی گئی ضرور جانتے ہیں کہ

الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

یہ حکم برحق ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں ۱۳۸

۱۳۸ آپ کا چہرہ اقدس بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں (یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے دیکھا فرمایا ہم بار بار دیکھ رہے ہیں پھر لفظ 'قد' لگا کر فعل جاری فرما دیا) ہم ضرور بالضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلے کی طرف جو آپ کو پسند ہے (نونِ ثقیلہ کی وجہ سے ترجمہ ہوگا ضرور بالضرور) یہ نہیں فرمایا کہ میری پسند پر قبلہ تبدیل ہوگا بلکہ محبوب آپ کی پسند ہے (گویا کہ آپ کی پسند کو ہر پسند پر ترجیح دی گئی) **"فول وجھک شطر المسجد الحرام"** ٥ اپنا چہرہ اقدس مسجد حرام کی طرف کر لیجئے (ایک ہے کعبہ اس کے اردگرد کی عمارت کو مسجد حرام کہتے ہیں کعبے کی اصل عمارت کا رقبہ تھوڑا ہے اگر صرف اس کی طرف منہ کرنا ہوتو اہل مکہ کو بہت دقت پیش آتی، اللہ کریم نے مہربانی فرماتے ہوئے ساری عمارت کو مسجد حرام قرار دیدیا پھر یہ بھی نہیں فرمایا کہ ڈائرکٹ مسجد حرام کی طرف ہی منہ ہو بلکہ فرمایا کہ اس کی سمت کو منہ کرلو پہلا خطاب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تھا اب امت کو بھی شامل کیا) **"وحیث ما کنتم"** مسلمانو تم جہاں بھی ہو اپنے منہ اس کی سمت کرلو، مطلب یہ کہ آپ کے لیے ساری زمین مسجد ہے سرکار علیہ السلام نے فرمایا!

"وجعلت لی الارض مسجدا و طھورا" ٥ ''کہ زمین میرے لیے مسجد اور پاک قرار دی گئی ہے''۔

یہ سہولت سابقہ امتوں کو نہیں تھی، انہیں لازماً اپنی عبادت گاہ میں عبادت کرنی ہوتی تھی۔ اقبالؒ نے بڑے غضب کا نکتہ پیدا کیا کہ بین الاقوامی قانون یہ ہے کہ عبادت خانہ اسی کی تحویل میں ہوتا ہے جس کا وہ ہے ساری دنیا سرکار کے ارشاد کے مطابق مسجد ہے تو یہ ہماری تحویل میں ہونی چاہیے اس میں کسی اور کا حق ہم تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

Marfat.com

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ

جنہیں کتاب دی گئی ہے وہ ضرور جانتے ہیں کہ یہ رب کی طرف سے حق ہے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کے کاموں سے

پہچانِ حق

اس بات کو بھی وہ جانتے ہیں کہ تحویل قبلہ حق ہے، مولانا مودودی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے لیکن اکثر مفسرین اس بات کی طرف گئے کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں، کہ سرکار حق ہیں، اس کی حدیث میں تشریح سرکار علیہ السلام نے یوں فرمائی!

''حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے تھے، پوچھا بھائی عبداللہ ایک بات بتاؤ، اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ تم سرکار کو پہچانتے ہو، تو تم کیسے پہنچانتے ہو؟ کہا کہ اگر ہزار ہا لوگوں میں میرا بیٹا ہو، ہوسکتا ہے میں بھول جاؤں لیکن سرکار کے پہچاننے کو کبھی نہیں بھول سکتا''۔

آپ کو معلوم ہے جب سرکار مدینہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے تو میں کھجور پر چڑھ کر کھجوریں اتار رہا تھا میں نے پہلی دفعہ دیکھا تو پہچان گیا کہ یہ برحق رسول ہیں، تورات میں اس طرح علامات تھیں، کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی انہیں بھول ہی نہیں سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور ان کے ماتھے کو بوسہ دیا (فقہاء نے یہاں سے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان دوسرے انسان کو کچھ پابندیوں کے ساتھ چوم سکتا ہے) فرمایا! عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو نے جو کچھ کہا وہ حق ہے۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ج وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ج

اور اگر آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل (پھر بھی) نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلہ کی اور نہ آپ پیروی کرنے والے ہیں ان کے قبلہ کی

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لا

اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر تم پیروی کرو ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آچکا تمہارے پاس علم

اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ م ﴿۱۴۵﴾

یقیناً تم اس وقت ظالموں میں شمار ہوگے ۱۳۹

۱۳۹ اگر تو ان کی خواہشات کے پیچھے چل پڑے جبکہ تیرے پاس علم آچکا ہے، تو پھر یہ تیری طرف سے زیادتی ہوگی ظاہری طور پر عام مفسرین نے لکھا کہ یہ سرکار علیہ السلام کو خطاب ہے، لیکن بسا اوقات معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرکار علیہ السلام کو خطاب ہے۔ درحقیقت وہ خطاب امت کو ہوتا ہے اس آیت کے تحت علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں۔

"وهو محمول على ارادة امة لعصمة النبى صلى الله عليك وسلم" ٥ یہاں سرکار مراد نہیں ہیں بلکہ امت مراد ہے، کیونکہ سرکار معصوم ہیں وہاں ظلم کا تصور آ ہی نہیں سکتا، حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب نے تفسیر میں تبدیلی تو فرمائی لیکن ترجمے میں وہی کچھ لکھ گئے جو باقی لوگ کہہ گئے ہیں، بہر حال اس فقرے میں مخاطب ہم لوگ ہیں، کہ سرکار علیہ السلام کے صدقے میں تمہیں علم مل چکا ہے، اس کے بعد پھر بھی اگر تم یہودیوں، عیسائیوں کی خواہشات کی پیروی کروگے تو یہ ظلم ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ط وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ

لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ سرکار علیہ السلام کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو (یہود و نصاری جو آپ کے دور اقدس میں تھے وہ ان علامات کو مشاہدہ کی وجہ سے پہچانتے تھے جو تورات و انجیل میں موجود تھیں اور جو اس دور میں نہیں تھے آج سرکار کے اس دعوے کی وجہ سے جو قرآن و سنت میں مذکور ہے ذرا سی توجہ کی جائے تو سرکار کو دنیا بھر سے بڑھ کر پہچانا جاسکتا ہے) یقیناً ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ انہیں حق کا علم ہے

۱۴۰ س لفظ حق سے مراد سرکار علیہ السلام کی ذات اقدس ہے۔

سرکار نے ایک مقام پر اس کی تشریح فرمائی کہ "من رء انی فقد رأ الحق "جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا ہمارے اولیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس نے سرکار علیہ السلام کو دیکھا گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

حق تیرے رب کی طرف سے ہے تو اس میں شک کرنے والے ہرگز نہ بننے ۱۴۰

۱۴۰ اس میں بھی سرکار کو خطاب نہیں بلکہ امت کو ہے کہ جب قرآن حق ہے تو آ گیا اور سرکار حق ہیں تو یہ بھی تشریف لے آئے اب اگر کوئی ان دونوں میں شک کرتا ہے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ط اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ط

ہر گروہ کی مخصوص سمت ہے جدھر وہ گروہ منہ پھیرتا ہے (عبادت میں) نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو تم جہاں بھی ہو گے سب کو اللہ لے

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾

آئے گا یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۴۱

۱۴۱ آج اگر عیسائی یا یہودی اعتراض کرتے ہیں کہ تم کعبے کی طرف منہ کیوں کرتے ہو جبکہ پہلے بیت المقدس کی طرف کرتے تھے، تو فرمایا، ہر قوم کسی نہ کسی طرف تو منہ کرتی ہے، لہذا کسی مخصوص قبلے کی طرف منہ کرنے پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے البتہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ یہ سمت تو ایک مرکز بتانے کے لیے ہے اور مرکز اس بات کے لیے ہوتا ہے۔ کہ تم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے نیکی کے کتنے سارے کام کرتے ہو اگر تم میں ہمت ہے تو نیکی کے کاموں میں مسلمانوں سے آگے نکل جاؤ اور مسلمانوں کو بھی فرمایا کہ تم ان کی اس قسم کی لغویات پر توجہ نہ دو، نیکی کرو نیکی کو پھیلاؤ رہی یہ بات کہ یہ زندگی کب تک ہے تو جواباً فرمایا! اس دنیا سے جب تم چلے جاؤ گے تو ایک اور زندگی نے شروع ہونا ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ سے کہیں گم نہیں ہو سکتے اس مضمون کو قرآن نے بے شمار اندازوں سے باندھا ہے۔

ان کا سب سے بڑا اعتراض ہی یہ ہوتا ہے کہ جب ہم مر جائیں گے مرور زمانہ کی وجہ سے جسم خاک بن چکا ہوگا، اور کئی وجوہات سے وہ خاک کہاں کہاں اڑتی ہوگی، تو ہم پھر کیسے زندہ ہو سکتے ہیں، اس کا جواب قرآن نے کئی اندازوں سے دیا ہے۔ یہاں صرف یہ فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تمہیں اکٹھا کر لے گا، اس لیے کہ وہ خالق ہے تمہاری پہلی تخلیق وہ تھی جب کہ

Marfat.com

تمہارا وجود ہی نہیں تھا، اس نے تمہیں موجود فرمادیا اب اسی سابقہ وجود کو دوبارہ جب اکٹھا کرنا ہے تو یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے دلیل یہ دی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، جب آپ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سوچنے بیٹھتے ہیں تو یہ بات فوراً ذہن میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں اتنی وسیع ہیں کہ کسی انداز سے کوئی ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں ہے، اسے جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں سمجھانے کا انداز اپنایا تو فرمایا کہ جب بے پناہ تاریک رات ہو، کالے پتھر پر سیاہ چیونٹی کے دل میں جو وساوس پیدا ہوتے ہیں میرے رب سے وہ بھی مخفی نہیں ہے۔ غور فرمائیں کہ چاند بھی نہ ہو پھر کالے گھنے بادل ہوں اور پھر پتھر کی سل، اور چیونٹی پھر اس کے سینے میں دل پھر دل میں وساوس، خیالات یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں شامل ہے۔

سمندر بڑا گہرا ہوتا ہے اس کی ایک لہر ساٹھ، ستر یا اسی گز یا اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے وہ ایک سمت کو چلتی ہے اوپر والی دوسری سمت کو الغرض پورا سمندر مختلف انداز سے اندر ہی اندر چل رہا ہے اور جو مخلوق سمندر کے نیچے ہے اسے بھی رزق رب عطا فرماتا ہے، اور اس مخلوق کو مختلف صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔

سائنسدان اب یہ سوچ رہے ہیں کہ سمندر کی تہہ میں ہر قسم کی سبزیاں موجود ہیں جو اس وقت انسانی صحت کے لیے استعمال نہیں ہوسکتیں انسان دو یا تین کروڑ سالوں کے لیے سمندر کی تہہ سے اپنا رزق لے سکتا ہے یہ وہ خزانے ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو زمین تم دیکھ رہے ہو اگر اس سے لے کر آسمان تک کسی کی خواہش پر ہم اسے خزانے میں تبدیل کردیں، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو رزق کی وسعتیں ہیں ان میں کمی پیدا نہیں ہوگی۔

آج سے اگر ہم ستر یا اسی سال پیچھے چلے جائیں تو بزرگ بتاتے تھے کہ ہم بھکڑے کی روٹی کھایا کرتے تھے، لیکن آج انسانی نسل زیادہ پھیلنے کے باوجود یہ روٹی نہیں کھاتی مطلب یہ ہے کہ فطرتِ انسانی نے قوائے کائنات اس طریقے سے قابو کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسے ضروریات پوری ہوتی معلوم ہونے لگ گئی ہیں اور یہی بات ہے جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں کہ تین چوتھائی پر پانی کھڑا ہے، اس پانی کے نیچے ایسی سبزیاں درخت جانور موجود ہیں جو انسانی ضرورت کے لیے کروڑوں سال تک استعمال ہو سکتے ہیں مغربی دنیا میں اس کو سائنسدان بڑے غور سے سوچ رہے ہیں کہ اسے قابل استعمال کیسے بنایا جائے اور وہ قوم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی ہے جس کے محبوب علیہ السلام نے ان ساری باتوں کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔

☆☆☆☆☆

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ط

محبوب آپ جہاں کہیں بھی ہوں اپنا چہرۂ اقدس حرمت والی مسجد کی طرف کریں، ادھر منہ کرنا آپ کے رب کی طرف سے حق اور سچ بات ہے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

اور جو تم اعمال کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سے بے خبر نہیں ہے

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

اور جہاں سے آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں اپنا رخ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف اور (مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو تو پھیر لیا کرو

وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لا لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ق اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ق

اپنے منہ اس کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم پر اعتراض (کی گنجائش) بجز ان لوگوں کے جو ناانصافی کریں ان میں

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ق وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ لا ﴿۱۵۰﴾

سو نہ ڈرو تم ان سے (بلکہ صرف) مجھ سے ڈرا کرو تاکہ میں پورا کردوں اپنا انعام تم پر تاکہ تم راہ راست پر ثابت قدم رہو ۱۴۲

۱۴۲ دراصل عقیدہ توحید اپنی صفات کے ساتھ قرآن نے اتنا پھیلا کے بیان فرمایا کہ اس میں مزید اضافہ انسانی ذہن نہیں کرسکتا۔ اس عقیدے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ دیکھ رہا ہے، اور وہ وہ ازل سے ابد اور بعد ازاں کا بھی جاننے والا ہے۔ میں کسی فلسفی کو پڑھ رہا تھا جس کا نظریہ یہ تھا کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے، لہذا اس کے افعال کا اللہ کو پتہ نہیں ہوتا کہ انسان کیا کر رہا ہے۔

یہ فلسفہ سراسر اسلامی تعلیم کے منافی ہے اسلام انسان کو سارے اعمال و افعال سمیت یہ بتاتا ہے کہ تیری ہر حرکت و سکون، ہر خواہش اور ہر وسوسے کو اللہ کریم تیری تخلیق سے پہلے جانتے ہیں لہذا یہ تصور کہ اللہ تعالیٰ کو خبر نہیں غلط ہے اور اگر مومن یہ خیال رکھ لے تو مومن نہیں رہتا وہ کسی فلسفی کا پیروکار تو ہوسکتا ہے اللہ و رسول کا نہیں ہوسکتا۔ اسے اولیاء امت نے مختلف تصورات کے ساتھ انسان کے ذہن میں ڈالا۔ ایک بزرگ کے پاس کچھ لوگ تربیت کے لیے بڑے عرصے

سے رہ رہے تھے ایک صاحب جن کو آئے ہوئے چند دن ہوئے تھے پیر صاحب نے انہیں سب سے پہلے اپنا خلیفہ نامزد فرمالیا۔ پندرہ یا بیس سالوں سے خدمت گزاروں نے عرض کی حضرت یہ کل آیا اور خلافت مل گئی ہم اتنے عرصے سے ہیں کچھ نہیں ملا اس کی وجہ؟ پیر صاحب نے امتحاناً تمام مریدین کو ایک ایک مرغی اور ساتھ چھریاں تھما دیں اور شرط لگا کر فرمایا کہ انہیں وہاں ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو، سب نے ذبح کر ڈالیں مگر نئے خلافت یافتہ نے مرغی زندہ رکھی اور اسے ذبح نہ کیا، پیر صاحب نے پوچھا کہ سبھی تیرے پیر بھائی ذبح کر کے لے آئے تو کیوں زندہ لے آیا؟ عرض کی جناب! آپ کی شرط یہ تھی کہ جہاں کوئی نہ ہو وہاں ذبح کرنا میں جہاں بھی گیا اللہ تعالیٰ دیکھ رہا تھا حضرت صاحب نے مریدین سے فرمایا کہ اب بتاؤ خلافت کا استحقاق کس کا تھا۔ تو یہ وہ مرکزی عقیدہ ہے جس کی تعلیم اپنے اپنے ادوار میں انبیاء دیتے رہے اور آج اسی کو اولیاء امت جاری رکھے ہوئے ہیں۔

جنابِ ابراہیم علیہ السلام کی بات قرآن میں موجود ہے کہ ''**انی ذاھب الی ربی سیھدین**'' کہ میں رب کے پاس جا رہا ہوں وہ مجھے راستہ دکھادے گا۔

جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! ''**ان معی ربی سیھدین**'' میرے ساتھ میرا رب ہے، مجھے راستہ بتا تا رہتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا! ''**ماتظن باثنین اللّٰہ ثالثھما**'' o

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دو کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جن کا تیسرا خدا ہے،

انجیل میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کسی غلام کو وظیفہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب بھی صبح گھر سے نکلو تو یہ کہہ لیا کرو کہ اللہ میرے ساتھ ہے یہ عقیدہ توحید۔ ا۔ ایمان میں پختگی دیتا ہے۔ ۲۔ اخلاق میں نکھار لاتا ہے۔ ۳۔ زندگی سے بدی رخصت کر دیتا ہے، یہ تین بنیادی نقطے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معیت میں آپ کو مل جاتے ہیں۔

محبوبؐ! آپ جہاں کہیں بھی ہوں نماز کے وقت حرمت والی مسجد کی طرف منہ مبارک فرمالیجئے، مسلمانو! تم بھی جہاں کہیں ہو اس کی سمت منہ کرلو تاکہ پھر لوگوں کی تمہارے خلاف کوئی دلیل نہ چل سکے، اب اگر ان میں سے جو لوگ ظالم ہیں باز رہنے والے نہیں ہیں تو وہ باتیں کرتے رہیں گے ان کا علاج یہ ہے کہ "**فلاتخشو ھم**" تم نے ان سے نہیں ڈرنا ہے "**واخشو نی**" مجھ سے ڈرو۔ میں تم پر اپنی نعمت پوری کرنے والا ہوں تاکہ تم ہدایت پاسکو۔

یہاں ایک تو کعبے کا لفظ نہیں آیا بلکہ مسجدِ حرام کا لفظ آیا ہے کعبے کے اردگرد مطاف ہے مطاف سے باہر وہ عمارت تین

Marfat.com

حصوں میں ہے عمارت سے مراد ہے کہ وقفے وقفے سے کچھ سیڑھیاں ہیں، جو اوپر کی طرف چڑھتی ہیں، اس کے بعد چار دیواری ہے جس نے مسجد حرام کو گھیر رکھا ہے فقہی مسئلہ بھی عرض کردوں کہ جہاں تک کعبے کا صحن ضرورت کے تحت بڑھتا جائے گا وہ مسجد حرام ہی ہوگا، معلوم ہوا کہ وہ دین اسلام ہی ہے جو قیامت تک چلے گا اور آج سے پندرہ سو سال پہلے یہ سوچ لیا گیا تھا کہ اس حرم شریف کو اگر پھیلایا جائے تو کہاں تک پھیلایا جائے۔

اب علماء بتاتے ہیں کہ احرام جہاز میں سوار ہونے سے قبل باندھ لینا چاہیے کہ جہاز جدہ اترنے سے پہلے اس حد سے اندر ہوکر گزرتا ہے جہاں آپ کو احرام کے بغیر داخلے کی اجازت نہیں ہے، جب آپ جدہ سے نکلتے ہیں تو راستے پر وہ جگہ آتی ہے جہاں سے احرام کے بغیر آگے نہیں جاسکتے، مدینے سے نکلتے ہیں تو مسجد علی میں جاکر لازماً احرام باندھ لینا ہے، اور وہ مسجد بالکل مدینے کے ساتھ ہے، اور دیکھیں کہ مدینہ مکہ سے کتنا دور ہے لیکن حرم کی حد وہاں چلی گئی ، یہاں حرم سے مراد میقات ہے اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے، آپ یمن کی طرف سے نکلتے ہیں تو یلملم سے آگے حرم کی حد ہے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ مستقبل کی پلاننگ والے جہاں تک بڑھتے چلے جائیں گے حرم کو محدود نہیں پائیں گے جو اپنی گود میں امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جگہ نہ دے سکے۔ یہ اجتہاد کہاں سے نکلا قرآن نے لفظ شطر استعمال کیا ہے، کہ جو مکہ سے دور ہیں وہ اس سمت مڑ جائیں مغرب کی طرف منہ کرلیں، تھوڑا دائیں بائیں کرلیں تب بھی اسلام میں بہت وسعت ہے، کعبہ کی طرف براہِ راست منہ کرنا ہر آدمی کے لیے ناممکن ہے، اب اسی وجہ سے سمت قبلہ کے آلات بنادیئے گئے ہیں، لیکن ایک عام جاہل آدمی آلات کو کیا جانے جب یہ بات نہیں ہے تو قرآن کا جامع لفظ ہمیں آج تک کام دے رہا ہے۔ اگلی بات یہ ہے کہ تم کسی سے نہ ڈرو صرف مجھ سے ڈرو، یہاں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ یہ ڈر ہم نے ختم کردیا ہے، رات کے اندھیروں اور تنہائیوں میں ہجرت کرنے والے اسی شہر مکہ میں فاتح کی حیثیت سے تشریف لا رہے تھے۔

مطلب یہ کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے، قرآن پاک کے بعد کوئی آسمانی کتاب نہیں آئے گی، جب ایک نعمت کاملہ مکمل ہوجائے تو پھر کسی اور نعمت کی ضرورت نہیں رہتی، یہ ساری باتیں تمہاری ہدایت کے لیے ہیں، اب اس ہدایت کے لیے آج کعبے کی تبدیلی کا حکم ہوا ہے، تمہیں نہیں معلوم کہ اس ہدایت کے لیے ہم نے پہلے بھی کچھ کہا تھا۔ اس کی طرف اگلی آیت میں اشارہ ہے کہ فرمایا!

Marfat.com

کتنی اہمیت دی ہے قرآن پاک نے !''کہ ہدایت اور گمراہی کے راستے کھلے چھوڑ کے ہم نے توتمہیں آزمائش میں ڈالا'' ۔بھلا وہ شکر گزار بنتا ہے،یا ناشکرا بنتا ہے،دوسرے مقام پر اسے یہ کہا کہ!''حقائق تو تمہارے وجود کے اندر چھپے ہوئے ہیں کیا تم ان حقائق کو دیکھنا نہیں چاہتے''۔تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ جہان جو ہمارا اپنا وجود ہے اس جہاں کے بارے میں سوچتے ہوئے اللہ وحدہ لاشریک تک پہنچنا ایک بڑا آسان سا طریقہ ہے،پھر آپ اپنے ماحول کو دیکھیں اس کی تنگنائیوں کو بھی دیکھیں اس کی وسعتوں کو بھی دیکھیں اور بذات خود انسان کا مطالعہ کرنے بھی بیٹھ جاتے ہیں تو خدا جانے کون کون سے راز ہیں جو آپ کے سامنے کھلتے چلے جاتے ہیں،یہ انسان کا مطالعہ تھا،جب آپ اللہ کریم کی مخلوق کا مطالعہ کرنے بیٹھتے ہیں تو یقینی بات یہ ہے کہ پھر آپ کے اندر سے آواز آتی ہے کہ اس بات کو جاننے کے لیے عمر نوح مل جائے تو وہ بھی کم ہوگی،کائنات ربانی کے انداز کو سمجھنے کے لیے پھر کتنا عرصہ درکار ہوگا،یہ وہ بات ہے جو ہم اپنے ماحول کے ہاتھوں کرتے ہیں اپنے وجود کو پرکھنے کے لیے کرتے ہیں،تو یہ دوسری قسم کی ہدایت ہے۔

تیسرا مرحلہ یہ ہوتا ہے،اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ انسانیت ان مراحل سے گزر کے ایسی سطح پر جا پہنچتی ہے کہ شاید اب اس کا دماغ اور دل نئی گتھیاں سلجھا نہیں سکتا،اب اسے ایسی رہنمائی کی ضرورت ہے جو ان دیکھی دنیا کی طرف لے جاسکے،تا کہ ان دیکھے جہان بھی آپ کی نظروں کے سامنے آسکیں،یا آپ کے دل کی وسعتوں میں سما سکیں،تو اس تیسری سٹیج پر اللہ کریم اپنے رسولوں کو بھیجتے ہیں،یہ وہ ہدایت ہے جو دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے،ایک رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنی ذات ہوتی ہے،اور ایک وہ کتاب ہوتی ہے جو رسول اپنے ساتھ لے کے آتا ہے،تو رسول سے ہم دو حیثیتوں سے ہدایت پاتے ہیں،ایک حیثیت اس کی اپنی ذات کی ہے اور ایک حیثیت اس کی اپنی کتاب کی ہے جس کتاب کا وہ بذات خود معلم ہے،تو رسول کی دو حیثیتیں ہمارے سامنے آتی ہیں،ذات کے حساب سے اور کتاب کے حساب سے، اب جب ہم قرآن پاک کو سامنے رکھ کے مقام رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ ادا جو رسول علیہ السلام سے سرزد ہو اس ادا کو نقل کر لینا ہی اصل ہدایت ہے،اور یہی وہ بات ہے جس کی قرآن پاک ہمیں تعلیم دیتا ہے!''**وما اٰتکم الرسول فخذوہ**''o''جو تمہیں رسول علیہ السلام دیں اسے لے لو،اور جس سے رسول علیہ السلام روک دیں اس سے باز آجاؤ''۔تو معیار یہاں ذات رسول بحیثیت اعمال رسول بھی ہوتی ہے،ذات رسول بحیثیت ذات رسول بھی ہوتی ہے،رسول ہمارے سامنے عملی مجسمہ بھی ہوتے ہیں،بطور سیاستدان کے بھی آتے ہیں، قانون نافذ کرنے والے کے انداز سے بھی آتے ہیں،قانون دینے والے کے انداز سے بھی آتے ہیں، ماہر اقتصادیات کے انداز سے بھی آتے ہیں، اور قیامت تک پیش آنے والی مشکلات کو حل کرنے کے طریقے بتانے کے انداز سے بھی رسول علیہ السلام ہمارے سامنے تشریف لاتے ہیں۔اس بات کو قرآن

Marfat.com

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ط

اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے ۱۴۳

۱۴۳ جیسا کہ ہم تمہارے اندر انسانی لباس میں ایک عظیم المرتبت رسول بھیج دیتے ہیں ا۔ وہ ہماری آیتوں کی تمہارے سامنے تلاوت کرتے ہیں ۔۲۔ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں ۔۳۔ تمہارا تزکیہ کرتے ہیں تمہیں وہ چیز سکھاتے ہیں جو تم جانتے نہیں ہو۔ یہ تین باتیں پہلے پارے میں بیان ہو چکی ہیں، پہلی بات کہ وہ ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، عام حالات میں یہاں بات ختم ہو جاتی تھی، اس لیے کہ جن لوگوں کے سامنے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن پاک پڑھ رہے تھے ان کی مادری زبان عربی تھی، اسکی فصاحت وبلاغت، گرائمر اس کی گہرائیوں سے وہ واقف تھے، جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنایا تو بات ختم ہوگئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ اس محبوب کا ایک کام یہ ہے کہ **"ویزکیھم"** یہ ان کا تزکیہ کرتے ہیں، تزکیہ کا لفظی معنی ہوتا ہے کہ اندر کو پاک کر دینا، باطنی طہارت کے لیے تین باتیں ضروری ہیں۔

ا۔ پہلی بات کہ جو پاک کرنے والا ہے وہ باطنی امراض سے واقف ہو۔۲۔ ان امراض کی کون سی سٹیج آچکی ہے۔۳۔ ان امراض کے علاج کو جانتے ہوں۔

قرآن فرماتا ہے کہ جو ان کے سامنے آتا ہے اندر سے پاک ہو جاتا ہے، اور تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے، سب سے پہلے اس طہارت میں صحابہ آتے ہیں، اور جبرائیل امین نے اس محبوب کے غلاموں جیسے غلام کبھی نہ دیکھے تھے، اور سرکار نے فرمایا کہ میرے ساتھی انسانیت کے لیے عطر ہیں اور یہی بات ہر انداز سے ثابت ہے۔

واضح رہے کہ پڑھ کے سنانے اور تعلیم دینے میں فرق ہے پڑھ کر سنا دیں شاید جس حد تک آپ پہنچے ہوئے ہوں آپ کا سننے والا اس مطلب تک نہ پہنچ سکتا ہو۔ تعلیم کا مطلب یہ ہے، کہ جو آپ نے سمجھا ہے وہ اپنے طالب علم کے ذہن میں ڈال دیں اور اس انداز سے ڈالیں کہ اس کے بند دماغ کی کلیاں کھول کے رکھ دیں، حکمت کا لفظی معنی دانائی ہے، مفسرین کے نزدیک حکمت یہ ہے کہ سرکار سمجھا دیں کہ عمل کا طریقہ کیا ہے مثلاً قرآن پاک کہتا ہے نماز پڑھو! اب کس طریقے سے پڑھیں؟ اللہ کریم ہمارے سامنے آئے اور نماز پڑھائے! یہ ناممکن ہے کیونکہ وہ جسم سے پاک ہے، اب کوئی جسم والا ہمارے سامنے نماز پڑھے، اور جسم والے کو اللہ تعالیٰ یہ اتھارٹی

دیدے کہ آپ جسم رکھتے ہوئے ان جیسے نہیں ہیں تا کہ ان کی قیادت کر سکیں ،اب سرکار علیہ السلام جسم معطر رکھتے ہیں ،وہ جب رکوع وسجود فرماتے ہیں ،تو نظر آتے ہیں ،لیکن جب نماز میں کھڑے ہوں تو یہ بھی ارشاد فرمادیتے ہیں کہ جب میرے پیچھے کھڑے ہو تو پوری توجہ رب کی طرف ہونی چاہیے ،اس لیے کہ تمہاری ہر حرکت وسکون کو میں دیکھ رہا ہوتا ہوں اگر ادب سے سوال کی جسارت کریں کہ آقا! آپ کا چہرۂ اقدس تو سامنے کی طرف ہوتا ہے؟ تو فرمایا!

"انی اریٰ خلفی کما اریٰ امامی" ۵ ''میں پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے دیکھتا ہوں''۔

"ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون" ۵ ''تمہیں میرا محبوب وہ کچھ سکھاتا ہے جس کا تمہیں علم نہیں''۔

اوپر لفظ آ گیا تھا کہ وہ تمہیں تعلیم وحکمت دیتے ہیں، پھر دوبارہ لفظ آیا کہ ا**"ویعلمکم"** اس کی تفسیر کرتے ہوئے برصغیر کے عظیم مفسر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں، **"تکرار الفعل یدل علی ان ھذا التعلیم من جنس الاٰخر"** **یعلّمکم** کا لفظ دوبارہ اس لیے آیا تا کہ معلوم ہو کہ اس کے بعد جس تعلیم کا ذکر ہے وہ وہ تعلیم نہیں جو پہلے یعلمکم میں آ گئی ہے، مزید فرماتے **"ولعل المراد بہ یعلم اللہ فی الماخوذ من بطون القرآن ومن مشکوۃ صدر النبی صلی اللہ علیک وسلم"** ۵ اس سے مراد اندرونی ہے اسے بطن قرآن سے لیا جاتا ہے، ظاہری الفاظ سے نہیں، اور سرکار علیہ السلام کے سینہ مبارک کی مشکوۃ سے یہ علم معلوم ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ علم لدنی قرآن کے باطن میں چھپا ہوا ہے، پھر مشکوۃ النبی صلی اللہ علیک وسلم سے رابطہ کرنا ہے۔ مشکوۃ کیا ہے؟

لالٹین رکھنے کے لیے دیوار میں آلہ ہوتا ہے، سینہ بالکل اس آلے سے متشابہ ہے تو فرمایا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک سینہء بے کینہ جو مخزن خزینہ ہے، جب اس مبارک سینے سے آپ رابطہ رکھیں گے، تو اس سے باطنی علم ملے گا اور پھر فیصلہ کن بات فرماتے ہیں!

"الذی لاسبیل الی درکہ الاّ الانعکاس" ۵ ''اس علم تک آپ انعکاس کے ذریعے ہی پہنچ سکتے ہیں''۔

یعنی مرکز کہیں اور ہو اور شعاعیں آپ پر پڑتی ہوں، تب یہ علم مل سکے گا، یہاں مرکز سے مراد سرکار علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کا سینہ ہے۔

بیانِ اقبالؒ

اقبال نے اسے ایک اور انداز سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری ولادت سیالکوٹ میں اب ہوئی ہے، در

حقیقت میں، میں اور ساری امت بہت پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ (واضح رہے کہ اقبال دورِ حاضر کے بہت بڑے محقق ہیں بہت بڑے ظاہری و باطنی عالم ہیں، فلسفے کے امام شمار ہوتے ہیں اور مجھ پر تو اقبال کی باطنی تربیت کا بے حد اثر ہے، لہذا میں انہیں دورِ حاضر کا عظیم مجدد مانتا ہوں) فرماتے ہیں کہ جب سرکار علیہ السلام غارِ حرا میں تشریف فرما تھے تو ہماری ہی تخلیق ہو رہی تھی ہم آج پیدا نہیں ہوئے بلکہ قیامت تک آنے والی امت آپ کے وجود باجود سے پیدا ہو چکی تھی۔

اللہ تک پہنچنے کے دو ماخذ ہیں۔ ا۔ قرآن پاک کا باطن ۲۔ سرکار علیہ السلام کا مبارک سینہ

ان سے رابطہ کیسے ہوتا ہے اگلی آیت نے اس کا جواب دیا!

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾ ع
تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرتا رہوں گا، اور میرے شکر گزار بندے بنو اور تم میری ناشکری نہ کرو ۱۴۴

۱۴۴ ان دو ماخذ تک پہنچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی یاد ضروری ہے۔ ذکر کی بہت سی قسمیں ہیں یہاں صرف اشارہ کروں گا، زبان کا ذکر، دل کا ذکر انسانیت کی خدمت بھی ذکر ہے، نماز میں تمام حرکات وسکنات ذکر ہیں اور افضل ذکر دل کا ہے، اس لیے کہ باقی تمام اعضاء آلات ہیں، اور انہیں حرکت دینے والا دل ہے، لہذا افضل ذکر دل کا ہے، اور اس ذکر کی حد یہ ہے کہ مخفی ذکر کو کراما کاتبین بھی نہ سن سکیں، اللہ تعالیٰ قیامت کو فرمائے گا فرشتو! اس بندے کا حساب تو سارا تم نے کر دیا لیکن اس کے بے شمار کام ایسے ہیں جن کا صرف مجھے علم ہے پھر اس وقت یہی ذکر دل کا آئے گا اور یہ باطنی معراج ہے اور اولیاء کرام اس ذکر کو بے حد محبوب رکھتے ہیں، چشتی حضرات اسے پاس انفاس کہتے ہیں اور باقی سلاسل اسے ذکر لطائف کہتے ہیں، کہ جب سانس اندر جائے تو 'اللہ' اور جب باہر نکلے تو 'ھو'۔ پھر سانس اور دل ذاکر ہو جاتے ہیں، اور یہ ذکر کی وہ معراج ہے جو آپ کو روحانی انداز سے پروردہ فرشتوں سے افضل بنا دیتی ہے، اس لیے کہ ان کے پاس جسم نہیں ہے، اور اقبالؒ نے اس مقام سے گزرتے ہوئے فرمایا کہ!

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے   یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

کہ جس محبت کے صحرا سے میں گزر رہا ہوں وہاں جبرائیل تو ایک گھٹیا سا شکار ہے، اگر تجھ میں ہمت مردانہ ہے اور شکار کرنا ہے تو خدا کو شکار کر۔ یہ ذکر کی معراج ہے جسے قلندر نے اپنے انداز میں ذکر کر دیا، اسی کو قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اس طرح واضح فرمایا کہ!

"ولما کان طریق تحصیل تلک المعارف منحصر فی الاتقاء والانعکاس وکان کثرت الذکر

Marfat.com

والمراقبہ بعید القلب والنفس" o

چونکہ ان معرفتوں کو حاصل کرنے کے لیے دو باتیں ہیں۔ ا۔ اللہ کی طرف سے آپ کے دل میں کوئی بات ڈالی جائے۔

۲۔ یا سرکار علیہ السلام کا عکس پڑ جائے۔ زیادہ ذکر کرنا یا مراقبے میں بیٹھ جانا دل اور نفس کو فائدہ دیتا ہے۔

مراقبے کا مطلب ہے کہ اپنی نگرانی کرنا اسی لیے اردو میں لفظ رقیب استعمال ہوتا ہے اپنے دل اور اعمال کی نگرانی یکسو ہو کر دل کی طرف توجہ دی، اس سے بت کو نکال کر پھینک دیا اور ایک مہمان عزیز کے لیے اس گھر کو خالی کر لیا، جب اس گھر میں ایک مہمانِ عزیز آ گیا اور اس کے انوار آپ کے وجود میں سرایت کرنے لگ گئے، اب اللہ کی طرف سے القا بھی ہونے لگا اور سرکار کی طرف سے انعکاس بھی ہونے لگا پھر کیا ہوگا کہ انسانی نفس میں انعکاس کی صلاحیتیں ہیں، جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے انوار کی شعاعیں پڑتی ہیں، تو انسانی وجود قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو اس مقام پر آج ایک کامل مسلمان پر وہی انوار پڑیں گے جو صحابہ پر پڑتے تھے، اور یہ کمال ہے کہ چودہ صدیاں بعد بھی آپ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں لیکن اگر وہ مقام حاصل نہیں ہے تو درمیان والے واسطے کام دے جائیں گے، وہ اوپر سے لے کر آپ پر ڈال دیں گے اسی مفہوم کو موجودہ پیر صاحب سیال شریف کے چچا جی حضرت شیخ الاسلامؒ کے چھوٹے بھائی، حضرت خواجہ غلام فخر الدین مدظلہ نے ایک اور تصور کے ساتھ بیان کیا، عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم، آپ میں اور مجھ میں فاصلہ تو بہت زیادہ حائل ہو گیا ہے، لیکن!

"دست بدست از دور گرفتم"

میں نے کسی اور کا ہاتھ پکڑا اس نے کسی اور کا، اس نے کسی اور کا تو یہ ہاتھوں کی زنجیر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پھر ابو بکر صدیقؓ تک، اس صدقے سے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جا پہنچی، اور ان کے واسطے سے آپ نے ہمارا ہاتھ پکڑ لیا، پکڑا تو دور سے ہے پکڑ تو لیا ہے۔

یہ حدیث قدسی بخاری اور مسلم میں ہے، کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرا بندہ میرے متعلق جو گمان رکھتا ہے، میں اسی گمان کے پاس ہوتا ہوں، یعنی اس گمان کو پورا کر دیتا ہوں اور جب میرا ذکر کرتا ہے، تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے، تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں (یہ سمجھانے کے لیے حالانکہ اللہ دل سے پاک ہے) اگر وہ اپنے گروہ میں بیٹھ کر مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ایسے گروہ میں کرتا ہوں جو یقیناً اس کے گروہ سے مرتبے میں اونچا ہوتا ہے، اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے، تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

Marfat.com

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾
اے ایمان والو! مدد چاہو صبر اور نماز سے یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۱۴۵

۱۴۵ دو باتوں کو یاد رکھو کہ زندگی کے وسیع میدان میں جب تم مشکلات میں گھر جاؤ، تو صبر کرو، اور نماز کو نہ چھوڑو، یہ دو باتیں تمہارے لیے کشائش کا ذریعہ ہوں گی۔ اب مسلمانوں نے صبر کر کے کیا کچھ پایا یہ محتاج بیان نہیں ہے، نمازوں کا یہ انداز تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سجدوں کو سورۃ فتح نے بڑی لطافت سے ایک آیت میں ذکر کیا۔

اللہ صابروں کے ساتھ ہے، تفسیر مظہری میں قاضی صاحب لکھتے ہیں۔

اللہ صابروں کے ساتھ ہے اسے ہم کیفیت کے انداز میں بیان نہیں کر سکتے، یہ مشاہدے کی چیز ہے جسے عارف محسوس کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ایک اعتراض کا جواب نقل کروں، اعتراض یہ ہے کہ اللہ کیفیتوں سے پاک ہے وہ صابرین کے ساتھ کیسے ہوگا ،دور حاضر میں مصنوعی اور انگریز ساختہ نبی مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآن کی ایک آیت سامنے رکھی کہ!

"اولٓئک مع اللذین انعم اللہ علیهم من النبیین والصدیقین والشهدآء والصالحین "O

کہ وہ بندہ ساتھ ہوتا ہے ان کے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین

اس پر مرزا نے دلیل یوں قائم کی کہ جب آپ کہتے ہیں کہ امت میں صدیق، شہید، صالح پیدا ہوتے رہیں گے، تو نبی کیوں نہیں پیدا ہو سکتا، حالانکہ مرزا نے ترجمہ غلط کیا ہے، میں نے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ یہاں لفظ ''مع'' ساتھ کے معنوں میں آیا ہے، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔ پھر اگر ایک صابر اٹھ کے یہ اگر کہہ دے کہ میں اللہ ہوں، جس طرح یہ بات باطل ہے اسی طرح مرزا کی بکواس بھی باطل ہے ضمناً یہ بھی عرض کر دوں کہ ہمیں اس مجازی دنیا میں بے شمار سہارے تلاش کرنے ہوتے ہیں، اور بہت سے سہارے وہ ہیں جن کا قرآن خود اعلان کرتا ہے جیسے صبر اور نماز کا سہارا اب اگر ایسوں سے مدد لینے لگ جائیں تو کیسے شرک ہوگا؟ مطلب یہ ہوا کہ وہ ذرائع جو خدا تک لے جانے والے ہیں وہ سب قرآن کی نگاہ میں مقبول ہیں۔

نتیجہ۔ پچھلی آیات کا نتیجہ یہ ہے کہ نبی نے یہ باتیں کرنی ہیں، قرآن پڑھ کر سنانا ہے، تزکیہ کرنا ہے، علم و حکمت کے دروازے کھولنے ہیں، باطنی علوم کو عام کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد کو عام کرنا ہے، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ زندگی کی مشکلات میں تمہیں صبر کا لباس پہن لینا ہے، نماز کو اپنا ساتھی بنا لینا ہے، پھر اگر اس راستے پر چلتے ہوئے ایسا مقام آجائے کہ آپ کو جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے تو پھر انعام کیا ملے گا!

Marfat.com

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور تم ہرگز یہ بات نہ کہو وہ لوگ جو راہ خدا میں شہید کر دیے جاتے ہیں کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں ہے ۱۴۶

۱۴۶ یہاں دو تین باتیں قابل غور ہیں جو راہ خدا میں شہید کر دیا جائے وہ مردہ نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ زندہ ہے ہمارا شعور ہمارے جسم کی تخلیق کے ساتھ ہے اور ہمارا جسم جن مادوں سے بنا ہے ان کا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہے لہذا شعور اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا جو شہید کا مقام ہے تو فرمایا کہ یہ بات تمہارے شعور سے اوپر ہے کیا شہید کی زندگی روحانی ہے یا جسمانی؟ علماء کی غالب ترین اکثریت کہتی ہے، کہ یہ زندگی روح و جسم دونوں کے ساتھ ہے۔قرآن کی آیت کے اندر غور فرمائیں تو فرمایا جو مار دیا گیا ہے، اسے مردہ نہ کہو، اب واضح بات ہے کہ وہ تو جسم کے ساتھ ہے، اگر صرف روح زندہ ہے تو اس سلسلے میں صرف مسلمان نہیں بلکہ غیر مسلم فلاسفہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مرنے کے بعد روح فنا نہیں ہوتی اور روح میں کلام نہیں اب کلام جس بات میں ہے تو اس کے جسم کے بارے میں ہے لہذا آیت کے ظاہری الفاظ کو لیتے ہوئے ہمارے عظیم مفکرین نے یہی بات فرمائی کہ شہید اپنے جسم سمیت زندہ ہے۔

لفظ ہے ''لمن یقتل'' یہ واحد ہے آگے لفظ ہے ''اموات'' اور وہ جمع ہے، ایک ہی چیز کے لیے واحد کا لفظ اور اسی کے لیے جمع کا لفظ استعمال ہوا ہے کئی عام مترجمین نے ترجمہ کیا کہ تم نہ کہو اس بندے کو جو راہ خدا میں مارا گیا ہے کہ وہ مردے ہیں اب پہلے واحد آگے جمع کرتے ہوئے الجھن میں پھنس گئے۔اصل بات یہ ہے کہ ''من'' کا لفظ عربی زبان میں واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، واحد ہو یا جمع ہو لفظ ''من'' ہی آئے گا، لہذا یہاں معنی جمع کا کر لیا جائے تاکہ عبارت اور معنی دونوں صاف ہو جائیں۔تم ان لوگوں کو جو راہ خدا میں مارے جاتے ہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں ہے''۔

راہ خدا میں شہادت کے لیے سرکار علیہ السلام کے صحابہ نے بہت ہی نفیس معیار قائم کیا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کو حق سمجھتے ہوئے ان حضرات نے دو باتوں کا کبھی خیال نہیں کیا۔۱۔ ہماری تعداد کیا ہے۔۲۔دشمنوں کے مقابلے کے لیے ہمارے پاس اسلحہ کتنا ہے قرآن نے انہیں یہ ضرور حکم دیا تھا کہ! ''**واعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل**'' ٥ دشمن کے لیے جتنی قوت مہیا ہو سکے اور جس انداز سے گھوڑے میدان جنگ میں اتارے جا سکیں۔

Marfat.com

یہ لازماً ہونا چاہیے، یہ نظریہ تھا جو قرآن نے دیا لیکن جب باطل مقابلے میں آگیا تو کیا مسلمانوں نے کبھی باطل کے سامنے سر جھکانے کی کوشش کی؟ کبھی کہا کہ اسلحہ کم ہے؟ ایسی بات کبھی نہیں کہی سرکار نے مستقبل کو ملاحظہ فرماتے ہوئے ایک بات ارشاد فرمائی تھی، کہ جنگ میں سب سے زیادہ زور اس چیز پر دیا جائے، جو دور پھینکی جاسکتی ہے، اس دور میں چونکہ تیر ہی ایسی چیز تھی تو عام لوگوں نے اس کا مفہوم تیر ہی جانا، لیکن یہ بات نہیں تھی، اس لیے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف اس محدود دور کو ملاحظہ نہیں فرمارہے تھے، بلکہ قیامت تک اور بعد ازاں کو بھی ملاحظہ فرمارہے تھے، امت کو درس یہ دیا جارہا تھا کہ ایسے اسلحہ کی فراوانی ہونی چاہیے، جسے بہت دور پھینکا جاسکتا ہو، اور ہمیں تاریخ بتاتی ہے، کہ بارود کی شکل میں جس قوم نے توپ کے ذریعے دور تک جانے والا مواد تیار کیا وہ مسلمان قوم تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا قبلہ درست چل رہا تھا، پھر ہم پر غلامی مسلط ہوگئی، یہ طویل موضوع ہے جو آیت کی تشریح سے خارج ہے، میں نے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ایک نظریے کو بچانے کے لیے صحابہ نے کس کس انداز سے قربانیاں دی ہیں، آپ غزوہ بدر کو دیکھیں صحابہ کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور محدود اسلحہ تھا اور کافروں نے بالائی حصوں پہ پہلے کنٹرول کرلیا لیکن جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کی فتح تھی جو تاریخ اسلام کا ایک سنہری باب ہے۔

بخاری کی روایت کے مطابق سرکار علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''کہ اے اللہ یہ میری ساری کمائی ہے، اگر تیری یہ خواہش ہے کہ تیری عبادت نہ ہو تو بے شک انہیں مروادے''۔

اب ان الفاظ کی گہرائی میں اترنے کی کوشش فرمائیں صحابہ کی باقی جنگوں کو ملاحظہ فرمائیں تو یہی انداز نظر آئے گا، کہ جان اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اس مسلک کو بچایا جو ان کے وجود میں خون کی طرح گردش کررہا تھا، سرکار کا مقدس دور گزرتا ہے تو اسلام جزیرۂ عرب پر قابض ہوچکا تھا، لیکن سرکار علیہ السلام کے وصال باکمال کے بعد ہوا کا رخ بدلا، اندرونی خلفشار پیدا ہوئے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے تدبر سے چند مہینوں میں سب کنٹرول کرلیا، اور انہوں نے فتوحات کا آغاز کیا۔ موجودہ اردن اور عراق کا آدھا حصہ، شام کا وہ حصہ جو دمشق سے پہلے ہے اسے آپ نے فتح فرمالیا۔ دمشق گھیرے میں تھا جب حضرت صدیق اکبرؓ کا انتقال ہوا، فاروق اعظمؓ آئے تو دیکھتے ہی دیکھتے دو سپر پاور قوتیں ان کے قدموں کے نیچے تھیں اور ان کے تھوڑے تھوڑے علاقے باقی رہ گئے تھے۔ قیصر کے نمائندے ہرقل سے سارا شام چھین لیا گیا، فلسطین لے لیا گیا، مصر فتح ہوگیا، عراق اور ایران اسلامی سلطنت کے زیر نگین آگئے ایشیائے کوچک کے بہت سے حصے، افغانستان کے جنوبی حصے سب فاروق اعظمؓ کی فوجوں نے چند سالوں میں فتح فرمالیے۔

لیکن سب سے بڑی حیران کن بات یہ ہے کہ جن جن علاقوں کو ان حضرات نے فتح کیا ہے، گزشتہ چودہ سو سال میں وہاں سے اسلام کا جھنڈا اکھاڑا نہیں جاسکا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آتے ہیں، تو باقی ماندہ علاقے بھی انھوں نے فتح

کر لیے، سمرقند، بخارا، تاشقند وغیرہ فتح کیے۔ افرادی قوت کے بہت کم ہونے کی وجہ سے اتنے وسیع علاقے کو سنبھالنا بڑا مشکل تھا، اکثر فوجی آفیسر حضرات جانتے ہیں کہ جرمنی جنگ میں کیوں شکست کھا گیا تھا، اس کی فوجیں ماسکو تک جا پہنچی تھیں، لینن گراڈ تک پہنچ گئیں لیکن پیچھے سے رسد کے ذرائع کٹ گئے، نتیجہ کیا ہوا کہ وہ شکست کھا گیا

اتنے وسیع علاقے پر قبضہ کرنے کے باوجود مسلمانوں نے شکست نہیں کھائی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت جن دردناک حالات میں ہوئی تھی توقع یہ تھی کہ بس اب اسلام کا مستقبل خطرے میں ہے، آگے چل کر اقتدار اموی خاندان کے ہاتھ آ گیا اور یزید سامنے آیا۔ اسلامی دفاع کے لیے جو پہلی جنگ لڑی گئی ہے اس کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن مستقبل پر اس نے دوررس اثرات ڈالے تھے، یہ وہ جنگ ہے جسے آپ کربلا کے نام سے یاد کرتے ہیں، جب اقتدار ٹیڑھا ہو جائے تو اسے سیدھے راستے پر لانے کے لیے اسوۂ شبیر ایک معیار ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ جب بھی اقتدار ٹیڑھا ہوا تو اسے سیدھا کرنے کے لیے اللہ والے سامنے آتے رہے، عباسی ٹیڑھے ہوئے تو حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سامنے تشریف لائے، نو سال مختلف قسم کی ماریں کھائیں، نو سال جیل میں رہے، اٹھارہ سال وہ عوام سے کٹے رہے، لیکن اس حق کو چھوڑا نہیں، جو صحابہ اور اہل بیت کا انداز تھا برصغیر میں مغلیہ اقتدار ٹیڑھا ہوا تو اسوۂ شبیری کو سامنے رکھ کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میدان میں اترے اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے بہت عرصے بعد کہنا پڑا کہ!

وہ گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے۔ تو یہ تھا وہ انداز جو سرکار علیہ السلام نے ہمیں نظریہ کے طور پر عطا فرمایا تھا، جب ہم نظریہ کے دفاع کے لیے ایک دن کمربستہ ہو گئے، تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور جناح رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا، ہمیں بڑی گہرائی سے سوچنا ہو گا کہ کیا آج ہم اس نظریے کا دفاع کر رہے ہیں؟

اگر نہیں کر رہے تو ہندو تہذیب سے بچنے کے لیے جو ہم نے طویل جدوجہد کی تھی کہیں وہ ختم نہ ہو جائے، اور کہیں ہمارا ملی وجود پس کے نہ رہ جائے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ نئی نسل کو اس نظریے کی طرف دعوت دی جائے، جو فاتحِ بدر و حنین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پیش فرمایا تھا، اور انعام یہ رکھا کہ جب تم راہ خدا میں مارے جاتے ہو، تو رتبہ شہادت دیئے جاتے ہو، جس کی بدولت مردہ نہیں ہوتے اور یہ انعام مسلمان قوم کے ساتھ خاص ہے۔ میں اتنا عرض کروں گا کہ شہادت کی موت کے بعد جسم بھی زندہ رہتا ہے روح تو سب کی باقی رہتی ہے لیکن مزہ تب ہے کہ جسم بھی باقی رہے اس سلسلے میں سب سے پہلی بات حدیث کی کرتے ہیں، حدیث کی پہلی کتاب جو بخاری سے ایک سو سال پہلے لکھی گئی ہے۔ بخاری کا عظیم ماخذ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہے، ہمارے چار ائمہ میں سے ایک کا نام مالک بن انس رضی اللہ عنہ ہے، وہ حدیث کے بہت بڑے مایہ ناز امام اور مفکر ہیں۔

قول امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ فرماتے ہیں کہ جنگِ اُحد سے چھیالیس سال بعد مشہور صحابی حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ

Marfat.com

عنہما، جو دونوں ایک قبر میں مدفون تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ اُحد کے بعد مسلمان بے حد نڈھال ہو چکے تھے، ایک ایک قبر میں تین تین چار چار آدمی دفن کر دیے گئے۔ سرکار کے چچا جان سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو جب قبر میں رکھا گیا تو جو کپڑا آپ پر ڈالا گیا وہ اگر سر پر آتا تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں پر آتا تو سر ننگا ہو جاتا، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا سر ڈھانپ دو اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو، امام مالک فرماتے ہیں کہ جب پانی آیا تو ایک طرف سے قبر کھل گئی، جب دیکھا تو بالکل اسی طرح پڑے تھے، جس طرح شہادت کے دن تھے، امام سیوطیؒ نے دوسری روایت میں یہ اضافہ فرمایا کہ ایک صاحب کا ہاتھ زخم کے اوپر تھا، لوگوں نے ہاتھ اٹھایا تو نیچے سے خون رسنے لگ گیا۔

دوسرا واقعہ

عراق میں شہداء کے مزارات میں پانی آ گیا جسم سامنے آ گئے، ان کو وہاں سے نکال کر حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قبر کے قریب دفن کیا گیا، چونکہ وہ انتہائی اونچی جگہ پر ہے اب آپ اندازہ لگائیں کہ اس وقت تک تیرہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔

تیسرا واقعہ

یہ واقعہ اسی صدی کے آخری حصے 1980ء کا ہے، کہ مدینہ طیبہ میں موجودہ حکومت نے ایک قبرستان کو کہیں منتقل کرنا چاہا، مختلف قبریں کھودیں گئیں، یہ ان لوگوں کی قبریں تھیں جو زمانہء جاہلیت میں فوت ہوئے، ان میں ایک قبر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تھی جو سرکار علیہ السلام کے والدِ گرامی ہیں، دنیا کے اخبارات نے اس کا تفصیل سے ذکر کیا۔

چونکہ میں (سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی) 1981ء میں حج کے لیے گیا میں نے وہاں تحقیق کرنا چاہی میری دلی خواہش تھی کہ کوئی واقف ملے، جس سے دل کھول کر باتیں کر سکوں، گاڑی میں بیٹھے تو بات بن گئی، وہ ڈرائیور سادہ لوح تھا، میں نے پوچھا حضرت صاحب! کیا آپ نے بھی اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا، جس میں ایک وجود باجود سالم نکلا؟ اس نے کہا جی ہاں! میں نے [illegible] دیکھا تھا انہوں نے ایک تاویل کرنا چاہی وہ تاویل یہ تھی کہ مدینہ کی مٹی کی یہ خاصیت ہے کہ یہ مردے کو کھاتی نہیں ہے، میں نے کہا جناب اس میں میری طرف سے یہ اضافہ کر دیں کہ مدینہ کی مٹی کی یہ خاصیت ہے کہ دشمن کو چھوڑتی نہیں اور اپنے کو چھیڑتی نہیں۔ اگر اس میں یہ خاصیت ہوتی تو باقی بھی اس دور کے لوگ دفن تھے ان کے جسم موجود نہیں، ان واقعات سے معلوم ہوا کہ شہداء اپنے مزارات میں اپنے جسم اطہر کے ساتھ باقی ہوتے ہیں۔

ایک خاص واقعہ

سرکار علیہ السلام کے جسدِ اطہر کو مزار شریف سے عیسائیوں نے نکالنے کی ناکام کوشش کی تھی یہ چوتھی صدی ہجری کی بات ہے، یہ وہ دور ہے جس میں صلاح الدین ایوبی" زندہ تھے، اور ان کے محسن نورالدین زنگی فوج کی قیادت کر رہے تھے، شام میں عیسائیوں کے خلاف جنگیں لڑی جارہی تھیں، یہ واقعہ بیسیوں تاریخی کتابوں میں موجود ہے، انہوں نے مدینہ منورہ میں ایک مکان کرائے پر لیا اور بڑے دور سے مزار پرانور تک سرنگ لگائی، چلتے چلتے بالکل قریب پہنچ گئے، دن کو سارا دن مسجدِ نبوی میں رہتے رات کو مٹی نکال کر دور پھینک آتے، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِدھر صاحب اقتدار سلطان نورالدین زنگی" کو خواب میں فرمایا، کہ مدینے میں آؤ مجھے دو فاسق یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں انہیں روکو! انہوں نے سمجھا یہ خواب وخیال ہے پروانہ کی دوسرے دن پھر وہی خواب دیکھا تیسرے دن وہ دونوں شخص سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دکھائے۔ وہ بڑی تیزی سے مدینے کی طرف نکلے کافی دنوں کے بعد مدینے میں پہنچے اہل مدینہ کو بڑی خوشی ہوئی کہ ہمارا شہرہ آفاق جرنیل مدینے میں آگیا ہے آتے ہی فرمایا سب اہل مدینہ مجھے ملیں انعام واکرام سے نوازوں گا سلطان کی پریشانی بڑھتی گئی کہ وہ دو شخص ابھی تک نہیں آئے جو سرکار علیہ السلام نے دکھائے تھے پوچھا کیا کوئی رہ گیا ہے؟ جواباً کہا گیا جناب دو آدمی رہ گئے ہیں وہ بڑے عابد وزاہد ہیں سارا دن مسجدِ نبوی میں عبادت کرتے ہیں فرمایا ان دونوں کو لے آؤ، نورالدین زنگی" جو ایوبی" کے سیاسی مرشد ہیں ان کے سامنے ان دو کو لایا گیا آپ نے جونہی دیکھا تو فرمایا کہ یہی وہ دو ہیں جن کی شکلیں مجھے دکھائی گئی تھیں، فرمایا مجھے وہاں لے چلو جہاں تم رہتے ہو، پہنچے دیکھا تو کوئی اس قسم کا نشان نہیں اچانک دیکھا کہ ایک صف بچھی تھی جب اُٹھائی تو نیچے غار نظر آئی، نورالدین زنگی" سرنگ میں اتر گئے، اور جب قبر انور کی پائینتی پر پہنچے تو عجیب منظر تھا کہ قدمین شریفین سامنے نظر آرہے تھے، آگے لپکے تو بوسہ دیا۔ دیکھو! کسی کو ملنے کا انداز یہ بھی ہوتا ہے، باہر نکلے انہیں اپنے سامنے سزائے موت دی اور چار سو سال کے بعد بھی اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ سرکار نے فرمایا تھا۔

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

اللہ نے زمین پر یہ بات حرام کردی ہے کہ وہ انبیاء کے مبارک جسموں کو کھائے

علامہ عینی" نے لکھا ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آج بھی اپنی قبر انور میں اسی طرح تشریف فرما ہیں، جس طرح پہلے دن آپ وہاں

Marfat.com

پاک نے ایک دو جگہ اشاروں سے نہیں بلکہ اتنی وضاحت سے نقل کیا ہے کہ عمل رسول کو قرآن پاک سے الگ کر دیں تو قرآن پاک بے جان کتاب بن جاتی ہے، لہٰذا یہ تیسرا مرحلہ ہے ہدایت کا جہاں آپ رسول اور اس کی لائی ہوئی کتاب سے نور حاصل کرتے ہیں، لیکن ایک بات جو آپ کو چوتھی سٹیج کے لیے تیار کرتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول علیہ السلام کی تعلیمات کی وجہ سے آپ کے وجود کے اندر روح بیدار ہو جاتی ہے، دل بیدار ہو جاتا ہے، دماغ صراط مستقیم پر چلنے لگ جاتا ہے، جب آپ کو یہ تین مرکز کسی ایک چیز کی طرف پھیر کے لے جاتے ہیں تو ہاتھوں کی جرأت ہے جو اس راستے پر نہ چلیں، پاؤں کی ہمت ہے کہ وہ اس راستے پر نہ چلیں، یہ تو جتنے بھی جوارح و اعضاء ہیں یہ آلے ہیں یہ اس بات کے پیچھے پیچھے چلیں گے جو انہیں دل اور دماغ اور روح کہتے جائیں گے، لہٰذا اس تیسرے مرحلے پر جب آپ نے رسول علیہ السلام کی پیروی کی، کتاب مبین کی پیروی کی، اپنے آپ کو اس کے رنگ میں رنگ دیا، تو آپ عالم بالا سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، اب آپ کے دل پر الہام کی بارش بھی ہوتی ہے، نورانی خواب بھی آتے ہیں، اب چونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے، سابقہ دوروں میں پھر نبوت کا دروازہ بھی کھل جایا کرتا تھا، رسالت بھی آجایا کرتی تھی، آسمانی کتابیں بھی مل جایا کرتی تھیں، اب کوئی اور نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

'اولئک الذین انعم اللّٰہ'' ○ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کریم نے ہدایت عطا فرما دی ہے''۔ یعنی یہ چوتھے مقام والے ہیں، پھر ارشاد ہوا کہ اے لوگو! تم بھی ان کے ہی راستے پر چلو، دوسرے مقام پر قرآن پاک نے کہا **''والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا'' ○** ''وہ لوگ جو ہماری ذات کے اندر مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں اپنی طرف آنے کے سارے راستے بتا دیتے ہیں''۔ یہ وہ بات ہے جو چوتھے مقام پر آتی ہے اس کو میں نے قرآن پاک کی آیات کے ساتھ آپ کے سامنے تبرکاً پیش کیا، ورنہ قرآن پاک میں بے شمار آیات ایسی ہیں، جن میں چوتھے مقام والے لوگوں کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے، اب آئیے ہم اس فقرے کا ترجمہ کرتے ہیں!

135332

''ایاک نعبد وایاک نستعین○اھد نا الصراط المستقیم'' ○

ترجمہ: ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور ہم تجھی سے مدد کے طالب ہیں، ہمیں سیدھا راستہ دکھا''۔

بیضاوی نے ایک فرضی سوال یہاں کیا ہے، جب ہمارے زوال کا دور آیا تو ایک ہندو مفکر نے یہ سوال ہم پر خواہ مخواہ جڑ دیا، اور قرآن پاک کے بارے میں کہا کہ یہ خدا کی کتاب نہیں ہے، اور نبی علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ انہیں اپنی ہدایت کے متعلق یقین نہیں تھا، لہٰذا یہ جملہ آیا، اس بات کی بنیاد کیا ہے؟ ''اھد'' ہدایت دے۔ ''نا'' ہمیں۔ (ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے) اس کا اعتراض یہ ہے کہ جب سرکار کریم نے یہ بات کہی تو کیا وہ ہدایت پر نہیں تھے؟ اس لیے وہ خدا سے ہدایت مانگ رہے تھے، آپ جس وقت تھوڑا سا شعور سے کام لیں گے اور جو میں نے ہدایت کے مدارج بیان کیے ہیں ان میں آخری درجہ

Marfat.com

تھے اور اس کے ساتھ ایک بات ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی ہے کہ جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور جنازے کی بات آئی تو بات یہ چلی کہ جنازہ کون پڑھائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سرکار علیہ السلام ظاہری زندگی میں بھی ہمارے امام تھے، وصال کے بعد بھی آپ ہمارے امام ہیں لہذا وہ نماز جنازہ نہیں ہوگی جو عام لوگوں پر پڑھی جاتی ہے، دس دس آدمی اندر جائیں، ادب سے درود وسلام پیش کریں، دلیل یہ ہے کہ جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف والی آیت اتری ہے یہ آپ کے جنازے کے بارے میں ہے۔ یاد رکھیں یہ بات جو میں بیان کررہا ہوں، شیعہ، سنی دونوں کی کتابوں میں ہے سنی کتابوں میں علامہ عینی ؒ اور شیعہ کتب میں حیات القلوب جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 786 کو دیکھ لیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہاں الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرض کرو پھر باہر نکل آؤ۔

نمونے کے طور پر یہ چند واقعات عرض کیے، علاوہ ازیں بڑا مواد ہے، لیکن مختصر کرتا ہوں اب رہی یہ بات کہ کیا کلمہ پڑھنے کے بعد ہم پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی؟ ارشاد فرمایا کہ مصیبتیں آئیں گی ان کے مختلف انداز ہوں گے، بات اتنی ساری ہے کہ کافر پر مصیبت آتی ہے تو وہ عذاب ہوتا ہے، مسلمان پر آتی ہے تو وہ امتحان ہوتا ہے، اور آپ مسلمان کامیاب ہونے کے بعد عظمتوں کا تاج پہن کر اللہ کریم کی سرکار میں سرخرو ہوجاتے ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

ہم ضرور بالضرور ایک حد تک تمہیں آزمائیں گے، خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی ہوگی، (لفظ من بعضیت کے لیے ہے کہ کچھ خوف ہوگا)

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ

محبوب آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں (صابر) وہ ہیں کہ جب انہیں مصیبت آجاتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے لیے ہیں اور

رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

یقیناً ہم اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں ۱۴۷

۱۴۷ پانچ الفاظ کی تشریح

یہاں اللہ نے پانچ آزمائشوں کا ذکر کیا!

۱۔ خوف: خوف مختلف انداز سے ہوتا ہے، دشمن کا خوف، ملک کے اندر انتشار کا خوف، نظریات، اقتصادیات، تعلیمی تباہی کا خوف ہے، یہ سب خوف کسی بھی اچھے معاشرے میں سامنے آتے ہیں۔

۲۔ الجوع: بھوک، جب اقتصادی حالت تباہ ہوجاتی ہے تو چیزیں بے حد مہنگی ہوجاتی ہیں قوت خرید ختم ہوجاتی ہے پھر

وہ نوبت آتی ہے کہ اشیاء خورد و نوش بالکل نہیں رہتیں، ان تمام باتوں کو قرآن پاک نے بھوک سے تعبیر کیا۔

۳۔نقص اموال : مال کی کمی، کسی نے لوٹ لیا، چھین لیا، کسی اور آفت کی نظر ہو گیا، جوئے کی نذر ہو گیا، شراب اور فحاشی و بے حیائی کے لیے خود لٹا دیا، اور خالی ہاتھ ہو کر گداگری شروع کر دی۔

۴۔والانفس: جانوں کی کمی، کہ برادری کے بہت سے لوگ مر گئے، مختلف امراض نے ڈیرے ڈال دیئے اور بہت سارے افراد لقمہء اجل بن گئے، کسی زمینی یا آسمانی آفت سے بے پناہ جانی نقصان ہو گیا، بجلی پڑی اور کئی جانوں کو خاکستر کر دیا، زلزلہ آیا اور چھتوں کے نیچے تباہ ہو گئے بم گرا اور تباہی مچ گئی وغیرہ

۵۔والثمرات : پھلوں کی کمی۔ کہ بڑا شاندار باغ تھا ژالہ باری ہوئی تو تباہ ہو گیا، یہاں مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد اولاد بھی ہے یعنی جہاد میں اولاد سامنے شہید ہو گئی۔

اب یہ پانچ باتیں ہیں جو میدان بدر، احد اور کربلا میں موجود تھیں، اور جب بھی مجاہدات یا جہاد کا درس طویل ہو جاتا ہے تو اس میں یہ ساری باتیں ہو جاتی ہیں، اولاد شہید، مال تباہ، جان ختم، بھوک کی شدت اور خوف مسلط ہو جاتا ہے لیکن جب ان سب کو آپ خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں تو فرمایا کہ محبوب صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں! صبر کی تشریح یہ ہے کہ ایک بات کو طبیعت چاہے اس سے اپنے آپ کو روک لینا، اس سے آگے مصیبت کا ذکر ہے، تو مصیبت کے لیے ایک بڑی نفیس بات امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات میں فرمائی کہ "کل شیء اصاب المومن فھو مصیبة" ہر وہ شے جو مومن کو تکلیف پہنچائے وہ مصیبت ہے۔ اب اس میں روحانی، مالی اور جسمانی اذیت بھی ہے، ایسی کے آگے فرمایا کہ مصیبت کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اسے کلمہء استرجاع کہتے ہیں، یعنی کسی کی شہادت کے بعد اس کے دوست یا کسی قریبی یا مسلمان بھائی نے کہا! "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" اس سلسلے میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات اپنے مقام پر بے حد اہم ہیں، فرمایا کہ جونہی مصیبت پہنچے تو فوراً زبان سے کلمہ استرجاع کہنا زبان سے بھی اور دل سے اس پر عمل کرنا یہ صبر ہے۔ اگر آپ کچھ دن واویلا کرنے کے بعد چپ کریں گے تو یہ صبر نہیں ہوگا اس کا مطلب یہ کہ آپ رو رو کے تھک ہار کر چپ ہو گئے ہیں، عربی کا مشہور شاعر متنبی کہتا ہے کہ کسی حادثے پر دو انداز سے ہی صبر ہوتا ہے یا تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے صبر کریں، یا پھر تھک ہار کے، صبر کے علاوہ اور کیا ہوگا، پہلی بات عظماءِ ملت کا کام ہے اور دوسری بات عام لوگوں کا کام ہے۔ مولائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ پر دکھ آتا ہے (بھائی، باپ یا بہن مر گئے) آپ نے کپڑے پھاڑ دیے منہ پر طمانچے مارے سینہ کوبی کی تو آپ نے اپنا سارا اجر ضائع کر دیا۔ (بحوالہ من لا یحضرہ الفقیہ)

اب کیا آنسو بہانا ممنوع ہے؟ جی نہیں یہ انسانی فطرت میں شامل ہے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت

ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک آنسو ٹپک رہے تھے۔ ایک صاحب نے عرض کی، کیا یہ صبر کے خلاف تو نہیں ہے؟ فرمایا نہیں آپ زبان اور ہاتھوں کو نہ چلائیں۔ مومن کا دل تو بڑا رقیق ہوتا ہے آنسو آنا تو رحمت کی نشانی ہے۔

اب یہاں تین باتیں آپ کے سامنے رکھنی ہیں۔

۱۔ دکھ تب ہوتا ہے جب کوئی چیز اپنی ہو، ہماری کسی چیز پر ذاتی ملکیت نہیں ہے نہ اولاد اور نہ ہی مکان ذاتی ملکیت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں۔

۲۔ جو بھی رنج یا تکلیف ہے یہ عارضی ہے کیا جو بھی بے صبری اختیار کرتا ہے، باپ بھائی وغیرہ کے مرنے پر تین دنوں کے بعد بھی ایسی کیفیت ہوتی ہے جیسے پہلے دن ہوتی ہے؟ کیا پھر وہی گھر نہیں ہوتا جہاں اس کی روح نکلی تھی، آپ وہاں مسکراتے رہتے ہیں؟ مطلب یہ کہ یہ رنج والم عارضی تھا، اگر حقیقی ہوتا تو یہ آپ کے ساتھ رہتا، اور اسے عارضی بنانے کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ انسانیت کے بیڑے کو اللہ تعالیٰ نے دیر تک چلانا ہے اگر وہ کیفیت ہمیشہ رہے تو دو چار ہفتوں کے بعد انسان مر جائے۔

۳۔ کہ جب ہم یہاں سے اللہ تعالیٰ کی سرکار میں جائیں گے تو سب کچھ مل جائے گا، افسوس تو اس کا ہوتا ہے جس نے تلف ہو جانا ہے، ایک اور بات جسے ہمارے اردو مفسرین نے بیان نہیں کیا، لیکن امام فخر الدین رازیؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مادی دنیا سے ہمارا جسم بنا ہے روح نہیں۔ ہماری روح کو اس بات کا علم ہے کہ میں یہاں کی نہیں کسی اور دنیا کی ہوں، لہٰذا جب کوئی مر گیا تو آپ کی زبان پر فوراً آیا ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے عالم مادیت کو چھوڑ دیا ہے، اور ایک جہان میں چلے گئے ہیں جو اس دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہے اور ایک ایسی زندگی مل گئی ہے جس پر پھر فنا نے واپس نہیں آنا ہے، اس مقام پر پہنچ کر انسان سوچتا ہے کہ میری ابتداء تو تھی لیکن انتہا نہیں ہے، یہ ایک اور ذات کی وجہ سے ہے جسے اقبالؒ نے یوں بیان کیا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ''با ابتداء بے انتہا است''

کہ سرکار علیہ السلام کی ابتداء تو ہے انتہا نہیں۔ تو میں نے کہا، کملی والے جب آپ کی انتہا نہیں تو آپ کے غلاموں کی بھی انتہا نہیں ہے، اور اسی بات کی طرف ہمیں زندگی لے کر جاتی ہے، اور اس نظریے کو اسلام نے اپنی ساری جزئیات کے ساتھ پیش کیا ہے، اور ہر دور میں ثابت کیا ہے، اور باکمال لوگوں نے قبر پر بیٹھ کر کہہ دیا کہ یہ اس وقت اس کیفیت میں ہے میرے فلاں سوال کا یوں جواب دے رہا ہے۔

میرے ساتھ (سید محمد ذاکر حسین شاہ) ایک درویش تھا، جس کا میں نام لینا نہیں چاہتا، ہم ایک گاؤں میں گئے وہاں میرے ایک جاننے والے کے والد فوت ہو چکے تھے، وہ ہمیں اپنے باپ کی قبر پر لے گیا، اور کہا میرے والد کی کوئی کیفیت بتا دیں، میرے ساتھ والے درویش نے کہا محترم! میں شاہ صاحب کی وجہ سے آ گیا ہوں اور میں آپ کے والد کو نہیں جانتا تھا، بہر حال یہ

Marfat.com

بتائیں کہ کیا آپ کے والد داڑھی کو مہندی لگایا کرتے تھے، اور زندگی کے آخری پانچ ماہ نہیں لگا سکے، لہذا بالوں کا نچلا حصہ سفید اور اوپر سے سرخ ہے۔ کیا مرتے وقت ان کی یہی کیفیت تھی؟ جواباً کہا بالکل یہی کیفیت تھی، فرمایا یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے، دو چند باتیں تھیں جو قابل گرفت تھیں اللہ تعالیٰ نے وہ بھی معاف فرما دیں۔

ایک اور صاحب میرے ساتھ تھے ہم تلہ گنگ سے موضع بھلو مار جا رہے تھے، راستے میں ایک گاؤں کھچیاں آیا، وہاں ہماری گاڑی خراب ہوگئی، ہم مغرب کی نماز پڑھنے لگے، میرے ساتھی نے کہا شاہ صاحب! یہ کون سی جگہ ہے میں نے کہا اسے کھچیاں کہتے

ہیں۔ کہا جناب آگے والے پروگرام کو ملتوی کریں، آپ اور میں یہاں ساتھ والے قبرستان میں رات گزاریں گے، میں نے کہا مولانا کیوں؟ کہنے لگے کہ قبرستان والے سب حافظ قرآن ہیں اور سب قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، میں نے سوچا کہ بات کیا ہے، تو یاد آیا کہ 'رقعات عالمگیری' میں عالمگیر نے ایک بڑے مزے کی بات لکھی کہ جب وہاں سے گزر رہا تھا جسے کھچ کہتے ہیں جب میں وہاں پہنچا تو ایک تالاب تھا جہاں سے خواتین پانی بھر رہی تھیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ جو سوال کرتیں قرآن کی آیت پڑھتیں اور جو جواب دیتیں وہ بھی قرآن کی آیت پڑھتی تھیں۔ میں نے مولانا کو حوالہ دیا اور کہا کہ آگے جانا ضرور ہے کہ لوگ انتظار کر رہے ہیں ہم مرنے والوں کا قرآن سنتے رہیں، تو زندہ لوگوں کو کون سنائے گا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب زندگی کا انداز بدلتا ہے تو وہ یہاں رہ نہیں جاتا، بلکہ وہ قبر میں بھی ساتھ جاتا ہے، اب سوچنا یہ ہے کہ کس انداز کو لے کر قبر میں ساتھ جائیں گے، اگر اس دنیا میں انداز اللہ اللہ کرنے کا ہوا تو وہاں بھی یہی ہوگا، اس مقام سے گزرتے ہوئے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرما گئے۔

کامل مرد اسے نوں جانو قبروی جس دے جیوے ہُو

اقبال نے کہا! فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

وہ مرکز اتنا عظیم ہے کہ فرشتہ اس کی عظمت کو بھی نہیں پا سکتا، اگر محبت کی بات کہہ دوں تو ظاہری علماء کے انداز سے میری بات کو برا نہ مانا جائے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ جنت وغیرہ سے آگے نکل گئے ہیں، یہ لامکان ہے جہاں رب رہتا ہے اور کہا کہ جہاں سے آئے تھے وہاں جا رہے ہیں جنت ہمارا مطمح نظر نہیں ہے، بلکہ صرف قرب ربانی ہے، ایک عربی صوفی شاعر تھے فرمانے لگے کہ اے اللہ! اگر تیرا جلوہ جہنم میں ہو تو میں نے جنت جا کر کیا لینا ہے، جہاں تیرا جلوہ ہوگا وہاں جاؤں گا، تو قرآن نے کہا کہ جب انہیں مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جہاں اللہ ہے ہم نے وہیں جانا ہے، تو یہ روح کا تقدس ہے، اور نہایت ادب سے اشارہ کر رہا ہوں، کہ یہی وحدت الوجود ہے جس پر صوفیاء نے صدیوں مغز کھپایا۔

Marfat.com

اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَرَحۡمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

ان لوگوں پر رب کریم کی طرف سے نوازشات ہیں، اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ مرکز ہدایت پر پہنچنے والے ہیں ۱۴۸

۱۴۸ یہاں دو تین باتوں کا علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صلوت اور رحمت ان دونوں چیزوں کا مقام جنت سے اونچا ہے یعنی فرمایا کہ جنت میں جائیں گے وہاں باغات ہوں گے (ایک صوفی سے کسی نے یہ بات کہی تو فرمایا کہ میں نابالغ ہوں نہیں کہ کھلونوں سے بہل جاؤں، اللہ اللہ اس امت نے کیسے کیسے لوگ پیدا کیے کہ جہاں رب ہوگا میں وہاں رہوں گا) اسی لفظ صلوۃ سے ہم انبیاء کے لیے کہتے ہیں کہ **"علیہم الصلوۃ والسلام"**۔ مرکز ہدایت اللہ کی ذات اور اس کے محبوب کی ذات اقدس ہے وہ ہدایت یافتہ ہیں کیا مطلب؟ یعنی جہاں ہدایت ہے وہاں پہنچ گئے ہیں، اور ہدایت کہاں ہے؟ اللہ کے پاس اور اس کے محبوب کے پاس ہے۔

چونکہ مسلمان کامیاب ہو چکے تھے، اور وہ نظریہ جس نے چند سال پہلے، مکہ میں ایک پہاڑی کے اوپر یہ لفظ سن کے جنم لیا تھا، **"من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ"**۔ آج وہ نظریہ فاتح مکہ بن چکا تھا، مسلمانوں کے ذہن میں ایک بات آرہی تھی، کہ یہاں صفا اور مروہ کے درمیان ہم چلا کرتے تھے، یہاں تو دو بت ہوتے تھے، صفا پر جو بت تھا وہ مذکر کی صورت میں اور مروہ پر مونث کی صورت میں تھا۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہاں بت تھے، لہذا ہمیں نہیں چلنا چاہیے، تو فرمایا!

اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَۃَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنۡ حَجَّ الۡبَیۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِ اَنۡ

یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، جو بیت اللہ کے حج کے لیے جائے یا عمرے کے لیے جائے، کوئی حرج کی بات نہیں ہے

یَّطَّوَّفَ بِہِمَا ؕ وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَیۡرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۵۸﴾

کہ ان دونوں کا طواف کرلے، اور جو نیکی زیادہ کرتا ہے تو بے شک اللہ قدردان بھی ہے، اور اس بات کو جانتا بھی ہے ۱۴۹

صفا اور مروہ

۱۴۹ کعبہ کے بالکل سامنے آپ مشرق کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوں تو آپ کے دائیں ہاتھ پر صفا ہے اور بائیں پر مروہ آپ کو تھوڑا سا اس کنارے سے جہاں حجر اسود ہے، ٹیڑھا چلنا ہوگا، حجر اسود سے لے کر صفا تک قریباً چار انگل چوڑی سیاہ سنگ مرمر کی پٹی ہے

جہاں سے طواف کا آغاز ہوتا ہے، ایک چکر کے بعد اس پتھر کو چومنا ہے، اگر کسی وجہ سے نہیں چوم سکے تو ہاتھ بڑھا کر ہاتھ کو چوم لیں اب موجودہ حکومت نے صفا اور مروہ کو اوپر سے تراش دیا ہے، صفا عربی میں بالکل چٹیل، پھسلانے والے پتھر کو کہتے ہیں تو وہاں اس دور میں ایک ہی قسم کا سیاہ پتھر تھا اب بھی ہے، لیکن مروہ چھوٹے چھوٹے پتھروں کو کہتے ہیں، آج اسے بھی اوپر سے تراش دیا گیا ہے، ان کے درمیان کی ایک جگہ سے دوڑ کے گزرنا ہوتا ہے، اسلامی قانون کی کتابوں میں انہیں **"میلین احضرین"** کہا جاتا ہے، دونوں سبز رنگ کے میل پہلے اسی قسم کے نشانات تھے، اب ستون پر رنگ پھیر دیا گیا ہے۔

آج آپ جہاں دوڑ رہے ہوتے ہیں اس سے نیچے تین منزلیں ہیں آپ چشم تصور بند کر کے دیکھیں کہ جب کعبہ کی عمارت نیچے تھی اور سامنے وادی تھی اور یہ دونوں پہاڑیاں تھیں، جس قسم کی عرب میں سنگلاخ پہاڑیاں ہیں، یہ ایسی ہی کیفیت تھی مائی صاحبہ، جب اس پہاڑی کے اوپر آئیں نیچے اتریں، تو دوڑ کر اگلی پہاڑی پر گئیں۔

مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے۔ کہ تم وہاں بتوں کے لیے نہیں جارہے ہو بلکہ کسی دور میں یہاں سرکار علیہ السلام کی دادی صاحبہ رضی اللہ عنہا دوڑی تھیں، یہ ان کی عظمتوں کو سلام ہے، ان کی عادت کی نقل ہے اور وہ کیوں دوڑیں؟ جناب اسماعیل علیہ السلام بالکل چھوٹے بچے ہیں پانی ختم ہوگیا ہے، وہ وہاں پڑے ہیں، جہاں آج زمزم ہے مائی صاحبہ پہاڑیوں پر چڑھ کر کسی قافلے کو دیکھ رہی ہیں کہ بچے کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی، واپس آئیں دیکھا کہ بچہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے، اور پانی نکل نہیں رہا تھا، بلکہ فوارے کی شکل میں بلند ہو رہا تھا، مائی صاحبہ نے ریت اکٹھی کر کے فرمایا زم زم، رک جا رک جا، اللہ نے فرمایا میری بندی نے یہ بات کہی لہذا اس کا نام زمزم ہے، پانی رک گیا، اب خود بھی اور بچے کو بھی پلا رہی ہیں، پھر یہاں قبیلہ جرھم آباد ہوا، اب نشانی اللہ نے نہیں لگائی تھی بلکہ نیک بندی نے لگائی تھی لیکن اللہ نے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔

اب یہاں آگے ایک تنبیہ آئی کہ تمہارے پاس علم حقیقی آ گیا ہے جو تم سے پہلے کسی قوم کے پاس نہیں تھا تھوڑی سی جھلکیاں، ہم نے یہودیوں اور عیسائیوں کو دکھائی تھیں، تو انہوں نے اس علم کا کیا حشر کیا، اب قوم کو متنبہ کیا جارہا ہے۔ فرما

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالۡہُدٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۙ

یقیناً وہ لوگ جو چھپا دیتے ہیں ان واضح اور ہدایت بھری آیات کو جو ہم نے لوگوں کے لیے کھول کھول کر کتاب میں بیان کر دی ہیں

اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُہُمُ اللّٰہُ وَیَلۡعَنُہُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾

ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھی دور ہو جاتے ہیں، اور پھٹکار ڈالنے والے لوگ بھی ان پر پھٹکار ڈالتے ہیں ۱۵۰

Marfat.com

۱۵۰ اس میں دو باتیں آئیں کہ جو یہودی اور عیسائی مسلمان ہو گئے ہیں، انہوں نے جن باتوں کو تورات وانجیل میں چھپا رکھا ہے وہ آج واضح ہو گئیں، مسلمان ایک بات کو حق مانتا ہے برادری اس کی مخالفت کرتی ہے تو اسے چھپانے کی کوشش نہ کرے، قرآن کو نہ بدلے بلکہ برادری کو بدلنے کی کوشش کرے۔

لعنت کا لغوی معنی ہوتا ہے توجہ ہٹالینا، جب اللہ کی طرف سے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ کسی کو رحمت سے دور کر دینا، جب لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، تو مطلب ہے کہ اسلام کی پیروی اور محبت میں ان لوگوں سے تعلقات کسی حد تک ہٹالینا تاکہ انہیں محسوس ہو کہ ہماری فلاں بدفعلی کی وجہ سے یہ اچھا انسان ہماری طرف توجہ نہیں کر رہا ہے، لعنت کا مطلب یہ نہیں کہ آپ تسبیح پکڑ لیں اور لعنت، لعنت کا ورد کریں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ عظیم نظریہ جس کو لے کر آپ چل رہے ہیں، وہ آپ کے مقابلے میں آ گئے ہیں، اچھے اصولوں کو ثابت کرنے کے لیے وہ جو برے اصول ہیں وہ ملعون ہیں انہیں چاہئے کہ ان سے منہ موڑیں تاکہ معاشرہ سمجھے کہ یہ اصول اب اسلامی معاشرے میں نہیں چل سکیں گے، آگے فرمایا ایک بات یاد رکھو اگر تم سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے حلقہ احباب میں بول نہیں سکے جو ایمان کا انتہائی نچلا درجہ ہے تو بعد میں توبہ کر لو۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ

ہاں جن لوگوں نے بعد میں توبہ کر لی (کہ اب اس بات کو نہیں چھپائیں گے) اپنی اصلاح بھی کر لی (وہ جو کمی تھی کہ کلمہ حق نہ کہہ سکے)

وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

میں بھی رحمت کی توجہ ان کی طرف موڑ دیا کرتا ہوں، ایسے ہی لوگوں کی طرف رجوع کرنے والا مہربانیاں فرمانے والا ہوں ۱۵۱

۱۵۱ اس پر خاص غور علماء کو کرنا چاہیے، جب تعلیم تھوڑی ہوتی ہے تو آپ کا ایک نظریہ قائم ہو جاتا ہے جب قرآن وسنت کا وسیع مطالعہ آتا ہے تو وہ نظریہ غلط ہو جاتا ہے اس سے فوراً دور ہونا چاہیے۔ مثلاً حضرت شافعیؒ جتنا بڑا محقق کوئی نہیں لیکن ان کی زندگی میں بے شمار ایسے واقعات آئے ہیں کہ آتا ہے!

"رجع من هذا القول الشافعي" کہ شافعی نے اس بات کو چھوڑ دیا تھا اور اعلان فرمایا کہ یہ بات غلط ہے۔ امام اعظمؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن وسنت کے مطابق ہے تو حق ہے اگر اس میں میری رائے شامل ہے تو باطل ہے یہ وہ اصول ہے جسے لے کر امت آگے چلتی ہے۔

فرمایا جو یہ باتیں کر لیتا ہے۔ **"فاولئک اتوب علیهم"** میں بھی رحمت کی توجہ ان کی طرف موڑ دیا کرتا ہوں، ایسے ہی لوگوں کی طرف رجوع کرنے والا مہربانیاں فرمانے والا ہوں۔

Marfat.com

بچہ ماں کے پاس آتا ہے ماں اس سے ناراض ہے، وہ روتا ہے تو ماں کی مامتا جاگ جاتی ہے سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ ماں کی مامتا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقابلے میں ایک ذرہ بھی نہیں ہے) وہ کتنا مہربان ہے اسے الفاظ کے سہارے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

سرکار علیہ السلام ایک ڈیرے پر تشریف فرما تھے وہ خاتون کافرہ تھی جہاں آپ اترے تھے، وہ تنور جلا کر روٹیاں لگانا چاہتی تھی، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ کائنات میں ایسی کوئی ماں ہے جو اپنے بچے اٹھا کر اس آگ میں ڈال دے؟ جواباً عرض کی گئی نہیں۔ فرمایا جسے ہم اپنا اللہ تعالیٰ کہتے ہیں وہ ماں سے بہت زیادہ مہربان ہے ہم تھوڑی سی توجہ ادھر رکھیں تو ہمیں اٹھا کر جہنم میں کیوں پھینکے گا۔

سرکار نے فرمایا! یہ کائنات جب سے بنی ہے جب تک رہے گی اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں اس ساری کائنات میں صرف ایک رحمت چل رہی ہے، اور جب قیامت آئے گی، تو ننانوے (99) رحمتیں اکٹھی آئیں گی۔

خواجہ حافظ کا ایک مصرعہ ملاحظہ ہو،

برایں مژدہ گر جان فشانم رو است

اس خوشخبری پر اگر جان بھی دے دوں تو پھر بھی قیمت ادا نہیں ہوتی

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

یقیناً جو لوگ کافر ہوئے اور کفر پر ہی مر گئے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت سے دور ہیں ان پر فرشتوں اور سب لوگوں کی پھٹکار ہے

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

وہ اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے عذاب کم نہیں کیا جائے گا، اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ۱۵۲

۱۵۲ کفر اختیار کرنا رب کریم سے دوری ہے اور کفر پر ہی مرنا بدنصیبی ہے ایسے لوگوں پر رحمت کی گھٹا برسا نہیں کرتی بلکہ پھٹکار پڑتی رہتی ہے اسی پھٹکار کی وجہ سے وہ فرشتوں کی دعاؤں اور نیک لوگوں کی التجاؤں سے بھی دور جا پڑتا ہے اور یہ منحوس انداز زندگی اسے جہنم کا ایندھن بنا دیتا ہے، جہاں نہ تو ان کے عذاب میں کوئی کمی ہوگی نہ ہی وقفہ اور مہلت ہوگی بلکہ یہ عذاب شدید اور دائمی ہوگا۔

Marfat.com

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بہت بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے ۱۵۳

۱۵۳ اس آیت کریمہ میں سب سے پہلی بات عقیدۂ توحید کے بارے میں ارشاد فرمائی، کہ باقی سب مذاہب کو چھوڑ کر تم واحد ہو جو ایک خدا کی عبادت کرتے ہو، غیر آسمانی مذاہب اپنے اندر بے شمار شرک کے جراثیم رکھتے ہیں، تو قرآن پاک نے مسئلہ توحید پر بے حد زور دیا ہے، البتہ یہاں ساتھ دلیل یہ آگئی کہ بے حد مہربان صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے، اس کی رحمت دائمی، ازلی اور ابدی ہے، تو اس صفت میں کوئی بھی معبود جسے تم معبود سمجھتے ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ہے، جب یہ بات ہے، تو پھر عقیدہ توحید کی طرف پلٹ آؤ، جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے سامنے پیش فرما رہے ہیں، اس عقیدے کو اگلی آیت میں تفصیل سے ذکر فرمایا

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي

یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں رات اور دن کے ردوبدل ہونے میں (یکے بعد دیگرے آنے میں) اور جہاز اور کشتیاں جو سمندر میں

الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

ایسی چیزیں لے کر چلتی ہیں، جو لوگوں کے لیے مفید ہیں، اور آسمان سے پانی جسے اللہ اتارتا ہے، اور مرنے کے بعد اس پانی کے ذریعے

وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ

زمین کو زندگی عطا فرما دیتا ہے، اور پھر زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیتا ہے، اور پھر ہوائیں ادل بدل ہو کر چلتی رہتی ہیں، اور بادل جسے

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

آسمان و زمین کے درمیان مطیع بنا دیا گیا ہے، ان سب میں عقل والی قوم کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں ۱۵۴

۱۵۴ قرآن کے اندازِ بیان کا پہلا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ مصنوعات سے خالق کا پتا دیتا ہے، مناظر سے مناظر بنانے والے تک لیجاتا ہے، حسن سے حسین تک، مادہ سے مادہ کے تخلیق کرنے والے تک پہنچا دیتا ہے

آپ اگر مقابلے کے طور پر تورات، انجیل اور زبور کا مطالعہ کریں تو ان میں مناظرِ فطرت کی یہ رعنائی نہیں ہے، اگر آپ ہندو لٹریچر کا مطالعہ کریں ویدوں کو چھوڑ کر، قدیم ہندو لٹریچر میں الفاظ کی حد تک بڑی شاندار عمارتیں، لیکن ان کے پیچھے پیغام کوئی نہیں ہے، قرآن پاک ان سب مناظر فطرت کو بڑی وضاحت سے بیان فرما کر ان کے خالق کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ فلسفہ اور سائنس ہے جسے قرآن پاک نے ایک آیت میں بڑی ہی جامعیت سے سمو دیا ہے، پہلی بات یہ ہے کہ انسان کے سامنے دلائل کی دو قسمیں آتی ہیں۔ ا۔ فلسفیانہ سائنس اور منطق کی دلیل ہے، ان دلائل تک ہر ذہن نہیں پہنچتا، یہ دلائل لکھے پڑھے لوگوں کے لیے ہیں اور وہ بھی ایسے لوگ جو متعلقہ موضوع پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ قدیم منطق یا فلسفہ پڑھے ہوئے کے سامنے اگر آپ جدید سائنس کی دلیل دیں گے تو اس کو کچھ بھی سمجھ نہیں آئے گی، جدید سائنسدان کی دلیل اگر قدیم سائنسدان کے سامنے پیش ہو تو اس کو کچھ بھی سمجھ نہیں آئے گی، میں اگر آپ کے سامنے قدیم فلسفے کے بارے میں دو تین گھنٹے تقریر کر دوں تو بھی آپ کو کچھ نہیں سمجھ آئے گا، اس لیے کہ آپ کی ذہنی اپروچ Approach سے وہ باتیں بالاتر ہیں، تو پھر جو ان دلائل کے سہارے آگے بڑھتے ہیں، وہ ساری انسانیت کو اپیل نہیں کر سکتے، بلکہ صرف ایک گروپ کو اپیل کریں گے، قرآن پاک نے اس سارے انداز کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا کہ ہم وہ بات بھی ضرور کریں گے، اہل علم کی محفل میں اشارہ ضرور کریں گے، کہ وہ اس کی تہہ تک اترنے کی کوشش کریں، لیکن جب دلیل کی نوبت آئے گی، تو ایسی دلیل ہوگی جو انتہائی عامی سے لے کر انتہائی عالی تک ایک جیسی ہوگی، لیکن اس کی گیرائی اتنی ہو کہ اگر عامی چند سوفٹ کی گہرائی تک جا سکتا ہے تو خاص کو اجازت ہے کہ وہ ہزار ہا فٹ کی گہرائی تک اترتا چلا جائے، اس کو اقبالؒ نے کہا تھا!

غواص محبت کا اللہ نگہبان ہو
ہر قطرۂ دریا میں دریا کی ہے پہنائی

دیکھیں ایک بچہ آنکھیں کھولتا ہے وہ دیکھتا ہے یہ سورج کیا ہے یہ چاند کیا ہے، ایک بالکل ان پڑھ دیہاتی جب باہر نکلتا ہے تو اسے سب سے پہلے زمین و آسمان نظر آتے ہیں، پھر دیکھتا ہے کہ آسمان کو روشن رکھنے کے لیے، ایک لالٹین جلا دی گئی ہے، دن کو اور ہے رات کو اور ہے، پھر اس کی پہنائیوں میں ستارے یوں بکھرے پڑے ہیں، کہ ہر نگاہ کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، البتہ نگاہوں کا ذوق اپنا اپنا ہوتا ہے، میں اور آپ دیکھیں تو اپنے انداز سے لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیکھیں تو ایک اور انداز سے کہ ایک تاریک رات میں سرکار علیہ السلام سے پوچھ رہی تھیں، کہ آقا! یہ فرمائیں جتنے آسمان پر ستارے ہیں، اتنی بھی کسی کی نیکیاں ہیں؟ فرمایا ان ستاروں سے زیادہ حضرت عمرؓ کی نیکیاں ہیں، عرض کی آقا! ''فاین ابی'' میرے والد کدھر گئے؟ فرمایا تیرے باپ کی وہ ایک رات جو میرے ساتھ غارِ ثور میں گزری ہے فاروق اعظمؓ کی سب نیکیوں پر بھاری ہے۔

ہر کسی کے مشاہدے کا انداز الگ الگ ہے، آپ نے آسمان اور اس کی پہنائیوں اور وسعتوں کو دیکھا آپ نے سوچا کہ

Marfat.com

ہے استغراق توحید کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے، جب میں کہتا ہوں کہ ایمان کے بعد مجھے شک نہیں ہے کہ میں ہدایت پر ہوں، لیکن اس کے اگلے درجے کا طالب ہوں، جب نبی کہتا ہے کہ اللہ کریم تک پہنچنے کے لیے لاتعداد راستے ہیں ان کی طلب ہونی چاہیے اور یہ طلب کبھی ختم نہیں ہونی چاہیے، اسی لیے بیضاوی نے خود سوال کر کے اس کا جواب دیا بیضاوی کے اس جواب کو فلسفیانہ انداز سے فخر الدین رازی نے آگے بڑھایا، لیکن اس دور کے کافر کو پتہ تھا کہ اب مسلمان اپنے علوم سے ناواقف ہو گئے ہیں، لہذا اس نے یہ سوال بنا کے ہمارے گلے میں ڈال دیا، **"صراط"** کا لفظی معنی ہوتا ہے نگلنا، عربی لفظوں کے پیچھے ایک فلسفہ ہوتا ہے، اور وہ راستہ طے کر کے کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں، پھر راستے کو راستہ کیوں کہتے ہیں، بیضاوی فرماتے ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے سامنے راستے پر کچھ لوگ جا رہے تھے پھر وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے مطلب یہ ہوا کہ راستے نے انہیں نگل لیا، لہذا پھر راستے کو صراط کہتے ہیں، اسے 'س' سے بھی پڑھا جا سکتا ہے اور 'ص' سے بھی پڑھا جا سکتا ہے، ان علماء سے معذرت کے ساتھ جو کہتے ہیں کہ اگر آپ 'س' پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوگی اور 'ص' پڑھیں گے تو نماز ہوگی، آپ کو ایک بات بتا دوں کہ اسلام نے ہمارے لیے اتنی سہولتیں رکھی ہیں کہ ابوداؤد میں ہے کہ حضور حیدر کرارؓ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ!

''ایک صاحب آئے انہوں نے کہا جی یہ قرآن پاک پڑھ رہا تھا لیکن اس کا تلفظ صحیح نہیں ہے میں نے اسے کہا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی ہے، سرکار کریمؐ نے اس آدمی کو کہا کہ تم پڑھ کے سنا دو، جس طریقے سے وہ نماز میں پڑھتا تھا اسی طرح اس نے پڑھا سرکار کریمؐ نے کہا کہ اس کی نماز ہو گئی ہے، جب دوسرے بندے نے تین دفعہ بات دہرائی تو نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم آسانیوں کے لیے آئے ہو یا تنگی پیدا کرنے کے لیے؟ لوگوں کو تنگ نہ کرو! اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب عربی لغت صراط کو 'س' سے بھی کہہ رہی ہے اور 'ص' سے بھی کہہ رہی ہے، تو لوگ جس انداز سے پڑھ رہے ہیں رب کو ان کا وہ انداز منظور ہے کیوں کہ اس کی منظوری نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود دی ہے، اسی طرح کی ایک روایت امام بخاری نے بھی نقل کی ہے۔'' حضرت عمرؓ نے اپنی جلالی طبیعت کی وجہ سے اپنی پگڑی اتار کے ایک آدمی کے گلے میں ڈال دی اسے گھسیٹتے سرکار کریمؐ کی خدمت میں لے آئے اور فرمایا کہ یہ اس طریقے سے پڑھ رہا تھا جس طریقے سے آپ نے ہمیں تعلیم نہیں دی، اس آدمی کو سرکار کریمؐ نے فرمایا کہ پڑھو اس نے پڑھ کے سنایا تو سرکار کریمؐ نے فرمایا! یہ آیات اسی طرح نازل ہوئی ہیں اسے مشکل نہ بناؤ اسے آسان بناؤ''۔

بس یہ ایک نکتہ ہے جسے لے کے ہم نے آگے بڑھنا ہے، تاریخ اسلامی میں ایک بڑا المناک واقعہ گزرا ہے ایک عیسائی حکمران نے اسلام کے عروج کے دور میں مسلمان بادشاہ کو یہ بات لکھی کہ مجھے آپ شراب پینے کی اجازت دے دیں میں اسلام قبول کر لیتا ہوں، بادشاہ نے اور اس کے اردگرد جتنے تنگ نظر لوگ بیٹھے تھے انہوں نے کہا نہیں ہمیں اس کا اسلام منظور نہیں ہے، فقہائے امت نے اولیائے امت نے کہا کاش یہ ناقص رائے نہ دی جاتی اور جب وہ مسلمان معاشرے میں گھس آتا تو بڑی

میں اسلام آباد میں تھا تو یہ میرے ساتھ تھا، اب جب مکہ المکرمہ میں مدینۃ المنورہ میں ہوں تو بھی میرے ساتھ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے احاطے میں زمین کو لے رکھا ہے، کہ اس کی وسعتیں بہت دور تک پھیلی ہوئی ہیں، جب یہ اتنا وسیع ہے، تو اس کے اندر جو مختلف چیزیں ہیں، اگر اس کے بنانے والے کو اس کا علم نہیں ہے تو یہ قائم کیسے ہے؟ میں صرف اشارہ کر رہا ہوں، پھر آپ زمین کی طرف آئے، کہیں تو سنگلاخ چٹانیں کھڑی تھیں، کہیں ہوائیں چل رہی تھیں، کہیں نرم زمین تھی کہیں رنگ بکھرے ہوئے تھے کہیں نالہ وندی تھی، اور ندی پر مجھے اپنا شعر یاد آیا!

وجودِ ذاکر فانی ہے اک جو　　　اور اس ندی کے ہر قطرے میں تو ہے

اب آپ نے دریا، سمندر دیکھے، آپ کو سائیسٹ نے بتایا کہ دنیا کی تین چوتھائیوں پر سمندر کا پانی موجزن ہے، آج سے چودہ سوسال پہلے کا سائنسدان بھی یہی کہہ رہا تھا تو چودہ سوسال میں اس میں کمی نہیں آئی، اب اگر سائنسدان یہ سوچے کہ اس سیارے سے پانی کو ختم ہونا ہوگا تا کہ قیامت آسکے، تو بتائیں کہ ابھی دنیا نے کتنی دیر مزید آباد رہنا ہے، یہ وہ وسعتیں ہیں جن میں انسانی ذہن کھو جاتا ہے۔

کسان نے زمیں میں ہل چلایا، وہ سائنس دان نہیں بلکہ کسان تھا، اس نے دیکھا یہ وہی زمین ہے کہ اس کے پختہ آنگن میں فصل نہیں اگ رہی اور پھر ہل چلانے کے بعد فصل اگی ہے، جب اگی ہے تو اس کا انداز اور تھا، پھولنے کا پھر پھلنے کا انداز اور ہے، اس زمین کے اندر وہ کون سا مادہ ہے کہ جب وہ نکلے تو ایک اکھوا ہے پھر جب پھل آتا ہے تو آپ کے منہ کو خدا جانے کون کون سی لطافتیں نزاکتیں مٹھاسیں دیتا گزر جاتا ہے، پھر قرآن پاک نے فرمادیا کہ!

"فتبارک اللہ احسن الخالقین" ٥ ''کتنی عظمتوں اور برکتوں والا ہے، جس جیسا کوئی نہیں بنا سکتا''۔

اب قرآن پاک نے دعوت فکر خاص وعام سب کو دی، خاص سوچ کو آگے بڑھایا۔ اب ہوا کے اجزا کیا ہیں، پانی کے اجزا کیا ہیں، سورج کی تمازت کیا ہے، حرارت کیا ہے، کس طرح سورج کی روشنی چاند پر منعکس ہوتی ہے، ان پر سوچنے کی دعوت دی۔ عوام نے جب سورج کو چمکتا دیکھا تو کہا اس کا خالق ضرور ہے، اگلی بات اس نے سائنسدان کے لیے چھوڑ دی۔ تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کتنے سارے پہلو ہیں، اور کیا پہلوؤں کی گہرائی تک ابھی انسانی ذہن پہنچا ہے؟ اگر نہیں پہنچا تو قرآن پاک کے جامع الفاظ پر خدا جانے اسے کتنے ہزار سال اور غور کرنا ہوگا اور خدا جانے کہ محققین کس کس انداز سے آگے بڑھیں گے۔

ایک نکتہ

قرآن نے سموٰت جمع کا لفظ استعمال فرمایا لیکن ارض کا لفظ واحد معلوم ہوا کہ زمین ایک سیارے کا نام ہے، لیکن آسمان کئی تہیں الگ الگ ہیں، اگلی بات یہ ہے دن اور رات یکے بعد دیگرے آتے ہیں، اختلاف لفظ خلف سے بنا ہے، خلف کا معنی ہوتا

Marfat.com

ہے، پیچھے آنا، لہذا عام طور پر کہا جاتا ہے، کہ سیدنا صدیق اکبرؓ سرکار علیہ السلام کے خلیفے ہیں، یعنی ان کے بعد آئے تھے، اسی لفظ خلف سے اختلاف بنا ہے، اختلاف کا مطلب یہ کہ آپ کا ایک نظریہ تھا اس پر آپ نے تحقیق کی، اس کے بعد ایک نیا نظریہ آ گیا، تو یہ پہلے نظریے کا خلف بن گیا، اب ایک حدیث سنیے فرمایا! **"اختلاف امتی رحمة"** ۔''میری امت کا اختلاف رحمت ہے''۔ مطلب یہ ہے کہ ایک سوچ کے بعد دوسری آئے گی پھر تیسری یہ سوچیں اس لیے آگے بڑھتی جائیں گی، تا کہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے یہ بات پھیلتی چلی جائے، افسوس کہ ہم نے اختلاف سے مراد ایک دوسرے سے لڑائی لے لیا، اور اسی کو لے کر آگے بڑھے نہ اجتہاد رہا نہ کوئی اور بات دوسری جگہ قرآن نے فرمایا کہ رات کا کچھ حصہ دن میں اور دن کا کچھ حصہ رات میں داخل ہوتا رہتا ہے، آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ اکیس دسمبر سے دن بڑھنا شروع ہو جاتا ہے، اور یہ سلسلہ اکیس جون تک جاری رہتا ہے، اس وقت سب سے بڑا دن ہوتا ہے۔

آپ اسے نصف نصف کریں تو اکیس مارچ کو دن و رات مساوی ہو جاتے ہیں، اب آپ اکیس جون تک رات کا حصہ کاٹ کر دن میں داخل ہوتا دیکھتے ہیں اکیس جون سے پھر اکیس دسمبر تک دن گھٹتا گیا، رات دن کو کھاتی چلی گئی، اب اسے بھی نصف کریں تو اکیس ستمبر کو پھر دن اور رات برابر ہو جائیں گے، یہ دن و رات کا وہ اختلاف ہے جو چلتا رہتا ہے، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انتظام بجائے اکیس جون کے اکیس جولائی کو چلا جائے؟ یا اگلا اکیس دسمبر سے منتقل ہو کر اکیس جنوری میں آ جائے؟ جواب ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا، تو پھر مجھے بتائیں کہ اس نظام کو اس طریقے سے کون چلا رہا ہے؟ جب آپ سوچیں گے تو آپ عملاً سجدہ کریں یا نہ کریں آپ کا دماغ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے گا، وہ کہے گا کہ ہزار ہا سال انسان سوچتا رہے تو وہ حسن ترتیب مصنوعی انداز سے پیدا نہیں کر سکتا، جو ایک سال میں اللہ کریم خاص و عام، جاہل و عالم کو دکھا دیتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے اسے ستر سال زندگی دی ہے تو ستر دفعہ یہ انقلاب سارے کا سارا اس کے سامنے دہرایا گیا ہے، اب اگر وہ آنکھیں اور دل رکھتا ہے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ سکتا ہے؟ اور قرآن پاک کی دعوت فکر یہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی کا یہی انداز ہوتا ہے، ایک اور بات کہ ہمارے سامنے دریا اور سمندر ہیں اور ہر چھوٹا بڑے کی طرف بڑھ رہا ہے، چھوٹے چھوٹے نالے دریا کی طرف اور دریا سمندر کی طرف بڑھ رہے ہیں، اور پھر سمندر ان کی اس عطا کو واپس کیسے کر رہا ہے؟ کہ سمندر سے گیسیں اٹھ رہی ہیں وہ بادل کی شکل میں پھر واپس آ رہی ہیں، لیکن کیا ان بادلوں اور ہواؤں کا رخ آپ متعین کر سکتے ہیں؟ آپ کی ڈیوٹی نظام فطرت کو بدلنا نہیں بلکہ نظام فطرت کو سمجھ کر فطرت والے تک پہنچنا ہے، جس کی طرف قرآن پاک دعوت دیتا ہے۔

غور فرمائیں کہ دریا اور سمندر دونوں کو بحر کہتے ہیں، اس آیت میں اگر مراد دریا ہے تو اس میں کشتیاں چلتی ہیں اور اگر مراد سمندر ہے تو اس میں بحری جہاز چلتے ہیں معلوم ہوا قرآن نے ایک جامع لفظ استعمال فرما کر سب کو شامل فرما لیا ہے، دریا میں

کشتیاں محدود حد تک اور سمندر میں بحری بیڑے وسیع حد تک، سامان اور شہروں کو منتقل کر رہے ہیں، پھر وہ پانی کی سطح پر کس انداز سے چل رہے ہیں، کیا انسان کا کمال ہے کہ اس نے انہیں وہاں چلا دیا ہے؟ نہیں بلکہ اس چھوٹے سے ذہن کا کمال ہے جو انسان کا نہیں کسی کا عطا فرمودہ ہے اگر اس کا اپنا ہوتا تو پھر یہ ناز کرتا جب اپنا نہیں ہے تو عظمتیں کسی اور کی ہیں، آپ صرف اس امانت کو استعمال فرما رہے ہیں، اگر وہ امانت ابھی واپس لے لے، تو پھر وہی انسان جو یہ سارا کچھ سوچ رہا ہے، شام سے پہلے پاگل خانے میں ہوگا۔ قرآن نے ایک جگہ فرمایا!

"ویخلق مالا تعلمون" o "اس نے وہ کچھ بنانا ہے جو ابھی تمہارے علم میں نہیں"۔ پھر ہوائی جہاز آ گیا وہ پانی پر تیر رہا تھا یہ ہوا پر تیرنے لگا، اس کا سفر بڑا آہستہ تھا اور اس کا بڑا جلدی، تو یہ سب چیزیں کس نبی کے دور میں آئیں، کیا سیدنا ابراہیم، نوح، موسیٰ کے ادوار میں آئیں؟ اگر ان کے ادوار میں نہیں آئیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تسخیر کائنات سرکار علیہ السلام کے مبارک نعلین کی مبارک نوکوں سے بندھی ہوئی ہے، یہ سب چیزیں اسی کے مبارک دور اقدس میں آئی ہیں، جس کے دور اقدس کی عظمتوں کے متلاشی سب انبیاء تھے۔ پانی دریا میں ہو تو بحر کہلاتا ہے، اس سے بھی چھوٹے انداز سے ہو تو نہر کہلاتا ہے اور جب پیالے میں ہو تو اس کا حجم اور سمٹ آتا ہے یہ پانی کی وسعت ہے کبھی آپ دل کی وسعتوں کو دیکھیں تو جب پیالہ میں ہوگا تو اور انداز ہوگا اور جب کسی دریا کو اپنے اندر سمیٹ لے گا تو سیدنا غوث الاعظم بن جائے گا۔ اور جب اس سمندر میں سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے غوطہ لگایا تو فرمایا

دل دریا سمندروں ڈونگے کون دلاں دیاں جانے ہو

اور جب ساری کائنات کی وسعتوں کو سمیٹ لے گا تو ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بن جائے گا، یہ پانی کس لیے نازل ہوتا ہے کیا پانی کا صرف منظر دکھانا مقصود ہے؟ فرمایا نہیں اس پانی کے اندر زمین کو زندہ رکھنے کی صلاحیت موجود ہے، جب زمین زندہ ہوتی ہے تو اس سے فصلیں، درخت اور گھاس وغیرہ اگتی ہے، جو زمین کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہیں، یہ صرف پانی کے ذریعے سے ہے، قرآن پاک نے دوسری جگہ فرمایا کہ!

"وجعلنا من المآء کل شیء حیّ" o کہ ہم نے پانی کے ذریعے ہر چیز کو زندہ رکھا ہے۔ ڈاکٹر حضرات جانتے ہیں۔ وجودِ انسان میں پانی کی مقدار کیا ہوتی ہے، اگر زیادہ پانی نکل جائے تو ڈرپ لگا دی جاتی ہے یعنی ایک تناسب ہے تمام ... معلوم یہ ہوا کہ پانی کے بغیر زندگی کا تصور نہیں ہے۔

قرآن پاک نے ایک اور جگہ فرمایا! کہ جس طرح بارش برستی ہے تو دفعتاً ہر شے اگ آتی ہے، تم بھی اسی طریقے سے قیامت کے دن کھڑے ہو جاؤ گے، اندازہ فرمائیں کہ قرآن پاک کس نتیجے پر لے گیا وہاں بھی ایک رحمت کی بارش ہوگی۔

یہاں صحابہ کرام نے دیکھا کہ ایک بارش نظر آتی ہے ایک نہیں آتی، نظر آنے والی بارش بادل سے برستی ہے نہ نظر آنے والی بارش نبی پر لامکان سے برستی ہے، اور غلامان مصطفیٰ علیہ السلام پر آپ کے واسطے سے برستی ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے

Marfat.com

دوپٹے سے جسد مصطفیٰ علیہ اطیب الثناء سے بارش کی نمی دور کرنا چاہی تو آقا علیہ السلام نے فرمایا عائشہؓ! یہ بادلوں کی بارش نہیں ہے دیکھتی نہیں ہو دھوپ ہے یہ تو کوئی اور بارش ہے، معلوم ہوا یہ انوار کی بارش ہے جسے خاصان امت ملاحظہ فرماتے ہیں اور ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے ملاحظہ فرما کر حسن مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں کھو کر جسد اقدس کو نمی سے بچانا چاہا۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جہنم سے نکل کر جنت کی طرف آئیں گے وہ کوئلے کی طرح جلے ہوئے ہوں گے، ان پر آب حیات ڈالا جائے گا وہ سیاہ نقوش مٹ جائیں گے، لیکن مٹیں گے آہستہ آہستہ۔ جنتی کہیں گے یہ پرسوں جہنم سے نکل کر آیا ہے، اسے مہینہ ہو گیا ہے، اس کے وجود سے نشانات مٹ گئے ہیں اس کا مطلب یہ کہ کافی دیر سے نکل کر آ گیا ہے۔

اب انبیاء کا کیا فریضہ ہے کہ وہ یہاں ہی آپ کے دل میں آب حیات بھر دیں اولیاء امت کا کیا فریضہ ہے کہ وہی آب حیات آپ کی ظاہری زندگی میں بھر دیں تاکہ جب قیامت کو اٹھیں تو آب حیات آپ کے وجود کے اندر موجود ہو تاکہ جہنم میں جانے کی ضرورت پیش نہ آئے، اور ایسی آب حیات کو استعاراتی انداز سے جب کسی اللہ والے نے استعمال فرما دیا تو قسمت کا مارا اسکندر کہیں جنگلوں میں تلاش کرتا پھر رہا تھا، کہ آب حیات کدھر ہے، اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ تیرے سینے میں چھپا ہوا ہے، جس کی تلاش کے لیے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر اس کا مقابل بنا لیتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرح وہ لوگ جو ایمان والے

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ

ہیں ان کی اللہ کے ساتھ محبت سب محبتوں پر غالب ہے، یہ ظالم اگر اس وقت کو پالیں جب وہ میدان قیامت میں عذاب کو بالمشاہدہ دیکھ

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

رہے ہوں گے (تو یہ پکار اٹھیں) یقیناً ساری قوتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے ۱۵۵

لفظِ 'ند' کی تشریح

۱۵۵ لغت والوں نے بتایا کہ جو مقابل ہے وہ 'ند' ہے، اس کی جمع انداد ہے، لیکن ہمارے صوفیا اور اولیائے امت نے اس کا بڑا ہی نفیس معنی فرمایا ہے کہ!

"الند ما کان مشغل عن اللہ مانعا من امتثال امرہ"٥

Marfat.com

ا۔ ند وہ ہے جو اللہ کی ذات سے ہٹ کر کسی اور چیز میں مشغول کر دے۔ ۲۔ وہ اللہ کے حکم کو ماننے سے روک دے، جس میں دو صفتیں ہوں وہ ند ہے، اب مجھے بتائیں کہ کائنات کی کون سی چیز ہے جو باقی رہ گئی ہے، ہر وہ چیز ند ہے جو اللہ کی طرف پہنچنے نہ دے، فرمایا یہ ند انہوں نے کیوں بنا رکھے ہیں، کہ انہیں مرکز محبت قرار دے دیا ہے، ان سے یوں محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کرنی چاہیے، لیکن اہل ایمان کی محبت جو اللہ کے ساتھ ہے، وہ سب سے زیادہ بڑھ کے ہے، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ماں، باپ، بہن بھائی، اور بیوی بچوں سے محبت تو کریں گے، اپنے وطن سے بھی محبت کریں گے، لیکن معیار محبت یہ ہے کہ جب یہ محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلے میں آجائے تو اس وقت اس محبت کو چھوڑ دیا جائے، اس محبت سے اللہ تعالیٰ آپ کو روکتا نہیں، صرف اس بات سے روکتا ہے کہ جب آپ اسے مرکز بنالیں گے، اور میری طرف سے رخ موڑ لیں گے تو یہ محبت شرک میں تبدیل ہو جائے گی، اور شرک کو توحید قبول نہیں کرتی۔

یہ مجاز کی محبت ایک عارضی رنگ ہے، جو آپ پر طاری ہے اسے کبھی حقیقت نہ بننے دینا اگر یہ حقیقت بن گئی تو فقیر کے مذہب میں شرک ہوگا، اگر آپ رنگ کو رنگ نہ جانیں بلکہ اصل جانیں تو یہ شرک ہوگا، مجازی رنگ صرف رنگ ہی کی حد تک رہیں جو سورج کی تمازت، پانی کے دھونے، کیمیکل کے لگانے سے اڑ جاتا ہے، اگر اس مجاز کو آپ حقیقت میں لے آئیں گے تو یہ شرک ناقابل معافی ہوگا۔

پھر ایک مشاہداتی بات کا ذکر فرمایا کہ ذرا سوچو کہ یہ لوگ جو ظالم ہیں اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے انداد کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اگر یہ چشم تصور سے اس میدان کو دیکھ لیں جو قیامت کا ہے، تو پھر یہ چیخ اٹھیں، کہ ساری قوتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، کہ میں نہیں تھا، پھر بنا دیا گیا ہوں، پھر مجھے منکر ہوتے ہوئے اس نے اپنی زمین میں بے شمار سہولتیں مہیا فرما دیں، پھر میں مر گیا مٹی میں ملنے کے بعد آج پھر اس نے بلایا ہے، تو میں حاضر ہو گیا ہوں، پھر میری قوت تو کوئی نہ ہوئی، قوتیں تو ساری اللہ کریم کی ہیں، تو فرمایا کہ اگر آج یہ دیکھ لیں اشارہ اس طرف ہوا کہ دیکھنے والے دیکھ لیتے ہیں، البتہ منکر کو نظر نہیں آتا، ہمیں سرکار علیہ السلام نے فرمایا "**موتوا قبل ان تموتوا**" مرنے سے پہلے مر جاؤ، قیامت کو دیکھ لو گے، اولیائے امت کے طرز فکر میں یہ بات ہے، کہ اپنے غلاموں کو سامنے بیٹھا دیتے ہیں، انہیں نظر آتا ہے، کہ پل صراط سامنے ہے، اقبال کہتے تھے:

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے ‌ ‌ ‌ ‌ وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

اس آیت کا پہلا پہلو یہ ہے کہ آپ خیالی انداز سے قیامت کو دیکھیں تو آپ پکار اٹھیں گے، کہ قوت ساری اللہ تعالیٰ کی ہے۔ دوسرا پہلو کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ، مرنے والا یہاں سے جا رہا ہوتا ہے، اسے معلوم ہے، کہ اب میرا مال، رقم اور بچے وغیرہ میرے ساتھ نہیں جا رہے، یعنی اپنی زندگی میں اپنے آپ کو کبھی اس سطح پر پہنچا دیں، کہ جس طرح ہر مرنے والا آخری لمحات

Marfat.com

میں اپنے آپ کو پہنچا دیتا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے آپ اپنے بچے کو اپنا بچہ نہیں سمجھیں گے، بے شمار اولیاء ایسے گزرے ہیں کہ ان پر استغراق کی حالت طاری ہے بچے نے کہا حضرت! میں آپ کا بیٹا آپ کے سامنے ہوں، فرمایا کون بیٹا میرا کوئی بیٹا نہیں، جی میں آپ کا بیٹا شمس ہوں فرمایا کون سا شمس، میرا کوئی شمس نہیں۔

یہی بات حضرت خواجہ غلام محی الدین المعروف بابو جی سرکار گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی اپنے والد محترم حضرت قبلہ عالم سید پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حالت استغراق میں عرض کی! حضرت میں آپ کا بیٹا غلام محی الدین، فرمایا میں کسی غلام محی الدین کو نہیں جانتا، حضرت آپ پیر مہر علی شاہ صاحب بول رہے ہیں، فرمایا میں کسی پیر مہر علی کو نہیں جانتا۔

تو یہ وہ انداز ہے، جو مرنے والے کا ہوتا ہے، تو فرمایا کہ ابھی تم مرے نہیں ہو لیکن اسے اپنے اوپر طاری کرلو، اور دیکھو پھر بیٹے کی محبت وہ نہیں ہوگی جو بطور رنگ آپ پر چھا گئی ہے۔ پھر وہی بات ہوگی جو حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق ؓ نے کہی تھی، (اسلام لانے سے قبل) ابا جان میدانِ بدر میں آپ کئی دفعہ میری تلوار کی زد میں آگئے تھے، اگر باپ والی محبت نہ ہوتی تو میں آپ کے ٹکڑے کردیتا، فرمایا بیٹا اللہ کا کرم ہے کہ تجھے اس نے ایمان دینا تھا اگر تو میرے سامنے آجاتا تو تیری محبت کی کوئی قدر نہ ہوتی، کہ تو میرے محبوب کے دشمنوں میں شامل تھا، تو معلوم ہوا کہ جب دل پر شعاع حقیقت جلوہ ریز ہوتی ہے، دل پر جب شمس معرفت کی ضیائیں پڑتی ہیں تو اس وقت عارضی رنگ اڑ جایا کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پر قرآن نے قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بیوی خاوند کو باپ بیٹے کو، ماں بیٹی کو بھول جائے گی، کیوں بھلا دیا جائے گا؟ اس لیے کہ آج جلال کا سورج طلوع ہوا ہے، تو عارضی محبتوں کے سب رنگ کافور ہوگئے ہیں۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ﴿۱۶۶﴾

جب برأت ظاہر کردینگے پیشوا اپنے پیروکاروں سے اور دیکھیں گے عذاب اور کٹ جائیں گے سب کے تعلقات ۱۵۶

۱۵۶ دنیا میں اللہ و رسول کو چھوڑ کر جن کے پیچھے آپ چلتے رہے تھے، اور وہ خدا والے نہیں تھے وہ کہیں گے ان کے ساتھ ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے، اس لیے انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا اور سارے اسباب و تعلقات ٹوٹ گئے۔

معلوم ہوا کہ باطل کا قائد قیامت کو ساتھ نہیں دیگا، لہذا ایسا سیاسی قائد کو بھی تلاش کرتے ہوئے دیکھا جائے کہ کہیں یہ باطل کا قائد تو نہیں ہے، کہیں نظریۂ پاکستان کا دشمن تو نہیں ہے؟ کہیں اسلامی نظریے کا قاتل تو نہیں ہے؟ لہذا ہر باطل کے اتباع سے قرآن

Marfat.com

پاک نے روک دیا، پیچھے چلنے والے چلیں گے لیکن وہ کہیں گے کہ آپ ہمارے کچھ نہیں لگتے، اور یہ انکار عذاب کو دیکھ کر کیا۔ عربی میں ''سبب'' رسی کو کہتے ہیں، یہاں سبب ذریعے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، تو فرمایا جو ذرائع اپنوں کے سوچے ہوئے تھے، وہ سب ختم ہو جائیں گے، کئی لوگوں نے غلط فہمی سے اس سے یہ مراد لی کہ وہاں انبیاء اولیاء کا وسیلہ کام نہیں آئے گا۔

حالانکہ یہ بات نہیں ہے آپ جب تفسیر سورۃ یوسفؑ پڑھیں گے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے ایک بڑا نفیس نقرہ سنیں گے فرماتے ہیں، ''واتبعت ملة اباءی'' میں نے اپنے باپ دادے کی ملت کی پیروی کی ہے معلوم ہوا کہ پیروی کے دو انداز ہیں۔ ۱۔ اگر باپ دادا کفر پر ہیں تو ان کے پیچھے مت چلو، سیاسی لیڈر اور سائنسدان غلط نظریہ بتاتے ہیں تو اتباع مت کرو۔ ۲۔ سیدھا راستہ انبیاء کا ہے جن کی اتباع ضروری ہے، بہرحال اس دن پھر وہ لوگ کہیں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ، كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ

پیچھے چلنے والوں نے کہا، کاش! ایک دفعہ پلٹ کر دنیا میں جانا ہو تو ہم وہاں ان سے برائت کا اظہار کرتے جس طرح اس میدان میں یہ ہم سے

برائت کا اظہار کر رہے ہیں

اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ، وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال حسرتیں بنا کر انہیں دکھا رہا ہے، وہ جہنم سے نکلنے والے نہیں ہیں ۱۵۷

۱۵۷ مطلب یہ ہے کہ پیچھے چلنے والے بھی عقل و شعور سے بہرہ مند تھے، آخر دنیا کے چند مقاصد کے لیے ان کے پیچھے کیوں چلے، لہٰذا ان کی حسرت ہے کہ واپس جائیں اور واپس جا کر کچھ ایسے اعمال کریں جو جنت تک پہنچا سکتے ہوں، اور آگے چلنے والے کہہ رہے ہیں کہ یہ ہمارے ساتھی نہیں ہیں، اور تو اور شیطان کہہ دے گا کہ میرا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ یعنی دوسرے الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ میں تو آگ سے بنا ہوں، یہ مٹی کے بنے ہوئے ہیں مٹی اور آگ کا کیا تعلق ہے، یہ میرے پیچھے کیوں چلے تھے، میں نے کون سی دعوت دی تھی۔

اقبالؒ نے تو کہا تھا کہ انسان اتنا گمراہ ہو گیا ہے، کہ اب شیطان فارغ ہو کر بیٹھ گیا ہے، اب لوگوں کو ترقی کے لیے اسباب بتائے جا رہے ہیں اور ان میں یہ بات بھی ہے کہ!

Marfat.com

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ﳲ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾

اے لوگو! تم زمین میں سے کھاؤ، جو چیز حلال اور طیب ہو، شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے ۱۵۸!

۱۵۸! یہاں قرآن نے دو باتیں فرمائیں کہ کھانا حلال اور پاکیزہ ہو دوسری شیطان کی پیروی سے بچو کھانے کے بارے میں ایک تو یہ ہے کہ ظاہری صفائی ہو اسے طیب کہتے ہیں، دوسری ہے باطنی صفائی اسے حلال کہتے ہیں، ظاہری صفائی میں یورپ ہمارے ساتھ شریک بلکہ بہت ساری باتوں میں آگے نکل گیا ہے، لیکن باطنی صفائی میں وہ ہمارے ساتھ شریک نہیں ہے، اس لیے کہ یہ صرف اور صرف مسلمانوں کا حصہ ہے۔

مثلاً ایک خاتونِ خانہ نے ترکاری پکائی وہ حلال اور طیب ہے، جب وہ باسی ہوگئی اور اس سے بو آنے لگی، تو یہ اب بھی حلال ہے، لیکن طیب نہیں ہے، جو قابل استعمال نہیں، یہ وہ حدود ہیں، جو قرآن نے شرط لگا کر بیان فرمادیں، اور سرکار علیہ السلام نے باطنی صفائی پر کس حد تک زور دیا، ارشاد فرمایا کہ وہ جنگل میں ہے کپڑے میلے پراگندہ بال مٹی سے بھرے ہیں، اب اس کی دعا قبول ہونی چاہیے وہ یارب یارب کرتا ہے لیکن اس کا لباس غذا اور پینا حرام کا ہے، جب یہ بات ہو تو پھر اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ حرم کعبہ اور مسجد نبوی میں بھی اس شرط پر دعا قبول ہوگی، کہ آج زندگی کے بدلنے کا عہد کرلیں، بس یہی توبہ ہے۔

۲۔ شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، اب یہاں انسان دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، ایک وہ جو ہر بات کو اللہ و رسول علیہ السلام کے حوالے سے سوچتا ہے، یہ مومن ہے، دوسرا جو کلمہ پڑھتے ہوئے بھی بات سوچ کر کہتا ہے کہ میری مرضی یہ ہے تو وہ شیطان کے پیچھے چل رہا ہے، کوئی کہہ دے کہ میری اسمبلی اور میرا جج یہ کہتا ہے لیکن وہ قرآن و سنت کے خلاف ہے یہ سب باتیں شیطان کی پیروی کی ہیں۔

جب آپ اپنے ماحول کو دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ شیطان کو صرف مسجد سے نہیں بلکہ بازار، کچہری، سیاست، اقتصادیات سے نکالنا ہے، جب تک پوری طرح آپ اسے دیس نکالا نہیں دیتے تو یہ گھوم پھر کر ادھر ادھر سے آپ پر مسلط ہوتا رہے گا، سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان کندھے پر بیٹھ کر دل میں وسوسے ڈالنے کے لیے لمبی چونچ سے حملے کرتا ہے، حج کے دوران بھی اس سے اظہار نفرت کیا جاتا ہے، کہ کنکریاں ماری جاتی ہیں، شیطان کو مارنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو وہ کہتا ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔

Marfat.com

اِنَّمَا یَاۡمُرُکُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَالۡفَحۡشَآءِ وَاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

وہ تو صرف حکم دیتا ہے تمہیں برائی اور بے حیائی کا اور اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ باتیں گھڑو جن کا تمہیں علم نہیں ہے ۱۵۹

۱۵۹ پچھلی آیت شریفہ کے بارے میں یہ بات کہی گئی تھی کہ اس کے نقوش پا پر نہیں چلنا ہے، اور وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اب اس کی ایک صفت کا تذکرہ ہوا کہ جب بھی انسان اس کے ہاتھ آتے ہیں تو وہ دو باتیں ضرور کرتا ہے۔

ا۔ کہ وہ ''سوء'' برائی کا حکم دیتا ہے، سوء اور فحشاء کے الگ الگ معانی ہیں، علامہ بیضاوی فرماتے ہیں، کہ جسے عقل تسلیم نہ کرے اور شریعت اسے قبیح سمجھے وہ سوء اور فحشاء ہے، چونکہ یہ دو الگ الگ نوعیتیں ہیں اس لیے الگ الگ الفاظ آئے ہیں۔

سرکار علیہ السلام کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سوء اس برائی کو کہتے ہیں جس کی کوئی حد نہ ہو، اور فحشاء ایسی برائی ہے جو کسی حد پر پہنچ کر ختم ہو جائے۔

اب شیطان برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے جب ہم ان دونوں چیزوں کو دنیا میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے، کہ ہر وہ چیز جو انسانی عظمتوں کے خلاف ہے، قرآن و سنت کے خلاف ہے، وہ برائی ہے، ہر وہ عمل جو انسانی عظمتوں یا قرآن و سنت کے خلاف ہے وہ فحشاء ہے۔

شیطان آگے بات کی ترغیب دیتا ہے، کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسے بہتان باندھو جن کا تمہیں علم نہیں ہے، قول کا معنی کوئی بات کہنا ہے لیکن محاورہ ہے کہ ایک غلط بات گھڑنا۔ ایک بات ہمارے معاشرے میں عام ہے کہ بات بات پر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کی مرضی، اللہ کی مرضی اسی طرح تھی یا قرآن پاک میں اسی طرح لکھا ہے، تو یہ بات اسی ضمن میں آتی ہے۔ لہذا جب تک تصدیق نہ ہو کہ یہ اللہ کریم کا ارشاد ہے، تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا بے حد بے ادبی ہے۔

سرکار علیہ السلام نے ایک بات نہ ارشاد فرمائی ہو، اور اس کی نسبت آپ کی طرف کر دی جائے تو فرمایا وہ دوزخ میں چلا گیا، جس نے ایسی بات کی نسبت میری طرف کر دی جو میں نے نہیں کہی تھی۔ جب تک یقینی طور پر معلوم نہ ہو کہ یہ بات قرآن میں موجود ہے یا کسی سابقہ کتاب کے کسی ایسے حصے میں آگئی ہے، جس کے بارے میں آپ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے، تو پھر آپ حوالہ دے سکتے ہیں، اگر ایسی بات نہیں ہوگی تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہوگا، جب بندہ تہمت کو قبول نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کیسے برداشت کر سکتا ہے۔

Marfat.com

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ

جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس مقدس کتاب کی پیروی کرو، جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے، وہ کہتے ہیں ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم

لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، خواہ ان کے باپ دادا نہ تو کسی شے کو سمجھتے ہوں اور نہ ہی وہ ہدایت یافتہ ہوں ۱۶۰

۱۶۰ ہماری اردو کی اکثر تفاسیر اور کتب تاریخ میں بے شمار بار ایک بات آئی ہے، کہ اس دور کا رواج تھا، تو سرکار علیہ السلام نے اسے جاری رکھا، فلاں قوم اس طرح کر رہی تھی، تو آپ نے اسے جاری رکھا، (العیاذ باللہ) آپ تھوڑی سی گہری نگاہ سے دیکھیں کہ یہ کہہ کر ہم نے کتنا بڑا قصور کر لیا ہے، سرکار امام الانبیاء ہیں انسان بسا اوقات روایات اور رواجات کے پیچھے چل پڑتا ہے، جو نسلاً بعدَ نسلٍ آ رہی ہیں۔ قرآن پاک نے یہاں ان روایات اور رواجات کی تردید کی ہے، کہ جو عظمتیں آپ کو عطا فرمائیں وہ مخلوق میں کسی کے پاس نہیں، مزید براں تھوڑا سا غور فرمائیں کہ ایک رواج جو ہندو اور کافر معاشرے کی طرف سے چلا آ رہا ہے، اگر سرکار علیہ السلام اس رواج کو اپنے غلاموں میں جاری رکھتے ہیں، تو دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہوا کہ نبی غیر نبی کے پیچھے چل پڑا ہے، حالانکہ نبی غیر نبی کے پیچھے نہیں چلا کرتے، خدا جانے ہمارے بے شمار رائیٹرز نے اس طرف اپنا قلم کیوں نہیں چلایا، کہ اگر کوئی سابقہ بات باقی رہ گئی ہے، تو اس لیے نہیں رہی کہ یہ رواج تھا، یا ایک قوم کی روایت آ رہی تھی، وہ اس لیے باقی رہ گئی ہے، کہ وہ بات سابقہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں موجود تھی، اور ان کتابوں میں یہ کیوں موجود تھا؟ قرآن پاک نے فرمایا! "فی زبر الاولین" یہ قرآن پہلے صحیفوں میں موجود تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ ادھر جو مفاہیم ہیں وہ عکسِ قرآن ہیں، اب جب اصل آ جائے تو پھر عکس کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن قرآنی احکام سابقہ کتابوں میں ایک حد تک موجود تھے، تو جو وہاں موجود تھے وہ اگر چل رہے ہیں تو سرکار علیہ السلام نے انہیں منسوخ نہیں فرمایا، اس کا مطلب ہے کہ اس وحی کو باقی رکھا ہے، جو مفہومی انداز سے سابقہ کتابوں میں موجود تھی، اس نکتے پر آپ جتنے اچھے انداز سے غور کریں گے، انشاء اللہ یہ بات معلوم ہو جائے گی، کہ یہ آداب رسالت کے خلاف ہے، کہ سرکار علیہ السلام ایک رواجی بات کو جو کافروں کا رواج ہے اسے مسلمانوں کے لیے باقی چھوڑ دیں، البتہ بات اتنی ساری ہے کہ اگر آباء واجداد اہل اللہ ہیں، تو ان میں جو بات چلی آ رہی ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی سند کے ساتھ ہوتی ہے، مثلاً نماز کے مختلف احکام کو ایک عام آدمی نہیں جانتا لیکن اپنے باپ دادا سے سیکھے ہیں، تو اس قسم کی پیروی ضروری ہے یہ وہ روشنی ہے جو اسلاف کے پاس تھی، تو اخلاف اسے آگے بڑھائیں گے، اور اپنے اسلاف کے لیے گندے الفاظ استعمال کرنا، اس سے قرآن پاک نے بھی روکا ہے، اور سرکار علیہ السلام نے ایک اور انداز سے روکا ہے، کہ فرمایا وہ اچھے لوگ نہیں ہوں گے کہ امت کے پچھلے حصے والے لوگ پہلے حصے والے لوگوں پر لعن وطعن کرنا شروع کر دیں۔

Marfat.com

آسانی سے اس کی خامیوں کو دور کیا جا سکتا تھا،لیکن آپ ایک کافر سے یہ توقع لے کے بیٹھے ہیں کہ وہ شراب پہلے چھوڑ دے اس کے بعد آپ اس کو اسلام کی دعوت دیں گے تو یہ بے کار دعوت ہوگی،اس انداز کی دعوت غیروں کو نہیں دیا کرتے۔

ایک اور واقعہ آتا ہے کہ ایک آدمی سرکار کریم کی خدمت میں آیا اس نے کہا کہ میں اسلام قبول کر لیتا ہوں لیکن میں چور ہوں میں نے چوری نہیں چھوڑنی،اسی طرح میں بدکار ہوں بدکاری بھی نہیں چھوڑ سکتا،اسی طرح میں جواری ہوں جو انہیں چھوڑ سکتا وغیرہ وغیرہ،سرکار کریمؐ خاموش ہو کے سنتے رہے جب وہ ساری باتیں کہہ چکا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا!میں تیری ساری باتیں مان لوں گا کیا تو میری ایک بات مان سکتا ہے اس نے عرض کیا حضور فرمائیے ارشاد ہوا تم ہمیشہ سچ بولنا،اس نے کہا بڑی اچھی بات ہے میں آپ کی بات مان لوں گا،ایک بات آپ کی اور باقی باتیں میری ہوں ان شرائط پر میں اسلام قبول کر رہا ہوں، بخاری کے یہ الفاظ ہیں کہ جب وہ باہر نکلا تو کہنے لگا کہ اس نبی رسول نے اتنا سستا سودا کیا ہے میرے ساتھ کہ مجھے صرف ایک بات ماننے کے لیے کہا ہے اور باقی ساری باتیں میرے لیے جائز قرار دیدی ہیں،رات کو وہ اٹھا چوری کرنے کے لیے اب اس کے اندر کا انسان جاگ گیا کافی دیر راستے میں کھڑا ہو کے واپس مڑ گیا،دوستوں نے پوچھا کہ آج تم خالی ہاتھ کیوں آئے ہو؟ راستے میں کیا حادثہ تمہارے ساتھ پیش آگیا؟ اس نے کہا کہ میرے ساتھ حادثہ یہ ہوا کہ میں چوری کرنے کا ارادہ کیا پھر خیال آیا کہ اگر سویرے سرکار ﷺ نے پوچھ لیا کہ میں نے چوری کی؟ اب اگر میں کہوں کہ میں نے چوری نہیں کی تو یہ جھوٹ ہوگا،اور میں ان سے وعدہ کر کے آیا ہوں کہ سچ بولوں گا۔اس ایک بات نے اس کی ساری زندگی کو بدل کے رکھ دیا۔دوسرے دن آ کے کہنے لگا،حضور میں اپنی ساری شرطیں ختم کرتا ہوں اس لیے کہ وہ جو آپ کی شرط تھی اس نے میری زندگی کا رخ بدل کے رکھ دیا ہے۔اب میں چوری نہیں کر سکتا۔

اسی طرح ایک اور آدمی آیا اس نے کہا کہ میں نماز نہیں پڑھ سکتا تو سرکار ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں نہ پڑھو، اسی طرح ایک اور گروہ آیا اس نے کہا کہ ہم زکوۃ نہیں دیں گے۔اگلے سال کہنے لگے کہ ہمارے پڑوسی زکوۃ دیں اور ہم نہ دیں کیا ہم کوئی غریب لوگ ہیں! ہم تو ان سے زیادہ زکوۃ دیں گے۔تو یہ حکیمانہ انداز ہوتا ہے جسے قرآن پاک نے بہت جگہ بیان فرمایا ہے۔

اب یہاں ارشاد یہ ہوا کہ چار قسموں کی ہدایت ہوتی ہے،آپ صراط مستقیم کو طلب کر رہے ہیں،صراط مستقیم کی توضیح کرتے ہوئے قرآن پاک نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ ذات رسول ﷺ ہدایت کا معیار ہیں۔ہدایت کا منبع ہیں،ہدایت کا مینار ہیں،ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔آپ وہی کریں جو نبی کریمؐ نے کیا ہے اور وہ ایک ہی راستہ ہو سکتا ہے

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ط صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ

کافروں کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو چیختا ہے ان جانوروں کو جو صرف اس کی آواز اور پکار کو سن سکتے ہیں (وہ سمجھتے نہیں کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے) یہ (کافر) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں

فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

تو وہ سمجھ نہیں سکتے ۱۶۱

۱۶۱ تو یہ کافر جن بتوں سے وابستہ ہیں وہ ایسے ہی ہیں انہیں نہ تو ان کی آواز کا پتہ ہے نہ اسے سمجھتے ہیں، ایسے لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں ان میں عقل نہیں ہے، اس آیت میں کفار کے طرز عمل پر انتہائی شدید الفاظ میں قرآن نے تنقید فرمائی ہے، کہ جن بتوں سے یہ لوگ وابستہ ہیں وہ ان کے لیے مفید نہیں ہیں، بھلا جانور جسے آپ پکار رہے ہیں وہ آپ کی آواز تو سن بھی لے گا لیکن اسے سمجھ کچھ نہیں آتی۔ اس کا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ کافر بذات خود ان جانوروں کی طرح ہیں جو نبی کی آواز کو سنتا ہے لیکن سمجھتا نہیں، دوسرے مقام پر قرآن نے کافرانہ نظریے پر ایک انداز سے تنقید کی، کہ یہ لوگ جو حقائق سامنے آتے ہوئے بھی ادھر توجہ نہیں دیتے، "اولٰئک کالانعام بل ھم اضل" یہ تو جانوروں جیسے ہیں، بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں، اس لیے کہ جانور کے پاس عقل نہیں تھی لیکن ان کے پاس عقل تھی، اب معاشرہ ایسا تھا کہ مسلمان اقلیت میں تھے، اب جو گوشت فروخت ہو رہا ہے وہ بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا ہے، کچھ اور ایسی چیزیں ہیں جن میں ایسی کراہتیں ہیں جنہیں مسلمان ذہن تسلیم نہیں کرتا، اس کی مزید تاکید ان الفاظ میں فرمائی!

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اے ایمان والو تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں رزق دی ہیں، اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اس کے عبادت گزار ہو ۱۶۲

۱۶۲ یعنی اللہ کا شکر ادا کرو کہ ان پاکیزہ چیزوں سے تمہاری بھوک پیاس اور حاجتیں ختم ہو جاتی ہیں ان چیزوں کو چھوڑ کر غلیظ چیزوں کی طرف تمہاری توجہ بالکل نہیں جانی چاہیئے، اگر اب شرط لگا دی کہ اگر تم عبادت گزار ہو، تو جس کی عبادت کرتے ہو اس نے دو باتیں کرنے کا حکم فرمایا۔ ا۔ کہ اس نے عبادت کی توفیق عطا فرمائی ہے، لہٰذا شکر کرو۔ ۲۔ اس نے تمہیں رزق حلال عطا فرمایا ہے لہٰذا اس پر بھی شکر ادا کرو۔

اب معاشرہ ایسا ہے، کہ حرام چیزوں سے بھرا پڑا ہے، اس کے آگے وضاحت فرما دی کہ تم نے اس انداز سے چلنا ہے، فرمایا!

Marfat.com

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ

اللہ کریم نے تم پر صرف مردار کو، خون کو، خنزیر کے گوشت کو، جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کے بغیر کسی اور کا نام لیا جائے حرام قرار دے دیا ہے،

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

(لیکن آپ ایسی جگہ پر ہیں جہاں اس چیز سے بچ نہیں سکتے) تو جو بے اختیار ہو جائے، وہ نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو نہ زیادتی کرنے والا ہو تو

اس کے لیے حرج نہیں کہ ان چیزوں کا جان بچانے کے لیے استعمال کرلے، بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے ۱۷۳

۱۷۳ الـمـيـتـة ''مردار وہ ہے جسے آپ نے ذبح نہیں کیا اور وہ مر گیا ہے، یا اسے ذبح تو کیا ہے، لیکن اسلامی طریقے کے مطابق ذبح نہیں کیا، یا ایک جانور طبعی موت مرا ہے، تو وہ خون جو اس کے وجود سے ذبح کے وقت آپ نے نکالنا تھا وہ اس کے جسم میں رہ گیا ہے، اس کے نکلے بغیر وہ حلال نہیں ہو سکتا تھا، یا ایک جانور اونچی جگہ سے گر کر مر گیا ہے، یا دوسرے جانور نے ٹکر ماری ہے اور وہ مر گیا ہے، یا زندہ جانور کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا، اور بطور غذا استعمال کیا، اسلام سے قبل عربوں میں یہ عام رواج تھا، اسلام نے اسے بڑی شدت سے روکا ہے۔

''الدم'' خون شریعت مطہرہ میں وہ خون ناپاک ہے، جسے دمِ مسفوح کہتے ہیں، دم مسفوح کیا ہے، ذبح کرتے وقت اس کی مختلف رگوں سے جو خون تیزی کے ساتھ نکلتا ہے اسے دم مسفوح کہتے ہیں، اسے استعمال کرنا شرعاً حرام ہے، اب آپ نے گوشت کاٹا جس پر خون لگا ہوا ہے وہ خون حرام نہیں ہے، ایک ہے حلال ایک ہے طیب، گوشت پر لگا ہوا خون حلال ہے لیکن طیب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسے دھولیں، لیکن اگر کسی نے دھویا نہیں ہے تو حرام نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے انداز سے اگر وہ کسی کپڑے پر لگ گیا ہے تو وہ کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔

''لحم خنزیر'' خنزیر کا گوشت جو حرام ہے، یاد رکھیں کہ خنزیر کے گوشت کے علاوہ اس کے بال ہڈیاں اور پٹھے وغیرہ کچھ بھی استعمال نہیں کر سکتے، خنزیر نجس العین ہے، یعنی اسکی اصلیت نجس ہے، میں ان مسلمان مجتہدین کی بات کا قائل نہیں ہوں جو اجتہادی ذوق میں باقی جانوروں پر قیاس کرتے ہوئے خنزیر کے وہ اجزاء استعمال کرنے کے قائل ہیں جو اجزاء باقی جانوروں کے آپ استعمال کر سکتے ہیں، مثلاً ایک جانور حرام ہو گیا ہے اس کا چمڑا اتار کر اسے رنگ کے استعمال کر سکتے ہیں، سرکار علیہ السلام نے فرمایا!

''کل اھاب دبغ فقد طھر الا جلد الخنزیر'' o

جس چمڑے کو رنگ دیں یعنی دباغت سے، وہ پاک ہو جائے گا، مگر خنزیر کا چمڑا کسی صورت بھی پاک نہیں ہوتا، اب باقی جانوروں

Marfat.com

کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے، تو حدیث کا ایک اگلا حصہ چھوڑ کر صرف پچھلے حصے کو لے کر اس پر اجتہاد وہی کرے گا، جو اسلام کی روح سے ناواقف ہے اسے معلوم نہیں ہے، کہ اجتہاد کرنے کے لیے اجزاء کون کون سے درکار ہوتے ہیں اور کیا مقیس اور مقیس علیہ کو مختلف صفات میں مشترک ہونا ضروری ہے یا نہیں۔

ایک چیز کو آپ نے کسی دوسری چیز پر قیاس کرلیا ہے، اس کے لیے ضروری ہے، کہ وہ ساری صفات میں مشترک ہو، تو جسے قیاس کیا ہے مقیس ہے، اور جس پر قیاس کیا ہے، وہ مقیس علیہ ہے، مثلاً آپ کہتے ہیں، کہ جانور کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے، اور پھر کہتے ہیں کہ خنزیر ایک جانور ہے لہٰذا اس کے چمڑے کو رنگنے سے پاک ہو جانا چاہیے، تو اب وہ قانونی زبان میں خنزیر مقیس ہوگا اور دوسرا جانور مقیس علیہ ہوگا، آپ نے یہاں ان صفات پر غور کرنا ہوگا، جو ان دونوں میں مشترک ہیں، اگر وہ صفات میں مشترک نہیں ہیں، تو اس کو اس پر آپ قیاس نہیں کر سکتے، یہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ جانور نجس العین نہیں ہے، خنزیر نجس العین ہے پہلی صفت میں ہی ان میں اتنی دوری ہوگئی ہے، کہ ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کر سکتے۔

شہادت تورات

تورات استثنا باب نمبر 12 آیت نمبر 8 میں یہ الفاظ ہیں کہ

اور سور بھی کہ اس کے کھر چرے ہوئے ہیں یہ جگالی نہیں کرتا، اور یہی تمہارے لیے ناپاک ہے، تم اس کا گوشت نہ کھائیو، اور نہ اس کی لاش کو ہاتھ لگائیو۔

''من وعن'' یہی الفاظ چیپٹر احبار باب نمبر 11 آیت نمبر 7 میں ہیں یعنی موجودہ تورات میں یہ دو آیتیں آج بھی موجود ہیں۔

میں (سید محمد ذاکر حسین شاہ) ایک دفعہ ہوائی جہاز پر بنکاک جا رہا تھا دوران سفر میں ایک مسلمان کے طرز عمل سے بڑا حیران ہوا قریباً رات ڈیڑھ کا وقت تھا کہ انہوں نے کھانا دیا، ایک آدمی بہت دور سے اٹھا میرے قریب آ کر مجھے کہا، کہ درمیان کی بوٹیاں ہیں، یہ گائے کے گوشت کی ہیں، اور دائیں بائیں خنزیر کے گوشت کی ہیں، میں نے کہا کہ آپ کی عقل پر ماتم ہو کہ اگر خنزیر اور گائے کو ملا دیا جائے تو گائے پاک رہ جائے گی اور خنزیر ناپاک ہو جائے گا؟ یاد رکھیں کہ ایسے سفر میں زیادہ سے زیادہ فروٹ استعمال کرنا چاہیے، کچھ پرانے لوگ ایک بات کہتے ہیں انہوں نے ایک روایت کا سہارا لیا، جو علامہ قرطبیؒ نے دار قطنی کے حوالے سے روایت کی ہے، کہ ہمارے لیے دو خون حلال ہیں ۱۔جگر۔ ۲۔تلی۔ انہوں نے انہیں جمے ہوئے خون میں شمار کیا ہے لیکن ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ یہاں ایک بڑی نفیس بات فرماتے ہیں۔

"والصحیح انه لم یحضص و ان الکبد والتھال لحم یشھد بذالک العیان الذی لایعارضه بیان ولا یفقر الی برھان"o

یہ دو خون باقی خونوں سے الگ نہیں کیے جاسکتے، اس لیے کہ جگر ہو یا تلی ہو یہ گوشت ہے، کہ پہلی نظر ڈالتے ہی گوشت معلوم ہوتا ہے، تو جہاں مشاہدہ آجائے وہاں پھر بیان کی ضرورت نہیں رہتی، بیان مشاہدے کی تردید نہیں کرسکتا، اور اسے پھر کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

وما اھل به لغیر اللّٰه کا مسئلہ

اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب مشرکینِ مکہ کسی جانور کو ذبح کرنے لگتے تو کہتے "باسم اللات والعزیٰ" لات وعزیٰ کے نام سے ہم اسے ذبح کرتے ہیں، حالانکہ لات وعزیٰ اس جانور کے خالق نہیں، کہ ان کے ناموں پر اس کی جان لی جائے، لہٰذا اسلام نے ایسے ذبیحہ کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

"اھل" کا مصدر اھلال ہے، (اس پر خاص غور اس لیے کی جائے کہ اس ایک مسئلے کی وجہ سے ہمارے کچھ علماء نے قوم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے) اھلال کا لفظی معنی ہوتا ہے کہ بلند آواز سے بات کرنا تاکہ ساتھ والے سن سکیں اب پہلی رات کے چاند کو ھلال کہتے ہیں اسی کو جب آپ ثلاثی مزید بنائیں تو اھل بن جاتا ہے، اس کا مصدر اھلال ہوگا، تو پہلی رات کے چاند کو دیکھ کر آپ اس کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں اور بلند آواز سے کہتے ہیں کہ وہ چاند ہے، لیکن اصطلاح شرع میں ذبح کرتے وقت آواز بلند کرنا، اسی آیت کی شرح میں حدیث کے اندر بخاری سے روایت ہے ایک بات یاد رکھیں کہ ہمارے علماء حضرات جب کوئی بات ثابت کرنی ہو تو قرآن پاک کے بعد سب سے پہلے بخاری کا حوالہ دیتے ہیں، بخاری نے فرمایا!

"الاھلال ھو رفع الصوت عند الذبح"o

"کہ ذبح کرتے وقت جو آواز بلند ہوتی ہے اسے اھلال کہتے ہیں"۔

پھر بخاری کے بعد سب لوگ اس کو نقل کرتے چلے آئے، اور امام ابوبکر جصاص ؒ نے فرمایا!

"ولا خلاف بین المسلمین ان المراد به الذبیحة اذا اھل بھا لغیر اللّٰه عند الذبح"o

اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جسے ذبح کرنے لگیں تو اللہ کا نام نہ لیں۔

ہمارے اسلاف کی یہ تحقیق ہے جو امام ابوبکر نے فرمائی علاوہ ازیں بخاری نے یہی معنی کیا ہے، بیضاوی کشاف، مفرداتِ امام راغب میں یہی معنی نقل ہے۔

Marfat.com

پروردۂ دیوبند توجہ فرمائیں

سید انور شاہ کشمیری، فیض الباری شرح صحیح البخاری میں اسی آیت کے تحت شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ایک جگہ کافروں نے لات وعزی کے نام پر جانور چھوڑ دیے، اور وہ جانور مسلمان پکڑ لیں، اور وہ تکبیر کہہ کر ذبح کر دیں تو حلال ہے دلیل یہ ہے کہ **"لان اسم اللہ تعالیٰ یغلب علی کل اسم"** ٥ کہ اللہ کا نام باقی سب ناموں پر غالب آجاتا ہے۔

یہ بھی عرض کر دوں کہ اس دنیا میں کسی نہ کسی انداز سے ہر چیز پر غیر اللہ کا نام آتا ہے، کیا ان سب چیزوں کو آپ حرام قرار دیں گے؟ اور چھوڑیں بیٹی اور بیٹے پر باپ کا نام آرہا ہے، گاڑی پر مالک کا نام، اگر آپ مطلقا کہہ دیں کہ جس پر بھی غیر اللہ کا نام آجائے گا وہ حرام ہو جائے گا، تو پھر مجھے بتائیں کہ اس حرام کی حد کہاں پر ختم ہوگی، میں نے ایک ایسے ہی عالم سے پوچھا تھا کہ آپ کی بیوی پر آپ کا نام آتا ہے کہ آپ اس کے خاوند ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس نسبت کی وجہ سے آپ کی بیگم صاحبہ آپ پر حرام ہو جائیں گی۔

ایصال ثواب

کافر کے عمل اور مسلمان کے عمل میں دو فرق ہیں کافر کہتا ہے، باسم اللات و العزی اگلی بات یہ کہتا ہے کہ لات وعزی کا مجھے تقرب حاصل ہوگا، کیا مسلمان بھی اسی طرح کرتا ہے؟ بالکل نہیں، وہ کہتا ہے میں اللہ کے لیے ذبح کر رہا ہوں، زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہے گا کہ اس کا ثواب میں پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ یا کسی بزرگ کی مقدس روح کو پیش کرتا ہوں؟ بات یہ سامنے آتی ہے کہ کیا آپ ایصال ثواب کے قائل ہیں یا نہیں؟ جوابا عرض کروں کہ ایصال ثواب کی ساری امت قائل ہے، کسی کو اختلاف نہیں۔ چاروں ائمہ کا اتفاق ہے۔ امت کے یہ چار ہی عظیم فقہا ہیں جن کے پیچھے ساری امت چلتی ہے، اور کیوں چلتی ہے؟ اس کا تحقیقی جواب گر چاہیے تو فقہ کا چیپٹر جو علامہ ابن خلدون نے اپنی شہرہ آفاق کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے اس کا مطالعہ کر لیں۔ میرے نکتہ نگاہ سے اہل حدیث بھی اہل سنت ہیں، اس لیے کہ اہل سنت وہ ہوتا ہے جو سرکار ﷺ کی حدیث کو مانتا ہو۔ اور اہل حدیث، حدیث کو مانتے ہیں جو سرکار کی جماعت صحابہ و اہل بیت کو مانتا ہو ہم اسے سنیت سے باہر نہیں کر سکتے۔ اہل سنت کا اجماعی مسئلہ یہ ہے کہ ایصال ثواب جائز ہے۔ اب کافر ذبح کرے تو غیر اللہ کے نام پر کرے گا اور مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے گا اور کہے گا کہ فلاں کو اس کا ثواب کرتا ہوں۔ تقرب کی بات بھی نہیں کرتا، پھر اسکے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اب ہر طرف جو یہ شور مچاتے ہیں کہ جو گیارہویں شریف کرے گا وہ مشرک ہے یہ غلط ہے وجہ یہ کہ گیارہویں شریف ایصال ثواب کے لیے ہے۔ آپ غریب کو کھانا کھلاتے ہیں اس کا ثواب امت کے عظیم ولی حضرت غوث اعظم کو پیش کرتے ہیں پکانے میں پکنے والے چاول، پانی، گوشت اور گھی سب کچھ پاک ہے اب نجانے حرام کا مصالحہ مولوی صاحب کہاں سے لگا دیا؟ مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم مغفور سابقہ تفاسیر پر اچھی نگاہ رکھتے تھے اور وہ حوالے دیتے ہوئے پانچ یا سات

تفاسیر کا ذکر ضرور کرتے تھے لیکن براہو تعصب اور جماعتی نکتہ نگاہ کا کہ جب مولانا اس آیت سے گزرے تو فرماتے ہیں کہ اگر خنزیر پر اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کر دیا جائے تو کیا وہ حلال ہو جائے گا؟ یعنی جب غیر اللہ کے نام پر آپ نے چھوڑ دیا تھا تو وہ تو خنزیر کی طرح حرام ہو گیا، اب وہ کیسے حلال ہوگا۔ تفسیر میں ایک جگہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے لادی کی اولاد میں سے میں بھی ہوں۔ میں نے سوچا اگر زندہ ہوتے تو میں خط لکھتا کہ اپنے آپ کو لادی کے نام سے منسوب کر دیا کہیں آپ بھی تو حرام نہیں ہو گئے؟ اس جانور کی طرح؟ دوسری تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کی ہے، دیوبند مکتبہ فکر سے صرف یہ ایک بندہ تھا جس نے تحریک پاکستان کی حمایت کی تھی۔ آپ ان کی تفسیر پڑھ کر حیران ہونگے۔ اس قسم کے ذبح کے متعلق اوپر لکھتے ہیں کہ حرام ہے، آگے لکھتے ہیں کہ ایصال ثواب کے لیے جائز ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ جوبات مولانا مراد آبادی نے کی وہ ٹھیک ہے کہ کیا خنزیر پر چھری چلا دی جائے تو وہ حلال ہو جاتا ہے؟ یہ ژولیدہ فکری صرف دوسرے طبقے کو رسوا کرنے کے لیے ہے۔ اکثر عوام اردو تفاسیر پڑھتے ہیں اس لیے تفصیل بیان کر دی تا کہ غلط عقائد نہ پیدا ہوں۔ آگے فرمایا کہ بندہ مجبور ہو، وہ باغی نہ ہو، زیادتی کرنے والا نہ ہو۔ باغی کا ایک معنی ہوتا ہے چاہنے والا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ یعنی اسکی اپنی چاہت نہیں کہ یہ گوشت کھائے۔ اور نہ ہی زیادتی کرنے والا ہو۔ یعنی جان بچانے کی حد تک وہ کھا سکتا ہے لیکن زیادہ کھانا گناہ ہے۔

ایک خاص نکتہ

جان بچانا فرض عین ہے اور گوشت وغیرہ حرام ہے تو جب جان بچانے کا مقابلہ حرام کے ساتھ آجائے تو حرام استعمال کرنے کی اجازت مل جائے گی مثلاً آپ ایسی جگہ پر ہیں جہاں سوصرف ناپاک پانی ہے تو جان بچانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَیَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا

یقیناوہ لوگ جواللہ کی کتاب کو چھپالیتے ہیں اوراس کے بدلے گھٹیا قیمت لے لیتے ہیں ،وہ اپنے

یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚ

پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہیں کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا

وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۴﴾

اوران کے لیے دردناک عذاب ہے ۱۶۴

۱۶۴ یہود کی عادت یہ تھی کہ احکام تورات چھپالیتے تھے، خاص طور پر سرکار علیہ السلام کی جس مقام پر مدح آتی، آج بھی اگر کوئی عالم دین ہو کر قرآنی احکام کو جان بوجھ کر چھپالے، اور خاص طور پر سرکار علیہ السلام کی مدح وثنا کو چھپائے، تو اس کا بھی شجرۂ نسب انہیں یہودیوں کے ساتھ ملتا ہے، جو ایسی باتیں کرتے تھے، اب آپ کی تحقیق کی روشنی میں ایک مسئلے کا حل آپ کے سامنے ہے اور آپ کے سامنے ایک نوعیت آجاتی ہے، تو آپ اس تحقیق کو چھوڑ کر انداز بدل لیتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ حق کو چھپارہے ہیں، لہذا یہ ضروری ہے کہ آپ تحقیق کے بعد ایک بات کو مانتے ہیں، تو معاشرے افراد، سیاستدان کے دباؤ سے آپ اسے چھپا نہیں سکتے، اگر چھپائیں گے تو شریعت کے مجرم قرار پائیں گے۔

یہاں جو لطیف بات ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہیں فرمائے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بات میں انسانی روح کے لیے بے حد لطافت ہوتی ہے۔

ایک مثال۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے ایک جگہ یہ بات لکھی ہے، کہ معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھے سمجھائیں جو آپ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے کامل علماء سابقہ انبیاء کی طرح ہوں گے، آقا! اس کی وضاحت کے لیے اپنی امت کا ایک کامل عالم مجھے دکھائیں تاکہ میں اندازہ کرسکوں کہ وہ کس طرح سابقہ انبیاء کی طرح کام کرگزریں گے، سرکار علیہ السلام نے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو طلب فرمایا، روح آئی تو انہوں نے بڑے لمبے چوڑے القابات سے سرکار علیہ السلام کو بھی عرض کیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا کہ اے غزالی! میں نے صرف تجھ سے تیرا نام پوچھا ہے تو نے ہمارے لمبے چوڑے القابات شروع کردیے، غزالی نے عرض

Marfat.com

کی جناب کلیم! یہ بات میں نے آپ سے ہی سیکھی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر مجھ سے سیکھی ہے تو کوئی دلیل پیش کرو؟ عرض کی قرآن میں آتا ہے کہ آپ سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا تھا، "**وما تلک بیمینک یاموسیٰ**" ۝ اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کا جواب صرف اتنا تھا کہ 'ھی عصای' یہ لاٹھی ہے، بات پوری ہوگئی، آپ مجھے فرمائیں کہ "**اتوکاء علیھا واھش بھا علی غنمی ولی فیھا مارب اخری**" ۝ یہ باتیں آپ نے کیوں کی تھیں؟ جناب کلیم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے کلام کررہا تھا، میں چاہتا تھا کہ یہ لمحات ذرا لمبے ہوجائیں، پھیل جائیں تاکہ لذت وصال مزہ دے، اور یہ لطافتیں کٹ نہ سکیں۔ امام غزالی نے جواباً عرض کیا، کہ اگر یہ بات ہے تو میرے سامنے اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی موجود ہیں، اور کلیم اللہ بھی موجود ہیں میں بھی تو یہی چاہتا ہوں کہ بات کٹ نہ جائے، یہ لطافتیں بڑھتی رہیں، حضرت کلیم نے عرض کی آقا! آپ نے سچ فرمایا۔

ایک نکتہ

آگے فرمایا! 'ولایزکیھم "اللہ انہیں پاک نہیں فرمائے گا، نکتہ یہ ہے کہ جب تک تزکیہ نہ ہو بندہ جنت میں نہیں جاسکتا، تو تزکیہ ظاہر و باطن دونوں کا ضروری ہے، باطن کا تزکیہ یہ ہے کہ سینے میں حسد نہ ہو، بغض نہ ہو اندر غلیظ نہ ہو، اور یہی لفظ 'یزکیھم' 'اللہ نے محبوب کے لیے فرمایا، کہ وہ پاک فرماتے ہیں، اب دو ہی صورتیں ہیں یا یہ باتیں ہم کردیں یا قیامت کے دن سرکار علیہ السلام کی شفاعت سے بیڑا پار لگ جائے۔

بہرحال اگر یہ بات نہیں ہے تو یہ صفات وہاں مجسم شکل میں آجائیں گی اور جب تک یہ جہنم میں جل نہ جائیں تب تک جنت کا حصول ممکن نہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَی

محبوبؐ! یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت دے کر گمراہی لی ہے، اور مغفرت دے کر عذاب لیا ہے، یہ آگ پر کتنے صابر ہیں

النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ

یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو سچ اور حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے، جنھیں قرآن پاک میں شک واختلاف ہے،

شِقَاقٍ بَعِیْدٍ ﴿۱۷۶﴾

وہ بے حد پھوٹ میں پڑے ہوئے ہیں ۱۶۵

(انہیں معلوم ہے کہ اگر ہدایت نہ رہی اللہ کی مغفرت نہ رہی تو جہنم میں جانا ہے اس کو جانتے ہوئے پھر آگ کی طرف بڑھ رہے ہیں اصبر، یہاں

تعجب کے لیے استعمال ہوا ہے۔یعنی حیرانی ہے کہ یہ پھر بھی آگ کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں)

۱۶۵ فرمایا کتاب تو حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے،قرآن پاک کتاب حق ہے، یہ وہ حق ہے جس میں باطل نہیں ہے،قرآن نے دوسرے مقام پر فرمایا! کہ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے نہ اسکے پیچھے سے۔سامنے کا مطلب ہے کہ سرکار علیہ السلام کا دور اقدس اور پیچھے کا مطلب ہے جو سرکار علیہ السلام کے بعد والا دور ہے، جس سے آج کل ہم گزر رہے ہیں، باطل اب بھی اس میں نہیں آسکتا، کیوں نہیں آسکتا؟ اس لیے کہ اگر کوئی باطل لانے کی کوشش کرے گا تو یہ قرآن موجود ہے۔، جس کا ماننے والا اسے غبار بنا کر اڑا دے گا،تو معلوم ہوا کہ باطل کا راستہ روکنے کے لیے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کر رہے تھے وہی ہر عالم حق ہر دور میں کر رہا ہے۔اگر اس میں وہ اختلاف کرتے ہیں تو اس اختلاف کے پیچھے ان کی خواہشات شامل ہیں تو جب خواہشات شامل ہوں تو پھر دور کی پھوٹیں پڑ جاتی ہیں، نتیجۃً قوم اکھٹی نہیں ہو سکتی، اصل نکتہ یہ ہے کہ جب قرآن پاک کے پیچھے چلا جائے تو پھوٹ نہیں پڑتی، اور اگر قرآن پاک کو اپنی عادات واطوار وخواہشات کے پیچھے لگانے کی ناکام کوشش کریں گے، تو پھوٹ پڑے گی۔

آج امت جن حالات سے گزر رہی ہے، اور اسلامی علوم پڑھے بغیر جس قسم کی تفاسیر کی جارہی ہیں یہ بھی امت میں پھوٹ کا ذریعہ ہیں لازمی اور ضروری بات یہ ہے کہ اپنے نظریات سے دل ودماغ کو خالی رکھ کر قرآن پاک کی پیروی کی جائے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

نیکی یہ نہیں کہ تم پھیر دو اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب (کے قبلوں) کی طرف ۱۶۶ لیکن نیکی تو یہ ہے کہ (بندہ) ایمان لائے اللہ پر اور یوم

وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى

آخرت پر، اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور نبیوں پر، اور اپنا مال اللہ کی محبت میں (یا مال کی محبت کے باوجود) رشتہ داروں، یتیموں،

وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ ۙ وَالسَّآئِلِيۡنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى

مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور گردنیں (قیدیں) اور غلاموں کو چھڑانے میں دے اور نماز قائم کرے زکوۃ ادا کرے

الزَّكٰوةَ ۚ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ وَالصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيۡنَ

اور اپنے عہدوں کو جب عہد کرے تو پورا کرے ۱۶۷ تنگی اور تکلیف میں اور جنگ کے دوران صبر کرے

الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾

یہی لوگ سچے (مومن) ہیں اور یہی لوگ متقی (نیک) ہیں ۱۶۸

۱۶۶ دین ظاہری اعمال اور حقیقی مقاصد سے عبارت ہے ان ظاہری اعمال کے سہارے حقیقی مقاصد تک پہنچنا آسان ہوتا ہے لہذا ان ظاہری اعمال پر عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا ہے تا کہ حقیقی مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے دونوں یکساں اہم ہیں، جب دین کے معاملے میں کوتاہی شروع ہوتی ہے تو حقیقی مقاصد نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور قوم ظاہری اعمال میں کھو جاتی ہے چونکہ حقیقی مقاصد اوجھل ہو جاتے ہیں لہذا ظاہری اعمال میں جان نہیں رہتی وہ بے گودہ کی ہڈی بن جاتے ہیں، مگر غلط اندیش قوم اپنے ظاہری اعمال کو بڑی نیکی شمار کر کے مقاصد حیات کو بھول جاتی ہے اسی لئے رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ نماز اگر برائی سے نہ روک سکے تو نماز اسے خدا سے اور بھی دور کر دے گی، روزہ کے متعلق ارشاد پاک ﷺ ہے کہ اگر روزہ دار جھوٹ بولنے سے باز نہ آئے یا اس (روزے) پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اسکے بھوکا پیاسا رہنے کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث طیبہ نے ہمیں سکھایا کہ صرف ظاہری اعمال پر قناعت نہ کی جائے بلکہ حقیقی مقاصد تک پہنچنے کی کوشش کی جائے، بقول علامہ ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ لیس البر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مقررہ سمت کی طرف منہ کرنا نیکی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ نیکی کا انحصار اس میں نہیں بلکہ نیکی کے کچھ اور مقاصد بھی ہیں۔ انکی طرف توجہ کرنا ضروری ہے تا کہ حقیقی مقاصد پورے ہو سکیں۔

Marfat.com

جس پر نبی کریمؐ نے خود چل کے آپ کو دکھایا ہے۔اور یہ وہی راستہ ہے جسے آپ صراط مستقیم کہیں گے۔یہ وہ راستہ ہے جو کسی دیوار، کسی رکاوٹ کے بغیر آپ تک پہنچے گا۔اس کے علاوہ آپ جتنے بھی خط بناتے جائیں گے وہ خط مستقیم نہیں ہوں گے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ لا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾ ع
راستہ ان کا جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۹

۹ ارشاد ہوا" اھدنا الصراط المستقیم " ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیجئے۔" صراط الذین انعمت علیھم " ان کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مولویوں کا اندر جانتا ہے کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔قرآن پاک نے وضاحت سے بات کہہ دی۔آگے قرآن نے پھر وضاحت کی" فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبين والصدقين و الشهداء والصالحين"

نبوت کے بعد یہ تین درجے ہیں، صدیق ہیں،شہداء ہیں،اور صالحین ہیں،ان کا راستہ صراط مستقیم ہے جس پر یہ لوگ ہیں۔صرف امت محمدیہ ﷺ کے لوگ نہیں بلکہ سابقہ انبیاء کی امتوں میں بھی جو لوگ نیک اور پرہیز گار تھے وہ بھی ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ کریم کا انعام تھا،اور جن پر اللہ کریم کا انعام ہے ان کے چار گروہ بنا کے قرآن پاک نے ہمارے سامنے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔یہ نبیوں کا راستہ ہے،صدیقین کا راستہ ہے،شہداء کا راستہ ہے،صالحین کا راستہ ہے۔کیونکہ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ایک ایک انعام ذکر کرنے کی نوبت آجاتی تو پھر ایک قرآن پاک نہیں لاکھوں کتابیں درکار ہوتیں۔لہٰذا قرآن پاک کی یہ بلاغت ہے کہ ایک لفظ میں اس صفت کا ذکر کر دیتا ہے اور وجود کا ذکر چھوڑ دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی بھی اپنے اندر ایسی صفات پیدا کریں۔

Marfat.com

۱۶۷ جو حقیقی مقاصد ہیں وہ اب بیان فرمائے جارہے ہیں جن میں حقیقی زندگی کی رعنائیاں سمیٹ دی گئی ہیں، آیت کریمہ میں عقائد، معاملات، عبادات اور اخلاق ہیں، مختصر عبارت میں بڑی جامعیت اور فصاحت اور بلاغت سے بیان فرمائے گئے ہیں ان چار مقاصد کی تفصیل کیلئے چار ضخیم جلدیں بھی ناکافی ہیں مگر اس اختصار میں وہ شان احسن ہے جو قاری کو اپنی طرف راغب کرتی ہے یہ لاثانی دستور ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی یہی وہ انقلاب تھا یہی وہ آخری پیغام تھا جس نے بدو عربوں کو دنیا کا امام بنادیا۔

۱۶۸ والصابرین پر نحویوں کو کھٹکا محسوس ہوگا کہ اسے والصابرون (مرفوع) ہونا چاہیے تھا؟ تو عرض ہے کہ نحو کے مشہور امام خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ منصوب علی المدح ہے یعنی امدح (میں مدح کرتا ہوں) محذوف ہے اور الصابرین اس کا مفعول بہ منصوب ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

اے ایمان والو فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص جو (ناحق) مارے جائیں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام

وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ

اور عورت کے بدلے عورت، تو جس کو معاف کی جائے اسکے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ چیز تو چاہیے کہ

بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ

طلب کرے (مقتول کا وارث) خون بہا دستور کے مطابق اور قاتل کو چاہیے کہ اسے ادا کرے اچھی طرح یہ رعایت ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے تو جس نے زیادتی کی اس کے بعد

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۸﴾

تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے ۱۶۹

۱۶۹ جاہلیت میں عربوں کی نخوت و غرور نے کئی عجیب انسانیت سوز قواعد و قوانین گھڑ رکھے تھے، طاقتور قبیلے میں اگر ایک بندہ قتل ہوجاتا تو وہ قاتل کے قبیلے کے اس مقتول کے بدلے میں دس دس، بیس بیس لوگ ماردیتے، غلام آزاد کو مارتا تو بدلے میں غلام نہیں بلکہ اسکے آقا کی برادری کے آزاد کو قتل کیا جاتا تھا، اگر عورت کسی کو ماردیتی تو جواباً اسکے خاندان کا مرد قتل کیا جاتا تھا، عربوں کے علاوہ اور قوموں میں بھی یہی انداز اپنائے ہوئے تھیں اسلام نے اس

Marfat.com

قانون کو یکسر منسوخ کر کے حکم دیا کہ قاتل ہی جواباً قتل ہوگا وہ جو بھی ہو، کیا امریکہ آج بھی ریڈ انڈین سے اور ڈچ اور انگریز جنوبی افریقہ کے سیاہ فاموں سے اور مغربی قومیں آسٹریلیا کے اصل باشندوں سے آج بھی یہی غیر انسانی سلوک نہیں کر رہی ہیں؟ یہ اسلام کا اعزاز ہے کہ اس نے مساوات کا درس دیا یہ پھر قانون قصاص میں تبدیلی ہے کہ مقتول کے وارث قاتل کو خون بہا لے کر معاف کر سکتے ہیں یا رضائے ربانی کیلئے دیت اور خون بہا لیے بغیر معاف کر سکتے ہیں برصغیر میں انگریزوں کے قانون میں قتل کا جرم قابل صلح نہیں تھا جسے اب تبدیل کیا گیا ہے۔

من اخیہ قاتل کو بھائی کہ کر قرآن یاددھانی کراتا ہے کہ وہ مجرم ہے، قصوروار ہے مگر اسلامی بھائی چارے سے منکر نہیں ہے عناد کا چاک انسانیت کے لباس پر پڑا ہے اسے سی دو اور اخوت کی چادر واوڑھ لو تا کہ دو قبیلوں کی کدورتیں دور ہوں اور جب اس پر عمل ہوا تو عرب کے ریگزاروں میں گلشن کھل اٹھے۔

خون بہا طلب کرنے میں سختی سے کام نہ لو جب قتل معاف کر دیا ہے تو خون بہا کے حصول میں بھی تھوڑی نرمی کرو، قاتل کو بھی نصیحت فرمائی تا کہ احسان فراموشی کو اختیار نہ کیا جائے بلکہ خون بہا جلدی ادا کیا جائے تا کہ دلوں میں رنجش پیدا نہ ہو، قتل کی سزا قتل ہی نہیں رکھی بلکہ خون بہا ادا کرنے کی اجازت فرما کر احسان عظیم فرمایا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۷۹﴾

اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو! تا کہ تم غلطی سے بچ جاؤ ۱۷۰

۱۷۰ اس آیت مقدسہ میں قصاص کا فلسفہ بیان ہو رہا ہے، کہ اس میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ جب قتل ہوگا تو نتیجۃً قتل رک جائیں گے، لہذا یہ پیغام زندگی ہے، اگر آپ قتل کا بدلہ قتل نہیں رکھیں گے تو وہ قاتل کسی ایک کو قتل کرنے کے بعد خاموش نہیں رہے گا، اور اس کی دیدہ دلیری بڑھے گی، پھر اس کی کہیں انتہا نہیں ہوگی، قتل کے بدلے میں ایک قتل ہوگا، اس کے بدلے میں ایک اور قتل ہوگا، تو جاہلیت کا وہ پرانہ چکر جو اسلام سے پہلے چل رہا تھا دوبارہ چل نکلے گا، لہذا قاتل کو قتل سے روکنے کے لیے سزائے موت ضروری ہے اور یہ سزائے موت زندگی کا ذریعہ ہے۔

دنیا کے مختلف ممالک میں کئی جگہ بار بار انسانی ہمدردی کی بنیاد پر نعرہ یہی تھا کہ سزائے موت موقوف کی جائے۔ جب کی گئی تو چند سالوں کے بعد وہ انسانی ہمدردی دوبارہ واپس پلٹی پھر انہیں ممالک میں سزائے موت دی گئی، کیونکہ لوگ ایک دوسرے

Marfat.com

کو کثرت سے قتل کرنے لگ گئے تھے، اصل قانون کا فلسفہ یہ ہوا کہ قانون بدی سے روک دے، تو چونکہ کسی کی ناحق جان لینا اسلام کے نزدیک کفر کے بعد سب سے بڑی بدی ہے، تو اس کو جس طریقے سے روکا جائے، وہ قابل تعریف ہوگا، اس سلسلے میں دنیا میں پریس ایک کردار ادا کرتا ہے، باقی دنیا میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً وہ یہ ہے کہ قاتل کے لیے کچھ وقت کے بعد عجیب و غریب ہمدردی کا اظہار شروع ہو جاتا ہے، یعنی وہ جان تو قیمتی نہیں تھی جو اس نے شرعی دلیل کے بغیر لی ہے، اور اس کی جان بڑی قیمتی ہے کہ جوابی طور پر نہ لی جائے، تو یہ وہ فلسفہ ہے جو سمجھ میں نہیں آتا، لیکن ہمارے ہاں خرابی یہ ہے کہ کیس اتنا لمبا پھیل جاتا ہے کہ قاتل بے قصور نظر آنے لگتا ہے۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ ضلع میانوالی میں ایک آدمی کو پھانسی کے لیے لے جارہے تھے، تو وہ آدمی سارا راستہ چلاتا گیا کہ اگر آپ نے مجھے پھانسی دینی ہی تھی تو سولہ سال تک انتظار کیوں کرایا ہے؟ میں سولہ سال تک جیل میں گلتا رہا ہوں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے جو مغرب سے استعماری قانون لیا ہے، اس نے ہمیں مختلف حیثیتوں سے ذلیل کیا ہے، اب جب ایک کیس چلتا ہے تو سزائے موت پانے تک اگر بیس سال لگ جائیں تو مطلب یہ ہوا کہ بعد کی ایک نسل جوان ہوگئی ہے، اور ابھی تک آپ کا قانون حرکت میں نہیں آیا۔ ایک تو قانون بے پناہ مہنگا دوسرا بے پناہ لمبا ہے اس پروسیجر Procedure سے گزرنا ایک مصیبت ہے۔

<u>ایک لطیفہ</u> ڈوہمن میں ایک گاؤں ہے جسے بنگوالہ کہتے ہیں ایک آدمی کی تھوڑی سی زمین پر جھگڑا چل رہا تھا کہیں جوانی میں اس نے جھگڑا شروع کیا اب وہ ستر سال کا تھا جھگڑا چلتے پینتالیس سال ہو چکے تھے ہائی کورٹ نے کہا کہ اس کیس پر ڈسٹرکٹ کورٹ نظر ثانی کرے جب وہ وہاں پہنچا تو ایک نیا وکیل کھڑا تھا جو بڑے تیز طرار دلائل دینے لگا، تو بوڑھے نے آگے نکل کر اس کا بازو پکڑ لیا، کہا عزیز من! آپ ابھی اس دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے، اس وقت سے میں یہ کیس لڑ رہا ہوں آپ اگر دو چار سال کسی ادارے میں رہ کر ایل، ایل، بی کر گئے ہیں تو پینتالیس سال کا طویل عرصہ مجھے ایل، ایل، بی نہیں سمجھ سکا؟ لہٰذا جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں یہ سب جھوٹ ہے۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ اسلام نے عدلیہ کے نظام کو باعثِ زندگی قرار دیا تھا لیکن مغرب نے ہمیں غلام سمجھتے ہوئے برصغیر میں جو قانون ہمیں دیا ہے، خواہ وہ تعزیرات ہند کی شکل میں تھا یا 1935ء کے ایکٹ کی شکل میں تھا وہ ہمیں سوائے ذلیل و رسوا کرنے کے اور کچھ نہیں تھا، لیکن چار چھ پشتوں سے ہم چونکہ اسی کنوئیں کے مینڈک بنے ہوئے ہیں ہمیں نہیں معلوم کہ باقی قوانین میں کتنی سہولتیں حاصل ہیں۔

بڑی ہمت کی کہ ہم نے تعزیرات ہند کو مسلمان کر کے تعزیرات پاکستان کر دیا ہے، میں ایک پولیس آفیسر کے پاس بیٹھا تھا

تعزیرات پاکستان پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا کہ آج تک کسی ماں نے کوئی ایسا بچہ برصغیر میں جنا ہے جو قانون کی اس سے بہتر کتاب لکھ سکے؟ میں نے کہا ایسا بچہ تو کوئی نہیں جنا البتہ آپ جیسے بچے ضرور جنے ہیں کہ آپ جیسی جونکیں اس قانون سے چمٹی ہوئی ہیں، اور اس سے باہر کچھ معلوم نہیں کہ قانون کچھ اور بھی ہوتا ہے، لیکن آپ مجھے یہ بتائیں کہ 1947ء سے پہلے تو یہ تعزیرات ہند تھا، بعد میں آپ نے اسے کون سا کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا ہے؟ کہ یہ تعزیرات پاکستان بن گیا ہے، اور اے سے زیڈ تک وہی کچھ لکھا ہوا ہے جو تعزیرات ہند میں تھا۔ مختصراً اتنا ضرور عرض کروں گا کہ اسلامی قانونِ سزا و جزاء یا تعزیرات اسلام اس بات کی متقضی ہیں کہ آپ کو مجرم سے نفرت نہیں ہے، بلکہ جرم سے نفرت ہے اور جتنا جلدی ہو سکے اس جرم کو ختم ہونا چاہیئے۔

ایک اور بات جو اسلام میں ہے، لیکن ہمارے قانون میں نہیں وہ یہ ہے کہ جو بندہ مرگیا ہے اسلامی عدلیہ اس کے بھی اور قاتل کے بھی اخراجات خود برداشت کرے، یہی انصاف ہے۔

ان کا بندہ قتل ہوا سپریم کورٹ سے بری ہونے تک ان کی زمینیں اور زیورات وغیرہ فروخت ہو گئے ہیں اس کے بعد وہ بری ہو گیا یا سزائے موت ہو گئی ہے تو کیا انصاف کا تقاضا پورا ہو گیا ہے؟ ایک تو ان کا بندہ مارا گیا دوسرا ان کے گھر میں وہ لوٹی لگی کہ کیس کے نتیجے تک ایک نہیں بلکہ اس کے ساتھ پندرہ گھر اور کنگال ہو گئے۔

تو اسلام جرم ہونے کے بعد مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو یہ پروٹیکشن Protection دیتا ہے کہ ان سے مال نہیں لیا جائے گا، قاتل کی گواہی ملنے پر قاتل سزائے موت پائے گا، اور گواہی نہ ملنے پر بری ہو جائے گا، لیکن اسلام پھر ایک اور بات کہتا ہے کہ نئے سرے سے تجسس کے بعد اگر آپ قاتل تک نہیں پہنچتے ہیں تو یہ بھی انصاف نہیں ہے۔ اس پر شاہ حسین نے بڑی حسین طنز کی تھی، وہ لاہور ہائی کورٹ کے سامنے سے گزر رہے تھے، وہاں ترازو لگی ہوئی تھی جس پر قرآنی آیت لکھی ہوئی تھی۔ "اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ" ۝ "عدل کرو، وہ تقویٰ کے قریب ہے"۔ اس نے ساتھی سرکاری نمائندوں سے ایک بات پوچھی کہ کیا کوئی قاتل بری بھی ہو جاتا ہے؟ جواب ملا کہ بری ہو جاتا ہے کہا کہ قاتل کے بری ہونے کے بعد اصل قاتل کو تلاش کرتے ہیں؟ جواب ملا کہ نہیں کرتے، فوراً کہا کہ پھر یہ آیت یہاں سے کاٹ دیں اور اس ترازو کو بھی ہٹا دیں، اصل قاتل تک آپ نہیں پہنچے تو کیا مقتول زندہ ہو گیا ہے؟ کہ انصاف حاصل ہو گیا ہے۔

تو یہ وہ باتیں ہیں جو اس ناہنجار قانون میں ہمارے گلے پڑی ہوئی ہیں، اور ہم نے کبھی یہ غور نہیں کیا کہ انسانیت کی یہ توہین جس انداز سے تعزیراتِ پاکستان یا 1935ء کے ایکٹ کے تحت ہوتی ہے اس کی مثال نہیں ہے، یا کبھی یہ ہوتا ہے کہ یہاں مارشل لاء لگ جاتا ہے تو یہ زمین بے آئین بن جاتی ہے میں اکثر اپنے خطبات میں کہا کرتا ہوں کہ تعزیراتِ ہند کی پھانسی بھی ہمارے گلے میں ہو، 1935ء کے ایکٹ کی بھی پھانسی ہمارے گلے میں ہو، مارشل لاء کے ضوابط بھی ہوں، اور ان کے

[illegible]

"الکلام من کلمات الکرام نصب" ○

[illegible]

ہیں ان کا ہونا از حد ضروری ہے۔

ا۔وہ قرآن پاک اور سنت کے زبردست ماہر ہوں ۔۲۔عربی زبان کی باریکیوں پر بیحد دسترس حاصل ہو۔۳۔اسلام کی چودہ سوسالہ فقہی ارتقاء کا علم ہو۔۴۔دور حاضر کے مسائل کا علم ہو۔۵۔اسلام کے بارے میں سر سے پاؤں تک مخلص اور متقی ہو۔ اگر ان تمام خصوصیات میں سے ایک صفت بھی اٹھ جائے گی تو اجتہاد کا حق نہیں ہوگا۔

انگریز کے جانے کے بعد جو جاگیردار ہم پر مسلط ہوگئے ہیں ان سے ایک بندہ مجھے دکھاؤ جس کا یہ انداز ہو کہ وہ اس انداز سے اسلام کو سوچ سکتا ہے، حوالہ دیا جاتا ہے کہ علامہ اقبال نے یہ بات کہی تھی میں کہتا ہوں کہ انہوں نے سچ فرمایا تھا لیکن کیا اقبال یہ بات جائز سمجھیں گے؟ کہ ایک کسان جو زمین میں ہل چلا رہا ہے وہ انگریزی قانون کی تعبیر کرنے کے لیے عدالت میں پہنچ جائے اور جج اسے کہے ٹھیک ہے تو قانون کی تعبیر کر؟

ہر فن میں ماہرین کام آتے ہیں، جو انگوٹھا چھاپ ہے اور اس کے پاس بہت ساری جاگیر ہے اس کے پاس ووٹوں کی ایک بنیاد ہے وہ چار چھ سالوں کے بعد جائز یا ناجائز ذرائع سے اسمبلی میں آجاتا ہے، اور جس انداز سے وہ اسمبلی کی کاروائی چلاتا ہے اسے دیکھ کر شیطان بھی کہتا ہے کہ ہم فارغ بیٹھے ہیں، اب یہ ساری ڈیوٹی بھگتانے کے لیے ہماری اولاد میدان میں اتر آئی ہے، تو کیا اسلام ہی ایک ایسا گھر رہ گیا ہے جس گھر کو تباہ کرانے کے لیے اسلام کی باگ ڈور ان ڈاکوؤں کے ہاتھ میں دینا چاہتے ہیں، بہر حال زمانہ جاہلیت کے ان نظریات کی اسلام نے تردید کردی، کہ آپ وراثت میں وصیت کر سکتے ہیں، لیکن وصیت اس آدمی کے لیے نہیں کر سکتے، جسے اسلام نے مال کا حصہ دار بنا کر وارث قرار دیدیا ہے۔ مثلاً بیوی کے حق میں وصیت نہیں ہوسکتی، بچوں کے حق میں وصیت نہیں ہوسکتی، ہر وہ رشتہ دار جس کا اسلام نے حصہ مقرر کردیا ہے اس کے لیے وصیت نہیں ہوگی، پھر پابندی لگادی کہ زیادہ وصیت تیسرے حصے کی ہوسکتی ہے، سرکار علیہ السلام ایک صحابی کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے، غالباً وہ فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے، عرض کی، میں بہت بیمار ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موت آنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنی ساری جائیداد کی وصیت غرباء کے لیے کر جاؤں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا، کہ آپ وارثوں کو بے بس چھوڑ جائیں اور دوسرے لوگوں کے لیے وصیت کر جائیں، عرض کی پھر آدھے مال کی وصیت ہو جانی چاہیے، فرمایا یہ بھی نہیں ہوسکتا، پھر عرض کی تیسرے حصے کی اجازت دیں فرمایا! ''الثلث والثلث کثیر'' تیسرے حصے کی وصیت کر سکتے ہیں، لیکن تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے۔

ہمارے مفسرین نے فرمایا کہ مثلاً تیسرا حصہ اگر تینتیس فیصد ہے تو اسے بتیس میں تبدیل کردیں، اکتیس یا تیس میں تبدیل کردیں، یعنی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کی فرمانبرداری ہو اتنی بات ارشاد فرمانے کے بعد حضرت سعد پر نگاہِ نبوت

پڑی ہے، تو فرمایا، سعد ابھی تو نے زندہ رہنا ہے، اللہ نے تجھ سے ایک بہت بڑا کام لینا ہے، کچھ لوگوں کو تیری وجہ سے عظمت ملے گی، کچھ لوگوں کو تیری وجہ سے اقتدار سے محروم ہونا پڑے گا، واضح رہے کہ حضرت سعد ایران پر حملہ کرنے والی فوج کے کمانڈر تھے، ان کی وجہ سے ایرانی حکومت کا اقتدار گیا، اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے عظمت عطا فرمائی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

تم پر فرض کیا گیا ہے، جب آجائے تم میں سے کسی کو موت اگر وہ پیچھے مال چھوڑ کر جا رہا ہو، ماں باپ اور سب قریبی رشتہ داروں کے لیے

وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۰﴾

معروف جانے پہنچانے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں کا حق ہے ۱۷۱

۱۷۱ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی قانونِ وراثت کی طرف پہلا قدم اٹھا، ابھی شرعی حصے مقرر نہیں ہوئے تھے چوتھے پارے میں اس کی تفصیلات آئی ہیں، ایک رکوع پر میراث کا ایک مستقل فن قائم ہے، اور انشاء اللہ چوتھے پارے میں جا کر اس پر بحث کریں گے، اب ایک سوال ہے کہ جس کے سامنے آپ نے وصیت کی ہے بعد میں وہ اسے بدل دیتا ہے تو اس کا تدارک کیسے ہو؟ قرآن پاک نے جواب دیا!

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ

جو اسے بدل دیتا ہے سننے کے بعد تو اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہے جو اسے تبدیل کرتے ہیں،

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸۱﴾

بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۱۷۲

۱۷۲ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس دور کے معاشرے میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو پرانی راہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، کہ وصیت ہو تو اس میں وارث شریک نہ ہوں، بلکہ غیروں کو شریک کیا جائے، تاکہ لوگ ہمیں سخی کہہ سکیں، وہ ایسے چھوڑنا نہیں چاہ رہے تھے، تو قرآن پاک نے اس کی تردید کی اور بطور تنبیہ فرمایا۔ کہ جب وہ بندہ وصیت کر رہا تھا تو اسے اللہ سن رہا تھا، تمہاری ردوبدل سے نقصان صرف تمہاری ذات کو ہوگا، بعد میں معاشرے میں لوگوں نے دیکھا کہ کوئی بندہ بگاڑ پیدا کر رہا ہے تو زندہ لوگوں کا کیا کام ہے فرمایا!

Marfat.com

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع

جسے وصیت کرنے والے کی طرف سے ڈر ہے، کہ وہ ایک طرف جھک جائیگا، یا گناہ میں مبتلا ہو جائے گا، اس نے وصیت کرنے والے اور جن کے حق میں وصیت ہو رہی تھی ان میں صلح کرا دی، تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے یقیناً اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے ۳۱۷

۳۱۷ مطلب یہ ہے کہ ابھی وصیت کرنے والا پھر بھی اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر اسی پرانے انداز کو اپنانا چاہتا ہے اور وصیت میں جانبداری کر رہا ہے۔ جنف کا لفظی معنی ہے ایک طرف جھک جانا۔ اثما کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ اب اس قسم کی وصیت نہ کرو، پھر وہ ایسی وصیت کرتا ہے تو یہ گناہ کی بات ہے وہ ان کے درمیان اگر صلح کرا دیتا ہے کہ آپ ایسی وصیت نہ کریں، مرنے والا مر رہا ہے آپ اس کے قریب بیٹھ کر دلجوئی کریں تو فرمایا یہ اچھی بات ہے اللہ بخشنے اور رحم فرمانے والا ہے، معاشرے کی بنیاد رحم اور بخشش پر ہونی چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلوں پر فرض کر دیئے گئے تھے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۳﴾

تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۳۱۸

۳۱۸ اے ایماندارو! کتب کا لفظی معنی ہے کہ لکھ دیا گیا ہے، ''علیکم'' تم پر۔ ''الصیام'' صوم کی جمع معنی ہے روزے۔ صیام اگر مصدر آ جائے تو معنی ہوگا روزہ رکھنا یہاں دونوں معنے کیے جا سکتے ہیں، با محاورہ ترجمہ! ''تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں'' ''کما'' جیسا کہ۔ ''کتب'' فرض کیے گئے تھے'' علی الذین '' ان لوگوں پر، ''من قبلکم'' جو تم سے پہلے تھے۔ اب یہاں من کا ترجمہ نہیں ہوگا، ہر زبان کا اپنا اپنا سٹائل ہوتا ہے عربی میں 'من' ہے مگر یہاں اردو میں اس کا متبادل نہیں لایا جائے گا۔

اے اہل ایمان تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں، یا تم پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا ہے، جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا ہے، جو تم سے پہلے تھے، اس جگہ اس جملے نے اشارہ کر دیا کہ یہود و نصرٰی بھی روزہ رکھتے تھے، اور جب آپ تقابل ادیان میں آتے ہیں تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ بے شمار ایسے مذاہب جو آسمانی مذاہب نہیں ہیں، خواہ آسمانی مذاہب کی نقل کرتے ہوئے یا روزے کے فائدے کے پیش نظر ان لوگوں نے بھی روزے رکھے ہیں مثلاً ہندوؤں کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے اسی طرح ایران میں قدیم کتابیں، ژند، پازند اور اوستا میں بھی روزوں کا ذکر ہے جدید طبی تحقیق میں فائدہ یہ نظر آتا ہے کہ انسانی جسم کے وہ فاسد

مادے جو غذا کی کثرت، بے احتیاطی یا غلط غذا سے جسم میں پیدا ہو جاتے ہیں ان سب چیزوں کو معدہ اس وقت جلا دیتا ہے اور اپنی گرمی سے جلاتا ہے، اس وقت جب کہ خالی ہو۔ لہذا معدے کے خالی رکھنے کو قدیم و جدید ''اطباء'' نے تسلیم کیا ہے۔

روزے کا فائدہ کیا ہوگا؟ فرمایا! **"لعلکم تتقون"** تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو، تقویٰ کیسے آئے گا، آپ کی توجہ اس کی طرف ہوگی اس کا حکم مانتے ہوئے اور جب حکم مانتے ہوئے توجہ الی اللہ کی جاتی ہے تو اس کا ثمرہ تقویٰ ہوا کرتا ہے، دوسری باتیں جو شاید حلال تھیں ان پر وقتی پابندی لگا دی ہے، آپ کھا بھی اور پی بھی سکتے تھے، مگر اس پر پابندی لگ گئی، اور آپ نے حلال چیزوں سے بچنا قبول کر لیا معلوم ہوا کہ یہ اطاعت کیشی کی ایک انتہائی بات ہوگی اور اس صورت میں انسان لازماً کمال کو پالیتا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے قریب تر اس حال میں ہوتا جاتا ہے، کہ وہ اپنی ذات کو اللہ کریم کی صفات کے انعکاس والے پردے میں ڈھال لے اور یہ معراج انسانیت ہے، اللہ کھانے پینے، سونے سے پاک ہے، آپ روزے کی حالت میں کھانا پینا بند کر دیں گے، اگر اللہ توفیق بخشے تو رات کو شب بیداری کریں، جب یہ انداز اپنالیں گے تو اللہ تعالیٰ کی یہ صفات آپ نے اپنے اندر لانے کی کوشش کی، تو وہ کرم کے دروازے کھول دے گا، پھر آپ کو تقدس ملے گا، جسے تقویٰ کہتے ہیں، اب چونکہ انسانی فطرت ہے کہ وہ تھوڑی تھوڑی بات پر تنگ پڑ جاتا ہے، انسان جلد باز ہے اس فطرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا! کہ گھبرا نہیں۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى

یہ گنتی کے چند دن ہیں، پس اگر کوئی تم میں مریض ہو یا سفر میں ہو تو وہ گنتی کر لے اور دنوں کی (رمضان کے بعد) جو لوگ اس کی

الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ

استطاعت رکھتے ہیں (روزے کی اور رکھیں نہ) تو وہ ایک مسکین کا فدیہ کر دیں، اور جو خوشی سے نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے، اور تم

تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

روزہ رکھ لو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ۵۷

۵۷ **"ایام معدودات"** یہ گنتی کے چند دن ہیں، انتیس یا تیس ہوں گے، جو رب تعالیٰ تجھے پورا سال کھلاتا پلاتا ہے اسی رب تعالیٰ کے فرمانے پر تو انتیس یا تیس دن باز نہیں آ سکتا؟ جس کے بعد تجھے تقویٰ کی دولت لازوال ملنے والی ہے، یہاں اس قاعدے میں استثنا موجود ہے، یعنی قاعدہ تو ہے لیکن کچھ چیزوں پر وہ لاگو نہیں ہوتا، کن کن چیزوں پر لاگو نہیں ہوتا؟ فرمایا! **"فمن کان منکم مریضا"** ۰ تم میں سے اگر کوئی بیمار ہے۔ ''او علی سفر'' یا سفر میں ہے۔ '' **فعدۃ من ایام اخر**'' وہ گنتی

کرلے اور دنوں کی یعنی بیماری اور سفر کی حالت میں روزہ اٹھا دیا گیا ہے لیکن یہ ہمیشہ کے لیے معاف نہیں ہے، بیماری اور سفر کے بعد روزہ پورا کرنا ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ بیماری کی حدود و قیود کیا ہیں؟ مختصر بات یہ ہے ایک آدمی نے بار بار سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپ نے فرمایا!"استفت قلبک "اپنے دل سے پوچھ۔ دل آپ کے لیے بہترین مفتی ہے۔ آپ روزہ رکھ کے دوران بیماری اسے پورا کرسکتے ہیں تو آپ کو لازماً روزہ رکھنا چاہیے، اور دل کا یہی فتویٰ ہونا چاہیے، لیکن اگر آپ روزے کی تکمیل نہیں کرسکتے، بیماری میں اضافہ یا ہلاکت ہوسکتی ہے۔ یہ دو شرطیں ہیں، جو روزہ چھوڑنے کے لیے قانون دان یعنی فقہاء اسلام نے بیان کی ہیں، اب یہاں ایک اور مسئلہ جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! یا فقہاء امت نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس اشارے سے مسئلے کو اخذ کیا، وہ ہے کہ آپ روزے نہ رکھتے ہوئے فوت ہوجاتے ہیں، اسی طرح بیماری میں نمازیں پڑھ رہے ہیں مگر ایک وہ سٹیج آئی کہ آپ اشارے سے بھی نماز نہیں پڑھ سکتے، نماز وقتی طور پر اٹھ گئی ہے کہ نماز نہ پڑھیں مگر صحت یابی کے بعد آپ ان نمازوں کی قضا کریں گے، لیکن آپ اٹھے نہیں کہ وصال ہوگیا، اس صورت میں کیا نوعیت ہوگی، اسلام نے دو باتیں واضح کی ہیں، ایک تو یہ کہ "رحمۃ للعلمین" کا مظاہرہ ہوا، کہ آخرت میں ان کے بارے میں مواخذہ نہیں ہوگا، دوسری بات یہ کہ آپ کے وارثین اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ ہر روزے اور نماز کا معاوضہ دیں، معاوضہ کیا ہو؟ قرآن پاک نے اشارہ کیا اس کی سرکار علیہ السلام نے وضاحت فرمادی، کہ دو کلو وزن معاوضہ ہے، چاہیں تو آٹا دے دیں چاہیں تو اس کی رقم یہ معاوضہ ایک روزے، اور ایک فرض نماز کا ہے، سرکار علیہ السلام نے اپنی سنتوں کے لیے اپنی امت سے کوئی معاوضہ طلب نہیں فرمایا، مگر اتنا ضرور فرمایا کہ اگر قیامت کے دن تمہارے فرائض کم ہوگئے تو میں رب تعالیٰ سے تمہاری پڑھی ہوئی سنتیں فرض بنوا کے تمہاری مغفرت کا بندوبست کرلوں گا، بہرحال نیکی کی تلقین فرمائی گئی ہے، کہ جب کسی عذرِ شرعی کے تحت آپ روزہ افطار کرلیں، تو آپ اس کا فدیہ دیدیں، اور بعد میں روزے بھی رکھ لیں تو یہ نیکی ہے، اسی کو آگے قرآن پاک نے بیان فرمایا!

"وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین" ٥ مفسرین نے اس کے دو معنی کیے ہیں تیسرا معنی میری تحقیق کا نتیجہ ہے، ایک گروہ نے کہا کہ یہ ابتدائے اسلام کی بات ہے کہ اس وقت لوگوں کو روزے کا عادی بنانے کے لیے اختیار دیا گیا تھا، کہ چاہیں تو روزہ رکھیں چاہیں تو ایک مسکین کو فدیہ دیدیں، آگے چل کر یہ حکم منسوخ ہوگیا، اس پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ اگر اس کا یہ ترجمہ کیا جائے کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کا کھانا دیدیں، یہ حکم منسوخ ہوگیا، اگلی آیت اسے منسوخ کرتی ہے، لیکن جو لوگ اسے منسوخ نہیں سمجھتے ان کے نزدیک یہ ہے کہ امت میں بہت سارے ایسے عظیم مجتہد گزرے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ جتنی بھی کم آیتیں نسخ کی زد میں آتی ہیں اتنا بہتر ہوگا، انہوں نے اس کے لیے مختلف اصول وضع کیے جو

اب اس انعام کی تھوڑی سی وضاحت کردوں تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے۔لفظ نعمت جس سے یہ انعام بنا ہے اس کا لفظی معنی یہ ہوتا ہے کہ ایسی حالت کا تعین ہو جانا جس سے انسان کو لطف محسوس ہو، وہ انعام ہے۔تو اب اللہ کریم کی نعمتیں بھی بے شمار ہیں جس طرح ہدایت کے درجے بے شمار ہیں۔قرآن پاک کا ارشاد ہے!''اگر تم اللہ کریم کی نعمتوں کو گننے بیٹھو تو نہ شمار کر سکو گے''۔اصل بات یہ ہے کہ یہ افکار کی دنیا ہے اس میں ہمیں خود چلنا ہوتا ہے،کبھی تنہائی میں بیٹھ کے اپنے وجود پر آج تک جتنی باتیں بیتی ہیں اللہ کریم کے انعام کی شکل میں ان پر غور کریں تو اللہ کی رحمتوں کا احساس ہوتا ہے۔ نعمتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔

۱۔دنیوی ۲۔اخروی

دنیوی نعمتوں کی پھر مزید دو قسمیں ہیں۔ایک وہ ہیں جو اللہ کریم نے آپ کو عطا فرمائی ہیں۔دوسری وہ ہیں جن کو آپ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو استعمال کر خود کمانے کی کوشش کرتے ہیں۔پہلے گروہ کی نعمتوں کو۔موھبی نعمتیں کہتے ہیں اور دوسرے گروہ کی نعمتوں کو کسبی نعمتیں کہا جاتا ہے۔تو جو اللہ کی طرف سے نعمتیں ملی ہیں ان کی پھر دو قسمیں ہیں:۔

روحانی نعمتیں جیسے آپ کے اندر روح کا پھونکنا،عقل عطا فرمانا،جسمانی قوتیں عطا فرمانا،فکری صلاحیتیں عطا فرمانا۔یہ ساری باطنی نعمتیں ہیں۔روحانی نعمتوں کا تعلق روح سے ہے،جسمانی نعمتوں کا تعلق جسم سے ہے۔جیسے بدن کا عطا ہونا اور پھر بدن کے اندر جو قوتیں عطا ہوئی ہیں،صحت کا ہونا،جسمانی کیفیات۔خوشبو سونگھنے کی قوت،دیکھنے کی قوت،سننے کی قوت،زبان سے بولنے اور ذائقہ چکھنے کی قوت۔انسان جب ان پر غور کرتا ہے تو اپنے آپ کو لازماً اللہ کریم کا مکمل انعام سمجھے گا۔اب یہ تھیں روحانی نعمتوں کی قسمیں اب جو نعمت کما کے لینی ہے وہ کیا ہے؟نفس کو پاک کرنے کے لیے تجزیہ کرنا،بری عادات کو چھوڑنا،ایسے کاموں سے منہ موڑ لینا جو اللہ اور رسول ﷺ کو پسند نہ ہوں اور پھر اپنے آپ کو اس راستے پر چلانا،پوری ہمت سے کام لینا کہ غلط

آگے چل کر بیان ہوں گے، بہر حال جن لوگوں نے کہا کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کو عادی بنانے کے لیے اختیار دیا گیا تھا، وہ یہ دیکھتے ہیں بخاری شریف میں ہے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نماز پڑھ رہا ہوں تم بیٹھ کے سنتے رہو، دوسری جگہ فرمایا کہ باوضو ہو کر بیٹھا کرو، تیسرے مرحلے پر فرمایا کہ میرے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہو جایا کرو، جیسے میں کرتا ہوں ایسا ہی کرو، یہ نماز کے اندر تدریجی ارتقاء تھا، ان کا خیال ہے کہ روزے میں بھی تدریجی ارتقاء تھا، مگر اصل بات یہ ہے کہ جب لوگ عادی بن گئے تو چاہو، والی بات ختم کر کے کہا گیا کہ جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ بہر صورت روزہ رکھیں کہ اس پر ساری امت کا اجماع ہے، شاہ ولی اللہ، امام غزالی، علامہ ابن تیمیہ۔ ان حضرات نے کوشش کی کہ کم سے کم آیتیں منسوخ ہوں انہوں نے یہاں ایک معنیٰ کیا، کہ جن کے لیے روزہ رکھنا مشکل ہو وہ ایک مسکین کا کھانا دیں، ان بڑے محققین کی عظمتوں کو سلام لیکن یہ معنیٰ کرتے ہوئے مجھے عربی زبان سے کوئی دلیل نہیں مل سکی، کہ جن لوگوں کے لیے روزہ اگر مشکل ہو تو وہ فدیہ دیں، یہ تو ٹھیک ہے کہ یہ معنیٰ کرنے کے بعد اسے منسوخ نہیں کہنا پڑے گا لیکن اس کے لیے کوئی دلیل نہیں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں۔

اب آیئے تیسرے ترجمے کی طرف کہ عربی گرائمر میں ایک بابِ افعال ہے، یہ لفظ باب افعال سے ہے، اس کا مصدر ''اطاقۃ'' ہے اور باب افعال کی ابتداء میں جو ہمزہ ہے وہ کبھی کبھی سلب ماخذ کے لیے آتا ہے، سلب ماخذ کا مطلب یہ ہے کہ جس سے یہ لفظ بنا ہے، اسے نکالو، اور پھر اس کی نفی کر دو، اس کا ماخذ ہے قوت، اس سے بنا ہے اطاقت۔ اب جب اطاقت کا ہمزہ کہے گا کہ ماخذ کو سلب کر دو تو معنیٰ بن جائے گا، وہ لوگ جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں، وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں، اب یہ معنیٰ اگلی آیت کا بھی ہو جائے گا اور قرآن پاک کی اس آیت کو منسوخ کہنا نہیں پڑے گا، ایک اور قاعدہ ذکر کیا۔ **"فمن تطوع خیراً فھو خیر لہ"** ٥ جو خوشی سے زیادہ نیکی کرتا ہے۔ تطوع کا معنیٰ ہے فرض سے بڑھ کر مزید بات کر دینا، اسی لیے اس کا معنیٰ نفل ہے، اور قرآن پاک کے اسی لفظ سے ان کے لیے تطوع کا لفظ بولا گیا ہے۔ ارشاد ہوا جو زیادہ نیکی کرنا چاہتا ہے، تو وہ نیکی اس کے لیے بہتر ہے، اب پیچھے باتیں جو ذکر ہوئی ہیں، ان سب میں زیادتی ہو گی، یہ وہ باتیں ہیں جو سادہ ترجمے میں نہیں آیا کرتیں، باتیں کون سی ذکر ہوئیں، مریض ہو تو روزہ چھوڑ دے اب زیادہ نیکی یہ ہے کہ مریض ہے تو روزہ رکھ لے۔ یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ مسافر ہو تو روزہ چھوڑ دے، زیادہ نیکی یہ کہ مسافر ہو تو روزہ رکھ لے، آگے بات یہ تھی کہ طاقت نہیں ہے تو ایک مسکین کا فدیہ دے لیکن ہمت کرتا ہے اور طاقت نہ ہوتے ہوئے بھی جہاد بالنفس کرتے ہوئے روزہ رکھ لیتا ہے، تو یہ اس کے لیے بہتر ہے، یعنی پہلی جن باتوں میں اجازت تھی اس اجازت میں آپ اضافہ کریں گے، تو بہتر ہے یہ تو قرآن پاک کا مفہوم ہے اسے اصول کی زبان میں دلالت النص کہا جاتا ہے۔ رمضان میں جو اجازتیں ہیں ان سے ہٹ کر بات سوچیں، کہ روزہ تو فرض تھا وہ انتیس یا تیس دن ہیں، لیکن آپ اس میں اضافہ کر دیتے ہیں، یعنی ہر مہینے میں جس طرح سرکار علیہ

السلام نے فرمایا کہ میں جو روزے رکھتا ہوں تم بھی سنت سمجھ کر رکھ لیا کرو، کبھی چاند کے پہلے دس دنوں میں کبھی دوسرے کبھی تیسرے دس دنوں میں، فرمایا اسلام میں ہر نیکی کا بدلہ کم سے کم دس گنا ہے، رمضان کا پورا مہینہ روزے رکھے تو دس مہینے کا ثواب مل گیا، اب اگر باقی تین تین روزے ہر مہینے میں رکھتے جائیں گے تو گویا یہ سارے زمانے کے روزے ہیں، لیکن سرکار علیہ السلام نے ایک اور طریقہ بتایا کہ روزے رکھ کے آپ کو عادت بن گئی ہے، تو شوال میں چھ روزے رکھ لیں، ان چھ کو دو مہینوں کے قائم مقام ہو جانا پڑے گا، چونکہ ہر نیکی کا دس گنا ہے، اور چھ روزوں کے ساٹھ دن بن جاتے ہیں امام مالک فرماتے ہیں کہ جس نے یہ چھ روزے رکھ لیے یہ جانیں کہ وہ سارا زمانہ روزے دار تھا، یعنی سرکار علیہ السلام کے صدقے اللہ تعالیٰ نے کتنی چھوٹ دی ہے، سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم عشاء کی نماز باجماعت پڑھ لو، واپس آ کر سو جاؤ، اور صبح کی نماز بھی باجماعت پڑھ لو تو میں اللہ تعالیٰ سے ساری رات کی نیکیاں لکھوا لوں گا، اب آپ اندازہ لگائیں کہ جو لوگ باہمت نہیں تھے، ان کے لیے بھی میدان وسیع چھوڑا، اور جو ہمت والے تھے، حضرت عبداللہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں آدھی رات تک کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہتا ہوں، فرمایا اگر اسے ساری رات میں تبدیل کر دے تو کتنی اچھی بات ہے، دیکھا ہمت والوں کے لیے یہ بات تھی، اور ہم جیسے بے ہمت لوگوں کے لیے وہ جو اوپر عرض کر چکا ہوں، اب رمضان کی ایک عظمت آئی کہ باقی سب مہینے چھوڑ کے رمضان کے صرف روزے کیوں رکھیں؟ انہیں مختلف مہینوں میں بدل جانا چاہیے تھا، اور ایسا رواج عربوں میں موجود تھا، وہ رجب کی حرمت کو باقی مہینوں میں بدلتے رہتے تھے، جواباً فرمایا رمضان کی عظمت یہ ہے کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو ہدایت ہے لوگوں کی، اور واضح نشانیاں ہیں ہدایت کی، اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے

مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۖ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ

، پس جو بھی تم میں اس مہینے میں حاضر (گھر میں) ہو تو اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے، اور جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں

الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

میں اسکی گنتی پوری کر لے، اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم پر آسانی کرے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کرے، (یہ آسانی) اس لیے کہ تم روزوں کی گنتی پوری کر لو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت دی اور

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

تاکہ تم شکر کرو ۲۷ع

"**انزل فیہ القرآن**" اس میں قرآن پاک اتارا گیا۔ اترنے کا یا تو آغاز ہوا، یا لامکان سے مکان کی یعنی آسمان کی طرف قرآن کا اجتماعی نزول ہوا۔ وہاں سے پھر چھوٹے چھوٹے ٹکروں میں سرکار علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں جناب جبرائیل علیہ السلام اللہ کے حکم ۶۷ کے مطابق پیش کرتے رہے، قرآن کیا ہے؟ "**ھدی للناس**" یہ ساری دنیائے انسانیت کے لیے ہدایت ہے، یہاں لفظ مسلمان قرآن نے استعمال نہیں کیا، صرف امت سرکار علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا، اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسے دنیائے انسانیت کا ہادی بنانے کے لیے آگے بڑھتے ہیں یا بقول اقبالؒ! کہ

کہ از یسین اور آساں بمیری

اگلی بات یہ ہے کہ اس میں واضح نشانیاں ہیں دو باتوں کی۔ ایک ہدایت کی اور دوسری حق اور باطل میں تمیز کرنے کی۔ یہ ہدایت کی نشانیاں واضح رکھتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اتنی لچک ہے کہ ہر دور کے مصائب اور مشکلات اور ان کا جواب اس کے اندر سے حاصل ہو جاتا ہے، اگر کسی دور میں یہ مختلف مسائل کا حل نہ نکالے تو ہدایت کس بات کی۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ ترجمان قرآن ایسی لگن رکھیں کہ کسی مسئلے پر لاینحل نہ فرمائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حق و باطل کو مل کر رہنے نہیں دیتا، وجہ یہ ہے کہ آپ کے پاس ایک ٹن پاک پانی ہے، اس میں دو تین قطرے آپ گندگی کے ڈال دیتے ہیں تو وہ سارا پانی آپ کی طبع سلیم استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گی، تو بھلا قرآن پاک کی طبیعت اس بات کو کب تسلیم کرتی ہے کہ وہ نور، ہدایت، روشنی ہو۔ اور ہدایت کے ساتھ چھوٹی سی گمراہی مل جائے، نور کے ساتھ تھوڑا سا اندھیرا بھی مل جائے۔ اس بات کو قرآن برداشت نہیں کرتا، لہٰذا یہ قرآن پاک کسوٹی ہے، ف، ر، ق، جہاں بھی عربی میں آجاتے ہیں وہ الگ کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً سر کی مانگ کو مفرق کہا جاتا ہے کہ بال دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں جو حق و باطل کو اکٹھا نہ رہنے دے، اور اپنی قوت عقلی سے قوت بازو سے انہیں الگ الگ کر کے رکھ دے اسے فاروق کہتے ہیں، اور جب وہ امت کا قائد بن جائے تو فاروق اعظمؓ بن جایا کرتا ہے۔

"**فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ**" o تم میں سے جو اس مہینے میں موجود ہو یا اسے علم ہو، اب موجود ہونے کے ساتھ جاننا ضروری ہے، اور آمد رمضان کا علم ہو۔ "**فلیصمہ**" امر کا لفظ ہے، کہ ہر حال میں روزہ رکھنا ہے، اب پتہ چلا کہ اوپر والی دو شقیں باقی رہ گئی ہیں، ایک بیمار اور دوسرا مسافر۔ وہ طاقت والا مسئلہ ختم ہو گیا، لہٰذا وہ معنی ٹھیک بیٹھے گا، جو میں نے باب افعال کے ہمزے کو سلبی قرار دے کر معنی درست کر دیا تھا، "ومن کان مریضا" اس حکم کو پھر دھرایا۔ کہ گھر میں جو موجود ہے یا اسے رمضان کا علم ہو گیا ہے، اس نے ہر حال میں روزہ رکھنا ہے، تو کیا اوپر مریض والی بات ختم تو نہیں ہو گی؟ تو فرمایا نہیں، "ومن کان مریضا او علی سفر" ہاں کوئی اگر مریض ہے یا سفر میں ہے، تو اسے اور دنوں کو گن لینا ہو گا، یہ حکم دے کر ایک قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا!

"یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ" o تو اسے اور دنوں کو گن لینا ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے تمہارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔

اسلام آسانی کا مذہب ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ ان کی قوت سے یہ بات نکلتی جا رہی ہے، تو اجازت دے دیتا ہے، آسانی سے فائدہ تو اٹھالیا لیکن بعد میں گنتی کو پورا کرنا ہے۔

اسی کے گن گاؤ، جس نے تمہیں سیدھا راستہ دکھادیا ہے، یہ خصوصاً رمضان میں ضروری ہوگا، اسی لیے سرکار علیہ السلام نے اسے تین حصوں میں تقسیم فرمادیا، پہلے دس دن، دوسرے دس دن، تیسرے دس دن، اور اہل اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے دس دن زیادہ کلمہ طیبہ کا ورد کرو، دوسرے دس دنوں میں درود کی کثرت ہو۔ آخری دس دنوں میں استغفار کی کثرت۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے کئی طریقے ہیں، آپ ادھر جاسکتے ہیں، کیا اللہ کا قانون نافذ ہے؟ اگر نافذ نہیں ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس کے قانون کو ہر قانون پر غالب کردیا جائے، پھر اس کے بعد آپ کی تطہیر قلبی کی بات آتی ہے، پھر تطہیر معاشرہ پھر اس تطہیر کو ساری دنیا میں پھیلانے کی بات آتی ہے، روزے کا اگلا فلسفہ یہ ہے کہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔ "ولعلکم تشکرون" شکر گزاری کا انداز یہ ہے کہ دن کو آپ نے روزہ رکھا ہے، اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے یہ توفیق دی ہے، افطاری کے وقت بھوکے پیٹ میں نوالہ گیا ہے، تو آپ نے شکر ادا کیا، شکر کے بے شمار طریقے ہیں، جب کوئی اس راستے پر چلتا ہے، تو انسان کی فطرتِ سلیمہ بے شمار راستے کھول دیتی ہے، پھر جب سرکار علیہ السلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں، تو سرکار علیہ السلام نے کوئی جز، چھوڑی ہی نہیں جسے بیان نہ فرمایا ہو۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

اور جب آپ ﷺ سے سوال کریں میرے بندے میرے بارے میں تو آپ ﷺ انہیں فرمادیں کہ میں تو بہت ہی قریب ہوں میں جواب دیتا ہوں پکارنے والے کی پکار کا جب وہ مجھے پکارتا ہے،

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

تو انہیں چاہیے کہ میرا کہا مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پالیں ۷۷؎

۷۷؎ جواباً فرمایا! "واذا سالک عبادی یارسول اللہ سلم اللہ علیک"۔ جب آپ سے سوال کریں، میرے بندے۔ عنی میرے بارے میں کہ رب کریم کدھر ہے، فانی قریب آپ انہیں فرمادیں، کہ میں بہت ہی قریب ہوں، اللہ تعالیٰ کی محبت آپ کے دلوں میں ہے، وہ معبود ہے کائنات کو چھوڑ کے آپ کا رخ اسی کی طرف ہے، راستے میں بے حد مشکلات ہیں، مثلاً جہاد میں دنوں کے حساب سے کھانے کو کچھ نہیں ملتا، تو یقین جانیے جب ادھر سے یہ آواز آئے گی۔ ''انی قریب'' تو یہ ساری مشکلات

Marfat.com

آسانیوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔فرمایا میں محبوب کے صدقے میں تمہارے ساتھ ہوں، قریب ہوں، یہ صدقے کا لفظ بعض ماتھوں پر بل پڑنے کا موجب بنتا ہے، سوال: کیا ہم روزے رکھ کے تراویح پڑھ کے اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں؟ آیئے اس ترجمے پر غور کریں، فرمایا "سائل" محبوب جب آپ سے سوال کریں تو پھر میں قریب ہوں، اگر آپ سے نہ پوچھیں تو بے شک راستہ بھٹکتے پھریں، قریب تبھی ہوں کہ آپ سے پوچھیں۔

"اجیب دعوة الداع" پکارنے والے کی پکار کو میں سنتا ہوں، **"اذا دعان"** جب وہ مجھے پکارتا ہے۔

"فلیستجیبو لی" چاہیے کہ وہ میری بات مانیں۔**"ولیؤ منو بی"** اور مجھ پر ایمان لائیں۔**"لعلهم یرشدون"** تا کہ ہدایت پر پہنچیں۔ہدایت کے دو قاعدے بنے۔۱۔اللہ کی بات ماننا۔۲۔اور اس پر ایمان لانا۔سابقہ شریعتوں میں ایک قاعدہ تھا، جس کی تشریح ترجمے کے بعد کروں گا۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ

تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا جائز قرار دے دیا گیا ہے وہ تمہارا لباس (پردہ پوشی) ہیں اور تم ان کا لباس

اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ

ہو، اللہ کو پتہ ہے کہ تم اپنی جانوں سے خیانت کرتے تھے (اپنے آپ سے کوتاہی برتتے تھے) اس نے تم پر نظر کرم فرمائی ایسی لغزشوں کو اس

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ

نے معاف کر دیا، اب تم اپنی خواتین کے ساتھ جنسی انداز سے رہ سکتے ہو اور جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھا ہے (اولاد) اسے تلاش

الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ

کر سکتے ہو، اور کھاؤ اور پیو کہ صبح کی پو جو پہلے سیاہ تھی وہ سفید تمہارے سامنے واضح ہو جائے، پھر تم نے اس روزے کو رات کے آنے تک

عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ

پورا کرنا ہے اور ان سے مباشرت نہ کرو جب مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں ہو یہ اللہ کی حدیں ہیں پس ان کے قریب نہ جانا

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اسی طرح اللہ بیان کرتا ہے اپنی آیات لوگوں کے لیے تا کہ وہ متقی بن جائیں

احلّ لکم لیلة الصیام الرفث الیٰ نسآء کم " تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی خواتین کا قرب جائز ہے۔اس لیے کہ۔**"هن لبا س لکم انتم لباس لهن "** وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔

قاعدہ یہ تھا کہ ان کے ہاں جب روزے ہوتے تو جنسی رابطہ ان کے لیے بالکل ممنوع ہوتا تھا، دوسری بات یہ تھی کہ رات کو ایک دفعہ سو کر جاگ گئے ہیں تو اس کے بعد کھانا ممنوع ہوتا تھا، خواہ نماز مغرب کے بعد ہی جاگ جائیں، اب ایک صحابی مزدوری کر کے گھر پلٹے، سارا دن محنت کے مارے جونہی لیٹے تو آنکھ لگ گئی، بیوی تنور گرم کر کے روٹیاں پکا رہی تھی، جب روٹی تیار کر کے آئی تو جگایا، اب چونکہ کھا تو سکتے نہیں تھے، اگلے دن کا روزہ بھی اسی طرح رکھا، اگلی شام کو پھر وہی حادثہ پیش آیا، تو اللہ کریم نے رات کو جاگ کر کھانا، نہ کھانے والی بات ختم کر دی، اس کی ایک حد متعین فرما دی۔ دوسرے جنسی سلسلے میں بھی افطاری سے لے کر طلوع فجر تک اجازت دے دی۔ **"ھن لباس لکم انتم لباس لھن"** اسلامی معاشرت کا اس ایک فقرے نے نقشہ کھینچ دیا ہے، لباس ہوتا کیا ہے، لباس تین غرضوں کے لیے ہوتا ہے۔ ۱۔ وہ پردہ ہے۔ ۲۔ اس سے زینت ہے۔ ۳۔ اس سے راحت ہے۔

مرد عورت کو ایک دوسرے کا لباس قرار دینے میں یہی تین اغراض کارفرما ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بات مرد میں نہیں ہے تو وہ قصوروار ہے، وہ لباس نہیں، یہی بات عورت کے لیے ہے، اللہ کریم جل شانہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیک وسلم کو حکم ملا کہ آپ نے لباس کو پاک رکھنا ہے، اس کا نتیجہ میں نے یہ اخذ کیا کہ کوئی ناپاک خاتون سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت میں آ ہی نہیں سکتی، اس بات کو ذہن میں اتار لیں تاکہ امہات المومنین کی عظمتیں کھل کر سامنے آ سکیں، آگے چلیں۔ **"علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم"** اللہ کو پتہ ہے کہ تم اپنی جانوں سے خیانت کرتے تھے، اپنے آپ سے کوتاہی برتتے تھے۔ **"فتاب علیکم"** اس نے تم پر نظر کرم فرمائی۔ **"وعفا عنکم"** ایسی لغزشوں کو اس نے معاف کر دیا۔ **"فالئن باشروھن"** اب تم خواتین کے ساتھ جنسی انداز سے رہ سکتے ہو۔ **"وابتغوا ما کتب اللہ لکم"** اور جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھا ہے اسے تلاش کر سکتے ہو۔

اب رات کو سو کر جاگے ہیں تو کیا یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح کچھ نہیں کھانا ہوگا؟ نہیں فرمایا! **"فکلوا واشربوا"** کھاؤ اور پیو۔ **"حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر"** ۵ کہ صبح کی پو جو پہلے سیاہ تھی وہ سفید تمہارے سامنے واضح ہو جائے اس سلسلے میں علم ہیئت جاننے والوں کو پتہ ہے کہ مشرق کی طرف سے پہلے سیدھی اوپر کو ایک شعاع پھوٹتی ہے، وہ چند منٹوں کے بعد ختم ہو جاتی ہے، اسے صبح کاذب کہتے ہیں، اس کے بعد دوسری پو پھوٹتی ہے، یہ صبح صادق ہے، مختلف موسموں میں اس کے پھوٹنے اور سورج کے نکلنے میں زیادہ اور کم وقت ہوتا رہتا ہے، دوسری پو کو **خیط ابیض** کہا گیا ہے، یعنی سفید دھاگہ۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ خیط کا معنی دھاگہ بھی ہے، مگر اس کا ایک معنی رنگ بھی ہے، یعنی کالے رنگ پر جب سفید رنگ غالب آ جائے اور وہ سفید رنگ مشرق میں پھیلنے لگ جائے تو یہ سمجھ لو کہ اب روزہ رکھنے کا وقت آ گیا ہے، اس سے

Marfat.com

کھانا پینا منع ہے، یہ پابندی کب تک؟ فرمایا! "ثم اتموا الصیام الی الیل " پھر تم نے اس روزے کو رات کے آنے تک پورا کرنا ہے۔ ''اتموتم پورا کرو۔الصیام روزے کو۔الی الیل رات کے آنے تک ۔ جب لفظ الیٰ آتا ہے تو اس کے بعد ایک غایت ہوتی ہے،اس غایت کی حد کہاں ہے؟ اگر الیٰ کے پہلے اور بعد والے لفظ کی ایک ہی حقیقت پھیلتی جا رہی ہو تو اس کا اگلا حصہ شامل نہ کرنے کے لیے اسے نکال دیا جاتا ہے،اور الیٰ کے بعد والا لفظ پہلے حکم میں شامل ہوتا ہے۔قرآن پاک سے اس کی مثال یہ ہے ۔فاغسلوا وجوھکم واید یکم الی المرافق " اپنے ہاتھوں کو وضو کرتے ہوئے کہنیوں تک دھوڈالو،اب کہنیوں تک میں کہنیاں باہر نہیں ہیں، بلکہ شامل ہیں،لیکن اگر لفظ کہنی نہ آتا تو بات اوپر کندھے تک نکل جاتی ،اب دن اور رات الگ الگ چیزیں ہیں۔الیٰ کے بعد والی بات اس صورت میں پہلے والی بات میں شامل نہیں ہوگی،تو یہ عربی گرائمر کا قاعدہ ہے،اب جب رات آجائے گی،اس وقت آپ نے روزہ نہیں رکھنا ہے، بلکہ چھوڑ دینا ہے،اس کے لیے مختلف علاقوں کی الگ الگ کیفیت ہوتی ہے،اگر میدانی علاقہ ہے تو سورج ڈوبنے کے بعد فوراً مغرب ہو جاتی ہے، ساحل سمندر ہے تب بھی یہی بات ہے،لیکن اگر پہاڑی علاقہ ہے تو اس میں احتیاط یہ ہے ایک دو منٹ سورج ڈوبنے کے بعد تاخیر کی جائے ،البتہ ایک پابندی قرآن پاک نے یہاں رکھی۔جو سابقہ امتوں میں تھی کہ رمضان میں اگر تم اعتکاف میں بیٹھے ہو تو پھر اعتکاف کی جگہ کو چھوڑ کر بلا ضرورت باہر بھی نہیں نکلنا ہے،اور ان راتوں میں بیویوں سے جنسی رابطہ بھی نہیں کرنا ہے،یعنی جس رابطے کی عام رمضان کی راتوں میں اجازت تھی وہ اجازت اعتکاف میں نہیں ہے۔

بیسویں رمضان میں اعتکاف سنت ہے،بیسواں روزہ مسجد میں افطار کریں،نماز پڑھ کر اعتکاف بیٹھیں اور جب اگلا چاند نکلے خواہ انتیس کے بعد نکلے یا تیس کے بعد،نماز مغرب وہاں پڑھ کر واپس آسکتے ہیں،اہل اللہ نے تو کہا کہ اگلی ایک رات بھی شامل کردی جائے ،اور نماز عید کے بعد واپسی ہو،اس اعتکاف میں قرآن ،حدیث اور علمی باتیں جائز ہیں۔باہر سے کوئی پوچھنے آئے تو جواب دیا جاسکتا ہے،وہ کتابیں جو عام حالات میں مطالعہ نہیں کر سکتے ،وہ وہاں بھی منع ہیں چونکہ آپ ایک مقدس مشن کو لے کر بیٹھے ہیں بلکہ ایک خاتون نے کہا کہ میں نے چپ کا روزہ رکھ لیا ہے،تو صدیق اکبرؓ نے اسے شدت سے ڈانٹ پلائی ، ارشاد فرمایا کہ اگر یہ بولتی نہیں تو اٹھا کر باہر پھینک دو،اس سلسلے میں سنت کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے۔

"تلک حدود اللہ فلا تقربوھا" ٥ یہ اللہ کی حدیں ہیں انہیں حلال سمجھ کران کے قریب نہ جاؤ۔کہیں غلط راستے پر نہ چل نکلو۔"کذالک یبین اللہ للناس " ٥ اللہ اپنی آیتیں اسی طرح لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے آغاز تھا تو فرمایا متقی ہو جاؤ اختتام پر بھی فرمایا!"لعلھم یتقون " تاکہ بندے متقی ہو جائیں۔سرکار علیہ السلام نے فرمایا جو رمضان کے روزے ایمان اور اللہ تعالیٰ سے طلب ثواب کے لیے رکھتا ہے، رمضان کی برکت سے اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں ،اور جو

Marfat.com

رمضان میں ایمان اور ثواب کی طلبی کے لیے رات کو کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے، اس کے بھی پہلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، لیلۃ القدر ایسی ہی گزارتا ہے، تو بھی گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، یہ حدیث بخاری، مسلم اور مشکوۃ میں موجود ہے، رات کو کھڑا ہونے سے مراد نماز تراویح ہے، اور تہجد نماز ہے۔ خاص طور پر میری عرض یہ ہے کہ اگر باقی دنوں میں تہجد کی عادت نہیں ہے تو اس ماہ مقدس میں ضرور پڑھیں ویسے بھی سحری کے لیے اٹھنا ہوتا ہے، تہجد کی کم سے کم رکعتیں چار ہیں زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ ان بارہ کے ساتھ دو رکعت سرکار علیہ السلام کے لیے ہدیہ پڑھ لیں اپنے بزرگوں، والدین، امت محمدیہ صلی اللہ علیک وسلم کے لیے پڑھ لیں اس طرح کچھ رکعتیں زیادہ تو ہو جائیں گی، مگر قیامت میں پتہ چلے گا کہ یہ رکعتیں آپ کے لیے کیا لے کر آئی ہیں، صحابہ عالی مقام تہجد کی نماز کو تراویح پر ترجیح دیتے تھے، بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بڑا مشہور فقرہ ہے کہ جس کے لیے اہتمام کر رہے ہیں ضرور کریں لیکن جس کے لیے غفلت برت رہے ہیں یعنی نماز تہجد اس سے کسی صورت میں بھی غفلت نہ کریں، سرکار علیہ السلام نے باجماعت تین دن نماز تراویح پڑھائی، پھر تنہائی میں بھی پڑھتے تھے، سوال یہ ہے کہ تراویح کی رکعتیں کتنی ہیں؟ امت کے چاروں ائمہ بیس (20) رکعتوں پر متفق ہیں، اب بڑے سے بڑے محدث کو اتنا علم نہیں جتنا ان حضرات کو تھا، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام سے لے کر آج تک مدینے میں اسی پر عمل ہو رہا ہے، کئی لوگ ایک حدیث پیش کرتے ہیں، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سرکار علیہ السلام رمضان میں یا رمضان سے باہر کبھی بھی آٹھ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، یہ حدیث بتا رہی ہے کہ یہ نماز تراویح کی بات نہیں ہے، کیونکہ الفاظ ہیں رمضان میں اور رمضان سے باہر آٹھ رکعتوں سے زیادہ اضافہ نہیں فرماتے تھے، اس سے مراد نماز تہجد ہے، سرکار علیہ السلام آٹھ رکعت تہجد پڑھتے تھے، آخر میں تین وتر ملا کر اسے گیارہ میں تبدیل فرما دیتے تھے۔ کیونکہ سرکار علیہ السلام کے نام نامی کا عدد بھی گیارہ ہے، سرکار علیہ السلام کا حکم ہمارے لیے بھی یہ ہے کہ اگر سحری کو اٹھنا ہے تو وتروں کو تہجد کے بعد پڑھو، اور اختتام ان وتروں پر کرو، اب ایک آسان سی بات ہے کہ رکعتیں بیس ہوں ہم آٹھ پڑھتے رہیں اور قیامت کو سرکار علیہ السلام پوچھیں کہ میری باقی سنتیں کدھر ہیں؟ تو پھر کیا ہوگا اگر وہ مؤکد سنتیں آٹھ تھیں اور آپ نے بیس پڑھ لی ہیں، تو باقی رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ اولاد آدم میں سے جو بندہ بھی کوئی کام کرتا ہے اس کی نیکیاں دس گنا بڑھتی جاتی ہیں، اور یہ دس گنا کبھی سات سو گنا تک چلا جاتا ہے یعنی جتنا خشوع وخضوع آئے گا، اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا! روزہ کو اس سے نکال دو، کیونکہ روزے صرف میرے لیے ہیں، اس کا بدلہ میری اپنی ذات گرامی ہے۔

یا اللہ یہ روزے آپکے لیے کیسے ہیں؟ فرمایا! بندہ اپنی خواہشات کھانے پینے کو میرے لیے چھوڑ دیتا ہے، سرکار علیہ السلام نے فرمایا! روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک جب روزہ افطار کرتا ہے، دوسرا وہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات

راستے پر آپ کی قوتیں آپ کو نہ لے جائیں۔تو یہ وہ نعمتیں ہیں جو کمائی جاتی ہیں۔جب انسان میں نکھار آتا ہے ان کمائی ہوئی نعمتوں کی وجہ سے جو اللہ کریم نے روحانی و باطنی آپ کو عطا فرمائی ہیں ان کو بنیاد بنا کر آپ انسانیت کے زینے پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور عظمتوں کی بلندیوں پر جا پہنچتے ہیں۔یہ وہ صفات ہیں جو کمانے کی وجہ سے آپ کی زندگی اور ایمان میں نکھار پیدا کرتی ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں میں تو کافر بھی شریک ہوتا ہے؟ کیا اسے صحت نہیں ملتی؟ یہ نعمتیں اسے بھی ملتی ہیں۔کیا الہام کے مقابلے میں انہوں نے ٹیلی پیتھی وغیرہ کے علوم ایجاد نہیں کر لیے؟ جن کی وجہ سے وہ دوسرے کے دل و دماغ پر حکمرانی کرنا چاہتے ہیں۔کیا ہندوازم میں اس قسم کے معاملات نہیں کہ وہ کل کی بات آج آپ کو بتا دیتے ہیں۔تو یہ ساری باتیں دنیوی قوتوں کے ساتھ ممکن ہیں۔ایک ہی بات ہے جس کے لیے آپ ساری باتیں کرتے ہیں اور مختلف باتیں کر کے آپ کمال پاتے ہیں تا کہ آخرت کی زندگی سنور سکے،لہذا آخرت کی عظمت یہ ہے کہ اللہ کریم ہمیں روز قیامت نبی ﷺ کے قریب جگہ عطا فرما دیں۔ایک حدیث پاک میں ہے کہ ”اس دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس کا تعلق کافروں کے ساتھ نہ ہوتا“ لہذا یہ بے وقعت شے ہے،اس کو باوقعت بنانے کے لیے وہ طریقہ اپنانا ہے جس کے ذریعے ہم خدا تک پہنچ سکیں تب بات بنتی ہے۔

مدینہ طیبہ میں ایک صحابی کا رنگ پیلا زرد ہوا،ہوا تھا صحابہ کو وجہ معلوم تھی پھر بھی اسکی دلجوئی فرماتے تھے۔نبی اقدس ﷺ نے ایک دفعہ نماز پڑھائی،نماز کے بعد اپنے غلاموں پر نگاہ ڈالی اور اس صحابی کو مخاطب فرمایا کہ کیوں پیلے پڑے ہوئے ہو؟ ایک اور صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ بڑے کرب کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔پوچھا اس کی وجہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ یہاں تو ہم آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہیں آخرت میں جو آپ ﷺ کا حقیقی مقام ہے اللہ کریم آپ ﷺ کو وہاں لے جائے گا۔وہاں تو خلیل علیہ السلام بھی نہیں جا سکیں گے،جناب کلیم علیہ السلام بھی نہیں جا سکیں گے۔ہم یہ چاہتے ہیں کہ دنیا ہی رہے آخرت نہ آئے تا کہ آپ ﷺ کی جدائی برداشت نہ کرنی پڑے۔آپ ﷺ نے بڑے پیار بھرے انداز میں فرمایا کہ میں موسیٰ علیہ السلام نہیں ہوں مصطفےٰ کریم ﷺ ہوں! یاد رکھو آخرت میں جہاں میں ہوں گا وہاں ہی تم میرے ساتھ ہو گے۔ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے کہ مدینہ طیبہ نے دو عیدیں دیکھیں جن کی کوئی مثال نہیں ایک وہ عید جب سرکار ﷺ مدینہ طیبہ آئے۔دوسری عید وہ تھی کہ جب آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ قیامت کے دن تم میرے اتنے ہی قریب ہو گے جتنے آج اس مسجد میں میرے قریب ہو۔تمام صحابہ ایک دوسرے کو گلے مل رہے تھے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اصل نعمت تو آخرت کی ہے۔جسم زوال پذیر ہوتا ہے،ایک دور میں بچپنے کی حالت میں تھا پھر لڑکپن آیا پھر جوانی آئی پھر بڑھاپا آیا پھر یہ کیفیت ہوئی کہ بوڑھے سے کوئی بات کرو تو اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس سے کیا پوچھا جا رہا ہے۔لیکن جب باطنی

کرے گا، شام کے وقت روزہ دار کے منہ میں بوسی پیدا ہو جاتی ہے، فرمایا! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک اور کستوری سے بھی زیادہ عزیز ہے، امام شافعیؒ نے اسی کو سامنے رکھ کر فرمایا! دوپہر کے بعد شام تک مسواک نہ کیا کرو، امام اعظمؒ مسواک کے جائز ہونے کے قائل ہیں، امام شافعیؒ کا یہ مؤقف ہے کہ منہ سے وہ بو نہ جائے جو اللہ کو عزیز ہے، بخاری ومسلم میں سرکار علیہ السلام نے فرمایا! روزہ ڈھال ہے جو بدی سے بچاتا ہے، اگر تم روزہ دار ہو تو کسی کو گالی گلوچ مت دو۔ زبان کو گندی باتوں سے بچاؤ، اگر تمہیں کوئی گالی دیتا ہے تو صرف یہ کہو کہ بھائی! میں روزہ دار ہوں۔

تیسری حدیث مشکوۃ شریف میں ہے، سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں ایک دروازے کا نام 'ریان' ہے، اس میں سے صرف روزے دار جنت میں داخل ہو سکیں گے، اب سرکار علیہ السلام روزے کی ایک اور عظمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی نیکی کا کام جب رمضان میں کرتا ہے اور وہ سنت ہے یا نفل ہے تو ایسا سمجھے کہ باقی عرصے میں جو فرضوں کا ثواب ہوتا ہے وہی یہاں سنتوں کا ثواب ہوتا ہے، اور جو دوسرے مواقع پر فرض ادا کرتا ہے، رمضان میں ستر فرضوں کے برابر ثواب ہوتا ہے، روزے دار کو روزہ افطار کرائے گا، تو یہ مغفرت کی نشانی ہوگی، اس کو روزے دار جتنا ثواب ملے گا لیکن روزے دار کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا، فرمایا اس مہینے کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت، تیسرا دوزخ سے آزادی ہے۔

شعب الایمان میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ جو اپنے ماتحت پر تخفیف کردے گا اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرما دیتا ہے، سرکار علیہ السلام نے فرمایا! کہ جب رمضان کی آخری رات ہوتی ہے، تو اللہ کریم معاوضہ عطا فرماتے ہیں، یعنی بخشش فرماتے ہیں لوگوں کی صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم پھر وہ لیلۃ القدر ہوئی، آپ نے فرمایا نہیں! مزدور کی مزدوری تب ملتی ہے جب وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، رمضان ختم ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بخشش کی مزدوری عطا فرماتا ہے، اب رہی یہ بات کہ لیلۃ القدر کیا ہے، اکثر صحابہ کا خیال ہے کہ وہ ستائیسویں رات ہے لیکن محققین مذہب کا خیال یہ ہے کہ آخری پانچ طاق راتوں میں یہ بدلتی رہتی ہے، اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس اور انتیس راتوں میں سے کسی ایک رات میں سرکار علیہ السلام تشریف لائے کہ بتا دی جائے کہ کون سی رات ہے جب تشریف لائے تو دو آدمی جھگڑا کر رہے تھے، آپ واپس تشریف لے گئے پھر تشریف لائے پھر واپس چلے گئے حتی کہ تین دفعہ ایسا ہوا، بالآخر فرمایا میں آیا تھا کہ تمہیں بتا دوں کہ کون سی رات ہے، اب ان کے جھگڑے کی وجہ سے وہ بات اٹھ گئی ہے، لہٰذا اب طاق راتوں میں تلاش کرو، وہ رات ہزار مہینے سے افضل ہے، ہزار مہینے تراسی سال اور چار مہینے بنتے ہیں، یہ بھی صحابہ کی ایک عرضداشت پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا تھا، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم میں سے کوئی ابھی بالغ ہوا کوئی ادھیڑ عمر کا ہے کوئی بوڑھا ہے اس حالت میں ہم نے اسلام قبول کیا ہے ہمارے پاس نمازوں کے لیے وقت کم ہے اور پھر روزانہ ہمارے خلاف کافر جنگیں لڑ رہے ہیں کوئی آج شہید ہوا کوئی کل۔ سابقہ امتوں کے پاس تو بے حد

نیکیاں ہوں گی، ہمارے پاس چند دن ہیں کچھ کرم نوازی فرمائیں، پھر اس کے جواب میں سورۃ القدر نازل ہوئی۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ

اور تم اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، اور حاکموں کے پاس ان مالوں کو لے کر نہ جاؤ، (بطور رشوت) تا کہ لوگوں کے مال کا

اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۱۸۸﴾ ع

ایک حصہ اس گناہ کے انداز سے کھا جاؤ جب کہ تمہیں اس بات کا علم ہے کہ وہ مال تمہارا نہیں ہے ۔ ۱۷۹

۱۷۹۔ یہاں چند باتیں قابل غور ہیں، فرمایا کہ باطل طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ، اس باطل کی شرح کیا ہے؟ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں "**من اخذ مال غیرہ لا علی وجہ الشرع فقد اکل بالباطل** جس نے کسی اور کا مال اس طریقے سے لیا کہ جس کی شرع اجازت نہیں دیتی، تو اس نے باطل طریقے سے اس مال کو کھایا ہے"۔

اب اس میں جوا اور دھوکہ دے کر کسی سے مال لینا، کسی سے چھین لینا یا کسی کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر چھین لینا یا مال اس طریقے سے لینا کہ دوسرا خوشی سے نہ دیتا ہو۔ یہ ساری صورتیں باطل کی ہیں، جو حرام ہے، موجودہ دور میں اس میں کچھ اور چیزیں بھی شامل ہوگئی ہیں، جنہیں اسلام نے مٹا دیا تھا، اس میں سود اور سٹہ آجاتا ہے، دور حاضر کی تجارت کا وہ طریقہ جو اسلامی اصولوں سے ٹکراتا ہے یہ سب باتیں اس میں شامل ہیں، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ذرائع بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں، تو ان کے ساتھ رشوت کے طریقے بھی بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔

سرکار علیہ السلام کے دورِ اقدس میں وصول کنندگان زکوۃ دوسرے علاقوں سے زکوۃ لے کر آئے، ایک آدمی نے کچھ چیزیں گھر رکھ لیں اور باقی خدمتِ اقدس میں حاضر کر دیں، کسی نے شکایت کی کہ اس آدمی نے ایسا کیا ہے، سرکار نے فرمایا کہ اسے بلا لاؤ، وہ حاضر ہوا فرمایا کیا یہی مال تھا جو سامنے ہے؟ عرض کی کہ جو مجھے حکومت کے لیے ملا ہے وہ یہی کچھ ہے، البتہ بہت سے تحفے مجھے ان لوگوں نے دیے ہیں جو گھر پڑے ہیں، فرمایا! تو اپنی ماں کے گھر بیٹھا رہتا وہاں نہ جاتا، تو پھر وہ تحفے ملتے؟ وہ سرکاری حقوق ہیں، تمہارے نہیں! لہذا انہیں فوراً سرکاری بیت المال میں جمع کرایا جائے!

اب بین الاقوامی سطح پر سودا ہوتا ہے مثلاً وہ چند کروڑ کا سودا ہے، اور قوم کو بتایا جاتا ہے کہ پچاس لاکھ اس سودے میں داخل نہیں ہیں پھر اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں کہ وہ تو اس انداز سے ہمیں ملا تھا، اس حمام میں مغرب ننگا تھا، لیکن اس نے پھر کچھ حد رکھی ہوئی تھی، مشرقی دنیا میں جو لوٹنے کا انداز ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے، یہاں تو یہ ہوتا ہے کہ پچاس فیصد ہمیں دے دو، اب جو باقی پچاس فیصد ہے جس کے ساتھ کام آگے چلنا ہے اس کا معیار کیا ہوگا؟ ہماری سڑکیں دوسرے دن کیوں ٹوٹ جاتی ہیں ہمارے باقی معاملات میں پختگی کیوں نہیں آتی؟ یہ بد دیانتی کیوں ہے، کہ جو عوام کا مال ہے اس کا بڑا حصہ واپس اقتدار کے ایوانوں میں چلا گیا ہے۔

میرے (سید محمد ذاکر حسین شاہ) کے ایک بڑے گہرے دوست راجہ عبدالرزاق تھے، وہ مجھے ایک دفعہ بتانے لگے کہ شاہ صاحب!

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک سپاہی سڑک پہ کھڑا تھا جو گاڑی والا بھی گزرتا اس سے پیسے لے کر آگے جانے دیتا، گاڑی کے کاغذات بالکل چیک نہیں کرتا، بس رقم وصول کرتا جاتا اور گاڑیاں نکالتا جاتا، جب مجھے معلوم ہوا تو میں اس کے پاس چلا گیا، میں نے کہا کہ تو مجھے جانتا ہے تو جواب دیا جانتا ہوں آپ راجہ عبدالرزاق ہیں، میں نے کہا کہ میں تیری شکایت ایس پی کو کرتا ہوں اس نے کہا راجہ صاحب! آپ ایس پی تو کیا ڈی آئی جی صاحب کے پاس جائیں، مجھے کیا، اگر ان کا حصہ اس میں سے نہ نکلتا ہو تو میں یہاں کیسے کھڑا ہو سکتا ہوں۔ (العیاذ باللہ)

اب آپ بتائیں کہ جب معاشرے کا انداز یہ ہو تو وہ آدمی جو ذرائع کے بغیر ہے اور اس کی محدود سی آمدنی ہے اگر وہ ہر موڑ پر اس طرح رقم لٹانے لگے تو اس کے گھر شام کو چولھا کیسے جلے گا، اور اگر آپ رقوم کو اسی طریقے سے بڑھاتے چلے جائیں گے تو اس کا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوگا کہ عوام کی اکثریت کی قوت خرید جواب دے جائے گی، اور پھر کیفیت یہ ہوگی کہ دکان پر سامان تو موجود ہے لیکن دکاندار مکھیاں مار رہے ہیں، کہ کوئی گاہک نہیں آ رہا، اور اس وقت ستر فیصد عوام اس حد تک پہنچ چکے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نوجوان طبقہ کہتا ہے کہ سروس کے دروازے بھی بند ہیں، لہذا ایک گروپ بنائیں اور گاڑیاں لوٹیں لوگوں کو ماریں پیٹیں، اور یہ حقیقت ہے کہ یہاں قانون اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ انہیں توڑا جائے، تو قرآن پاک نے ان تمام باتوں کی بڑی شدت سے تردید کی۔

اس دور کا ایک مسئلہ جو صحابہ کرام نے سرکار علیہ السلام سے پوچھا تھا وہ یہ تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یہ چاند نکلتا ہے ، ابتداء میں چھوٹا ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے چودہ تاریخ کو مکمل ہو جاتا ہے، پھر گھٹتے ہوئے انتیس تیس تک پہلی تاریخ کی طرح ہو جاتا ہے، ایسا کیوں ہے؟ اب یہ ایسا سوال تھا کہ اس دور میں اس کا طبیعاتی جواب نہیں دیا جا سکتا تھا، اس لیے کہ ابھی ان کا ذہنی افق اتنا وسیع نہیں تھا کہ وہ اسے سمجھ سکتے، عربی بلاغت کے ایک اسلوب کو اسلوب حکیم کہا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے ایک سوال آتا ہے لیکن سوال کرنے والے کی ذہنیت سے اس کا جواب بہت اونچا ہے، تو آپ اس جواب میں انداز بدل کر کسی اور انداز سے جواب دیدیں، جسے اس کا ذہن قبول کر سکتا ہے، یہ اسلوب حکیم ہے یہاں بالکل یہی اسلوب ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ

یہ آپ سے چاندوں کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرمادیں یہ چاند لوگوں کے لیے وقت مہیا کرنے کا ذریعہ ہیں حج کے لیے بھی (یہ وقت کا ذریعہ ہیں)

مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں پچھواڑے سے آؤ، نیکی تو اس کی ہے جو پرہیزگار ہو، گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، اللہ تعالیٰ

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ ۱۸۰

۱۸۰ مفسرین نے ایک بات لکھی ہے کہ مدینے میں یہ رواج تھا کہ جب وہ گھروں سے حج کے لیے نکل کر جاتے تھے، اور مدینے سے نکل کر کوئی بات یاد آتی، اب گھر پلٹنا ضروری ہے واپس دروازے سے داخل نہ ہوتے۔ پچھواڑے آکر کہتے کہ سیڑھی لگاؤ تا کہ ہم چھت سے آکر مطلوبہ کام کریں یا بات کہیں، کچھ مفسرین نے فرمایا کہ وہ کہتے کہ پچھلی دیوار کو سوراخ کردو تا کہ ہم اندر آسکیں، تو اس آیت نے اس کی تردید کردی، میں مفسرین کے ان اقوال کو مانتا ہوں لیکن عربی محاورہ یہ ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ گھر میں دروازے سے آؤ، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اصلاحی پہلو کو نظروں سے اوجھل نہ کرو، کام کرنے کے اصل طریقے سے کام کرو، آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ جو بھی کام کرنا چاہتے ہیں، اس کا سلیقہ جو اسلام نے متعین کیا ہے، اس سے کیا جائے، ہر وہ طریقہ جو اسلامی تعین کے خلاف ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے گھر کے پچھواڑے سے داخل ہونا۔

ابھی تم اس سطح تک رسائی نہیں حاصل کرسکے، کہ چاندوں کے بڑھنے گھٹنے کا تمہارے سامنے ذکر کیا جائے، جب وہ مقام آئے گا تو بات بن جائے گی، ابھی جہاں تک تم پہنچے ہو ان طریقوں سے اس انداز سے کرو جس انداز سے اسلام فرماتا ہے، ایک بات کا خاص خیال رکھیں، اور یاد رہے کہ قرآن پاک جس معاشرے میں نازل ہو رہا تھا اس کی ذہنی سطح کچھ بھی نہیں تھی، لہٰذا اگر اس سوال کا حقیقی جواب دیا جاتا، کہ زمین اور سورج کی نسبت سے چاند میں یہ یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں، تو فوراً یہ اعتراض ہوتا، کہ لیجئے یہ تو پاگلوں کی جماعت ہے جو عقل سے ماوراء بات کرتی ہے، قرآن نے کئی مقامات پر اس دور کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھا ہے اور ملحوظ رکھا تا کہ میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ابھی سے جھوٹے الزامات لگنا شروع نہ ہو جائیں، تو قرآن نے رخ موڑ کر اسلوب حکیم اپنا لیا یا کوئی اور اسلوب اپنا لیا، لیکن عبارت کے اندر اشارہ ہوگیا، تا کہ آنے والے اس راستے کا تجسس کرنے لگ جائیں، مثلاً یہی کہہ دیا کہ گھروں کے پچھواڑوں سے داخل نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ ابھی علم پنگھوڑے میں ہے، اسے اٹھنے دو، تمہیں حقیقت کی شاہراہ پر سرکار علیہ السلام نے چلا دیا ہے، اور آپ نے انسانیت کو بلوغت کے مقام پر پہنچا دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ سرکار علیہ السلام

Marfat.com

کے بعد پھر کسی نبی کی ضرورت نہیں، اب جب تم ایک نظریہ زندگی لے کر چلے ہو تو تمہیں کئی تکالیف پیش آئیں گی، اور اس دور کا انداز یہ تھا کہ جبر سے حقیقتوں کا راستہ روکا جاتا تھا، قرآن نے کہا یہ تعلیم کہ اگر تمہیں کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا رخسار سامنے پیش کردو، یہ قانون اس دنیا میں رہنے کے قابل نہیں ہے، لہذا تمہارے لیے حکم کی نوعیت الگ ہے۔

لاہور میں جب انگریز کا عروج تھا تو ایک پادری ہر جگہ لوگوں سے مناظرے کرتا رہتا تھا اور لوگوں کو بڑا تنگ کرتا، اس دور کے عالم دین نے کہا کہ میں اس سے مناظرہ کرنے کو تیار ہوں، جب مناظرے میں گئے تو سٹیج پر پادری کے قریب کھڑے ہوگئے، بات کرتے کرتے پادری کو ایک بڑا ہی زناٹے دار تھپڑ دے مارا مناظرہ ختم ہوگیا، ان کیخلاف ہتک عزت کا کیس ہوگیا، جج بھی عیسائی تھا، جج نے پوچھا کہ آپ نے ایک پادری کی توہین کی ہے؟ جواب دیا میں نے توہین نہیں کی میں نے تو انجیل کی ایک آیت پر عمل کیا ہے، اور ان کا امتحان لیا ہے، کہ کیا یہ سچے عیسائی ہیں یا نہیں، مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ جھوٹا عیسائی ہے، جج نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ عالم دین نے انجیل کھول کر سامنے رکھ دی، جس میں لکھا تھا کہ اگر تمہارے منہ پر کوئی تھپڑ مارتا ہے تو دوسرا رخسار سامنے کردو، اگر یہ سچا عیسائی تھا تو ایک تھپڑ کھانے کے بعد دوسرا رخسار سامنے رکھ دیتا۔

جج نے کہا کہ میں آپ کو باعزت بری کرتا ہوں کیونکہ یہ مذہب کا مسئلہ ہے تو اب اسلام نے کہا یہ بات قابل قبول نہیں، مسلمانوں کا ایک نظریہ زندگی ہے کہ انہوں نے محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تنکے جوڑ کر، عظمت خدا کی اینٹیں اکٹھی کر کے ایک نظریے کو اپنے خونِ جگر سے پروان چڑھایا۔ اب اگر کوئی ان کلیوں کو نوچنے پھولوں کو مسلنے، پودوں کو کچلنے لگ جائے تو کیا آپ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں گے؟

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

تم جہاد کرو، راہِ خدا میں ان لوگوں سے جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں، لیکن زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۱۸۱

۱۸۱ اسلامی جہاد میں تین باتیں شرط ہیں۔ ۱۔ یہ جہاد اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہو۔ ۲۔ اپنی عظمت کے لیے نہیں۔ ۳۔ صرف ملک فتح کرنے کے لیے لوگوں کی جانوں کو کھلونا نہ بنایا جائے۔ بخاری شریف میں ہے کہ سرکار علیہ السلام سے سوال کیا گیا، فرمایا کہ ایک بندہ جہاد کرتا ہے، اپنی شجاعت ظاہر کرنے کے لیے ایک بندہ جہاد کرتا ہے اپنی قوم کے لیے ایک کرتا ہے اپنے [illegible] شاہت کو بچانے کے لیے ان میں سے کون سا راہ خدا میں ہے؟ فرمایا!

"**لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ**" ٥ جو اس لیے جہاد کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے، تو وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے، باقی جہاد اپنی اغراض کے تابع ہیں، تو جہاد فی سبیل اللہ میں اسلامی نظریے کا بچاؤ، مسلمانوں کی جانوں کا

Marfat.com

بچاؤ، اسلامی ملک کا بچاؤ، یہ مقصود جہاد ہے۔

بلاوجہ کسی حکومت پر حملہ نہ کیا جائے۔ ''الذین یقاتلونکم'' ان سے جنگ کرو جنہوں نے تم پر جنگ مسلط کردی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام کی جنگ دفاعی ہوتی ہے، یعنی آغاز اسلام نہیں کرتا۔ اسلام پہلے قلم، زبان اور عمل سے جہاد کرتا ہے، تاکہ انسانی معاشرہ میں رعنائیاں بکھیری جاسکیں، پھر جب کوئی چڑھ دوڑے تو اسلام کہتا ہے کہ اب اسلام نے اس انداز سے آگے بڑھنا ہے، کہ پھر کفر کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی ہمت بھی نہ ہو، یہاں اس بات کو بھی ساتھ ملالیں کہ جون 1947ء میں دھلی میں قائداعظمؒ سے ایک سوال ہوا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ادھر مسلمان جو رہ جائیں گے انہیں ہندو اپنے قدموں کے نیچے مسل دیں گے، تو آپ ان کے لئے کیا کریں گے؟ جناحؒ کا جواب غیرت اسلامیہ سے بھرا ہوا ہوتا تھا فرمایا آپ کا خیال ہے کہ یہاں ہمارے مسلمان بھائیوں کو مارا جائے گا، تو کیا ہم باڈر کے پرے لمبیاں تان کر سو جائیں گے؟ ہم اس اٹھنے والے ہاتھ کو کاٹ دیں گے، اس اٹھنے والی نگاہ کو نکال دیں گے اس اکڑی ہوئی گردن کو توڑ دیں گے، جو مسلمانوں پر ذرہ بھر بھی خراش پہنچانے کی کوشش کرے گی، یہ وہ جواب تھا جو خالد بن ولید، قعقاع، ضرار، سلطان محمود غزنوی اور نورالدین زنگی اسلامی تاریخ میں سکھاتے ہیں۔ اب کشمیر میں کیا ہو رہا ہے، قائداعظم کے وارث کہاں گئے؟ **اب ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لے کر**

یہ وہ افسوس ناک حقیقت ہے جس کی طرف ہم نے پشت پھیری ہوئی ہے۔

۳۔ کہ زیادتی نہیں کرنی ہے اندازہ لگائیں جب قوم جذبات کی رو میں بہہ رہی ہوتی ہے، تو وہ شاید حد سے آگے نکل کر ان کے بچوں، خواتین بوڑھوں کو مار دے تو اسلام نے آگے بڑھ کر ایسے ہاتھ پکڑ لیے کہ ''لاتعتدوا'' بدترین دشمن پر بھی زیادتی نہیں کرنی ہے۔ تمہارے اخلاق کی برتری ان کے دل کی دنیا کو بدل دے گی، لیکن کوئی یہ نہ کہے کہ مسلمان ظالم بھی ہوتا ہے لہذا تم نے زیادتی نہیں کرنی، لیکن جب وہ میدان میں اتر آئے ہیں تم پر حملہ کر دیا ہے، تو تم نے خاموش نہیں بیٹھنا بلکہ!

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج

اور انہیں مارو، جہاں بھی انہیں پاؤ (تمہیں گھروں سے نکال دیا تو جب تم ان پر تسلط پاؤ تو) تم بھی انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

اور تم انہیں حرمت والی مسجد (یعنی مسجد حرام کے ماحول) میں قتل نہ کرو جب تک وہ تمہیں وہاں قتل نہ کریں پھر اگر وہ تم سے لڑیں

فَاقْتُلُوْهُمْ ط كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

تو لڑو (قتال کرو) ان سے، یہی کافروں کی سزا ہے پھر اگر باز آجائیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۱۸۲

Marfat.com

۱۸۲ فرمایا میدان جنگ کے کسی حصے میں بھی وہ تمہیں ملیں تو انہیں قتل کرو، اور جس طرح تمہیں گھروں سے نکال دیا تھا، اسی طرح تم بھی انہیں نکال دو، مثلاً اب اگر ایک کشمیری واپس اپنے گھر جاتا ہے تو جس کافر نے اس کے گھر پر قبضہ کر رکھا ہے وہ اسے وہاں سے نکال دے گا، یہ تو قانون تھا، لیکن رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام نے فتح مکہ کے بعد کسی کو بھی گھر سے نہیں نکالا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے چند دنوں میں مکہ مکرمہ کلمہ طیبہ کے مبارک جملوں سے گونج رہا تھا۔

بہر حال یہ انتہاء تھی جو قرآن پاک نے فرما دی کہ اس حد تک تم جا سکتے ہو، لیکن ان کے گھروں کو جلا دینا یا ان کے بچوں کو مارنا عورتوں کو بے آبرو کرنا جائز نہیں، ہاں سازشی ذہن سازشیں کرتا ہے تو سازش قتل سے بھی زیادہ سخت بات ہے، دنیا میں مختلف گروہوں نے مختلف زمانوں میں سازشوں کے جال بنے ہیں جس کا شکار بے گناہ لوگ ہوئے ہیں اور پھر اس سازش کا شکار صرف ایک فرد یا کچھ افراد نہیں ہوتے بلکہ پوری قوم اور کئی نسلیں ہوتی ہیں۔ لہذا اسلام نے سازش کو قتل سے بڑا جرم قرار دیا ہے، کون نہیں جانتا کہ عبداللہ بن سبا نے جو سازش سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف کی تھی اس کے شدید اثرات کے زلزلے اب تک ملت اسلامیہ کو جھٹکے دے رہے ہیں، یہودیوں کی اقوام عالم کے خلاف تو ہر سازش کی تاریں یہودی فیکٹریوں میں ہی تیار ہوتی ہیں، سازش، ہموار زندگی کی رعنائیوں کو جلا دیتی ہے، لہذا اسلام اسے قتل سے بڑا جرم قرار دیتا ہے۔

حرمتوں عزتوں اور ادب کا خیال رکھا جائے، کہ تم انہیں ماحول کعبہ میں قتل نہ کرو (اس کا پس منظر مکہ والے لوگ ہیں) جب تک وہ تمہیں وہاں قتل نہ کریں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تم کعبہ میں موجود ہو اور تمہیں کہہ دیا جائے کہ تم نے کسی حالت میں بھی ہاتھ نہیں اٹھانا ہے تو پھر وہ تمہیں کعبہ میں قتل کر دیں گے، پھر نتیجۃً فرمایا کہ کافروں کا بدلہ اسی طرح ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ اگر وہ تمہیں کعبے کے ماحول میں نہیں مارتے تو اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے، وہ بھی اس کی مخلوق ہے، ان پر بخشش کا طریقہ ہے، کہ وہ اسلام کی طرف پلٹ آئیں، اور اس طریقے کو سرکار علیہ السلام نے بار بار نبھایا، کہ جب طائف میں آپ سے یہ التماس کی گئی کہ انہوں نے بڑی زیادتی کی ہے، آپ ان کے لیے بددعا فرما دیں، تو فرمایا تم نہیں دیکھتے لیکن ان کی آنے والی نسلوں کو میں دیکھ رہا ہوں، کہ وہ کلمہ پڑھ رہے ہیں، لہذا میں ان کے لیے بددعا نہیں کر سکتا۔

؎ الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

Marfat.com

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ

تم ان سے جنگ لڑو، یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے، اور دین (یعنی حکم) اللہ کا نافذ ہو جائے، اگر وہ باز آجائیں تو زیادتی

اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

صرف ظالموں پر ہوگی ۱۸۳

۱۸۳ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا رہ جائے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن علاقوں کو تم نے فتح کرلیا ہے وہاں اسلام کا نفاذ تمہارا پہلا فرض ہے، لہذا فتنے کے سرغنوں کو اس طریقے سے ختم کیا جائے کہ وہ فتنہ قائم کرکے جوابی انقلاب نہ لاسکیں، اگر تم انہیں ڈھیل دوگے تو ساری کوشش پر پانی پھر جائے گا، جوابی انقلاب لانے کے جو بھی خفیہ ذرائع ہیں ان کو شکست دی جائے۔ پچاس سال سے اسلام کا راستہ روکا جارہا ہے، اور قوم کو اسلام کی برکات سے محروم رکھا جارہا ہے، اور ڈرایا جارہا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام آجائے تو مختلف بنکوں سے سات آٹھ فیصد کو بڑی آسانی سے بیس بائیس فیصد کے منافع میں تبدیل کیا جاسکتا ہے، نظام مضاربت سے یہ سب ممکن ہے مگر مغرب اپنا اقتصادی نظام ہی ہم پر مسلط رکھنا چاہتا ہے اور ہم بھی اسی سودی نظام کے گن گانے میں مصروف ہیں، کاش کوئی اسلامی ملک مضاربت کی بنیاد پر اسلامی نظام بینکوں میں نافذ کرسکتا، تو مغرب کا زرغلام ذہن بھی اسے قبول کرنے میں دیر نہ کرتا، اور یہ بھی اسلام کی تبلیغ کا ایک ذریعہ بن جاتا۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا

حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے، اور حرمتوں کا بھی عوض و بدلہ ہے، پس جو بھی تم پر زیادتی کرے تو اس کی زیادتی کے مطابق

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اسے زیادتی کی سزا دو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ۱۸۴

۱۸۴ مشرکین عرب چاہتے تھے، کہ مسلمان تو حرمت والے مہینوں کا احترام کریں مگر کافر مسلمانوں کی مخالفت میں یہ احترام چھوڑ دیں، اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر وہ احترام کریں تو تم بھی احترام کرو لیکن اگر وہ ان مہینوں میں تم پر چڑھ دوڑیں تو تم

بھی اپنا دفاع کرو، انسان کی عزت بھی محترم ہے لہٰذا اگر کوئی غلط کرتا ہے تو اسے جواب دیا جائے گا تاکہ عزتوں سے کوئی کھیل نہ سکے، قصاص بدلہ کے معنی میں ہے، تفسیر معالم میں ہے۔ "القصاص المساواۃ المماثلۃ وھو ان یفعل بالفاعل مثل مافعل" ○ قصاص مماثلت اور مساوات کا نام ہے، یعنی فاعل کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہو جیسا اس نے کیا ہے، اعتدی علیکم جو تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر زیادتی کرو، دوسرا جملہ بطور مجازاۃ آتا ہے یعنی تم اس کی زیادتی کا جواب دو ہم نے ترجمہ میں اسی بات کا خیال رکھا ہے۔

اسلام جنگ میں بھی ایسی زیادتی کو برداشت نہیں کرتا جو سراپا ظلم ہو ارشاد ہوا جنگ میں بھی خوف ربانی کا ساتھ نہ چھوڑو، اور حد سے ہرگز نہ بڑھو، تم عام لوگ نہیں ہو، پرہیزگار ہو تمہارے ساتھ تمہارا پروردگار ہے اور وہ ظلم کو پسند نہیں کرتا، رہی یہ بات کہ وہ کس طرح پرہیزگاروں کے ساتھ ہے تو یہ جسمانی ساتھ نہیں ہے کیونکہ وہ ذات اقدس جسموں سے پاک ہے امام رازی فرماتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہے، "اما بالمعونۃ والنصرۃ والحفظ والعلم" ۔یعنی اس کی مدد، اس کی نصرت، اس کی حفاظت اور علم تمہارے ساتھ ہے نتیجہ یہ نکلا کہ۔" وھذا من اقوی الدلائل علی انہ لیس بجسم ولا فی مکان " (تفسیر کبیر امام رازی) یہ سب سے قوی دلیل ہے کہ وہ ذات معلیٰ جسم نہیں رکھتی، اور نہ وہ کسی مکان میں مقیم ہے، اللہ کریم اپنی معیت سے ہمیں نوازے۔عرب کے جاہل تو سال کے تیسرے حصے کو محترم خیال کر کے جنگ بند کر دیتے تھے، مگر جدید دور کے مغربی جاہل ہر دن لڑنا جائز سمجھتے ہیں نہ وہ اپنے اتوار کا خیال کرتے ہیں نہ بڑے دن کی پرواہ ہوتی ہے، اور نہ ہی ایسٹر کا دھیان ہوتا ہے، توپیں چل رہی ہیں، راکٹ اڑ رہے ہیں، جہاز بموں کے تحفے دے رہے ہیں، کیونکہ جاہلیت جدیدہ بہت مہذب ہے۔

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ

راہ خدا میں خرچ کرو، اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور (کائنات کے لوگوں سے) حسن سلوک کرو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۹۵﴾

اللہ حسن سلوک کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ۱۸۵

۱۸۵ جنگ سے بگڑے ہوئے معاشرے کو سنوارنے کے لیے ضروری ہے کہ مخیّر طبقہ آگے بڑھے اور جنگ کی تباہ کاریوں کو ختم کرنے کے لیے مالی تعاون پیش کرے، تاکہ جنگ کے متاثرین 'قوت لایموت'' کے ہاتھوں گداگری پر مجبور نہ ہو جائیں جو معاشرے میں شکست کھا چکے ہیں انہیں انسان سمجھا جائے، اور اپنے معاشرے میں ضم کر لیا جائے، یہ اسلام ہی ہے جس نے فتح کے بعد حسن سلوک کا سبق دیا ہے، باقی مذاہب میں نہیں ہے۔

Marfat.com

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا

اور حج اور عمرہ اللہ (کی رضا) کے لیے پورا کرو ۱۸۶ پھر اگر تم گھر جاؤ تو جو قربانی کا جانور آسانی سے مل جائے (بھیجدو) اور نہ منڈاؤ

رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ

اپنے سر یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے کچھ تکلیف ہو سر میں (اور وہ سر منڈالے)

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ

تو فدیہ دیدے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے اور جب تم امن میں ہو جاؤ (اور حج سے پہلے پہنچ جاؤ) تو جو فائدہ اٹھانا چاہے عمرہ کا حج کے ساتھ ۱۸۷

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ

تو جو اسے میسر ہو قربانی دے پھر جسے قربانی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے حج کے وقت اور سات جب تم گھر لوٹ آؤ یہ

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ

پورے دس (روزے) ہوئے یہ رعایت اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع

اور ڈرا کرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے ۱۸۷

۱۸۶ اہل عرب قبل از اسلام بھی حج کرتے تھے مگر یہ حج اسی طرح کا ایک میلہ تھا جس طرح ہمارے ملک میں مختلف میلے ہوتے ہیں وہ بھی آتے، شاعر قصائد سناتے، خطیب تقاریر سے دل لبھاتے، سیر سیاحت ہوتی، خوش گپیاں ہوتیں خرید و فروخت ہوتی اور واپس چلے جاتے اسلام نے آکر اس انداز کو بدلا اور حکم ہوا کہ حج اور عمرہ کرو مگر یہ اللہ کریم کی رضا کیلئے ہو اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ ہو شرعی آداب اور شرائط کے ساتھ ہو تا کہ اسکے پورے فوائد حاصل ہوں اور یہ زندگی کے انداز کو بدل سکے

۱۸۷ اب ان مشکلات کا ذکر ہو رہا ہے جو دوران سفر پیش آسکتی ہیں۔ دشمن نے راستہ روک رکھا ہے آگے جانے نہیں دیتا کہ آپ حج کر سکیں، یا آپ بیمار ہو گئے ہیں اور سفر کے قابل نہیں رہے تو قربانی کا جو جانور گھر سے لے کر آئے ہو وہ دوسرے ساتھیوں کے ہاتھ آگے (مکہ مکرمہ) بھیج دو اگر جانور نہیں لائے تو اسکی قیمت بھیج دو اور انہیں بتادو کہ حرم میں پہنچ کر آپکی طرف سے وہ ذبح کر دیں یا خرید کر ذبح کر دیں جب آپ سمجھیں کہ حرم میں پہنچ کر آپ کی طرف سے وہ جانور ذبح کر دیا گیا ہے تو اب تم سر منڈوا کر بال کٹوا کر احرام کھول کر اسکی پابندیوں سے آزاد ہو سکتے ہو، لیکن اگر بیماری کی وجہ سے جلد سر منڈوانے کی ضرورت پیش آجائے تو فدیہ کے طور پر ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات کر کے سر منڈا سکتے ہو (۱) تین روزے رکھے (۲) چھ مسکینوں کو

Marfat.com

کیفیات میں انوار کی تجلی آجائے یا نور کی روشنی آجائے تو عمر جوں جوں بڑھتی ہے باطنی قوتیں اسی نسبت سے جوان ہوتی چلی جائیں گی۔ تاریخ اسلام میں بڑے ضعیف العمر لوگوں نے وہ کام کر دکھائے جو جوانوں سے نہ ہو سکے۔ یہ ساری بات روحانی عظمت کی وجہ سے تھی۔ ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کر دیتا ہوں کہ وہ روح کی بالیدگی کرتے تھے۔ جب حضرت حیدر کرارؓ کے ساتھ ایک آدمی کشتی لڑ رہا تھا، حضرت حیدرؓ نے گرا دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ کر مارنا چاہ رہے تھے۔ اس آدمی نے آپؓ کے چہرہ انور پر تھوک پھینک دیا۔ جب اس نے یہ حرکت کی تو حضرت حیدر کرارؓ نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ بڑا حیران ہوا اور وجہ پوچھی گئی تو آپؓ نے فرمایا کہ یہ خدا اور خدا کے رسول کا دشمن تھا اس لیے میں نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن جب اس نے مجھ پر تھوکا تو میرا غصہ اس میں شامل ہو گیا پھر یہ میرا بھی دشمن ہو گیا اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ (چونکہ سرکار ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر کوئی غلطی کرے تو تم اس پر قدرت رکھتے ہوئے بھی جب اسے معاف کرو گے تو اللہ تم سے راضی ہوگا)

تو ارشاد یہ ہوا کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا نہ کہ ان کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا جو گمراہی میں پڑ گئے۔ سرکار ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ مغضوب سے مراد یہودی ہیں اور ضالین سے مراد نصرانی ہیں۔ امام بیضاویؒ نے اسے عقلی انداز سے بھی حل کیا ہے کہ انسان میں دو قوتیں ہوتی ہیں۔ ''ایک قوت علمی اور ایک قوت عملی'' اگر عملی چھوڑ دی جائے تو فسق پیدا ہوتا ہے اور غضب ربانی کا سبب بنتا ہے اور اگر علمی قوت چھوڑ دی جائے تو جہالت پیدا ہوتی ہے۔ جو گمراہی کا ذریعہ ہے۔ انہوں نے یہ دلیل عقلی انداز سے دی ہے لیکن سرکار ﷺ کی اپنی زبان اقدس سے اس آیت کی جو تشریح ہے وہ یہ ہے کہ مغضوب قوم یہودیوں کی ہے۔ اگر آپ یہود کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ اس قوم نے انسانیت کی تضحیک و تذلیل کرنے کے لیے مختلف مراحل پر کیسے کیسے حربے استعمال کیے ہیں۔ انشاللہ بعد میں عرض کروں گا۔ قرآن پاک نے ارشاد فرمایا کہ یہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کی گمراہی کا انہوں نے سامان بھی کیا۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ایک طرف دلال کا کام اس دور میں یہودی سرانجام دے رہے ہیں اور گمراہی پھیلانے کا کام عیسائیت کے ہاتھ میں چلا گیا ہے اور مزید یہ کہ اس وقت سپر پاور بھی یہی ہیں، حکمران بھی یہی ہیں۔ اب جہاں مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی ہے ادھر کچھ بھی نہیں کرتے اور جب کسی عیسائی کی بات آتی ہے تو اس کے حقوق کا تحفظ کس کس طریقے سے کیا جاتا ہے!! دیکھیں، وسیع النظری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ دلائل چھوڑ کے گالیاں دینا شروع کر دیں اور پھر توقع رکھیں کہ اسے وسیع النظری کے ضمن میں قبول کر لیا جائے گا۔ ہمارے ہاں یہ جو دو چار عیسائیوں کا حادثہ پیش آیا وہاں کے اصل حالات یہ تھے کہ دو چار مہینوں سے ایک لفافے میں آٹھ یا دس کاغذ بند کر دیتے تھے اور ان کاغذوں پر سرکار ﷺ کے خلاف بکواسات لکھے جاتے تھے۔ آپ باہر نکلتے ہیں دروازہ کھولا تو اس لفافے پر آپ کا پتا لکھا ہوا ہوتا ہے لفافے میں آٹھ دس پرچے ہوتے ہیں جن میں سرکار ﷺ کے خلاف بکواسات لکھے ہوتے ہیں۔ لوگوں نے معاملہ پولیس تک پہنچایا

Marfat.com

دو، سیر گندم دیدو اگر گندم نہیں تو چار چار کلو جو دیدو (۳) ایک بکری ذبح کرو اس ادائیگی کے بعد حجامت بنوا کر احرام کھول دو

۱۸۷ حج کی تین قسمیں ہیں (۱) عمرہ کے بغیر جو حج کیا اسے حج افراد کہتے ہیں اس میں قربانی نہیں (۲) عمرہ کیا اور احرام کھول دیا پھر آٹھ ذوالحج کو حج کے لیے احرام باندھ کر حج کیا اسے حج تمتع کہتے ہیں (۳) حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھا، عمرہ کر کے احرام نہ کھولا اسی احرام میں حج ادا کرلیا اسے حج قران کہتے ہیں۔ حج کی ان دو قسموں میں قربانی ہوتی ہے کیونکہ ایک سفر میں دو عبادتیں جمع ہوئی ہیں تمتع کا معنی ہے فائدہ حاصل کرنا اور قران کا معنی ہے ملا دینا۔ اب اگر قربانی نہ مل سکے تو حج کے دنوں (سات آٹھ نو ذی الحج) میں تین روزے رکھ لے اور حج سے فارغ ہو کر بارہ ذوالحج کے بعد سات روزے رکھ کر دس پورے کر لے

۱۸۸ ایک سفر میں حج وعمرہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو مکہ مکرمہ اور میقات کے اندر رہنے والے نہ ہوں مکی عمرہ الگ اور حج الگ کریں گے۔ میقات اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے احرام باندھے بغیر آگے نہ جا سکتے ہوں۔ مختلف اطراف سے آنے والوں کے میقات الگ الگ ہیں ان کے نام یہ ہیں (۱) اہل مدینہ اور اس طرف کے لوگوں کا میقات ذوالحلیفہ (بئر علیؓ) ہے (۲) عراق اور اس طرف کے آنے والوں کا میقات ذات عرق ہے۔ (۳) اہل شام اور اس طرف کے لوگوں کیلئے جحفہ ہے۔ (۴) نجد والوں کے لیے قرن ہے (۵) یمن اور اس سمت کے لوگوں کے لیے یلملم ہے پاکستان کے جو حاجی بحری راستے سے جاتے ہیں بحیرہ احمر میں داخل ہو کر یلملم کے مقابل سے گزرتے ہوئے احرام باندھتے ہیں۔ ہوائی جہاز سے سفر والوں کو جہاز میں بتا دیا جاتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ ائیر پورٹ سے احرام باندھ لیا جائے

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي

حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں ۱۸۹ پس جو نیت کر لے ان میں حج کی تو اسے جائز نہیں بے حیائی کی بات اور نہ نافرمانی اور نہ جھگڑا حج کے دنوں

الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ

میں ۱۹۰ اور جو تم نیک کام کرو تو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے ۱۹۱ اور سفر کا توشہ تیار کرو ۱۹۲ اور سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے

وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

اور ڈرتے رہو مجھ سے اے عقلمندو

۱۸۹ معلوم مہینے یہ ہیں شوال، ذی قعد اور ذی الحج کے دس دن۔

۱۹۰ رفث کا معنی جماع ہے یا جماع کے متعلق باتیں ہیں۔ فسوق سب چھوٹے بڑے ظاہر و پوشیدہ گناہوں کو کہتے ہیں۔ جدال جھگڑا ہے ان سب باتوں سے روک دیا گیا ہے تاکہ تربیت نفس میں خلل نہ آئے حاجی پوری طرح تربیت نفس پا سکیں۔

۱۹۱ تمہارے سب اعمال تمہارے سب جذبات، تمہارے سب خیالات اللہ کریم سے مخفی نہیں جب تم اس مقدس سفر میں خیر وفضل کے

Marfat.com

طالب رہو گے تو اللہ تعالیٰ اسکی شاندار جزا عطا فرمائے گا۔

۱۹۲عربوں کی عموماً اور یمنیوں کی خصوصاً عادت تھی کہ وہ خرچ لیکر حج کا سفر نہ کرتے تھے کہتے خرچہ لیکر چلنا توکل کے خلاف ہے اسلام نے مسلمانوں کو اس عادت سے روک دیا خرچہ لے کر چلنے کا حکم دیا تا کہ پیسے پاس ہوں تو دوسروں کی مدد ہو یا کم از کم اپنا خرچہ تو چلتا جائے اور کسی پر بوجھ نہ بنا جائے، لیکن بہترین توشہ تو تقوی و پرہیزگاری ہے جو آخرت کے طویل سفر میں خرچہ ہے۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا

نہیں ہے تم پر کوئی حرج (اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم تلاش کرو اپنے رب کا فضل (رزق) ۱۸۸۔ پھر جب واپس آؤ عرفات سے تو ذکر

اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَـرَامِ ۖ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ ۚ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۱۹۸﴾

کرو اللہ کا مشعر الحرام (مزدلفہ) کے پاس اور ذکر کرو اس کا جس طرح اس نے تمہیں سکھایا اور اگرچہ تم اس سے پہلے گمراہوں میں سے تھے ۱۸۹

۱۸۸لوگ کہا کرتے تھے کہ تاجروں، مزدوروں اور ساربانوں (اونٹوں والے) کا کوئی حج نہیں یہ تو تجارت کے لیے آتے ہیں۔ اس آیت میں انکے نظریئے کی تردید فرمائی جارہی ہے کہ حج میں نفع کمانا جائز ہے یہ فضل ربانی ہے ناجائز نہیں۔ ہاں یہ یاد رکھو کہ بالکل نفع کمانے کے ہو کر نہ رہ جاؤ اور حقیقی مقصد یعنی ذکر الٰہی کو بھول نہ جاؤ۔ نفع بھی کماؤ اور ذکر الٰہی کا نفع بھی حاصل کرو ۱۸۹ جب نویں شام کو عرفات سے پلٹو تو رات مشعر الحرام (مزدلفہ) میں گزارو اور وہاں خوب ذکر الٰہی کرو اور تسبیح و تہلیل میں وقت صرف کرو، مشعر حرام اس مسجد کا نام ہے جو مزدلفہ میں قزح پہاڑ پر واقع ہے امام وہیں قیام کرتا ہے سارا مزدلفہ وادی محسر کو چھوڑ کر موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے لیکن مشعر حرام کے قرب و جوار میں ٹھہرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے

ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر پلٹو وہاں سے جہاں سے دوسرے لوگ پلٹتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے ۱۸۹

۱۸۹قریش کہتے تھے کہ ہم اہل اللہ ہیں اور حرم کے باشندے ہیں لہذا ہم عوام کی طرح عرفات میں نہیں جا سکتے ہیں یہاں انکے اس خیال کی تردید فرمائی جارہی ہے کہ ایسا نہ کیا کرو تم بھی لوگوں کے ساتھ عرفات میں جاؤ اور وہاں سے ہو کر مشعر حرام میں آؤ ان باطل امتیازات کو اور جھوٹے تفاخر کو چھوڑ دو حج انہیں مٹا کر مساوات انسانی کا درس دینے کے لیے ہے تم بھی عوام کے ساتھ رہ کر ان جاہلی برتریوں کو ختم کرو۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ

اور جب تم پورے کر چکو حج کے مناسک تو اللہ کو یاد کرو اس طرح جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی شدت کے ساتھ

يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

ذکر کرو ۱۹۰، پھر (ایسا ہوتا ہے کہ) تم میں بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور ان کے لیے آخرت میں

کوئی حصہ نہیں (ہوگا) ۱۹۱

۱۹۰ مکی عموماً اور قریشی خصوصاً جب حج سے فارغ ہوتے تو بیت اللہ کے قریب محافل منعقد کرتے ان محافل میں وہ اپنے اسلاف کے کارنامے بیان کرتے شعر و نثر اور خطاب میں ان کے تذکرے کرتے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوششیں ہوتیں، اللہ کریم نے اس رسم کو ختم کرنے کا حکم دیا، مطلب یہ کہ فانی انسانوں کے تذکروں میں کیوں پڑے ہوئے ہو قادر و قیوم کا ذکر کرو تا کہ زندگی میں رعنائی اور بہار آئے۔ یہاں او کا لفظ اختیار کے لیے نہیں بلکہ ترقی کے لیے ہے اور بل کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی آباء کے ذکر سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔

۱۹۱ مکہ کے مشرکین کا آخرت کی زندگی پر ایمان نہیں تھا انکی ساری مساعی اس عارضی دنیا کے حصول کیلئے تھیں لہذا حج میں بھی وہ اسی دنیا کے حصول کا سوال کرتے تھے قرآن نے فرمایا پھر ان کا آخرت میں حصہ کیوں کر ہو؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

اور ان میں وہ (بھی) ہیں جو کہتے (دعا کرتے) ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

عطا فرما اور ہمیں عذاب نار سے بچا ۱۹۲

۱۹۲ اب تذکرہ مکہ والے مشرکوں کے مقابلے میں پیش فرمایا جا رہا ہے کہ مومن کی نظر صرف اس دنیا تک محدود نہیں ہوتی وہ دنیا کے ساتھ آخرت کا بھی طالب ہوتا ہے حسنہ سے مراد ہر اچھائی ہے علامہ قرطبی فرماتے ہیں" دعا کے سیاق میں حسنہ کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس سے مراد ہر اچھائی ہے" رحمت عالم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا وہ چوزے کی طرح دبلا ہو رہا تھا آپ ﷺ نے اس شخص سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتا تھا کہ اے اللہ جو عذاب تو نے قیامت کو دینا ہے وہ اسی دنیا میں دے کر حساب برابر فرما دے سید کل ﷺ نے فرمایا 'تم میں عذاب خداوندی کو برداشت کرنے کی قوت کب پیدا ہوگی! تم یہ دعا کیوں نہیں کرتے کہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

یہی لوگ ہیں جن کا حصہ (بدلہ) ہے اُس (عبادت) میں جو انہوں نے کمایا (کی)، اور اللہ حساب لینے میں بہت سریع ہے ۱۹۲

۱۹۲؎ جو دنیا اور آخرت دونوں کو طلب کرتے ہیں انہیں اپنے اعمال کا انعام ملے گا اور جلد وہ اپنی نیکیوں کا بدلہ پالیں گے اور ایسے لوگ ایمان والے ہیں جن کی نگاہ میں بھی وسعت ہے اور عقیدے میں بھی وسعت ہے عمل میں بھی وسعت ہے لہذا ان کے اجر میں بھی وسعت ہے

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ

اور اللہ تعالیٰ کو (خوب) یاد کرو (چند) گنے ہوئے (حج کے) دنوں میں، ۱۹۳؎ پس جس نے جلدی کی جانے میں دو دنوں ہی میں (تو بھی) اس پر گناہ

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

نہیں اور جو ٹھہرا رہا اس پر بھی گناہ نہیں (بشرطیکہ) اللہ کا ڈر، تقویٰ (دل میں) ہو، اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ تم (ضرور) اس کی طرف (حضور) جمع کیے جاؤ گے ۱۹۴؎

۱۹۳؎ یہ گنتی کے چند دن ہیں، آٹھ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے منیٰ کے لیے نکلے نو کو عرفات میں گئے سورج ڈوبنے پر وہاں سے واپس مزدلفہ کو چلے رات وہاں بسر کی دس کی صبح کو وہاں سے منیٰ آئے، کنکریاں ماریں، سرمنڈایا یا بال کٹوائے۔ قربانی دی اور احرام کھول دیا کپڑے بدلے تین دن کنکریاں ماریں دس سے تیرہ تاریخ تک وہاں ہی قیام کیا، بارہویں دن کی کنکریاں مارنے کے بعد واپس مکہ مکرمہ آجانا جائز ہے۔ انہیں تین دنوں میں طواف زیارت کیا جو فرض ہے، تیرھویں کی رات وہاں قیام کرکے دن کو کنکریاں مار کر مکہ مکرمہ واپس آنا امام اعظمؒ کے نزدیک افضل ہے۔ منیٰ میں جتنے دن قیام ہو حمد وثنا میں مشغول ہو کر باطن کی اصلاح کرنی چاہیے ۱۹۴؎ دو دن گزار کر جلد چلا گیا تو گناہ نہیں اور تیسرے دن کے لیے رہ گیا تو بھی حرج نہیں البتہ امام اعظمؒ کے نزدیک یہ افضل ہے یہ دو دن گیارہ اور بارہ کے ہیں (مظہری۔ بیضاوی) اصل بات پرہیزگاری ہے ان دنوں کے قیام کے دوران باطنی طہارت کا خصوصی خیال رکھا جائے، ذکر، تسبیح وتہلیل، تلاوت قرآن، نوافل، استغفار اور درود شریف کی کثرت کی جائے انعامات الہیہ کو یاد کیا جائے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور (سننے والے) لوگوں سے وہ بھی ہے کہ پسند آتی ہے تجھے اس کی گفتگو دنیاوی زندگی کے بارے میں اور وہ گواہ بناتا رہتا ہے اللہ کو اس پر

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

جو اس کے دل میں ہے ۱۹۳؎، حالانکہ وہ (حق کا) سخت ترین دشمن ہے ۱۹۴؎

Marfat.com

۱۹۳ یہاں بیان منافقوں کی عادات واطوار کا ہے کہ وہ سامنے آتے ہیں تو ایمان کا دعوی کرتے ہیں میٹھی باتیں کرتے ہیں قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ سچے مومن ہیں لیکن عملاً وہ اسلام کے سخت دشمن ہیں جھگڑا فساد انکی فطرت میں داخل ہے۔ آیت اگرچہ اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر اس کا حکم عام ہے کیونکہ سب منافقین ایسی ہی عادت وسرشت کے ہوتے ہیں ان کا کام بھی ایک ہی ہوتا ہے۔

۱۹۴ بہت سخت عداوت رکھنے والے جھگڑالو کو الـدّ کہتے ہیں یہ اسم تفضیل ہے خصام مصدر ہے اور مخاصمہ کے مترادف ہے باب مفاعلہ کی کئی مصدریں اس وزن پر آتی ہیں مقاتلہ کیلئے قتال استعمال کرتے ہیں، اسے خصم (دشمن) کی جمع بھی کہہ سکتے ہیں۔

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے تو سرتوڑ کوشش کرتا ہے کہ ملک میں فساد برپا کردے اور تباہ کردے کھیتوں کو اور نسل انسانی کو اور اللہ تعالی فساد کو پسند نہیں کرتا ۱۹۵

۱۹۵ تـولـی دومعنوں میں استعمال ہوتا ہے پیٹھ پھیرنا، حاکم بن جانا، یہاں دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں یعنی جب وہ مسلمانوں کے پاس سے اٹھتا ہے، پیٹھ پھیر کر نکلتا ہے تو پھر سازشیں شروع کردیتا ہے اور جب اسے اقتدار ملتا ہے تو اس کا اصلی رنگ ظاہر ہوجاتا ہے فتنہ اور فساد پھیلاتا، مار دھاڑ کرتا ہے لوٹ کھسوٹ کرتا ہے یہی دو معنی علامہ بیضاویؒ نے بھی بیان فرمائے ہیں مگر وہ پہلے معنی کو ترجیح دیتے ہیں

وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اور جب کہا جائے کہ خدا سے ڈر تو اسے عزت (غرور) گناہ پر اکساتا ہے پس اس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ۱۹۶

۱۹۶ اخنس ہو یا باقی منافقین سب کی ایک ہی چال ہے جب انکی فتنہ سامانیوں اور شرانگیزیوں سے روکا جاتا ہے تو وہ بھر جاتے ہیں غصہ سے نتھنے پھول جاتے ہیں گردن اکڑ جاتی ہے وہ اسے ذاتی وقار اور شخصی وانفرادی عزت کا مسئلہ بنالیتے ہیں، انہیں اپنا مصنوعی اسلام بھی بھول جاتا ہے وہ خوف خدا سے عاری ہوجاتے ہیں، عذاب خداوندی کو بھول جاتے ہیں اور اپنے جھوٹے وقار کو بچانے کے لیے اپنی ساری قوتیں مقابلے کیلئے جھونک دیتے ہیں یہ ہر دور کا مسئلہ ہے ہمیں بھی سوچنا چاہئے، کہیں ہم بھی ویسے ہی مرض میں مبتلا تو نہیں ہیں؟ علمائے عالی مقام خصوصاً غور فرما کر ممنون فرمائیں۔

Marfat.com

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴿۲۰۷﴾

لوگوں میں ایک بندہ ایسا بھی ہے جو اپنی جان اللہ کی مرضی چاہنے کے لیے بیچ دیتا ہے اور اللہ بندوں کے لیے بہت مہربان ہے ۱۹۷

۱۹۷ اس آیت سے قبل والی آیات میں اللہ کریم نے ہمارے سامنے ایک ایسے بندے کی زندگی واضح فرمائی کہ جس کی زندگی کا اس کی زندگی سے موازنہ ہو رہا ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی جان بیچ دیتا ہے، واقعہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف جانا چاہ رہے تھے، مشرکین مکہ نے ان کا راستہ روکا صحابی نے فرمایا کہ تمہیں میری جان کی ضرورت ہے یا میرے سامان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں تیری جان سے غرض نہیں ہے، اپنی کمائی بھی ہمارے حوالے کرو، اور مکہ میں تمہارے مکان اور زمینیں بھی ہم لے لیں گے، آپ نے بڑی خوشی سے سب کچھ دے دیا، اور خود جانب مدینہ عازم سفر ہوئے، سرکار علیہ السلام سے ملاقات ہوئی (سرکار دو عالم صلی اللہ علیک وسلم کا ایک ارشاد ہے جس پر میں کبھی کبھی بڑا غور و فکر کرتا ہوں آپ نے فرمایا! آج تو میں تمہارے درمیان بیٹھا ہوں، ایک دور وہ بھی آئے گا، کہ میرے ایک غلام کو اگر کہہ دیا جائے کہ ساری دنیا کی بادشاہت تیرے حوالے کرتے ہیں، اسے لے لے یا ایک اچٹتی سی نگاہ نبی کریم صلی اللہ علیک وسل کے چہرۂ اقدس پر ڈال لے، دو باتوں میں سے کون سی بات قبول کرتا ہے، تو میرا غلام کہے گا کہ مجھے محبوبؐ کے چہرہ اقدس پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالنا زیادہ عزیز ہے بنسبت اس کے کہ مجھے دنیا کی بادشاہت مل جائے، سرکار کے دور میں بہت سارے صحابہ اسی انداز سے جی رہے تھے، حضرت صہیبؓ بھی ان میں سے ایک تھے، سارا کچھ دے کر جب محبوب کی بارگاہ اقدس میں پہنچتے ہیں نہ تو پاپیادہ سفر کی جسم میں کوفت رہی، نہ ہی مال و دولت کے جانے کا غم، جس دولت کی تلاش تھی وہ مجسم انداز میں ان کے سامنے موجود تھی، بات اتنی سی تھی جو میرے ایک سادہ سے دوست نے شعر میں کہہ دی!

نظریں تیرے وجود کا کرتی رہیں طواف ——— دل تجھ میں شاہکار تیرا ڈھونڈتا رہا

یہ وہ بات ہے جو محفل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ اندازوں کی ترجمان ہوتی ہے، ایک لڑکا تھا جو بالغ ہو گیا، یا بالغ ہونے کے قریب تھا سرکار علیہ السلام کی غلامی قبول کر لی، سرکار مدینہ تشریف لا چکے تھے، ادھر لڑکے کو باپ مارتا پیٹتا ہے مگر وہ باز نہیں آتا، ایک دن گھر آیا تو والد نے کہا کہ تمہارے جسم پر کپڑے میری کمائی کے ہیں، انہیں اتار دے، اور میرے گھر سے اسی وقت نکل جا، کپڑے اس نے اتار دیے اور گھر سے نکل گیا، اس کی والدہ نے گھر کی عقبی کھڑکی سے ایک پرانا کمبل اپنی ملازمہ کے

Marfat.com

ہاتھ بھیجا کہ تمہارے مالک کو خبر نہ ہو، خفیہ طور پر جاؤ اور میرے بیٹے کو یہ کمبل دے آؤ، اس نے مدینے کا راستہ لیا ہوگا، اسے پتہ تھا کہ صحابہ کو محبت کھینچ کر کہاں لے جاتی ہے، وہ ملازمہ گئی اور کمبل دیا، لڑکے نے وہ اوڑھ لیا، پھر وہ کمبل موسم کے لحاظ سے بے حد گرم ہے مگر باوجود اس کے ننگے پاؤں بھاگے جا رہا ہے، پاؤں زخمی ہو گئے، ادھر سے سرکار علیہ السلام مسجد نبوی سے نکلتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کا ایک مہمان آ رہا ہے صحابہ منتظر تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مہمان کس وقت آتا ہے اگلی نماز کے وقت سرکار علیہ السلام مسجد سے نکلے یہ لڑکا سامنے سے آ رہا تھا، ارشاد فرمایا کہ وہ ہے اللہ تعالیٰ کا مہمان، جب وہ قریب آیا وجدانی کیفیت کیا تھی کہ اس کی محبت کی ساری رعنائیاں اس کی نگاہوں میں سمٹ کر آ گئی تھیں، کہ اب دیدار ہونے لگا ہے، سرکار پر نگاہ پڑی، دنیا کی ساری مصیبتیں تو ایک طرف رفع ہو گئیں، آگے لپکا سرکار علیہ السلام کے پاہائے اقدس کو بوسا دینا چاہا صحابہ کی یہ اکثر عادت مبارکہ تھی کہ سرکار کے مبارک قدموں کو چوم لیا کرتے تھے، سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں بازوؤں سے پکڑا اٹھا کر سینے سے لگا لیا، میں یہاں سوچتا ہوں کہ سرکار کی معراج تو لامکان میں تشریف لے جانا ہے، کیا بندے کی معراج یہ نہیں کہ سرکار اسے اٹھا کر سینے مبارک سے لگائیں؟ انسان کی یہ وہ معراج ہے جس سے اوپر کوئی معراج نہیں، اب وہ طریقہ بتایا کہ وہ مل جائے تو انسانی عظمت مل جاتی ہے، فرمایا!

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ

ایمان دارو! اسلام میں اپنے پورے وجود کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلم

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

کھلا دشمن ہے ۱۹۸

اس لفظ کو سِلم اور سَلم پڑھا جا سکتا ہے، یعنی س پر زیر کے ساتھ اور زبر کے ساتھ اس کا لفظی معنی اطاعت وفرمانبرداری ہے چونکہ اسلام سے یہی مراد ہوتی ہے اب معنے میں ایک باریکی ہے جسے واضح کرنا چاہتا ہوں، ''ادخلوا'' کے اندر تم کا لفظ چھپا ہوا ہے، ''کافۃ'' کا لفظ سلم کے لیے حال بن سکتا ہے اب دونوں حیثیتوں سے معنی یہ ہوگا کہ تم اپنے وجود پر اسلام کو لاگو کرو۔ وجود کے کچھ حصے اسلام کو مانیں اور کچھ انکار کریں، یہ بات نہ ہو، یہاں ایک نظریے کی تردید ہوگئی، جو یہودیت وعیسائیت نے نبیوں کے جانے کے بعد اپنا لیا تھا، انہوں نے کہا تھا زندگی کے دو حصے ہیں ایک پرائیوٹ لائف دوسری پبلک لائف۔ مذہب کا مسئلہ پرائیویٹ لائف سے ہے، اس کا پبلک لائف سے تعلق نہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیاست دان جس انداز سے سیاست کریں مذہب ان سے

Marfat.com

نہیں پوچھے گا، عدالتیں جس انداز سے حکومت چلانا چاہیں، چلائیں مذہب ان سے نہیں پوچھے گا، اقتصادی اور سیاسی نظام اپنی اپنی مرضی سے چلے، اصل بات یہ تھی کہ یہودیت وعیسائیت کے دینوی رہنماء پادریوں کو زندگی کے سارے اطوار سے نکال دینا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے انجیل میں ایک جملہ بھی گھڑا کہ خدا کا حصہ خدا کو دو، بادشاہ کا بادشاہ کو، زندگی وحدت نہ رہی بلکہ تقسیم ہو گئی، لہذا بادشاہ اور خدا مقابلے میں آ گئے لیکن اسلام کے نزدیک زندگی توحید کی ترجمان ہے، لہذا وہ تقسیم کو برداشت نہیں کرتی، وہ وحدت رہے گی، یہی وہ بات ہے جو قرآن پاک یہاں سمجھانا چاہتا ہے، کہ اپنے آپ کو اسلام کے حوالے کر دو۔ یہ سمجھنے کی بات اس وقت تھی، جب ادخلوا کے اندر انتم کی ضمیر سے کافۃ کو حال مانیں، اب اگر اسے سلم سے حال مانیں تو پھر مطلب ہوگا کہ اسلام کے ٹکڑے نہ کرو ابتداء سے انتہا تک سارے اسلام کو ماننا ہوگا، بہر حال اسلام نے گزشتہ عیسائیت و یہودیت کا نظریہ رد کر دیا، نتیجہ یہ کہ بادشاہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے تابع ہے، یہاں ایک تصوف کا نکتہ عرض کروں کہ روح جب بھی اٹھتی ہے تو وحدت کی طرف اٹھتی ہے، کثرت کی طرف نہیں اٹھتی، اس کی وجہ یہ ہے کثرت کی حد کوئی نہیں، اگر آپ کثرت میں کھو گئے پھر پیچھے پلٹنا مشکل ہو جائیگا، لہذا وحدت کو چھوڑ کے کثرت میں کھو جانا، صراط مستقیم کو گم کر دینا ہے، اس لیے وہ اہل اللہ کا راستہ نہیں ہے، فرمایا اپنے آپ کو اسلام کے حوالے کر دو، کچھ قبول کرو اور کچھ کا انکار، ایسی بات نہ ہو اس لیے کہ جب اس وحدت سے کٹو گے تو تم شیطان کے قدموں کے پیچھے چلنے لگ جاؤ گے، وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان میں دو قوتیں ہیں ایک قوت جو اللہ تعالیٰ کی طرف لے کر جاتی ہے، اسے غالب رہنا چاہیے، اور دوسری قوت شیطانی ہے جو اللہ تعالیٰ سے کاٹتی ہے، اسے مغلوب رہنا چاہیے، اب جبکہ قرآن پاک تمہارے سامنے آ گیا ہے

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

اگر تم پھسل جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس کھلم کھلی آیات آ چکی ہیں تو جان لو! بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے ۱۹۹

"فاعلموا" تو جان لو۔ "ان اللہ عزیز حکیم" بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک آنے کے بعد کسی اور کتاب کو ایمان و عمل کا مرجع نہ بنایا جائے، اگر کہیں لغزش ہو گئی ہے تو اللہ کریم سے معافی مانگ لیں، اب تم اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے شیطانی قوت کو بیدار کر کے آگے بڑھ جاؤ گے، تو اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کے غلبے سے بچ نہیں سکتے، اس کا نظام بڑا حکیمانہ ہے، اسے توڑ کر بھی آپ کہیں نہیں جا سکتے، پھر عقل کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ، ان لوگوں کا سرکار علیہ السلام کے دور اقدس میں مطالبات کا ایک لمبا دور تھا، وہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا، ایک بات ہو گئی جواب مل گیا، دوسری سامنے آ گئی پھر تیسری۔ اکثر یہ ہوتا کہ وہ باتیں یا تو طعن و تشنیع کی ہوتیں یا ان کے پیچھے جزوی عقل کی پیروی ہوتی تھی، اور اس میں کسی انداز کا کمال نہیں ہوتا، فرمایا!

Marfat.com

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۚ وَاِلَى

وہ نہیں انتظار کررہے مگر اس بات کی کہ آجائے ان کے پاس اللہ تعالیٰ بادل کے سائبانوں میں، اور فرشتے آجائیں اور بات کا فیصلہ

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع

ہوجائے، اللہ کی طرف ہی معاملات پلٹ کے جاتے ہیں ۲۰۰

۲۰۰ ''ھل۔ کا معنی کیا ہوتا ہے مگر جب اس کے بعد ''الا'' آجائے تو یہ نافیہ ہوجاتا ہے۔

یہاں لفظ ہے اللہ آجائے، یہ بات عجیب سی لگتی ہے، یہاں مفسرین دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک نے کہا جسے تفسیر مظہری میں نقل کیا گیا ''کل ما وصف اللہ به نفسه لیس لاحد ان یفسره الا اللہ ورسوله' امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جو وصف اللہ کریم اپنی ذات کی بیان کرتے ہیں، اور ہمیں وہ سمجھ نہیں آتی، تو کسی کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کی تفسیر کرے، چونکہ عقل ناقص ہے لہذا اس کی تفسیر اللہ تعالیٰ جل شانہ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی فرماسکتے ہیں، ہمارے فقہائے ملت میں سے جس فقیہ کو عقل پسند کہا جاتا ہے وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، یہاں ان کی یہ رائے ہے کہ ایسی آیت کی تفسیر اپنی عقل سے نہ کی جائے، بہت سے مفسرین نے یہ کہا کہ جب ایسی بات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو (یہ آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا۔ انسان کی صفات ہیں اللہ تعالیٰ کی نہیں، لہذا یہاں تاویل ہوگی اور کوئی لفظ محذوف مان کر اس براہِ راست نسبت کو بدل دینا ہوگا، اب مفسرین کی آراء ملاحظہ ہوں)

بیضاوی اس آیت کے نیچے فرماتے ہیں۔'' ان یاتیھم امر اللہ وباسه '' کہ بادل کے سائبانوں میں اللہ تعالیٰ نہیں آئے گا، اللہ کا حکم آئے گا، یا اس کا عذاب آئے گا، امام رازی و صاحب کشاف نے بھی یہی بات کہی ہے۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ

آپ اسرائیل کی اولاد سے پوچھیں ہم نے کتنی ساری انہیں واضح نشانیاں دی تھیں، (ان پر نعمتیں نازل فرمائی تھیں) اور جو کوئی اللہ کی نعمت کو

تبدیل کردیتا ہے اسکے بعد کہ وہ نعمت اس کے پاس آگئی ہے

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

یقیناً اللہ سخت عذاب والا ہے ۲۰۱

۲۰۱ سب سے بڑی نعمت کسی قوم میں نبی کا تشریف لانا ہوتا ہے، اللہ کی کتاب کا آنا پھر ظاہری اقتدار کامل جانا) یہ ساری باتیں بنی اسرائیل کے پاس تھیں، لیکن انہوں نے کفران نعمت کیا من یبدل نعمة اللہ اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کردیتا ہے۔

Marfat.com

"من بعد ما جآء تہ" اس کے بعد کہ وہ نعمت اس کے پاس آگئی ہے۔ **"ان اللہ شدید العقاب"** یقیناً اللہ سخت عذاب والا ہے۔ سابقہ امتوں کے احوال کو بیان کیا جا رہا ہے، کہ تم سے پہلے لوگوں پر یہ انعام واکرام نازل ہو چکے ہیں، آج اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات سے مسلمانوں کو منتخب کرلیا ہے، اور ساتھ اس بات کی تنبیہ ہے کہ اس کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرو، آپ دیکھیں کہ ہماری جدید تاریخ بہت سارے معاملات میں بہت ٹیڑھی ہوگئی ہے، ہم نے بھی عملاً زندگی کے دو خانے کر دیے ہیں، ہم نے اسلام کو بھی اپنی زندگی کا پرائیویٹ مسئلہ بنالیا ہے، اور پچھلی تین چار صدیوں سے اسلامی ریاستوں میں اس کی وہ بھی اہمیت نہیں جو کم از کم عیسائی ریاستوں میں گرجے کا مقام ہے، وہاں نچلی سطح کا پادری بھی فادر صاحب ہے، اور یہاں جو آپ کے مذہبی رہنما ہیں، ایک آدھے ملک کو چھوڑ کے ان کا کوئی مقام نہیں، اور برصغیر میں تو انگریز نے جو کمیوں کی فہرست بنائی تھی آپ کی مساجد کے ائمہ وخطباء بھی اس میں شامل ہیں، اب دیوبند، بریلی یا کسی اور عظیم ادارے کے فاضل کو ایک طرف رکھیں، تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک پادری کا علمی دنیا میں اس کے مقابلے میں وہ وزن بھی نہیں، جو ایک ماشے کا ایک کلو کے مقابلے میں ہوتا ہے، تو ہم نے اس انداز سے وہی بات اپنالی جو مغرب چاہتا ہے اور پھر مغرب نے شعوری اور لاشعوری طور پر ہمارے مزاج کو بدلنے کی کوشش کی ہے، وہ سامنے ہے عالم اسلام اتنا بدمزاج ہو چکا ہے، کہ ہماری تنظیمیں اندر سے چور ہیں، انہوں نے اسلام کو اسی حد تک سمجھا ہے کہ وہ آئے گا تو چوروں کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے، تو آدھی قوم بلکہ اسی فیصد ٹنڈی ہو جائیگی، پھر یہ بدکاری کی سزا کے لیے کتنے لوگ قانون کی گرفت میں آجائیں گے، یہ بات وہ قوم تو کرسکتی ہے جو قانون کے بغیر زندگی گزار رہی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ قتل کریں تو انگریزی قانون تو آپ کو سزائے موت دے تب تو آپ کو مرتے ہوئے دکھ درد نہیں ہوگا لیکن اسلامی آئین آپ کو سزائے موت دے تو گویا یہ موت ایسی بھاری ہے کہ اس سے بچنے کے لیے اسلامی آئین کو اپنے ملک میں نہیں آنے دینا چاہتے۔

مغرب نے ذہن میں ایک بات ڈال دی ہے کہ جدید دور میں اسلام چل نہیں سکتا۔ تو فرمایا کہ جو دی ہوئی نعمتوں کو ناشکری کی ٹھوکروں سے اڑا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے شدید عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے، آپ پچھلی تین صدیوں میں دیکھیں اس سے بڑا عذاب کیا ہوگا کہ ہم افراتفری، بے سکونی اور طرح طرح کے انتشار کا شکار ہیں، ہماری مرکزیت نہیں رہی خزاں کے پتوں کی طرح ہمارا کوئی مقام نہیں رہا۔ تعلیمی غلامی نے آج تک ہماری جان نہیں چھوڑی، وہ مرعوبیت جو مغرب نے ہمارے ذہنوں میں ڈالی تھی، وہ آج تک نہیں نکلی اور ہم دنیا میں کس ذلت سے گزارا کر رہے ہیں، فلسطین میں ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے، آپ دیکھیں کہ اسرائیل جب چاہتا ہے لبنان پر چڑھ آتا ہے اس سے بڑی کیا ذلت ہوگی؟ دوسری طرف کشمیر کو دیکھیں تیسری طرف چیچنیا میں وہ ریاست جو آزاد ہو چکی تھی، اسے دبانے کے لیے کتنے مکروہ ہتھکنڈے اختیار کئے گئے ہیں، اور امریکہ نے کہا کہ ہمارا

پولیس نے کہا کہ اس کام میں آپ بھی ہماری مدد کریں۔ مگر پولیس انہیں پکڑنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ چار پانچ مہینے انہوں نے ایمان والوں کا خوب مذاق اڑایا۔ پھر وہی باتیں انہوں نے گھروں کی دیواروں پر لکھنا شروع کر دیں۔ لوگ بہت پریشان ہوئے اور ان کی ٹوہ میں لگ گئے۔ آخر کار تین بندوں کو انہوں نے پکڑ لیا، ان کے پاس سیاہی اور قلم موجود تھا اور تینوں باری باری دیوار پر لکھ رہے تھے۔

ہمیں ایک اور بات پہ بھی غور کرنا ہوگا کہ پاکستان میں بڑی کم تعداد یہودیوں کی ہے لیکن عیسائی اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت میں نے ایک مقالہ لکھا تھا مختلف ذرائع سے میں نے ان کی تعداد لکھی۔ دفعتاً کیا ہوا کہ سیالکوٹ کے باڈر پر چکوں کے چک آباد ہو گئے۔ مجھے آج سے بیس پچیس سال پہلے کا واقعہ یاد ہے کہ میں اپنے شہر سرگودھا گیا ہوا تھا رات کے وقت میں مکان کی چھت پر بیٹھا تو ڈھول بجنے کی آواز آ رہی تھی، میں نے گھر والوں سے پوچھا کہ اتنی رات گئے تک کیوں ڈھول بجا رہے ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ سامنے والے چک میں ایک مسلمان عیسائی ہو گیا ہے۔ مقامی عیسائی تقریباً پندرہ بیس دنوں سے رات کو روزانہ ڈھول بجا کر خوشی مناتے ہیں۔

کیا اس اقلیت سے کبھی آپ نے پوچھا ہے کہ اکثریت کے بھی کچھ حقوق ہیں یا نہیں کیا کسی ملک میں اقلیت کو یہ حقوق حاصل ہیں کہ وہ اکثریت کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے اکثریت کے مذہب کا مذاق اڑائے، اس کے رسول کے خلاف زبان درازی کرے انہیں تنگ کرنے کے لیے ڈاک میں لغویات بکے دیواروں پر گندی عبارات لکھے۔

یہ وہی لوگ ہیں جنہیں انگریز نے اپنے دور میں گھٹیا کاموں کے لیے منتخب کیا اور مسلمانوں کو خراب کرنے کے لیے ان کا نام جمعدار رکھا جو فوج میں نان کمیشن افسر کا مقام تھا اس طرح یہ اس افسر کے برابر آ گئے۔

Marfat.com

الیکٹرانک سسٹم بتا رہا ہے کہ ان کا سربراہ وہاں ہے، امریکی نے وہاں بمباری کرا کے اس کو ختم کر دیا، لیکن ہمیں تو ہمارے عظیم مذہبی فلسفی شاعر نے کہا تھا کہ!

خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

وہ سحر پیدا ہوگی اسے کوئی نہیں روک سکتا، نہ امریکہ نہ روس نہ کوئی اور قوت لیکن اسے پیدا کرنے کے لیے ہمیں واپس پلٹنا ہے اس ہدایت کے سرچشمہ کی طرف آنا ہے، جس سے ہم نے بے شمار مواقع پر فائدہ حاصل کیا ہے، اور جس کے لیے سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ کتاب ہے جس سے بے شمار قومیں عظمت حاصل کریں گی، اور بے شمار قومیں ذلیل ہو جائیں گی، اور جس کا ترجمہ اقبالؒ نے کیا!

ایں کتابے نیست چیزے دیگر است مزید فرمایا! چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود

یہ کتاب ہے ہی نہیں یہ کوئی اور چیز ہے اور اور چیز کیا ہے، جو بندے کو خدا سے ملا دیتی ہے، جب یہ جان میں جاتی ہے تو جان بدل جاتی ہے، افسوس کہ اس کو ہم نے جان سے نکال دیا ہے، اور پھر اسے جہان سے نکال دیا ہے، اب یہاں پھر زندگی کے ایک اور انداز کو اپنایا، زندگی ایک حقیقت ہے لیکن جب وہ حقیقت کثرت میں کھو جاتی ہے، یا جب وہ حقیقت مادیت میں گر پڑتی ہے حالانکہ آپ کی اصلی عظمت آپ کو روح کی وجہ سے ہے مادیت میں بے شمار کائنات آپ کی شریک ہے مادہ اپنی سب سے نچلی شکل سے لے کر حیوانیت کی شکل تک جن مراحل سے بھی گزرتا ہے وہ سب آپ کے تابع ہیں، آپ ان کے تابع نہیں، اگر آپ ان مراحل سے گزرتے ہوئے اس مادیت میں یوں کھو جائیں کہ مادیت کا جزو بن جائیں، تو آپ مقام رفیع سے بہت نیچے گر گئے ہیں، لہذا قرآن پاک نے اگلی آیت میں فرمایا!

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ

بازینت بن گئی ہے، کافروں کے لیے یہ دنیوی زندگی وہ مذاق اڑاتے ہیں جو ایماندار ہیں، اور جو پرہیزگار ہیں وہ قیامت میں مراتب میں ان

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

سے اوپر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرما دیتا ہے۲۰۲

۲۰۲ زین للذین کفرو الحیوۃ الدنیا" ٥ بازینت بن گئی ہے، کافروں کے لیے یہ دنیوی زندگی ان کو یہ زندگی بڑی خوبصورت نظر آتی ہے، جو عظیم مقام سے گر گیا اور مادیت کی نچلی سطح پر پہنچ گئے ہیں، وہ پھر کرتے کیا ہیں۔ " ویسخرون من الذین امنوا' وہ مذاق اڑاتے ہیں ان لوگوں کا جو ایمان دار ہیں، اس کا ایک خاص پس منظر بھی ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ سرکار علیہ

Marfat.com

السلام کے اردگرد غلاموں کی اکثریت ہے جن میں اکثر غرباء ہیں اور اگر غلام نہیں ہیں تو معاشرے میں بھی اکثر مزدور غریب لوگ ہیں تو کہتے کہ ایک مذہب آیا ہے جس کے پاس نہ روٹی ہے نہ کپڑا، نہ مکان، ان غریبوں کے مذہب کو کیسے قبول کیا جائے ہاتو قرآن پاک نے کہا کہ تم جو دنیوی زندگی میں کھو کے ان کا مذاق اڑا رہے ہو، یہ وہی لوگ ہیں جو دوسری دنیا میں تم سے اوپر ہوں گے۔" **والذین اتقوا فوقھم یوم القیمۃ**" ٥ وہ لوگ جو پرہیزگار ہیں، وہ قیامت میں مراتب میں ان سے اوپر ہوں گے، یہاں پرہیزگاروں سے مراد یہ ہے کہ جو دنیا کو اپنے تابع رکھنا چاہتے ہیں اپنے آپ کو دنیا کے تابع نہیں کرتے۔

"**واللہ یرزق من یشآء بغیر حساب**" ٥ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرمادیتا ہے، اب اس جملے میں ایک اشارہ تھا جسے مکہ کے مشرک سمجھ نہیں سکتے تھے، لیکن وہ بے کس جو بیکس پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت میں آچکے تھے، غلامی میں آچکے تھے، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ پیش گوئی ہے کہ مستقبل میں ان غرباء پر رزق کے دروازے کھلنے والے ہیں، اور اسی دنیا میں رزق کے میدان میں انہیں برتری ملنے والی ہے، اور پھر دنیا نے دیکھا کہ یہی لوگ زکوۃ لے کر پھر رہے ہیں مگر لینے والا کوئی نہیں، یہ تو دنیا کی بات تھی لیکن دنیوی اقتدار ان کے قدموں کے نیچے تھا، کیا یہ منظر تاریخ اسلام نے نہیں دیکھا کہ مسجد نبوی میں وہ قالین پڑا ہوا ہے جو کسریٰ کے محل میں تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں پوچھا کہ اسے کیا کریں؟ کسی نے کہا کہ اسے مسجد نبوی میں بچھا دیا جائے، دوسرے نے کہا کہ یہ اس قابل نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ اس پر بیٹھ کر وہ شراب پیا کرتے تھے، اسی پر دنیا کے فیصلے کیا کرتے تھے، اس پر کفر کی باتیں ہوا کرتی تھیں، یہ کہاں اور مسجد نبوی کا مقدس فرش کہاں، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نگاہیں مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پڑیں فرمایا! علی رضی اللہ عنہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ عرض کی میری رائے یہ ہے کہ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیے جائیں، اور وہ ٹکڑے مسلمان فاتحین کو دیے جائیں تاکہ مستقبل میں ہماری نسلیں دیکھ کر کہیں کہاں وہ غربت کا دور جس کے ڈانڈے مکہ کی زندگی سے ملتے تھے، اور کہاں یہ عظمت کا دور کہ قیصر و کسریٰ کے قالین ہمارے قدموں کے نیچے ہیں، وہ اسے دیکھ کر اس انداز کو اپنائے رکھیں گے، جو ان کے اسلاف کا ہے، تاکہ اسلام کے راستے سے وہ کبھی ہٹ نہ سکیں، بالاخر یہی کچھ کیا گیا۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةًقف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

لوگ پہلے ایک امت تھے پھر اللہ نے نبیوں کو خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا

بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ

حق کے ساتھ تاکہ وہ (نبی) لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ فرمادیں جس میں وہ اختلاف کریں، اور اس (کتاب) میں اختلاف نہیں کیا

Marfat.com

بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ بَغۡيًا ۢ بَيۡنَهُمۡ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ مِنَ

مگر ان لوگوں نے جن کو وہ دی گئی تھی اس کے بعد جب ان کے پاس واضح نشانیاں آ گئیں، آپس میں ضد (عناد) کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ

الۡحَقِّ بِاِذۡنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۲۱۳﴾

نے ایمان والوں کو اپنے اذن سے حق کی سیدھی راہ دکھا دی ان کے اس (معاملے) میں جس میں انہوں (دوسروں) نے اختلاف

کیا، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۲۰۳؎

۲۰۳؎ لوگ ابتداء میں ایک ہی گروہ تھے (پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا، یہ فقرہ اپنی طرف سے بڑھانا ہے یہ عربی بلاغت کا ایک انداز ہے کہ بات واضح ہو تو درمیان کا فقرہ چھوڑ دیا جاتا ہے) اللہ نے انبیاء کو بھیجا جب گروہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ ان نبیوں علیہم السلام کے دو کام تھے، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار کو بشارت دیتے، نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچاتے تھے، پھر اللہ کریم نے انہیں کتاب دی جو بالکل سچی تھی، تا کہ وہ نبی لوگوں کے درمیان اختلافی باتوں کا فیصلہ کر دیں، اور اس کتاب میں ان لوگوں نے ہی اختلاف کیا، جنھیں وہ کتاب دی گئی تھی، حالانکہ ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکی تھیں، یہ بات باہمی ضد کی وجہ سے تھی، ان میں سے اللہ کریم نے ان لوگوں کو جو حقیقتاً ایمان لائے تھے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں اختلافی باتوں میں حق کا راستہ بتا دیا، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دے دیتا ہے اس آیت نے ساری انسانی تاریخ کا خلاصہ بیان کر دیا، پہلی بات جو قرآن پاک نے کہی کہ ابتداء سے جو لوگ کائنات میں آباد ہوئے وہ سیدھے راستے پر تھے، اب اس بات نے فلاسفہ اور جدید یورپ کے مفکرین کی اس بات کو کاٹ دیا، وہ کہتے ہیں جب انسان اس دنیا میں آیا ہے تو بنیادی طور پر وہ خدا نا آشنا تھا، لکھو کھہا سال کے بعد اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ خدا ایک ہے، تو قرآن پاک نے جس بات کی تردید کی وہ یہ ہے، کہ انسان پہلے سارے کے سارے ایک ہی مذہب کو مانتے تھے، اور وہ عقیدۂ توحید تھا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی نشانی ہے، آپ ذرا جدید یورپ کے نظریات کو دیکھیں کسی نے کہا کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ صورت ہے، جدید ترین تحقیق یہ ہے کہ ساحل سمندر پر کرم خاکی جب اکڑا تو دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، دو حصے نر و مادہ کی شکل میں آ گئے، اسی کی مہذب شکل آ گے چل کے انسان بنتا ہے، قرآن پاک نے کہا نہیں تم اولاد آدم علیہ السلام ہو جنھیں پہلے جنت میں رکھا پھر اس دنیا کی قیادت سونپنے کے لیے بھیج دیا، اب آدم علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، اسلامی نکتۂ نظر نے انسان کو پیغمبر زادہ قرار دے کر عظمت کا تاج اس کے سر پر سجایا، اور اسی کو قرآن پاک نے کہا!

"ولقد کرمنا بنی ادم" ۵ ہم نے اولاد آدم کی تکریم کی۔ اسے عزت بخشی ہے، کیا عظمت اس میں ہے کہ انسان نبی

Marfat.com

کی اولاد ہو یا عظمت اس میں ہے کہ وہ بندر کی اولاد ہو، اب ان نظریات کو ایک طرف رکھ دیں، اور تقابل ادیان کے طور پر اسلام کا مطالعہ کریں آپ کو پتہ چلے گا کہ مغربی مفکرین نے قوم کو کس ذلت کی گہرائیوں میں پھینک دیا ہے۔

میں ایک سیمینار میں گیا، ایک مقرر تقریر کر رہے تھے، کہ انسان اصل میں مہذب بندر کی شکل ہے میں نے اپنی تقریر میں جواباً کہا کہ مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی کہ دنیا میں بندر وہ جانور ہے جو سب سے زیادہ نقال ہے جب بندروں نے دیکھا کہ ایک بندر ان کے سامنے صرف دو پاؤں پر کھڑا ہو کر چلنے لگا ہے اور چلتے ہوئے اس کی انگلیاں چھوٹی ہوگئی ہیں، ہاتھ کی انگلیاں لمبی رہ گئی ہیں اور بیٹھتے بیٹھتے اس کی دم بھی گھس گئی ہے، تو خیر سے اب وہ اچھا خاصا معتبر بن گیا ہے۔ تو جب باقی بندوں نے یہ بات دیکھی تو انہوں نے نقل کیوں نہیں اتاری، اگر یہ نقال تھے تو آج تک دنیا میں کوئی بندر باقی نہیں رہنا چاہیے تھا وہ حضرت انسان کی برادری میں سب شامل ہو چکے ہوتے، لیکن ایسا نہیں ہوا، اس نہ ہونے نے اس بات کو رد کر دیا، کہ ڈارون کا نظریہ صحیح تھا اور نظریۂ قرآن ہی حقیقت اور سچا ہے، اور قرآن پاک نے فرمایا کہ جب انسان دنیا میں پھیلے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا، اس اختلاف کی دو قسمیں تھیں۔ ۱۔ عقیدے کا اختلاف۔ ۲۔ طرز زندگی کا اختلاف

میں یہ سمجھتا ہوں کہ دو اختلاف آج بھی ہیں، مثلاً مغرب نے کہا کہ ہماری طرز زندگی اعلیٰ ہے، مشرق نے کہا ہماری اعلیٰ ہے، اسلام نے کہا کہ لباس کے سلسلے میں اس بات کا خیال رکھو، کہ جو انسانی حصے ننگے نہیں ہونے چاہیں وہ باپردہ رہیں اس سے آگے ہمیں بحث نہیں کہ وہ کپڑا کس انداز کا ہو، پتلون شلوار یا کسی اور انداز کا ہو، اس میں اپنا اپنا اندازِ فکر ٹھیک ہے، لیکن اگر کسی وقت لباس پہنتے اندازِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا لو، تو وہ بالیقین اس انداز سے بہتر ہوگا، جو آپ کو کسی اور گھر سے ملے گا، اور انسان کی فلاح و بہبود کے لیے اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ انبیاء بھی شروع فرمایا۔ اور کتاب بھی وہ دی کہ اختلافی مسائل میں فیصلہ کن انداز اپنا سکے، یہاں آگے وہ بات آئی جو خاص طور پر مذہبی طبقوں کے متعلق ہے، اور قرآن پاک نے ایک فقرے میں انسان کے سب نظریات کو اٹھا کر باہر پھینک دیا، فرمایا کہ اختلاف کتاب سے باہر ہونا چاہیے تھا، لیکن ان لوگوں نے اس کے اندر شروع کر دیا، اب جب کتاب میں اختلاف ہوا تو خدا جانے کتنے طبقات پیدا ہوگئے، یا اللہ کیا پھر سارے ہی گمراہ ہوگئے؟ ارشاد فرمایا! نہیں کچھ لوگ وہ بھی تھے، جو قرآن پاک کو اپنے پیچھے نہیں چلانا چاہتے تھے، بلکہ خود اس کے پیچھے چلنا چاہتے تھے، انہوں نے خالی والذہن ہو کر خالی القلب ہو کر اپنے آپ کو قرآن پاک کے حوالے کر دیا، اور ہدایت کے راستے کو اپنا لیا، اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹے سے جملے میں اسی بات کو فرما دیا کہ!

فهدى الله الذين امنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه " ○

اللہ نے ایمان داروں کو راستہ دکھایا، اختلافی مسائل میں سچ کا راستہ، یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا

Marfat.com

مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام یافتہ تھے، جنہیں قرآن فہمی عطا کی گئی، اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایسے لوگ کثرت سے پیدا کرے، جو قرآن سمجھیں بھی اور سمجھائیں بھی، لیکن قرآن کے تابع ہو کر چلیں، پہلے اپنے نظریات بنالیں، اور پھر قرآن کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کریں، تو یہ فساد کی بات ہوگی، اور اس فساد کو قرآن نے صرف ایک لفظ سے تعبیر کیا ہے، کہ "**بغیا بینھم**" کہ یہ ان کی باہمی ضد ہے، تعصب ہے، میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر اس ضد کو چھوڑ کر ہمارے علماء اکٹھے بیٹھنا شروع کر دیں تو بہت سے اختلاف درمیان سے ہٹ جائیں گے، ان کے مفاہیم بدل جائیں گے، کاش کوئی ایسا پلیٹ فارم ہو جہاں یہ سب متحد ہو جائیں، بے شک ہمارے ہاں ملی یکجہتی کونسل ہے مگر ابھی ہم مقصد کو حاصل کرنے سے بڑے دور ہیں، وہ دوری اس لیے ہے کہ جب مل کر بیٹھتے ہیں تب تو بڑی اچھی باتیں ہوتی ہیں اور جب اپنے اپنے سٹیجز پر جاتے ہیں تو پھر اپنے مسلک کے کنوئیں میں گر جاتے ہیں، مختلف قرآنی آیات میں بڑی لچک ہے کیا ایسے مفاہیم سامنے نہیں آسکتے جو ہمیں ایک قوم بنادیں، اگر ایسے مفاہیم موجود ہیں تو اس بیچاری قوم کو کب تک چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کر کے اس کی توانائیوں کو آپس میں ٹکرا کر تباہ کرتے رہیں گے، پھر پچھلے تین چار سو سال سے استعمار نے ہمیں تقسیم کیا، تو ہمارے علماء نے اپنی اپنی بھیڑوں اور بکریوں پر نشانات لگا دیے، ان تلخ فقروں پر مجھے معاف رکھا جائے، لیکن کیا کروں یہ دل کی آواز ہے جسے میں دبا نہیں سکتا، اب اگر یہ بھیڑ بکریاں اکٹھی مل جائیں تو ان حضرات کے مفادات ختم ہو جاتے ہیں، پھر نتھر کے کون اوپر آسکتا ہے؟ یہ وہ المیہ ہے جسے ہمارا سنی واعظ نہیں چھوڑ سکتا، شیعہ ذاکر نہیں چھوڑ سکتا، دیو بندی، بریلوی نہیں چھوڑ سکتا، اور جسے اہل حدیث نہیں چھوڑ سکتا، اگر یہ سب مل کر بیٹھیں تو سب ٹھیک ہو جائے، مثلاً آپ کو کوئی مسئلہ درپیش ہو تو کہاں جاتے ہیں؟ اہل حدیث کہے گا میں اپنی مسجد کے مولوی کے پاس جاؤں گا، وہ جو بات بتاتا ہے، آپ اسے مان لیتے ہیں، جی کیوں نہ مانیں وہ مذہب پر اتھارٹی ہے، تو اگر میں کہہ دوں کہ حنفی کہتا ہے، کہ امام ابوحنیفہؒ مذہب پر اتھارٹی ہے، تو یہی بات آپ ایک مسجد کے مولوی کے لیے کہہ رہے ہیں، اس میں آپ کو کیا اعتراض ہے، اب جن باتوں کا فیصلہ ہو چکا ہے، آج آپ ان کا فیصلہ نہیں کر سکتے، اس لیے کہ چودہ سو سالہ تاریخ کا آغاز آج نہیں ہو رہا، اس کے لیے آپ کو سوچنا ہے، کہ ملت کو ایک کر کے آگے کیسے بڑھنا ہے، ورنہ بات وہی ہوگی کہ جعفر داؤد کو شہید کر دیا جائے، اور آپ کے پچاس ملکوں میں سے کسی نے احتجاج کیا ہے؟ یہاں لاہور کے ایک بھنگی نے سرکار علیہ السلام کی شان اقدس میں گستاخی کی، مسلمانوں نے اسے مار دیا، کہ ہمارے ہوتے ہوئے یہ گستاخی؟ تو امریکہ نے آپ سے احتجاج کیا ہے کہ ایک عیسائی کو آپ نے کیوں مارا، لیکن جعفر داؤد کے قتل پر کس نے احتجاج کیا ہے؟ کس گناہ کی پاداش میں لبنان کے مسلمانوں پر بموں کی بارش برسائی جا رہی ہے؟ کیا زندگی کے معیار دوھرے ہوتے ہیں، ان دوھرے معیاروں کو تبھی ختم کیا جا سکتا ہے، جبکہ عالم اسلام متحد ہو، اس کے اتحاد کے لیے چار پانچ گروپوں کو آگے بڑھنا ضروری ہے۔

Marfat.com

۱۔علماء حضرات۔ ۲۔مشائخ حضرات۔ ۳۔پروفیسر حضرات۔ ۳۔وکلاء۔ ۴۔جج حضرات

یہ تمام حضرات آگے آئیں ان کا اس ملت پر بڑا ہولڈ ہے، اگر یہ متحد ہو کر قوم کو آگے بڑھانا چاہیں، تو مستقبل ہمارا ہے، ورنہ صرف نعروں سے یہ بات نہیں ہوگی، کہ اکیسویں صدی ہماری ہے، اکیسویں صدی اگر آپ کی آ رہی ہے، تو بیسویں صدی کا آخری عشرہ قدم قدم پر آپ کو ذلت کے گڑھوں میں کیوں گرا رہا ہے، آگے فرمایا کہ دوسری دنیا آپ نے آباد کرنی ہے اس کے لیے بیج یہاں بونا ہے، فصل آگے کاٹنی ہے، فرمایا!

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے جبکہ تمہارے پاس ان لوگوں کی مثال نہیں آئی، جو تم سے پہلے گزرے ہیں

وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ

انہیں سختی اور تکلیف نے آلیا، انہیں ہلایا گیا، یہاں تک کہ اس دور کے رسول کہنے لگ گئے، اور ان لوگوں نے کہا جو رسول کے ساتھ ایمان لائے تھے، کہ اللہ کی مدد کب آئے گی

نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

سن لو اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے ۲۰۴ؔ

"ام حسبتم" کیا تمہارا یہ خیال ہے۔"ان تدخلوا الجنة" کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"ولما یاتکم مثل الذین خلو من قبلکم" تمہارے پاس ان لوگوں کی مثال نہیں آئی، جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔

مستهم الباسآء والضرآء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنو معه متی نصر الله الا ان نصر الله قریب ☆ انہیں سختی اور تکلیف نے آلیا، انہیں ہلایا گیا، یہاں تک کہ اس دور کے رسول کہنے لگ گئے، اور ان لوگوں نے کہا جو رسول کے ساتھ ایمان لائے تھے، کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، سن لو اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے!

۲۰۴ؔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی کوئی تحریک اٹھتی ہے اسے کچلنے کے لیے مختلف انداز اپنائے جاتے ہیں، مسلمانو! تم نے اللہ تعالیٰ سے آخرت میں عظمت کا انعام لینا ہے، تمہارے سامنے ماضی کی تاریخ ہے، جس میں اہل اللہ پر سختیاں بھی تھیں، اور اتنی سختی تھی، کہ رسول اور اہل ایمان پکار اٹھے کہ خدا جانے اب مدد کب آئے گی، ہماری تو تیں ہمیں جواب دے چکی ہیں، تو جب مایوسیوں کی انتہاء ہوتی ہے تو رحمتِ خدا کی ابتداء ہوتی ہے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے، اسے سرکار علیہ السلام نے ایک

Marfat.com

حدیث میں یوں ارشاد فرمایا، کہ گھبرائیے نہیں، تم سے پہلے وہ لوگ تھے، کہ ان کے جسموں پر کھریرے پھیر دیے گئے، چمڑا ادھڑ گیا ہڈیوں تک گوشت نکل آیا باہر انہیں کھڑا کر کے آری سے دو حصوں میں چیر دیا گیا لیکن انہوں نے کسی بھی اذیت کی پرواہ نہیں کی۔ (یہ واقعہ سرکار علیہ السلام نے بیان فرمایا) لیکن میں تمہیں فرما رہا ہوں کہ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے کہ صنعائے یمن سے زیورات سے لدی ہوئی ایک خاتون اکیلی اونٹ پر سوار ہو کے حج کے لیے آرہی ہوگی، اسے اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کا خوف نہیں ہوگا، پھر ایسی ایک عورت دور فاروقی میں آگئی، اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھلے مجمع میں فرمایا تھا، کہ میرے محبوب کی حدیث کو ملاحظہ کرلو، اس حدیث کو ان لوگوں نے جو محرم کے بغیر حج کے قائل ہیں، بطور دلیل پیش کیا ہے۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو متواتر کئی سندوں سے کتاب الجہاد میں نقل کیا ہے، وہ صرف ایک آنے والے سوار کا ذکر کرتے ہیں، جو حضر موت اور صنعاء سے آئے گا، اور اللہ کریم کے بغیر اسے کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۵ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ فرمادیں کہ جو مال خرچ کرو وہ اپنے والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

مسکینوں اور مسافروں کو دو، جو بھی تم بھلائی کا کام کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے ۲۰۵

۲۰۵ اس آیت میں انہوں نے دو سوال پوچھے ہیں ایک یہ کہ کیا خرچ کریں دوسرا یہ کہ کس پر خرچ کریں، پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ تم جو خرچ کرو، وہ پاکیزہ مال ہونا چاہیے، مسلمان کے مال میں حرام کی ملاوٹ نہ ہو، اس کو بڑا مختصر رکھا اور صرف لفظ خیر سے تعبیر کیا، قرآن نے کسی مقام پر بھی اس مال کو جو ناجائز ذرائع سے آتا ہے، اسے خیر کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا، آپ جتنا بھی قرآن کا گہرا مطالعہ کریں یہ بات واضح ہوگی جو عرض کر چکا ہوں۔

والدین چونکہ ضعیف ہیں سب سے پہلے ان کی خدمت کرو، ان کے بعد درجہ بدرجہ جو قریبی رشتہ دار ہیں پھر یتیم، مسکین پھر سفر میں کوئی ہے، خواہ اس کے گھر زیادہ مال کیوں نہ ہو، آپ اس مسافر کی خدمت کریں، دوسرے مقام پر دوسری بار ان کے ساتھ کچھ قسمیں بھی شمار کی گئی ہیں، مسکین کے ساتھ فقیر کا لفظ گردنیں چھڑانے میں یعنی غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے مصارف بتائے۔

قرآن اصول بیان فرماتا ہے، اس پر قیاس کر کے ان کی مثالوں کو ساتھ شامل کرلیا جاتا ہے، یہی اجتہاد ہے، سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ مسافروں کے لیے آپ راستے میں سرائے تعمیر کرادیں، کنواں کھدوا دیں، مساجد تعمیر کرادیں، ہسپتال بنادیں،

ہر وہ کام جو رفاہ عامہ میں شامل ہے، ان سب باتوں کو سرکار نے اس میں شامل فرمایا اب اجتہاد کرنے سے پہلے ہم نے سوچنا ہوگا کہ اس کی علت یا سبب کیا ہے، تو اس کی علت یا سبب ہوگا، انسانیت کی خدمت لہذا ہر وہ چیز جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے ضمن میں آئے گی، وہ قرآن وسنت کے مطابق ہوتی چلی جائے گی، اگلے جملے میں قرآن پاک نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا!

"وما تفعلوا من خير يعلمه الله" ہ تم جس انداز کی نیکی کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، جاننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے ہاں محفوظ ہے، اور آخرت میں تمہیں مل جائے گی، ادھر قرآن نے حلال مال کو خیر سے تعبیر کیا، اور ادھر نیکی کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا، بالفاظ دیگر ترجمہ یہ ہوگا کہ مالِ حلال نیکی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

تمہارے لیے جنگ فرض کر دی گئی ہے، حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے، ہوسکتا ہے تم ایک چیز کو ناپسند کرو، اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی

وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع

ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر نہ ہو، اللہ جانتا ہے تمہیں علم نہیں ہے ۲۰۶

۲۰۶: اس کا پس منظر یہ ہے کہ اس معاشرے میں مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں، وہ جانتے تھے کہ ان اذیتوں سے بچنے کے لیے اگر ہمیں مقابلے کی اجازت مل جائے تو شاید یہ ظالم ہاتھ روکے جاسکیں، سترھویں پارے کے آخری پاؤ کے آغاز میں یہ اجازت ان الفاظ میں دی گئی کہ!

" اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا" ہ کہ ان لوگوں کو جن پر ظلم اور زیادتی ہوئی ہے، اب جوابی کاروائی کی اجازت دی جاتی ہے، اب جب مسلمان اپنی تعداد دیکھتے تو بڑی محدود تھی، مالی ذرائع بھی بڑے محدود تھے، اسلحہ نہ ہونے کے برابر تھا، اب یہ ظاہری سوچ تھی کہ ان حالات میں کہیں جنگ ہمیں سرے سے ختم ہی نہ کر دے، یہ ارد گرد کی کافر قومیں ہمیں الف، سے ی تک ختم نہ کر دیں، اندرونی طور پر محسوس ہوتا تھا کہ جنگ اچھے نتائج نہیں لائے گی، قرآن کریم نے اس آیت میں ادھر ہی اشارہ فرمایا، کہ تمہیں جنگ کی اجازت دی گئی ہے، اور وہ فرض قرار دی گئی ہے، حالانکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو، لیکن جو قوم دفاعی طور پر مضبوط نہیں ہوتی، اور ضرورت کے وقت دفاعی نہیں بلکہ اقدامی جنگ لڑتی ہے تو اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو قوم کا وجود ہر دور میں خطرے میں رہتا ہے، اور وہ قوم مٹ جاتی ہے، لہذا یہ ضروری ہے کہ جنگ کو روکنے کے لیے آپ میں اتنی قوت ہو کہ دشمن آپ پر حملہ کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچنے پر مجبور ہو جائے، لیکن جب دشمن سے جنگ لڑنی ہے اور اس نے آپ کے نظریے کو مٹانے کے لیے طویل عرصے سے اپنی ساری قوت میدان جنگ میں جھونک رکھی ہے، تو اب آپ صرف دفاعی جنگ نہیں لڑیں گے، اب

Marfat.com

جنگ کو اس حد تک لے جانا ہوگا، کہ آئندہ دشمن حملہ کرنے کی جسارت نہ کر سکے، یہ ہے اسلام کا جنگی فلسفہ لیکن اس نے جنگ کا نام بدل دیا، اس نے اسے غزوہ کہا، غزوہ کا لفظی معنی ہوتا ہے مقصود، مطلوب یعنی وہ بات جو مسلمانوں کے وجود کو باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے جہاد کا لفظ بڑا جامع ہے جنگ اس کا جزو ہے، کل نہیں ہے، جہاد اس پوری زندگی کی جدو جہد کا نام ہے جو شعور کے آغاز سے لے کر آپ زندگی کے آخری لمحے تک اپنے آپ کو سنوارنے کے لیے اپنے معاشرے کو اپنے ملک کو بنانے کے لیے، جو ساری زندگی آپ جدو جہد کرتے ہیں، وہ جہاد ہے، اس کی ایک برانچ یہ ہے کہ عملاً آپ کو میدان جنگ میں اترنا پڑے، لہذا ہر جنگ جہاد تو ہے، لیکن ہر جہاد جنگ نہیں ہے اس کی وضاحت ایک حدیث ہے کہ سرکار علیہ السلام جہاد (عملی جنگ) سے واپس تشریف لا رہے تھے، ایک مقام پر چلتے چلتے آپ نے ارشاد فرمایا! ''رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر'' ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف منتقل ہو گئے ہیں۔

یعنی جو میدان جنگ میں ہے اسے چھوٹا جہاد قرار دیا، اور طویل زندگی میں اسلام کی نوک پلک سنوارنے کے لیے اپنے آپ کو سچا اور سچا مسلمان بنانے کے لیے اپنے معاشرے کے بگاڑ کو ختم کرنے کے لیے بین الاقوامی فسادات کو مٹانے کے لیے زندگی بھر جو آپ نے محنت کی ہے اسے سرکار علیہ السلام نے جہاد اکبر قرار دیا ہے، اس پر ایک اور انداز سے غور کریں، کہ جو میدان جنگ والا جہاد ہے وہ تو تھوڑے عرصے کے لیے رہے گا، اس کے نتائج جلدی نکلتے ہیں، تو جو ساری زندگی کی جد جہد ہے وہ جلدی ختم نہیں ہوتی، اس لیے اس کو سرکار علیہ السلام نے جہاد اکبر قرار دیا، لیکن اس جہاد سے جو میدان جنگ میں لڑنا ہے آپ نے پہلو تہی نہیں کرنی، اس لیے نہیں کرنی ہے کہ وہ آپ کے نظریے کے تحفظ کے لیے ضروری ہے اور ایک مرحلہ وہ آ جاتا ہے کہ کوئی قوم آپ پر عملاً حملہ کر دیتی ہے، تو وہ پھر آپ پر فرض عین بن جاتا ہے، اور اس حد تک فرض بنتا ہے، کہ قرآن پاک نے ایک مقام پر فرمایا ہے، کہ اگر جنگی پوزیشن کے پیش نظر آپ پشت پھیریں تب تو آپ کو کچھ نہیں کہا جائے گا، لیکن اپنی جان بچانے کے لیے اگر آپ میدان جنگ سے پشت پھیر دیں گے، تو آپ کا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا، اس کی اپنے مقام پر شدید اہمیت ہے، لیکن یہاں جو حکیمانہ انداز ہے وہ یہ ہے کہ تم خود اس بات کو نہ سوچو، جو تمھیں حکم دیا جا رہا ہے، اس پر عمل کرو، اور وہ حکم یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ جو بات تمھیں ناپسند ہو وہ اللہ کے ہاں بھی ناپسندیدہ ہو، اللہ کے ہاں ایک بات پسندیدہ ہے تم اسے ناپسند کرتے ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اسے کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکیم مطلق ہے، اس کے کرنے میں آپ کا فائدہ ہے، اب آگے ایک ایسی ہی چھوٹی سی جنگ کا تذکرہ ہے لوگوں نے آکر سرکار علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ جو حرمت والے مہینے ہیں کیا ان میں جہاد یا جنگ یا غزوات جائز ہیں؟ قرآن پاک نے جواب دیا کہ!

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

آپ سے حرمت والے مہینوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (یعنی کیا ان میں جنگ جائز ہے؟) فرمادیں کہ جنگ ان میں بہت بڑا گناہ ہے، اور

وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ

اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک دینا ہے، (باالفاظ دیگر اللہ کے راستے سے روکنا کفر ہے) پھر حرمت والی مسجد یعنی کعبہ مکرمہ سے بھی لوگوں کو

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۗ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ

روک دینا اور وہاں کے لوگوں کو نکالنا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن فتنہ اور فساد قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ لوگ تمہارے ساتھ لڑتے رہیں

گے اس وقت تک کہ تمہیں دین سے پھیر دیں، اگر ان کی طاقت میں یہ بات ہو، تم میں سے جو

دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

اپنے دین سے پھر گیا اور اسی حال میں وہ مرا تو کافر ہے، اور کافروں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع کردیے جاتے ہیں،

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

ایسے لوگ جہنم میں ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے ۲۲۷

۲۲۷ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام نے چند افراد پر مشتمل ایک جتھہ بھیجا کہ طائف اور مکہ کے ارد گرد گھوم پھر کر معلوم کرو، کہ کیا کافر جنگی پوزیشن میں ہیں یا نہیں، کیا مستقبل قریب میں ہم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ لوگ طائف کے قریب پہنچے تو کافروں کے ایک گروہ سے ان کی ملاقات ہوئی وہ تاجر تھے، انہوں نے انہیں للکارا، نتیجتاً ان کا ایک آدمی قتل ہو گیا، کچھ بھاگ گئے تین چار کو پکڑ کر یہ مدینے میں لے آئے۔ جب مدینے میں آئے تو سرکار علیہ السلام نے بے حد ناراضگی کا اظہار کیا، فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں حکم فرمایا تھا کہ ان سے لڑائی کرنا اور قتل کر دینا؟ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ حالات کا جائزہ لے کر مجھے رپورٹ پیش کرو، تم نے ناحق ایک آدمی کو قتل کر دیا، اور تین چار کو قیدی بنا کر لے آئے، مدینہ کے عوام نے بھی اس بات کو بے حد ناپسند کیا، چونکہ اس دور کے مطابق واضح بات تھی کہ اب جوابی حملہ ہوگا، اور سرکار علیہ السلام ابھی معاشرے کو بنانے میں مصروف ہیں، اسے فوری طور پر جنگ کی نظر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مکہ کے مشرکین نے ایک بات کہی انہوں نے کہا یہ مسلمان ویسے تو کہتے ہیں، کہ چار مہینے حرمت والے ہیں، ان کی حرمت سابقہ انبیاء کے ادوار سے آرہی ہے، ادھر انہوں نے بذات خود ماہ رجب میں اس بندے کو قتل کر دیا، اب جو صاحب گئے تھے ان کا خیال تھا، کہ آج جمادی الاخری کی آخری تاریخ ہے، لیکن مکہ والوں نے انتیس کی شام کو چاند دیکھ لیا، آج یہ ماہ رجب کی پہلی تاریخ تھی، اب مسلمانوں کے خلاف زبانی انداز سے

انگریز نے اپنے پورے دور میں اپنے گھروں میں ان سے کام لیے اور روانگی کے وقت اسے مراعات یافتہ طبقہ بنا کے چھوڑ گئے، ایک طبقہ مرزا غلام احمد کی شکل میں چھوڑا اور ایک طبقہ ان کی وساطت سے یہاں چھوڑا، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان لوگوں کو یہاں چھوٹا سا کانٹا چبھ جائے تو پاکستان کی حکومت کی شامت آجاتی ہے حکومتی مسائل کی بجائے ان کے مسائل کے حل کی طرف حکومت کو لگادیا جاتا ہے، بے شک چودہ کروڑ عوام بھوکی مرتی رہے، وہ عیسائیت کے بے شک دلائل دیں ہم ان کو جواب دیں گے میدان میں ہم حاضر ہیں، اسلام پر بحثیت مذہب جو انہیں اعتراض ہے اس کا جواب دینے کے لیے بھی ہم حاضر ہیں۔

﴿آمین﴾

یہ اسم فعل ہے جس کا معنی استجب (قبول فرما) ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں حضور ﷺ نے اس کا معنی 'فعل' (کردے) فرمایا ہے۔ 'آمین' اور 'امین' (مد۔قصر) دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔

سب مفسرین متفق ہیں کہ یہ قرآن کا حصہ نہیں ہے لیکن سورۃ فاتحہ کے اختتام پر اسے پڑھنا سنت ہے۔ سید کائنات علیہ السلام کا ارشاد عالی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو کر آمین پڑھا کریں۔ گویا یہ تحریر مہر کے مترادف ہے۔

جناب حیدر کرم اللہ وجھہ الشریف کا ارشاد ہے' آمین رب عالمین کی مہر ہے جس سے وہ بندے کی دعا پر مہر لگاتا ہے۔

اس کی ادئیگی کا مطلب یہ ہے کہ اے مولا کریم جو سورۃ میں میں نے دعا کی ہے اسے قبول فرما، دوسرے لفظوں میں اس مختصر لفظ نے گویا ساری سورۃ کا اعادہ کردیا۔ امام اور مقتدی دونوں نماز میں آمین کہیں گے، امام اعظم کا ارشاد ہے کہ دل میں کہیں اونچا نہ کہیں، باقی ائمہ اونچا کہنے کا ارشاد فرماتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

پروپیگنڈوں کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا، اس آدمی کی غلطی اپنے مقام پر تھی اسے جو سرزنش ہوئی اور سرکار علیہ السلام ناراض ہوئے شاید ہم اس بات کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے، کہ جب سرکار کسی صحابی سے ناراض ہو جاتے تو پھر اس کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک صحابی سے تھوڑے سے ناراض ہوئے اس نے اپنے آپ کو ریاض الجنہ مسجد نبوی کے ایک ستون (ستون توبہ) کے ساتھ باندھ دیا اور کہا کہ جب تک سرکار اپنے دست اقدس سے نہیں کھولیں گے میں یہیں بندھا رہوں گا، یہ بات اپنی جگہ بجا لیکن مشرکین مکہ جس انداز سے مسلمانوں کی مخالفت کر رہے تھے آیت نے انہیں ترتیب وار بیان کیا، پہلے یہ بتایا کہ حرمت والے مہینوں کو حرمت کیوں دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں حاجی لوگ جا رہے ہوتے ہیں، جب جنگ ہوگی تو یہ راستے بند ہو جائیں گے اور پھر گویا کعبہ کے ساتھ انکار کا ایک طریقہ ہے اگر جنگ ہوئی تو کعبے کے پاس بھی نہیں آسکیں گے، یہ سب باتیں بالکل ٹھیک لہذا مسلمان ایسا ہرگز نہیں کریں گے، لیکن اے مکہ کے مشرکو! تم یہ بتاؤ کہ جو لوگ مکہ مکرمہ میں موجود تھے یعنی ذات رسالت مآب صلی اللہ علیک وسلم اور مہاجرین جو مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے، انہیں کس جرم میں تم نے اللہ تعالیٰ کے اس شہر سے نکال دیا تھا، جو امن کی جگہ ہے تو اس بات کے ہوتے ہوئے بھی تمہیں یہ اعتراض کرنے کا حق ہے، جو اس مسلمان پر کر رہے ہو؟

پھر تم نے ہر طرف فتنہ پھیلایا (میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں کہ فتنہ سے مراد مسلمانوں کو مرتد کرنا ہے اور یہ فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے) کچھ مسلمان پھر سوچ رہے تھے، کہ شاید اس بندے سے بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہے، تو ان کی بات میں وزن ہے کہ حرمت والے مہینوں میں مسلمانوں سے یہ غلطی کیوں ہوئی، اللہ کریم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ کافر یہ بات حرمت کعبہ کی وجہ سے نہیں کر رہے نہ ماہ رجب کی عزت کی وجہ سے کر رہے ہیں ان کے دل میں تو ایک ہی بات ہے کہ وہ اس وقت تک تمہارے ساتھ لڑتے رہیں گے، جب تک تم دین اسلام چھوڑ کر واپس جاہلیت والے عقائد کی طرف نہ چلے جاؤ۔

اب مسلمانوں کو ایک دھمکی دی گئی کہ ہدایت کے بعد جو اس دین کو چھوڑ کر پلٹ جائے گا اور اس کیفیت میں وہ مر گیا تو وہ کافر رہے گا دنیا کے چند نیک اعمال ضائع اور آخرت میں کفر کا کوئی وزن نہیں ہے، اور ایسے لوگ جہنم میں ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ایک ضمنی مسئلہ جس کی وضاحت آگے آئے گی، کہ کیا مرتد کی سزا موت ہے؟

تو اس سلسلے میں مستشرقین نے ایک بنیاد بنا کر بار بار اسلام پر اعتراض کیا کہ مذہب ایک ذاتی (پرسنل) مسئلہ ہے، آج اگر کوئی ایک مذہب رکھتا ہے کل کوئی اور تو اسے سزائے موت نہیں دی جاسکتی، یہ دور حاضر میں بڑی شد ومد سے اسلام کے خلاف استعمال کیا گیا، مولانا محمد علی جوہر نے اس پر ایک کتابچہ لکھ مارا اور اس میں انہوں نے یہ کوشش ناکام فرمائی کہ مرتد کو سزائے موت نہیں دی جائے گی، اس کے جواب میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ایک کتاب لکھی (اسلام میں مرتد کی سزا) میں بسا اوقات کہا کرتا ہوں کہ مولانا مودودی کا اسلام پر گہرا مطالعہ نہیں تھا، لیکن جہاں تک مطالعہ تھا انہوں نے سزائے موت کے حق میں فیصلہ دیا، اور

Marfat.com

مولانا جوہر کی تردید کی مولانا جوہر کی انگریزی دانی کو سلام لیکن دینی معاملات میں مولانا جوہر بھی بہت پیچھے ہیں۔

اب اس سلسلے میں امت کو کھنگھالنا ہے، قرآن کریم نے پہلے پارے میں یہ فرمایا کہ وہ لوگ جو مرتد ہو گئے ہیں جناب موسیٰ علیہ السلام نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا تھا لہذا مرتد کی سزا قرآن پاک سے موت ثابت ہوئی۔

میں (سید محمد ذاکر حسین شاہ) نے وفاقی شرعی عدالت میں اس سلسلے میں بڑا طویل بیان دیا تھا جو مسلسل تین دن جاری رہا، میں نے اس میں قرآن کے دلائل کا مفصل ذکر کیا۔ اور اپنی طرف سے کوشش کی کہ قرآن کی کوئی آیت رہ نہ جائے، اور احادیث مبارکہ سے بخاری سے مشکوۃ تک کم وبیش سو کے قریب حوالے پیش کیے، پھر چاروں ائمہ کے اقوال سے ثابت کیا، پھر قریبا چالیس حوالے مختلف تفاسیر سے دیے، اب یہ سب کتابی صورت میں مرتب ہو چکا ہے۔

ہمارے ہاں چار باتیں سند ہوتی ہیں، سب سے پہلے قرآن پاک ہے پھر حدیث پھر اجماع امت کہ سرکار علیہ السلام سے لے کر آج تک اس مسئلے میں امت کی سوچیں کیا ہیں، چوتھے مرحلے پر مجتہد آتا ہے اس کا کام اپنی طرف سے مسائل گھڑنا نہیں ہے، جو اکثر ہماری اسمبلی کہتی رہتی ہے کہ ہمیں اجتہاد کا حق دیا جائے، عرض کروں کہ جس بات کا تمہیں حق ملا ہے اسے تو آج تک استعمال کرنے کی توفیق نہیں روزانہ آرڈیننس نافذ ہوتے رہتے ہیں، جمہوریت کی قانون سازی کرنے میں آپ زیرو ہیں، اب اگر آپ جس علم کو جانتے ہی نہیں ہیں، اس میں آپ کو مجتہد مان لیا جائے، تو اس مرحوم ومعصوم قوم کا جو حشر ہوگا، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

مجتہد کے سامنے تین بنیادیں موجود ہیں۔ ا۔ قرآن پاک ۲۔ حدیث پاک ۳۔ اجماع امت

اس میں مثالیں موجود ہوتی ہیں، ان مثالوں پر اس نے کچھ اور چیزوں کو عقل وشعور سے قیاس کرنا ہوتا ہے، یہ بات پلے باندھ لیں کہ جہاں قرآن پاک کی آیت یا حدیث موجود ہو وہاں مجتہد اجتہاد نہیں کر سکتا۔ اجماع امت کا اصول مل گیا ہے، تب بھی اجتہاد نہیں ہو سکے گا، مثلاً چودہ سو سال میں امت نے ایک فیصلہ کیا ہے اس فیصلے کے پیچھے کتنے لوگوں کے ذہن تھے، سیدنا صدیق اکبرؓ سے لے کر آج تک لاتعداد انسانوں کی کامل سوچیں اس کے پیچھے تھیں، لہذا ایک اکیلی سوچ کو اتنی سوچوں پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

مجتہد ان تینوں بنیادوں سے ہٹ کر سوچتا ہے اور سوچتا اس وقت ہے جب یہاں مثالیں ملتی ہیں، مثلاً ایک چھوٹی سی مثال ہے ابھی آگے آیت آ رہی ہے، کہ شراب حرام ہے علت حرمت کیا ہے؟ اس کا نشہ آور ہونا، جب یہ علت قرار پائی، ہم دیکھیں گے کیا کسی اور مقام پر بھی یہ علت وسبب موجود ہے، اگر بھنگ، چرس اور ہیروئن میں علت موجود ہے، تو اس علت کی وجہ سے یہ چیزیں بھی حرام قرار پائیں گی۔ مجتہد کا کام قرآن وسنت کے مقابلے میں نئی بات پیش کرنا نہیں، اگر کرے گا تو جس طرح خاتون خانہ دودھ میں گرنے والی مکھی کو اٹھا کر باہر پھینک دیتی ہے ایسے ہی امت ایسے مجتہد کو اٹھا کر باہر پھینک دے گی۔

Marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أُولٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی ہے اور راہ خدا میں جہاد کیا، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار

وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

ہیں، اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۲۲۸

۲۲۸ پہلی بات یہ کہ وہ ایمان لائے دوسری بات یہ کہ گھربار چھوڑ دیے، زمین مکان وطن دوستی چھوڑ کر ہجرت کر گئے، اب یہ صحابہ کا دفاع ہے جن میں وہ بندہ بھی شامل ہے، جس نے غلطی سے یکم رجب کو ایک بندہ مار دیا تھا، پھر انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیا گیا، کبھی بدر، احد میں موجود ہیں یہ لوگ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں، قرآن پاک اصول بیان فرماتا ہے، اس اصول کے بیان کے بعد معلوم ہو گیا، کہ جو رجوع الی اللہ کرتا ہے اللہ اس کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، وَإِثْمُهُمَا

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، فرما دیں ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے کچھ لوگوں کے ان میں فائدے

أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا، وَيَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ، كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

بھی ہیں، لیکن ان دونوں کا گناہ نفع سے بڑھ کر ہے ۲۲۹ اور ان کا گناہ (نقصان) ان کے فائدے سے بڑا ہے، اور وہ آپ سے پوچھتے

ہیں کہ کیا خرچ کریں، آپ فرما دیں کہ جو بھی ضرورت سے زیادہ ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ وا[illegible]تا ہے تمہارے لیے

الْآيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱۹﴾

اپنی آیات کو تاکہ تم غور و فکر کرو

۲۲۹ اب آکر وہ بات آئی جو اس معاشرے کی بنیادی ضرورت سمجھی جاتی تھی، اسلام سے قبل عرب معاشرے میں شراب کی کثرت تھی، وہ شراب، گندم، کیکر کے چھلکوں جو کھجور، انگور وغیرہ سے بنائی جاتی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ملک میں جو چیزیں پائی جاتی تھیں، ان میں سے اکثر و بیشتر سے شراب بنائی جاتی تھی، اور گھر گھر کی ضرورت بلکہ اشد ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ لیکن فطرت سلیمہ کے حامل کچھ لوگ اس دور میں بھی موجود تھے۔

سرکار علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حضرت عمر و حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے، اور شراب کے متعلق ایک

بات عرض کی، جو فاروق اعظمؓ کی زبان سے نکلی کہ آقا! شراب کے متعلق کچھ حکم آنا چاہیے۔ **" فانھا مذھبۃ للعقل و مسلبۃ للمال "** اس میں دو خامیاں ہیں، ایک یہ کہ اس کے پینے سے عقل رخصت ہو جاتی ہے، اور دوسری بات یہ کہ اس کے بنانے سے مال کا ضیاع ہوتا ہے، لہٰذا اسلام جو بڑا معتدل مذہب ہے کیا کوئی حکم نہیں دے گا؟

اسلام نے معاشرے کو بڑی تیزی سے نہیں بدلا مختلف چیزوں کو بڑے سکون سے وقفہ دے کر بدلا ہے، اب یہاں بھی ایسی بات ہوئی کہ جب سرکار علیہ السلام کی خدمت اقدس میں یہ بات عرض کی گئی، تو یہ آیتِ مقدسہ نازل ہوئی، اس کا مطلب ہے کہ آغاز ہوگا، ایک ایسی بات جو لوگوں کے رگ و پے میں سما چکی ہے، اور وہ اصولاً انسانی عظمت کے خلاف ہے، اسے روکنے کے لیے راستہ بتدریج آ گیا۔

اب دیکھیں کہ گزشتہ آیت میں آپ کو بتایا گیا، کہ ان ان لوگوں پر مال خرچ کیا جائے، چونکہ ابھی ان لوگوں کے حصے متعین نہیں تھے، آگے چل کر حصے متعین ہوئے تو ابتدائی بات ختم ہوگئی، یہاں بھی ایسی ہی کیفیت ہے اور جب بھی کسی غیر مسلم معاشرے کو آپ اسلام کی دعوت دیں گے، تو اس میں آپ کو اسی تدریج کو اپنانا ہوگا، تاکہ ان کی عادات پر آپ کی اخلاقی قوت اتنا دباؤ ڈال سکے، کہ وہ اپنی عادات کو چھوڑ کر اسلام کی طرف راغب ہوں، تو یہ پہلی آیت تھی جو شراب کے متعلق نازل ہوئی!

اس آیت میں بتایا گیا کہ یہ گناہ کی بات ہے لیکن واضح اور دوٹوک الفاظ میں روکا نہیں۔ آگے چل کر دوسری بات یہ ہوئی کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کے گھر دوستانہ ماحول میں شراب نوشی کے بعد ایک صحابی نماز پڑھانے لگے، اصل الفاظ یہ تھے، ''**لا اعبد ما تعبدون**''۔ ''میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو''۔ تو انہوں نے حالتِ مستی میں لفظ ''لا'' حذف کر دیا اور عبارت بن گئی۔ ''اعبد ما تعبدون''۔ ''میں بھی انہی بتوں کا پجاری ہوں جن کے تم ہو''۔ معاذ اللہ۔ جب یہ واقع ہوا تو قرآن پاک کی اگلی آیت نازل ہوئی۔ **"لا تقربوا لصلوۃ و انتم سکری"**۔ جب تم پر مستی طاری ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ''۔ حضرت عمرؓ اس مسئلے میں اکثر متفکر رہتے کہ اللہ کرے کوئی فیصلہ کن حکم نازل ہو، کہ یہ ام الخبائث ختم ہو جائے۔

اب صحابہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر جمع تھے، وہاں شراب کا دور چلا اور جب نشہ طاری ہوا تو ایک صاحب نے ذبح شدہ اونٹ کے منہ کا جبڑا دوسرے کو دے مارا، اس سے قبل مختلف قبیلوں کی شان میں قصیدے پڑھے گئے، کہ میرے قبیلے سے اپنے قبیلے کو تو نے افضل کیوں ثابت کیا؟ بس اسی پر لڑائی ہوئی اور اس جبڑے کے لگنے سے دوسرے کا سر پھٹ گیا۔ جب یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچی تو عرض کی، یا اللہ اب تو اس کے بارے میں آخری فیصلہ فرما دے۔ پھر وہ ساتویں پارے کی آیت نازل ہوئی کہ **" انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون "** ٥ اس سے اگلی آیت اس پر ختم ہوئی کہ **"فھل انتم منتھون"** اب تو باز آ جاؤ گے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ سرکار علیہ السلام نے فرمادیا کہ مدینے میں اعلان کردو کہ شراب مطلقاً حرام ہوگئی ہے، اسے کوئی نہ پیے۔ پھر چشم فلک نے اطاعت کا ایک عجیب انداز دیکھا اس سلسلے میں بھی آپ بخاری سمیت حدیث کی سب کتب دیکھ لیں، میں بجائے تاریخ کے حدیث کا حوالہ دینا بہتر سمجھتا ہوں، اس سلسلے میں بھی یہ عرض کرتا چلوں کہ حدیث کا سب سے نچلا درجہ وہ ہے جب اسے ایک بندہ روایت کرنے والا ہو، اسے خبر واحد کہتے ہیں، اس سے مذہب کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، لیکن اعمال نفلی نماز وغیرہ ثابت کرسکتے ہیں، اور تاریخ کی بنیاد صرف ایک بندے پر ہوتی ہے، یعنی جو اسلام کے نزدیک سب سے نیچے والا مقام ہے دنیا بھر کے علوم کا وہ سب سے اعلیٰ مقام ہے۔

اب اس کے ہوتے ہوئے جو بے وقوف کہتا ہے، کہ حدیث معتبر نہیں ہے، اس کو کس انداز سے بات سمجھائی جائے، کہ تو جسے معتبر سمجھتا ہے، وہ حدیث کا سب سے نیچے والا مرتبہ ہے اور ادھر ساری دنیا کے علوم وفنون کا ایک راوی پر مدار ہے، تو تاریخ کے مقابلے میں حدیث کو لانا جائز نہیں، اگر آجائے تو ناقابل قبول ہے، مثلاً ہمارے ملک میں بڑی دیر سے ایک تاریخی واقعہ بڑی غلطی سے مشہور ہے، کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا سبب یہ ہے، کہ اپنی بہن کو مارنے کے لیے گئے تھے، حالانکہ یہ بات ایک حدیث کے مقابلے میں آگئی ہے، اور حدیث کے راوی امام احمد بن حنبل ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حالات دریافت کرنے کے لیے رات کی تنہائی میں کعبے کے غلاف کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔

کہ جب سرکار علیہ السلام اپنی زبان رسالت سے قرآن کی تلاوت فرمائیں گے تو میں سن کر فیصلہ کروں گا، اب وہ غلاف کے پیچھے کھڑے ہیں، کہ نظر نہیں آتے۔ (میں سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کی تقدیر بدلنے لگتا ہے تو یہ بھی ایک انداز ہوتا ہے)

سرکار علیہ السلام تشریف لاتے ہیں، اور رات کی تاریکی میں ترتیل کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے ہیں، ادھر صاحب قرآن نے تلاوت شروع فرمائی ادھر عمر فاروقؓ کے دل سے پردے اٹھنے لگے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوافل ختم کیے واپس چلے تو حضرت عمر پردے سے نکل کر پیچھے ہوئے قدموں کی آہٹ آئی، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا، بلکہ سامنے دیکھ کر چلتے رہے، تاریک رات ہے میں نے کہا کہ بھلا یہ نبی نہ ہوتے تو انہیں کیا خبر کہ پیچھے کون ہے، اور پھر اگر یہ نبی نہ ہوتے تو دشمنوں سے شہر بھرا پڑا ہے، آہٹ آتی تو پلٹ کر پیچھے دیکھتے کہ کوئی تلوار سے حملہ ہی نہ کردے، یہ نبی ہی کرسکتا ہے کہ رات کی تاریکی میں پلٹ کر دیکھے بھی نہیں اور انہیں معلوم ہو کہ کون شخص ہے۔ فرمایا عمر! کیسے آنا ہوا؟ عرض کی اس لیے آیا ہوں کہ "لاقول اشهد ان محمدا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اس واقعہ سے میں سمجھتا ہوں میں کیا بلکہ ہر قاری جانتا ہے کہ حضرت عمرؓ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب دیکھ کر مشرف با اسلام ہوئے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ

Marfat.com

حدیث کے مقابلے میں تاریخ کی کوئی اہمیت نہیں۔ایک اور بات عرض کروں کہ دور حاضر میں 1910ء کے بعد امریکہ میں بھر پور کوششیں کی گئی تھیں، کہ کسی طریقے سے شراب کو بند کر دیا جائے، اور یہ بالکل بند ہو، قریباً 16 یا 17 سے اگلے چودہ سال بے پناہ مار دھاڑ کے تھے، اس عرصے میں تین سو شرابیوں کو امریکہ میں سزائے موت دی گئی، پانچ سو کو جیل بھیج دیا گیا، باقی لوگوں کی جائیدادیں ضبط کی گئیں، مکانات پر قبضہ کیا گیا، اور اس دور میں چھ کروڑ ڈالر اس کو روکنے کے لیے صرف کیے گئے، پھر ہوا کیا؟ ساری کوششیں ناکام ہو گئیں، 1933ء میں شراب کو حلال قرار دے دیا گیا، یہ ہے معاشرہ جس کو دورِ حاضر کا بڑا متمدن معاشرہ شمار کیا جاتا تھا، روایتی معاشرہ تھا آج تو مغرب میں بھی روایات ختم ہو گئی ہیں، اور انہوں نے ہماری روایات کو بھی تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے، لیکن جب وہاں روایات تھیں، تو مندرجہ بالا تمام کوششیں کی گئیں، ایک مصری محقق نے اپنی کتاب 'ماذا خسر العالم' میں اس دور کے اعداد و شمار جمع کر دیے ہیں، کہ دنیا کو کیا کیا خسارہ پیش آیا، برصغیر میں جب تما کو آیا تو مغلیہ دور تھا، ابتداء میں انہوں نے اسے بونے کی اجازت دے دی، آگے چل کر اسے خلافِ قانون قرار دیا گیا، ہندوستان کی قدیم ترین تاریخ کتاب ''سیر المتاخرین'' کی تیسری جلد میں یہ لکھا ہے کہ شاہ جہان نے حقہ پینے والے لوگوں کے ہونٹ کٹوا دیے تھے، لیکن کیا شاہ جہاں اس مسئلے میں کامیاب ہو گیا؟ نہیں بلکہ حقے سے ترقی ہوئی اور سگریٹ آ گیا، پھر اس کے ضمن میں اور کئی چیزیں آ گئیں۔ آگے فرمایا!

"ویسئلونک ماذا ینفقون" محبوب سوال کرتے ہیں وہ کیا خرچ کریں، کیا سے مراد یہ ہے کہ خرچ کی مقدار کیا ہو، اور کون کون سی چیز دی جائے۔ ''قل العفو'' فرمادیں جو بھی زائد ہے۔

عفو کیا ہے؟ امام قرطبیؒ نے اس کا معنی لکھا! **"العفو ماسهل وتیسر وفضل ولم یشق علی القلب اخراجه"** جو آسان ہو، میسر آئے ضرورت سے زائد ہو، اور اسے دیتے ہوئے دل پر گرفت طاری نہ ہو، تو وہ عفو ہے، انہوں نے پھر ایک حدیث نقل کی کہ سرکار علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں ایک بندہ آیا، لیکن جس کی نقل کر رہا تھا اس کا مقام اسے حاصل نہیں تھا، نقل کر رہا تھا صدیق اکبرؓ کی جو سب کچھ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نذر کر چکے تھے جس کے لیے اقبالؒ نے کہا تھا،

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس ۔۔۔ صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

یہ انسانیت کی معراج ہے جہاں پر بندہ نہیں پہنچ سکتا، اور اسلام احکام نافذ کرتے ہوئے انسانیت کے مختلف درجوں کو سامنے رکھتا ہے، اور قانون میں یہی لچک پیدا کر دیتا ہے، کہ سب درجے اس میں شامل ہو سکیں، وہ بندہ گھر گیا اور ایک سونے کا انڈا اٹھا لایا، اور یہی اس کی کمائی تھی، جسے اس نے ذکر نہیں کیا، لیکن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہوں میں یہ بات تھی جب اس نے وہ انڈا آپ کے سامنے رکھا تو آپ نے اٹھا کر دور پھینک دیا اور فرمایا! **"یاتی احد کم بما له کله یتصدق به و یجلس یتکفف الناس انما**

الصدقة عن ظهر غنى" ٥ "تم میں سے ایک آدمی اپنا سارا مال لے آتا ہے اسے صدقہ کرنا چاہتا ہے اور پھر وہ لوگوں سے سوال کرنے بیٹھ جاتا ہے صدقہ اس وقت دو جب تمہیں خود احتیاج نہ ہو"۔ اب صدیق اکبر ؓ کو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا ان کا سب قبول فرمالیا، کیونکہ وہ مقام صداقت کی انتہائی بلندی پر کھڑے تھے، ان سے قبول کرنا ہی عظمت تھی، اور یہ بندہ صدیق اکبر کے مقام پر نہیں تھا، لہذا فرمایا کچھ گھر بھی چھوڑ پھر باقی اللہ کے راستے میں دے۔

اقبال ؒ کے نزدیک عفو کا معنی

اقبال کے نزدیک شاہین ترجمان ہے، شاہین اپنے لیے اگلے دن کے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھتا، وہ مار کر کھائے گا باقی چھوڑ دے گا، اسے محفوظ نہیں رکھتا، اسے محفوظ رکھنا، کوے، بلی اور گدھ کا کام ہے، وہ چٹانوں پر بیٹھتا ہے، گھونسلے اس لیے نہیں بناتا کہ ناخن تیز رہیں تو اقبال کہتے ہیں کہ مسلمان بھی کائنات سے دل نہیں لگاتا تاکہ ایمان کی قوت تیز رہے، لہذا اس کے پاس کچھ نہیں ہونا چاہیے، کیا یہ فلسفہ کبھی عملاً ہوا یا نہیں، تو ایک دو نہیں اس امت میں ایسے ہزار ہا لوگ پیدا ہوئے ہیں مثلاً آیا ہے مزدوری کرنے کے لیے صرف ایک روٹی بغیر سالن کے لی جس پر گزارا کیا اور سارا دن کام کیا۔

ایک نمونہ

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلہ چشتیہ کے بہت بڑے شیخ ہیں، امام اعظم ؒ کے شاگرد ہیں امام اعظم ؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شاہین خدا جانے کیسے میری محفل میں آگیا۔ یہ بادشاہت چھوڑ کر چلے گئے، ایک باغ میں گوڈی کر کے معاوضہ لے کر گزارا کرتے تھے، وزیر اعظم باغ کے قریب سے گزرا سوچا کہ ملاقات کرتا جاؤں۔ اندر گیا تو عجیب کیفیت ہے کہ ایک درخت کے نیچے اینٹ کا تکیہ بنائے آرام کر رہے ہیں، اور ایک سانپ اپنے منہ میں کیلے کا پتا لیے ہوا دے رہا ہے، یہ قریب گیا تو آپ آہٹ پا کر اٹھ بیٹھے، سانپ ایک طرف ہٹ گیا، وزیر اعظم نے پوچھا کہ اب تو یاد آتا ہوگا کہ آپ نے بادشاہت چھوڑ کر غلطی کی ہے؟ آپ مسکرا دیے، فرمایا وہاں تنخواہ دے کر پنکھا جھلوایا کرتا تھا اب دیکھو اللہ نے کیا بندوبست فرمادیا ہے جب سے میں اللہ کا ہوا اللہ میرا ہو گیا ہے، یہ وہ نوعیت ہے جو مسلمانوں کے ہاں تھی، تو اقبال نے کہا تو شاہین ہے کل کے لیے تیرے پاس ذخیرہ نہیں ہونا چاہیے، لہذا جو کچھ بھی تیرے پاس ہے راہ خدا میں لٹا دے یہ عفو کا معنی ہے، عربی لغت میں عفو کا معنی ہے مٹا دینا، اسی لیے آپ کہتے ہیں، "اللھم انک عفو" اے اللہ تو گناہ مٹانے والا ہے، "تحب العفو" "تو گناہوں کے مٹانے کو پسند فرماتا ہے۔ "فاعف عنی" میرے گناہ بھی مٹا دے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ سارا مال دے دینا عفو ہے، فرمایا اللہ تمہارے سامنے اسی طرح آیتیں بیان فرماتا ہے، تاکہ تم دنیا و آخرت کے بارے میں غور و فکر کرو، مغرب نے دنیا کے بارے میں غور و فکر کافی کر لی ہے، لیکن ہم

Marfat.com

نے دنیا کی بھی اور آخرت کی بھی غور وفکر چھوڑ دی ہے۔

فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ؕ وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡیَتٰمٰی ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّہُمۡ خَیۡرٌ ؕ وَاِنۡ تُخَالِطُوۡہُمۡ

دنیا اور آخرت میں، محبوب آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں فرما دیں کہ ان کی زندگی سنوارنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو

فَاِخۡوَانُکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَاَعۡنَتَکُمۡ ؕ

تو وہ تمہارے مذہبی بھائی ہیں، اللہ جانتا ہے فسادی کو اصلاح والے سے، اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں مبتلا کر دیتا،

اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۲۰﴾

بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے ۲۳۰

۲۳۰ عربوں کا رواج یہ تھا کہ یتیم کو ساتھ ملا لیتے جب اس کا مال ختم ہو جاتا تو گھر سے نکال دیتے، اسلام نے کہا کہ اس کے مال کو الگ رکھو اور اچھے طریقے سے استعمال کرو، اگر اپنے مال تجارت میں ساتھ شامل کر لو تو اس کا اصل زر بچا رہے گا، اس تجارت کے منافع پر اس کا کام چلتا رہے گا، یا تو اس کا مال الگ کر کے اس کے اخراجات پورے کیے جائیں اگر اپنے پاس سے اس کی خدمت نہیں کر سکتے تو دوسرا یہ کہ اگر مال کی کمی ہے تو اس کے مال کو بڑے اعتدال سے اس پر خرچ کریں، تیسری اس بات کی اجازت ہے کہ اس کے مال کو اپنے مال میں ملا کر تجارت کریں اور اس تجارت کی رقم سے اس کا کام بھی چلے اصل زر بھی محفوظ رہے۔
ارشاد فرمایا! اگر یہی ہم کر دیتے کہ اس کے مال کو کسی انداز سے بھی اپنے ساتھ شامل نہ کرو، تو یہ بات نہایت مشکل ہو جاتی لیکن اسلامی معاشرہ یتیم کو مقام کیا دیتا ہے؟ سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ اس گھر پر اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتیں ہوتی ہیں جس میں کوئی ایک یتیم ہوتا ہے، ایک اور حدیث میں فرمایا! کہ جو یتیم کی پرورش کرے وہ اور میں قیامت کے دن یوں اکٹھے ہوں گے جس طرح یہ دو میری مبارک انگلیاں اکٹھی ہیں، اسی طرح فرمایا کسی کے گھر بچیاں ہیں بچہ ہے ہی نہیں، تو جوان بچیوں کی تربیت کرتا ہے وہ اور میں قیامت کے دن یوں اٹھیں گے جس طرح یہ دو میری مبارک انگلیاں ہیں۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ اگر اس انداز سے یتیم معاشرے کا ایک حصہ بن جائے، اور جس گھر وہ زیر پرورش ہے ان گھروں کے بچوں کو اپنا بہن بھائی تصور کر کے رکھے تو والدین نہ ہونے کی جو کمی پیدا ہو گئی ہے وہ کتنے حسین انداز سے دور ہو سکتی ہے، سرکار علیہ السلام کی تعلیمات کے پیش نظر اولیائے امت علاج بتایا کرتے تھے، کہ کہیں یتیم کو دیکھو تو شفقت کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ پھیرو، اللہ تمہارے مرض کو دور کرے گا، بات مرض کی آ گئی تو عرض کروں کہ میں (سید محمد ذاکر حسین شاہ) ایک نیک آدمی

Marfat.com

کی محفل میں بیٹھا تھا ایک آدمی آیا اور کہا حضرت! مجھے چنبل ہے بہت علاج کیا کچھ افاقہ نہ ہوا کچھ فرمائیں؟ فرمایا مسجد سے جب نمازی نکل جائیں تو صفوں پر جو گرد رہ جاتی ہے وہاں ہاتھ مار کر اس پر مل لیا کر ٹھیک ہو جائے گی۔

اللہ اللہ مسجد تو دور کی بات ہے مسجد میں جانے والے نمازیوں کی جوتیوں کو اہل عقیدت کیسے دیکھتے ہیں۔ لاہور شاہی مسجد جب عالمگیر تعمیر کرا رہا تھا اس کو یہ بتایا گیا کہ جناب جہاں نمازی جوتے اتارتے ہیں وہ مقام اور جب آپ تخت پر بیٹھے ہوتے ہیں تو آپ کے سر کا تاج یہ مقام برابر ہو جاتے ہیں، لہذا مسجد کی تین سیڑھیاں ختم کرا دیں، تا کہ تاج بلند رہے تو ہین نہ ہو، عالمگیر نے جو جواب دیا میں سمجھتا ہوں کہ ایسے جوابات سے کبھی کبھی اللہ تعالیٰ بندے کی زندگی کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے، جواب دیا کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے کہ جب تک یہ تاج مسلمان نمازیوں کے جوتوں کے نیچے رہے گا اس وقت تک یہ تاج محفوظ رہے گا، جس وقت بھی یہ ان جوتیوں سے برتر ہونے کا خیال کرے گا تو یہ چھن جائے گا۔

یہ وہ نظریہ ہے جو تقدس مآب لوگوں کا ہوتا ہے، تو قرآن نے فرمایا کہ آپ نے یتیموں کی اصلاح کرنی ہے، لہذا انہیں معاشرے کا جزو بنالو، گھر میں برکت ہوگی۔

ہماری تاریخ گواہ ہے کہ جو غلام بن کر ہمارے گھر آئے تھے، وہ ملکوں کے بادشاہ بن کر نکلے ہم نے تاریخ کا دھارا پلٹ دیا تھا اور زندہ قومیں وہی ہوتی ہیں جو تاریخ کی گزرگاہ پر اپنے نقوشِ پا چھوڑتی ہیں کہ صدیوں بعد بھی انہیں مٹایا نہیں جا سکتا۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ

تم مشرک خواتین سے نکاح نہ کرو، جب تک وہ ایمان نہ لائیں، یقیناً ایک ایماندار لونڈی مشرک خاتون سے بہتر ہے، خواہ وہ تمہیں پسند ہی

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ

کیوں نہ ہو، مشرک مردوں کو بھی تم نکاح کر کے نہ دو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، یقیناً ایک ایمان دار غلام بہتر ہے مشرک مرد

اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ

سے خواہ وہ تمہیں پسند ہی کیوں نہ ہو، وہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں اللہ جنت اور معافی کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے اور لوگوں کے

وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع

سامنے اپنی آیات کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں ۲۳۱

۲۳۱ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے گھریلو ماحول کو بڑی وضاحت سے ذکر فرمایا، دراصل گھر کا نظام اچھے انداز

سے اسی وقت ٹھیک طور سے چل سکتا ہے، جب اسے چلانے والے دو افراد میاں اور بیوی ہم خیال ہوں۔ ان کے افکار ایک جیسے ہوں طرز عمل ایک جیسا ہو، اور مستقبل کی پلاننگ ایک جیسی ہو۔ جب یہ باتیں نہیں ہوتیں تو گھریلو ماحول ٹھیک انداز سے نہیں چل سکتا، چونکہ اسلام ایسے معاشرے میں آیا تھا، جو خالص مشرک تھا، تو اپنے معاشرے کو الگ کرنے کے لیے جس پر قیامت تک ایک حسین زندگی نے تعمیر ہونا تھا، اسلام نے یہ پابندی لگا دی کہ مشرک خواتین سے مسلمان مرد نکاح نہ کریں، اگر کوئی مسلمان خاتون آزاد نہیں ہے تو اس دور میں اسے مسلمان لونڈی کہا جاتا تھا، ان سے آپ شادی کر سکتے ہیں، اب یہاں نظریاتی انداز سے آزاد خواتین پر فکر و سوچ کی بنیاد پر اسلام نے لونڈی کو بہتر قرار دیا، تاکہ اسلامی معاشرے سے بدعملی اور بداعتقادی کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی جائیں، اس سے یہ جواز نہیں نکلتا کہ اسلام غلامی کے خلاف نہیں کہیں بھی آپ کو قرآنی احکام پڑھتے ہوئے یہ بات نہیں ملے گی کہ اگر تم غلام بن جاؤ تو کیا کرنا ہے، کیونکہ اسلام آپ کو غلام نہیں دیکھنا چاہتا، لیکن اس نظام کو اکھاڑنے کے لیے یہ بات ضروری تھی، کہ ساری دنیا پر اسلامی حکومت قائم ہو جائے، اور جب تک قائم نہیں ہو سکتی، تو اسلام ان علاقوں سے غلامی کو کیسے ختم کرے، جہاں اس کا دخل نہیں ہے۔

اب جو جنگی قیدی کے حساب سے غلام بن کر آ جاتے تھے، انہیں آزاد کرنے کے لیے اسلام نے بے پناہ انداز اپنائے، کہ فلاں جرم کرو تو غلام کو آزاد کرو۔ اسلامی فقہ ان باتوں سے بھری پڑی ہے، اور سرکار علیہ السلام نے فرمایا! کہ اگر تم کسی کو اپنی غلامی سے آزاد کر دو تو اللہ تعالیٰ تمہیں جہنم سے آزاد کر دے گا، اور اس کے ہر عضو کے بدلے میں (آزاد کرنے والے کے جسم کا) ہر عضو آزاد کر دیا جائے گا۔ اب یہ وہ طریقہ تھا جسے اسلام نے اپنایا لیکن اگر وہ صرف جزیرہ نما عرب تک محدود رہ جاتا ہے تو ساری دنیا سے غلامی عملاً ختم نہیں کر سکتا۔

سب سے پہلے اسلام نے غلامی پر ضرب کاری لگائی علاوہ ازیں عیسائی قیصر نے آتش پرست کسریٰ نے اس دور کے خاقان چین نے تورات و انجیل نے ایسی ضرب کاری نہیں لگائی، فرمایا کہ اگر وہ غلام بن کر تمہارے پاس آ گئے ہیں تو اس مسلمان لونڈی سے آپ شادی کر لیں لیکن مشرک عورت جو آپ کی برادری، وطن اور قبیلے کی ہر انداز سے آزاد ہے، جس کے ساتھ آپ کے دنیاوی بے شمار مفادات وابستہ ہیں، اس سے شادی نہیں کر سکتے، ایک خاص بات عرض کروں کہ یہاں نکاح کا لفظ جب مردوں کے لیے استعمال ہوا ہے تو وہ ثلاثی مجرد کا ہے، اور جب خواتین کے لیے استعمال ہوا تو وہ ثلاثی مزید کا ہے، ان میں فرق یہ ہے کہ تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرد اپنے انداز سے کر رہا ہے لیکن جب خواتین کا ذکر ہے تو "تنکحوا" "یا تنکحن" نہیں ہے بلکہ "تُنکحوا" ہے، تم مسلمان بچیوں، بہنوں یا مسلمان معاشرے کی خواتین کا نکاح کر کے مشرکوں کو نہ دو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی معاشرہ اس بات کو چاہتا ہے کہ خاتون کی عزت یہ ہے کہ اس کا باپ نکاح کر کے دے، باپ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

سورۃ البقرہ کا تعارف

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس سورت کو سورۃ بقرہ کیوں کہتے ہیں، البقرۃ عربی میں گائے کو کہتے ہیں، اگرچہ لغوی طور پر گائے اور بیل کی پوری جنس کو بقرہ کہتے ہیں، اس گائے کی اہمیت کیا تھی؟ اس کا تذکرہ پہلے پارے کے دوسرے ربع میں آتا ہے، اس کی تفصیلات وہاں عرض کروں گا، اتنی بات ذہن میں رہے کہ جس انداز سے قرآن پاک نے اس کا ذکر کیا ہے، اس انداز سے نہیں، بلکہ اس سے تھوڑے سے مختلف انداز سے آج بھی تورات میں موجود ہے، تورات میں جو چیز حذف کردی گئی ہے، وہ سوالات و جوابات ہیں جو قرآن حکیم نے یہودیوں کی ٹیڑھی فطرت کو سامنے رکھ کے بیان کیے، وہ آج کی تورات میں موجود نہیں، باقی واقعہ جس طرح تورات میں ہے، اسی طرح قرآن پاک میں ہے، اس گائے کے ذبح کرنے کا انہیں اللہ کریم نے حکم دیا تھا، مسئلہ یہ تھا کہ ایک قتل ہوگیا، قاتل مل نہیں رہے تھے، مقتول کو گائے کا ٹکڑا مارا گیا، وہ اتنی دیر کے لیے زندہ ہوگیا، بتایا میرے قاتل فلاں ہیں، پھر فوت ہوگیا، اس واقعہ کی نسبت سے اس سورت کا نام البقرہ ہے، میں اردو تفاسیر بہت کم پڑھتا ہوں، اصل مآخذ عربی میں ہیں، جن کا ہمیشہ مطالعہ کرتا ہوں، فارسی میں ایک حد تک لٹریچر ہے مگر انگلش میں اس انداز کا نہیں ہے، آپ کی اس محفل میں تفسیر قرآن کے لیے میں نے چند اردو تفاسیر کا انتخاب کیا ہے، چونکہ آپ کا اکثر مطالعہ اردو ہی کا ہوتا ہے، اگر میں کسی چیز کو تحقیق کے خلاف پاتا ہوں، تو یہ میری ذمہ داری ہے، کہ ان تفاسیر سے اخذ کر کے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں، گائے کے واقعہ کے متعلق تو آگے چل کر عرض کروں گا، مگر اس جگہ تفہیم القرآن کے مصنف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے اختلاف ہے، وہ لکھتے ہیں کہ یہودی چونکہ گائے کی پوجا کیا کرتے تھے، لہذا ان کی اس عبادت کو چھڑانے کے لیے ایک گائے کو اس طریقے سے ذبح کرایا گیا، چونکہ میں قرآن کی تفسیر کر رہا ہوں غلط بیانی کسی مقام پر بھی غلط ہوتی ہے، لیکن جب تفسیر قرآن کرتے ہوئے اسے بیان کریں تو اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں ہے، مجھے انسانیت کی پوری تاریخ میں دو برادریاں ایسی ملتی ہیں، جو گائے کی پوجا کرتی تھیں، ایک ہندو اور دوسری قدیم مصری بیل کو پوجتے تھے، ہندو کا خیال تھا کہ گائے چونکہ بیل کی ماں ہے، لہذا یہ زیادہ مقدس ہے بیل کی نسبت، مصری کہتے تھے چونکہ گائے کا باپ بیل ہوتا ہے، لہذا وہ محترم ہے، بہر حال یہ ان دو قوموں کے اپنے اپنے ذاتی نظریات ہیں، اب جس قوم کا نام یہودی قوم ہے یہ وہ ہے جو اللہ کی لاڈلی قوم تھی، ان میں بے شمار نبی آئے، نبی شرک کا شدید دشمن ہوتا ہے لہذا گائے کا گوشت کھانا، قرآن کے چوتھے پارے میں موجود ہے، اگر گائے کی عبادت کرتے تو ہندوؤں کی طرح یہ گائے

کے فوت ہونے کی صورت میں دادا نکاح کر کے دے یہ بھی نہیں ہے تو بھائی نکاح کر کے دے، اس میں دو باتیں ہوں گی۔

۱۔ یہ معاشرے میں عزت وعظمت کا نشان ہوگا۔ ۲۔ جدھر وہ بچی جارہی ہے ان کے ذہن سے یہ بات نکل جائے گی، کہ یہ ایسی نہیں جس کا والی وارث کوئی نہیں۔ بہر حال اسلام نے مشرکوں کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے سے منع فرمادیا، دلیل یہ ہے کہ ان کی زندگی جہنم کی داعی ہے اور تم نے جہنم میں نہیں جانا ہے اور تمہارا داعی رب ہے اس نے تمہیں جنت ومغفرت کی طرف بلانا ہے۔

ایک نکتہ

اگر جنت میں رب کی رضا ساتھ نہ ہو تو وہ جہنم سے بدتر ہے، لہذا قرآن نے جنت کا لفظ کہہ کر فورا مغفرت کا لفظ کہہ دیا، کہ اللہ کی رضا بھی ساتھ ہونی چاہیے، تفسیر خازن میں ایک صوفی کا کلام ان الفاظ میں نقل ہے کہ اے اللہ اگر تو جہنم میں ملتا ہے تو میں نے جنت میں جا کر کیا کرنا ہے۔ آخر میں فرمایا اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے، تا کہ تم نصیحت حاصل کرو، یتذکرون کا ایک اور معنی یہ ہے کہ یہ ذکر سے بنا ہے، اور ذکر یاد کرنے کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ کائنات میں کھو نہ جاؤ، بلکہ ہر جگہ ذکر خدا تمہارے ساتھ رہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا

محبوب آپ سے لوگ حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرمادیں کہ وہ ایک بیماری ہے تم خواتین سے ان دنوں میں الگ رہو، پاک ہونے سے پہلے ان کے قریب نہ جاؤ،

تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس طرح تم ان کے پاس جا سکتے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں

التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

کو پسند فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں، اور ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جن کی فطرت میں طہارت پسندی ہے ۲۳۲

☆تفسیر سے پہلے ایک حدیث سن لیں کہ

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، "کہ مدینہ کی انصار کی خواتین ہمیں بے حد پسند ہیں، اس لیے کہ یہ شریعت کا مسئلہ پوچھنے میں شرم نہیں کرتیں

۲۳۲ خواتین کا ہر مہینے کورس ہوتا ہے، اسے عربی میں حیض یا محیض کہتے ہیں، اس کا لفظی معنی ہے کہ وہ چیز جو پلٹ پلٹ کر آتی ہے، چونکہ عادتاً یہ بار بار آتا ہے، اس لیے حیض کہتے ہیں، سابقہ معاشروں میں بے حد بے اعتدالی تھی، یہودی اور ہندو معاشرہ یہ دونوں

مذہبی گروہ خواتین کو ان دنوں بے حد نجس اور پلید سمجھتے تھے، ان کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتے تھے، ان کے کمرے میں نہیں جاتے تھے، اور بسا اوقات یہ ہوتا تھا، عرب معاشرے میں بھی یہ بات تھی حدیث میں اس کی تفصیل ہے، کہ ان دنوں میں اسے الگ کمرے میں تالہ لگا کر بند کر دیا جاتا، روٹی کے وقت ایک بندہ اس طرح دروازے سے روٹی دیتا، جس طرح گویا اندر کوئی سانپ بیٹھا ہوتا ہے، اور یہی بات عدت کے دوران بھی ہوتی تھی، پھر وہاں کی عدت ایک سال لمبی ہوتی تھی۔

ابوداؤد شریف میں یہ حدیث ہے کہ سرکار علیہ السلام کی خدمت اقدس میں ایک خاتون حاضر ہوئی عرض کی میں یہ اور یہ کرنا چاہتی ہوں، فرمایا! اللہ تعالیٰ نے بے حد رعایات دیدی ہیں تم وہی ہو جس کا باہر سے تالہ لگا رہتا ہے اور ایک سال اندر گزارتی ہو اور پھر باہر نکلتی ہو تو ان لوگوں کا خیال تھا کہ انہیں چھوٹے چھوٹے پتھر مارو تا کہ ان کی نحوست گر جائے، (العیاذ باللہ)

یہی بات ہندو معاشرے کی تھی کہ وہ بالکل ناپاک ہوتی ہے اس کے قریب نہیں جانا، سرکار علیہ السلام کی خدمت اقدس میں ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ میں آپ کے مبارک سر پر کنگھی کرنا چاہتی ہوں، لیکن میں ایسی کیفیت میں ہوں کہ میں ایسا نہیں کر سکتی، فرمایا عائشہؓ (یہ جاہلیت کی باتیں ہیں) حیض آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے، واضح رہے کہ حائضہ کھانا پکا سکتی ہے، لیکن صرف نماز نہیں پڑھ سکتی، اور نہ ہی نماز کی قضا ہے، روزہ وقتی معاف ہے لیکن پاک ہونے کے بعد روزہ کی قضا ضروری ہے اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت بھی نہیں کر سکتی، باقی زندگی کے تمام معاملات نمٹا سکتی ہے، اور دوسری طرف عیسائی دنیا ہے کہ وہ ان دنوں میں ہر قسم کے اختلاط کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اسلام نے کہا کہ نہیں ایک بات سے بچ جائیں باقی سب آپ کے لیے مباح ہیں۔

لفظ ''اذی'' کے دو معانی ہیں ایک یہ کہ یہ ایک بیماری ہے، اور طب کی نظر سے دیکھیں تو ان دنوں میں طبیعت میں نقاہت اور ثقل محسوس ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ ایک قسم کی گندگی ہے، اس لیے اس کے قریب نہیں جانا۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ نماز کی قضا نہیں البتہ روزوں کی قضا ہے، اس لیے کہ نماز ہمیشہ فرض ہے لیکن رمضان سال کے بعد آتا ہے، اس لیے اس کی قضا لازم ہے، مردوں کو کس کیفیت میں سوائے ایسی بیماری کے کہ وہ سر سے اشارہ بھی نہ کر سکتے ہوں نماز معاف نہیں ہے، اس کیفیت میں خواتین پر بھی نماز معاف نہیں ہے، لیکن اس کے علاوہ مردوں کے نماز و روزہ معاف نہیں ہے۔ کچھ حضرات نے یہاں مرد و عورت میں سے کون افضل ہے کی بحث شروع کر دی ہے قرآن کی زبان میں جو متقی ہے وہ افضل ہے البتہ مرد قوام ہے یہ بحث اپنے مقام پر آ رہی ہے آپ وہاں تفصیل ملاحظہ فرمالیں گے۔

اور جب ہم دونوں تہذیبوں کو دیکھتے ہیں تو اسلام نے میانہ راستہ اختیار کر کے عورت کے سر پر عظمت کا تاج رکھ دیا ہے، کہ نہ تو وہ یہودیوں اور ہندوؤں کی طرح ایک ناپاک مخلوق قرار دے دی جائے اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح اس سے ان دنوں میں اجتناب نہ کیا جائے، ان دونوں باتوں سے اسلام نے روک دیا، البتہ طہارت کے بعد ان کے قریب جا سکتے ہیں پھر فرمایا! ''فاذا تطہرن''

Marfat.com

جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں، اب اس اچھی طرح پاک ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ ا۔ یہ زیادہ سے زیادہ دس دن ہوتے ہیں، اگر دس دنوں سے بات آگے بڑھ جائے تو عورت شرعاً پاک ہے، اسے استحاضہ کہا جاتا ہے، اس صورت میں ہر نماز کے لیے نیا وضو ضروری ہے، اور اگر دس دنوں سے کم عرصہ ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ا۔ قرب کے لیے آپ غسل کرلیں۔ ۲۔ اگر آپ غسل نہیں کرسکتی ہیں تو ایک نماز کا وقت گزر جانا چاہیے۔ اور یہی معنی ہے **فاذاتطھرن** کا۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، طہارت پسند لوگوں کو اللہ پسند فرماتا ہے، لہٰذا ان دنوں میں چونکہ طہارت نہیں ہوتی، اجتناب ضروری ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں آؤ جس طرح چاہو اور اپنے (آخرت کے) لیے آگے بھیجو (نیک اعمال) اور اللہ سے

وَاعْلَمُوٓا أَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۲۲۳﴾

ڈرو اور جان رکھو کہ تم اللہ سے ملنے والے ہو اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیں ۲۲۳

لفظ حرث کی تشریح

۲۲۳ خواتین کو حرث کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی کہ کھیتی میں تین مراحل ہوتے ہیں، کھیتی اسی طریقے سے جا کر شروع نہیں کی جاتی بلکہ اچھے طریقے سے محنت کر کے زمین کو بنایا جاتا ہے، عام رواج یہ ہے کہ چار دفعہ زمین میں ہل چلایا جاتا ہے، پانچویں دفعہ بیج بویا جاتا ہے، بونے سے پہلے اس میں میڑا پھیرتے ہیں، تاکہ اس کی نمی ختم نہ ہو، اسی نمی کی لطافت کو اقبال نے کہا کہ!

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ا۔ اسلام پہلی بات یہ چاہتا ہے کہ باپ بیٹی کو خاوند بیوی کو بھائی بہن کو اس انداز سے تربیت کرے کہ اس میں جتنی انسانی صلاحیات ہیں وہ نکھر کر اوپر آجائیں۔

۲۔ پھر اس نے ایک نئے گھر کو آباد کرنا ہے، اب کھیتی اگ چکی ہے، اور اسے پانی دینا ہے اس کی حفاظت کرنی ہے، چونکہ اس کے پتے اور ڈنٹھل ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اصل مقصود اس کا پھل ہے تو آپ نے کھیتی کے پتوں، اکھووں اور ڈنٹھلوں کی بھی تربیت کرنی ہے، باہر باڑ لگا کر اس کی رکھوالی کرنی ہے۔

۳۔ اب کھیتی میں پھل آگیا ہے اور یہی آپ کا مقصود تھا اب اس پھل کو آپ نے اجالنا ہے، تاکہ سال بھر کام آسکے، ادھر تیسرے مرحلے پر اولاد آئے گی۔

بالفاظ دیگر عورت کے میکے نے اس میں وہ ساری صلاحیتیں ودیعت کی ہیں جو صلاحیتیں انہیں اسلام نے دی تھیں، اور پھر خاوند نے اس کی رعنائیوں میں اضافہ کر کے کہا کہ ہم نے مل کر اولاد کی تربیت کرنی ہے، یہ تین مراحل ہیں جن پر خواتین نے آنا ہے، روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی جگہ ایک چیز ہے تو دوسری نہیں دوسری ہے تو تیسری نہیں، تو چونکہ کھیتی میں یہ تینوں مراحل لگا تار آتے ہیں، لہذا قرآن نے کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

فرمایا کہ کچھ آگے بھی تدبیر کرو، مسئلہ یہ ہے کہ تم صرف اپنی زندگی کو رعنا بنا کر خاموش نہ ہو جاؤ، آگے کی تدبیر میں دو باتیں آتی ہیں ، ایک یہ کہ تم ان نظریات کے امین ہو جو تمہیں باپ دادے سے ملے ہیں، ایک نکتہ بیان کرتا جاؤں کہ قرآن پاک نے باپ دادے کے پیچھے چلنے کی مذمت کی ہے، لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے اگر باپ دادے غیر مسلم ہیں ورنہ سورۃ یوسف کی ایک آیت کا حوالہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ **"واتبعت ملة اباء ی ابراهیم و اسحق ویعقوب"** میں اپنے باپ دادے کی ملت کا پیروکار ہوں، ادب اسی میں ہے کہ سب سے پہلے اس کا نام لیا جائے جو بڑا ہے تو عظیم ابراہیمؑ تھے اس لیے ان کا نام پہلے آیا۔

ایک لطیف بات

سرگودھا کی ایک محفل میں میرے پیرو مرشد حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ ختم خواجگان شروع فرمانے لگے تو فرمایا یہ ختم خواجگان وہ ہے کہ جو تونسہ شریف، سیال شریف اور مرولہ شریف میں پڑھا جاتا ہے، اور پھر فوراً یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی جوابھی اوپر گزر چکی ہے، تو ان لوگوں کا یہ انداز ہوتا ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف اترتے ہیں، اب اگر آپ ان لوگوں کی اولاد ہیں جو نظریات والے ہیں تو آپ ان کی پیروی کریں گے، ان کی روایات کے امین بن کر آگے منتقل کریں گے۔

اس دنیا کی رعنائیوں میں اضافہ کرنے کے لیے آپ نے اپنی اولاد کو اپنے افکار کا امین بنانا ہے، لہذا قرآن پاک نے فرمایا کہ " وقدموا لانفسكم " یہ اتنا جامع جملہ ہے کہ اس میں دونوں دنیائیں آ گئی ہیں، کہ دوسری دنیا کو آباد کرنے کے لیے پہلے کچھ نیکیاں بھیج دو، آنے والی نسلوں اور اپنی آخرت کو سدھارو۔" واتقوا الله "صرف اللہ کا خوف رکھو۔ اور زندگی گزارتے ہوئے اس بات کو یاد رکھو کہ تم نے پلٹ کر جانا ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے جس پر تم چل رہے ہو۔

☆☆☆☆☆

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ ؕ

لوگو! اپنی قسموں کا نشانہ اللہ کی ذات کو مت بناؤ، اور یہ نہ کہو کہ تم نیکی نہیں کرو گے، اور نہ یہ کہو کہ تم پرہیزگاری اختیار نہیں کرو گے، اور یہ بھی نہ کہو کہ تم لوگوں کے درمیان صلح نہیں کراؤ گے

وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے ۲۲۴

۲۲۴ وہ قسم کھاتے تین باتیں کہہ دیتے تھے، جیسے آج کچھ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میں نے لوگوں میں صلح کرائی لیکن پھر انہوں نے توڑ دی، میری توبہ آئندہ میں صلح نہیں کراؤں گا۔ اب میں ان لوگوں کو نیکی کی بات نہیں کہوں گا، اور نہ ہی پرہیزگاری اختیار کروں گا، میں تو ان باتوں سے تھک گیا ہوں مجھے معاشرے نے اکتا دیا ہے۔ تو قرآن پاک نے ان باتوں سے روک دیا۔

عربوں کی یہ عادت تھی کہ ہر بات میں نیت کے بغیر قسمیہ الفاظ استعمال کرتے تھے، قسم کے لیے تین حرف ہیں ۔و۔ب۔ت۔ وہ ایک فقرے میں کہہ دیتے تھے کہ واللہ۔ باللہ۔ تاللہ۔ تو قرآن پاک نے اس پر پابندی لگائی کہ اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے نشانے نہ بناؤ، اسے قسم لغو کہتے ہیں، اس کی کوئی جزا و سزا نہیں ہے، بشرطیکہ دل کی نیت اس میں شامل نہ ہو، اگر دل کا قصد شامل ہوگا تو وہ حقیقی قسم بن جائے گی، اس قسم کو توڑنے کی سزا ہے، کہ ایک غلام کو آزاد کرو ورنہ تین روزے رکھو، ورنہ دس مساکین کو کھانا دو یا انہیں کپڑے پہنا دو۔

اس آیت میں "ان تبروا" کا تعلق "لاتجعلوا" کے ساتھ ہے، تو جس طرح "لا" نہ کے معنی میں استعمال ہوگا، آگے بھی نہ کے معنی میں استعمال ہوگا تاکہ آیت کی اچھی طرح وضاحت ہو سکے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِىۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ وَلٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ

اللہ تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا تمہاری لغو قسموں کا، لیکن تمہارا مواخذہ کرے گا جو تمہارے دلوں نے کمایا

وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۲۲۵﴾

اللہ بخشنے والا حلم والا ہے ۲۲۵

۲۲۵ اس آیت میں لغو قسموں سے مراد یہ ہے کہ جو بلا نیت زبان پر تکیہ کلام کے طور پر قسم آجائے، اور اگر دل کی گہرائی سے قسم کھائی ہے تو آپ شرعاً اس قسم کو نہیں توڑ سکتے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ

وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ایلاء کر لیتے ہیں (قسم کھا لیتے ہیں کہ اب میاں بیوی والا رابطہ نہیں ہوگا) انہیں مہلت ہے چار مہینوں کی اگر وہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

چار ماہ میں واپس پلٹ آئیں تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے، اگر انہوں نے طلاق کا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سنتا اور جانتا ہے ۲۳۶ع

۲۳۶ع پہلی آیت میں "فاء وا" قابل غور ہے یعنی پلٹ آیں، اور اسی سے لفظ 'فے' ہے۔ 'فے' کا معنی ہے سایہ۔ سویرے ادھر ہوتا ہے، شام کو ادھر پلٹ آتا ہے، عربی کے ہر لفظ کے پیچھے اس کی وجہ ہوتی ہے، مال فے وہ ہوتا ہے جو کافروں سے اسلامی حکومت کو ملے لیکن اس صورت میں کہ آپ نے حملہ نہ کیا ہو، وہ ویسے ہی علاقہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔ وہ مال اسلامی حکومت کے پاس ملکیت کے طور پر پلٹ آیا ہے۔

تین طلاقوں کی وضاحت

طلاق کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ طلاق رجعی۔ ۲۔ طلاق بائنہ۔ ۳۔ طلاق مغلظہ

۱۔ طلاق رجعی یہ ہے کہ ایک بندہ کہہ دیتا ہے کہ میں نے طلاق دیدی ہے۔ اس میں تعداد نہیں ہے، اسے ایک طلاق کہتے ہیں، اس کے بعد وہ رجوع کر سکتا ہے، یعنی اس طلاق کو واپس لے سکتا ہے، بشرطیکہ عدت کے اندر واپس لے، اگر واپس لے گا تو اسے نئے نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ طلاق بائنہ یہ ہے کہ اگر طلاق کے ساتھ کوئی لفظ ایسا آ گیا ہے جو بطور صفت استعمال ہوا ہے تو طلاق میں سختی آ جائے گی، مثلاً کہے کہ سخت طلاق دی یا یہ کہے کہ پانی کے

بہاؤ کی طرح طلاق دی، ایسی صورت میں طلاق بائنہ ہو جاتی ہے، بائنہ کا لفظی معنی ہے الگ کر دینے والی اس صورت میں عدت کے اندر یا باہر اگر رجوع کرنا چاہے تو نکاح نیا ہوگا، سرکار علیہ السلام کا ارشاد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو اگر واپس کرنا چاہو تو عدت کے اندر نکاح کیے بغیر واپس ہو سکتی ہے، عدت کے بعد اگر واپس لینا چاہو تو صرف دوبارہ نئے نکاح سے واپس لاؤ گے۔

۳۔ طلاق مغلظہ یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں ہیں اسلام نے تین کو آخری حد قرار دیا ہے، عرب ایک محفل میں ہزار ہزار طلاقیں دے دیا کرتے تھے، پھر جب چاہتے واپس لے آتے تھے، تو طلاق کا جو مفہوم تھا کہ اگر معاشرے میں وہ مل کر نہیں رہ سکتے، تو ان کی

Marfat.com

جدائی ہو جائے وہ اس جدائی کو نہیں ہونے دیتے تھے، ہزار طلاقیں دینے کے بعد رجوع کی شکل میں واپس کر لیتے۔

اس کی صرف ایک صورت ہے حلالے کی جو پہلے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں۔

ایلاء کیا ہے؟

عربوں میں ایک رواج تھا جسے ایلاء کے نام سے تعبیر کرتے، یعنی قسم کھا لیتے کہ اب ہم نے اپنی خواتین سے بیویوں والا رابطہ نہیں رکھنا ہے، جب کچھ عرصہ گزر جاتا پھر کہتے میں نے وہ الفاظ واپس لے لیے ہیں، اور واپس لیتے ہی پھر کہہ دیتے میں نے ایلاء کر لیا ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب اسلام آیا تو کچھ خواتین اس کیفیت میں تھیں کہ چالیس چالیس سالوں سے وہ اس ایلاء میں مبتلاء تھیں، نہ وہ فارغ ہو سکتی تھیں اور نہ ہی اپنے گھروں میں آباد ہو سکتی تھیں، قرآن پاک نے اسے قسم کے معنی میں لے لیا، دوسرا یہ کہ اسے ہم چار ماہ سے آگے نہیں جانے دیں گے، چار ماہ کے گزرنے کے بعد یہ ایلاء واپس نہیں ہو سکتا، یہ طلاق بائنہ ہو گئی ہے، اب وہ خاتون جدھر چاہے شادی کر سکتی ہے، تو وہ ظلم جو عرب معاشرے نے خواتین کے سر پر مسلط کر رکھا تھا اس کو اسلام نے توڑ دیا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ

وہ عورتیں جنہیں طلاق مل گئی ہے وہ روکیں اپنے آپ کو تین حیضوں تک ان کے لیے حلال نہیں ہے، کہ اسے چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان

اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ

کے پیٹوں میں پیدا فرمادیا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ و آخرت پر ایمان رکھتی ہیں (اب یا تو طلاق ایلاء والی تھی جو نتیجتاً طلاق بائنہ ہے یا طلاق رجعی تھی) فرمایا ان کے خاوند انہیں واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں، اگر وہ اصلاح کرنا چاہتے ہیں (اس لیے کہ وہ مل کر کچھ عرصہ گزار چکے ہیں اگر لغزش ہوگئی ہے تو اس کو پلے نہ باندھا جائے اگر طلاق رجعی یا بائنہ ہے اور وہ واپس لینا چاہتے ہیں تو وہی سب سے زیادہ حقدار ہیں اصلاح کے ساتھ لانا چاہتا ہے تو خاتون کو واپس آنا ہوگا)

اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ

ان عورتوں کے بھی ایسے ہی حق ہیں جیسے ان کے ساتھ مردوں کے حق اللہ تعالیٰ نے متعین فرمائے ہیں (یعنی دونوں کے اپنے اپنے حقوق ہیں اور یہ اسلامی قانون کے مطابق ہیں) البتہ مردوں کو ایک انداز سے خواتین پر فضیلت ہے

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

اللہ غالب اور حکمت والا ہے ۲۲۸

Marfat.com

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا

[illegible]

يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا

[illegible]

أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ

[illegible]

عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ

[illegible]

يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (۲۲۹)

[illegible]

[illegible]

تو نکاح ثانی کے ساتھ واپس کرلیں گے۔ یا زیادہ ہی غصہ ہے تو طلاق بائنہ دے دو تا کہ صرف نکاح کے ساتھ وہ خاتون واپس آسکے اب قرآن پاک نے فرمایا کہ رجعی طلاقیں دو ہوتی ہیں، اس سے آگے نہیں، اس کے بعد دو ہی صورتیں ہیں یا قاعدے کے مطابق اس خاتون کو واپس لے آئیں یعنی کہہ دیں کہ میں نے رجوع کرلیا ہے، اس رجوع کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں کہہ دیا جائے کہ میں نے رجوع کرلیا ہے، لیکن اگر صرف بیوی کو ہی کہہ دیا جائے تو بھی رجوع ہوسکتا ہے۔ اگر پروگرام نہیں ہے تو تیسری طلاق نہ دیں دو کے بعد حسن سلوک سے اسے چھوڑ دو، یہاں میں عربی الفاظ پر مختصری بحث کرتا ہوں، کہ ''امساک'' کا لفظی معنی ہے تھام لینا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی یہ کیفیت نہیں تھی کہ جدائی ہوجائے گویا آپ کا تعلق ٹوٹ رہا تھا، آپ دونوں گر رہے تھے، آپ نے اسے تھام لیا، بات ختم ہوگئی۔

میرے نزدیک معروف کا معنی حسن سلوک زیادہ بہتر ہے، آپ نے کچھ وقت مل کر گزارا ہے اس کے پیش نظر آپ کی زبان پر اس خاتون کے لیے سخت الفاظ نہیں آنے چاہیں، جب راستے الگ الگ ہوگئے ہیں، تو اس کے بعد تلخ زبان استعمال کرنے کا کیا فائدہ؟ حسن سلوک کے ساتھ آپ الگ الگ ہوجائیں، لیکن یہاں تاکید اس بات کی ہوئی کہ حسن سلوک کا زیادہ حقدار مرد ہے، اب جب شادی ہوتی ہے تو اس کے ساتھ مہر متعین ہوتا ہے، کچھ اور چیزیں ہیں جو اس وقت آپ نے تحفتاً دی تھیں تو قرآن پاک آپ کو حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہارے لیے یہ بات اچھی نہیں ہے، یہ بات بہتر نہیں ہے، کہ جو کچھ تم نے نکاح کے وقت دیا تھا، اسے واپس لو، اچھا معاشرہ تبھی قائم ہوگا کہ جو کچھ آپ نے دیا تھا وہ واپس نہ لیں، فرمایا کہ اگر دونوں مزاج میں اتنے دور نکل گئے ہیں کہ وہ کوئی حد بھی باقی نہیں چھوڑتے اور دونوں مل کر اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکتے۔ اور معاشرہ والوں کو بھی علم ہے کہ یہ حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے (اس معاشرہ سے مراد میاں اور بیوی کے قریبی رشتہ دار ہیں یعنی محدود معاشرہ) تو اس صورت میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا سکتی ہے، اس فدیے کا نام اسلامی شریعت میں خلع ہے، خلع کا مطلب یہ کہ جس بندھن میں عورت جکڑی ہوئی ہے، اس سے آزادی حاصل کرلے، دوسرے الفاظ میں خلع عورت کے پاس وہ اختیار ہے جس کو وہ استعمال کر کے اپنے ظالم خاوند سے اپنی جان چھڑا سکتی ہے، اب خلع کے لیے اس نے فدیہ دینا ہے، قرآن پاک نے صرف اشارہ کردیا، سرکار علیہ السلام نے اس کی تشریح فرمادی، کہ وہ صرف مہر ہے،

ایک عورت سرکار علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں اپنے خاوند کے ساتھ نہیں رہ سکتی، لہذا مجھے قرآنی احکام کے مطابق خلع دلوایا جائے، سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ تجھے اس نے مہر میں ایک باغ دیا تھا۔ کیا تو اسے وہ باغ واپس کرسکتی ہے؟ عرض کی کرسکتی ہوں، آپ نے اس کے خاوند کو بلا کر فرمایا کہ اپنا باغ جو مہر میں دیا تھا وہ واپس کرلو اور اسے طلاق دے دو، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جیسا کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

Marfat.com

کی پوجا کرتے یہ بات عقل کے خلاف ہے، اس کا ثبوت، تورات، انجیل اور قرآن سے کہیں نہیں ملتا۔ یہود کا گائے کا گوشت کھانا قرآن کے چوتھے پارے میں موجود ہے اگر وہ گائے کی عبادت کرتے تو ہندوؤں کی طرح انہیں گائے کا گوشت نہیں کھانا چاہیے تھا۔ اب لے دے کے ایک بات ملتی ہے کہ انہوں نے ایک بچھڑا بنا دیا تھا اور اس کی عبادت کی تھی سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کیا وہ بچھڑا کسی گائے کا بچہ تھا؟ جی نہیں، وہ تو سامری نے عورتوں سے زیورات اتروا کر انہیں ایک بچھڑے کی شکل میں ڈھال لیا تھا، اور اس کے اندر کوئی ایسا سسٹم بنا دیا تھا کہ جب اسے دباتا تھا تو اس سے آواز نکلتی تھی، اس نے اعلان کر دیا تھا کہ **"ھذا الھکم و الہ موسیٰ"** (یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا خدا) لیکن اسے گائے کے طور پر نہیں پوجا گیا، چونکہ لفظ الـــہ موجود ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ بت پرستی کی وبا جو اس دور میں چل رہی تھی اس میں ان کی شراکت اس واقعہ سے ثابت ہوتی ہے، یہ گائے جو گوشت اور دودھ والی ہے کسی دور میں معبود رہی ہو، اگر یہ واقعہ تاریخی سند رکھتا ہے تو پیش کیا جائے، مولانا تو اس دنیا میں موجود نہیں ہیں، ان کے رفقاء سے مندرجہ بالا بات پوچھی جا سکتی ہے۔ ایسی بات قطعاً نہیں ہے، میں ذمہ دارانہ الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ قیامت کی طلوع صبح تک اس بات کو کہیں سے ثابت کر کے نہیں دکھایا جا سکتا، پرانے دور کے ایک مسلمان مفکر نے ایک دفعہ بڑا خوبصورت طنز کیا تھا کہ ایک ہندو بچہ گھر میں تھا اس کے والدین مندر گئے ہوئے تھے، باہر سے گائے آئی، چونکہ ہندو گائے کو گاؤ ماتا کہتے ہیں اور پیپل کے درخت سے بھی ان کے ایسے ہی غلط عقائد منسوب ہیں، گائے آئی اس نے پیپل کے چھوٹے سے درخت کو نوچ لیا، والدین واپس آئے تو بچے سے پوچھا کہ تیری موجودگی میں گائے پیپل کھا گئی؟ بچے نے بڑی معصومیت سے جواب دیا کہ یہ ماتا اور پتا کا آپس کا مسئلہ تھا میں مداخلت کیوں کرتا۔ یہ ہندوؤں کی مذہبی روایت اور عقیدہ ہے لیکن کیا یہودیوں میں بھی کوئی ایسا عقیدہ تھا؟ اس کا جواب ہے کہ بالکل نہیں تھا، لہذا مولانا صاحب کی یہ چھوٹی سی لغزش ہے۔ معصوم تو صرف انبیاء کرام ہیں۔ اللہ کریم ہم سب کو معاف فرمائے!

☆☆☆☆☆☆

اس سے ہمارے ماہرین قانون اسلامی نے یہ نتیجہ اخذ فرمایا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ خاوند کی عظمت اس میں ہے کہ وہ واپس نہ لے لیکن اگر واپس لینا چاہتا ہی ہے تو صرف اتنا ہی واپس لے جتنا دیا تھا، البتہ عدل وانصاف کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ اگر جج یہ محسوس کرتا ہے کہ اس میں قصور مرد کا ہے تو مرد واپس نہ لے اور اگر قصور عورت کا ہے تو عورت مہر واپس کر دے۔ ہمارے ملک میں انگریز نے اپنے پرسنل لا میں 1935ء کے ایکٹ میں یہ خلع نافذ کیا تھا، اب زیادہ تر مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ہر قانون کو غلط طریقے سے استعمال کرنے کی زیادہ کوشش ہوتی ہے، اور قانون کے میدان میں ہمارے ملک میں جو سب سے زیادہ بددیانتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا وکیل حقائق تک نہیں پہنچتا، بلکہ حقائق کو توڑ موڑ کر غلط راستے پر ڈال دیتا ہے، اسلامی قانون اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وکیل اصل واقعات کو سامنے رکھ کر عدالت کی امداد کرے لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے دور اول میں زیادہ تر لوگوں نے اپنے کیس خود عدالت میں پیش کیے، اور وہ وکیل کا سہارا نہیں لیتے تھے، اسلام وکیل کرنے پر تاکید نہیں کرتا، اگر کوئی اچھے طریقے سے اپنی بات خود عدالت میں پیش کر سکتا ہے، تو وکیل کی ضرورت نہیں تاکہ حقائق کھل کر سامنے آئیں، اب حقیقت وکیل کو معلوم ہے وہ جان بوجھ کر توڑ کرتا ہے تو وہ مجرم ہے اسی سٹیج پر ہمارا موجودہ عدلیہ کا نظام اور اسلامی نظام آپس میں شدت سے ٹکراتے ہیں، اسلام کہتا ہے کہ دونوں وکیلوں کا منشاء حقیقت تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ اور ہمارا موجودہ نظام کہتا ہے کہ وکیل نے پیسے اس لیے نہیں لیے کہ وہ حقیقت تک پہنچے بلکہ اس لیے رقم لی ہے کہ ملزم کو بچانے کا طریقہ کیا ہے۔

عورت کن کن صورتوں میں خلع لے سکتی ہے:

مرد کو جسمانی ایسے امراض ہیں جو قابل نفرت ہیں، وہ کوہڑی ہو گیا ہے، یا اس قسم کی کوئی بات جو اسلامی فطرت میں قابل نفرت ہے وہ بداخلاق ہے ہروقت گالی گلوچ کرتا ہے، وہ بدکردار ہے، ان کے ذہنوں میں اتنی دوری ہے کہ وہ مل کر زندگی کی گاڑی چلا نہیں سکتے، اسلام ہر گھر جنت کی طرح دیکھنا چاہتا ہے، اگر وہ جہنم کی صورت اختیار کر لے تو بیوی کو خلع کا اختیار ہے۔ اب اس کے ساتھ یہ کہنا کہ کیا عورت کو طلاق کا حق ہے یا نہیں؟ یہ بڑی بے ہودہ بات ہے جو مغرب کی نقالی میں ہم نے اپنے فیملی لاز میں اور نکاح کے فارم میں لکھ دی ہے اسلامی قانون میں عورت کو طلاق کا حق تفویض کیا جا سکتا ہے، لیکن نکاح میں ان شرائط کو رکھنا سرکار علیہ السلام کو سخت ناپسند ہے، اس لیے کہ پہلے دن ہی عمارت ٹیڑھی ہو جائے گی، جب عورت کے پاس خلع کا اختیار ہے اور ان سب باتوں میں وہ خلع لے سکتی ہے، تو پھر طلاق کے حق اس طریقے سے مسلط کر دینا اسلامی قانون کی روح کے خلاف ہے۔ اسلامی قانون کی شہرہ آفاق کتاب ہدایہ میں کم وبیش 60 یا 70 صورتیں خلع کی موجود ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں انہیں پھلانگنے کی کوشش مت کرو، ان آیات میں زیادہ تر مذکر کے صیغے استعمال فرمائے، کہ زیادہ تر غلط طریقے مرد استعمال کرتا ہے، لہذا معاشرے میں 90 فیصد زیادتی مرد کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسلام نے کہا کہ دو سے زیادہ طلاقیں نہ دو لیکن اگر کسی نے تیسری بھی دیدی تو!

Marfat.com

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ

اگر اس نے پھر طلاق دیدی اب وہ عورت اس مرد پر حلال نہیں ہے، جب تک کہ وہ کسی اور

زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن

خاوند سے شادی نہیں کرتی، اگر اس دوسرے خاوند نے اسے طلاق دیدی ہے تو اب ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے، کہ دونوں رجوع

کرلیں اس شرط کے ساتھ کہ اگر انہیں یہ گمان غالب ہے کہ

يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

اب وہ اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں یہ علم والی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں ۲۳۹

نکاح موقت یعنی حلالہ کی چند قباحتیں

۲۳۹ ا۔ نکاح موقت اسلام میں جائز نہیں ہے۔ ۲۔ اس نکاح کے اندر شرط آ گئی ہے کہ آپ نے کل طلاق دے دینی ہے، اور نکاح میں خارجی کوئی شرط بھی ہو تو شرط باطل ہے۔ ۳۔ یہ بات انسانی غیرت کے خلاف ہے۔ ۴۔ قرآن پاک تو سزا مرد کو دے رہا تھا، اور مرد نے یہ جرمانہ عورت کے گلے میں ڈال دیا، تو یہ تمام تر کوششیں قانون کے بدلنے کی ہیں اور از حد مکروہ ہیں۔ حدیث کی تمام کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے حلالہ نکالنے والے پر بھی اور جس کے لیے نکالا گیا اس پر بھی۔ اب قانونی نکتہ نگاہ سے ہمارے سامنے اس کے جواز کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی، اس کا واحد حل یہ ہے کہ جس مرد کے پاس عورت حلالے کے لیے گئی ہے اس مرد کو عورت کہہ دے کہ مجھے طلاق نہ دو، اور بے شمار ایسے واقعات سامنے آتے ہیں۔ اصل حلالہ یہ ہے کہ مطلقہ عورت دوسرے مرد سے شادی کرے اور وہ اگر کسی وجہ سے اپنی مرضی سے عورت کو طلاق دیدے یا وہ مر جائے تو پھر وہ عورت اگر چاہے تو پہلے خاوند کے پاس دوبارہ آ سکتی ہے۔

معاشرے میں جو مصنوعی انداز سے مردوں نے خواہ مخواہ برتری قائم کر کے اپنے ظلم کو جواز کی شکل دی ہے وہ عربوں میں بہت زیادہ تھی، آگے اس بات پر قرآن پاک شدت سے تنبیہ کر رہا ہے، اگلی آیت کا خلاصہ کسی نے ایک یا دو طلاقیں دیں عدت کے اندر اس نے رجوع کر لیا عدت گزر گئی ہے تو اس نے کہا میں نکاح کر لیتا ہوں، یا طلاق بائنہ کے بعد کہا کہ میں نکاح کرا لیتا ہوں

Marfat.com

تو یہاں پھر دو قسم کے گروپ پیدا ہو جاتے تھے۔ا۔لڑکی کے وارث کہتے ہیں کہ طلاق میں ہماری بے عزتی ہے ہم اب اس لڑکی کو کسی صورت واپس نہیں کریں گے۔۲۔اس نے طلاق تو دیدی ہے لیکن مطلقہ عورت اگر کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو پہلا خاوندان کے درمیان ایسی الجھنیں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ آباد نہ ہو سکے، مثلاً یہ کہتا ہے کہ میں نے چھوڑ دی اب تم نہ کرو، اگراتنی ہی اچھی ہوتی تو میں کیوں طلاق دیتا وغیرہ وغیرہ، تو اس کوشش کو اس حد تک بڑھاتا ہے کہ آگے کہیں نکاح نہ ہو سکے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور انکی میعاد پوری ہونے کو ہو تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا اچھائی کے ساتھ چھوڑ دو

سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ

اور انہیں ضرر دینے کے لیے نہ روکو کہ حد سے بڑھنے لگو جو ایسا کرتا ہے

ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوٓا ءَايَٰتِ ٱللَّهِ هُزُوًا وَٱذْكُرُوا

وہ اپنی جان پر زیادتی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی آیات کو مسخری نہ بناؤ اپنے اوپر اللہ کریم کے

نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ وَٱلْحِكْمَةِ

احسان کو یاد کرو اور جو اس نے تم پر کتاب وحکمت نازل فرمائی ہے اس سے نصیحت فرماتا ہے

يَعِظُكُم بِهِۦ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَٱعْلَمُوٓا أَنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۳۱﴾

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے[۲۴۰]

۲۴۰ اس سے مراد وہی طلاق رجعی ہے اجل سے مراد یہاں عدت ہے یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے تم رجوع کر سکتے ہو یہ رجوع انہیں گھر میں آباد کرنے کا معروف اور ستھرا طریقہ ہے، اگر انہیں آباد کرنا مقصود نہیں ہے تو انہیں اچھے انداز سے چھوڑ دیا جائے، اور نہ ہی غیر اخلاقی انداز سے انہیں گھر سے نکالا جائے، خواتین پر ایسی زیادتی گویا اپنے اوپر زیادتی ہے کہ اللہ کریم اس پر گرفت فرمائیں گے، آیات ربانی عمل کے لیے ہوتی ہیں ایسا نہیں ہوتا کہ جو پسند ہو اسے قبول کر لو اور جو ناپسند ہو اسے چھوڑ دو ایسا کرنا تو آئین خداوندی کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے جو قطعاً جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتوں میں بذات خود یہ آئین معاشرت بھی شامل ہے اور اس میں حقوق زوجین بھی آگئے ہیں، لہٰذا قرآن پاک نے جو حکیمانہ احکام دیئے ہیں ان کا نفاذ ضروری ہے۔ عورتوں کے حقوق کسی صورت میں پامال کرنے کی اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرو ان کے حقوق پر ڈاکہ نہ ڈالو، تمہارا واسطہ علیم وخبیر ذات سے ہے تمہاری کوئی بات اس سے مخفی نہیں ہے، لہٰذا کسی کے حقوق غصب کرنے کا خیال بھی ذہن سے نکال دو۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنے عرصے یعنی عدت کو پورا کرلیں تو تم انہیں ہرگز نہ روکو کہ اپنے خاوندوں سے نکاح کرلیں

أَزْوَٰجَهُنَّ إِذَا تَرَٰضَوْا۟ بَيْنَهُم بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِۦ مَن كَانَ

جب وہ آپس میں دستور کے مطابق راضی ہوجائیں تو بے شک نکاح کرلیں، اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے اسے

مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَٱللَّهُ

جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے (واپس وہاں ہی نکاح کرنا) تمہارے لیے بڑی ہی پاکیزہ بات ہے

يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۲۴۱

۲۴۱۔ یہاں اجل یعنی عدت تک پہنچنے کا مطلب عدت گزر جانا ہے، رجعی طلاق میں عدت کے اندر تو صرف رجوع کافی ہے نئے نکاح کی ضرورت نہیں لیکن اگر رجعی طلاق میں عدت گزر گئی ہے تو پھر نکاح ضروری ہوتا ہے، اب اس عورت کو اختیار ہے کہ پہلے خاوند سے ہی نکاح کرلے یا نئے خاوند سے شادی کرلے اس کے وارثوں کو نکاح سے روکنے کا حق نہیں، جاہلیت کے معاشرے میں وارث روکا کرتے تھے، اسلام نے اجازت دی مگر ساتھ ارشاد فرمایا کہ یہ نکاح معروف طریقے سے ہو کوئی غیر اسلامی حرکت اس میں ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ "تراضوا" کا معنی ہے دونوں باہم رضا مند ہوں اس سے پتہ چلا کہ نکاح میں فرض صرف دو ہیں ایجاب اور قبول۔ عرب معاشرے کو شدید سرزنش کی گئی ہے، کہ اگر اللہ کریم اور آخرت پر ایمان ہے تو ان حرکتوں سے باز آجاؤ اور ان خواتین کو اپنے اختیارات استعمال کرنے سے مت روکو۔ نکاح کرکے اپنے سابق خاوند یا نئے خاوند کے پاس چلے جانا پاکیزہ اور صاف ستھرا طریقہ ہے وہ بھی انسان ہیں انکے سینوں میں بھی دل ہیں، ان کے اندر بھی جذبات کی دنیا موجزن ہے

اگر تم جائز راستوں سے روکو گے تو وہ غلط راہوں پر چل نکلیں گی، لہذا تم باز آجاؤ۔ قانون سازی کا تمہیں حق نہیں ہے، اللہ کریم بہتر جانتا ہے کہ کونسا طریقہ بہتر ہے، لہذا تم اطاعت کیشی کو اپناؤ اپنی حد سے آگے نہ بڑھو۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ

مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ

جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس نے دودھ کا عرصہ پورا کرنا ہے اور جس کے بچے ہیں ان خواتین کا کھانا اور

وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ

پہناوا اس کی ذمہ داری ہے، دستور کے مطابق، کسی جان کو اس کی قوت برداشت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے

وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ

ماں کو بچے کی وجہ سے ہرگز ضرر نہ دیا جائے اور نہ باپ کو بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے (اگر باپ نہیں ہے تو) وارث پر بھی اس طرح بات ہے

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ

اگر وہ دونوں رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہتے ہیں، تو کوئی حرج نہیں وہ جس وقت چاہیں دودھ چھڑا سکتے ہیں،

أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا

اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے بچے کو کسی اور سے دودھ پلواؤ تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ہاں جو انہیں معاہدے کے اندر دینے کے لیے بات کی ہے

آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۳﴾

وہ معروف طریقے سے دیا جائے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تمہارے اعمال پر نگاہ رکھتا ہے ۲۴۲

۲۴۲ پہلی بات یہ ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کا عرصہ دو سال ہے اب اسلامی معاشرے میں میاں بیوی کی الگ الگ حیثیت تسلیم کی گئی ہیں، یہ وہ بات ہے جو ہمارے معاشرے میں نہیں ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام دو قوموں سے گزر کے یہاں پہنچا

Marfat.com

ہے، اس دور کے ایران کے زرتشتی مذہب کو کراس کر کے یہاں آیا ہے لہذا جو لوگ ایران میں مسلمان ہوئے تھے زرتشتی روایات ان کے اندر دھنسی ہوئی تھیں، تو وہ بیوی کے حقوق کو تسلیم نہیں کرتے تھے، وہاں سے نکلیں تو آگے ہندو کا معاشرہ تھا اس نے خواتین کو گھروں کی لونڈیوں سے آگے کوئی حیثیت نہیں دی۔ تو چونکہ یہاں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو نئے مسلمان ہوئے تھے، اور وہ اپنی پرانی روایات کو اپنے خون میں دوڑتا ہوا لے کر آئے تھے، لہذا انہوں نے اسلام پر اپنی پیوندکاری کی تو اسلام کے حسین لباس پر دو پیوندکاریاں ہوئیں، اس دور کے ایرانی مذہب زرتشتی کی پیوندکاری اور پھر یہاں ہندو کی پیوندکاری۔

اسلام نے عورت کو حق ملکیت دیا تھا وراثت میں اس نے باپ اور میاں کی طرف سے بھی لینا ہے پھر اس کی ملکیت کا حق اس کے اپنے پاس ہے، اسلام اسے کہتا ہے کہ وہ اپنی ملکیت سے اپنا کھانا کھائے، اور خاوند کو کہتا ہے کہ جب تک وہ آپ کے پاس ہے اس کے اخراجات آپ نے برداشت کرنے ہیں، اب بچے کی غذا کے حساب سے تھوڑا اضافہ ہو جاتا ہے، لہذا قرآن پاک نے اسے دوبارہ دھرایا کہ بچے کا خرچہ بھی آپ کی ذمہ داری ہے، اگر عورت خود رقم کماتی ہے تو اسلام نے اسے یہ حق دیا ہے کہ اگر وہ اسے کچن کی نظر نہیں کرنا چاہتی تو بالکل نہ کرے، بلکہ اسلام نے دوبارہ فرمایا کہ ان کے اخراجات معروف طریقے سے مرد کے ذمہ ہیں، معروف طریقے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس کی استطاعت ہے اس کے مطابق خرچہ دینا ہے، یہ بات استطاعت سے بڑھ کر نہ ہو، اسی کو قرآن پاک نے واضح جملے میں فرمایا کہ کسی جان کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے، پھر وضاحت فرمائی کہ ماں کو بچے کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے، اس ضرر کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً طلاق ہوگئی ہے تو صاحب بہادر خیر سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اب یہ بچہ اس خاتون کو نہیں مل سکتا، اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا، کسی مرد کو یہ حق نہیں کہ بچے کو ماں کی مامتا سے محروم کر دے، اور اگر مرد کمزور ہے اور خاتون اپنے میکے کی وجہ سے طاقت ور ہے تو اسلام اسے بھی یہ حق نہیں دیتا، کہ وہ بچے کو باپ سے ملنے کی اجازت نہ دے، وہ باپ کا بھی اسی طرح بیٹا ہے لہذا دونوں کو اپنے لیے بھی اور بچے کے مستقبل کے لیے بھی خیال رکھنا ہے۔

اگر وہ 10 یا 12 سال بچے کو باپ سے ملنے نہیں دیتی، تو اتنے عرصے کے بعد بچے کے سینے سے باپ کی محبت نکل چکی ہوگی، اس کے برعکس باپ کا رویہ ہے۔ البتہ پرورش کا حق ماں کو دے دیا گیا، کہ جس طرح بچے کی دیکھ بھال ماں کر سکتی ہے اس طرح باپ نہیں کر سکتا، اگر کسی وجہ سے خاوند اور بیوی میں ناراضگی ہوگئی ہے تو اس صورت میں بھی باپ بچے کا خرچہ دے گا، اور جب تک وہ اس کی تربیت کر رہی ہے اس کا بھی خرچہ دے، اگر وہ اچھے انداز کا انسان ہے تو جب تک بچہ یا بچی اس عمر تک نہیں پہنچتے جو اسلام کہتا ہے تو اچھا انسان بچے کے ساتھ بیوی کو بھی خرچہ دے گا، اگر اس نے اور شادی نہیں کی ہے تو اگر اور شادی کر لی ہے تو یہ ہماری معاشرتی خرابی ہے تو نئے صاحب وہی جگہ سنبھال لیں گے، جو پہلے صاحب کی تھی کہ اب یہ بچہ ادھر نہیں آ سکتا، اسلام نے یہاں

بھی پابندی لگائی ہے کہ اسے بھی ماں کی مامتا اور بچے کے درمیان حائل ہونے کی قطعی اجازت نہیں دی جائے گی۔

بچے جب تک باشعور نہ ہو جائیں اسلام اس انداز کو نبھانے کی تاکید فرماتا ہے، سرکار علیہ السلام کے سامنے ایک ایسا ہی مسئلہ پیش ہوا، کہ ایک بچہ پیش کیا گیا اس کے والدین بھی حاضر تھے، فرمایا بچے کو چھوڑ دو، یہ جدھر بھی جائے جانے دو جب چھوڑا گیا تو بچہ دوڑتا ہوا ماں کے پاس گیا، اس مرد کو فرمایا اب اس بچے کو لے جانے کا تجھے کوئی حق نہیں ہے، اسے ملو، اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، تاکہ مستقبل کی زندگی میں بھی یہ تجھے باپ تسلیم کرتا رہے، لیکن اس کی ماں سے اسے چھین نہیں سکتے ہو۔

اب اگر باپ نہیں پیچھے وارث ہے تو وارث کو بھی یہی خرچہ دینا ہوگا جو کہ باپ کو دینا ہوتا ہے، اور یہ خرچہ باپ کی وراثت سے آئے گا۔ اگلی بات یہ ہے کہ کسی ضرورت کے تحت آپ بچے کا دودھ 2 سال سے پہلے چھڑانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے باہمی مشورے کے ساتھ جو چاہیں کر سکتے ہیں، دودھ 6 ماہ یا اس سے بھی کم عرصے میں چھڑایا جا سکتا ہے، لیکن اسلامی روایات ہمیشہ سے یہ رہی ہیں کہ ماں کا دودھ بچے کے لیے ساری غذاؤں سے افضل ترین اور بہترین غذا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مامتا دودھ کے ذریعے اس کے سینے میں اترتی جاتی ہے، اور پھر اس میں وفا اور مستقبل کے اچھے انداز آتے ہیں، ورنہ اچھے انداز پیدا نہیں ہو سکتے، اس پر بھی قومی شاعر اکبر نے کہا تھا!

بچے میں آئے کہاں سے خو ماں باپ کے اطوار کی ۔۔۔ دودھ تو ڈبے کا ہے اور تعلیم ہے سرکار کی

اب ایک معاشرتی مسئلہ یہ ہے کہ خاوند فوت ہو گیا ہے اس کے لیے اسلام کیا فرماتا ہے، فرمایا!

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ

وہ لوگ جو تم میں سے مر جاتے ہیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ اپنے کو نئے نکاح سے چار مہینے

أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

اور دس دن روکیں جب ان کا عرصہ عدت گزر جائے تو تم پر کوئی گرفت نہیں (اس عمل کی)

فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ جو وہ معروف طریقے سے اپنے بارے میں کریں

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ۲۳۴

Marfat.com

۲۳۴ اس حصے میں آپ عدت پر توجہ دیں، اگر طلاق ہوگئی ہے اور خاتون کے پیٹ میں بچہ نہیں ہے، تو اس کی عدت یہ ہے کہ تین منتھلی (حیض) کورس گزر جائیں اس میں تین مہینے کی پابندی نہیں ہے، مثلاً آج طلاق ہوئی ہے کل منتھلی (حیض) کورس ہوگیا ہے تو یہ اڑھائی ماہ سے بھی کم عرصے میں عدت گزر جائے گی۔ اگر پیٹ میں بچہ ہے تو بچے کی پیدائش کے بعد عدت ختم ہو جائے گی، اور اگر آج طلاق ہوئی کل بچہ پیدا ہوا تو عدت ختم ہوگئی ہے۔

ایک اور صورت عدت کی یہ ہے کہ خاوند مر گیا ہے، تو اس صورت میں عدت چار ماہ دس دن ہیں، لیکن وہاں بھی بچہ ہے جو پیدا ہو گیا، تو اس پیدائش پر کیا عدت ختم ہو جائے گی یا نہیں؟ ہمارے قانون دانوں کی اکثریت اس بات کی طرف ہے کہ اسے چار ماہ دس دن انتظار کرنا ہوگا، لیکن کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ جب دو عدتیں اکٹھی ہو جائیں تو ان میں سے جو پہلے گزر جائے، اس سے عدت گزر جاتی ہے۔ اب جب یہ چار ماہ دس دن گزر گئے ہیں تو کیا پھر معاشرہ آگے بڑھے گا اور اسے نئے نکاح سے روک دے گا۔ اس سلسلے میں ہمیں ایک بات پر غور کرنا ہوگا، ہندو کے ہاں دوسرے نکاح کا سوال نہیں تھا، اس کے ہاں طلاق کا سوال بھی نہیں تھا، اور زرتشتی مذہب بھی قریباً دوسرے نکاح کے سلسلے میں وہی بات کہتا ہے، جو ہندو کہتا ہے، اسلام نے انسانی ضروریات کو سامنے رکھ کر دوسری شادی کی بھی اجازت دیدی، اور اس کے ساتھ ساتھ حالات کی دگرگونی میں مرد کو طلاق کی اور عورت کو خلع کی اجازت دیدی، تو یہاں قرآن پاک نے پھر اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ جب موت کے بعد ان کی عدت گزر جائے تو معاشرہ والو! تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جو وہ اپنے بارے میں معروف انداز سے بات کر دیں، مطلب یہ کہ جس عورت کا خاوند مر گیا ہے، یا جسے طلاق ہوگئی ہے، وہ زندگی کے ایک تجربے سے گزر چکی ہے اس کا ذہن پختہ ہوگیا ہے اب وہ جہاں چاہے نکاح کرے تم روک نہیں سکتے ہو۔

ہم نے قانونی طور پر دونوں رشتوں کو الگ الگ کرنا ہے، انہیں خلط ملط نہیں کرنا، وہ بچی جو باپ کے گھر بیٹھی ہوئی ہے وہ زندگی کی گزرگاہ سے نہیں گزری، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس کا والد یا بھائی یا دادا (والد کے بعد دادے کا حق ہے دادے کے بعد بھائی کا) اس کا نکاح کرے اسے اسلام اپنے طور پر نکاح کرنے کی اس لیے اجازت نہیں دیتا، کہ اس کا ذہن خام ہے ناپختہ ہے، وہ وارثوں کے بغیر ایسی لغزش کھا جائے گی، کہ اس کنویں سے ساری زندگی نکل نہ سکے گی۔ اس بنیاد پر ایسی بچی کے لیے اسلام نے پابندی لگادی ہے، اور جو اس تجربے سے گزر چکی ہے، طلاق ہوگئی یا خاوند مر گیا ہے، تو یہاں فعل کی نسبت عورت کی طرف کر دی ہے، ''فان فعلن'' اگر وہ خود ایسی بات کر دیں اپنی جانوں کے بارے میں اور وہ طریقہ معروف ہو، معروف طریقے کا مطلب یہ ہے کہ شرعی انداز سے بغیر نکاح کے نہ چلی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام نے داشتہ کی جڑ کاٹ دی، یہ خواتین پر ظلم تھا جو قدیم دور میں بھی ہو رہا تھا، اور جدید یورپ میں بھی ہو رہا ہے، کہ نکاح تو ایک کے ساتھ ہے داشتائیں 18 ہیں، اور ادھر کہا جاتا ہے کہ اسلام نے دوسری بیوی کی اجازت دے کر ظلم کیا ہے، معاذ اللہ، ظلم اس مذہب نے کیا ہے کہ نکاح ایک کی اجازت دی اور

Marfat.com

داشتاؤں کی پابندی نہیں لگائی، اس لیے یورپ والوں کو چاہیے کہ پہلے اپنی چارپائی کے نیچے لاٹھی پھیریں پھر ہماری بات کریں۔
اے اہل یورپ! جو خامیاں تم میں ہیں محض پردے کے نیچے انہیں چھپادیا گیا ہے کہ تمہارے پاس آج اقتدار ہے، اور چونکہ ہم محکوم ہیں یہی وجہ ہے کہ جو ہمارا حاکم مغرب سے ایجاد کر کے ہمارے پاس بھیجتا ہے ہم اسے اچھا سمجھتے ہیں!!!

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِۦ مِنْ خِطْبَةِ ٱلنِّسَآءِ

تم پر کوئی حرج نہیں اگر تم اشارے میں عورتوں کو منگنی کا پیغام دو (یہ وہی عورتیں ہیں جنہیں طلاق ہوگئی ہے یا ان کے خاوند مر گئے ہیں)

أَوْ أَكْنَنتُمْ فِىٓ أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ ٱللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ

یا اس کو اپنے جی میں چھپائے رکھو (اگر ان سے شادی کرنا چاہتے ہو) اللہ کو معلوم ہے تم نے ان سے ذکر تو کرنا ہے

وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّآ أَن تَقُولُوا۟ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ

لیکن خفیہ وعدے نہیں لے سکتے ہو، مگر یہ کہ (رواج کے مطابق) معروف انداز سے بات کرلو

وَلَا تَعْزِمُوا۟ عُقْدَةَ ٱلنِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ ٱلْكِتَٰبُ أَجَلَهُۥ ۚ

لیکن نکاح کا اس وقت تک خیال بھی نہ کرو، جب تک عدت پوری نہ ہو جائے،

وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ فَٱحْذَرُوهُ ۚ وَٱعْلَمُوٓا۟

جان لو اللہ تعالیٰ جانتا ہے، جو تمہارے جی میں بات ہے جان لو

أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾ اللہ بخشنے والا بردبار ہے ۲۴۴

۲۴۴ خاوند نے طلاق دیدی ہے یا وہ مرگیا ہے، اور عورت عدت میں ہے تو اسکی عدت کے دوران کوئی دوسرا شخص اس سے اپنی شادی کے بارے میں بات نہیں کرسکتا، ابھی وہ سوگ میں ہے، اسے شادی کا پیغام دینا جائز نہیں ہے، ہاں بات میں کوئی ایسا اشارہ کردینا جس سے وہ سمجھ جائے کہ یہ اس میں دلچسپی رکھتا ہے، تو اس حد تک جائز ہے مگر عدت میں عورت سے شادی کا وعدہ لینا یا وضاحت سے شادی کرنے کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ ایسی بات عدت کے اندر کرے تو وہ شرعاً حرام ہے، دوران عدت میں

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتٌّ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَاَرْبَعُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ بقرہ مدنی ہے اور اسکی ۲۸۶ آیتیں اور ۴۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

الٓمٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

الف لام میم۔ یہ عظمت والی کتاب اس میں ذرا شک نہیں، یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے!!

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

وہ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں!!

یہ وہ عظمت والی کتاب ہے جس میں کوئی شک کا مقام نہیں یہ سب پرہیزگاروں کے لیے باعث ہدایت ہے، وہ جو ایمان لائے ہیں غیب پر اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

۱۔ اب اگلی بات یہ ہے کہ آغاز میں قرآن نے یہاں تین حروف استعمال فرمائے ہیں، الف، لام، میم انہیں قرآن کی زبان میں حروف مقطعات کہا جاتا ہے، یعنی کٹا ہوا، اکیلا حرف، یہ کس غرض کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں؟ ایک بات واضح رہے کہ اردو تفاسیر کے مفسرین نے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا، پرانی عربی تفسیروں کے مصنف امام فخر الدین رازی اور علامہ بیضاوی نے ان پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور خاص طور پر بیضاوی نے ایسے لطائف بیان کیے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دماغ کوئی خاص کمپیوٹر تھا، جہاں آج کا کمپیوٹر نہیں پہنچ سکتا، یہ بڑی ہی اہم بحث ہے، لیکن میں اس کو تفصیل سے اس لیے بیان نہیں کر سکتا کہ جن استعارات وتلمیحات کو انہوں نے استعمال کیا ہے، انہیں اگر وضاحت سے بیان کروں تو مجھے اس پر کم از کم بیس لیکچر درکار ہیں، صرف "الٓمٓ" پر ہی اتنے لیکچر ہوں تو بات طول پکڑ جائے گی، میں چاہتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ ذائقہ چکھا جائے، علامہ بیضاوی نے جو پہلی بات کہی وہ یہ ہے کہ یہ تنبیہ کے حروف ہیں، اور انہیں اس لیے ابتداء میں لایا گیا ہے تا کہ مشرکین اور کفار کو بتایا جائے کہ تمہارا کلام الف سے یا تک کے حروف سے بنتا ہے تمہارے الفاظ وعبارتیں انہیں حروف سے بنتی ہیں، ہمارا محبوب بھی انہیں الفاظ سے جڑی ہوئی عبارتیں آگے پیش فرمانے والا ہے، تم تو سکولوں کالجوں میں پڑھ کر اپنے آپ کو تعلیم یافتہ سمجھتے ہو، مگر میرا محبوب کسی دنیاوی مکتب میں نہیں گیا، میرا محبوب بھی وہی الفاظ استعمال فرماتا ہے جو تم پڑھتے ہو، آخر کیا وجہ ہے کہ تم اس کا جواب نہیں دے سکتے؟

ہرگز نکاح نہ کیا جائے، ہوسکتا ہے خاتون کو اپنے مرحوم خاوند سے بے حد پیار ہو اور وہ یہ بات ابھی سننا بھی گوارا نہ کرے لہذا اسلام نے عدت کے وقفہ میں ایسی بات سے پوری شدت سے روک دیا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

اس میں کوئی گناہ نہیں، اگر تم خواتین کو طلاق دے دو

مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ

ان کو چھونے سے پہلے یا ان کے لیے مہر مقرر کرنے سے پہلے انہیں کچھ خرچ لباس وغیرہ دے دیا کرو، امیر آدمی اپنی طاقت کے مطابق دے

قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ

۲۳۶ اور فقیر اپنی طاقت کے مطابق ادا کرے، یہ سامان ہیں معروف اور قاعدے کے مطابق، احسان کرنے والوں پر یہ ضروری ہے ۲۴۴

۲۴۴ تم پر کوئی گناہ نہیں، اگر تم خواتین کو طلاق دے دو، جب تم نے انہیں چھوا نہیں ہے یا ان کے لیے مہر مقرر نہیں کیا، اس صورت میں انہیں کچھ استعمال کے لیے دے دو، امیر آدمی اپنے انداز ے کے مطابق دے، اور غریب آدمی اپنے انداز ے کے مطابق دے، یہ سامان معروف، قاعدے اور قانون کے مطابق دینا ہوگا، یہ محسن لوگوں کے لیے ضروری ہے، اور اگر انہیں طلاق دے دو، اس سے پہلے کہ تم نے انہیں چھوا ہو، اور ان کے لیے تم نے جو مہر مقرر کر رکھا ہے، تو نصف مہر دینا ہوگا، جو کہ تم نے مقرر کیا ہے، مگر یہ کہ وہ عورتیں ہی معاف کر دیں، یا وہ بندہ ہی معاف کر دے، جس کے ہاتھ میں نکاح کی گانٹھ یا گرہ ہے، اگر تم مرد معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے قریب ہے، اور اس فضیلت اور احسان کو نہ بھلاؤ جو تمہارے درمیان تھا، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے، یہ دو آیات کا سادہ ترجمہ تھا۔ میں مہر کے مسئلے کو ذرا تفصیلی بیان کرتا ہوں، قرآن نے یہاں دو صورتیں بیان کی ہیں، بسا اوقات طلاق ضرورت بن جاتی ہے معاشرتی انداز سے، نکاح کے بعد رخصتی نہیں ہوئی، دونوں خاندانوں میں اس قسم کا جھگڑا پڑ گیا کہ اب وہ مل کے چل نہیں سکتے، تو اس صورت میں کیا طلاق کی اجازت ہوسکتی ہے، قرآن کریم نے اس آیت میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے، کہ اگر رخصتی نہیں ہوئی اور انداز یہ بن گیا ہے، کہ دونوں خاندان مستقبل میں مل کے نہیں چل سکتے، تو اس صورت میں طلاق دینے کی اجازت ہے، اگر طلاق دی جائے گی تو گناہ کی بات نہیں ہے، اب آپ نے طلاق تو دے دی، اور رخصتی ابھی

Marfat.com

نہیں ہوئی تھی تو یہاں پھر دو صورتیں بنتی ہیں، ایک تو یہ کہ اس خاتون کا مہر مقرر کوئی نہیں تھا، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کا مہر مقرر تھا، اگر مہر مقرر نہیں ہے، تو اس کو کچھ چیزیں دے دینی ہیں رخصتی کے وقت یعنی نکاح سے فارغ کرنے کے وقت، اسے قرآن نے '**متعوھن**' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اس کا اگر لفظ تلاش کریں عربی میں تو 'متع' بھی آئے گا اور 'متاع' بھی آئے گا، متاع کا معنی ہوتا ہے سامان، متع کا معنی ہے کوئی فائدہ بخش چیز، اب یہاں ہمارے مقننین نے ایک تصریح کر دی، کہ متاع سے کیا مراد ہے، انہوں نے کہا کہ جس انداز کا بندہ ہے اسی انداز سے وہ کپڑے لے کر دیدے، کچھ اخراجات کے لیے پیسے دیدے، ان کی تعیین قرآن میں نہیں ہے، ان لوگوں کے حال پر چھوڑ دیا، جو بھی انداز ہو اس خاندان کا اسے سامنے رکھنا ہوگا، اگر اس کا مالی معاملہ بہت اچھا ہے، تو بہترین قسم کے کپڑے اسے دینے چاہیں، کچھ اور بھی اس کے ساتھ اگر وہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اہل سنت کے ہاں اس کو 'متعہ' کہا جاتا ہے، شیعہ حضرات کے ہاں نکاح موقت کو متعہ کہا جاتا ہے، یعنی وقتی نکاح، ہمارے ہاں وقتی نکاح جس کے بارے میں میں گزشتہ خطاب میں عرض کر چکا ہوں، امام اعظم کے ہاں وقتی نکاح حرام ہے، اس لیے کہ اس کے پیچھے بہت ساری مکروہات پیدا ہو جاتی ہیں، تو اب ہمارے ہاں قرآنی نکتہ نگاہ سے متعہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاتون جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے لیکن اس کی رخصتی نہیں ہوئی اور اسے طلاق ہوگئی ہے، تو ایسی عورت کو جو بھی سامان دیا جائے گا وہ متعہ ہوگا۔

اب اگر اس کا مہر مقرر تھا، اسی انداز سے طلاق ہوگئی ہے، تو نصف مہر دینا ہوگا، یہاں مہر کی دو تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ مہر مقرر نہیں ہوا، اور خاتون کی رخصتی نہیں ہوئی، تو اسے متعہ دینا ہے، مہر مقرر ہے تو نصف مہر دینا ہے، اب یہ ہے کہ وہ گھر میں آباد رہی ہے، اس کا مہر مقرر نہیں تھا، یا مہر مقرر تھا تو پھر کیا صورت ہوگی، اگر وہ گھر میں آباد رہی ہے، اور اسے طلاق ہوئی ہے، مہر مقرر ہے تو جو مہر ہے وہ مہر لازماً دینا ہوگا، اگر اس کا مہر مقرر نہیں اور وہ اس گھر میں آباد رہی ہے، تو اس صورت میں مہر مثل ہوگا، اس قانونی لفظ کو یاد رکھا جائے، تو اس جیسی خواتین کا جتنا مہر مقرر ہوتا ہے، اتنا ہی مہر اس خاتون کو بھی ملے گا، اگر مہر مقرر نہیں ہے اور وہ آباد رہ کے اسے طلاق ہوئی ہے، اب اس جیسی خواتین سے کیا مراد ہے، تو اس سے مراد جو اس کی والدہ ہے، کیا اس کا مہر ہے، اگر اس کی والدہ اس کے باپ کے خاندان سے ہے اس کی کزن ہے، تو پھر اس کا مہر معتبر ہوگا، لیکن اگر اس کی والدہ اس کے باپ کے خاندان سے نہیں ہے، تو اس کا مہر اس جیسا شمار نہیں کریں گے، اس کے لیے ضروری ہے، کہ اس کے باپ کے خاندان میں سے جو خواتین ہیں، انہیں شمار کیا جائے، اس کی چچا زاد بہنیں ہیں، اس کی اپنی دوسری بہنیں ہیں، ان کا مہر معاشرے میں جتنا مقرر تھا، اتنا مہر اس کا بھی ہوگا، اسے مہر مثل کہا جاتا ہے، مہر مثل کے سلسلے میں امام اعظمؒ نے خواتین کے حق میں بہت زیادہ باتیں کہیں، ان کا ارشاد یہ تھا، کہ اس کا گھر تو برباد ہوگیا، اب اس سے رعایت مانگنے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، اسے رعایت

Marfat.com

دینے کا مسئلہ ہے، باقی کچھ ائمہ نے قانونی طور پر جو باتیں کہی ہیں وہ ہمارے موضوع سے باہر ہیں، ہم ادھر نہیں جائیں گے۔

قرآن پاک نے یہ بات کہی کہ مہر مقرر تھا نصف مہر اس نے لینا ہے، جب اس کی رخصتی نہیں ہوئی تھی، لیکن حالات ایسے ہیں کہ وہ خاوند طلاق دینے کے لیے آمادہ نہیں ہے، جب تک کہ اسے کوئی چھوٹ نہ دی جائے، تو قرآن نے کہا کہ یہ خاتون نصف مہر بھی نہ لے چھوڑ دے، تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ میاں صاحب نصف مہر نہ دیں بلکہ وہ سارا مہر دیں، اصولی طور پر تو نصف دینا تھا، لیکن اگر وہ پورا مہر دیدے، تو زیادہ بہتر بات ہوگی، تو مہر کی ہمارے سامنے چار صورتیں آگئیں، اس کا اس لیے اعادہ کررہا ہوں کہ ہمارے فیملی لاز میں چونکہ یہ بات چل رہی ہے، اور یہ آپ کی معلومات کے لیے بھی عرض کررہا ہوں کہ اگر رخصتی نہیں ہوئی اور مہر مقرر نہیں ہوا تو پھر وہ متعہ ہے جس کی تفصیل میں نے بیان کی ہے، اگر مہر مقرر ہے تو نصف مہر ادا کرنا ہوگا، لیکن اگر خاوند سارا مہر دیدے، تو قرآن کی یہی وضاحت ہے، اگر وہ معاشرے میں ضدی قسم کا آدمی ہے، تو یہ دونوں برادریاں آپس میں نہیں چل سکتی ہیں تو یہ خاتون اگر باقی مہر بھی معاف کر کے اپنی جان چھڑا لے تو یہ بہت بہتر بات ہوگی، لیکن تقوی یہ ہے کہ خاوند سالم مہر دے، اب دو برادریاں اچھے طریقے سے چل رہی تھیں، ارشاد ہوا جب ایک دوسرے کے راستے الگ ہو جائیں، تو انسانی عظمت کو نہیں چھوڑنا، زبان پر گندی باتیں نہ آئیں، بدزبانی نہ کی جائے، اسے مستقبل کی دشمنی میں تبدیل نہ کیا جائے، تا کہ معاشرے میں کہڑ نہ پڑے، ارشاد فرمایا کہ آپ دونوں کی فضیلت اور ایک دوسرے پر احسان تھے، جب الگ ہونے لگے ہو انہیں بھولو نہیں، تمہاری ساری باتیں اللہ کو معلوم ہیں، اللہ کریم کا انداز بیان قرآن میں یہ ہوتا ہے کہ معاشرتی مسائل بیان ہو رہے ہیں تو دفعتاً توجہ دلا دی گئی اس بات کی طرف کہ اللہ کے ذکر کو اور نیکی کو بھولنا نہیں ہے، نیکی اور ذکر کی بات ہو رہی ہو تو دفعتاً سابقہ امتوں کا ذکر درمیان میں آ گیا جو اس بات کو واضح کر سکتا ہے۔

وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ

اور اگر تم طلاق دو انہیں اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور تم مقرر کر چکے تھے

لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا۟

ان کے لیے مہر تو نصف مہر (ادا کرو) جو تم نے مقرر کیا ہے مگر یہ کہ وہ (اپنا حق) معاف کردیں، یا معاف کردے

ٱلَّذِى بِيَدِهِۦ عُقْدَةُ ٱلنِّكَاحِ ۚ وَأَن تَعْفُوٓا۟ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ

وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ اور (اے مردو) اگر تم معاف کردو تو یہ بہت قریب ہے تقوی سے

وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۷﴾

اور نہ بھلایا کرو احسان کو آپس (کے لین دین) میں بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ

پابندی کرو سب نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی اور کھڑے رہا کرو اللہ کے لیے

قَانِتِينَ ﴿۲۳۸﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ

عاجزی کرتے ہوئے پھر اگر تم کو ڈر ہو (دشمن کا) تو پیادہ یا سوار (جیسے بن پڑے) پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

تو یاد کرو اللہ تعالیٰ کو جس طرح اس نے سکھایا ہے تمہیں جو تم نہیں جانتے تھے ۲۴۵

۲۴۵ **"حافظوا علی الصلوٰت"** ۔نمازوں کی مسلسل حفاظت کرو۔ **"والصلوٰۃ الوسطی"** ۔اور خاص طور پر جو درمیان والی نماز ہے اس پر خصوصی توجہ دو، اور تم اللہ کے لیے ادب سے کھڑے ہو، اگر تمہیں خوف ہے اس طریقے سے کہ جو نماز کا معروف طریقہ ہے، نماز نہیں پڑھ سکتے ہو، چلتے ہوئے پیادہ بھی پڑھ سکتے ہو میدان جنگ میں، اور سوار ہو کے بھی پڑھ سکتے ہو، لیکن جب امن کی کیفیت ہو تو اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح یاد کرنے کی اس نے تمہیں تعلیم دی ہے، اور ان باتوں کو تم پہلے نہیں جانتے تھے"۔ اس آیت مقدسہ پر تین چار باتیں میں نے کہنی ہیں، عربی زبان میں کہنا یہ ہوتا ہے، **"حافظوا علی الصلوٰت"** ۔نماز پڑھو اور نماز کی حفاظت کرو، جب یہ 'ح' کے بعد 'الف' آجائے تو باب مفاعلہ بن جاتا ہے، اور اس کے بعد جب 'علی' آجائے تو اس کے معنی میں تبدیلی آجاتی ہے، اس وقت اس کا معنی یہ ہو جاتا ہے، کہ مسلسل نمازیں پڑھنی ہیں، نماز پڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ ایک دفعہ نماز پڑھو تو نماز ہو گئی، اب اس نے دن میں پانچ دفعہ آنا ہے، اس تسلسل کو قائم رکھنا ہوگا، دوسرے دن پھر انہوں نے آجانا ہے، اس مقام سے گزرتے ہوئے اس آیت کے تحت نہیں اخلاقیات کے تحت علامہ ابن خلدون نے ایک بڑی ہی نفیس بات کہی ہے اپنی کتاب کے مقدمے میں، یہ لفظ خلّدون ہے 'ل' پر شد ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں، کہ اسلام کا اخلاقیات کے سلسلے میں اور عبادات کے سلسلے میں ایک نکتہ نظر ہے، وہ نکتہ نظر یہ ہے کہ آپ کو ایک بات کا پتہ ہے، اسلام اسے سب سے پہلا سٹیج کہتا ہے، آپ سے کہتا ہے کہ اس بات کو دھراؤ، تا کہ آہستہ آہستہ یہ آپ کی عادت بن جائے، جب یہ

عادت بن جائے گی، تو اسے عربی زبان میں کہتے ہیں کہ ملکہ پیدا ہو گیا ہے، میں اس کا اردو میں ترجمہ کرتا ہوں، آپ مثلاً میٹرک تک کا ایف ایس سی تک کا یا بی ایس سی تک کا حساب بار بار پڑھاتے ہیں، اس پڑھانے کی وجہ سے وہ مضمون آپ کے ذہن میں آ جاتا ہے، ماہرانہ انداز سے آتا ہے، اب اس کے جزئیات وکلیات آپ سے مخفی نہیں رہتے، آپ اس پر چھا جاتے ہیں، اس میں آپ کسی قسم کی دقت محسوس نہیں کرتے اور آپ کو سوچنا نہیں پڑتا، جب یہ انداز پیدا ہوتا ہے تو اسے ملکہ کہتے ہیں، اور زیادہ پختہ ہو جائے تو اسے ملکہ، راسخہ کہتے ہیں، اسے جب میں اخلاقیات کی کتابوں میں پڑھتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ اسلام کا منشا یہ ہے، کہ یہ ملکہ، راسخہ آپ کی عادت ثانیہ بن جائے، یعنی جس طرح ایک بات کی آپ کو عادت ہے، کھانے کی عادت ہے اب اس کے لیے سوچنے کی ضرورت نہیں ہے، اسے کیسا کھایا جائے، آپ کے اندر ایک ملکہ پیدا ہو چکا ہے، اس انداز سے آپ چلتے جا رہے ہیں، تو میں بسا اوقات تفنن طبع کے لیے ایک اور بات کہہ دیا کرتا ہوں، ایک تو وہ عادتیں ہیں جن کی ہمیں عادت پڑی ہوئی ہے میں اسے عادت اول بھی کہوں گا کیونکہ اس فن کے ماہرین نے اسے پہلی عادت کہا ہے، اب جو آپ نے عادت پیدا کی ہے، اس کو پختہ کر دیا ہے آپ نے اسے اپنے جسم میں پختہ کر لیا ہے اسے انہوں نے عادت ثانیہ کہا ہے، لیکن میں اپنی بہنوں، بچیوں، بھائیوں اور بچوں کے ذہن میں یہ بات ڈالنا چاہتا ہوں کہ جب آپ اسلام کے راستے پر چل رہے ہوں تو جسے یہ لوگ عادت ثانیہ کہہ رہے ہیں آپ اسے اٹھا کے پہلی عادت بنالیں، اور جو آپ کی طبیعت میں عادت ہے اسے عادت ثانیہ رہنے دیں، جب یہ مقام ہوگا تو آپ فریدالدین گنج شکر ہو جائیں گے، جب یہ مقام ہوگا تو آپ معین الدین اجمیری ہو جائیں گے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ انقلاب معیت ہو جائے گا، انقلاب معیت یہ ہوگا کہ جو بات آپ کی اصل عادت تھی اسے آپ نے دوسرے نمبر پر کر دیا ہے، اور جو عادت مصطفیٰ علیہ السلام آپ میں پیدا کرنا چاہتے ہیں، اسے آپ نے عادت اولیٰ بنالیا ہے، مولانا اس نکتے پر غور کیا جائے، میں اسے عادت ثانیہ نہیں کہتا، بے شک اسے فخرالدین رازی، غزالی اور رومی عادت ثانیہ کہتے رہیں میں اسے عادت اولیٰ کہتا ہوں، اب نماز بار بار اس لیے آتی ہے کہ اسے عادت اولیٰ میں تبدیل کیا جا سکے، اسلامی اخلاقیات اس لیے آتے ہیں کہ انہیں عادت اولیٰ میں تبدیل کیا جا سکے۔

اب یہاں ارشاد یہ ہوا کہ نمازوں کی یکے بعد دیگرے آپ نے حفاظت کرنی ہے چونکہ نماز سرکارؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اللہ کریم کے ہاں حاضری کا ذریعہ ہے، تو کیا آپ اس حاضری میں کمی کی سوچیں گے، آپ کا خیال پھر یہ ہوگا کہ اس میں اضافہ ہو، اس لیے شریعت نے کہہ دیا کہ باقی چار رکعت نفلوں کے رکھ لو، لیکن پھر فرمایا کہ اگر اس سے بھی آگے بڑھنا چاہتے ہو تو وہ جو تین مکروہ اوقات ہیں ان کے علاوہ جب بھی جی چاہے نفل پڑھتے رہو، ذکر خدا کرتے رہو، فرمایا کہ سب نمازوں کو یکے بعد دیگرے محفوظ رکھو، درمیان والی نماز خاص کر قابل توجہ رہے، درمیان والی نماز کون سی ہے، زیادہ تر صحابہ عالی مقام کا نظریہ یہ ہے

کہ وہ نماز عصر ہے، امام اعظمؒ جن کے ہم مقلد ہیں، ان کا ارشاد پاک بھی یہی ہے کہ درمیانی نماز عصر کی نماز ہی ہے، کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ نماز صبح ہے، بہرحال یہ دونوں اوقات انتہائی مصروفیت کے ہیں، عصر کے بعد کاروبار کا وقت ہوتا ہے، اور صبح کی نماز اکثر جو سونے کے عادی ہیں ان کے لیے یہ سونے کا وقت ہوتا ہے، تو دونوں حیثیتیں دونوں نمازوں پر منطبق ہوتی ہیں، لہٰذا جن لوگوں نے کہا کہ عصر کا وقت ہے تو وہ بھی ایک انداز سے بات ٹھیک ہے، اور جن لوگوں نے صبح کا وقت کہا ہے وہ بھی ٹھیک ہے، لیکن ایک چھوٹا سا فرق ہے، اس پر آپ توجہ دیں گے، آپ جب سو رہے ہوں تو جاگنے تک آپ مکلف نہیں ہیں، لہٰذا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے جس وقت جاگ جائے نماز پڑھ لے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے عادت بنالیا جائے یعنی اگر کبھی ایسا ہو جاتا ہے، تو جب جاگ جائیں تو نماز پڑھ لیں، لیکن عصر کے وقت تو آپ جاگ رہے ہوتے ہیں آپ مکلف تھے اور پھر اگر وہ کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے رہ گئی ہے تو یہ زیادہ خسارے کی بات ہوگی، اور یہ بات اس بات کی طرف ہی جائے گی، کہ عصر کی نماز ہی صلوٰۃ وسطی ہونی چاہیے، اب یہاں میں ایک ایسی خاص بات کرنے لگا ہوں، کہ آپ پوری طرح میری طرف متوجہ رہیں گے تو بات سمجھ آئے گی، بہت سے لوگوں نے دور حاضر میں ایک بات کہی ہے، کہ پانچ نمازیں قرآن سے ثابت نہیں ہیں، یہ بھی میرا خیال ہے کہ مولویوں کے گناہوں میں ایک گناہ کا اضافہ ہوگیا ہے، نمازیں پانچ قرآن میں نہیں تھیں، اور یہ صدیوں سے پانچ پڑھا رہے ہیں، بھائی آپ نے نماز نہیں پڑھنی تو نہ پڑھیں، وہ بات الگ ہے، لیکن پانچ کو چھوڑ دیں تو یہ بات غلط ہے، آگے آیت مقدسہ آرہی ہے، کہ سیدنا فاروق اعظمؓ سے کسی نے پوچھا کہ قرآن میں پانچ نمازیں کہاں لکھی ہیں، انہوں نے وہ آیت پڑھ کے سنائی، اور اس آیت میں سے پانچوں ایک ایک کر کے نکال کر بتائیں، لیکن میں یہاں علمی استدلال سے بات کر رہا ہوں، فاروق اعظمؓ نے بڑے سادہ انداز سے بات ارشاد فرمائی تھی، آپ یہاں ایک بات یاد رکھیں، کہ جو جمع کا لفظ ہے عربی زبان میں وہ کم سے کم تین پر بولا جاتا ہے، عربی میں دو کو جمع نہیں کہتے، اسے تثنیہ کہتے ہیں، اس سلسلے میں عربی زبان ساری زبانوں سے الگ ہے، کہ انہوں نے دو کو جمع نہیں کہنا ہے، دو کو تثنیہ کہنا ہے، دو سے اوپر جمع شروع ہوگی، تو جمع کا پہلا مرتبہ تین ہے، پروفیسر صاحب بات پر اچھی توجہ دی جائے، پہلا مرتبہ جمع کا تین ہے، اب قرآن نے کہا کہ سب نمازوں کی حفاظت کیجئے، اور درمیانی نماز کی خاص طور پر، یہ تین ہیں، اسے آپ نے نکال دیا ہے پیچھے دو رہ گئی ہیں، انہیں مولانا آپ صلوٰت نہیں کہہ سکتے، چونکہ یہ دو ہیں، ان دو کے لیے صلاتان کا لفظ یا صلاتین کا لفظ آئے قرآن میں، صلوٰت کا لفظ نہیں آئے گا، اب اگر درمیان والی کو نکال کے باقی کو جمع کرنا ہے تو دو جمع نہیں ہے، اب آپ پانچ لیں، اس کو نکال دیں، پیچھے چار رہ گئی ہیں، اور یہ وسطی رہ گئی ہے، ان پر پانچ سے نیچے قرآن سے نماز ثابت کر ہی نہیں سکتے، اس لیے کہ صلوٰت کو نکال کے پیچھے جمع رہنی چاہیے، اب اس کو نکال دیں اور آپ کہہ دیں کہ پیچھے تین ملالیں تو چار ہو جائیں گی، ان تین کو آپ آدھا آدھا کیسے کریں گے،

Marfat.com

لہذا انہیں آدھا آدھا کرنے کے لیے بنیادی طور پر چار ہوں گی، اگر تین ہیں تو ایک کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا، تب وہ ڈیڑھ ڈیڑھ ہو سکتی ہیں، اور آپ تقسیم کر نہیں سکتے کیونکہ ہر نماز کا الگ وقت ہوتا ہے، الگ بات ہوتی ہے، تو اس آیت مقدسہ نے پانچ نمازوں کو ثابت کر دیا، لیکن اگر آپ تفسیروں کے ورق الٹنے لگیں تو مولانا کہیں سے نہیں ملے گا، کچھ باتیں وہ ہوتی ہیں جو اجتہادی انداز کی ہوتی ہیں، جس تفسیر کو چاہیں دیکھ لیں، اس مقام پر آپ کو پانچ نمازیں کسی تفسیر سے نہیں ملیں گی، ایک تو یہ بات تھی، جو آپ کی خدمت میں عرض کرنی تھی، کہ آپ نے نمازوں کی حفاظت کرنی ہے اور انہیں بار بار پڑھنا ہے، تاکہ وہ آپ کی عادت بن سکیں، اور نماز وسطی پر زور دیا جائے خاص طور سے وہ رہ نہ جائے۔

اللہ کریم کے لیے ادب سے کھڑے ہوں، یہ اس کا عام معنی ہے، جو مفسرین نے کیا ہے، " **قانت** " کا معنی ادب والا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے ہوں تو توجہ کسی اور طرف نہ ہو، ظاہری اور باطنی انداز سے وہی انداز ہو کہ آپ ایک عظیم ہستی کے سامنے ہیں، یہ معنی ٹھیک ہے، لیکن ضمنی طور پر اس کا ایک اور معنی بھی ہو سکتا ہے، " **قَنَتَ** " کا معنی خاموش بھی آتا ہے لغت میں، تو یہ جماعت کی شکل بن جائیگی، یعنی جب جماعت ہو رہی ہو، تو آپ نے قرأت نہیں پڑھنی ہے، امام کے پیچھے خاموش ہو کے کھڑے ہونا ہے قرأت نہیں کرنی، یہ خاص طور پر اصحاب علم وفکر کے لیے بات کہی ہے اس معنی کے حساب سے کہ چونکہ جب قرآن ایک لفظ بیان کرتا ہے، تو اس کے جتنے معنی ہو سکتے ہیں وسعت کے حساب سے وہ سارے معنی آپ مراد لیں گے، اب اگر یہاں قنت کا معنی ہے، اور امام مسلم نے یہ قنت کا معنی کیا ہے، کہ آپ خاموش کھڑے ہو جائیں، جب آپ خاموش کھڑے ہوں گے تو امام کے پیچھے آپ نے قرأت نہیں پڑھی، قرأت کہتے ہیں "**بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم**" سے لے کے "**ولا الضآلین**" (آمین) تک اور اس کے بعد جو آیات یا سورت آپ نے ملانی ہے یہ قرأت ہوگی، اب قرآن سے دلالت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام کے پیچھے آپ نے قرأت نہیں پڑھنی ہے، اور یہی اسلام کا آخری موقف ہے، لہذا یہ کہنا کہ امام بھی پڑھ رہا ہو اور پیچھے آپ بھی سورت فاتحہ پڑھتے رہیں یہ قرآن کے لفظوں کے خلاف ہے، اور جس حدیث کا سہارا لیا جاتا ہے وہ نماز کے ابتدائی دور کی ہے، اور جب نماز ایک صورت پر مکمل ہوگئی تو اس وقت یہ بات نہیں تھی، امام اعظمؒ کے سامنے کچھ لوگ آئے آپ کو ایک علمی لطیفہ عرض کرنے لگا ہوں، وہ اسی ظاہری طبقے کے لوگوں میں سے تھے جو کہتے تھے، کہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنی ہے، کب پڑھنی ہے، قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموش رہنا واجب ہے، اب جب یہ آیت ان کے سامنے آئی تو انہیں ایک اور الجھن پڑ گئی، کہنے لگے کہ جہاں جہاں امام وقفہ کرے وہاں آپ پڑھیں، کیا آپ امام کے وقفوں میں سورت فاتحہ کی تلاوت کو دل جمعی سے پورا کر سکیں گے، پھر کچھ کو خیال آیا کہ امام آمین کے بعد تھوڑی دیر خاموش ہو جائے جتنی دیر امام خاموش رہے گا اتنی دیر میں مقتدی سورت فاتحہ پڑھ لیں گے، متحدہ عرب امارات میں یہی طریقہ ہے، اب

Marfat.com

ایک اور جوان پر زد پڑتی ہے اس کا جواب ان کے پاس نہیں ہے، کہ کسی مقام پر آپ خاموش ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اتنی دیر کہ تین دفعہ کہا جائے، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، تو اس سے زیادہ آپ رکیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، اللہ کے سامنے کھڑے تھے، اور باتیں خدا سے کر رہے تھے اور یہ بلا جواز آپ نے یہ وقفہ کیوں کیا، اب اس الجھن سے آپ کیسے نکلیں گے، بجائے اس کے کہ جو بات صحیح ہے اسے مان لیا جائے، الجھن در الجھن میں پڑتے ہوئے یہ لوگ خدا جانے کہاں سے کہاں چلے گئے ہیں، امام صاحب کو جا کے انہوں نے کہا، ابو حنیفہ تو کہتا ہے کہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھی جائے، ادھر سے کوئی بولا، ادھر سے کوئی بولا، کوئی حدیث سنا رہا ہے اور کوئی کچھ کر رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ آپ پچاس ساٹھ آدمی ہیں آپ اپنا ایک نمائندہ بنائیں جو میرے ساتھ بات کرے، جو آپ میں سے زیادہ لکھا پڑھا ہے وہ بات کرے اور آپ سارے غور سے سنیں، ہم دونوں جس نتیجے پر پہنچیں گے آپ کو پتہ چل جائے گا، انہوں نے کہا بالکل معقول بات ہے، ہمارا یہ نمائندہ ہے، اچھا تو پھر جو یہ کہے گا وہ آپ مان لیں گے، جی مان لیں گے، پھر تشریف لے جائیں، کہا ہم بحث کے لیے آئے تھے امام صاحب نے کہا کہ بحث تو ختم ہوگئی ہے، آپ نے جب نمائندہ بنایا کہ یہ ہماری طرف سے بولے گا، آپ نہیں بولیں گے تو پھر بحث کس بات کی ہے، جب میں نے اسے اپنا نمائندہ بنا کے مصلے پر کھڑا کر دیا ہے اور وہ اللہ کے سامنے بات میری طرف سے کر رہا ہے اور میں درمیان میں بولوں گا تو یہ سوئے ادب ہے، لہذا یہ ضروری ہے کہ میں خاموشی سے کھڑا رہوں، ان سب نے کہا کہ یہ بڑا عقل مند آدمی ہے اس نے ہمیں بڑی بری طرح پٹخا ہے، اب ہمارے پاس اس بات کا توڑ تو کوئی نہیں ہے، اس لیے ہم تشریف لے ہی جائیں تو بہتر ہوگا، تو آپ نے اللہ کے سامنے ایک بندے کو اپنا نمائندہ بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔

اب نماز پڑھتے ہوئے آپ جہاد میں ہیں، وہاں آپ کے بس میں بات نہیں ہے، تو اس صورت میں نماز چلتے ہوئے بھی آپ پڑھ سکتے ہیں، سواری پر سوار ہو کے بھی پڑھ سکتے ہیں، اب یہاں جو دو تین باتیں علم عام میں تھیں، انہیں خاص کر دیا گیا ہے، وہ عام بات کیا تھی، کہ آپ نے قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے، جگہ پاک ہوگی، ہاتھ یوں باندھیں گے، رکوع یوں کرنا ہے سجدہ یوں کرنا ہے، ان سب باتوں کو معاف کر دیا گیا، قبلہ کی طرف منہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں ہے، سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ساری ضرورتیں کیوں ختم ہوگئیں، آپ وہاں کھڑے ہیں جہاں صرف زبان کی بات نہیں ہو رہی ہے بلکہ جان کی بات ہو رہی ہے، اور جان سب سے زیادہ مقدم ہے وہ یہ کہ آپ میدان جہاد میں اتر گئے ہیں، تو اب آپ اسلام کو بچانے کے لیے یہاں آئے ہیں، لہذا جو واجبات یا فرائض کو بچانے والی باتیں تھیں ان سب کی آپ کو رعایت مل گئی ہے، لہذا پیدل بھی اور سواری پر بھی آپ نماز پڑھ سکتے ہیں، مورچے میں اور دور حاضر میں جس انداز میں آپ ہیں اسی انداز میں آپ نماز پڑھ سکتے ہیں، ہاں جب حالت امن ہو تو پھر جس طریقے سے اللہ کریم نے سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے تعلیم

دی ہے، وہ طریقہ کرنا ہے، اب مولانا یہاں ایک اور علمی نکتہ عرض کرنے لگا ہوں، خصوصی توجہ چاہیئے، جب امن میں ہو تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا جو تم نہیں جانتے، مطلب کیا کہ جس طریقے سے روزانہ نماز پڑھتے ہو اس طریقے سے نماز پڑھو جب امن میں ہو، اللہ نے تمہیں سکھایا ہے، میں آپ سے ایک بات کہہ رہا ہوں کہ الحمد سے لے کر والناس تک قرآن پڑھ جائیں جس طرح آپ نماز کی ایک رکعت پڑھ رہے ہیں اس طریقے سے آپ مجھے بتائیں کہ اس انداز سے قرآن میں نماز کسی جگہ لکھی ہوئی ہے، کہ آپ نے یوں کھڑا ہونا ہے، پاؤں میں اتنا فاصلہ رکھنا ہے، ہاتھ یوں باندھنے ہیں، رکوع یوں کرنا ہے، سجدہ یوں کرنا ہے، رکوع کے بعد قومہ یوں ہوگا، دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ یوں ہوگا، کیا یہ تحریر کسی مقام پر قرآن میں مذکور ہے، اللہ نے تو پھر ہمیں یہ بات نہیں سکھائی، اگر اللہ نے سکھائی ہوتی تو پھر قرآن میں کہیں موجود ہوتی، سکھائی ہے ہمیں محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، اور جو انہوں نے سکھائی ہے اسے اللہ نے اپنی طرف نسبت دیدی ہے، کہ یہ محبوب نے تمہیں نہیں سکھائی ہے بلکہ میں نے سکھائی ہے، تو اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ کریم کی ہم اتباع نہیں کر سکتے، اتباع اس کی ہوتی ہے جسے آپ کام کرتا دیکھ رہے ہوں، اور وہ سوائے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہیں اور آپ کو مل نہیں سکتی، انسانی لباس میں اللہ آپ کے سامنے نہیں آسکتا، وہ جسمانی لباس میں آکے آپ کو نماز پڑھانے لگ جائے یہ ناممکن ہے، لہٰذا ارشاد فرمایا کہ اتباع میری نہیں میرے محبوب کی کرو، البتہ فیصلہ یہ ہے کہ جب تم اس طرح کرو کہ جس طرح محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو یہ ان کا فرمان نہیں ہے یہ میرا فرمان ہے۔ اب یہاں ایک اور بات ارشاد فرمائی، وہ عدت کا مسئلہ ہے، اور یہاں عدت کی ایک مشق ہے، آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً

وہ لوگ جنہیں تم میں سے موت دیدی جاتی ہے، اور وہ اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ اپنی بیویوں کے لیے مرنے سے پہلے وصیت

لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ

کر جائیں، کہ انہیں سامان دیا جائے ایک سال تک، اور انہیں گھر سے ایک سال تک نکالا نہ جائے، اگر وہ نکل جائیں خود تو جو کچھ وہ اپنی

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن

جانوں کے بارے میں کرلیں اس کا تمہیں کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن وہ وہ کچھ کریں جو دستور کے مطابق ہو

مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾

اللہ غالب اور حکمت والا ہے ۲۴۰

رازی و بیضاوی نے یہی بات کہی اور میں بھی یہی کہتا ہوں، کہ یہ ایک قسم کا چیلنج تھا کہ ہم کوئی ایسے حروف نہیں لا رہے جنھیں تم نہ پہچانو، علامہ بیضاوی نے ان حروف کو تین علوم کا ماخذ قرار دیا ہے، ایک فن تجوید و قراءت، دوسرا علم صرف اور تیسرا علم نحو۔

عربی گرائمر میں دو علم آ جاتے ہیں، اگر اکیلے لفظ کی بحث ہو تو اسے صرف کہا جاتا ہے، اور پوری عبارت میں زبر، زیر اور پیش کہاں پڑھنی ہے، عبارت کو کس طریقے سے ترتیب دینا ہے، یہ بات ہو تو اسے نحو کہتے ہیں، ہمارے درس نظامی میں صرف و نحو کی سات سات یا آٹھ آٹھ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اور فنِ تجوید و قراءت بھی حروف مقطعات میں سے ہے، اب ہم اس کا تجزیہ کرتے ہیں، کہ وہ کس طریقے سے انہیں اس سے اخذ کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ سارے الفاظ 29 ہیں، 29 اس طریقے سے بنے ہیں کہ عرب الف اور ہمزہ کو الگ الگ شمار کرتے ہیں، لیکن ہم اسے ایک ہی شمار کرتے ہیں، اگر ایک شمار کریں تو 28 حروف رہ جاتے ہیں۔ ان میں سے 14 حروف مقطعات قرآن پاک میں ہیں، اور جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں وہ 29 سورتیں ہیں، یہ بڑی ہی نفیس مناسبت ہے۔

اب الف سے یا تک حروف کو مختلف گروپوں میں تقسیم کیا گیا، اور ایک ایک حرف تین تین، چار چار گروپوں میں آ جاتا ہے ان کے الگ الگ نام ہیں، مثلاً پہلی قسم، حروف مہموسہ اور حروف مجہورہ ہے، مہموسہ وہ ہیں جو آہستگی سے ادا ہو جاتے ہیں، مجہورہ وہ ہیں جنہیں ادا کرنے کے لیے تھوڑا سا زور لگانا پڑتا ہے، بقول بیضاوی، **سَتَشْحَثُکَ**، اس میں سب حروف مہموسہ ہیں، اور ان کے علاوہ مجہورہ ہیں، مہموسہ اور مجہورہ دونوں گروپوں میں سے نصف نصف لیے گئے ہیں، آگے چلیں حروف شدیدہ یہ ہیں، **اَجِدُ طَبَقَکَ** ان سے چار لیے گئے ہیں، ان کے علاوہ باقی سب حروف رخوہ ہیں 28، سے 4 گئے تو 24 باقی بچے، پھر 24 کا نصف کر کے 12 لیے گئے، ص، ض، ط اور ظ مطبقہ 4 حروف ہیں، ان سے 2 لیے گئے ہیں، یعنی ص اور ط ان کے علاوہ باقی سب منفتحہ ہیں، ان سے 12 لیے گئے، حروف قلقلہ 5 ہیں، چونکہ یہ کم استعمال ہوتے ہیں، اس لیے 2 لیے گئے، دوسری بات 5 کا نصف نہیں ہو سکتا، ان سے ق اور ط لیے گئے، ان کے علاوہ باقی حروف لین ہیں، وہ زیادہ تر وٓ اور یٓ ہیں، اگرچہ صرفیوں نے ایک اور انداز سے حروف، و ا ئ کو حروف لین شمار کیا ہے، لیکن فنِ قراءت میں حرف لفظِ یٓ کو لیا گیا، حروف مستعلیہ بھی کم استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ق، ص اور ط لیے گئے ہیں، ان کا مجموعہ ہے، خص۔ ضغط۔ قظ، ان کے مقابل سب حروف منخفظہ ہیں، ان سے نصف لیے گئے، ا۔ ل۔ م۔ ر۔ ک۔ ہ۔ ی۔ ع۔ س۔ ح۔ ن حروف بدل 6 ہیں، لیکن کچھ لوگوں نے ان میں سے 12 اور شمار کیے ہیں، اس طرح سب الفاظ 18 ہو جاتے ہیں، ان سے 9 لیے گئے ہیں، پھر کچھ ایسے ہیں کہ انہیں ملا کر ایک کر دیا جاتا ہے، مثلاً 2 ت، آ گئی ہیں، تو ملا کر ایک بنا دیا جائے، ط اور ت کو بھی ایک بنا دیا جائے، کسی حرف کے ساتھ۔ د۔ بدل جاتا ہے، اور کبھی۔ س۔ سے بدل جاتا ہے، ایسے سب الفاظ سے نصف لیے گئے ہیں، عربی میں حروف زلقیہ زیادہ استعمال ہوتے

۲۴۶یہاں جو قرآن نے کہا ہمارے بہت سارے مفسرین نے اس مفسر سمیت جس کی تفسیر میرے سامنے پڑی ہے لغزش ہوئی ہے، یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں اسلام نے جس خاتون کا خاوند مر جائے اس کے لیے عدت ایک سال تھی یہ بات غلط ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ وراثت کا مسئلہ ہے، یہ غلط راستے پر لے گئے ہیں، خواتین کے لیے ابھی وراثت کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، تو یہ حکم دیا گیا، کہ اگر خاوند مر جاتا ہے تو ایک سال تک اس کا خرچہ وارثوں نے ادا کرنا ہے، اور ایک سال تک اسے اپنے گھر سے نکال نہیں سکتے، یہ مسئلہ وراثت کا تھا، لیکن آگے چل کے جب اسلام نے خاتون کا حصہ مقرر کر دیا وراثت میں، تو یہ سال والی بات ختم ہوگئی، اب اس کے لیے عدت ہے **چار ماہ دس دن** خاوند کے مرنے کی صورت میں، اور اگر پیٹ میں بچہ ہے، تو بچے کی پیدائش پر اس کی عدت ختم ہو جائے گی، اُدھر فاروق اعظمؓ نے فرمایا! اگر وہ فوت ہو گیا ہے، اور اس کے دفن ہونے سے پہلے اللہ کریم نے اس خاتون کو بچہ عطا فرما دیا ہے، اگر خاوند گھر چارپائی پر پڑا ہے تو خاتون کی عدت ختم ہوگئی ہے، یہ فاروق اعظمؓ نے اس سے فقہی مسئلہ اخذ کیا، اور یہی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اور اہل سنت کا مسلک ہے، کہ اگر موت کے بعد آدھے گھنٹے کے بعد بچہ پیدا ہو گیا ہے تو خاتون کی عدت ختم ہوگئی ہے، لیکن اگر ایسی بات نہیں ہے، تو پھر چار ماہ اور دس دن اس کی مدت ہے، اس کی وراثت اگر اولاد ہے، تو ایک بٹا آٹھ (1/8) ہے، اگر اولاد نہیں ہے تو ایک بٹا چار (1/4) ہے، اب یہاں پابندی یہ تھی کہ اسے سال بھر وارثوں نے خرچہ دینا ہے، اب میں دلیل یہ لے رہا تھا کہ سال بھر عدت نہیں ہوتی، اگر عدت ہوتی تو پھر وہ باہر جائے جو اپنے بارے میں کرنا چاہتی ہے آپ اسے روک نہیں سکتے، قرآن نے یہاں یہ اشارہ دیا ہے، تو اگر یہ عدت تھی پھر تو ہم اسے روک سکتے تھے، کہ عدت میں تیرا دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا، اب اگر سال پورا ہونے سے پہلے وہ چلی جاتی ہے تو قرآن کہتا ہے کہ وہ دستور کے مطابق ہے، اپنے معاملے کو طے کرتی ہے تو اسے آپ روک نہیں سکتے، یہاں اصولاً ایک بات نکلی، پیچھے بھی میں عرض کر چکا ہوں لیکن یہاں پھر اعادہ کرتا ہوں، کہ وہ گھر میں آباد تھی چلی گئی ہے، اسے معاشرتی آداب کا پتہ ہے، لہٰذا وہ اب خود مختار ہے، اس کی عظمت اس میں ہے کہ نکاح ثانی کے وقت باپ یا بھائی کو ساتھ بٹھائے، لیکن اگر وہ نہیں بٹھانا چاہتی تو اسلام اسے اجازت دیتا ہے، جو بچی غیر شادی شدہ ہے اسے اس بات کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ اس کے مستقبل کا حسن اس بات میں ہے، آگے جس معاشرے میں اس نے جانا ہے، دو چار دنوں کے بعد اسے طعنوں کی بارش کا سامنا کرنا پڑے گا، کہ تجھے باپ نے نکاح کر کے نہیں دیا، تجھے کسی وارث نے نکاح کر کے نہیں دیا، ہم اس معاشرے کو جانتے ہیں، لہٰذا قانونی نکتوں پر بحث کرتے ہوئے اس کی جتنی جزئیات ہوتی ہیں، انہیں سامنے رکھنا ہوتا ہے، لہٰذا اس صورت میں اسلام نے اس بچی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، تاکہ اس کا سارا مستقبل تاریک وادیوں میں اڑ نہ جائے، تو ارشاد فرمایا!

Marfat.com

وَلِلْمُطَلَّقَٰتِ مَتَٰعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۱﴾

جن عورتوں کو طلاق ہوگئی ہو، انہیں معروف طریقے سے آپ نے سامان دینا ہے یہ پرہیزگاروں کا حق ہے ۲۴۷

۲۴۷ یہاں پھر اسی بات کی تاکید کردی، کہ صرف مہر پر کفایت نہ کریں، وہ تو آپ نے فرض کے طور پر واپس کرنا ہے، لیکن اچھائی اس بات میں ہے، کہ آپ انہیں لباس دیں اس مہر کے علاوہ اور چیزیں دی جائیں، یہ حسن سلوک ہے۔

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ
اسی طرح بیان کرتا ہے

ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۴۲﴾

اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم سمجھو

۞ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ خَرَجُوا۟ مِن دِيَٰرِهِمْ

محبوب آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو اپنے گھروں سے نکلے حالانکہ وہ

وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ ٱلْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ ٱللَّهُ مُوتُوا۟

ہزارہا تھے اور یہ موت کے ڈر سے نکلے اللہ نے انہیں فرمادیا کہ مرجاؤ!

ثُمَّ أَحْيَٰهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلنَّاسِ

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی عطا فرمادی یقیناً اللہ لوگوں پر بہت مہربانیاں فرماتا ہے

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۴۳﴾

لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہوتے ہیں

وَقَٰتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾

اور لڑو راہ خدا میں اور جان لو کہ اللہ (ہی) سننے والا دیکھنے والا ہے

مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا

کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ (نیک اعمال کا) دے تو وہ اسے بڑھادے اس (نیکوکار) کے لیے دوگنا (بلکہ) کئی گنا کردے

كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

اور اللہ تنگ کرتا (رزق) اور (وہی) کشادہ کرتا ہے، اور اسی کی طرف تم (واپس) پلٹائے (لائے) جاؤ گے ۲۴۸

۲۴۸ یہاں پھر سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو خطاب ہے، اور ایک ماضی کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے، ترجمہ کرنے سے پہلے میں آپ کے سامنے وہ واقعہ بیان کروں گا، کہ جناب موسیٰؑ سے تین چار سو سال بعد اور جناب عیسیٰؑ سے ہزار گیارہ سو سال پہلے اسرائیلی دشمن سے ڈرتے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں نقل مکانی کر کے نکل پڑے تھے، اب اللہ پر بھروسہ نہیں ہے، بہت بڑی تعداد میں چل پڑے، اللہ نے حکم دیا کہ ان سب کو موت کا ذائقہ چکھا دیا جائے مر گئے، اسی بات کا ڈر تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمادیا، موت کے بعد زندگی ایک آیت میں پیچھے بھی پہلے پارے میں بات آئی تھی اسی دنیا میں، یہ دوسرا واقعہ ہے، اسی دنیا میں، موت کے بعد زندگی مل گئی ہے، تو اب انہیں زندہ کر دیا گیا، قرآن پاک نے مسلمانوں کو یہاں اس بات کی تعلیم دی کہ موت اور زندگی یہ اللہ کے بس میں ہے، نقل مکانی کرنا اس بات سے کہ یہاں مار نہ دیئے جائیں، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے، آپ معاشرے میں اپنی ذہانت سے اس قسم کا انداز پیدا کرلیں کہ وہی معاشرہ آپ کے لیے رحمت بن جائے، لیکن اگر بین الاقوامی سطح پر نقل مکانی کے آپ کے سیاستدانوں نے آپس میں مل کے بات طے کرلی ہے، تو پھر اس کی اسلام نے اجازت دی ہے، لیکن اب جو برصغیر میں ملک تقسیم ہوا تو جو نقل مکانی ہوئی ہے، یہ بات ہمارے معاہدے میں شامل نہیں تھی، یہ تنگ نظر ہندوؤں نے سکھوں کو ہمارے پیچھے لگا کے جبری نقل مکانی کرائی، اور ہمارے پاس دنیا کے ذرائع ختم ہو گئے تھے، لہٰذا اس نقل مکانی کے علاوہ اس کا کوئی اور حل نہیں تھا، اب یہی حال ہمارے سامنے بوسنیا میں ہوا ہے، بلکہ کافی طویل عرصے سے مسلمانوں کے خلاف ایک منظم سازش کے تحت یہ بات بار بار دھرائی جا رہی ہے، اب آیت کا ترجمہ دیکھیں۔

اس آیت کے دو تین لفظوں پر غور ضروری ہے، سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کو پتہ نہیں ہے، کیا آپ نے دیکھا نہیں نہ دیکھنے اور علم نہ ہونے میں فرق ہے، مثلاً آپ کو ایک بات کا پتہ نہیں ہے، دوسرا بندہ بتا دیتا ہے، تو آپ کو علم تو ہوگیا، لیکن

Marfat.com

اس واقعہ کا آپ نے مشاہدہ نہیں کیا، آپ نے اسے دیکھا نہیں ہے، تو یہاں قرآن نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ آپ نے دیکھا نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے دیکھا ہے، اسے استفہام انکاری کہتے ہیں عربی میں، یعنی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات ہو کسی اور ذریعے سے، اور ایک یہ ہے کہ نظروں سے دیکھ کے بات ہو، چونکہ رؤیت کا تعلق نظروں سے دیکھنے کے ساتھ ہوتا ہے، کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکار کریم نے ان لوگوں کا مشاہدہ فرمایا ہے، میرا ایک ابتدائی دور تھا، تو مجھ سے کچھ لوگ انٹرویو کر رہے تھے اسی سلسلے میں، ان میں ایک عرب بھی تھے جو سعودیہ کے تھے، ان کا یہ سوال تھا۔

سوال: "**الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل** ○" یہاں یہی لفظ آیا کیا محبوب آپ نے ہاتھی والوں کو نہیں دیکھا"۔ تو اب ان کا خیال تھا کہ یہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمکے علم میں ہے، اور اس علم کے لفظ کو رؤیت کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں تو پھر وہ یہ کہنے لگے، کہ اِدھر اُدھر لوگوں نے باتیں کیں تو ان کے باتیں کرنے سے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمکو اس واقعہ کا علم ہو گیا، میں سنتا رہا جب وہ ساری بات کر چکے تو میں نے کہا کہ آپ بڑے فاضل آدمی ہیں، لیکن مجھے یہاں عربی زبان کے حساب سے چند اعتراضات ہیں، اگر آپ ان کا جواب دیدیں -

۱۔ کیا علم اور روایت مترادف ہیں اگر ہیں تو پھر ہر علم کے ساتھ رویت اور ہر رویت کے ساتھ علم لازماً ہونا چاہئے، کیا سورج کی رویت کے ساتھ اس کا علم آپ کو ہے اور جن کے علم کے ساتھ اسکی رؤیت آپ کو حاصل ہے۔

۲۔ کیا کسی عربی لغت سے آپ دکھا سکتے ہیں کہ وہاں رویت کا معنی علم یا علم کا معنی رویت کیا گیا ہو۔

۳۔ کیا قرآن حکیم کی کسی آیت سے آپ رویت کا معنی علم دکھا سکتے ہیں اگر ایسا نہیں ہے تو پھر آپ کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔

۴۔ آپ کے دعوے کے مطابق نبی کا کفار سے علم حاصل کرنا لازم آتا ہے کیا یہ جائز ہوگا؟ کیا قرآن نے کہیں رویت کو علم کے ساتھ تعبیر کیا ہے، اگر تعبیر کیا ہے تو وہ آیت میرے سامنے پیش کریں، آپ کی زبان عربی ضرور ہے، میری زبان عربی نہیں ہے۔

اسی کش مکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

کہ ان راستوں سے گزر کے میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں، آپ مجھے دکھائیں کہ کہیں رؤیت کا لفظ آیا ہو اور وہ علم کے

Marfat.com

معنی میں استعمال کیا ہو الحمد سے لے کر والناس تک، اس حیثیت سے نہیں کہ میں انٹرویو دے رہا ہوں، اس حیثیت سے کہ میں تحقیق کی دنیا میں کھڑا ہوں اور آپ کو چیلنج کرتا ہوں، کہیں ہے تو دکھادیں، بخاری سے لے کر مشکوۃ تک کسی حدیث کی کتاب میں ہے تو دکھادیں، لغت میں کہیں ہے تو دکھادیں ایک بات، دوسری بات یہ ہے کہ قرآن نے نبی کو فرمایا ہے کہ ''آپ کو اللہ نے سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے''۔ اور آپ مجھے ارشاد فرمارہے ہیں کہ نکے نکے کے مشرک جو کے کے ہیں ان کی زبان سے جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنا، تو آپ کو علم ہو گیا اس بات کا، نکے نکے کے مشرکوں کی بات سے، تو اللہ نے جو تعلیم دی تھی وہ کافی نہیں تھی، بس یہ بات سن کے انہیں سانپ سونگھ گیا، اور آگے کوئی اور اعتراض نہیں کیا، تو یہاں میں پھر وہی بات کہہ رہا ہوں، کہ محبوب آپ نے دیکھا نہیں اگر محبوب ہمارا ہو اور علم میں اضافہ رب کر رہا ہو تو ہم تو کہہ دیں گے واہ کیا بات ہے آپکے رب کی اور آپ کی اپنی ذات کی، تو جو سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا مریض نہ ہو وہ پھر کہے گا کہ کہیں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم مجھ سے اور میرے باپے سے بڑھ نہ جائے، تو وہ اِدھر اُدھر کے پیچ وتاب میں مبتلا ہو جائیگا، اللہ ہمیں ایسے پیچ وتاب سے بچائے، خواہ وہ قرآن کا مفسر کر رہا ہو یا کوئی اور کر رہا ہو۔

تو قرآن نے کہا محبوب آپ نے دیکھا نہیں ہے، **"الوف"** کا ایک اور معنی بھی ہے، **اَلِف** اور **آلَف** جو ہے اس کا معنی ہزار بھی ہوتا ہے **"اُلوف"** کا معنی کئی ہزار، یہ الفت کے لفظ سے بھی بنا ہے، الف، لام اور ف اس میں بھی موجود ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ جو گھروں سے نکلے تھے آپس میں ان کی بڑی باہمی الفت تھی، اور بڑا اتحاد تھا، لیکن اس اتحاد کو بروئے کار نہ لاتے ہوئے کافروں کے ڈر سے پھر بھاگ کھڑے ہوئے، اس بات سے روکا گیا، اگلی آیت میں فرمایا! اللہ کے راستے میں جہاد کرو، یہ سنو، **اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے، اللہ تمہاری ساری باتوں کو سننے والا اور جاننے والا بھی ہے۔** اب معاشرے کو چلانے کے لیے آپ نے قانون کو اسلام کو پہچانا ہے، ہر ملک اپنے قائم شدہ معاشرے کو بچاتا ہے، کیا اسلام کو یہ کہا جائے کہ تم جہاد نہ کرو، یہ بات غلط ہوگی لہٰذا انہوں نے بھی اپنے قائم شدہ معاشرے کو بچانا ہے، لیکن اسے آگے بڑھانے کے لیے راہ خدا میں مختلف چیزیں پیش کرنی ہیں، قرض ہمارے ادب میں محدود معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور ہمارے مترجمین نے بھی اسے محدود معنی میں استعمال [illegible] کہتے ہیں کہ وہ پیسہ جو آپ ضرورت مند کو دیدیتے ہیں وہ قرض ہے، لیکن جب ہم لغت کی طرف بڑھتے ہیں تو قرآن کی مشہور تفسیر المنار کے مفسر نے ایک بڑا پیارا فقرہ کہا ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں! ہر وہ بات جس کے ذریعے ایک اچھی بات کو آپ حاصل کر سکیں وہ قرض ہے اب آپ کی ہر نیکی جس سے آپ نے معاشرے کو آگے بڑھانا ہے یہ قرض ہے [illegible]نے والے معاشرے پر، یہ قرض ہے کس کے لیے آپ کی آخرت کے لیے، یہ قرض ہے کس کے لیے اللہ کے لیے، کہ وہ نیکی پھیلانا چاہتا تھا اور آپ نیکی

Marfat.com

پھیلانے میں اللہ کے ساتھ مل گئے ہیں، تو یہ ساری باتیں قرض میں آتی ہیں، قرض کے اس معنے کو ذہن میں ڈالا جائے، وہ کون ہے، جو اللہ کریم کی خدمت میں قرضِ حسنہ پیش کرے، اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اللہ جب چاہتا ہے کمی فرما دیتا ہے، جب چاہتا ہے تو پھیلاؤ پیدا کر دیتا ہے، لیکن اس دنیا میں کچھ وقت گزار کے تم نے اللہ کی طرف ہی جانا ہے، اب یہاں قرض حسن کو ہمارے محققین نے دو معنوں میں لیا ہے، ایک یہ قرض حسن ہے جو اعلیٰ ترین قرض حسن ہے، کہ آپ نے پیسے دیدیئے ہیں اور پھر واپس نہیں لیتے، یہ اعلیٰ ترین سٹیج ہے قرض حسن کی، دوسرا قرض حسن یہ ہے کہ آپ نے قرض پر سود نہیں لیا، چونکہ وہ معاشرہ سود پر مبنی تھا جہاں قرآن نازل ہوا، تو آپ نے جب سود نہیں لیا تو یہ قرض حسن ہے، ارشاد فرمایا کہ اس قسم کی ضرورت جب آپ کسی غریب کی پوری کرتے ہیں تو اللہ آپ کے اس قرض کو کئی حصوں میں بڑھا دیتا ہے، اسے دو یا چار حصوں میں تبدیل نہیں کیا بلکہ کئی حصوں میں، حدیث پاک میں یا قرآن میں ستر 70 حصوں تک ذکر ہے، ستر حصوں کا ذکر کر کے پھر فرمادیا کہ اللہ جسے چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے یعنی ستر کو دوگنا کرنا ہے پھر آپ نے، وہ ایک سو چالیس (140) ہو جائیں گے، تو ایک سو چالیس تک قرآن سے ثابت ہے، یہ کس انداز سے بات بڑھے گی، جتنا آپ کا خلوص بڑھتا جائے گا، جتنی للّٰہیت بڑھتی جائے گی، اسی طریقے سے بات بڑھتی جائے گی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا

محبوبؐ آپ نے نہیں دیکھا ان سرداروں کی طرف جو بنی اسرائیل میں تھے موسیٰؑ ۲۴۹ کے بعد، جب اپنے

لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ

نبی سے کہنے لگے کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دے، ہم راہ خدا میں جنگ لڑیں گے۔ (یہاں بادشاہ سے مراد فوجی جرنیل ہے اس کا تعلق ملوکیت سے نہیں ہے)

هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ

نبی نے کہا ایسا بھی تو ہو سکتا، کہ اگر تم پر جنگ فرض کر دی جائے تو تم جنگ نہ لڑو

قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا

کہنے لگے کہ ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ کے راستے میں جہاد نہ کریں، حالانکہ ہمیں نکال دیا گیا ہے

مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا

اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے، لیکن جب ان پر جنگ فرض کر دی گئی وہ پشت پھیر گئے

إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۶﴾

چند آدمیوں کو چھوڑ کر، اللہ زیادتی کرنے والوں کو جانتا ہے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ

ان کے نبی نے کہا یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو

طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ

بادشاہ بنا دیا ہے کہنے لگے اس کی حکومت ہم پر کیسے ہو سکتی ہے،

عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً

ہم حکومت کے لیے اس سے زیادہ حق دار ہیں، (یہ پرانہ مرض ہے سیاستدانوں کا) اسے تو وسیع مال بھی نہیں دیا گیا

مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ

نبی نے فرمایا! کہ اللہ نے اسے تم میں سے چن لیا ہے، اسے بڑھایا ہے

بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ

دو باتوں میں علم میں اور جسم میں، اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے (تمہارے باپ دادے کا تو ہے نہیں)

مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾

اللہ وسعت والا اور علم والا ہے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ

Marfat.com

ان کے نبی نے کہا اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس آئے گا

ٱلتَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا

وہ صندوق جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہیں تسلی اور سکون بھی ہے، اور وہ بچی کچی چیزیں بھی جو

تَرَكَ ءَالُ مُوسَىٰ وَءَالُ هَٰرُونَ تَحْمِلُهُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ

خاندان موسیٰ اور خاندان ہارون چھوڑ گئے ہیں، اسے فرشتے اٹھالائیں گے

إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے، اگر تم ایمان والے ہو

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِٱلْجُنُودِ قَالَ إِنَّ ٱللَّهَ مُبْتَلِيكُم

جب طالوت نکلے فوجوں کو لے کے، فرمایا اللہ تمہیں ایک نہر کے قریب آزمائش میں ڈالنے والے ہیں

بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّى وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُۥ

،جو اس سے پانی پی لے گا وہ میرا ساتھی نہیں ہوگا، جو اسے چکھے گا نہیں وہ

مِنِّىٓ إِلَّا مَنِ ٱغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهِۦ ۚ فَشَرِبُوا۟ مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا

میرا ہے، ہاں جس نے چلو بھر لیا اپنے ہاتھ سے صرف ایک چلو، انہوں نے وہاں سے پانی پیا تھوڑے لوگوں کو چھوڑ کے

مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُۥ هُوَ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ قَالُوا۟

جب وہ آگے بڑھے نہر سے، ایمانداروں کو ساتھ لے کے تو وہ لوگ کہنے لگے

لَا طَاقَةَ لَنَا ٱلْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِۦ ۚ قَالَ ٱلَّذِينَ

، کہ آج جالوت اور اس کے لوگوں کے مقابل ہم نہیں آسکتے، (نبی نے نہیں کہا، نبی کا ایمان بڑا اونچا ہوتا ہے، طالوت نے بھی نہیں کہا) ان لوگوں نے کہا، تو پھر وہ لوگ بولے

يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَٰقُوا۟ ٱللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ

جنہیں یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں ، بے شمار گروہ پہلے بھی گزرے ہیں جو تھوڑے تھے

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةًۢ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

وہ بڑے گروہوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئے اذن ربانی سے ، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

وَلَمَّا بَرَزُوا۟ لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِۦ قَالُوا۟ رَبَّنَآ أَفْرِغْ

جب وہ جالوت اور اس کی فوج کے سامنے آئے ، پھر انہوں نے یہ دعا مانگی

عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَٱنصُرْنَا عَلَى ٱلْقَوْمِ

اے ہمارے رب! صبر (دریا کی طرح) ہم پر بہادے، ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور ہمیں فتح عطا کر

ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ ٱللَّهِ وَقَتَلَ

کافروں کی قوم پر اللہ کے حکم سے ان لوگوں نے جالوتیوں کو شکست دیدی

دَاوُۥدُ جَالُوتَ وَءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ٱلْمُلْكَ وَٱلْحِكْمَةَ

اور داؤدؑ نے جالوت کو ماردیا، اللہ نے داؤدؑ کو ملک بھی دیا حکمت بھی دی

وَعَلَّمَهُۥ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم

اور جو چاہا اسے سکھلایا اگر اللہ تعالیٰ بعض کا بعض کے ذریعے دفاع نہ کرتا رہے

بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ ٱلْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ ذُو

تو زمین برباد ہوجائے گی ۲۵۱ لیکن اللہ تعالیٰ

فَضْلٍ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ

دنیا والوں پر فضل فرماتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں

نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۵۲﴾

محبوب حق اور سچ کے ساتھ ہم آپ کے سامنے انہیں پڑھ رہے ہیں، آپ یقیناً رسولوں میں ہیں ۲۴۹

۲۴۹ یہاں آ کے قرآن پاک نے اسرائیلیوں کا ایک اور ذکر کیا، مسلمانوں کو اس بات سے بچانے کے لیے، ان پر ادبار کی گھڑیاں آگئی ہیں، وہ ایک محدود سے علاقے میں محدود ہو کے رہ گئے ہیں، عمالقہ قدیم عربی تاریخ کی ایک قوم ہے، جس طرح یہاں برصغیر کی قدیم قومیں موجود تھیں، جنہیں باہر سے حملہ آوروں نے آگے آگے دھکیلا، اور آج ہندوستان کی قدیم قومیں صرف مدراس کے علاقے میں موجود ہیں، یہ جو ہندو ہے یہ بھی باہر سے آیا ہے، جو مسلمانوں سے کہتا رہتا ہے کہ تم تو عرب سے آئے ہو، تو تو کدھر سے آیا تھا، تو بھی تو پرانہ ایرانی ہے، تو بھی تو پرانہ افغان قوم کا فرد ہے، تو یہاں آ کے یہاں کے ماحول میں اس طرح کھو گیا، کہ اب ایک پٹھان ہو تو تمیں ہندوؤں کو آگے آگے بھگا لیتا ہے، یہ کیوں بات بنی، اس نئے معاشرے کی وجہ سے بات بنی، اور اس نئے معاشرے میں ہمارے فاتحین نے ایک معیار قائم کر دیا اس معیار کو توڑنے کے لیے مشرقی پاکستان کو توڑا گیا، ہم نے اس قرضے کو ادا کرنا ہے بہ دیر یا بہ سویر، اب یہ ہماری ہمت ہے کہ یہ قرضہ ہم کتنے عرصے میں واپس کرتے ہیں، اب ان عمالقہ نے انہیں ایک طرف اکٹھا کر کے طرح طرح کے ان پر ٹیکس لگا دیئے، باقی اذیتیں پہنچانا شروع کیں، اب وہ اپنے دور کے نبی کے پاس گئے، جن کا نام سموئیل ہے تورات میں، حدیث میں بھی سموئیل آتا ہے، آج میں چند لمحے پہلے آ گیا تو اس تفسیر کو دیکھنے لگا انہوں نے بار بار اشموئیل لکھا ہے، سموئیل نہیں ہے، تورات میں اس نبی کے نام پر ایک مستقل چیپٹر ہے سموئیل، وہ ان کے پاس گئے یہ ان کے بڑھاپے کا دور تھا، آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیں ہم جہاد کریں گے، آپ نے فرمایا کہ تمہاری پرانی عادت یہ ہے کہ تم جہاد سے پہلو تہی کرتے ہو، انہوں نے بے شمار دلائل دیے، کہ نہیں ہم ضرور جہاد کریں گے، انہوں نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں، انہوں نے جناب طالوت کو تجویز کیا فوجی جرنیل کے حساب سے کہ ان کی قیادت میں آپ نے جنگ لڑنی ہے، اور اصلی مذہبی روحانی قیادت کس کے پاس تھی جناب سموئیل کے پاس، یہ ان کے تابع فوجی جرنیل تھے، اسرائیلیوں نے کہا جی نہیں، ان کا خیال تھا کہ اس کے پاس دو نیکیاں نہیں ہیں، وہ کہتے تھے کہ ہماری ایک مخصوص نسل ہے جو یہودہ کی نسل ہے، جن کی وجہ سے انہیں یہودی کہتے ہیں، تو بادشاہت اس خاندان میں ہے، روحانیت ایک اور خاندان میں ہے، چونکہ یہ بن یامین کی اولاد سے ہیں، لہذا یہ نہ بادشاہ بن سکتے ہیں، نہ مذہبی رہنما بن سکتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ ہندوؤں نے یہاں نسل پرستی کر رکھی تھی، وہی اسرائیلیوں میں تھی، اللہ کے نبی نے کہا کہ اس میں دو باتیں ہیں، اللہ نے انہیں کام کرنے والا جسم عطا کیا ہے، اور حکمرانی کے انداز سے انہیں اللہ کریم نے علم عطا کیا ہے، علم بھی ہے اور صحت مند جسم بھی ہے، اور یہی کسی جرنیل کے لیے ضروری باتیں ہوتی ہیں، لہذا ان کے ساتھ چلنا ہوگا، اب انہوں نے نشانی مانگی، انہوں نے کہا کہ جو تمہارا صندوق تھا، اور وہ عمالقہ لے گئے تھے، وہ تمہیں واپس مل جائے گا، قرآن کہتا ہے کہ اس میں سکون کی چیزیں تھیں، وہ چیزیں کیا تھیں، جناب موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے تھے، جناب ہارون علیہ السلام کی پگڑی تھی، جناب موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا، یہ چیزیں تھیں، وہ تمہارے پاس آ جائیں گی، یہ چیزیں جب بھی وہ جنگ میں جاتے تو تبرک کے طور پر فتح کے لیے اپنے ساتھ لے جاتے، ایک صبح وہ اٹھے تو وہ طالوت کے دروازے پر پڑا ہوا ہے، وہ یہاں کیسے پہنچا اس سلسلے میں تورات میں جو روایت ہے وہی یہ ہمارے مفسر بھی مولانا شبیر احمد عثمانی لکھ رہے ہیں، کہ ایک ریڑھے پر رکھا آگے بیل لگا دیئے اور فرشتے اسے ہانک کر ادھر لے آئے، یہاں ایک بات جو ضمناً ہمیں پتہ چلتی ہے، کہ نیک لوگوں کے تبرکات محفوظ رکھے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے اللہ کریم کی طرف سے برکتیں نازل ہوتی ہیں، قرآن نے بات کہہ دی، یہ حدیث نہیں ہے، اور یہی بات دیوبندی مکتبہ فکر کے یہ عظیم عالم بھی اوپر لکھ رہے ہیں، کہ ان میں یہ اور یہ باتیں تھیں، اب یہی باتیں دور حاضر میں ہم کسی مسلمان صوفی کے لیے کہتے ہیں تو یہی بندے اسے شرک کہتے ہیں، آپ ایک بات یاد رکھیں، کہ حرام اور حلال چیزوں میں مختلف نبیوں نے باتوں کو تبدیل کیا ہے، شرک جو آدم علیہ السلام کے دور میں تھا، وہ مصطفیٰ علیہ السلام کے دور میں شرک ہی ہے، شرک کی اصلیت کبھی تبدیل نہیں ہوتی، حلت اور حرمت بدلتی ہے، اس نکتے کو ذہن میں رکھیں، اب اگر یہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے دور میں شرک نہیں تھا، جناب داؤد کے دور میں شرک نہیں تھا تو آج یہ شرک کیسے بن گیا، شرک اپنی اصلیت کو تبدیل نہیں کرتا، اب یہ چیزیں ساری کی ساری وہاں موجود تھیں، وہ میدان جنگ کی طرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

جمال الایمان فی تفسیر القرآن

جلد دوم

مؤلف

فقیر سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی

جامعۃ الزہراء اہل سنت

ناشر ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی پاکستان

Marifat.com

ہیں، چونکہ زبان سے بڑی آسانی سے پھسل جاتے ہیں، حروف حلقیہ بھی زیادہ استعمال ہوتے ہیں، ان دونوں کی تعداد چھ چھ ہے، لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے ان کی دو تہائیاں لی گئی ہیں، یعنی چار چار لیے گئے، حروف زائدہ بھی بے حد استعمال ہوتے ہیں، یہ دس ہیں مجموعہ، فالیوم تنساہ ان سے قرآن پاک میں سات آگئے ہیں، اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ قرآنی الفاظ کو سامنے رکھ لیں، علم قرأت وتجوید کو سامنے رکھ لیں، آپ دیکھیں گے جو الفاظ عام استعمال ہوتے ہیں، ان سے نصف لیے، اور جو زیادہ ہیں ان کی دو تہائیاں لیں، اور جو بہت ثقیل ہیں، ان سے ایک تہائی لے کر دو تہائیوں کو چھوڑ دیا گیا، یہ ہے حروف کی وہ ترتیب جسے بیضاوی نے سامنے رکھ کے ارشاد فرمایا، کہ سارے کے سارے قاعدے جو فن تجوید کے ساتھ منسلک ہیں وہ یہی ہیں، اب دیکھیں عربی کی خاصیت کہ صرف ایک حرف سے بھی مطلب نکل سکتا ہے۔ یہ اسم، فعل، حرف تینوں میں سے ہو سکتا ہے، مثلاً کَ، بمعنی تیرا، اسم ہے قِ تو بچ جا فعل ہے، لِ لیے حرف ہے، تو قرآن پاک نے ایک ایک حرف مقطعات کے طور پر استعمال کیا ہے، عربی زبان میں اسم، فعل اور حرف میں دو دو حرف مل کر بھی ایک لفظ کو بناتے ہیں، مثلاً حرف کی مثال 'بل' بمعنی بلکہ فعل کی مثال 'قل' تو کہہ دے، 'بع' بیچ دے، 'خف' تو خوف کھا، اسم میں دو حرف، من بمعنی کون، اسی طرح تین حرف بھی ہیں، ایک حذف ہو جاتا ہے،، دو باقی رہ جاتے ہیں، مثلاً دَمٌ' بمعنی خون اصل میں دَمْوٌ' ۔تو دو حرفی بھی اسم، فعل اور حرف میں موجود ہوتے ہیں، یہ 9 صورتوں میں آئے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ پہلے حرف پر، زبر، زیر اور پیش بھی ہوسکتی ہے، مثلاً آپ ایک حرف لیتے ہیں، اذ، من، مذ فعل میں قل بع اور خف اسی طرح اسم ہیں، تین حرفی بھی قرآن میں آئے ہیں۔ مثلاً الۤم، الۤر وغیرہ۔ اب اسم وفعل ہوں یا حرف یہ تین حرفی عربی میں سب سے زیادہ استعمال ہوتے ہیں لہذا وہ بات بھی یہاں پوری ہوگئی، تین حرفی لفظوں کو 13 صورتوں میں استعمال کیا گیا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ اسم وفعل کی بنیادیں جن پر ساری گرائمر کی عمارت کھڑی ہے، وہ سارے 13 ہی ہیں، دو ایسے ہیں جہاں 4 حرفی آگئے ہیں، اور دو ہی ایسے ہیں جہاں 5 حرفی آئے ہیں، اب 4 حرفی ہوں تو اس میں عربی گرائمر کے اندر 4 حرفی فعل ہوتا ہے، جس کے ساتھ ملحقات شامل کر کے، اسے 4 ابواب سے اٹھا کر قریبا 25-24 ابواب میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، وہ سارے ان 4 حرفی میں شامل ہیں، 5 حرفی فعل نہیں بلکہ صرف اسم ہوتا ہے، اس کے لیے 5 حرفی، قرآن نے صرف 2 جگہ استعمال کیے ہیں، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ مستقبل قریب میں قرآن کے نزول کے بعد یہ تین علوم فوراً پیدا ہو جائیں گے، اور انہیں پیدا کرنے کے لیے سرکار علیہ السلام کے غلاموں نے بے پناہ زور لگایا اور فوراً انہیں مدون کر دیا، مثلاً ایک بندہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا کہ جناب! عجمی جب ہماری زبان بولتے ہیں تو نہ ہمیں ان کی سمجھ آتی ہے نہ انہیں ہماری سمجھ آتی ہے، کیا کیا جائے؟ فرمایا آپ کچھ قواعد بنا دیں، تا کہ بات صاف ہو جائے، یہ ابوالاسود دوئلی تھے، جو آپ کے قریبی خادم تھے، عرض کی حضرت میرے پاس کوئی مثال نہیں ہے، کس طرح ایک علم کی بنیاد رکھ دوں؟ آپ

Marfat.com

بڑھے، اس فوج میں جناب داؤد علیہ السلام بھی تھے، ان کے باقی چھ بھائی بھی تھے، ان کے والد بھی تھے، تورات میں یہ الفاظ ہیں کہ راستے پر تین پتھر پڑے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ داؤد تو ہمیں اٹھالے، ہمارے ذریعے یہ جالوت قتل ہو جائے گا تو پھینکے گا اور ہم اسے لگیں گے تو یہ مر جائے گا، انہوں نے یہ پتھر اٹھالیے، وہاں اللہ کے نبی نے پہلا سوال یہ کیا جناب داؤد کے باپ کو بلایا فرمایا تیرے بیٹے کتنے ہیں، انہوں نے کہا جی چھ ہیں، انہوں نے داؤد کا نام نہیں لیا، ان کا قد بہت چھوٹا تھا باقی بھائیوں سے، پیلا زرد رنگ تھا اور بخار بھی تھا، انہوں نے وہ چھ بیٹے دکھائے، نبی نے کہا کہ وہ بندہ ان میں موجود نہیں ہے، اور بیٹا ہے تیرا، جی ایک اور ہے لیکن وہ بیمار ہے، بلا کے لاؤ، جب انہوں نے دیکھا تو فرمایا یہ بندہ ہے، اسے سب سے آگے رکھنا ہے، تیرا نام کیا ہے جی میرا نام داؤد ہے، داؤد اللہ نے تیرے ہاتھ سے جالوت کو قتل کرنا ہے، اس وقت داؤد بولے کہ جناب میرے پاس تین پتھر ہیں، جو راستے پر کہہ رہے تھے کہ ہمیں اٹھالو کہ ہم نے جالوت کو مارنا ہے، میں وہ اٹھا کے لے آیا ہوں، چلو مقابلے میں جائیں، اب جب یہاں سے نکلے تو جناب طالوت نے کہا کہ اللہ کی طرف سے ہمارا امتحان ہے کہ راستے میں ایک نہر آرہی ہے وہاں سے ہم نے پانی نہیں پینا ہے، میں نے جہاں تک تجزیہ کیا ہے، تفسیروں میں تو یہ بات نہیں ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ دریائے اردن تھا، یہاں تفسیروں میں نہیں لکھا ہوا، وہاں پہنچے تو بے حد گرمی تھی اور پیاس لگی ہوئی تھی، اللہ کے عظیم انسان نے کہا کہ ایک چلو بھر کے پانی پی سکتے ہو، تھے اسی (80) ہزار پانی پر ٹوٹ پڑے، تین سو تیرہ آدمیوں نے صرف وہ شرط پوری کی، اور جب پار نکلے تو کہنے لگے کہ آج کیسے فتح ہوگی کہ بندے تو ہم تین سو تیرہ رہ گئے ہیں، اُدھر جالوت نے دیکھا تو وہ بڑا شاہ زور آدمی تھا، اور اس دور کی جنگ فائر تھوڑا ہی ہونا تھا، یا تلوار ہے یا نیزہ ہے، اس نے کہا کہ میری فوج نہیں لڑے گی میں اکیلا ہی لڑوں گا، ان تین سو تیرہ کو میں ابھی ختم کرتا ہوں، آؤ بھائی آؤ باری باری ذبح ہونے کے لیے، سب سے پہلے نکلے ہی حضرت داؤد علیہ السلام تھے، حضرت داؤد علیہ السلام نے پہلا پتھر مارا جو سیدھا جا کے جالوت کے ماتھے پر لگا، دوسرا تیسرا اس طرح وہ گر کے مر گیا تو فوج شکست کھا گئی، اللہ کریم نے پھر یہاں ایک قاعدہ بیان فرمایا!

دو باتیں فتح کے لیے ضروری ہوتی ہیں، ایک عقیدے کی پختگی اور دوسرا صبر، یہ دو باتیں آئیں تو نتیجہ آپ کے حق میں چلا جائے گا، پھر چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آتی رہی ہیں اور آتی رہیں گی، اب ہم بھی تھوڑے ہیں، ماشاءاللہ ہم نے غالب آنا ہے، اس لیے کہ ہمارے پاس ایمان بھی ہے، اور اگر ہم شہروں میں گھس کے کہیں جمنا کے کنارے جا گرے ہیں یا کہیں ہندوستان کی گود میں جا گرے ہیں، تو وہ دیہاتی جو اپنی ماں کا دودھ پی کے جوان ہوا ہے، اور غیرت علی اس میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے، وہ ہماری فوج میں ہے، جس دن میدان کارزار گرم ہوگا اس دن پتہ چلے گا، میں نے کسی دور میں ایک طویل نظم 65 کی جنگ پر لکھی تھی، اس کا ایک شعر آپ کو بھی سنا دیتا ہوں!

لنگوٹی اور دھوتی چھوڑ کر میدان سے بھاگے — غلامانِ علیؑ پیچھے تھے نسل سامری آگے

اب نوعیت بڑی عجیب ہوتی ہے، کہ ہندو کی روایت یہ ہے کہ ہمارے سامنے کسی جگہ یہ لکھا نہیں ہے، تو شعر کا مصرع یہ تھا۔ شیران علی پیچھے تھے نسل سامری آگے ۔ وہ سامری جو گاؤ کا پجاری تھا تو یہ بھی گاؤ کے پجاری ہیں، حیدر کے مرید پیچھے تھے اور سامری کی اولاد آگے تھی تو انشاءاللہ وہ منظر پھر ہوگا۔

۲۵۰ (یعنی داؤدؑ نبی بن گئے تورات میں یہ ہے کہ طالوت نے اپنی بیٹی کا رشتہ انہیں دیا تو اس کے بعد اقتدار بھی انہیں کے پاس آیا اور پھر ان سے اقتدار منتقل ہو کے حضرت سلیمانؑ کے پاس آیا جو تاریخ کے عظیم المرتب حاکم ہیں)

۲۵۱ اب یہ ضروری ہے کہ طاقت کا توازن دونوں طرف برابر رہے، طاقت کا توازن نہیں رہے گا تو پھر جب سپر پاور ایک رہ جائے گی تو وہ پھر بین الاقوامی تھانے دار بن جائے گا، اسے دبائے گا لہذا اس خلا نے بہت جلدی پر ہو جانا ہے آپ دیکھیں گے کہ بہت جلدی ایک اور قوت اٹھ کے اس کے مقابلے میں آجائے گی، تاکہ وہ جو اقتدار کی رسہ کشی ہے وہ چلتی رہے اور عوام بچے رہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس طرح کی ڈھیل نہیں دیتا کہ وہ انسانیت کو تباہ کردے۔

اختتام پارہ سیقول۔۔۔ مفسر: القرآن سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی۔۔۔ خادم القرآن: حافظ عرفان علی

Marfat.com

﴿۵﴾ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ

یہ سب رسول ۲۵۲، ہم نے فضیلت دی ہے ۲۵۳ (ان میں سے) بعض کو بعض پر ان میں سے کسی سے کلام فرمایا

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

اللہ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجے اور دیں ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ

کھلی نشانیاں اور مدد فرمائی ہم نے ان کی پاکیزہ روح سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے) وہ لوگ

مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا

جو ان (رسولوں) کے پیچھے آئے بعد اس کے کہ آ گئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکن انھوں نے اختلاف کیا

فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا

ان میں سے کوئی ایمان پر (ثابت) رہا اور ان میں سے کوئی کافر ہو گیا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے)

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے

۲۵۲ یہاں ایک نئے مسئلے کی طرف اللہ کریم نے توجہ دلائی ہے، آپ عقیدے کو درست کرنے کے لیے ایک بات کو ذہن میں رکھ لیں، لفظ نبوت میں سارے نبی شریک ہیں، نبی ہونے کے ناطے ہم کسی کو نہ مانیں تو یہ کفر ہوگا، کسی کی نبوت کا انکار کفر ہے، لیکن نفس نبوت کو چھوڑ کے فضائل و کمالات میں نبیوں کے درجے الگ الگ ہیں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب صرف نبوت کی بات ہو، تو نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو، حتی کہ بخاری میں آتا ہے مجھے یونس ابن متی پر فضیلت نہ دو!

Marfat.com

جب بات آئے گی کمالات کی تو پھر نبیوں کے مقامات الگ الگ ہو جائیں گے، قرآن نے یہاں وہی اشارہ کیا، فرمایا کہ یہ وہ رسول ہیں کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دیدی ہے، اب اس فضیلت کی قسمیں بیان کیں، کہ کچھ وہ ہیں کہ جن سے اللہ نے بات کی ہے، جناب آدم علیہ السلام سے بات ہوئی، جناب موسیٰ علیہ السلام سے بات ہوئی، اس بات کی نسبت سے انہیں کلیم اللہ کہا جاتا ہے، اور بعض کے درجے بلند کیے، یہاں مفسرین کہتے ہیں کہ درجے بلند کرنے سے مراد سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہیں، کہ وہ درجوں میں سب سے اوپر ہیں، ہمارا مفسر ساری عظمتوں کے ساتھ اتنی خاموشی سے یہاں سے گزر رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب پر فضیلت ثابت ہو جائے تو شائد ان کی فضیلت میں کمی آ جائے گی، اس مقام پر دل کھول کر بات کی ہے جناب فخر الدین رازی نے، مولانا یہ بات میں آپ سے تاکیداً کہوں گا۔"**ورفع بعضهم درجت**" اس پر فخر الدین رازی نے عقلی اور نقلی دلائل کی یہاں بارش برسادی، تو اب میں آپ سے صرف ایک بات کہتا ہوں، کسی نبی کو اللہ کریم نے رحمت للعالمین نہیں کہا، وہ صرف سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہا ہے، کسی نبی کے دین کو قیامت تک باقی نہیں رکھا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو صرف باقی رکھا ہے، کسی نبی کا ذکر جگہ جگہ اپنے ذکر کے ساتھ نہیں کیا، صرف سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ رکھا، حتیٰ کہ کلمۂ توحید کو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر سے مزین کیا کہ "**لاالہ الا اللّٰہ**" کے ساتھ "**محمدارسول اللّٰہ**" کا لفظ بھی آ جائے، ایک روایت کو آپ نوٹ کرلیں مولانا خصوصی غور "**لا الہ الاالله آدم صفی الله**"۔ "**لاالہ الا اللّٰہ نوح نجی اللّٰہ**" یہ کہیں بھی بات نہیں آتی، اور نہ کہیں بات بنتی ہے، نہ یہ کلمہ قرآن میں آتا ہے نہ حدیث میں آتا ہے، اور میں عقلی دلیل یہ دیتا ہوں مسلمان جو بالکل ان پڑھ ہے وہ زندگی میں ایک نماز بھی نہ پڑھے جو نہی بولنا سیکھتا ہے تو ماں باپ اسے کہتے ہیں کہ بیٹا "**لاالہ الا اللّٰہ**" کہو، کلمہ انہیں ضرور آتا ہے، اگر سابقہ نبیوں نے کوئی کلمہ اس طرح پڑھایا ہوتا تو انہیں تورات نہ آتی ہوتی، انجیل نہ آتی ہوتی کم از کم انہیں اپنا کلمہ تو آتا ہوتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ صرف مصطفیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا ہے، اس میں آپ کسی اور کے شریک نہیں ہیں، کسی نبی کو کلمہ عطا نہیں ہوا، وہ توحید کہتے رہے اپنی رسالت کا اقرار کراتے رہے لیکن کلمے کے طور پر اگر کہیں ہے تو مجھے تورات سے دکھایا جائے، انجیل میں نہیں ہے، زبور میں نہیں ہے، اگر ہوتا تو کم از کم جس طرح ہماری امت کے لوگ کلمہ تو جانتے ہیں اور کچھ نہ ہو تو، یہ بات نہیں ہے، اب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلمۂ توحید میں اللہ نے ان کا کلمہ رسالت بھی ساتھ ملا دیا ہے، یہ فضیلت دی اب آپ جب آگے چلتے جائیں گے تو علمی دنیا میں بے شمار فضیلتیں اور آتی جائیں گی، جو حضرات عربی جانتے ہیں انہیں چاہیے کہ رازی کی تفسیر کا یہ مقام دیکھا جائے، قابل دید ہے، جس کسی نے لیا ہے رازی سے لیا ہے، بڑی وسیع بات تھی، یہاں گولڑہ شریف میں ایک محفل میں علماء سے سوال کر بیٹھے صاحب زادہ نصیر الدین نصیر صاحب، کہ بھائی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت انبیاء پر قرآن سے ثابت کرو، انہوں نے جو جو

Marfat.com

آیت پڑھی میں بھی پاس بیٹھا تھا، صاحب زادہ صاحب اس پر اعتراض کرتے گئے اور مولوی الجھتے چلے گئے، میں نے اس آیت کا یہ ٹکڑا کہا۔ ''ورفع بعضھم درجت'' ۔''جن کے درجے بلند ہیں ان کی تعین کی جائے''۔ اور پھر انہیں بھی میں نے یہ بات کہی جناب پیر نصیر صاحب سے کہ آپ اس مقام پر چونکہ آپ عربی جانتے ہیں فخر الدین رازی کے دلائل کو لیں کہ عقلاً اور نقلاً انہوں نے کیا انداز اپنایا ہے، پھر قرآن کی مختلف آیات میں نے ان کے سامنے پیش کیں، تو آخر میں انہوں نے فرمایا کہ علمائے کرام آپ کے فائدے کے لیے شاہ صاحب نے بے شمار باتیں کہہ دی ہیں۔ اب آگے جناب عیسیٰ چونکہ یہودیوں میں مکرم تھے، ان پر طرح طرح کے طعنے مارے جاتے تھے۔

''فرمایا عیسیٰ ابن مریم کو ہم نے واضح نشانیاں دیں، اور روح القدس سے ان کی تائید کی، اگر اللہ چاہتا تو انکے بعد والے لوگ آپس میں جنگ نہ لڑتے، جب کہ واضح نشانیاں ان کے پاس آگئی تھیں لیکن انہوں نے آپس میں اختلاف کیا، کچھ ایمان لائے کچھ نے انکار کردیا، اگر اللہ چاہتا تو پھر وہ جنگ نہ لڑتے، لیکن اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے''۔

میں نے یہاں دو لفظوں پر بحث کرنی ہے، لیکن ہمارا وقت ختم ہو چکا ہے، ایک یہ بات کہ روح القدس سے کیا مراد ہے، یہاں بھی میں نے مفسرین سے اپنی تحقیق کی بنیاد پر بالکل ہٹ جانا ہے، اور دوسری بات یہ کہ انسانی اختیار کہاں تک ہے، کہ آیت کے ظاہری الفاظ انسانی اختیار کے سلب کی طرف چلے گئے ہیں۔

۲۵۳ فضلنا بعضھم علی بعض........ولکن اللہ یفعل مایرید اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفس رسالت و نبوت میں تو برابر ہیں لیکن فضائل و کمالات معجزات و مقامات اور مراتب و کرامات میں وہ ایک دوسرے سے افضل ہیں۔ مختلف کمالات جو مختلف نبیوں میں منقسم تھے وہ سب نبی رحمت ﷺ کو عطا فرمائے اور انکے علاوہ لاتعداد کمالات سے نوازا کہ آپ کا وجود باجود ہی معجزہ بنا کر بھیجا تمام کمالات جلالیہ اور جمالیہ سے ذات مصطفوی کو نوازا یہ ایسے مراتب تھے کہ کوئی نبی ہمسر ہونا تو درکنار محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کرسکتا، سید کائنات علیہ السلام کو ساری کائنات کا نبی بنایا جبکہ باقی انبیاء و رسل کی نبوتیں قوموں اور وطنوں کے ساتھ خاص تھیں، کائنات نبوت و رسالت میں صرف آپ ہی رحمۃ للعالمین ہیں ختم نبوت کے تخت پر شاہد و مبشر کا تاج پہن کر صرف آپ ہی تشریف فرما ہیں۔

فضلنا بعضھم علی بعض کی تفسیر میں مفسرین متفق ہیں کہ اس سے مراد سید کل علیہ السلام ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں حضور علیہ السلام کی فضیلت کی اکیس وجوہات نقل فرمائی ہیں علما حضرات ملاحظہ فرما سکتے ہیں ہاں اس بات کا خیال رہے کہ ایک نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دی جائے کہ دوسرے نبی کی تحقیر ہو کہ سید کائنات علیہ السلام نے بہت شدت سے منع فرمایا ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس (جبریل علیہ السلام) سے تائید فرمائی تو

Marfat.com

یہودیوں کی ان سب من گھڑت باتوں کا جواب آ گیا جو وہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے خلاف کرتے تھے اور جن کی تائید دور حاضر میں قادیاں کے متنبی نے کی ابن مریم فرما کر عیسائیوں کی تردید فرمادی کہ وہ رسول ہیں ابن مریم ہیں مگر ابن اللہ نہیں، روح القدس سے عموماً مفسرین نے سیدنا جبریل علیہ السلام کی ذات مراد لی ہے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک اور تفسیر فرمائی ہے شائقین استدلال حجۃ اللہ البالغہ مطالعہ فرمائیں۔

اس آیت سے جبریہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ انسان مجبور اور تقدیر کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے مگر آیت کے کئی الفاظ انکے اس استدلال کا ساتھ نہیں دیتے، اختلفوا کہ وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے فمنھم من آمن ان میں سے کچھ ایمان لے آئے ومنھم من کفر اور ان میں سے بعض کافر بن گئے یہ تینوں فعل فاعل کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں ان کا تعلق ظاہری اعضاء سے نہیں ذہن اور قلب پر جبر نہیں چل سکتا۔ پھر مطلب یہ ہوا کہ اللہ کریم نے انسان کو عقل وفکر کی صلاحیت عطا فرمائی۔ اور عمل کرنے کی قوت سے نوازا پھر انبیاء کے وسیلے سے اسکے سامنے ہدایت کا راستہ کھول دیا اب کچھ اپنے اختیار سے اس راہ پر چلے اور کچھ اپنے اختیار سے اس راستے سے ہٹ گئے مگر یہ سمجھنا بھی غلط ہوگا کہ وہ یہ طاقت پا کر قدرت خداوندی سے باہر نکل گیا ہے بالکل غلط ہے اسکی طرف بڑا بلیغ اشارہ ارشاد فرمایا ولو شاء اللہ ما اقتتلوا میں موجود حق وباطل واضح ہے انسان جسے چاہے اختیار کر لے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ ایمان جبر وقدر کے دریان اور حق وباطل کی نہ ختم ہونے والی جنگ حکمت الٰہی کے تحت جاری وساری رہے گی ومن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر کے درمیان اٹل فیصلہ ہے

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

۞ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟

اے ایمان والو! خرچ کرلو ۲۵۴

مِمَّا رَزَقْنَٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا

اس (مال) سے جو ہم نے دیا ہے تم کو اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ (ان کے لیے) دوستی ہوگی اور نہ

شَفَٰعَةٌ ۗ وَٱلْكَٰفِرُونَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٥٤﴾ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

(ان کے لیے) شفاعت ہوگی اور جو کافر ہیں وہی ظالم ہیں۔ اللہ (وہ ہے کہ) ۲۵۵ کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے

ٱلْحَىُّ ٱلْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُۥ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَّهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا

زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

فِى ٱلْأَرْضِ ۗ مَن ذَا ٱلَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

زمین میں ہے، کون ہے جو سفارش کرسکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے، جانتا ہے جو ان سے پہلے (ہو چکا) ہے

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَىْءٍ مِّنْ عِلْمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا

اور جو ان کے بعد (ہونے والا) ہے اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے

شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ ۖ وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفْظُهُمَا ۚ

سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو، اور نہیں تھکاتی اسے زمین و آسمان کی حفاظت

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾ لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ

اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں ۲۵۶ بے شک خوب واضح ہوگئی ہے ہدایت

مِنَ الْغَيِّ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ

گمراہی سے تو جو انکار کرے شیطان ۲۵۷ کا اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو اس نے

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥٦﴾

پکڑ لیا مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا ہے اور علم والا ہے

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انھیں اندھیروں سے نور کی طرف ۲۵۸

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ

اور جنھوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں نکال لے جاتے ہیں انھیں

النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا

نور سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں

خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾ ہمیشہ رہنے والے ہیں

۲۵۴۔ اوپر والی آیت میں حق و باطل کی جنگ کا تذکرہ ہو چکا اب مومنوں کو ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ حق کی فتح کے لیے تمہیں ہر قسم کی مالی قربانیاں دینی ہونگی مال اللہ تعالی کا دیا ہوا ہے اسے اسی کی راہ میں لٹانا ہی اس کا صحیح مصرف ہے جو ایسا نہیں کرتا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جس میں خرید و

فروخت نہ ہو سکے گی، کوئی بھائی چارہ اور کوئی دوستی کام نہ آئے گی کوئی سفارش اور کوئی شفاعت چھڑا نہیں سکے گی لہذا یہ مال راہ خدا میں خرچ کرو تا کہ یہ نیکی اس دن کی شدت سے بچا سکے

کچھ حضرات ولا شفاعة کے لفظ سے شفاعت نبوی سے انکار کر دیتے ہیں اور قرآن کے کئی مقامات سے لفظ نکال کر پیش کر دیتے ہیں یہ انکی سراسر ضد اور قرآن فہمی کے خلاف بات ہے ابھی آگے آیت میں اس کا ثبوت ہے قرآن نے کئی اور مقامات پر بھی شفاعت کو ثابت فرمایا ہے احادیث میں بے شمار مقامات پر سید الانبیاء علیہ السلام اور دوسرے انبیاء واولیاء کی شفاعت کا ذکر فرمایا کتنا جامع ارشاد ہے الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقين (سب دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہونگے مگر متقین نہیں) وہ تو شفاعت کر کے محبت و دوستی کا ثبوت دینگے۔ یہاں کفار اور انکے بتوں اور انکے قائدین کی شفاعت کی بات ہے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے سب آیات کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے تا کہ تعارض نہ آئے۔

۲۵۵۔ اللہ لا الہ ال هو الحی القیوم ۔۔۔۔اسے آیت الکرسی کہتے ہیں اس میں توحید ذاتی وصفاتی کا جامع ذکر ہے رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان اعظم القرآن آية الكرسی (آیت الکرسی قرآن کی سب سے شاندار اور عظمت والی آیت ہے) اصحاح کی احادیث میں اسکے بہت فضائل مذکور ہیں صرف ایک فرمان آپ بھی سن لیں فرمایا من قرء آية الكرسی فی دبر كل صلوٰة مكتوبة لم يمنعه من دخول الجنة الا الموت (جو شخص ہر فرض نماز کے بعد یہ آیت الکرسی پڑھتا ہے اسے موت کے سوا جنت میں داخل ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا، یعنی وہ ضرور جنت میں جائیگا

شیطان اور جن اس آیت سے بھاگتے ہیں۔ جنوں کے دفاع کے لیے اس آیت مبارکہ کو هم فيها خالدون تک پڑھا جائے فقیر سیالوی کو حضرت شیخ الاسلام سیالوی علیہ الرضوان نے ایک خصوصی واقعہ پر اسکی اجازت مراحمت فرمائی فقیر کی طرف سے سب حاجتمندوں کو اسکی اجازت ہے ۲ لفظ مبارک اللہ جل جلالہ سب صفات کا جامع ہے یہ ذات باری کا اسم علم (ذاتی نام) ہے اس مبارک نام کو شروع کر کے فرمایا وہی ایک معبود برحق ہے اور کوئی اسکے بغیر عبادت کے لائق نہیں، اسلام کے مرکزی عقیدے کی اس ایک مقدس جملے سے بھر پور وضاحت ہوتی ہے۔ ۳ حی ایسا زندہ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس حیات مطلقہ پر موت طاری نہ ہوگی اور ایسا زندہ ہے جس کی زندگی سے ہر زندہ کی زندگی قائم ہے

القیوم . اصل میں قیووم تھا صرفی قاعدے سے قیوم بن گیا اس کا مصدر قیام ہے اور قیوم مبالغہ کا صیغہ ہے معنی سدا اور ہمیشہ قائم رہنے والا، حضرت قتادہؓ نے اس کا معنی یوں کیا ہے القيوم القائم بتدبير خلقه من انشائهم ابتداء وايصال ارزاقهم اليهم (قیوم وہ ہے جو مخلوق کے قیام کی پہلے تدبیر فرماتا ہے اور جو انکے رزق کی تدبیر کرتا ہے) ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ذات جو سب ازوات کے قیام کا ذریعہ ہو وہ قیوم ہے اگر اس کا معنی ما يقوم به الشئی (جس کے واسطے سے باقی چیزیں قائم ہوں)

Marfat.com

کر دیا جائے تو بہت مناسب ہوگا۔ اونگھ اور نیند نقص ہیں لہذا یہ دو صفات ذات ربانی سے نفی کر دی گئیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ قیوم ہے اور اونگھے تو قیومیت کے تعلق میں کمی آجائے گی اگر سو جائے تو یہ تعلق سرے سے ختم ہو جائے گا پھر دوسری چیزیں کیسے قائم رہ سکیں گی سب قیوم کے واسطے سے قائم ہیں اونگھنا اور سونا اسکی شان کے خلاف ہے۔

۶۔ زمین آسمان کا چونکہ وہی ذات بے مثل خالق ہے لہذا وہی ان سب کا مالک ہے کوئی شے خواہ نوری ہے یا ناری خاکی ہے یا آبی حقیر ہے یا رفیع قیمتی ہے یا بیکار سب کے گلے میں اسکی غلامی اور بندگی کا طوق ہے پھر کوئی اور نہ اس کا ہمسر ہے نہ مقابل سب اسی کے بندے اور محتاج ہیں۔

۷۔ قاعدہ یہ ہے کہ اس ذات بے مثل کے سامنے کوئی لب کشائی نہیں کر سکتا اور نہ ہی شفاعت کر سکتا ہے ہاں جسے وہ ذات اقدس اجازت و اذن دے وہ سفارش کریگا واضح بات ہے کہ شفاعت کا حق سید المرسلین علیہ السلام کو ہوگا آپ مقام المحمود پر تشریف فرما کر سجدے میں ہونگے، ارشاد ہوگا **سل تعط و اشفع تشفع** (مانگیے ملے گا، شفاعت کیجئے قبول ہوگی) آپ شفاعت فرمائیں۔ ارشاد عالی ہے **شفاعتی لاھل الکبائر من امتی** (میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لیے ہوگی)۔ دعا ہے کہ الٰہی کریم اپنے پیارے محبوب نبی علیہ التحیۃ والتسلیم کی شفاعت سے مستفیض فرمائے!

۸۔ اللہ جل مجدہ نے اپنے علم کی وسعت ان دو جملوں میں ارشاد فرمائی ہے کہ جو انسانوں کے سامنے ہے یعنی انکے دور سے پہلے ہے اور جو انکے پیچھے ہے یعنی بعد قیامت تک ہونے والا ہے رب کے علم میں ہے ہم یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ واجب الوجود کی ذات صفات، ممکنات اور سب علوم انکے سامنے ہیں انسان ان علوم کا احاطہ نہیں کر سکتا جتنا علم وہ عطا فرماتا ہے اس سے آگے بڑھنا اسکی بساط میں نہیں ہے علم میں سب لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی عطا سے انبیاء و رسل آگے ہیں اللہ کریم کی ساری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبی رحمت ﷺ سب سے آگے ہیں کسی ایک کو بھی علم حضور علیہ السلام کے علم جتنا نہیں اس لیے ارشاد ہے 'مجھے اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا ہے' نیز ارشاد ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں۔

کرسی کیا ہے شرح و تفسیر میں مختلف اقوال ہیں علامہ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد پسند فرمایا ہے کہ **کرسیہ علمہ** (اللہ تعالیٰ کی کرسی اس کا علم ہے) **الکراسۃ** کے لفظ سے ماخوذ ہے جس سے مراد وہ رجسٹر ہے جس میں علم لکھا جاتا ہے۔ عربی میں علماء کو اسی کی نسبت سے کراسی کہتے ہیں کہ وہ علم کا منبع ہوتے ہیں۔ کرسی کتنی وسیع ہے، حدیث ملاحظہ ہو؛

یا ابا ذر ما السموات السبع مع الکرسی الا کحلقۃ ملقاۃ فی ارض فلاۃ (اے ابوذرؓ آسمان کرسی کے سامنے یوں ہیں

Marfat.com

جیسے ایک وسیع صحرا میں مندری ہو) اللہ کریم کی ذات وسیع ہے پھر کائنات بھی وسعت پذیر ہے فاسد تاویلوں سے اس کا حسن غارت نہ کیا جائے۔

ح۲۵۶ انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ جبر کو قبول نہیں کرتا لہذا اسلام نے جبر کو رد کیا ہے اور دین کے معاملے میں تو یہ ہرگز قابل قبول نہیں کہ دین کا معاملہ دل و دماغ سے متعلق ہے اور وہاں جبر کا دخل نہیں ہے اسلام نے ہدایت کو کھول کر بیان کر دیا گمراہی کے نقصان واضح کر دیئے لہذا جو بھی اسلام قبول کرے دل کی چاہت سے کرے ہاں اسلام قبول کرنا گویا رسی کا حلقہ پکڑنا ہے اور حلقہ بھی ایسا جو ٹوٹنے سے پاک ہے یہ کہنا کہ اسلام جبری مذہب ہے ناواقفوں کی ترنگ ہے اور جہاد کبھی بھی عقیدہ تبدیل کرانے کے لیے اسلامی تاریخ میں نہیں ہوا ان سب لغو باتوں کا مسلمان منہ توڑ جواب دیں۔

ح۲۵۷ طاغوت سے کیا مراد؟ یہ طغیان کے مادے سے ہے جیسے الرحمٰن، اس کا مطلب سرکشی ہے"بقول علامہ جوزی طاغوت کاہنوں کو بھی کہا جاتا ہے جو غیب دانی کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں۔شیطان کو بھی طاغوت کہتے ہیں وہ شخص بھی طاغوت ہے جو کسی گمراہ مذہب،غلط عمل اور غلط نظریہ کا بانی ہو قرآن نے اس معنی میں بھی اسے استعمال کیا ہے کہ جو خود ساختہ اوہام پر لوگوں سے عمل کرائے اور احکام الٰہی کو چھوڑ دے اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم!

ح۲۵۸ آیت میں ولی بقول علامہ خطابی مددگار اور ناصر کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے کہ وہ اپنی توفیق کو ان کا رفیق بناتا ہے اور وہ گمراہی کے اندھروں سے نکل کر روشنی اور ہدایت کی طرف آجاتے ہیں۔اندھیرے لاتعداد ہیں مثلاً اللہ کریم کا انکار نبیوں کا انکار قیامت کا انکار اور گناہوں پر مطمئن ہونا لہذا ظلمات جمع ہے نور ایک ہے جس سے ساری کائنات منور ہے لہذا وہ لفظ واحد ہے قارئین حضرات نور کے مفہوم کو سامنے رکھ کر توحید و رسالت کے نور پر غور فرمائیں کفر انکار ہے تو سزا دائمی جہنم ہے۔

☆☆☆☆☆☆

نے فرمایا، **"کلّ فاعل مرفوع"، "کلّ مفعول منصوب"، "کلّ مبتدا و کلّ خبر مرفوعان"** ، یہ بنیاد ہے آگے اس پر ایک نئے علم کی عمارت بناؤ، ان کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ فاعل پر پیش، مفعول پر زبر، مبتدا خبر پر بھی پیش، جاؤ عمل کرو، چند ہی دنوں میں ایک علم سامنے آ گیا، ان علوم کا ماخذ یہی حروف مقطعات تھے، اب رہی یہ بات کہ قرآن سے باقی کتنے علوم اخذ کیے گئے؟ آج ان کی تعداد تین سو سے آگے نکل گئی ہے، مختلف لوگوں نے آج سے ہزار سال یا گیارہ سو سال پہلے تعداد 85 بتائی تھی، لیکن اس وقت تین سو سے آگے نکل گئی ہے، ابھی خدا جانے اور کتنے علوم نکلیں گے، اب یہاں مولانا مودودی نے ایک اور بات کہی ہے جس سے میں اختلاف رکھتا ہوں، کہا کہ یہ مہمل الفاظ ہیں ان کا کوئی معنی نہیں، آپ کے سامنے ایک بندہ بیٹھا ہو جو آپ کی زبان بالکل نہیں سمجھتا تو کیا آپ اپنی زبان میں اس سے بات کریں گے؟ جواب ہے نہیں، کہتے ہیں قرآن اللہ کی کتاب ہے، اس کے پہلے مخاطب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، اگر مجھے بات سمجھ نہیں آتی تو جن پر قرآن نازل ہوا ہے، انہیں سمجھ آنی چاہئے، ورنہ یہ مہمل الفاظ ہوں گے، اس کا فائدہ نہیں ہوگا، صحابہ عالی مقام و خاندانِ نبوت کے مختلف لوگوں نے اپنے انداز سے ان کے معانی بیان کرنے کی کوشش کی، لیکن ان معانی پر وہ بذات خود یہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارا علمی اندازہ ہے لیکن میں عرض کروں کہ یہاں ایک کلی قاعدہ ہے جو ہمارے قدیم مفسرین نے بیان فرمایا ہے، صاحب روح المعانی ایک نتیجہ اخذ کرتے ہیں، عبارت یہ ہے، **"فلا یعرفوها بعدرسول اللہ صلّی اللہ علیک وسلّم ، انّ الاولیآ ء الوارثه فهم یعرفو نه من تلک الحضرة"** (کہ سرکار کی امت کے اولیاء سمجھتے ہیں کیونکہ انہوں نے براہ راست سرکار کی بارگاہ اقدس سے فیض لیا، ایک حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصنف انتہائی عاشقانہ انداز سے ایک فقرہ کہہ گئے، **"وقد تنطق لهم الحروف"** (سرکار کے انوار کا عکس کامل لوگوں پر ہوتا ہے) کہ بسا اوقات حروف خود ان سے باتیں کرنے لگ جاتے ہیں، اپنا معنی خود بتاتے ہیں، یہ کیوں بولتے ہیں، **"کما کان تنطق لمن سبح فی کفه الحصی"** (اس لیے کہ یہ الفاظ بذات خود اس ذات اقدس کے سامنے اپنے معنی بیان کرنے لگ جاتے تھے) جس کی مٹھی میں کنکریاں بول پڑا کرتی تھیں۔ بے شمار بوٹیاں طبی دنیا میں ہیں، جن کے فوائد آج ہمارے نزدیک مسلم ہیں لیکن قدیم دور میں ہمارے پاس ریسرچ کے لیے وہ سامان نہیں تھا جس سے ہم ان کا تجزیہ کر سکتے، تو بے شمار اللہ کے کامل لوگ جب اس جڑی بوٹی کے پاس سے گزرے تو اس بوٹی نے زبانِ حال سے کہہ دیا، کہ مجھے فلاں مرض کے لیے استعمال کیا جائے، اب وہ اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کر گئے، آگے چل کر جب ریسرچ ہوئی تو بات وہی نکلی جو انسانیت کی فلاح کے لیے کامل انسانوں کے ذریعے اللہ کریم نے پیغام آگے پہنچایا تھا، بہر حال کاملین کا عقیدہ ہے کہ یہ اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان بھید ہے، پھر وہ لوگ جانتے ہیں جنہیں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرما دیا، ظاہری و باطنی طور پر، آج بھی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصرفات امت پر اسی طرح ہیں، جس طرح ظاہری حیات مبارکہ میں تھے، ان

Marfat.com

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِى حَآجَّ إِبْرَٰهِـۧمَ فِى رَبِّهِۦٓ

کیا نہ دیکھا آپ نے ۲۵۹ (اے حبیب) اسے جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں

أَنْ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ٱلْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّىَ ٱلَّذِى يُحْىِۦ

اس وجہ سے کہ دی تھی اسے اللہ نے بادشاہی جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے (اسے) کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا

وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا۠ أُحْىِۦ وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَأْتِى

اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی جلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکالتا ہے

بِٱلشَّمْسِ مِنَ ٱلْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ ٱلْمَغْرِبِ فَبُهِتَ ٱلَّذِى

سورج کو مشرق سے تو تو نکال لا اسے مغرب سے (یہ سن کر) ہوش اڑ گئے اس

كَفَرَ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿۲۵۸﴾

کافر کے اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو

۲۵۹ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ذات ربانی کے بارے میں الجھنے والا نمرود تھا یہ عراق کا بادشاہ تھا اقتدار کا نشہ چڑھا تو اللہ کریم کو بھلا کر خدائی کا دعویٰ کرنے لگا، ادھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کفر و شرک اور الحاد کے خلاف جہاد شروع کیا تو اس نے شدت سے انکی تبلیغ کا انکار کیا اس بات کو بھی بھول گیا کہ یہ اقتدار بھی اللہ کریم کا عطا فرمودہ ہے سر محفل جناب ابراہیم علیہ السلام سے رب کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو ہر چیز کو زندہ کرتا اور مارتا ہے، اس کج نگاہ نے اسے مجازی رنگ دیدیا کہنے لگا یہ تو میں بھی کرسکتا ہوں، دو قیدی بلائے جسے سزائے موت تھی اسے چھوڑ دیا اور جسے صرف قید تھی اسے قتل کر دیا کہنے لگا! دیکھا میں نے زندہ قیدی کو موت دیدی اور مردہ (سزائے موت والا) کو زندہ کر دیا! اس طرح وہ اپنی جھوٹی ربوبیت کو سہارا دے رہا تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسے مناظرانہ گولی ماری ارشاد ہوا سورج اللہ کریم مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دے۔ یہ سنکر وہ مبہوت ہو گیا، ہوش اڑ گئے وہ کہہ سکتا تھا کہ سورج کو مشرق سے میں نکالتا ہوں آپ کا رب اسے مغرب سے نکال لائے قرآن نے فرمایا کہ اللہ ظالموں کو ایسی سوچ نہیں دیتا لہذا نبوت کے سامنے وہ بے بس ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ
یا اس شخص کو جوگزرا ۲۶۰ع

عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ
ایک بستی پر دراں حال کہ وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے اوپر، کہنے لگا کیونکر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ

بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ
اس کے ہلاک ہونے کے بعد، سو مردہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک پھر اسے فرمایا کتنی مدت رہا

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ
اس نے عرض کی میں ٹھہرا ہوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اللہ نے فرمایا نہیں بلکہ ٹھہرا رہا ہے تو سو سال

فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ
اب (ذرا) دیکھ اپنے کھانے اور اپنے پینے (کے سامان) کی طرف یہ باسی نہیں ہوا اور دیکھ

حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى
اپنے گدھے کو اور یہ سب اس لیے کہ ہم بنائیں تجھے نشان لوگوں کے لیے اور دیکھ

الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا
ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انھیں پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انھیں گوشت پھر جب

تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾
حقیقت روشن ہوگئی اس کے لیے (تو) اس نے کہا میں جان گیا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

Marfat.com

۲۶۰ یہ شخص کون تھا جس کا قصہ اس آیت میں مذکور ہے اس کی تعیین قرآن و سنت میں ہماری نگاہ سے نہیں گزری مفسرین نے مختلف نام لیے ہیں کچھ مفسرین نے اسے غیر مسلم کہا ہے مگر آیت مقدسہ کا انداز اس بات کا متحمل نہیں ہے کچھ حضرات کا ارشاد ہے کہ یہ ارمیاہ نبی تھے زیادہ مفسرین کا ارشاد ہے کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے اگر اسے متعین نہ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا وہ قریہ وبستی کونسی تھی؟ زیادہ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ بیت المقدس تھا ہم اسی کو درست سمجھتے ہیں کیونکہ یہ رسولوں کا قبلہ تھا اسے دیکھ کر نبی کو تعجب ہوا کہ یہ مقدس شہر جو آج گرا پڑا ہے کبھی یہ بھی آباد ہوگا بخت نصر نے ۵۸۶ قبل مسیح میں اسے تباہ کیا تھا بہت سے لوگ قتل ہوئے اور باقی قیدی بنا کر اپنے پایہ تخت بابل لے گیا اب اللہ کریم نے اپنے کرم کا اظہار یوں فرمایا کہ انہیں موت کی نیند سلا دیا وہ پورا ایک سو سال اسی طرح سوئے رہے پھر اللہ کریم نے انہیں زندہ فرمایا اور پوچھا آپ کتنا عرصہ سوئے رہے انہوں نے جواب دیا ایک دن یا اس کا کچھ حصہ سویا رہا۔ انہیں بتایا گیا کہ آپ پوری ایک صدی یہاں سوئے رہے ہیں۔ اب میری قدرت کا نظارہ کریں کہ آپ کا کھانا خراب نہیں ہوا حالانکہ کھانا تو چند گھنٹوں کے بعد بو دینے لگتا ہے؟ مزید فرمایا! اور اپنے گدھے کو دیکھو اس کا گوشت پوست گل سڑ گیا ہے ہڈیاں بکھری پڑی ہیں اب دیکھئے یہ بکھرا سا نچا کیسے جڑتا ہے اور چند لمحے میں گوشت پوست اس پر نمودار ہوتا ہے یہ سب معاملات ان کے سامنے ہوگئے تو کہنے لگے کہ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرسکتا ہے علم یہاں رویت (دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اگلی آیت مین اللہ کریم اپنی قدرت کاملہ کا ایک اور ثبوت پیش فرماتے۔)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ أَرِنِى كَيْفَ تُحْىِ ٱلْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ

اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے پروردگار دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو۲۶۱؎ فرمایا (اے ابراہیمؑ) کیا تم

تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِى ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ

اس پر یقین نہیں رکھتے عرض کی ایمان تو ہے لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل فرمایا پکڑ لے چار پرندے

ٱلطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ ٱجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

پھر مانوس کرلے انھیں اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا

ثُمَّ ٱدْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَٱعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾

پھر بلا انھیں چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے بیشک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے

۲۶۱؎ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سوال کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انہیں مردوں کو زندہ کرنے میں تردد تھا وہ یقیناً جانتے تھے کہ اللہ کریم مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے سوال صرف کیف تھا۔ کیف (کیسے)۔ سوال وہاں ہوتا ہے جہاں کسی چیز کی حالت وکیفیت معلوم کرنی ہو وہ موجود تو پہلے ہوتی ہے بقول علامہ قرطبی کیف سے سوال وہاں ہوتا ہے کہ شے موجود ہو اور اسکے وجود کو، سائل ومسئول دونوں جانتے ہوں اگلا جملہ اس معنی کی تائید کر رہا ہے کہ جی ہاں میرا اس پر ایمان ہے کہ اللہ کریم مردوں کو زندہ فرماتا ہے

اب رہی یہ بات کہ جب ایمان ویقین پہلے سے حاصل ہے تو پھر یہ سوال کیوں کیا جا رہا ہے اس کی وجہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بتاتے ہیں کہ مجھے علم الیقین تو حاصل ہے لیکن اگر آپ اپنی مجھے قدرت کا مشاہدہ کرا دیں تو مجھے عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہو جائے گا اور جو پہلے دلیل سے معلوم تھا اب مشاہدہ میں آ جائے اس سے پتہ چلا کہ اطمینان خالص کے لیے اپنے اساتذہ اور اپنے شیخ

Marfat.com

سے سوالات کیے جاسکتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مشاہدہ کرایا جارہا ہے ارشاد ہوا چار پرندے لیں پرندے لے کر ذبح کرکے ٹکڑے باہم ملادیں پھر یہ ملے جلے ٹکڑے چار پہاڑوں پر بکھیر دیں اب انہیں اپنی طرف بلائیں پھر قدرت ربانی کا مشاہدہ کریں۔ سیدنا ابراہیمؑ نے اللہ کی ہدایت پر پورا عمل کیا جونہی پرندوں کو آواز دی تو مختلف پہاڑوں کی بوٹیاں باہم مل گئیں پرلگ گئے وہ پرندے بھاگتے پھڑ پھڑاتے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے، زندگی، پھر موت اور پھر زندگی کو عملاً خلیل اللہ علیہ السلام نے ملاحظہ فرمالیا صر ھن یہ قال یقول کی طرح صار یصور ۔ ہے اس کا معنی کاٹنا ہے (قرطبی)

کچھ عقل پرستوں نے تفسیر یوں کی ہے کہ پرندوں کو ہلالیں پھر چاروں پہاڑوں پر ایک ایک پرندہ چھوڑ دیں وہ دوڑتے آئینگے سوال یہ ہے کہ اس تفسیر کا تعلق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے ساتھ کیا ہے؟ سوال یہ تھا کہ آپ پرندوں کو کیسے زندہ فرماتے ہیں؟ ان کی یہ تفسیر بالکل مہمل ہے۔ کیا اللہ کریم گوشت کے لوتھڑوں اور ٹوٹی ہڈیوں کو جوڑ کر زندگی عطا نہیں فرماسکتا؟ یہ ان محققین کے لیے مشکل ہے لیکن اللہ رب العزت کے لیے نہیں۔ ابھی تو اوپر گدھے کے بالکل ختم شدہ اجزاء پھر جڑنا آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں ابراہیم علیہ السلام کے مشاہدہ نے ایمانداروں کے لیے قیامت میں زندہ ہونے کا کامل ترین ثبوت مہیا فرمادیا

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ
مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ
أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ
جو اگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو ۲ ۲۶ اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھادیتا ہے
لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ
جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا ہے علم والا ہے۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر جو خرچ کیا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَّهُمْ
اس کے پیچھے نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دکھ دیتے ہیں

أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

﴿۲۶۲﴾ انھیں کے لیے ثواب ہے، ان کا ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ غمگین ہوں گے

۞ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا

اچھی بات کرنا اور (غلطی) معاف کر دینا بہتر ہے اس صدقہ سے جس کے پیچھے دکھ پہنچایا جائے

أَذًى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۲۶۳﴾

اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے بڑے حلم والا ہے

۲۶۲ آیت نے واضح فرما دیا کہ راہ خدا میں خرچ کرنے کی کتنی فضیلت ہے اس میں مسلمانوں کے لیے ترغیب بھی ہے۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کا کتنا فائدہ ہے ایک دو گے تو سات سو لو گے صحابہ کرام نے بے پناہ مشکلات کے باوجود بے بہا رقمیں خرچ کیں۔ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ تو سب کچھ خرچ کر کے گدڑی پہن کر حاضر ہو گئے یعنی صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس۔ نبی رحمت ﷺ جو قاسم خزائن اللہ ہیں عرض کرنے لگے رب زد امتی میرے پروردگار میری امت کو اس بھی زیادہ عطا فرما جواب ملا من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفه له اضعافا کثیرة جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا زیادہ عطا فرما دیتا ہے سید العالمین علیہ السلام نے پھر درخواست فرمائی میرے کریم رب میری امت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما جواب دیا انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب صبر کرنے والوں کو بے حد وحساب اجر دیا جائے گا قرطبی۔ کتنا کریم ہے ہمارا پروردگار اور کتنا رحیم ہے ہمارا آقا ﷺ حمد و ثنا خدا کے لیے درود وصلوٰۃ نبی کے لیے۔

آیت مقدسہ سے زراعت کے پیشے کی افضلیت معلوم ہوتی ہے یہ روزی کمانے کا باعزت ذریعہ ہے کہ اس پیشے کی برکت سے لوگ پیٹ بھر کر کھاتے ہیں، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ روایت فرماتی ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التمسوا الرزق فی خبایا الارض اخرجه الترمذی (رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا زمین کے تہوں سے اپنا رزق تلاش کرو ترمذی

Marfat.com

نے یہ حدیث روایت کی۔اس سے ثابت ہوا کہ زراعت فرض کفایہ ہے اگر سب لوگ اسے چھوڑ دیں تو حاکم وقت انہیں جبراً کاشتکاری پر آمادہ کرے گا اور درخت لگانے کا حکم دے گا (قرطبی) ضمناً یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ بیج سے سات سو گنا تک غلہ پیدا کیا جاسکتا ہے ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے غیر لوگ سبقت لے گئے ہیں اور وہ امت پیچھے رہ گئی ہے جو سب کی امام ہے خلیفہ معتصم کو خواب میں ابوالائمہ سیدنا حیدر کرم اللہ وجھہ نے پھال پکڑ کر فرمایا یہ لیجئے یہی تو زمینوں کے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔

قول معروف و مغفرة خير.....

۲۶۳ راہ خدا میں خرچ رضائے ربانی کیلئے ہونا چاہیے اگر خرچ کر کے احسان جتایا یا ستایا تو ثواب نہیں ملے گا اور مال بھی ہاتھ سے جائے گا تبوک کے واقعہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہزار اشرفی آقا علیہ السلام کی گود مبارک میں ڈال دی سید کل علیہ السلام نے دعا فرمائی **ما ضرّ عثمان ماعمل بعد اليوم اللّٰهم لا تنس هذا اليوم لعثمان** اب عثمان جو کرتا ہے اسے کچھ نقصان نہیں ہوگا اللہ کریم عثمان کے آج کے دن کی قربانی کو فراموش نہ کرنا غور فرمائے کیا اس سے بڑا بھی کوئی تمغہ ہے جو رحمت عالم نے انہیں عطا فرمایا۔

احسان جتلانے اور ضرر پہنچانے سے تو یہ بہتر ہے کہ کچھ خرچ نہ کر کے صرف خندہ پیشانی سے بات کرلیں اور کسی کی سخت کلامی سے درگزر کر جائیں یہی بہتر ہے دین کا مقصد تمہاری سیرت سنوارنا ہے اگر تم چند ٹکے دیکر نخوت و تکبر کو شعار بناؤ تو سیرت میں خرابی ہوگی سید کل کا یہ ارشاد ہے۔ **الكلمة الطيبة صدقة وان من المعروف ان تلقى اخاک بوجهه طلق** (پاکیزہ بات بھی صدقہ ہے اور یہ بھی معروف نیکی ہے کہ تو اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ اے ایماندارو اتم خراب نہ کرو

صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ

اپنے صدقات کو احسان جتلا کر یا دل آزاری کر کے ۔ ۲۶۳ ؎ اس آدمی کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ کرتا ہے

وَلَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ

اس کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں اس کی مثال ایک صاف پتھر یا چٹان کی ہے

تُرَابٌ فَأَصَابَهُۥ وَابِلٌ فَتَرَكَهُۥ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ

جس پر تھوڑی سی مٹی لگ گئی ہو وہاں موسلادھار بارش آجائے تو اسے بالکل صاف کر دے قدرت نہیں رکھتے

شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٦٤﴾

یہ لوگ کسی چیز پر بھی اپنی کمائی سے اللہ تعالیٰ ظالم اور کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا

۲۶۳ ؎ اسلام ہمیں اخلاقی نکتہ نگاہ سے جس بات کی تعلیم دیتا ہے، وہ یہ ہے کہ جو کچھ آپ راہِ خدا میں خرچ کر رہے ہیں، صدقات وخیرات کے پیچھے سب سے بڑی غرض یہ ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے، تو جب مقصد یہ ہے تو جس آدمی کو آپ نے صدقہ وخیرات دی ہے، اس پر پھر احسان جتلانے کا کوئی جواز نہیں رہتا، اور نہ ہی اسے اذیت دینے کا کوئی جواز ہے۔

سرکار علیہ السلام نے اس مقام پر ہمیں یہ تعلیم فرمائی کہ اگر آپ صدقہ نہیں دے سکتے تو خندہ پیشانی سے سائل کو مل لیں لیکن اسے ایذا نہ دیں، اور یہاں تک فرمادیا کہ اگر تم کسی کو صاف سی بات کہہ دیتے ہو تو یہ بھی صدقہ ہے، یعنی میٹھی زبان سے بات کرنا بھی صدقہ میں شامل ہے، اب اس پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، کہ زبان میں تلخی نہیں آئے گی۔ تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ زبان پر نہیں آئیں گے، اب ایک تو ہے کہ ان باتوں سے معاشرتی حسن کے لیے بچنا اور دوسرا یہ کہ سرکار علیہ السلام نے اسے صدقہ قرار دیا ہے، اور نتیجتاً معاشرتی حسن بھی پیدا ہوگا، اور آپ کے نامہ اعمال میں آپ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ صدقہ اور خیرات کا ثواب بھی سمیٹتے چلے جائیں گے، لہٰذا گفتگو میں متانت اور سنجیدگی ہو۔ اور ایسے الفاظ استعمال

کریں کہ سننے والوں کی یہ خواہش ہو کہ یہ موتی اور بھی گرتے جائیں، پھر وہ نئی نسل جس کی تربیت آپ کے ذمہ ہے وہ آپ کے ان الفاظ کو سمیٹتی چلی جائے، اور آخر کار معاشرے میں پہلے کی نسبت زیادہ نکھار ہوگا۔

قرآنی مثال

اللہ کریم نے اس کے لیے ایک مثال بیان فرمائی، کہ ایک انسان دیکھتا ہے کہ کسی جگہ پر بہت بڑا پتھر یا چٹان ہے، موسم نے ادھر ادھر سے مٹی اڑائی اور اس پر ایک تہہ جم گئی ہے، اب ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس مٹی میں دانے ڈال کر انہیں اگانے کی کوشش کرے، خواہ غلے کی یا پھولوں کی صورت میں اگائے یا پھلوں کی صورت میں اگائے، اب وہ دانے بکھیر رہا ہے، کہ دفعتا بارش آجاتی ہے، اور پتھر یا چٹان سے وہ مٹی بہہ جاتی ہے اب وہ اس قابل نہیں کہ اس پر کوئی چیز اگائی جا سکے، اسی طرح انسانی دل ہے، آپ اس پر بہترین اخلاقی کھیتی اگانا چاہتے ہیں، لیکن وہ دل سخت اور سنگلاخ پتھر بنا ہوا ہے، وہ برداشت نہیں کر سکے گا، کہ اس پر کوئی چیز اگ سکے۔ اور جب نہیں اگ سکے گی، تو رحمتِ الہیہ کو برداشت نہ کرتے ہوئے وہ صاف ہو جائے گا، اب جو باتیں بنائی تھیں وہ سب ضائع ہو جائیں گی، جو کمایا تھا اس پر کسی انداز سے قدرت نہیں ہوگی، کہ اسے استعمال میں لایا جا سکے۔

اب یہ واضح حقائق ہیں جو ہمارے سامنے بکھرے پڑے ہیں، پھر انہیں مانا کیوں نہ جائے، تو ارشاد ہوا کہ جو قوم ظلمت پسند ہوتی ہے، اور کفر کے راستوں پر چلنا چاہتی ہے ایسی قوم کو سادہ سادہ باتیں اور جو پیش افتادہ حقائق ہوتے ہیں وہ بھی سمجھ نہیں آیا کرتے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ زندگی کی گزرگاہوں سے گزرتے ہوئے انہیں ہم نے پھولوں میں تبدیل کرنا ہے، یا کہ کانٹوں میں تبدیل کرنا ہے، لہذا اسلام نے اس بات پر بہت زیادہ زور دیا کہ آپ کے الفاظ دلوں کے لیے راحت تو بنیں لیکن وہ دلوں کو اذیت نہ دیں، اب ایک تو یہ ہے جو محض ریا کاری دکھلاوا کرتا ہے، قرآن کی عادت پاک ہے کہ جب وہ ایک گروہ کا ذکر کرتا ہے، تو اس کی ضد کا لازماً ذکر کرتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ کسی چیز کی جب وضاحت کرنی ہو تو عقل میں جو مسلمہ قاعدہ رہا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ضد کو ذکر کیا جائے مثلاً روشنی کو سمجھانا ہے، تو اس کے ساتھ اندھیرے کا ذکر کرے، گرمی کے ساتھ سردی، بہار کے ساتھ خزاں کا ذکر کرے، یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ

اور ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لیے ۲۶۴ؒ

وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ

اور اپنے دلوں کو ثابت رکھنے کے لیے ایک باغ کی مثال ہے جو اونچی سرزمین پر ہو ۲۶۵ؒ، وہاں موسلادھار بارش آجائے

فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ

تو وہ پھل دوگنا دے گا، اگر بارش نہ ہو تو وہاں پھوار بھی کافی ہوتی ہے

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۶۵﴾

اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے*

۲۶۴ؒ اس آیت میں ان لوگوں کی مثال ہے جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں، سطحی انداز سے اس کے تین فائدے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ۱۔غریب کی حاجت پوری ہوتی ہے۔ ۲۔اس سے اصلاح نفس ہوتی ہے، مال کی محبت کم ہونے سے بخل دور ہوتا ہے۔ ۳۔اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

ربوۃ کا معنی

۲۶۵ؒ علامہ قرطبیؒ نے یوں فرمایا! **الربوۃ: المکان المرتفع ارتفاعا یسیرا معه فی الاغلب کثافة تراب**٥ اونچی جگہ کو ربوہ کہتے ہیں، کم اونچی جگہ ہو اور اس کے ساتھ عموماً مٹی بھی ملی ہوئی ہو، اگر صرف پتھر ہے تو وہ اس قابل نہیں کہ وہاں پودے لگ سکیں، جگہ تو اونچی ہو لیکن وہاں مٹی کا ہونا ضروری ہے، اب اس مٹی پر درخت اگ سکتے ہیں، تو فرمایا کہ اگر وہاں موسلادھار بارش ہوگی، تو یہ باغ عام حالات سے دوگنا پھل دے گا، اگر زیادہ بارش نہیں ہے تو اونچا ہونے کے لحاظ سے وہاں کی ہوا ٹھنڈی ہے، لہٰذا وہاں اگر پھوار پڑے گی، تو بھی مسئلہ حل ہو جائے گا، اکثر مترجمین نے یہاں طل کا معنی شبنم کیا ہے، حالانکہ شبنم بہت کم ہوتی ہے، اور طل کا دوسرا معنی عربی میں پھوار استعمال ہوا ہے، اس لیے میں اس کا معنی بجائے شبنم کے پھوار کر رہا ہوں، اس سے ایک حد تک زمین میں نمی آجاتی ہے، اور یہ بات شبنم سے نہیں ہوتی، شبنم کی حکومت تھوڑی دیر رہتی ہے، ادھر سورج

Marfat.com

حروف کی برکات کیا ہوتی ہیں، مولائے کائنات دعا مانگ رہے ہوتے تھے، یـا کھیٰعص ،یا حمٓعسق حرف ندا کے ساتھ ۔بیضاوی نے اس کا مطلب بیان کیا ہے، کہ اے ان حروف کے نازل فرمانے والے معلوم ہوا کہ یہ الفاظ بطور دعا بھی پڑھے جاسکتے ہیں، اس لیے کہ ان حروف میں روحانی قوت ہے روحانی قوت والی بات رازی یا بیضاوی نے نہیں فرمائی بلکہ میں اپنے تجربے کی روشنی میں عرض کر رہا ہوں، عاملوں نے اور میں نے بھی ان کا بطورِ تعویذ بے پناہ اثر دیکھا، کہ ان حروف کے مختلف زائچے بناتے ہیں، مثلث ۔مربع ۔مخمس۔ معشر۔سے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر نکلتی ہے، انہوں نے علم جمل وعلم جفر کو سامنے رکھ کے الـم کو پڑھا تو کہنے لگے، کہ ہم اس ٹیم میں کیسے داخل ہوں، یہ مذہب تو صرف 71 سال باقی رہے گا، یہ جمل کے حساب سے تھا، سرکار علیہ السلام مسکرائے آپ نے پڑھ دیا الـمر ا س کا انہوں نے حساب لگایا کہنے لگے یہ مذہب 271 سال باقی رہے گا، آپ نے ایک اور پڑھ دیا، تو کہنے لگے اب تو معاملہ تشویش ناک ہوگیا ہے، ہم الجھ گئے ہیں، بیضاوی نے تین علوم کی طرف اشارہ کیا تھا، یہ فقیر بے مایہ بھی اسی پیروی میں اگلے تین علوم کی طرف اشارہ کرتا ہے علم جمل، علم جفر اور علم الاعداد کہ یہ تین علوم بھی براہ راست قرآن کے انہیں حروف سے نکلے ہیں۔

ذالک (وہ) **الکتاب** (مخصوص کتاب) **لا ریب** (کوئی شک نہیں)

لا، کے بعد اگر ایسا لفظ آئے کہ جس کے آخر میں صرف ایک زبر ہو تو آپ نے نکرہ تحت نفی کر دینا ہوتا ہے، معنی ہوگا کوئی شک نہیں، **فیہ** (اس میں) **ھدی للمتقین** (یہ ہدایت ہے متقین کے لیے) لفظ یہ اس ھذا کا معنی ہے جو محذوف ہے شروع میں ذالک کا لفظ ہے ھذا کیوں نہیں؟ بیضاوی کا ارشاد ہے کہ ایک شے اتنی عظمت والی ہو، کہ آپ کے اور اس کے درمیان عظمتوں کا پہاڑ حائل ہو جائے، تو وہاں وہ قریب بھی ہو تو اشارہ بعید کا کیا جاتا ہے، یہ عظمت کی نشانی ہوتی ہے، دوسری بات یہ فرمائی، اور اس بات میں رازی بھی بیضاوی کے ساتھ ہیں، کہ تورات میں ایک کتاب اور ایک آخری نبی بھیجنے کا وعدہ کیا گیا تھا، تو یہاں "**ذالک**" کا اشارہ اس بات کی طرف ہے، کہ یہ وہی کتاب ہے جس کتاب کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا، لیکن ایک بات اور بھی ہے ابتداء میں جب وحی آئی تو یہ ارشاد تھا، "**انّا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً**" محبوب ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں، وہ قول ثقیل یہی کتاب (قرآن) تھی، یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

ترجمہ: ''یہ وہ عظمت والی کتاب ہے جس میں کوئی شک کا مقام نہیں یہ سب پرہیزگاروں کے لیے باعث ہدایت ہے''۔

بیضاوی کے اقوال کا نچوڑ پہلی بات یہ تھی کہ قرآن انہی حرفوں سے بنا ہے جن حرفوں سے تمہارا کلام بنتا ہے، ان حرفوں سے مل کر ایک عظیم المرتبت کتاب بن گئی ہے، یہ کتاب اس مقام پر جا پہنچی ہے کہ اس میں کسی انداز سے شک پیدا نہیں ہوتا، اگر ایسی کتاب ہے تو اسے سب لوگوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہونے کا حق حاصل ہے، دلوں کے اندر اضطرار اور قلق جو شے پیدا کر دے وہ

کی کرنیں پڑیں ادھر شبنم ختم ہوگئی، فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے، ایسے الفاظ اکثر آیات کے آخر میں آتے ہیں، تاکہ انسان ایک بات کو بھول نہ سکے، اور وہ بات یہ ہے کہ میرے جتنے بھی اعمال ہیں وہ ایک گواہ کے سامنے ہو رہے ہیں، وہ گواہ بھی وہ ہے جس کے سامنے میں نے قیامت کو پیش ہونا ہے، اور اس دن وہ میرے سامنے بطور گواہ کے نہیں بلکہ بطور جج کے ہوگا، تو جب جج اصل واقعہ کو بھی جانتا ہو تو کیس میں قوت آجاتی ہے۔

ایک اسلامی قانونی قاعدہ

کہ جج دو باتوں کی تصدیق کرنے کا پابند ہے۔ا۔ یہ کہ اس ملزم کی بیک گراؤنڈ back ground کیا ہے، کیا یہ ایک اچھا انسان ہے؟ اچھا انسان نہیں ہے تو اس کا ماضی کیسا تھا، کیا یہ عادی مجرموں میں شامل ہے یا اس راستے پر ابھی نو وارد ہے۔۲۔ اور پھر جو اس کے لیے گواہ پیش ہوتے ہیں جن پر آج عدالتیں اتنی شدید جرح کرتی ہیں کہ ایک شریف آدمی عدالت میں پیش ہونا اپنے لیے توہین بلکہ موت سمجھتا ہے، اس انداز سے جرح کرنے کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا، کہ اس سے عزت نفس مجروح ہوتی ہے، لہٰذا جو قانون برصغیر میں چل رہا ہے، یہ اس قابل ہے کہ اسے زمین کی اتنی گہرائی میں دفن کیا جائے کہ یہ کم بخت صدیوں تک پھوٹ نہ سکے۔ جہاں شریف ترین گواہ کو اتنا ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے، کہ وہ پچھلوں کو بھی منع کر جاتا ہے کہ آئندہ عدالت میں نہ جانا۔ اسلام وہاں گواہ کی جرح نہیں کرتا بلکہ اپنے خفیہ ذرائع سے معلوم کرتا ہے اور وہ سب خفیہ ذرائع جج کو بتا دیتے ہیں کہ اس گواہ کی پوزیشن کیا ہے، اور اسلام کو ذرا بھر بھی حجاب نہیں ہوتا، اگر جج فیصلہ کر چکا ہے اور گواہ ساقط الاعتبار ہے تو اس فیصلے کو منسوخ کر دیا جائے گا، اور اگر وہ بندہ مالی سزا بھگت چکا ہے تو اسلامی بیت المال اسے وہ مال واپس کر دے گا، چونکہ کیس کو صحیح انداز سے ڈیل نہیں کیا گیا۔ اور افسوس یہ ہے کہ اس اسلام کو ہم اپنے ملک میں نہیں آنے دیتے، اس لیے کہ پچھلے اڑھائی تین سو سال سے اس کو سر سے پاؤں تک جھوٹ کا نمائندہ بنا دیا گیا ہے، نتیجتاً نسل در نسل جھوٹ ہی منتقل ہوتا چلا جائے گا، پھر تبدیلی کہاں سے آئے گی۔

بہرحال اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے، کہ جو آپ نے معاشرے میں کرنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا ہے، اور اپنی اصلاح کے لیے کرنا ہے، اور جس بندے کا آپ نے ہاتھ پکڑنا ہے اس پر نہ احسان رکھنا ہے اور نہ ہی اسے اذیت دینی ہے، آئیے حدیث پاک کی روشنی میں ہر مسئلہ کو واضح کرتے ہیں۔ سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے کو فرمائے گا کہ میں بیمار تھا تو نے مجھے آکر دیکھا نہیں تھا، وہ عرض کرے گا۔ الٰہی! آپ تو اللہ ہیں آپ کے پاس بیماری کا کیا کام؟ فرمان ہوگا کہ میرا فلاں بندہ تیرے پڑوس میں بیمار پڑا تھا تو وہاں نہیں گیا، اگر چلا جاتا تو مجھے بھی وہاں پاتا، پھر فرمائے گا مجھے بھوک لگی تھی میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے نہیں دیا تھا، میں نے پانی مانگا تھا تو نے نہ دیا، عرض کرے گا اللہ! آپ کے

Marfat.com

ہاں بھوک پیاس کا کیا کام؟ فرمان ہوگا کہ میرا ایک بندہ بھوکا پیاسا تھا اس نے تیرے سامنے ہاتھ پھیلایا تھا لیکن تو نے اس کی دستگیری نہیں کی تھی، اگر اسے دے دیتا تو مجھے بھی وہاں موجود پاتا۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ انسانی اخلاق اگر اس انداز سے چل نکلیں تو پھر انسان کی انسانیت اپنی کمال معراج تک رسائی حاصل کر سکے گی۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُۥ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ

کیا تم میں سے کوئی یہ بات چاہتا ہے کہ اس کے پاس ایک شاندار باغ ہو جس میں کھجوریں اور انگور بھی ہوں

تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ لَهُۥ فِيهَا مِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ وَأَصَابَهُ

اس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں اور اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں وہ بذات خود بوڑھا ہو چکا ہو

ٱلْكِبَرُ وَلَهُۥ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَأَصَابَهَآ إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَٱحْتَرَقَتْ

اس کے بچے ابھی چھوٹے ہوں (اسے باغ سے بے شمار توقعات ہوں) لیکن وہاں دفعتاً بگولہ آجائے اس بگولے میں آگ ہو اور وہ اسے جلا دے، ۲۶۶

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ لَعَلَّكُمْ

(تو اس بوڑھے کے دل پر کیا گزرے گی) اللہ اسی طرح تمہارے سامنے آیات کھول کھول کر بیان فرماتا ہے، تاکہ

تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾ تم غور و فکر کرو

۲۶۶ اس ساری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی زمین میں بڑا نفیس باغ لگاتا ہے، وہ باغ پھلوں سے بھر جاتا ہے، وہ بوڑھا ہے اور اولاد چھوٹی ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ باغ اولاد کا مستقبل بنانے کا ایک ذریعہ ہے، لیکن دفعتاً بگولہ آتا ہے، اور وہ اسے جلا کر خاکستر کر دیتا ہے، اب اس کی سکیموں پر کس طریقے سے تباہی کے بادل برس گئے ہیں، اس کے نظریات لمحوں میں کس طرح پاش پاش ہو گئے ہیں، فرمایا تم بہت اچھے اعمال کا ایک حسین پودا لگاتے ہو لیکن پھر ریاکاری کا بگولہ آتا ہے اور ان اعمال کو غبار بنا کر اڑا دیتا ہے، تم نے یہ اعمال تو آخرت کے لیے کیے تھے لیکن دنیا میں ہی دکھلاوے کے شوق میں آ کر بذات خود تباہ کر دیے ہیں، تو اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ

اے اہل ایمان! تم خرچ کرو، صاف ستھری پاکیزہ چیزیں جو تم نے کمائی ہیں ۲۶۷

وَمِمَّآ أَخۡرَجۡنَا لَكُم مِّنَ ٱلۡأَرۡضِۖ وَلَا تَيَمَّمُواْ ٱلۡخَبِيثَ مِنۡهُ

اور جو زمین سے ہم نے تمہارے لیے نکالی ہیں، گندی چیزیں راہ خدا میں دینے کا ارادہ نہ کرو تم اسے

تُنفِقُونَ وَلَسۡتُم بِـَٔاخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغۡمِضُواْ فِيهِۚ وَٱعۡلَمُوٓاْ

دوسروں کو تو دے رہے ہو لیکن اگر کوئی دوسرا تمہیں دے تو تم اس سے چشم پوشی کر کے ہی لو گے (خوش دلی سے قبول نہیں کر سکتے)، جان لو

أَنَّ ٱللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾

کہ اللہ تعالیٰ غنی بھی اور قابل تعریف بھی ہے

۲۶۷ یہاں ایک بات کی تنبیہ فرمائی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرما رہا ہے وہ تو نفیس اور پاکیزہ ہے، اور دیتے ہوئے وہ آپ سے حساب بھی نہیں لیتا، دوسرے مقام پر فرمایا!" وان تعدو ا نعمة الله لاتحصو ها" اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔

ایک مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ اگر رات کو سونے سے پہلے عادت ڈال لی جائے صرف آدھا گھنٹہ ماضی پر غور وفکر کیا جائے، کہ زندگی کے مختلف موڑوں پر ایک ان سین پاور نے (جس کا ہاتھ سامنے نظر نہیں آیا جس کے قدموں کی آہٹ سنائی نہیں دیتی) کس لطافت سے ہمارے ہاتھ پکڑے ہیں، اور کس انداز سے ہم پر الطاف کی بارش برساتا رہا ہے، اگر یہ عادت پڑ گئی تو ماضی کے حسین انعامات ہیں ان پر تشکر کے جذبات آپ کو سربسجود کر دیں گے، اور پھر انداز یہ ہوگا کہ مستقبل کی عمارت انہیں تشکر کے جذبات پر آپ قائم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کریں گے۔ آپ لیں تو بڑا ہی نفیس لیں اور جب دینے کی نوبت آئے تو اللہ کریم کو ایسی چیز دیں جو بے کار ہو تو یہ وہ بات ہے جو کسی انداز سے بھی قابل تعریف نہیں ہو سکتی۔

سرکار علیہ السلام کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ "لایتم المعروف الا بثلاث خصال" کہ نیکی تین عادتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ ۱۔ تعجیلہ۔ اللہ کے راستے میں دینے میں تاخیر نہ کریں جلدی دیں۔ ۲۔ تصغیرہ۔ اور جو دے

Marfat.com

رہے ہیں اسے بہت ہی تھوڑا سمجھیں۔اس لیے کہ جتنا آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جوابی طور پر آپ جتنا دے دیں اس کے مقابلے میں وہ کیا ہے؟ ۳۔اخفائه، ستره ۔ اسے چھپا کر دیا جائے، اب تین باتوں میں حکمت یہ ہے کہ فاذا اعجلته هنّاته جب آپ نے دینے میں جلدی کی ہے، تو اسے مبارک بنادیا ہے، هنّاته کا دوسرا معنی کہ اسے خوشگوار بنادیا ہے۔ واذا اصغرته عظمته ۔اور جب آپ نے اسے کم قرار دیا ہے، شان ربانی سے کوتاہ قرار دیا ہے، لیکن اصل میں اسے عظیم قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب چھوٹا جانیں گے تو دل میں ایک کبیدگی سی پیدا ہوگی۔اور یہ کبیدگی اور عاجزی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑی محترم ہے، واذا سترته اتممته اور جب چھپا کر دیا ہے تو اس کی تکمیل کر دی ہے، اس سلسلے میں یہ یاد رہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر زکوۃ دیں تو اسے ظاہر کر کے دیں تو بہت اچھا ہوگا، ''اظهار الزكوة احسن'' اور جب نفلی مال دیں تو چھپا کر دیں کہ یہی افضل ہے۔

تو قرآن پاک نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نفیس مال دیں، ایسا نہ ہو کہ جو مال آپ خود لینے کے وقت آنکھیں بند کر لیں وہ اللہ تعالیٰ کو نہ دیں، اس لیے کہ اللہ غنی ہے یہاں غنی کا معنی ۔صمد۔ کے معنی میں ہے کہ وہ بے نیاز ہے، اسے آپ کے اس عطیے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس نے ایک غریب کی دستگیری کے لیے آپ کو واسطہ بنادیا ہے، اور اس کے پیچھے دو مقاصد رکھے گئے ہیں، کہ غریب کی حاجت دنیا میں اور دینے والے کی آخرت میں پوری ہو جائے گی، اور وہ اللہ تعالیٰ قابل تعریف ہے، اس لیے کہ اس کے ہر کام کے پیچھے حکمت کارفرما ہوتی ہے، جس کی تہہ میں یہ بات چھپی ہوتی ہے کہ انسانیت کی بہتری کس بات میں ہے۔بخل کی طرف بڑھنے والا شیطان ہے لہذا فرمایا!

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اَلشَّيۡطٰنُ يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ وَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ ۚ

شیطان تمہیں تنگ دستی اور محتاجی کے وعدے دیتا ہے ۲۶۸ لیکن وہ تمہیں حکم دیتا ہے برائیوں اور بے حیائیوں کا

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ وَفَضۡلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۶۸﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے ۲۶۹، اللہ وسعت اور علم والا ہے

۲۶۸ فحشاء سے مراد بے حیائی ہوتا ہے، لیکن یہاں میں سمجھتا ہوں کہ اس کا معنی بخل ہے۔ جب مسلمان اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، تو شیطان قسم قسم کے وہم پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، سرکار علیہ السلام نے ایک حدیث میں بڑے ہی نفیس انداز سے یہ بات سمجھائی ہے، فرمایا وہ کندھے پر بیٹھ کر اپنی لمبی چونچ سے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو یہ ساری چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔

ایک لطیفہ

ایک سادہ فقیر جو بات کی گہرائی کو نہیں پا رہا تھا وہ جوتا ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہے اور جب بھی کوئی دل میں ذرا بھر بھی خیال آتا ہے، تو وہ جوتا بڑے زور سے اپنے کندھے پر مارتا ہے، اور کہتا ہے کم بخت! تو یہاں بیٹھا ہے ٹھہر میں تیری مرمت کرتا ہوں، اب انداز یہ نہیں بلکہ انداز کچھ اور ہے لیکن چونکہ باتیں ہمارے علم میں نہیں ہوتی ہیں، انداز یہ ہے کہ آپ کے وجود میں دو قوتیں ہیں اور یہی انسان کی عظمت ہے، بدی کی قوت بھی ہے اور نیکی کی قوت بھی ہے، فرشتے میں صرف نیکی کی قوت [illegible] معلوم ہی نہیں کہ بدی کیا ہوتی ہے، لہٰذا عظمت کا تاج اس کے سر پر آتا ہے جو بدی کو جانتا ہو اس کی قوت اس کے پاس موجود ہو لیکن پھر بدی کو نیکی کے تابع کر دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان وعدے تو فقر کے دیتا ہے لیکن اس کے حکم بخل کے ہوتے ہیں لیکن اور انداز سے فحشاء کا معنی بے حیائی کیا جا سکتا ہے، مثلاً ہمارے ہاں جس انداز سے شادیاں ہوتی ہیں ان میں بناوٹ کی جاتی ہے، پھر ہمارے دیہاتوں میں جو بے حیائی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، یہ سب باتیں شیطان کے مشورے سے فحشاء کے ضمن میں آتی ہیں، کیا ہم پلٹ کر سادگی کی طرف

Marfat.com

نہیں آسکتے؟ ایک بچی والدین کی کتنی ہی لاڈلی کیوں نہ ہو، اس کے پاس بے پناہ ذرائع کیوں نہ ہوں کیا یہ سارے ذرائع استعمال کر کے یہ بچی اس قابل بھی ہے کہ اسے اس مٹی کے ساتھ ملایا جا سکے، جس پر فاطمہ طاہرہ طیبہ رضی اللہ عنہا نے قدم رکھا ہو؟ اگر ایمان سے پوچھیں تو فاطمہؓ جہاں قدم ٹکاتی ہیں اس زمین پر لاکھوں بچیوں کو قربان کیا جاسکتا ہے، تو فاطمہؓ جس انداز سے باپ کے گھر سے رخصت ہو رہی ہیں، ان کے لیے زمین پر جنت لگائی جاسکتی تھی، لیکن نہیں لگی کیوں نہیں لگی؟ اس لیے جو عوامی معیار ہے اس میں جب ایک آدمی خصوصیت کا فلسفہ پیدا کرے گا، تو دوسرا اس میں آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ زندگی مصنوعی وادیوں میں بھٹک کر ختم ہو جائے گی، لہٰذا اسلام نے دولت کی نمائش کو شدت کے ساتھ روکا، اس کو شیطان کا فعل قرار دیا ہے۔ اب جب آپ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھتے ہوئے وہی مال کسی نیک کام میں خرچ کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور فضل بھی ملے گا۔

فضل کیا ہے؟

۲۶۹ جب بھی فضل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ مہربانی پھر اس مہربانی میں بے حد نوازشیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں، اور دوسرا یہ کہ اس فضل سے مراد رزق ہوتا ہے، قرآن کریم نے بے شمار جگہوں پر فضل کو رزق کے معنی میں استعمال فرمایا ہے، یہاں بھی رزق کے معنی میں ہے، کہ دو باتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش بھی اور رزق میں وسعت بھی ہوگی، سرکار علیہ السلام نے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے فرمایا کہ!

جب بھی آپ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو آپ کو اس کے بدلے میں بہت سا مال ملتا ہے، اور قرآن پاک نے فرمایا کہ وہ ایک چیز سات سو گنا میں تبدیل ہوتی ہے، اور مفسرین نے فرمایا کہ آپ زمین میں ایک من گندم بو کر اس قرآنی اصول کے تحت سات سو من گندم پیدا کر سکتے ہیں، اب اس کے ساتھ یہ حدیث ملالیں کہ! ترمذی شریف میں ہے کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا!" التمسوا الرزق من خباء الارض " کہ زمین کے چھپے ہوئے حصوں سے رزق کی تلاش کرو۔

اب ایسا جملہ مجھے حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت داؤد، حضرت ابراہیم علیہم السلام کی تعلیمات میں کہیں نہیں ملا۔ **"خباء"**... **"خبئة"** کی جمع ہے، جس کا معنی مخفی حصے ہیں، ایک سائل (Soil) جو زمین کی اوپر والی سطح ہے جس میں گندم بوئی جاتی ہے، لیکن حدیث میں جو لفظ آیا ہے وہ بڑا جامع ہے یہ زمین والا اوپر والا حصہ جو ہل چلانے سے کھل جاتا ہے، یہ خبیہ کی کم سے کم تفسیر ہو سکتی ہے، خبیہ وہ چھپی ہوئی جگہ ہے جہاں پہنچنے میں آپ کو دقت ہو، نتیجہ یہ نکلا کہ سطح ارضی کا سینہ چیرنے کی تعلیم سب سے پہلے سرکار علیہ السلام نے دی ہے، زمین میں مدفون خزانوں میں تیل گیس، سونا اور مختلف قسم کی فولادیں ہو سکتی ہیں۔

Marfat.com

اور قرآن پاک بار بار تفکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے، اور محبوب علیہ السلام یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ زمین کے مخفی حصوں سے اپنے رزق کو تلاش کرو، لیکن صدیوں سے ہم نے یہ زمین کافروں کے حوالے کر دی ہے، جس کے اندر سے ہم اپنے رزق کی تلاش نہیں کر سکے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ

جسے چاہتا ہے وہ سمجھ یا دانائی عطا فرما دیتا ہے۔ ۲۷۰، جسے یہ سمجھ مل گئی اسے

أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

خیر کثیر مل گئی، بہت بھلائی ملی، البتہ نصیحت وہی حاصل کرتا ہے جو عقل کو استعمال کرتا ہے

حکمت کی تعریف

۲۷۰ قرآن پاک نے زیادہ تر حکمت سرکار علیہ السلام کے طرز زندگی کو قرار دیا ہے، فرمایا کہ محبوب! اللہ نے آپ کو کتاب و حکمت عطا فرمائی ہے، حکمت کا مطلب ہے کہ کتاب کے مطابق زندگی گزارنے کا انداز۔ زندگی کی گزرگاہوں سے گزرتے ہوئے آپ نے عقل و شعور کو استعمال کرنا ہے، یہ بھی حکمت کا معنی ہے، علامہ قرطبیؒ نے حکمت کا یہ معنی کیا کہ حکمت اس صحیح علم کا نام ہے جو عمل خیر کی طرف انسان کو متوجہ کر دیتا ہے، اقبال نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ!

گفت حکمت را خدا خیر کثیر   ہر کجا ایں خیر را یابی بگیر

کہ اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور اور علم و دانائی کو حکمت کہا ہے، لہذا یہ جہاں سے بھی تجھے ملے اسے لے لے، سرکار علیہ السلام نے اس کو اس انداز سے فرمایا حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے، وہ جہاں سے بھی اسے ملے حاصل کر لیا جائے، دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے، یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے، جب آپ کیا کہہ رہا ہے پر غور کریں گے تو ہو وہ حکیمانہ بات آپ کو کسی عظمت کی طرف لے جائے گی۔

معیدی عربی علوم کے زبردست ماہر تھے، انہیں ایک بندہ ملنے گیا ان کی ظاہری شکل و صورت آنے والے کو پسند نہ آئی، اس نے بڑے غور سے دو تین دفعہ دیکھا، معیدی تاڑ گئے، انہوں نے کہا کہ معیدی کو دور سے سننا زیادہ بہتر ہے، بجائے اس کے کہ قریب

Marfat.com

آ کر دیکھا جائے، وہ اسی بات پر طنز کر رہے تھے، کہ میری بات پر غور کرو مجھے دیکھنے سے کیا غرض۔

عربی کا سب سے بڑا شاعر متنبی ہے اس کے پاس ایک آدمی آیا جو بالکل ان پڑھ تھا اس نے کہا کہ جناب مجھے آپ کے شعر بہت پسند ہیں، اور یہ بار بار کہتا رہا تو متنبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے کہا حضرت میں نے آپ کی تعریف میں مبالغہ کیا اور آپ آنسو بہا رہے ہیں وجہ؟ اس نے کہا کہ آج تک میں یہ سمجھتا تھا کہ میں بہت بڑا شاعر ہوں لیکن آج معلوم ہوا ہے کہ میں صرف گپیں (باتیں) ہانکتا ہوں، شاعر نہیں ہوں اس لیے کہ اگر تم جیسے جاہلوں کو میرا کلام سمجھ آ سکتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ میں گرا ہوا آدمی ہوں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بہر حال یہ سوچنے کا ایک اور انداز ہے، اور حقیقتاً سوچنے والے دانائی اور حکمت کو تلاش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جسے یہ بات مل گئی اسے خیر کثیر مل گئی، اب دیکھیں کہ ایک آدمی کے پاس سامان غور و فکر ہے اور علم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے اس کے سامنے قارون کے خزانے کی کیا وقعت ہے وہ ہیچ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو یوں بیان فرمایا کہ ہم اس بات پر خوش ہیں کہ ہمیں علم کی دولت مل گئی ہے، اور ناواقفوں کو مال مل گیا ہے، الفاظ یہ ہیں!

رضينا قسمة الجبار فينا لنا علم وللجهال مال

فان المال يفنى عن قريب وان العلم باق لا يزال

(ہم اپنے پروردگار جو جبار بھی ہے اس کی تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم عطا کیا ہے اور جاہلوں کو مال دیا، کیونکہ مال جلدی ختم ہو جائے گا لیکن علم وہ دولت ہے جو زوال پذیر نہیں ہے۔

وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ

جو بھی تم خیرات کرتے ہوا، جو بھی تم نذر مانتے ہو اللہ تعالیٰ

يَعْلَمُهُۥ ۗ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اسے جانتا ہے، اور زیادتی کرنے والوں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا

۱۷۱ نفقہ عام طور پر خرچ کو کہتے ہیں، لیکن خرچ سے مراد وہ خرچ ہے جو صدقہ یا خیرات کے طور پر دیا گیا ہو۔ نذر ہوتی کیا ہے؟ اس کے لیے بھی میں قرطبیؒ کا ہی جملہ استعمال کروں گا قبل اس کے کہ ان کی عبارت پیش کروں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ علامہ قرطبیؒ ادیب ہیں چند کتابیں ایسی ہیں کہ الفاظ کی تشریح میں ان کا نکتہ نگاہ بڑا ہی نرالا ہے، ان میں بیضاویؒ، کشاف کے مصنف

امام راغب اصفہانی، امام فخر الدین رازی، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیھم اجمعین ہیں۔ تفسیر کی دنیا میں ان تمام حضرات کا بڑا ہی نرالا انداز ہے، لیکن افسوس کہ ہم اپنے علوم سے کٹ گئے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں واپس لے آئے۔ (آمین) اقبال بھی اس مقام سے گزرے اور کہا!

من کجا نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست   سوئے قطاری کشم ناقہ ءِ بے زمام را

میں کہاں یہ غزلیں اور نظمیں کہاں، یہ سخن کا ساز ایک بہانہ ہے باگ تڑوا کر جو اونٹنی بھاگ گئی ہے اسے پھر قطار میں لگانا چاہتا ہوں ، بہر حال علامہ قرطبیؒ نذر کی تشریح فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ!

ھوما اوجبہ المکلف علی نفسہ من عبادات لو لم یوجبہ لم یلزمہ

نذر اس بات کو کہتے ہیں کہ مکلف (جس پر شریعت کے احکام بجالانا واجب ہیں) آدمی اپنے اوپر کچھ عبادتیں لازم قرار دیتا ہے، اگر یہ خود لازم قرار نہ دیتا تو اس پر کچھ لازم نہیں تھا۔

نذر اللہ تعالیٰ کے لیے مانی جاتی ہے، اب نذر ماننے کے بعد آپ یوں کہہ دیتے ہیں کہ اگر یہ کام ہو گیا تو اتنا غلہ یا غذا مساکین کو دوں گا، اللہ تعالیٰ تو ان باتوں سے پاک ہے کہ وہ آپ کی نذروں کو کھائے، اس لیے دینی مدارس کے طلباء یا درویش لوگ صحیح مصرف ہیں، اور اس کے استعمال پر سب فقہاء متفق ہیں، فقہ کی کتاب ''ردالمحتار'' میں یہی ہے۔ واضح رہے کہ اس کتاب سے سبھی لوگ فتوے لیتے ہیں، دیوبندی، بریلوی اور وہ طبقہ بھی جو اہل حدیث کے نام سے منسوب ہے، یہ کہتے تو یہ ہیں کہ ہم حدیث کے علاوہ کچھ نہیں مانتے لیکن فتویٰ لکھنا ہو تو بجائے بخاری شریف کے ہدایہ کھولتے ہیں چونکہ نہیں بخاری سے مسائل ملتے نہیں چاہے سارا دن سر کھپاتے رہیں، بخاری سے حوالہ لینے کے لیے بڑی فنی مہارت درکار ہے، اور خصوصاً سرکار علیہ السلام کے ادب و احترام کی بات آئے تو بخاری کا حوالہ دیتے ہوئے بخار چڑھ جاتا ہے، تو فرمایا کہ اگر نذر مانو تو اسے پورا کرنا ضروری ہے، جو نذر غلط مانتے ہیں یا غلط انداز سے صدقات و خیرات کو استعمال کرتے ہیں یا اسے نمائش کے لیے استعمال کرتے ہیں، وہ زیادتی کرنے والے ہیں، جنہیں اللہ پسند نہیں فرماتا۔

☆☆☆☆☆☆

إِن تُبْدُوا اگر تم ظاہراً دو ۲۷۲

ٱلصَّدَقَٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا ٱلْفُقَرَآءَ

صدقے تو یہ بہت اچھی بات ہے، اگر تم چھپا کر دو اور فقیروں تک پہنچاؤ تو

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّـَٔاتِكُمْ ۗ

وہ تمہارے لیے بہت بہتر بات ہے، اللہ تمہارے گناہ مٹا دے گا

وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۷۱﴾ اور اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے

۲۷۲ ظاہری طور پر یا چھپا کر دیں دونوں طریقے افضل ہیں لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی دکھلاوا یا ریا کاری نہیں آنی چاہیے، ورنہ سب ضائع ہو جائے گا۔ معلوم یہ ہوا کہ صدقہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں وہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اصل میں ک۔ف۔ر۔ تین الفاظ جہاں بھی آئیں اس کا معنی ہوتا ہے چھپا دینا، قدیم عربی میں زمیندار کو کافر کہتے تھے، کیونکہ وہ زمین میں بیج چھپا دیتا ہے، اسلامی اصطلاح میں حقیقت کو چھپا دینا کفر ہے یعنی اب ایک بات چھپ گئی نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے، اسی طریقے سے گناہ پر پردہ پڑ جائے، وہ نظروں سے چھپ گیا، تو یہ کفر کے معنی ہیں، اب مختلف چیزوں میں کفارہ آتا ہے، یہاں بھی تین الفاظ ہیں مطلب یہ ہوا کہ جو جرم آپ نے کیا وہ چھپ گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے، انسانوں سے تو چھپا سکتے ہو، لیکن نگاہ خدا سے نہیں، سرکار علیہ السلام نے اسے ایک مثال میں یوں فرمایا کہ پتھر بھی سیاہ ہو، اس پر چلنے والی چیونٹی بھی سیاہ ہو، رات تاریک ہو اور اس کے ساتھ گہرا بادل چھا گیا ہو اب اندھیرے کی کیا کیفیت ہوگی۔ آپ اس چیونٹی کو اس تاریکی میں تلاش نہیں کر سکتے، لیکن اس کے چھوٹے سے دل میں جو ذرا سا وسوسہ پیدا ہوتا ہے اللہ اسے بھی جانتا ہے۔

ایک نکتہ

یاد رکھیں علم الٰہی کی کوئی حد نہیں ہے، اور جس چیز کی انتہا ہو جاتی ہے، اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جا سکتی، اب ایسا علم جس کی کہیں حد ہو جاتی ہو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کر سکتے، کہ جس کا علم منتھی ہو اس کی ذات منتھی

شک ہوتا ہے، وہ ریب ہے، تو قرآن اضطراب پیدا کرنے کے لیے نہیں بلکہ اضطرار کو دور کرنے کے لیے آیا ہے۔

"ھدًی للمتقین" سورہ فاتحہ کی تفسیر میں لفظ **اھد** کے اندر میں نے ہدایت کے درجے بیان کر دیے ہیں صرف اشارہ کر کے آگے بڑھتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "قویٰ" دیے ہیں، سیدھا چلنے کے لیے یہ راستہ دکھاتے ہیں، بیرونی دنیا کے دلائل سے وہی بات بنتی ہے، انبیاء اور اللہ کی کتابیں ذریعہء ہدایت ہیں، آپ اس مقام تک پہنچیں کہ براہِ راست آپ کا دل سراپا انوار بن جائے، اور اس پر ایسی کیفیت طاری ہو، جیسے دربار خداوندی کا حاضر باش ہو۔

سوال: **ھدًی للمتقین ، اور ھدًی للناس میں تطبیق کیسے پیدا ہوگی؟**

جواب: ایک شے ہدایت ہے۔ لیکن ہدایت بنے گی اسی وقت جبکہ اس پر عمل ہوگا، تو جو عمل کرے گا وہ لازماً متقی ہوگا، اس لیے بطور نتیجہ کہا گیا کہ پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے، اب آپ ایک نسخہ ادویات کا تجویز کراتے ہیں آپ دوائی نہیں لیتے تو جسمانی کیفیات پر وہ اثرات بالکل مرتب نہیں ہوتے جو دوائی استعمال کرنے کے بعد ہوتے ہیں، اسی طریقے سے قرآن نسخۂ ہدایت تو ہے لیکن اگر اسے استعمال نہ کیا جائے تو وہ بات نہیں بنے گی، جو قرآن بنانا چاہتا ہے، اس بات کا اقبال کو بڑا ہی احساس تھا وہ فرماتے تھے کہ ہمارا اب قرآن سے صرف اتنا تعلق رہ گیا ہے کہ

"از یٰسین او آساں بمیری" (کہ یاسین پڑھیں تا کہ جان آسانی سے نکلے) یعنی اس کے علاوہ اور کسی مقصد کے لیے آپ نے قرآن پاک کو نہیں چھوڑا، قرآن پاک ایک انقلابی کتاب ہے، لیکن وہ صورت تب پیدا ہوگی، جب آپ اسے اپنی عملی زندگی میں لے آئیں گے، آپ بازاری تجارت، سیاست، اقتصادیات، معاشیات، قانون، تنظیم، اخلاق، اسی طرح زندگی کے باقی مقاصد کو قرآن سے حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ یہ سب چیزیں اوروں کے در پر بھکاری بن کر مانگ رہے ہوں پھر کہیں کہ قرآن ہدایت نہیں تو ہدایت کیسے ملے گی، ہدایت ہے بشرطیکہ اسے استعمال کیا جائے، مثلاً کسی ڈاکٹر سے آپ نسخہ لکھا کر لے آئیں، اور اس کاغذ کو چاٹنے لگ جائیں، تو شفاء کیسے مل سکتی ہے، لہذا قرآن پاک سے ہدایت کے لیے اس پر عمل ضروری ہے، متقی بننے کے لیے طریقہء کار کیا ہے؟ فرمایا!

۳ **"الذین یؤمنون بالغیب" الذین** (وہ لوگ جو) **یؤمنون** (ایمان رکھتے ہیں) **بالغیب**۔ (دیکھے بغیر، وہ متقی ہیں)

اب یہاں دیکھے بغیر کس کس چیز پر ایمان رکھنا ہے، دو انداز ہیں، ایک چیز وہ ہے جسے آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو دیکھ نہیں سکتے، سمجھنا چاہتے ہیں تو سمجھ نہیں سکتے، یہ سب سے بڑا غیب ہے جو اللہ کریم کے ساتھ ہے، لہذا حسیات وعقلیات سے باہر جو چیز ہے، وہ حقیقی غیب ہے، وہ اللہ کریم کی ذات ہے، کچھ چیزیں وہ ہیں جو حسیات میں آ تو سکتی ہیں، لیکن ابھی وہ ممکنات کی زد

ہوتی ہے، اور جس کی ذات منتھی ہو وہ فانی ہوا کرتا ہے، لہذا ہر ایسی بات جس میں عیب آجاتا ہے، اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کر سکتے۔ اس بات کو ہمارے علم کلام والوں نے بڑے زور سے ثابت کیا ہے، اور یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ جھوٹ پر قادر ہے یا نہیں؟ ان کم بختوں کو یہ بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ جھوٹ ایک نقص ہے، اور نقص کا اس کی بارگاہ میں گزر نہیں تو اس کا وہاں امکان کیسے پیدا ہو۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ تمہارے ذمے انہیں ہدایت دینا نہیں ہے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے، جو بھی تم مال خرچ کرتے ہو تو

فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ

اپنی جانوں کے لیے خرچ کرتے ہو ۲۷۳، تم خرچ نہ کرو، مگر صرف اس بات کے لیے اللہ ایسا چاہتا ہے

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

جو بھی تم خرچ کرتے ہو تمہیں پورا پورا دیا جائے گا، تم سے زیادتی نہیں کی جائے گی

۲۷۳ بات یوں تھی کہ مسلمانوں میں کچھ ایسے بھی تھے، جو رشتہ دار تھے مگر مسلمان نہیں تھے، کافر سوال کرتے، مسلمان انہیں نہیں دیتے تھے، قرآن نے نکتہ بیان فرمایا کہ ایک ہے مسلمان معاشرے کی دستگیری اور ایک ہے ملت انسانیہ کی دستگیری۔ لہذا جب تم ملتِ انسانیہ کو دو گے تو آپ کا مال ان کے پیٹوں میں جا کر آرام سے نہیں بیٹھے گا، اس سے جو خون پیدا ہوگا، وہ جسم میں گردش کرے گا، تو تصورات میں تبدیلی لائے گا، آج مغرب جو مشنریز کے ذریعے پروپیگنڈا کر رہا ہے ذ یہ اسلام کا اصول تھا، فرمایا تمہارے ذمہ ان کو ہدایت دینا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، تم ان پر مال خرچ کرو، یعنی اشارہ اس بات کی طرف ہے، کہ شاید تمہارا یہ مال خرچ کرنا ہی انہیں راہ راست پر لے آئے، یہ جو بھی تم دیتے ہو اپنی اصلاحِ نفس کے لیے دیتے ہو، لہذا ایک بات یاد رکھو کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، جواباً تمہیں پورا پورا مل جائے گا، کوئی تم پر زیادتی نہیں ہوگی، سب کو دو لیکن ترجیح کن لوگوں کو دو؟

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

یہ ان فقیروں کے لیے ہے ۲۷۴ جو راہِ خدا میں بند ہیں

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ

وہ زمین میں دینی مصروفیات کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے، ناواقف آدمی سمجھتا ہے

الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ

کہ یہ مال دار ہیں اس لیے کہ وہ سوال نہیں کرتے محبوبؐ! آپ انہیں چہروں سے پہچان جاتے ہیں

لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

ان کی عادت یہ ہے کہ لوگوں سے چمٹ چمٹ کر سوال نہیں کرتے، جو تم خرچ کرتے ہو

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

اللہ اسے جانتا ہے

۲۷۴ جو لوگ اپنے اوقات خدمت دین کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں، راہ خدا میں وہ رک کر بیٹھے ہیں، کمائی کے لیے باہر نہیں نکلتے، کہ ان کا وقت ضائع ہوتا ہے، رات دن مطالعہ میں مصروف ہیں، وہ سفر نہیں کر سکتے، ناواقف آدمی سمجھتا ہے، یہ تو صحت مند بھی ہیں، اور ان کے پاس رقم ہوگی کہ ٹھیک ٹھاک لباس بھی پہنا ہوا ہے، سوال بھی نہیں کرتے، محبوبؐ! آپ انہیں چہروں سے پہنچان لیتے ہیں۔

ایک نفیس نکتہ

جو اپنے کام کاج چھوڑ کر دین ربانی کے لیے اپنے اوقات وقف کر دیتا ہے وہ نگاہ محبوب علیہ السلام میں ہوتا ہے، محبوبؐ انہیں چہروں سے پہچانتے ہیں، یہاں یہ قید نہیں لگائی کہ اپنے دورِ اقدس میں ہی پہچانتے ہیں۔ آپ مطلق کو مقید نہیں کر سکتے، بلکہ قیامت تک آنے والے فقراء کو بھی پہچانتے ہیں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑا اور کون سا تمغہ ہے جو فقیر کو مل سکتا ہے، کہ وہ جہاں بھی ہوتا ہے، نگاہ محبوب علیہ السلام میں ہوتا ہے، تو جو اس مقدس نگاہِ ناز کا پروردہ ہو وہ اکبر یا جہانگیر کے سامنے سر نہیں جھکا

Marfat.com

سکتا، جو اس مقدس نگاہِ ناز میں پلتا ہوا سے جب یہ کہا جائے کہ چوراسی گاؤں اور قصبوں کا مالیہ آپ کے لنگر کے لیے وقف ہے، تو وہ جواب میں ایک شعر لکھ دیتا ہے، حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے یہ شعر لکھا کہ!

زاں گاہ کہ خبر یافتم از ملکِ نیم شب　　　من ملک نیم روز بیک جونمی خرم

تیرے پاس ملک نیم روز ہے (سیستان کا پرانا نام ملک نیم روز تھا) دو پہر کی حکومت تیری ہے، اور رات کی حکومت میری ہے، جس وقت سے رات کی حکومت کا راز مجھے آیا ہے، یہ تیرے دن والی جو حکومت ہے اسے میں ایک جو کے دانے کے برابر بھی لینے کو تیار نہیں ہوں۔　　تیری عطا تیرے منہ پر　　عطائے تو بلقائے تو

اس سلسلے میں اسلام نے گداگری کی شدت سے حوصلہ شکنی کی ہے، سرکار علیہ السلام نے ایک خطبے میں فرمایا ''کہ جو گداگری کو اپنی عادت بنالیتا ہے، جب وہ قیامت کو اٹھے گا تو اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا''۔

اس حدیث کو سامنے رکھ کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک بندے سے جو مسجد میں بیٹھا تھا فرمایا کہ مسجد سے فوراً نکل جا باہر جا کر کام کر۔ اگر تو پھر اس طریقے سے بیٹھا اور کام نہ کیا تو یہ کوڑا جو میرے ہاتھ میں ہے اس سے تیری مرمت کروں گا۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ وہ لوگ جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رات اور دن خفیہ ۲۷۵ اور سامنے ان کے لیے رب کے ہاں اجر ہے
رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾
نہ ان پر کوئی خوف ہے نہ وہ غم کھائیں گے

۲۷۵ سابقہ آیات میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں یہ آیت انہیں کا تتمہ اور تکمیل ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقتصادی نظام اس انداز سے چلایا جاتا ہے کہ غریب کی دستگیری ہو، اور اس میں کسی بھی طریقے سے غریب پر دباؤ نہ رہے، تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کے لیے اسی بات کو دھرایا ہے کہ وہ لوگ رات و دن خفیہ و ظاہری طور پر بھی مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، جس کا انہیں رب کے ہاں سے اجر ملے گا، ان پر نہ خوف ہے نہ غم کھائیں گے، یہ وہ الفاظ ہیں جو قرآن پاک نے اولیاء امت کے حق میں کئی جگہ پر ارشاد فرمائے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ راہِ خدا میں خرچ کرنے والا اولیاء امت کے راستے پر چلنے والا بندہ ہوتا ہے، لہذا نہ تو اسے اس دنیا میں کسی چیز کا خوف ہے نہ ہی آخرت میں حزن ہوگا۔

Marfat.com

خوف اور حزن میں فرق

یہ کہ خوف اپنے لیے ہوتا ہے اور حزن دوسرے کے لیے۔یعنی ایسا نیک بخت انسان جو راہِ خدا میں خرچ کرتے ہوئے غرباء کے ہاتھ پکڑتا ہے، اسے نہ اپنا خوف ہوگا نہ ان لوگوں کو خوف ہوگا جن کا وہ اس ظاہری زندگی میں نگران تھا، جن کے اخراجات اس کے ذمہ تھے، وہ بچے، بیوی، والدین تھے، اس کی نیکی کا اثر دور تک پھیلتا چلا جائے گا، بے شمار ایسے کام ہیں جن کا اثر بے حد پھیلتا چلا جاتا ہے، تعلیم، صدقات، زکوۃ اور نیک افعال کا اثر پھیلتا ہے، بسا اوقات یہ پھیلاؤ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ صدیوں تک اس کا اختتام نہیں ہوتا، بلکہ آئے دن بڑھتا چلا جاتا ہے، مثلاً ایک عالم علم کی دنیا میں دو سو آدمیوں کو اس انداز سے تیار کر دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کا انداز ہے اگر وہ سو آدمی پانچ پانچ آدمیوں کو مزید تیار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگلی نسل میں وہ فیض ایک ہزار آدمی تک پھیل جائے گا پھر اگر اس کا تعلق تقدس نیکی روحانیت اصلاح معاشرہ کے ساتھ ہے تو یہ بات بے پناہ بڑھے گی۔

سرکار علیہ السلام نے یہی سمجھانے کے لیے فرمایا! کہ ایک چھوٹی سی چیز جو آپ نے راہِ خدا میں صَرف کر دی ہے، اللہ کریم اسے اپنی انگلیوں میں پکڑ لیتے ہیں (یہ سمجھانے کے لیے ہے ورنہ وہ انگلیوں سے پاک ہے) وہ چیز بڑھنے لگ جاتی ہے، اس کے بڑھنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ جب قیامت والے دن وہ شے جو ایک اخروٹ جتنی تھی آپ کو ملے گی تو وہ لازماً احد پہاڑ جتنی ہوگی، ایسے لوگوں پر نہ دنیا میں خوف ہے نہ آخرت میں غم کھائیں گے۔

اگر آپ معاشرے کے ان لوگوں کو جو بہت نیچے ہیں مالی نکتہ نگاہ سے ہاتھ نہیں پکڑیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کے دو طبقات میں جو فرق ہے وہ دن بدن پھیلتا چلا جائے گا، اور اقتصادی طور پر قوم دو کلاسز میں تقسیم ہو جائے گی، تو اسلام مختلف اندازوں سے مال کو معاشرے میں پھیلا دینا چاہتا ہے، اقبال نے کہا!

کس نہ باشد در جہاں محتاج کس   حکمت شرع مبین ایں است وبس

اس جہان میں کوئی انسان کسی اور انسان کا محتاج نہ رہے شریعت مطہرہ کی یہی سب سے بڑی حکمت اور فلسفہ ہے۔

☆☆☆☆☆

ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰا۟ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى

وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھیں گے یعنی قیامت کے دن مگر جس طرح وہ آدمی اٹھتا ہے

يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْبَيْعُ

جسے شیطان چھو کر حواس باختہ کر دیتا ہے ۲۷۶، یہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں خرید و فروخت

مِثْلُ ٱلرِّبَوٰا۟ ۗ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟ ۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ

سود کی طرح ہی ہے ۲۷۷ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام کیا ہے۔ جس کے پاس نصیحت

مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ

رب کی طرف سے آجائے اور وہ پھر سود سے رک جائے تو اس سے پہلے جو وہ کر چکا ہے معاف ہے، اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے

فَأُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ

لیکن احکام کے نزول کے بعد جو ایسا کرے گا ایسے لوگ تو جہنمی ہیں، وہ جہنم میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے

ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَٰتِ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۷۶﴾

اور صدقات و خیرات کو بڑھاتا ہے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا ہر ناشکرے گناہ گار انسان کو

۲۷۶ یہاں قرآن نے بڑی نفاست سے سود کے برے انجام کو بیان فرمایا کہ جو انسان یہاں سود، کھاتا ہے جب قیامت کو اٹھے گا تو ایسا معلوم ہوگا، کہ اس کو شیطان نے چھونے کے بعد اس کے حواس کو معطل کر دیا ہے جس طرح آپ پاگل انسان کو دیکھتے ہیں، خواہ وہ جنات کے اثر سے ہو یا کسی جسمانی مرض کے اثر سے ہو، کیوں ایسے انداز سے اٹھے گا؟ قرآن پاک نے اس کی وجہ بیان کی کہ وہ کہتا تھا کہ سود اور خرید و فروخت میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ بڑی پرانی دلیل ہے، جو اس وقت سے آج تک چلتی آرہی ہے، دلیل کا انداز کیا ہے، کہ ایک بندہ تجارت کرتا ہے، دس روپے کی چیز سے وہ تیرہ پندرہ روپے کما لیتا ہے، تو اسے بھی تو رقم ملی، سود والا اگر اسی طرح کچھ کم لیتا ہے، تو اسے بھی تو رقم ملی ہے، حالانکہ قرآن پاک نے فرمایا کہ تم

Marfat.com

کائنات میں خود مختار نہیں ہو، تمہارا ایک خالق ہے، وہی تمہارا رازق بھی ہے، وہ فرماتا ہے، کہ میں نے سود کو حرام قرار دیا ہے، خرید وفروخت کو حلال قرار دیا ہے، اب جب مالک یہ فرماتا ہے، تو تمہیں عقلی گھوڑے دوڑانے نہیں چاہییں۔

۲۷۷۔ اقبالؒ نے اس بات کو اس انداز سے سمجھایا، کہ ایک آدمی کاریگر کو کہتا ہے، کہ شیشے سے ایک تصویر بناؤ، جب بن جاتی ہے، تو گاہک کہتا ہے، کہ اسے توڑ دو، اب جس نے بنائی ہے اسے اپنی ضرورت سے غرض ہے، اسے اس سے غرض نہیں ہے، کہ گاہک پہلے بنانے کا کیوں کہتا ہے، پھر توڑنے کا کیوں کہتا ہے، تو اسی طریقے سے مومن کا کام یہ ہے، کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی اتباع کرے۔ انسانیت کی ضرورت دور کرنے کے لیے اللہ کریم نے دو جنسیں پیدا فرمائی ہیں، ایک سونا، دوسری چاندی، یہ نظریات وہ ہیں، جو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں، باقی محققین کو چھوڑ کر میں امام غزالیؒ کی بات اس لیے کر رہا ہوں کہ جس تفصیل اور سادگی سے آپ نے اس مسئلے کو بیان فرمایا ہے، سود پر لکھنے والے بہت ہی کم لوگوں نے اس انداز سے بات کی ہے، دورِ حاضر میں ''الربو'' کے نام سے ایک مصری محقق نے بڑی شاندار کتاب لکھی ہے جو قابل مطالعہ ہے پھر سود نامی کتاب مولانا مودودی نے بھی لکھی لیکن مصری محقق نے جس تفصیل سے الربو لکھی ہے، اس تفصیل سے مودودی صاحب نے نہیں لکھی، امام غزالیؒ فرماتے ہیں، کہ یہ اللہ کریم کی حکمت ہے کہ ایک طرف تانبہ اور ٹھوس فولاد ہے، دوسری طرف نرم اشیاء ہیں، مثلاً غذا والی اشیاء تیسری وہ چیز ہے جو نہ سخت ہے نہ نرم اس کو اللہ کریم نے اجناس کے تبادلے کا ذریعہ بنا دیا ہے، وہ سونا چاندی ہیں، اس وقت بھی خواہ وہ نوٹوں کا کاروبار ہو، اس کا مالی مدار سونے اور چاندی کے ذخائر پر ہے، اور دنیا کا سارا مالی نظام ان دو جنسوں پر چل رہا ہے، اب ایک آدمی کو غلے کی ضرورت ہے وہ اسے کس سے تبدیل کرے، اس تبدیلی کے مسئلے کو اللہ کریم نے دو جنسوں سے حل فرما دیا ہے، اب چونکہ یہ دو جنسیں اتنی فراواں تھیں کہ تمام سکے انہی میں ڈھال دیئے جاتے، جب انسان کی ابتدائی حیثیت تھی تو اس کی آبادی بہت کم تھی، لہذا اس وقت سونے اور چاندی کا سکہ ڈھالا جاسکتا تھا، جب آبادی بہت بڑھ گئی ہے تو اس آبادی کی نسبت سے یہ بات نہیں ہوتی، آغاز کیسے ہوا مغرب کے تاجروں نے ایک چٹ بنائی اس پر یہ بات لکھی تھی کہ یہ ہمارا نمائندہ ہے اسے اتنے پیسے دیدیئے جائیں، اس چٹ پر اسے پیسے ملنے لگ گئے، یہ چٹ آگے جا کر نوٹ کی شکل اختیار کر گئی، خواہ وہ پاکستانی نوٹ ہو، امریکی ڈالر ہو یا برطانیہ کا پاؤنڈ ہو۔ اب آپ کے نوٹ پر یہ لکھا ہوتا ہے، کہ حامل ہذا کو بنک آف پاکستان۔ اس کے مطالبے پر اس کی قیمت ادا کر دے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ نوٹ کی قیمت وہ نہیں ہے، اب آپ کے پاس ایک ہزار کا نوٹ ہے کیا اس کاغذ کی قیمت ہزار روپے ہوسکتی ہے، اس ضمانت کو جب آگے لے کر چلیں گے یا سونے میں یا چاندی میں تبدیل کریں گے، اب سامنے انسانی ضرورت آگئی، سرکار علیہ السلام نے یہاں ایک بات فرما دی، کہ ''خبردار سونے کی جنس کو سونے کی جنس سے برابر برابر مت تبدیل کرو، چاندی کی جنس کو چاندی کی

جنس سے برابر کو چھوڑ کر زائد کی صورت میں مت تبدیل کرو، گندم کو گندم کے مقابلے میں زائد کی صورت میں مت تبدیل کرو، اب تبدیلی میں اضافہ کب آئے گا جب اس کے ساتھ آپ کی محنت اور کام شامل ہوگا، جب محنت اور کام شامل ہوگا تو اس اضافے کو اسلام نے خرید وفروخت قرار دیا ہے، جب آپ کی محنت اور کام ساتھ شریک نہیں ہوگا تو جو فالتو پیسہ اس نوٹ پر آپ وصول کر رہے ہیں اس کے ساتھ وہ کیفیت باقی نہیں ہے جو اسلام کی بنیادی شرط ہے۔ لہذا اسے سود قرار دیا جائے گا۔

دور حاضر کا ایک سوال

اب ایک سوال جو دور حاضر میں ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس دور میں جب اسلام نے منع کیا تھا تو وہ سارے کا سارا سود انفرادی سود تھا اجتماعی سود نہیں تھا، اور اس مغالطے کو قوم نے مختلف انداز سے اپنایا، کہ کسی بندے کو ضرورت ہوتی تھی وہ کسی بندے کے پاس جاتا تھا، وہ اسے کہتا کہ میں آپ کو پانچ من غلہ دیتا ہوں لیکن جب غلہ اترے گا تو آپ نے مجھے سات یا آٹھ من دینے ہیں، میں آپ کی ضرورت کے تحت آپ کو پیسہ دے دیتا ہوں، لیکن اتنے عرصے کے بعد جب آپ واپس کریں گے، تو اس صورت میں ہزار کے ساتھ پانچ سو دینا ہوگا، تو انہوں نے زیادہ زور اس پر دیا کہ وہ انفرادی سود تھا، لہذا امالیاتی نکتہ نگاہ سے حکومتیں جو سود دیتی ہیں وہ اس میں شامل نہیں ہے، اور اس کی کوئی بھی مثال اس دور کی تاریخ میں نہیں ہے، کہ کہیں اجتماعی پیسہ سود کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔

ایک واضح مثال

جب مسلمانوں کے مقابلے میں جنگ بدر میں مکہ کے لوگ شکست کھا گئے تھے، تو اب اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے انہوں نے ایک تجارتی قافلہ تیار کیا تھا، اس قافلے کو مکہ کے ہر گھر نے پیسے دیے تھے، یہ پیسہ جب ابوسفیان لے کر نکلا تھا تو اس نے اس پر باقاعدہ سود کی شرح مقرر کی تھی، کہ جو میں کما کر لاؤں گا اس میں اتنا اتنا آپ کو سود دیا جائے گا، آپ مجھے بتائیں کہ کیا یہ اجتماعی سود تھا یا نہیں؟ اس قسم کے اور بے شمار واقعات ہیں جو اس دور کی تاریخ میں ملتے ہیں، اور پھر صرف عربوں پر موقوف نہیں، آپ اگر قدیم ایرانی تاریخ کا مطالعہ کریں تو وہاں بھی معلوم ہوگا کہ کسریٰ قوم سے پیسے لے رہا ہے، اور سود کے ساتھ [illegible] واپس کر رہا ہے، اگر آپ شام کی قدیم تہذیب کو دیکھیں وہاں قیصر موجود تھا، وہاں بھی وہ اجتماعی انداز سے رقم وصول کر رہا ہے، اور اجتماعی سود دے رہا ہے، اس سلسلے میں آپ تمدن عرب نامی کتاب جو اردو میں ترجمہ ہوگئی ہے، اس کی تفصیل ملاحظہ فرما سکتے ہیں، اب اسلام انفرادی انداز سے جو قوم کے بہت ہی کم طبقے کا فعل ہے وہاں اگر سود کو حرام قرار دیدے اور اجتماعی انداز سے جہاں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں شکار نہیں مار رہیں بلکہ بڑے بڑے مگرمچھ شکار مار رہے ہیں، ان مگرمچھوں کو اگر سود کے لین دین کی اجازت مل جائے تو یہ اسلام کے اقتصادی نظام پر الٹی چھری چلانے کے مترادف ہے لہذا اسلام نے ہر اس سود کو جو کسی انداز سے

Marfat.com

بھی بلا معاوضہ مال کے اضافے کی صورت میں آتا ہے، اسے جائز قرار نہیں دیا، چونکہ قرآن پاک اس معاشرے میں اتر رہا تھا جس کی گھٹی میں دو باتیں تھیں، ایک طرف سود تھا تو دوسری طرف شراب تھی، ان دونوں کی حرمت کو بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا، لیکن ایک بات جو سود کے سلسلے میں کہی وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آگئی ہے، جو ہو چکا ہے وہ ہو چکا ہے، اب آئندہ اس بات کو چھوڑ دو۔ اسلام نے یہ نہیں کہا یہ زیادتی تھی کہ انہیں کہا جائے کہ آج تک جو سود لے چکے ہو وہ واپس کرو، یہ بات نہیں کہی فرمایا جو اس سے قبل ہو چکا ہے اس سے ہم درگزر فرماتے ہیں، آئندہ ایسا نہ کرنا، اب اگر ایسا کرو گے تو اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بناؤ گے۔

اب اس آیت کے ساتھ سرکار علیہ السلام کے اس عمل مبارک کو ملالیں جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے مبارک خطبے میں ارشاد فرمایا، کہ جاہلیت کا سارا سود میرے پاؤں کے نیچے ہے، اور سب سے پہلے میں اس سود کو معاف کر رہا ہوں جو عباس بن عبد المطلب کا سود تھا، (یعنی میرے چچا کا سود) میں اپنے گھر سے آغاز کرتا ہوں، تو جو سود کے پیسے ان لوگوں کے ذمہ ہیں وہ عباس کو مت دیں، میں نے سود کو اپنے پاؤں مبارک کے نیچے مسل دیا ہے، آج سے پہلے جو تعصبات کی وجہ سے قتل تھے، انہیں بھی میں نے اپنے پاؤں کے نیچے مسل دیا ہے، اور سب سے پہلے ہاشمی خاندان کے فلاں بندے کے قتل کو میں معاف کر رہا ہوں، جو معاشرے کو تبدیل کرنے والا قائد ہوتا ہے، وہ ایک لکیر کھینچ دیتا ہے، اور اس کے پیروکار اس پر عمل کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے، کہ معاشرے پر اس کی گرفت کتنی ساری ہے، اب سرکار علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد میں چیلنج کرتا ہوں کہ تاریخ سے کسی ایک صحابی کا نام دکھایا جائے جس نے اس کے بعد ایک پیسہ بھی سود کا لیا ہو، معلوم ہوا کہ ہادی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے غلاموں پر کس انداز سے اخلاقی تہذیبی، تمدنی اور قانونی اثر ہے، اللہ کریم سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، معاشرتی طور پر سود خور معاشرے میں ذلیل ہوتا ہے، اور اس کے اندر کی بھوک ہر وقت ''ھل من مزید'' کا نعرہ مارتی ہے کہ کیا اس سود کو کسی اور طریقے سے بڑھایا جا سکتا ہے، قیام پاکستان کے بعد یہاں استحصالی قوتوں نے استحصال کو چھوڑ کر استیصال کو اپنایا۔

استحصال اور استیصال میں فرق

استحصال کا مطلب یہ ہے کہ اتنا کچھ حاصل کر لینا جتنا حاصل کرنا آپ کا حق نہیں ہے، اور استیصال کا مطلب یہ ہے کہ جس کو آپ نے سود پر پیسہ دیا ہے، اسے اس طریقے سے لوٹیں کہ اس کی جڑیں اکھاڑ دیں۔ دوسرا لفظ اصل سے بنا ہے، اس کا مطلب ہے کہ اصل کی نفی ہو جائے تو عربی لغت میں استیصال بنتا ہے، اب آپ استیصالی انداز سے چلیں گے تو بہت جلد اس معاشرے کی کیفیت یہ ہو گی کہ لوگوں کی قوت خرید بالکل ختم ہو جائے گی، اور دوسری نسل تک جاتے ہوئے شاید وہ لوگ جو اچھے خاصے کھاتے پیتے تھے، وہ بالکل تباہ ہو جائیں گے، اور پھر جو قومیں اپنی اقلیتوں کو استیصالی انداز سے لے لیتی ہیں وہاں اقلیتیں

Marfat.com

تھوڑے ہی عرصے میں بالکل تباہ ہو کر رہ جاتی ہیں، لہذا اسلام نے استیصال کو تو جڑ سے ہی ختم کر دیا، اور سود کے انداز میں استحصال کی اجازت قطعاً نہیں دی، اب جو قومیں سود خور ہوتی ہیں اور کسی اقلیت کو ختم کرنا چاہتی ہیں اس کی بدترین مثالیں ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں موجود ہیں جب استیصالی قوتیں برسرِ اقتدار آ جاتی ہیں تو اقلیتوں کے لیے ایک مصیبت بن جاتی ہے۔ پاکستان واحد ملک ہے جو اقلیتوں کے لیے بے پناہ زرخیز ہے، یہاں پہلے مرزائی کس انداز سے چل رہے تھے، اب عیسائی کس انداز سے چل رہے ہیں، کہ یہاں ایک بھنگی مر جائے تو امریکہ کا صدر آپ سے احتجاج کرتا ہے، لیکن بوسینیا میں دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے ڈاکٹروں کو کہہ دیا جائے کہ آج تک آپ لوگوں کے آپریشن کرتے رہے ہیں آئیے آج ہم آپ کا آپریشن کرتے ہیں، اور دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے انہیں سینوں سے چیر دیا جائے، تو وہاں تو کسی نے اف تک نہیں کی، جو کچھ کشمیر میں ہو رہا ہے اس پر کسی نے اف تک نہیں کی، تو اب قرآن پاک نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا ہے، بنیادی طور پر سود اور صدقات میں فرق یہ ہے، کہ صدقات ہوتے ہیں نیچے والے طبقے کو اوپر اٹھانے کے لیے اور سود ہوتا ہے، انہیں اور نیچے اتارنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نیچے والے طبقے ضعفاء اور مستضعفین کو مارنے کی اجازت نہیں دیتا، اور سرکار علیہ السلام نے تو بڑی نفیس بات ارشاد فرمائی کہ نیچے والوں پر رحم کرو، کہ تمہیں انہیں کی وجہ سے رزق ملتا ہے، اب اس کی ایک شرح وہ ہے جو صوفیاء نے فرمائی ہے کہ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے تو تمہارا بھلا ہو جاتا ہے، اور ایک وہ ہے جو اقتصادی ماہرین نے کی ہے، کہ آپ کی فیکٹریاں مزدور چلا رہا ہے، سرمایہ دار نے سرمایہ خرچ کرنا ہے قوت ساری مزدور کی ہوتی ہے، آپ کے مکانوں کی تعمیرات مزدور کر رہا ہے، آپ وسیع رقبے میں گندم بوتے ہیں تو اسے مزدور کاٹ رہا ہے، آپ اس ضعیف کو درمیان سے نکال دیں پھر آپ مجھے بتائیں کہ آپ کی اقتصادی گاڑی کتنی دیر تک چلتی ہے، لہذا ماہرین نے یہ کہا کہ نیچے والا طبقہ تمام کام سنبھال رہا ہے، وہ آپ کو سہولتیں فراہم کر رہا ہے، تو اوپر والے طبقے کا یہ فرض ہے کہ اس کی دستگیری کرے، یہ اسلام کا اصول ہے، اور سرمایہ دار یہ کہتا ہے کہ وہ جو بھی دونوں ہاتھوں سے کمائے میں اسے ایک ہاتھ سے چھین لوں ایسا اب اگر یہ چھین لیتا ہے تو معاشرہ اوپر اٹھ نہیں سکتا، اگر یہ استیصالی ہے تو نسل ہانسل تک بات نہیں بن سکتی۔

تاریخ اسلام ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جو غلام تھے وہ چند سالوں کے بعد بادشاہِ وقت بنے، میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کیا عیسائی، یہودی اور کیمونزم یہ بات دکھا سکتے ہیں کہ انہوں نے غلاموں کو اقتدار دیا ہو؟ لیکن ہم نے غلاموں کو اقتدار دیا، آپ کے ہاں برصغیر میں خاندان غلاماں رہا، اور مصر میں بھی رہا، اور یہ بڑی عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ جب ساری اسلامی آزاد حکومتیں چنگیز خان اور ہلاکو خان کے ہاتھوں پٹ رہی تھیں، تو جنہیں چنگیز اور ہلاکو تباہ نہیں کر سکے، وہ خاندان غلاماں برصغیر و مصر کا تھا، وہ شکست نہیں کھا سکے، میں جب اس کی گہرائی میں جاتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے، کہ ہم غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں رہے تھے، لہذا ہم مار کھا گئے، اور جو غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے وہ مار نہیں کھا سکے، اور وہ چنگیز اور ہلاکو کی فوجوں کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے اور ان کے دانت کھٹے کر دیے۔

Marfat.com

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے، اور انہوں نے نماز کو قائم کیا

وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اور زکوۃ ادا کی (نماز آپ کی شخصیت کو سنوارنے کے لیے، زکوۃ معاشرے [illegible] کے لیے ہے) تو ان کے لیے انکے رب کے ہاں اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہے

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٧﴾

نہ وہ غم کھائیں گے ۲۷۸

۲۷۸ معلوم ہوا کہ مال بھی انسان کے باطن کی تطہیر (پاک) کرتا ہے، اور عبادت بھی اندر کو پاک کرتی ہے، اور اندر کی پاکیزگی راہ اولیاء ہے، سرکار علیہ السلام کے غلاموں کا راستہ ہے اس بات سے دنیا و آخرت سنور جاتی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ اے ایماندارو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو

وَذَرُوا۟ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟

چھوڑ دو جو سود باقی رہ گیا ہے، اگر تم مومن ہو (یہاں شرط لگائی کہ اگر مومن ہو تو سود کو چھوڑ دو) اور اگر نہیں چھوڑ دو گے تو مومن نہیں رہو گے)، اگر تم نے ایسا نہیں کیا (اسلام کے اقتصادی نظام کو سود سے پاک نہیں کیا)

فَأْذَنُوا۟ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ

تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے ۲۷۹، اگر توبہ کر لو گے تو تم کو اپنی اصل

أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ وَإِن كَانَ

رقم لینے کا حق ہے، نہ تم کسی سے زیادتی کرو، نہ تم پر زیادتی ہو اور اگر ہو (وہ مقروض)

Marfat.com

میں نہیں آئی ہیں، مثلاً سرکار علیہ السلام پر وحی کیسے آئی تھی، وہ وحی الفاظ کا جامہ کیسے پہنتی تھی، فرشتوں کی اصلیت کیا ہے، جنت دوزخ اور آخرت کیا ہیں، یہ بھی غیب ہیں، ایک غیب وہ ہے، جس کا حصول آسان مگر نظروں سے اوجھل ہے، لیکن ہم اسے حاصل کر سکتے ہیں، وہ علم جو آپ نہیں جانتے وہ غیب ہے، لیکن جب اسے جان لیں گے تو وہ شہادت میں تبدیل ہو جائے گا، آپ دیوار کی ایک طرف بیٹھے ہیں، دوسری طرف کوئی چیز ہے وہ غیب ہے لیکن جب اسے دیکھ لیں گے تو جان لیں گے تب وہ غیب نہیں رہے گا

علمی بحث ☆ ایک غیب وہ ہے جو عقل وشعور سے باہر ہے، یہ سب سے بڑا غیب ہے، اور وہ ذاتِ ربانی ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے غیب ہیں، جو عقل سے باہر ہیں، لیکن خواص کی عقلیں وہاں پہنچ جاتی ہیں، وحی کی اصلیت کیا ہے، فرشتے کی اصلیت کیا ہے، جنت ودوزخ یا آخرت کی اصلیت کیا ہے، آگے چل کر قرآن میں بحث آئے گی، کہ بعض ذہن وہاں کیسے پہنچ جاتے ہیں۔ ایٹم بم کی تباہی جب تک نہ پھٹے غیب ہے مگر جب سامنے ہو تو علم شہادت میں تبدیل ہو جاتا ہے اسی طرح اچھے اخلاق جب تک نہ ہوں غیب ہے سامنے ہوں تو علم شہادت ہے، اس سے اوپر غیب کی جتنی بھی قسمیں بیان ہوئی ہیں، ان کو ماننے کا سب سے بڑا ذریعہ سرکار علیہ السلام کی زبانِ رسالت ہے، معلوم ہوا کہ غیب کی دنیا تک پہنچانے کا ذریعہ آپ ہی کی واحد ذاتِ اقدس ہے، لیکن یہاں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طریقے سے کمال پیدا کرایا، صحابہ کی محفلوں میں یہ بات ارشاد فرمائی، کہ غیب کی دنیا تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہو تو **"موتوا قبل ان تموتوا"** (موت سے پہلے اپنے اوپر موت طاری کرلو) یہ موت سے پہلے موت کیسے طاری ہوتی ہے؟ جب آپ اپنا سارا وجود رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے کر دیتے ہیں، کہ آقا! یہ ایک سفید کاغذ ہے جو پسند فرمائیں اس پر لکھ دیں، جب یہ بات ہوگی تو غیب کی دنیا سے آپ کا رابطہ قائم ہو جائے گا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے گزر رہے تھے، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! جو آخرت کے بندے کو دیکھنا چاہے وہ ابوبکرؓ کو دیکھ لے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں رہتے ہوئے وہ دنیا سے باہر تھے، تو یہ گر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس انداز سے سکھایا کہ کاملینِ امت نے ان کیفیات کو اپنے وجود پر وارد کرلیا، اور وارد کرنے کے بعد وہ غیب جو غیب تھا مشاہدے میں تبدیل ہو گیا، غور فرمائیں کہ سب سے بڑا غیب اللہ کی ذاتِ اقدس ہے، تو سرکار علیہ السلام سے یہ غیب چھپا نہیں ہے، تو جس سے غیب الغیوب نہ چھپے اس سے کائنات کی کوئی اور حقیقت چھپ نہیں سکتی۔

"ویقیمون الصلوٰۃ" (یصلون نہیں فرمایا، نماز پڑھنے اور قائم کرنے میں بہت بڑا فرق ہے) پڑھ لینے سے نماز تو ہوگی، مگر اس کے ظاہری وباطنی آداب ملحوظ خاطر نہ رکھیں تو نماز قائم نہ ہوگی، قرآن کے ایک عظیم مفکر نے کیا خوب فرمایا کہ "التقوی ان لا یرک اللہ حیث نہاک، ولا یفقدک حیث امرک" (پرہیزگاری یہ ہے کہ اللہ تجھے وہاں کبھی نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے تجھے

Marfat.com

ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ

تنگ دست تو اسے مہلت دینی ہے کشادگی تک، اور اگر تم بخش دو تو وہ تمھارے لیے بہتر ہے

إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى

اگر تم جانو — اور ڈرو اس دن سے جس میں لوٹ کر جاؤ گے

اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۸۱﴾

اللہ کی طرف، پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو اسکی کمائی کا اور ان پر ظلم وزیادتی نہ کی جائے گی

دومقامات پراعلان جنگ

۹۷۷ اللہ تعالیٰ اور سرکار علیہ السلام کی طرف سے دومقامات پر اعلان جنگ ہے ایک اقتصادی نظام میں کہ اگر یہ نظام سود پر چل رہا ہے تو اعلان جنگ ہے دوسرا سرکار علیہ السلام نے فرمایا! ''من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب''۔ جو میری محبت کی وجہ سے ولی سے عداوت رکھتا ہے تو میری طرف سے اس کے لیے اعلان جنگ ہے، اللہ والوں سے دشمنی جنگ کے مترادف ہے، اب آپ اندازہ لگائیں کہ پچھلی تین صدیوں سے اسلامی ممالک سارے کے سارے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم علیہ السلام کے ساتھ اعلان جنگ کیے بیٹھے ہیں، کیونکہ ان تمام ممالک کا اقتصادی نظام سود پر چل رہا ہے، اور سود بھی اس انداز سے کہ جو عام لوگوں کو ان کی قوت خرید سے باہر نکال رہا ہے، اس کو تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے، اقبال کا نظریہ، یہ تھا کہ جو نظام مغرب کی طرف سے ہمیں ملا ہے، اس کی کسی ایک شاخ کے ایک حصے کو آپ تبدیل کریں گے تو بات نہیں بنے گی، اس سارے نظام کو بلا سود بنکاری میں تبدیل کرنا ہوگا، تب متبادل قوت کے طور پر اسلام آئے گا، میں ماضی قریب کی جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہوں تو یہ بڑی مایوس کن کیفیت سامنے آتی ہے، کہ کچھ اسلامی ممالک میں جہاں مسلمان جماعتیں طاقت ور تھیں، اگر کسی مجبوری کے تحت اسلام کا نظام لانے کی کوشش کی گئی، تو انہوں نے اسلام کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا (پیوند) مغربی استعمار کی بہت بڑی قمیض پر لگانے کی

Marfat.com

کوشش کی۔اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ کہ جب سارا نظام نہیں بدلے گا تو اس چھوٹی سی ٹکڑی کو لگانے سے اسلام مزید بدنام ہوگا۔

پاکستان میں آپ اگر اپنی قانونی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہاں جب وہ اسلام لانا چاہ رہے تھے تو کس بے دلی سے آیا سب سے پہلے زمین کی وراثت کو اسلام میں لانے کی کوشش کی گئی، یعنی اقتصادی نظام کو نہیں بدلا۔اب اڑھائی، تین سو سالوں سے انگریز کی وجہ سے بچیوں کو حق نہیں مل رہا تھا،اور اس وقت کوئی نہیں کہتا تھا کہ یہ ظلم ہے کیا وہ والدین کی بیٹی نہیں؟ وہ بیٹوں کو دے جاتا تھا، سات آٹھ نسلیں اس غلط انداز پر چل رہی تھیں،اور قانون نافذ کرنے والوں نے دیکھا کہ یہ لوگ زمین جب تقسیم ہو کر بچیوں کو ملے گی،تو چیخ اٹھیں گے کہیں گے کہ ہم ایسے اسلام سے باز آئے،اب جب یہ بات کہی جاتی ہے، کہ معاشرے میں مساوات نہیں ہے،تو کیا یہ جو مساوات کے علمبردار ہیں،اس وقت انہوں نے ٹھنڈے پیٹوں اس قانون کو تسلیم کر لیا تھا، کہ بچیوں کو حصہ مل جائے ،اسے قبول کرنے کے لیے یہ تیار نہیں تھے،اور خاص طور پر ہمارا جاگیردار طبقہ یہ سمجھ رہا تھا کہ ہمارے پاس ہزار ہا کی تعداد میں مربعے ہیں،اگر یہ بچی کو مل جائیں گے،تو نتیجہ برا ہوگا،آپ مجھے بتائیں کہ اگر اسلامی نکتہ نگاہ سے زمین تقسیم ہو تو بڑی سے بڑی جائیداد چار پانچ پشتوں میں بغیر کسی ایسے انقلاب کے جو ناجائز ذرائع سے لایا گیا ہو،جس طرح روس اپنے ملک میں انقلاب لایا تھا،(زمینوں پر قبضہ کرنے کے لیے) کیا چار، پانچ نسلوں کے بعد وہ زمین ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جائے گی؟ اور یہ انقلاب خونی انقلاب نہیں ہوگا، بلکہ ایک آئینی انقلاب ہوگا لیکن ہم نے آئینی انقلاب کے راستے بند کر دیے ہیں۔

قرآن پاک نے فرمایا کہ ہم ظلم نہیں کریں گے،'' وان تبتم '' اگر تم توبہ کو لو تو تمہارے اصل مال جسے سود کی اصطلاح میں اصل زر کہا جاتا ہے،وہ تمہیں واپس کر دیا جائے،نہ تو تم ظلم کرو، کہ غریب کا استیصال کرو،اور نہ تم پر زیادتی کی جائے، کہ اصل مال تم سے چھین لیا جائے، وہ تمہیں واپس کر دیا جائے گا۔'' وان کان ذو عسرة '' اگر وہ بندہ جس نے آپ کا سود دینا ہے وہ تنگ دست ہے۔ ''فنظرة الی میسرة '' اسے مہلت دو اس کی خوشحالی تک۔لیکن اب عظمتِ اخلاق یہ ہے کہ۔'' وان تصدقوا خیر لکم '' . اگر خیرات کر دو وہ تمہارے لیے بہتر ہے،اگر تمہیں علم ہو کہ اس طریقے سے معاشرے میں باہمی محبت کتنی پیدا ہوگی۔مثلاً ایک آدمی کو آپ نے سود پر دس ہزار روپے دیے تھے،آپ نے اصل زر واپس لیا اور سود چھوڑ دیا وہ بے حد ممنون ہوگا، کہ آپ نے سود معاف کر دیا ہے، جب وہ ادائیگی کرنے آیا ہے،تو آپ نے پھر کہا کہ تین ہزار اور نہیں لیتا، سات ہزار دے دو، یا وہ ادائیگی کرنے کو آیا ہے،اور آپ کو اللہ کریم نے مختلف ذرائع سے بہت سی دولت عنایت فرما دی ہے،اور آپ نے کہا کہ آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں بچیاں شادی کے قابل ہیں، میں یہ تمام رقم معاف کرتا ہوں،اس کا ہاتھ اٹھے گا اور آپ کی آخرت سنور جائے گی، جب یہ بات معاشرے میں آئے گی تو اس کے ساتھ الفت و محبت اور چاہت آئے گی، کل آپ کسی مشکل میں ہوں تو وہ بندہ آپ کے اوپر اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار ہوگا،لیکن کیا یہ سود کی وجہ سے ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں ہو سکتا تو پھر

Marfat.com

اسلام کا اقتصادی نظام بہت ہی ارفع اور اعلیٰ ہے۔

"**واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ**" تم اس دن سے ڈرو جس دن تمہیں اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجا جائے گا، حساب لینے والا اللہ کریم ہوگا، جس سے تمہاری زندگی کا کوئی گوشہ پوشیدہ نہیں ہے، وہاں کیا ہوگا۔"**ثم توفی کل نفس ما کسبت**" پھر وہاں ہر جان کو پورا پورا دیا جائے گا، جو بھی اس نے کمایا تھا، یعنی اس کی نیکی کے معاوضے اسے پورے انداز سے ادا کیے جائیں گے، اس میں کمی نہیں ہوگی۔"**وھم لا یظلمون**"۔ان پر زیادتی نہیں ہوگی، یہاں یہ اس معنی میں ہے کہ کمی نہیں کی جائے گی، جو کیا ہے اس کا اجر پورا دیا جائے گا۔اب معاشرتی انداز سے آپ قرضہ لیتے ہیں اس کے لیے اسلام نے تین چار پابندیاں لگا دیں یہ اس معاشرے کی بات ہے جو ابتداء میں بالکل ان پڑھ تھا، اور آگے اس میں حسین مثالیں حدیث میں آئیں اور امتِ مسلمہ نے اجتہادی انداز سے بہت سے اضافے کئے قرآن پاک کی یہ سب سے لمبی آیت ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى

اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کو قرض دو ایک مدت مقررہ تک تو اسے لکھ لیا کرو ۲۸۰

فَٱكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ

اور چاہیے لکھے تمہارے درمیان لکھنے والا عدل و انصاف سے اور نہ انکار کرے

كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ

لکھنے والا لکھنے سے جیسے سکھایا ہے اس کو اللہ نے پس وہ بھی لکھ دے اور لکھوائے وہ شخص

ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ وَلْيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ

جس کے ذمہ حق (قرضہ) ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے اور کمی نہ کرے اس سے ذرہ بھر

فَإِن كَانَ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ

پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے بے وقوف ہو یا کمزور ہو یا اس کی طاقت نہ رکھتا ہو

Marfat.com

أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ

کہ خود لکھا سکے تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے اور بنالیا کرو دو گواہ

مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ

اپنے مردوں سے اور اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں

مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ

ان لوگوں میں سے جن کو پسند کرتے ہو تم (اپنے لیے) گواہ تاکہ اگر بھول جائے ایک عورت تو یاد کرائے (وہ)

إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا

ایک دوسری کو اور نہ انکار کریں گواہ جب بلائے جائیں اور نہ اکتایا کرو

أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ

اسے لکھنے سے خواہ (رقم قرضہ) تھوڑی ہو یا زیادہ اس کی میعاد تک یہ تحریر عدل قائم کرنے کے لیے

عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ

بہت مفید ہے اللہ کے نزدیک اور بہت محفوظ رکھنے والی ہے گواہی کو اور آسان طریقہ ہے تمہیں شک سے بچانے کا مگر یہ کہ

تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

سودا دست بدستی ہو جس کا تم لین دین آپس میں کرو (اس صورت میں) نہیں تم پر کچھ حرج

أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ

اگر نہ لکھوا سے اور گواہ بنالیا کرو جب خرید و فروخت کرو ضرر نہ پہنچایا جائے لکھنے والے کو

وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا

اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ نافرمانی ہوگی تمہاری اور ڈرا کرو

Marfat.com

وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

اللہ سے اور سکھاتا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ (آداب معاشرت) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

۲۸۰ اے ایماندارو! جب تم ایک دوسرے سے قرضہ لو ایک مقررہ عرصے تک تو اسے لکھ لو، تمہارے درمیان بڑے انصاف سے کوئی لکھنے والا لکھے (اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون کی زبان ہوتی ہے اس کو بہت کم لوگ جانتے ہیں یہاں سے وثیقہ نویسی کا ثبوت مل گیا کہ جو قانونی زبان سمجھتا ہے وہ لکھے) لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے تعلیم دی ہے، اس کے مطابق ٹھیک لکھ دے، (اب لکھوائے گا کون کیا وہ جو قرضہ دے رہا ہے یا وہ جو قرضہ لے رہا ہے) تو قرآن نے کہا کہ لکھائے وہ جس پر حق ہے، یعنی جس نے واپس ادا کرنا ہے، وہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے، (یہ پیسہ اس کا پالنے والا نہیں ہے، اور اس سے کوئی چیز کم نہ کرے، یعنی لکھائی کے دوران لکھنے والے سے ساز باز کر کے یہ کہہ دے کہ میں لاکھ تو بولوں گا لیکن آپ نے ایک صفر چھوڑ دینا ہے، تاکہ اسے دس ہزار میں تبدیل کیا جاسکے، تو وہ یہ بات نہ کرے، اگر جو لکھانا چاہتا ہے) وہ زبان و بیان کو نہیں جانتا تو پھر کیا ہو، اگر وہ آدمی جس پر حق ہے وہ کورا ہے (یعنی اسے لکھانے کا شعور نہیں ہے، یہ مطلب نہیں کہ وہ پاگل ہے ہمارے بہت سے مترجمین نے اس کا معنی پاگل کیا ہے، اگر وہ پاگل ہے تو اسے قرضہ دے گا کون) یا وہ ضعیف ہے اس کی عمر کم ہے یا وہ بے حد بوڑھا ہو گیا ہے اور اس میں لکھانے کی صلاحیت نہیں ہے، یا وہ زبان نہیں جانتا، جس میں آپ نے لکھانا ہے، ان تین صورتوں میں اس کا کارندہ اسکا ولی انصاف کے ساتھ لکھا دے، لیکن اس تحریر کو مضبوط بنانے کے لیے گواہ بنالو، دو گواہ اپنے مردوں میں سے یعنی وہ مسلمان ہوں، اگر وہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی لکھ دیں، وہ گواہ ایسے ہوں جو تمہیں پسند ہوں، گواہ ناپسندیدہ نہ ہوں، ناپسندیدہ گواہ وہ ہوتا ہے جسے عدالت قبول نہ کرے، اب شریعت نے گواہی نامنظور کرنے کے لیے کچھ شرائط رکھی ہیں، مثلاً وہ فاسق و فاجر نہ ہو، اس کا بیٹا، باپ، بھائی یا ذاتی نوکر نہ ہو، کہ یہ تو جب بھی گواہی دیں گے اسی کے حق میں دیں گے، لہذا ایسا بندہ جو اس کے خلاف گواہی دے ہی نہیں سکتا، ایسا بندہ نہ ہو

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کیس میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کیا تھا جج نے نامنظور کر دیا، آپ نے اپنے غلام کو پیش کیا جج نے نہ مانا۔ وہ امیر المومنین، اور تحصیل کے لیول کا ایک جج! لیکن وہاں تو کوئی آرڈیننس نافذ نہیں ہوا۔ اس انصاف کو دیکھ کر وہ یہودی مسلمان ہو گیا، جس نے دعویٰ کیا تھا۔

عورتوں کی گواہی کے لیے فرمایا کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد کرا دے، قرآن پاک نے یہ علت بیان کی وہ گھریلو معاملات میں پھنسی ہوئی ہیں، خواتین کو عدالت میں گواہی دینے کا انداز معلوم نہیں ہوتا، لہذا وہ ایک دوسری کی معاون بن جائیں، اس مسئلے کو ہمارے ملک میں بڑا اچھالا گیا کہ عورت کی گواہی آدھی کیوں ہے، اس پر کسی اور مقام پر بحث کروں گا، لیکن ایک اور بات یہ ہے کہ وراثت کے بارے میں " للذکر مثل حظ الانثیین " کہا، کہ دو خواتین کو جتنا ملے گا، ایک مرد کو اتنا ملے گا، یعنی بھائی کو دو بہنوں کے برابر ملے گا، چونکہ اس صورت میں بہن کم لے رہی تھی تو پورے پاکستان میں بھائی صاحب نہیں بولے، اور جب بہن کی شہادت کے لیے بات ہوئی تو طبیعت بگڑ گئی، چونکہ عدالت کا انداز ہر دور میں سوائے خلافت راشدہ کے دور کے اچھا انداز نہیں رہا، عدالتوں میں وکلاء حضرات جس انداز سے جرح کرتے ہیں ایک تقدس مآب خاتون کو ان عقابوں کے ہتھے چڑھا کر اس کی عظمت کو تار تار کرنا ہوتا ہے، لہذا اسلام نے بے پناہ کوشش کی کہ بہن، بیٹی اور ماں عدالت میں حاضر نہ ہو سکے، اس بات سے اسلام نے منع کیا ہے، ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ باپ کی طرف سے بھی اور خاوند کی طرف سے بھی عورت نے وراثت لینی ہے، کیا وہ وراثت پھر بھائی کے مقابلے میں پوری ہو جائے گی یا نہیں؟ لیکن بھائی کو تو کسی اور طرف سے نہیں ملتی، ان اسلامی باریکیوں پر غور نہیں کیا گیا، اور انگریزی قانون کی زد میں یہ بات کہہ دی گئی، کہ یہ تو ہم پر ظلم ہو رہا ہے، جیسے مینڈک کو کنوئیں میں کیا خبر کہ سمندر کی وسعتیں کیا ہیں، انسانوں کا بنایا ہوا لولھا لنگڑا آئین اس کے تحفظ کے لیے ہم تین چار سو سالوں سے پوری اسلامی دنیا میں محو ہیں، اور ہماری یہ کوشش ہے کہ کہیں وہ کتاب جو کتاب انقلاب ہے کہیں کسی ملک میں آ نہ جائے۔

اور میں نے سابق مرحوم صدر جناب ضیاء الحق صاحب کو ایک خط میں لکھا تھا کہ اگر آپ پاکستان میں اسلامی اقتصادی نظام کو لے آئیں اور اس کے دلائل اور فوائد یہ ہیں، تو امریکہ کے لوگ کہیں گے کہ پاکستان ایک ترقی پزیر ملک ہے، وہ اگر منافع بیس سے پچیس فیصد دے سکتا ہے، تو امریکہ پچاس اور ساٹھ فیصد کیوں نہ دے، لہذا وہی نظام لایا جائے، جو بہت زیادہ رقم دلا سکے، اس طریقے سے ان ڈائریکٹ آپ اسلام کے اقتصادی نظام کو دنیا پر غالب کر دیں گے، کیونکہ مغرب پیسے کی دوڑ میں ہے، اگر پاکستان بیس پچیس فیصد تک بنکوں میں منافع دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ مضاربت اور اشتراک کی بنیاد پر ہو، موجودہ نظام کے تحت نہ ہو، اسے آپ نہ مضاربت کہہ سکتے ہیں نہ مشارکت، لہذا یہ منافع نہیں ہے، یہ سود ہے، آخر آپ کے بنکار کو کس قانون نے اجازت دی ہے کہ آپ کے پیسے سے وہ سارا منافع لے جائے، اور آپ کو چھ فیصد پر ٹرخا دے، اور آپ اس پر مطمئن ہوں، اور اس نظام کو لانے کے لیے ہاتھ پاؤں نہ ماریں جو اسی پر آپ کو بیس فیصد آسانی سے حلال طریقے سے منافع دے سکتا ہے۔

تو قرآن پاک نے فرمایا کہ مرد ایک اور عورتیں دو ہوں گی، اور یہ ضروری ہے کہ جب گواہوں کو بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں، اب گواہی کا موجودہ نظام جتنا مہنگا ہے اس کی حد نہیں، ابتداء میں فوراً گواہ مل جائیں گے، جب آپ اس کا نام لکھا دیں گے عدالت

Marfat.com

جب طلب کرے گی تو وہ کہے گا کہ مجھے دس ہزار روپے دیدیں میں گواہی دینے کو تیار ہوں اگر خدانخواستہ قتل کا کیس ہے تو ایک لاکھ روپے مانگ لیتا ہے، لیکن اسلام نے فرمایا کہ یہ گواہی تم نے مفت دینی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دینی ہے، پھر فرمایا کہ لکھنے میں سستی نہ کرو، رقم چھوٹی ہو یا بڑی، اس میں عرصہ لکھو، اس میں چند باتیں ضروری ہوتی ہیں، ایک یہ کہ یہ معاہدہ کس تاریخ کو ہوا ہے دوسرا کس تاریخ کو ادائیگی کرنی ہے، تیسرا جگہ کون سی تھی، چوتھا کہ گواہ کون کون تھے، یہ بہت ہی انصاف کے قریب ہے، شہادت کے لیے بھی اس میں بڑی پختگی ہے کہ اگر گواہ کو پوری بات یاد نہیں رہی تو جب اس اشٹام کو پڑھے گا تو یاد آجائے گی، اور اس سے شک بھی رفع ہو جائے گا، ہاں اگر تمہاری تجارت ایسی ہے جو دست بہ دست کر رہے ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، کہ نہ لکھو، لیکن پھر اگر زیادہ رقم ادا کر رہے ہیں تو کچھ گواہ رکھ ہی لو، لکھنے والے اور گواہ دونوں کو تحفظ دیا جائے، اس کا تحفظ اسلامی حکومت کا فرض ہے، کہ وثیقہ نویس کے خلاف قبضہ گروپ مار دھاڑ شروع نہ کر دے، اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، یا گواہوں کو تنگ کیا جائے، تنگی کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ مدعا علیہ رقم دے کر انہیں گواہی سے روک دے دوسری یہ کہ دباؤ کے تحت انہیں روک دے تو اسلام دونوں باتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ ضرر نہیں دیا جا سکتا، نہ وثیقہ نویس کو اور نہ گواہ کو اگر تم ایسا کرو گے، تو یہ بہت گناہ کی بات ہوگی، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ تمہیں ان باتوں کی تعلیم دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

☆☆☆☆☆

وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَٰنٌ مَّقْبُوضَةٌ

اگر تم سفر میں ہو تمہیں کاتب نہیں مل سکتا تو ایسی چیز رہن دیدو جس کا اسے قبضہ دیدیا جائے (کہ بھائی یہ چیز رکھ لو اور مجھے رقم دیدو)

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَٰنَتَهُ وَلْيَتَّقِ

(وہاں جب پہنچیں گے تو میں ادائیگی کردوں گا) اگر ایک دوسرے پر اعتبار ہے تو وہ آدمی جس پر اعتبار کیا گیا ہے، وہ امانت واپس کرے ڈرے

اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَٰدَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ

اللہ تعالیٰ سے اس کا پروردگار ہے، اور شہادت کو نہ چھپاؤ! ۲۸۱ جو شہادت چھپاتا ہے، اس کا

آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸۳﴾

دل گنہگار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو

۲۸۱ شہادت کے لیے یہ بات فرمائی کہ خواہ جتنا قریبی رشتہ دار ہو اور اسکے خلاف شہادت جا رہی ہو اس قریبی رشتہ دار کے خلاف شہادت دے دو، اور آغاز یہاں سے ہی ہوتا ہے ایک عام آدمی کے خلاف شہادت دیتے ہوئے آپ کو کوئی خوف نہیں ہوتا، لیکن برادری کے خلاف شہادت دیتے ہوئے بے شمار مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، تو قرآن پاک نے بڑی شدت سے فرمایا کہ گواہی دو اگر چہ وہ تمہارا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، اس لیے کہ معاشرے میں انصاف کو قائم رکھنا ہے۔

صحابہ کرام اپنے خلاف خود شہادت دیتے تھے، کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو سرکار علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے، کہ مجھے پاک فرمادیں، آپ اگر اسلامی لاء کو پڑھیں خاص طور پر کتاب ہدایہ کا وہ چیپٹر جس میں شہادت تین چار باتوں پر آتی ہے، تو آپ دنگ رہ جائیں گے، کہ ان لوگوں نے اپنی طہارت کے لیے کس کس انداز سے اپنے خلاف شہادت دی ہے، بیٹی نے ماں کے خلاف بیٹے نے باپ کے خلاف دی ہے، اگر وہ شہادت نہ دیتے تو اور کوئی گواہ بھی نہیں تھا، اکیلا بندہ جو جنگل میں جرم کا ارتکاب کر رہا ہے وہ آ کر عرض کرتا ہے کہ آقا! **"قد ظلمت علی نفسی"**۔ آقا میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔

اسلام دل کو روشن کر دیتا ہے، جب گناہ آتا ہے تو اس پر سیاہ داغ پڑ جاتا ہے، اگر ایک سفید کپڑے پر داغ لگ جائے تو بہت دور سے نظر آتا ہے، لہذا صحابہ کرام جن کا دل نورانی تھا جب اس پر گناہ کی کثافت آتی تھی، تو وہ سوچتے تھے کہ ذاتی محنت سے یہ خدا جانے چھ ماہ میں بھی پاک ہوگا یا نہیں، کیوں نہ نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں پہنچ جائیں، جب پہنچیں گے تو اس کے دھلنے میں دیر نہیں لگے گی۔ بسا اوقات سرکار علیہ السلام رخ انور موڑ لیا کرتے تھے، دل میں اضطراب ہے، دوسری طرف سے آکر پھر عرض کی آپ نے پھر منہ مبارک پھیر لیا، تیسری طرف چوتھی طرف سے آکر پھر عرض کی، فرمایا باہر چلا جا پھر آنا، وہ پھر آیا پھر وہی بات عرض کی مجھے پاک فرمائیں، اب سزا کیا ہے، کہ اسے سنگسار کردو، اور گواہ کوئی بھی نہیں ہے، اسے سزا دی گئی، کسی بندے نے کہا کہ خدا جانے اس کی بخشش ہوگی بھی یا نہیں، کہ جرم کے بدلے میں مارا گیا ہے، تو آپ نے فرمایا اگر اس کی بخشش کو پورے قبیلے پر تقسیم کیا جائے تو سارے بخشے جائیں۔

ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ جب انسان کا ضمیر جاگ جاتا ہے تو پھر گناہ دل میں کانٹے کی طرح چبھتا ہے، اور جب ضمیر مر جاتا ہے، تو پھر اس درزی والی بات ہوتی ہے، جس نے مولوی صاحب کی بات سنی کہ جو لوگوں کا کپڑا کاٹ کر چھوٹا چھوٹا رکھتا رہتا ہے، پھر اپنا کپڑا بنالیتا ہے، تو قیامت کے دن یہ جھنڈے کی صورت میں ہوگا، اس نے کہا آج کے بعد میری توبہ آئندہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا، سردیاں تھیں کوٹ کا کپڑا آیا اس نے کہا یہ اتنا زیادہ ہے کہ اس سے اپنی واسکٹ اچھے طریقے سے نکال سکتا ہوں، ضمیر جاگا کہ میں نے تو توبہ کی ہوئی ہے، تھوڑی دیر کے بعد پھر بے ضمیری غالب آگئی کہ جھنڈا جو پہلے بنایا ہوا ہے وہ اتنا بڑا ہے کہ یہ ٹکڑا اس کے ساتھ لگ گیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا، لہذا آج تو اسے کاٹ لو، مگر مومن کا انداز یہ ہوتا ہے کہ دل کی طہارت کو گدلا نہ ہونے دے کہ اس کی طہارت پر ساری زندگی کی طہارت کا مدار ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ

اور زمین میں ہے، اگر تم ظاہر کرو جو تمہارے دلوں کے اندر ہے یا اسے چھپالو

يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ

اللہ کریم تم سے اس سلسلے میں حساب لے گا، جسے چاہے گا بخش دے گا، اور جسے چاہے گا عذاب میں مبتلا فرمائے گا

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۸۴﴾

اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۲۸۴

۲۸۴ قرآن حکیم کا یہ انداز بیان ہے، مختلف مسائل کو بیان کرتے ہوئے وہ بار بار عقیدہ توحید کو دھراتا چلا جاتا ہے، ساتھ ہی ساتھ وہ اور صفات کو بھی سامنے لاتا ہے، مختلف مسائل بیان کرتے ہوئے عقیدہ توحید کو خواہ وہ توحید ذاتی ہو، خواہ توحید صفاتی ہو، اسے قرآن بڑی تفصیل سے بیان کرتا ہے، اور اس سلسلے میں یہ قرآن کا طرۂ امتیاز ہے، کہ ہر آیت میں اللہ کا نام نامی آجائے گا، کوئی صفاتی نام آجائے گا، استعارہ آئے گا، کنایہ آئے گا، تلمیح آئے گی، اور جب کوئی آیت خالی رہ گئی ہے تو اگلی آیت میں زیادہ اسمائے الٰہیہ آجائیں گے، تو اب یہاں قرآن نے جو پہلی بات کہی وہ یہ تھی، کہ آسمان اور زمین یہ اللہ کی ملکیت ہیں، ان کے اندر جو کچھ ہے، وہ اللہ کا ہے، واضح بات ہے کہ جب تخلیق اللہ کی ہے، تملیک اللہ کی ہے، وہ سارے کا سارا اللہ کے لیے ہے، یہاں ایک اخلاقی بات ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے اشارہ کیا ہے۔ وہ بات یہ تھی کہ انسانی دل میں مختلف خیالات آتے رہتے ہیں، کیا ان خیالات پر پابندی لگائی جاسکتی ہے یا نہیں، صحابہ عالی مقام کے دل میں یہ بات آتی تھی، کہ ہماری بے شمار ایسی باتیں ہوتی ہیں، جو ذہن میں آتی رہتی ہیں، قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی، اور اس میں یہ جملہ آگیا، کہ جو تمہارے دلوں میں ہے اسے خواہ چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ اس کا محاسبہ کرے گا، جب یہ ارشادات صحابہ عالی مقام کے سامنے آئے، تو وہ سوچنے لگے، کہ اس طرح خیالات کا بھی محاسبہ ہوا تو پھر انسانیت ساری کی ساری ماری جائے گی، چلیں سرکار کریم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں کچھ رعایت کی جائے، سرکار کریمؐ کی خدمت میں جب یہ درخواست پیش کی،

روک دیا ہے، اور تو وہاں لازما موجود ہو جہاں اللہ نے تجھے جانے کا حکم دیا ہے)

اقام کا معنی ہے کھڑا کرنا، درست کرنا، عربی کا محاورہ ہے قامت الشوق بازار خوب چل رہا ہے، تو جب نماز آپ کے اخلاق میں شامل ہو جائے، اس میں ذرا سی دیر بھی اضطرار بن جائے، تو یہ نماز قائم کرنا ہے، نماز کی ظاہری شرائط باوضو ہو، جگہ پاک ہو، جسم پاک ہو، لباس پاک ہو اور رخ قبلہ کی طرف ہو۔

پہلی تکبیر کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، اس سے آگے کی تمام تکبیرات، تکبیرات تحریمہ نہیں ہیں، تحریمہ کا معنی ہے عزت و حرمت والی شے، مطلب یہ کہ اب عزت و حرمت والی بات کا آغاز کرنے لگے ہیں، دوسرا معنی یہ ہے کہ بہت سی چیزوں کو حرام کر دینے والی شے، مثلاً نماز میں غیر قبلہ کی طرف رخ حرام ہے، اس سے نماز نہیں ہوتی، اسی طرح نماز میں کھانا کھانا، پانی پینا، گفتگو کرنا ان سب باتوں سے اس تکبیر نے آکر حرمت پیدا کر دی ہے، نماز کے الفاظ زبان سے ادا کرنے ضروری ہیں، مگر افسوس کہ ہمیں اتنا معلوم نہیں ہوتا کہ ہم اللہ سے کیا باتیں کر رہے ہیں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جب تم نماز میں کھڑے ہو تو یہ جانو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال کرو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، پہلی بات میں اول درجے کی نماز ہے، اور دوسری میں دوسرے درجے کی اگر ہم ان دونوں سے چھلانگ مار کر پیچھے ہٹ جائیں تو نماز میں وہ رنگ پیدا نہیں ہوگا جس رنگ کے لیے قرآن نے لفظ صلوٰۃ، یصلّون چھوڑ کے فرمایا! **یقیمون الصّلوٰۃ** اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ اگر ساری زندگی تم ایک ایک رکعت پڑھ لو کہ جس میں اللہ کے سوا کہیں توجہ نہ جائے تو تمہاری مغفرت کے لیے کافی ہے، یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ جب نماز پڑھی نہ جائے بلکہ قائم کی جائے۔ ☆

Marfat.com

کہ انسانوں کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں، بڑے بڑے پارسا لوگ ہیں شاید ان کے خیالات ٹھہرے ہوں، تو کیا اس پر بھی محاسبہ ہوگا، تو سوائے انبیاء کے کوئی بھی بچ نہیں سکے گا۔ سرکار کریم ﷺ نے ایک بات ارشاد فرمائی! وہ بات یہ تھی کہ یہ سوال نہ کرو بلکہ تم بار بار یہ جملہ زبان پر لاتے رہو! **اسمعنا و اطعنا**" (ہم نے یہ بات اللہ کریم کی طرف سے سن لی، ہم اس کے اطاعت گزار ہیں) صحابہ کا عجیب انداز تھا، حکم کے ماننے کے سلسلے میں، وہ جہاں کھڑے تھے، گھٹنوں کے بل گرے، دامن پھیلا کے رو رو کر کہنے لگے، "**وسمعنا و اطعنا**" اللہ جو تو نے حکم دیا وہ، ہم نے سن بھی لیا اور اسے ضرور مانیں گے، چونکہ یہ عاجزی اللہ کریم کو اس انداز سے پسند آئی کہ یہ انداز سرکارؐ نے سکھایا تھا، کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمادیا، کہ امت محمدیہ اس وقت حساب کی زد میں آئے گی، جب اس کی زبان پر کوئی بات آجائے، یا عملی زندگی میں کسی بات پر عمل کیا جائے، اس سے پہلے نہیں، میں چھوٹی سی ایک مثال دیتا ہوں کہ دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے، اور خیال ہی خیال میں بیوی سے کسی بات پر ناراض ہے تو خیال میں طلاق بھی دے رہا ہے، اب اس حکم کے بعد جو سرکار سے گزارش کے بعد اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، یہ تھا کہ جب تک آپ زبان سے نہیں بولیں گے، اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوگا، اور اس کو زندگی کے ایک مسئلے کے ساتھ نہیں بلکہ ہر مسئلے کے ساتھ جوڑ دیا گیا، سرکارؐ نے اپنی حدیث میں اسے ایک اور رنگ سے واضح کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آیت کی گہرائیوں تک اترنے کے لیے سرکارؐ کا اپنا ارشاد بھی ہم سامنے رکھ لیں، ارشاد فرمایا! کہ میری امت جو صرف سوچتی رہتی ہے، اس پر اسے کوئی گناہ نہیں یعنی اگر وہ منفی سوچ ہے، مثبت سوچ کا تو ثواب لازمی ہوتا ہے، منفی سوچ کا گناہ نہیں ہوتا، جب تک اسے زبان سے ادا نہیں کر دیا گیا، یا جب تک عملاً ایسا نہیں کر دیا گیا جیسی سوچ تھی، لیکن سرکارؐ نے یہاں ایک باریک نکتہ ارشاد فرمایا! وہ یہ تھا، کہ بدی کی سوچ پر گناہ نہیں ہوگا، لیکن نیکی کی سوچ پر ثواب ضرور ہوگا، اگر چہ اس پر آپ نے عمل نہیں کیا، اسے زبان سے ادا بھی نہیں کیا، اس پر لازماً ثواب ہوگا، یہ حدیث کی ساری کتابوں میں حدیث موجود ہے، تو جب اللہ کریم نے یہ ارشاد فرمادیا، کہ اب محاسبہ نہیں ہوگا، اس کا ذکر قرآن پاک نے یوں فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

ءَامَنَ ٱلرَّسُولُ بِمَآ أُنزِلَ

رسول علیہ السلام ایمان لائے جو اتارا گیا

إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِۦ وَٱلْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَكُتُبِهِۦ

ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے اور ایمان والے لوگ بھی اس پر ایمان لائے ان میں سے ہر ایک ایمان لایا اللہ پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر

وَرُسُلِهِۦ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِۦ ۚ وَقَالُوا۟ سَمِعْنَا

اور اللہ کے رسولوں پر (وہ کہتے کیا ہیں) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں ڈالتے، اے اللہ ہم نے سن لی

وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ ٱلْمَصِيرُ ﴿۲۸۵﴾

اور مان لی بات ۲۸۳ ہم تجھ سے معافی چاہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار اور ہم نے تیری طرف ہی واپس آنا ہے

۲۸۳ یہ کیا ایمان تھا، سرکار نے فرمایا کہہ دو " **سمعنا واطعنا** " تم میں سے ہر ایک ایمان لایا اللہ پر فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر، وہ کہتے کیا ہیں، ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں ڈالتے، یعنی کچھ رسولوں کو تو ہم مان لیں اور کچھ کو نہ مانیں ایسا نہیں ہوتا، انہوں نے کہا!

" **سمعنا واطعنا** " (اللہ ہم نے سن لی ہے بات اور مان لی بات)، " **غفرانک ربنا** " (اے ہمارے پروردگار ہم تجھ سے معافی چاہتے ہیں، " **والیک المصیر** " (اور ہم نے تیری طرف ہی واپس آنا ہے)

اب اس آیت مقدسہ نے چند باتیں بتائیں، پہلی بات یہ ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوتا تھا، سب سے پہلے سرکار اس پر خود ایمان لاتے تھے، یہاں سے پتہ چلا کہ نظریات پیدا کرنے والا جو گروہ جسے ہم فلسفی کہتے ہیں، وہ فلسفہ گھڑتا تو ہے، لیکن اس کی عملی زندگی کا خانہ ہمیشہ خالی رہتا ہے، اور اس فلسفے کی گہرائی میں تشکیک ہوتی ہے یعنی خود وہ شک کا شکار ہوتے ہیں، اور دوسروں کو شک کا شکار کرتے ہیں، مثلاً میں آپ کو ایک چھوٹی سی بات بتاتا ہوں، افلاطون قدیم تاریخ کا سب سے بڑا فلسفی شمار ہوتا ہے، وہ جب بھی مادیت سے آگے بڑھ کے الٰہیات میں قدم رکھتا ہے، تو ایک عجیب کیفیت اور عجیب الجھن میں یہ بندہ پھنس جاتا ہے، وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا کہ خدا جانے یہ کیا ہے، اسے فلسفہء لاادری کے نام سے اس کے حوالے کر دیا

Marfat.com

گیا، کہ یہ فلسفہءِ لاادری ہے، میں نہیں جانتا، الہیات میں یہ بالکل نہیں چل سکا، الہیات کے سلسلے میں آپ آگے بڑھیں، تو ارسطو بھی آپ کو یتیم ملے گا، سقراط اور بقراط بھی بالکل یتیم نظر آئیں گے، اور انداز یہ ہوگا، کہ مادیت کی دنیا تک تو وہ چل رہے ہیں، کم ازکم افلاطون نے یہ تو کہہ دیا، کہ مجھے نہیں پتہ، باقی یہ نہیں کہتے کہ ہمیں نہیں پتہ، وہ انکل پچو لڑاتے ہیں، اور جو جس انداز سے ذہن میں بات آتی ہے، اسے کہہ دیتے ہیں، بالکل ہمارے دور حاضر کے مولویوں کی طرح، ان سے مسجد میں جاکر کوئی مسئلہ پوچھے تو یہ بالکل یہ نہیں کہیں گے کہ مجھے نہیں پتہ، اسے پتہ نہیں ہوتا، اور ایسے عجیب انداز سے اسلام کی تعبیر کرے گا، کہ خدا جانے وہ کیا سے کیا کہہ دے، کہ فلسفہ لاادری کہ میں نہیں جانتا، میں اس حقیقت سے واقف نہیں ہوں، یہ بھی عقلمندی کی بات ہے، لیکن قربان اس پر جاؤں، کسی فارسی کے شاعر نے بڑا پیارا شعر کہا ہے!

قربان ہمت آنکس کہ فوق کون ومکاں اسپ ہمت دوانید ودست یار گرفت

میں تو اس عظیم انسان کی ہمت پر قربان کہ اس کون ومکان سے باہر نکل گیا، ہمت کے گھوڑے پر سوار ہو کے حریم ناز میں داخل ہوگیا، اور جاکے اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ لیا، تو یہ وہ مقام ہے جہاں افلاطون کی خاک بھی نہیں جاسکتی، جہاں ارسطو نہیں پہنچ سکتا۔

تو قرآن پاک نے کہا کہ مصطفیٰ علیہ السلام کا خاصہ یہ ہے کہ جو ان پر نازل ہوتا ہے وہ اس پر خود ایمان لاتے ہیں، پھر اسے عمل کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں، اگر اس کا تعلق عمل سے ہے، اس کے ساتھ پھر صحابہ بھی سارے کے سارے ایمان لے آتے ہیں، پھر ایمان کی کیفیت کیا ہوتی ہے، حضرت حیدر کرارؓ نے ایک بڑی پیاری بات کہی ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں!

''اگر سارے پردے ہٹادیں اور میرا رب میرے سامنے آجائے تو میرے ایمان میں ذرا بھی اضافہ نہیں ہوگا''۔

یعنی اسے غائبانہ انداز سے یوں مانا ہے، کہ اگر غیب شھود میں بھی تبدیل ہوجائے، تو کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہ وہ ایمان کی عظمت ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے، اور پھر ایمان کا تاج سر پر رکھتی ہے، اب یہاں ان میں سے ہر ایک کس کس پر ایمان لایا، یہ ایمانیات کی بنیادی بات ہے، اللہ پر، اللہ کے فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر، اب آپ سوچیں گے کہ پانچویں بات قیامت یہاں رہ گئی ہے، ایمان کے پانچ اجزاء ہیں، توحید ہے، رسالت ہے، کتابیں ہیں، فرشتے ہیں، اور قیامت ہے، اب دیکھیں قیامت کا ذکر آ گیا کہ **''والیک المصیر''** (تیرے پاس ہی واپس آنا ہے) پتہ چلا کہ ایمان کی جو پانچویں بات تھی، وہ بھی آیت مقدسہ نے آخر میں آکر بیان کردی۔

کہ سب رسولوں کو رسول مانتے ہیں، ایک ہے بحثیت رسول ماننا، ایک ہے بحثیت مراتب ماننا، مراتب کی بات الگ ہے، اس کے بارے میں قرآن پاک نے تیسرے پارے کی پہلی آیت میں فرمایا!

''کہ رسولوں کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے''۔

Marfat.com

یہاں فضیلت کی بات نہیں ہے، یہاں لفظ رسالت کی بات ہے، حقیقت رسالت کی بات ہے، تو بحیثیت رسول ہم سب کو مانتے ہیں، ہم یہ فرق نہیں کرتے، کہ ایک رسول کو اللہ کا بیٹا کہہ دیں، اور دوسرے کو کہیں کہ اس کا کوئی مقام نہیں ہے، یہ بات نہیں ہے، بحیثیت رسول ہم سب کو ماننے کے مکلف ہیں، اگر ان میں سے کسی کا بھی انکار ہو جائیگا، یہ کفر ہے، ان میں سے کسی کی توہین ہو جائے گی، یہ بھی کفر ہے، قرآن نے چھوٹے سے جملے میں ساری بات ختم کر دی!

''ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان بحیثیت رسول کے تفریق نہیں کرتے''۔

سرکارؐ کے غلاموں نے کیا کہا، وہ بولے ہم نے سن لیا، اور ایمان لے آئے، آپ نے قرآن میں پیچھے پڑھا ہے کہ یہودی کیا کہتے تھے، **"سمعنا"** یہ اونچا کہتے تھے، اور سرگوشی کے انداز میں کہتے تھے، **"وعصینا"** سنا ہے مانیں گے نہیں، ہم نے اسے لازماً توڑنا ہی توڑنا ہے نافرمانی کرنی ہی کرنی ہے، تو یہ طرہ امتیاز ہے مصطفیٰ علیہ السلام کے غلاموں کا، کہ بات سمجھ آئے یا سمجھ نہ آئے، زبان رسول سے نکل جائے، سمجھنے کے لیے کوئی وقت اور سہی، ہم نے اس پر فوری طور پر ایمان لانا ہے، ہمارے لیے یہی فرض ہے، اور کہنا کیا ہے، اے ہمارے پروردگار ہم تجھ سے معافی چاہتے ہیں، اگر کوئی خیال ایسا آ گیا ہے، جو تجھے پسند نہیں ہے، جو عملی زندگی میں بھی نہیں آیا، وہ زبان پر بھی نہیں آیا، ہم اس سے بھی معافی چاہتے ہیں، اب ہمیں یہاں سے ایک بات کا پتہ چلا کہ مسلمان کے خیالات پاکیزہ ہوتے ہیں، اس کی سوچیں اپنی اصلاح کے لیے ہوتی ہیں، اپنے معاشرے کی اصلاح کے لیے ہوتی ہیں، انسانیت کی اصلاح کے لیے ہوتی ہیں، وہ قرآن کی گہرائیوں میں اترتا ہے، سنت کی گہرائی میں اترتا ہے، کیوں اترتا ہے، تاکہ سمندر سے کوئی موتی نکال لائے، اور قوم کی خدمت میں پیش کر دے، تاکہ قوم ان موتیوں کو اپنے پاس رکھ لے، تاکہ ان کی رعنائیوں کے ساتھ زندگی کے تاریک راستوں کو نورانی کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جائے۔ **والیک المصیر** "(تیرے پاس ہی واپس آنا ہے)

☆☆☆☆☆☆

لَا يُكَلِّفُ تکلیف نہیں دیتا

اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر ۲۸۴ اس جان کے لیے ہی ہے جو اس نے کمایا، اور اسی کے خلاف ہے، جو اس نے برا عمل کیا

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ

اے ہمارے پروردگار ہمارا مواخذہ نہ فرما، اگر ہم بھول جائیں، یا غلطی کر جائیں، اے ہمارے پروردگار نہ رکھ

عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا

ہم پر بوجھ جس طرح تو نے ان لوگوں پر رکھا جو پہلے تھے، اے ہمارے پروردگار ہم سے

تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

وہ شے نہ اٹھوا جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، تو ہمیں معاف فرمادے، ہمیں بخش دے، ہم پر رحم کر

اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

تو ہی ہمارا کارساز اور مولا ہے، تو ہمیں کافر قوم پر فتح عطا فرما

۲۸۴ اب اس آیت مقدسہ میں انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ کی برتری کو ایک مسلمان نے تسلیم کیا، اور اللہ کریم نے ایک خصوصی قاعدہ یہاں ارشاد فرمایا، جس پر اسلامی لاء کی بے شمار شقیں موجود ہیں، بات یہ ہے کہ اللہ کسی کو جب تکلیف دے گا، کہ یہ کام کردے، تو ایسی تکلیف دے گا جتنی اس میں طاقت کرنے کی ہے، جو اس کی طاقت سے باہر ہے، اسے عام اصطلاح میں تکلیف **"مالا یطاق"** کہا جاتا ہے، اس چیز کی تکلیف دینا جو طاقت میں نہیں ہے، تو جو طاقت میں نہیں ہے، اسے کرنے کے لیے اللہ کریم نے حکم نہیں دیا، اب ایسے خیالات جو انسان کے ذہن پر چھا جاتے ہیں، لیکن الفاظ کا قالب نہیں ڈھالتے، ان سے روکنے کے لیے سختی نہیں فرماتے، آپ ایک کام نہیں کرسکتے، مثلاً آپ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے، تو آپ سے کہہ دیا کہ مت کھڑے ہو، بیٹھ جاؤ، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے تو ارشاد فرمایا، لیٹ کر پڑھ لو، آپ روزہ نہیں رکھ سکتے، تو دنوں کی گنتی کر لینا اور بعد میں قضا کر لینا، آپ حج کے لیے نہیں جاسکتے، استطاعت ہے تو کسی اور کو اپنی طرف سے حج کے لیے بھیج دیں، اسلام نے ایسی تکلیف بالکل نہیں دی، جو کی نہ جاسکتی ہو، عام مفسرین نے یہاں ایک نکتہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، وہ یہ ہے، کہ کوئی ایسی

Marfat.com

بات کسی سے کہنا، کہ وہ کر نہ سکتا ہو، یہ انصاف کے خلاف ہے، لہذا اللہ کریم ایسی بات کے کرنے کا حکم نہیں دیتے، یہاں کچھ مکاتب فکر نے کچھ اور باتیں کہیں ہیں، لیکن وہ باتیں چونکہ قرآن کی ہمہ گیر تعلیمات سے ثابت نہیں ہیں، لہذا میں ان کا ذکر نہیں کروں گا، تو اب اللہ کریم نے ایک قاعدہ کلیہ ارشاد فرمادیا، کہ اللہ اسی بات کی تکلیف دیتا ہے، جو آپ کر سکتے ہیں، جس سے اسلامی مقننہ نے ایک قانون اخذ کیا ہے، کہ کوئی حاکم، کوئی سربراہ اور کوئی جج ایسا حکم نہیں دے سکتا، جو متعلقہ بندے کے بس میں نہ ہو، اگر اس نے ایسا حکم دیا جو اس کے بس میں نہیں ہے، تو شرعی طور پر اس جج یا اس سربراہ مملکت کے حکم کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اسے نہیں مانا جائے گا، تو اب وہی بات مانی جائے گی، جو قوت کے اندر موجود ہے، اللہ نے ایک اور قاعدہ یہ ارشاد فرمایا!

کہ آپ کی جانیں اگر اچھی بات کرتی ہیں تو انہیں اچھا نتیجہ ملے گا، اگر خراب بات کرتی ہیں تو خراب نتیجہ ملے گا، اسے سادہ لفظوں میں مکافات عمل کہا جاتا ہے، کسی فارسی کے شاعر نے مکافات عمل پر بڑا سادہ سا شعر بڑے خوبصورت انداز میں کہہ دیا ہے!

وہ کہتا ہے! **گندم ازگندم بروید جو ز جو　　از مکافات عمل غافل مشو**

گندم بوئیں گے تو گندم پیدا ہوگی، جو بوئیں گے تو جو پیدا ہوں گے، مکافات عمل سے تجھے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے، یعنی جیسا تیرا عمل ہے اسی انداز سے بات آگے بڑھتی ہے، اسی کو علامہ اقبال مرحوم نے بڑے ہی لطیف انداز سے بیان کیا ہے!

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی　　یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اس کی اصلیت کچھ بھی نہیں ہے، نور و نار بذات خود اسے اعمال کی وجہ سے ملتا ہے، ایک مجذوب فقیر بیٹھا تھا پاس سے ایک مردے کو لے کر گزرے، کہنے لگا واہ واہ یہ تو بڑا عجیب آدمی ہے، کہ اپنی آگ جلانے کے لیے لکڑیاں ساتھ لے کر جا رہا ہے، یہ مکافاتی انداز تھا جو اس اللہ والے کے سامنے بات آگئی، کہ وہاں آگ جلانے کے لیے خشک لکڑیاں ساتھ لے کر جا رہا ہے، تو یہ مکافات عمل ہے، اس کے لیے ہے جو اس نے کمایا ہے، اسی کے خلاف ہے جو اس نے کیا ہے، اب آگے خالص دعائیہ الفاظ ہیں، اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں تو اس پر ہمارا مواخذہ نہ کر! بھول کو اسلام نے معاف کیا ہے، عمل خطا کو بھی معاف کیا ہے، آپ گولی مارتے ہیں، کسی بندے کو نہیں، لیکن اسے لگ جاتی ہے، تو آپ پر اسلامی آئین کی رو سے دفعہ 302 لاگو نہیں ہوگا، یہ قتل خطا ہے، قتل عمد نہیں ہے، تو اب قرآن نے یہ بات کہی، کہ اگر غلطی ہو جائے یا خطا ہو جائے، تو اللہ ہمیں معاف کر دیا جائے، ہم پر ایسا بوجھ نہ رکھا جائے، جیسا پہلے لوگوں پر تھا۔

اب ایک چھوٹی سی مثال ہے، پہلے لوگوں میں اگر ان کے جسم پر کہیں گندگی لگ جاتی تھی، تو پانی سے صاف کرنے کا انہیں حکم نہیں تھا، قینچی سے اس جگہ کو کتر دیا جاتا تھا، اب آپ اندازہ لگائیں، کتنا مشکل مسئلہ تھا، تو یہاں ہم نے اللہ کریم کے ارشاد کے مطابق ایسی ہی دعا کی تاکہ ہم ایسے مسائل سے ایسی مشکلات سے بچ جائیں، اللہ تعالیٰ ہم سے وہ بھی نہ اٹھوا جس کو اٹھانے کی ہم

میں طاقت نہیں ہے، معاف فرمادے، بخش دے، رحم کردے، کیونکہ تو ہمارا مولا ہے، مولا کے اٹھارہ معنے ہیں عربی لغت میں، یہاں اس کا معنی یہ ہے، کہ تو ہی ہمارا حقیقی دوست ہے، جس طرح ایک حقیقی دوست اپنے دوست کو بچانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح تو بھی ہمیں مشکلات سے بچا، تو ہمیں کافر قوم پر فتح عطا کر۔

اب یہاں میں ایک نکتہ عرض کرنے لگا ہوں، اکثر مترجمین نے کہا ہے، کافروں کی قوم پر ہمیں فتح دے، یہ ترجمہ غلط ہے، کافروں کی قوم عربی گرائمر میں مضاف اور مضاف الیہ ہے، اور یہ القوم موصوف ہے اور الکافرون اس کی صفت ہے اس کا ترجمہ یہ ہوگا، کافر قوم پر ہمیں مدد دے، کافروں کی قوم نہیں ہوگی، کافر قوم پر ہمیں مدد دے، سرکارؐ نے ان آخری آیات کے بارے میں ایک بات ارشاد فرمائی، یہ آمن الرسول سے آگے، جو دو آیتیں ہیں ان کے لیے ارشاد فرمایا، کہ سورۃ بقرہ کی یہ آخری آیات مجھے دی گئی ہیں، عرش معلٰی کے نیچے ارشادات ربانی کا ایک خزانہ ہے، اس میں سے مجھے یہ عطا ہوئی ہیں، یہ آیات مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں، یہاں سرکارؐ ایک اشارہ فرما گئے، قرآن نے کہا ہے، کہ قرآن کے بہت سارے احکام پہلے صحیفوں میں موجود تھے، پہلی کتابوں میں موجود تھے، سرکارؐ تخصیص فرما رہے تھے، کہ آیات کا مفہوم پہلے کسی کتاب میں موجود نہیں ہے، اب آغاز کیا تھا، سورۃ فاتحہ سے سرکار کریمؐ نے اس کے بے پناہ فضائل بیان فرمائے تھے، جو اس وقت میں نے عرض کیے تھے، کہ وہ شفاء ہے بیماریوں سے، وہ کفالت کرنے والی ہے، وہ روشنی ہے، وہ قرآن کا خلاصہ ہے، تو یہاں ارشاد یہ فرمایا!

یہ آخری آیات اللہ کا خزانہ ہیں، جو مجھے عطا ہوا ہے، ان آیات کو دعا کے لیے یاد رکھنا چاہیے، الحمد للہ ہم نے سورۃ بقرہ ختم کر لی ہے، اور اس سلسلے میں مجھے امام سیوطی کا ایک واقعہ یاد آتا ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی رحمتؐ کے پاس حضرت فاروق اعظمؓ نے سورۃ بقرہ اڑھائی سالوں میں پڑھی، اب واضح بات ہے کہ فاروق اعظمؓ کی زبان عربی تھی، وہ خود اسے پڑھ کر سمجھ سکتے تھے، لیکن قرآن کے اندر کچھ گہرائیاں ہوتی ہیں، کچھ گیرائیاں ہوتی ہیں، کچھ پہنائیاں ہوتی ہے، وہاں تک ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے، اور یہ علم کا اختتام انسانی دنیا میں مصطفٰی علیہ السلام پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، ان جیسا نہ کوئی علم والا تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا، لہذا سرکارؐ جب پڑھا رہے ہوں، اور فاروق اعظمؓ پڑھ رہے ہوں تو انہوں نے اس پر اڑھائی سال لگائے تھے، یہ جو جولائی جو آئے گی اس میں ہمارے دو سال پورے ہوں گے، تو دو سال سے پہلے سورہ بقرہ ختم ہوگئی ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

سورۃ آل عمران(تعارف)

اب میں آگے بڑھ رہا ہوں، سورۃ آل عمران کی طرف، اس سورہ مقدسہ میں 20 رکوع ہیں، آیتیں اس میں 200 ہیں، البقرہ کی 286 آیات تھیں، اس میں الفاظ 3542 ہیں، ایک ایک حرف الگ الگ کر کے گنیں تو 15376 حروف ہیں، دنیا کی کسی اور کتاب میں یہ اعداد وشمار موجود نہیں ہیں، پتہ چلا کہ مسلمانوں کا قرآن کے ساتھ کتنا پیار ہے، کہ انہوں نے کس کس انداز سے کس کس پہلو سے دیکھا ہے، اب اس کے مضامین جو زیادہ تر ہیں انہیں ہم پانچ حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں، میں اس کے لیے ایک خلاصہ دے رہا ہوں تا کہ آگے سمجھنے میں دقت نہ رہے، پہلی بات یہ ہے، کہ یہاں نبیاء عالی مقام کے پیغام کو ایک پیغام قرار دیا گیا ہے، یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار (1,24000) مذہب نہیں تھے، مذہب ایک تھا، اس کے ترجمان ایک لاکھ چوبیس ہزار (1,24000) تھے، اور ایک ہی مذہب کی طرف سارے پیغمبر دعوت دیتے رہے، وہی مذہب وحدت انسانیہ کی بنیاد بن سکتا ہے، جو ساری انسانیت کو ایک وحدت سمجھتا ہو، اس پر ان آیات میں جو ابتدائی آیات ہیں، اگلی سورۃ پر بہت زور دیا گیا ہے، سورہ بقرہ میں آپ نے دیکھا کہ بہت زیادہ تردید جو تھی وہ یہودیوں کی تھی، اور عیسائیوں کے لیے کچھ اشارے اور کنائے بھی تھے، یا مختصر آیات تھیں، یہاں بہت زیادہ تردید عیسائیوں کی ہوگی، ان کے نظریات کی ہوگی، نظریات سے مراد حضرت عیسیٰ ؑ کے نظریات نہیں تھے، وہ نظریات جو عیسائیوں نے خود گھڑ کے حضرت عیسیٰ ؑ کے ذمہ لگا دیئے تھے، ان کی تردید ہوگی، اس کا آغاز نجران سے ایک وفد آیا تھا، سرکار ؐ کی خدمت میں، انہوں نے آ کے دلائل دیئے اپنے مذہب کے اور جناب حضرت عیسیٰ ؑ کے اللہ کے فرزند ہونے کے، قرآن نے یہاں بڑے مدلل انداز سے ان سب باتوں کی تردید کی۔ تیسری بات یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں جہاد کی اجازت مل گئی تھی، اب عملاً جہاد ہوا، بدر میں ہوا، احد میں ہوا، تو یہاں قرآن پاک نے ان دونوں جہادوں کا ذکر کیا ہے، البتہ مجھے مفسرین کی اس تفسیر سے بالکل اتفاق نہیں ہے، اور نہ ان مورخین کی تحقیق سے اتفاق ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ احد کے میدان میں اسلامی فوج شکست کھا گئی تھی، یہ بات بالکل غلط ہے، اس کی تفصیل میں وہاں بیان کروں گا، اور شاید سارے مورخین سے میں ہٹ جاؤں گا، مفسرین سے ہٹ جاؤں گا، لیکن میں نے تو صرف عظمت مصطفیٰ علیہ السلام کا دفاع کرنا ہے، میں کسی مفسر یا کسی مورخ کا دفاع نہیں کروں گا، میری ڈیوٹی روز اول سے اللہ نے ایک لگائی ہے کہ میں نے عظمت مصطفیٰ علیہ السلام کا دفاع کرنا ہے، تو وہ میں بھرپور انداز سے کرتا رہوں گا، جنگ احد میں شکست نہیں ہوئی، میں آپ سے چھوٹی سی بات پوچھتا ہوں، جرنیل زخمی ہو کر میدان جنگ میں ڈٹ کر بیٹھا ہو، اس کے پروانے اس کے اردگرد یوں اکٹھے ہو رہے ہوں، جیسے شمع پر پروانے گرتے ہیں، تو کیا آپ اسے شکست کہیں گے، یہ شکست نہیں تھی، اب اس کی تفصیل انشاء اللہ وہاں ہوگی، اور بڑی بڑی لطیف اور نئی باتیں ہوں گی، جو سینکڑوں کتابوں کا حاصل اور نچوڑ ہیں، لیکن پہلے لوگ وہاں نہیں پہنچے

Marfat.com

ہوں گے جو مورخین یا محدثین ہیں، تو آپ سے یہ بات کہنی ہے، کیا وہ فوج شکست کھا گئی تھی، تو دوسرے دن ابوسفیان صاحب بھاگ کیوں کھڑے ہوئے تھے وہاں سے، پھر ان کے پیچھے ایک فوجی لگ گیا تھا چھوٹا سا، تو ابوسفیان نے وہی کیا جو آج کل جہاز کرتے ہیں جب اگلے ملک کے جہاز پیچھے لگ جائیں واپس بھاگنا پڑے اور اسلحہ لدا ہوا ہو تو پھر اسے پھینک کر دوڑتے ہیں تاکہ وہ پیچھے سے مل کر مار نہ دیں، ابوسفیان نے یہی کچھ کیا تھا، جو ستو اس کے اونٹوں پر لدے ہوئے تھے، یا آٹا لدا ہوا تھا، وہ راستے پر پھینک کر چلا گیا، تو مسلمان وہ مال غنیمت لے کر واپس آگئے، کیا یہی شکست ہے اگر یہ شکست ہے تو پھر فتح کس کا نام ہوتا ہے۔

اب اس کا ذکر بھی قرآن پاک نے یہاں کیا ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی ساری عظمتوں کو سلام لیکن ان کے ساتھ بھی میں متفق نہیں ہوں کہ مسلمان قوم شکست کھا گئی تھی لہذا اللہ کریم نے انہیں ڈانٹ ڈپٹ کی ہے مولانا زندہ ہوتے تو میں انھیں یہ بات ضرور کہتا کہ حضرت یہی مٹھی بھر لوگ تھے جنہوں نے چند سالوں کے بعد قیصر وکسریٰ کے تاج اپنے پاؤں کے نیچے کچل کر رکھ دیئے، کیا یہ شکست خوردہ قوم ہے، یہ باتیں نہیں ہیں، لیکن ان پر انشاء اللہ تفصیل سے گفتگو ہوگی، جہاں وہ بات آئے گی، تو تین باتیں میں نے آپ کی خدمت میں کہہ دی ہیں، کہ ایک تو جہاد کا بانی میدان جہاد میں موجود ہے دانت شہید کرا کے، ماتھا زخمی کرا کے، اس کی بیٹی بھی اس کے ساتھ ہے، اس کی بیویاں بھی اس کے ساتھ ہیں، کیا جو شکست کھا جاتے ہیں وہ پھر بچوں کے ساتھ بیویوں کے ساتھ میدان جنگ میں بیٹھے رہتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اگلے صرف اٹھارہ گھنٹوں کے بعد یا سولہ گھنٹوں کے بعد جسے آپ فاتح قرار دے رہے ہیں، وہ وہاں سے اونٹ لے کر بھاگتا نظر آرہا ہے، اور یہ لوگ اس کا تعاقب کر رہے ہیں اس کا پھینکا ہوا آٹا اور ستو واپس لا رہے ہیں، اور تیسری بات یہ ہے کہ انہیں کسی نے ڈانٹ نہیں پلائی، وہاں اللہ نے جس پیارے انداز سے صحابہ عالی مقام کو خطاب کیا ہے، وہ ایک نرالہ انداز ہے، ہم وہاں پہنچیں گے تو آپ کے ذہن میں بات آئے گی، اب یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے چند سالوں کے بعد اسلام کو دنیا کی سپر پاور بنا دیا، اور وہ واحد سپر پاور تھی اس وقت، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ، خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد دور اموی میں عباسیوں کے دور میں اس کے اختتام تک یعنی سا[illegible] سال تک یہ حکومت سپر پاور رہی ہے، تو کیا ایسے لوگ جو اس جان فشانی کے ساتھ میدان جہاد میں ا[illegible] شکست خوردہ کہا جاسکتا ہے، یہ بات غلط ہے، اگلی بات یہ ہے، کہ مسلمانوں کو بتایا کہ تمہارا فرض منصبی یہ ہے، کہ تم ساری کائنات کے لیے تخلیق کیے گئے ہو، لہذا لوگوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، آپ نے آگے بڑھنا ہے، اور متحد رہنا ہے، آخری بات یہ تھی کہ معاشی ناہمواریاں ختم کردی جائیں۔ اور اس کے لیے سود کو فارغ کیا جائے، پہلی سورہ میں بھی سود کے بارے میں بڑے واضح احکام آئے ہیں، اس میں بھی بڑے واضح احکام آرہے ہیں، چھٹی بات یہ تھی، کہ حضرت عیسیٰ اللہ نہیں ہیں، اللہ کے بیٹے بھی نہیں ہیں

،عیسائیوں میں ایک گروہ ہے جو آج بھی ابنیت کا قائل ہے، کہ جناب عیسیٰؑ اللہ کریم کے بیٹے ہیں، اور حضرت مریمؑ اللہ کی بیوی ہیں ''العیاذ باللہ''، قرآن نے بھی اس کی تردید کی ہے، لیکن ایک پہلو ہے قرآن کی تردید کا، اس پر آپ خصوصی غور کریں، قرآن جب تردید کر رہا ہوتا ہے، تو انصاف کے پہلو کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، اب کیا مجال ہے کہ شان عیسیٰؑ یا شان مریمؑ میں ایک بھی ایسا جملہ آگیا ہو، جو انھیں پڑھنے والے کے ذہن سے گرادے بالکل ایسی بات نہیں ہے، ان کی جو حقیقی عظمتیں ہیں انہیں بڑے شاندار انداز سے بیان کیا ہے، اور جو بات ان میں نہیں ہے، اس کی تردید کردی، لیکن انہیں یہ نہیں کہا کہ انہوں نے یہ بات کہی تھی، اس کی بھی تردید کردی کہ وہ تو ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے، یہ علماء کے لیے چونکہ آپ میں کوئی بندہ نہیں بیٹھا انہیں اللہ عقل دے، کہ یہ توحید بیان کر رہے ہوں تو ان کا انداز یہ ہوتا ہے کہ رسالت کی تنقیص ہو رہی ہے، تب توحید بنتی ہے، اور کچھ رسالت کو بیان کر رہے ہوں، تو توحید کی تنقیص کر دیتے ہیں، یہ بات غلط ہے، انداز گفتگو یہ ہو، کہ آپ حقیقت سے باہر نہ نکل سکیں، تو یہ وہ باتیں تھیں، جو اس سورہ کے مطالعہ کے لیے ہمیں ذہن میں رکھنی ہیں، اب آیئے ہم سورۃ کی طرف بڑھتے ہیں، اللہ کریم اپنے فضل و کرم سے اس سورۃ پاک کا بھی تفصیل سے بیان کرنے اور سننے کی توفیق مرحمت فرمائے، اور اسی طرح قرآن پاک کی تفسیر مکمل کرنے کی بھی ہمیں توفیق مرحمت فرمائے، اب آغاز ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ

اور جوایمان لائے ہیں اس پر (اے حبیب) جو اتارا گیا آپ پر اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے

وَبِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ﴿۴﴾

اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں ۱۳

۱۳ گزشتہ آیات میں متقین کے اوصاف کا ذکر تھا ان کے نتیجے کے طور پر یہ آیات کریمہ ذکر کی گئی ہیں، قرآن کریم نے ابتدائی حصے میں انسانی فطرت کی نمائندگی کرتے ہوئے تین گروہوں کا ذکر کیا ہے، ایک گروہ وہ جو ظاہراً اور باطناً ایماندار ہیں، ان کے دل اور زبانیں متفق ہیں، ان کو قرآن نے متقین کہا ہے، ایک تو وہ لوگ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں، دوسرے نماز قائم کرتے ہیں، تیسرے اللہ نے جس انداز کا بھی رزق عطا فرمایا ہے اسے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں، چوتھا سرکار علیہ السلام پر نازل شدہ وحی کو خواہ وہ وحی متلو ہے یا غیر متلو ہے اس پر ایمان لاتے ہیں، پانچواں سرکار سے پہلے کی کتابیں جو مختلف انبیاء پر نازل ہوئیں ان پر وہ مجمل ایمان رکھتے ہیں، چھٹا آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔☆

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ہُدًی مِّنۡ رَّبِّہِمۡ ٭ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾

وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی (توفیق) سے اور وہی دونوں جہان میں کامیاب ہیں ۱۴

ترجمہ: "**اولٰئک**" (وہ لوگ۔ جن میں یہ اوپر والی صفات ہوں) "**علیٰ**" (پر) "**ھدی**" (ہدایت) "**من**" (سے) "**ربھم**" (اپنے رب کی طرف سے)

۱۴ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور صرف یہی فلاح پانے والے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی عظیم ہو اس کے مرتبے کی اونچائی کی وجہ سے دور کا اشارہ کر دیا جاتا ہے، جب ہم اپنی زبان میں اسے ڈھالتے ہیں، تو قریب کے اشارے سے تعبیر کرتے ہیں، یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، بیضاوی نے یہاں ایک نکتہ بتایا ہے کہ سوار سواری پر ہوتا ہے تو وہ سواری اس کے کنٹرول میں ہوتی ہے، اسی طرح ان عادات کی وجہ سے گویا ہدایت ان کے تابع فرمان ہو گئی ہے،

Marfat.com

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ

آیاتہا ۲۰۰ — ترتیبہا ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے جو بےحد مہربان سدا رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ

الٓمّٓ ا ۔ اللہ وہ ہے، جس کے بغیر کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے، اور سب کو زندہ رکھنے والا ہے اس نے آپ پر کتاب نازل کی

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۳﴾ مِنْ

جو سچی ہے اور حق والی کتاب ہے، یہ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے آئی تھیں، اسی نے تورات اور انجیل کو بھی اس سے

قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ

پہلے نازل کیا تھا، تاکہ لوگوں کو ہدایت ملے، اس نے پھر یہ فیصلہ کن کتاب نازل فرمادی، یقیناً جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، ان کے لیے

عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾

دردناک عذاب ہے، اور اللہ ایسے لوگوں پر غالب ہے، وہ بدلہ لینے والا ہے

ا ۔ الٓمّٓ کا ترجمہ بھی مترجمین نے الٓمّٓ کیا ہے، یہ حروف مقطعات ہیں، یہ مختلف سورتوں کی ابتداء میں آتے ہیں، میں نے آپ کی خدمت میں عرض کر دیا تھا، کہ اس مقام پر سب سے بہتر تحقیق امام بیضاوی کی ہے، فخر الدین رازی نے اسی تحقیق کو تھوڑا آگے پھیلایا ہے، کہ حروف کی جتنی قسمیں ہیں، کہیں ان سے نصف لیا گیا ہے، کہیں دوگنا لے لیا گیا ہے، کہیں ایک گنا لیا گیا ہے، اور اسی انداز کو آگے تک نبھایا ہے، رہی یہ بات کہ ان کا کوئی معنی ہوتا ہے یا نہیں، تو اس سلسلے میں تفسیر روح المعانی میں یہ جملے موجود ہیں، جو آپ کی ذہنی عظمتوں کے سامنے میں پیش کر رہا ہوں، وہ فرماتے ہیں۔ **لا یعرفہ بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الاولیاء**

Marfat.com

حرف مقطعات کا مطلب نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمجھتے ہیں، یا اولیاء کاملین سمجھتے ہیں

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، کہ جب تفسیر میں ہے ہی نہیں، تو اولیاء کاملین کو اس بات کا کیسے پتہ چل جاتا ہے، تو امام آلوسی نے بڑی پیاری بات کہی ہے، کہ یہ لوگ بھی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار سدا بہار کے ساتھ رابطے کی وجہ سے ان کے حقیقی معنے جانتے ہیں، اور انہوں نے یہاں ایک بڑی نفیس بات کہہ دی ہے، یہ امت کا اجتماعی نظریہ رہا ہے، اس پر آپ جتنا بھی غور کریں گے، بے شمار باتیں آپ کے ذہن میں آئیں گی، اللہ کا کامل بندہ کسی مقام سے گزر رہا ہو، تو زمین سے اگی ہوئی بوٹیاں اسے کہہ دیتی ہیں، کہ اے بندہ خدا میرے اندر یہ تاثیر ہے، آپ عام لوگوں کے لیے مجھے استعمال کریں فلاں مرض کے علاج کے لیے، تو ان سے مختلف بوٹیاں یہ بات کہتی ہیں، ادھر علامہ صاحب نے جو بات کہی تفسیر میں وہ یہ ہے، کہ بذات خود قرآن کے حروف مقطعات انہیں کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہمارا حقیقی مطلب یہ ہے، کیا حروف بھی بولتے ہیں اس کی کوئی سند ہے، دیکھو کتنی چھوٹی عبارت ہے، اور کتنی نفیس بات علامہ صاحب کہہ گئے ہیں، وہ کہتے ہیں جی حروف بولتے ہیں کوئی مثال، فرمایا اس ذات اقدس کے ہاتھ مبارک کو یاد کر لیجئے کہ جن کی مٹھی میں کنکریاں بول پڑتی تھیں، وہاں بے جان کنکریاں بولتی تھیں اور یہاں بے جان حروف بولتے ہیں۔

اب اس کا مطلب یہ ہوا، کہ حروف مقطعات کا مطلب سرکار علیہ السلام سمجھتے ہیں، یا وہ لوگ سمجھتے ہیں جن کے سینے میں انوار مصطفوی ﷺ کی فراوانی ہے، انہیں یہ حروف خود بول کر کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے مطالب اور ہمارے Meanings یہ ہیں، یہ لوگ جانتے ہیں، بھائی نہ جانیں تو خرابی کیا ہے، اگر سرکار ﷺ بھی نہ جانیں اور یہ لوگ بھی نہ جانیں تو خرابی کیا ہے، خرابی یہ ہے کہ آپ ایسے الفاظ خط میں لکھ دیں جو کسی کو سمجھ نہ آتے ہوں تو وہ خط ہوگا یا ایسی پہیلی بن جائے گی، جو نہ سمجھنے کی اور نہ سمجھانے کی ہوگی، قرآن ایسی کتاب ہے جو سب کو اگر سمجھ نہ آئے تو حسب مراتب لوگوں کو سمجھ آجانی چاہیے، اور نبی کو تو اگر اس کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ آئے، تو وہ لفظ نبی پر نازل کس بات کے لیے ہوا ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے، کہ کوئی بھی فقرا اس کا ایسا نہ ہو، کوئی لفظ اس کا ایسا نہ ہو، جو نبی کی فہم سے باہر رہ جائے، امویت کی بات یا ابنیت کی بات کر دی تھی، تو قرآن نے کہا اللہ کوئی معبود نہیں مگر وہ تو ہے، اپنا تعارف خود کرایا، وہ زندہ ہے، اور تمہارا اپنا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ؑ کو صلیب پر لٹکا دیا گیا تھا، وہ زندہ نہ رہے، تو جو زندہ نہیں ہے وہ خدا نہیں ہے، دیکھا کس انداز سے بات کہنے کا ڈھنگ ہے، اور یہی بات ہے جو دلوں پر اثر کرتی ہے، اگر آپ کسی کو سمجھانے بیٹھیں اور اسے برے بھلے الفاظ سے یاد کرنے لگ جائیں تو وہ آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوگا، فرمایا وہ زندہ ہے، اب یہاں عیسیٰ ؑ کا ذکر نہیں کیا، وہ زندہ ہے، سمجھنے والا سمجھ گیا کہ جو زندہ قائم نہیں رہتا، وہ خدا نہیں ہوتا، بات صاف ہوگئی، ''القیوم'' وہ صرف زندہ نہیں بلکہ سب کو زندہ رکھنے والا ہے، اس کائنات کی زندگی اس زندہ کی وجہ سے ہے، بلکہ اسے

Marfat.com

میں ان لفظوں میں ڈھال دوں تو میرا خیال ہے سمجھنے میں بڑی سہولت رہے گی، کہ وہ زندگی ہے جس کے ساتھ لگ جاتا ہے اسے زندہ کر دیتا ہے۔

'یہاں ایک لفظِ حق کی تشریح کرنا چاہتا ہوں، عام مفسرین نے حق کا معنی سچ کیا ہے، تو یہاں حق کا معنی جو مفسرین نے کیا وہ بیان کر کے کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ حق سے مراد "**الحجة الغالبه**" یہ قرطبی نے معنی لیا ہے، یہ مشہور مفسر ہیں، وہ دلیل جو غالب آجائے وہ حق ہے، دوسری بات جو ''مفردات راغب'' میں امام راغب اصفہانی نے نقل کی ہے، وہ زیادہ جامع ہے، اور بہت پیاری تشریح ہے، لہذا اسے میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں، کہ حق کا لفظ فعل پر بھی بولا جاتا ہے، اور قول پر بھی بولا جاتا ہے، البتہ اس میں تین حیثیتوں کو ذہن میں رکھنا ہوتا ہے۔

نمبرا۔ کہ بات اسی طرح واقع ہو، جس طرح ضروری تھا کہ اسے واقع ہونا چاہے۔

نمبر۲۔ اور اتنی بات ہی واقع ہو، جس کا واقع ہونا واجب ہے۔

نمبر۳۔ اور تیسری بات کہ ایسے وقت پر وہ بات واقع ہو جو وقت اس کے لیے ضروری تھا۔

یہ تین باتیں ملیں تو حق ہوتا ہے۔ یہ مفردات راغب میں ہے، اب میں اصلی عربی عبارت پڑھ کر سناتا ہوں۔ تاکہ جو عربی جانتے ہیں وہ اس سے لطف اندوز ہوسکیں۔ وہ فرماتے ہیں!

الحق للفعل والقول الواقع بحسب مایجب وقدرما یجب و فی الوقت الذی یجب

یہ ان کی عربی عبارت تھی، جس کا مطلب میں نے آپ کی خدمت میں عرض کر دیا ہے۔ اب یہاں بات یہ ہوئی، کہ اللہ نے قرآن بھیجا ہے، اب اس میں تین حیثیتیں ہیں، جس انداز سے نازل ہونا چاہیے تھا اسی انداز سے نازل ہوا ہے، اور جس مقدار تک انسانیت کی ہدایت اس سے وابستہ تھی، اسی مقدار میں نازل ہوا ہے، اور اسی وقت اس کا آغاز ہوا ہے جو اس کے لیے ضروری تھا، یعنی صاحب کتاب آیا ہے، تو یہ نصاب آگیا ہے، اب یہ تین باتیں اکٹھی ہوں، تو حق بنتا ہے، لہذا یہ ترجمہ کافی نہیں ہوتا، کہ کتاب کو سچ سے اللہ نے نازل فرمایا، قرآن کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی، کہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، یہ تکذیب نہیں کرتا، جھٹلاتا نہیں، قرآن سے پہلے اللہ نے تورات اور انجیل بھی نازل کی تھیں وہ بھی لوگوں کی ہدایت کے لیے تھیں [illegible] پھر وہ کتاب آئی، جس نے حق اور باطل کے درمیان فرق پیدا کر دیا، اب کبھی بھی حق کے ساتھ باطل مل نہیں سکے گا، لہذا آیئے، فرقان کی بھی میں تشریح کر دیتا ہوں، تاکہ سارے معنی آپ کے سامنے آجائیں، تو لفظ واضح ہو جائے، علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے۔ "**الفرقان الفصل بین الحق والباطل**" فرقان وہ ہے جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کن لکیر کھینچ دیتی ہے، اور حق اور باطل کو الگ الگ کر دے، امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ فرقان سے مراد "**المعجزات**" ہیں، نبی کے معجزے ہوتے ہیں،

جیسا کوئی اور کر نہیں سکتا، اسے فرقان کہا جاسکتا ہے، متاخرین میں سے جو مفسرین ہیں انہوں نے بڑی نفیس بات کہی ہے، اور جدید ذہن اسے لازماً قبول کرتا ہے، وہ بات یہ ہے، کہ فرقان سے مراد ہے عقل، وہ کہتے ہیں کہ فرقان انسان کے اندر ایسی عقل پیدا کردیتا ہے جس کے ہوتے ہوئے غلط اور صحیح ایک ہو ہی نہیں سکتے، لہذا فرقان سے مراد عقل ہے، یہ متاخرین مفسرین کا نظریہ ہے۔ اب تینوں کا تقریباً انجام ایک ہے، کہ قرآن ایسی عقل عطا کردیتا ہے، ایسے معجزات اس میں موجود ہیں، یہ وہ فیصلہ کن کتاب ہے، جس کے ہوتے ہوئے باطل کبھی بھی حق کے ساتھ مل کے اسے خراب نہیں کرسکتا۔

یقیناً جو کافر کفر کرتے ہیں اللہ کی آیات کے ساتھ، ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اللہ غالب ہے، اور بدلہ لینے والا ہے۔

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ — اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں

شَيْءٌ فِي ٱلْأَرْضِ وَلَا فِي ٱلسَّمَآءِ ﴿٥﴾ — نہ زمین میں نہ آسمانوں میں

هُوَ ٱلَّذِي يُصَوِّرُكُمْ — وہی اللہ ہے جو تمہاری نقشہ کشی کرتا ہے

فِي ٱلْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٦﴾

تمہاری تصویریں بناتا ہے ماؤں کے پیٹوں میں جس طرح چاہتا ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی قابل عبادت ہے۔ غالب اور حکمت والا ہے[۲]

۲۔ اب اللہ کریم کی ایک اور صفاتی صفت سامنے آئی ہے، آیت کا ترجمہ ہے کہ یقیناً اللہ اس پر زمین اور آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں ہے، مخفی اس کے سامنے ہوتی ہے جو کسی شے کا خالق نہ ہو، وہ خود ہر شے کا خالق ہے، اس سے وہ کیسے چھپے گی، اور پھر اس شے نے کن کن انداز سے ہو کے کہاں پہنچنا ہے، یہ ساری باتیں اس کے علم میں ہیں۔

کیا آپ کی تخلیق میں کسی انسان کا بھی حصہ ہے، اگر حصہ ہوتا تو اپنی مرضی کے مطابق وہ بناتا، فرمایا "ارحام" کی تاریکی میں وہ تمہاری تصویر کشی کرتا ہے، اور جسطرح چاہتا ہے، اس طرح بنادیتا ہے، اس میں آپ کی مرضی شامل نہیں ہے، کسی اور کی مرضی شامل نہیں ہے۔ کوئی معبود نہیں، مگر وہی قابل عبادت ہے، جو غالب بھی ہے، اس کے مقابلے میں کوئی بھی نہیں آسکتا، اور وہ داناء بھی ہے، کہ نظام کائنات کو ایک منظم انداز سے وہ چلا رہا ہے۔ اب یہاں تک ایسی صفات تھیں، جو سیدنا عیسیٰؑ میں نہیں ہیں، لیکن قرآن کا حکیمانہ انداز میں پھر آپ کو متوجہ کروں گا، آپ نے ملاحظہ فرمایا، کہ کوئی ایسا لفظ آیا ہے کہ جس سے جناب عیسیٰؑ کی

عظمتوں میں فرق آتا ہو، اللہ نے ان کی عظمت اس طریقے سے بیان کر دی، کہ حضرت عیسیٰؑ میں چونکہ یہ صفات نہیں ہیں، لہذا کہا جا سکتا ہے، بڑے کھلے انداز سے کہ نہ وہ خدا ہیں اور نہ ہی وہ خدا کے بیٹے ہیں، اب پھر دعوت دیتے ہوئے ان لوگوں سے کہا!

هُوَ ٱلَّذِيٓ أَنزَلَ عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ مِنۡهُ

وہی (اللہ) ہے جس نے آپؐ پر الکتاب نازل کی ہے جس میں

ءَايَٰتٌ مُّحۡكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلۡكِتَٰبِ محکم (واضح) آیات ہیں وہی ام الکتاب (کتاب کی اصل جڑ) ہیں

وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ

اور بعض آیات متشابہ بھی ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو انہیں کے پیچھے پڑتے ہیں جو اس میں متشابہ ہیں

مِنۡهُ ٱبۡتِغَآءَ ٱلۡفِتۡنَةِ وَٱبۡتِغَآءَ تَأۡوِيلِهِۦۗ وَمَا يَعۡلَمُ تَأۡوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُۗ

فتنہ برپا کرنے کو اور ان کی تاویل کرنے کو ان کی تاویل تو صرف اللہ جانتا ہے

وَٱلرَّٰسِخُونَ فِي ٱلۡعِلۡمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنۡ عِندِ رَبِّنَاۗ وَمَا يَذَّكَّرُ

اور جو علم میں راسخ اور پکے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو

إِلَّآ أُوْلُواْ ٱلۡأَلۡبَٰبِ ﴿٧﴾

صرف عقل والے ہی حاصل کر سکتے ہیں

سوال اب آپ کے سامنے میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں، "الکتب" کا انگریزی معنی ہوتا The Book، میں سوچتا ہوں، کہ آپ چودہ سو سال پیچھے ہٹ جائیں، میں چیلنج کرتا ہوں، عالم عیسائیت کو اور عالم یہودیت کو وہ مجھے بتائیں کہ اس دور میں تورات کو The Book کسی نے نہیں کہا ہے، اگر ہے تو کوئی تاریخی حوالہ پیش کیا جائے، پتہ یہ چلا، کہ The Book صرف قرآن حکیم ہی ہے، اب ہمیں تو یہ بات یاد نہ رہی اور غیروں نے کہا کہ یہاں "الکتاب" آیا ہوا ہے۔ تو 'ال' عربی میں کسی Common Noun کو Proper Noun بنا دیتا ہے، انگریزی میں یہ کام The کرتی ہے، اب اس 'دی' کو بھی امریکیوں نے 'دا' پڑھنا شروع کر دیا ہے، کیونکہ یہ قوم ہی ایسی ہے، جو انسانیت کو داؤ پر لگا رہی ہے، اب 'دی' بھی 'دا' میں تبدیل ہو گیا ہے، تو ابھی تک اس زبان کے اندر جو

خامیاں ہیں تلفظ کے حساب سے وہ دور نہیں ہوسکیں، اور مستقبل قریب میں چھوڑ کے مستقبل بعید میں بھی دور نہیں ہوں گی، کبھی انگریزی زبان پر گفتگو ہو رہی ہوگی تو اس کا وہ کچا چھٹا آپ کے سامنے کھول کر رکھوں گا، کہ پتہ چلے گا کہ یہ تو بڑی گنواروں کی زبان تھی، اب گنواروں کو اقتدار مل گیا تو خیر سے یہ اقتدار میں جا پہنچی ہے، ورنہ یہ زبان اس قابل نہیں ہے، کہ اسے گرائمر کے سانچے پر کسا جائے، اور کسی بلیغ زبان کے مقابلے میں اسے پیش کیا جائے، آپ سے معذرت کے ساتھ کہ میرے حاضرین میں زیادہ تعداد انگریزی دان طبقے کی ہے، لیکن میں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ مجھے ذاتی طور پر انگریزی سے عداوت ہے اس کی خامیوں کی وجہ سے میں اسے عربی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں دیتا الکتاب سے مراد The Book تھی جو کہ قرآن تھی، اس کتاب نے اپنے پہلے فقرے میں یہ بات کہی کہ الم ذلک الکتاب' وہاں بھی الکتاب کہا یہاں بھی الکتاب کہا، اور قرآن میں الکتاب کا لفظ ہی آتا ہے۔ اے محبوبؐ آپ کے رب نے آپ پر کتاب نازل کی ہے کہ

منه آیت محکمت هن ام الکتب و اخر متشبهت ○

ان میں سے کچھ محکم آیتیں ہیں، وہی کتاب کی اصل اور جڑ ہیں، کچھ اور ہیں جو متشابہ ہیں

تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ ان آیتوں کے پیچھے چلتے ہیں جو متشابہ ہیں، کیوں ان کے پیچھے چلتے ہیں، فتنے کی تلاش کے لیے، اور اس کا مطلب نکالنے کے لیے، حالانکہ اس کا مطلب اللہ کے بغیر اور کوئی نہیں جانتا، جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں، کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں، یہ سب ہمارے پروردگار کا کلام ہے، اور نصیحت عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں، یہاں دو قسم کے الفاظ آگئے ہیں، ان کی میں تشریح کرنا چاہتا ہوں، ہمارے اصول فقہ میں یہ الفاظ یہاں سے لیے گئے ہیں، قرآنی آیات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ **محکم اور متشابہ۔**

محکم کی تفسیر کیا ہے، اس سلسلے میں مفسرین نے یہ بات کہی ہے۔

فالمحکم ما لا یعرض فی شبهة من حیث اللفظ ولا من حیث المعنی○

یہی مفردات راغب میں ہے، کہ محکم اس آیت کو کہا جاتا ہے کہ

جہاں شبہ کسی طرف سے بھی راستہ نہیں پاتا، نہ لفظ کے اندر کوئی شبہ آسکتا ہے اور نہ ہی معنی میں شبہ آسکتا ہے، وہ محکم ہے، تو متشابہ کیا ہے

المتشابه ما اشکل تفسیره لا من حیث اللفظ و لامن حیث المعنی○

کہ اس کی تفسیر مشکل ہوتی ہے، ہم لفظی طور پر بھی اس کی تفسیر نہیں کر سکتے اور معنی کے طور پر بھی اس کی تفسیر نہیں کر سکتے

قرآن کریم میں بے شمار ایسی آیات ہیں، جن کے معانی ابھی تک نہیں کھلے ہیں، مثلاً "رب کہتا ہے، کہ رب کا ہاتھ"۔ اور شریعت تفصیل سے کہتی ہے، کہ رب کا ہاتھ نہیں ہوتا، کیوں اس لیے نہیں ہوتا، کہ اس کا جسم نہیں ہے، اور قرآن نے خود کہا ہے۔

"لیس کمثلہ شیئی" (اس جیسی کوئی شئے نہیں) اب جہاں ہاتھ کا لفظ رب کے لیے آ گیا، پاؤں کا لفظ رب کے لیے آ گیا، یا چلنے کا لفظ رب کے لیے آ گیا، وہ صفتیں رب کے لیے آ گئیں، جو انسانی صفات ہیں، تو وہ آیات متشابہ ہیں۔ آپ کہہ دیں گے کہ ان کی حقیقت اللہ جانتا ہے، کہ اللہ کی مراد کیا ہے، ہمیں نہیں پتہ، یا اسی طرح الٓمٓ میں میں کہہ رہا تھا کہ اس کا معنی ہمیں نہیں پتہ، اب عام مفسرین کہتے ہیں۔

اللہ اعلم بمرادہ فی ذلک اس لفظ سے کیا مراد ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ متشابہ آیات ہیں

تو جو محکم آیات ہیں، وہ انسانیت کے لیے قانون دیتی ہیں، سیاست دیتی ہیں، عبادت دیتی ہیں، زندگی کے سارے گوشے عطا فرماتی ہیں، وہ محکم آیات ہیں، متشابہ آیات میں آپ نے صرف یہ کہنا ہے، کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے ہم اسے مانتے ہیں، اگر آپ پر بھی انعکاس ہو جائے کسی وقت نور کا اور کوئی ایسی آیت جس کا معنی نہیں آ رہا تھا، اور آپ کو آ جائے تو آپ اللہ کا شکر ادا کریں لیکن اس معنی کو آپ قوم پر ٹھونس نہیں سکتے، اس لیے کہ یہ الہامی کیفیت ہے، اور الہامی کیفیت آپ کے لیے دلیل بن سکتی ہے کسی اور کے لیے دلیل نہیں بن سکتی، تو اب آپ کو یہ پتہ چل گیا کہ قرآن کے اندر جن لوگوں نے فتنے کھڑے کیے ہیں، وہ وہی لوگ ہیں، جو آیات متشابہات کے پیچھے چل پڑتے ہیں، مثلاً ہمارا ایک طبقہ ہے، انہوں نے اس کا معنی کیا کہ جہاں بھی اللہ کہتا ہے کہ میرا ہاتھ ہے، اس سے مراد امام کا ہاتھ ہے اور جہاں اللہ کہتا ہے پاؤں ہے، وہاں امام کا پاؤں ہوتا ہے، یہ بات نہیں ہے، یہ متشابہات ہیں، انہیں اپنے انداز سے رہنے دیجئے، اب وہ لوگ کوشش تو یہ کرتے ہیں کہ انتشار پیدا ہو ملت میں اور ایسے بہت سارے لوگ غیروں نے ہمارے اندر بھیج دیے ہیں۔ اب یہ پکتھال جس نے انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا ہے وہ جاسوس تھا ترکی میں آیا وہاں آ کے شیخ الاسلام سے پڑھتا رہا، ایک دن پھر دل بدل گیا، معاشرہ اسلامی تھا اور پڑھانے والا بڑا کامل آدمی تھا، دل بدلا تو کہنے لگا حضرت آج میں آپ کو واضح کروں کہ میں عیسائی تھا، میں جاسوس ہوں انگریز حکومت کا، میں جاسوسی کے لیے آیا تھا، لیکن اسلام میرے دل میں گھر کر گیا ہے، مجھے آپ کلمہ پڑھا دیں، انہوں نے کہا نہیں بیٹا، آپ جو بھی تھے آپ چند سال میرے پاس رہے، آپ انگلستان تشریف لے جائیں، اس معاشرے میں جا کے اگر یہ رنگ باقی رہا تو یہ اسلام ہوگا، اور وہاں جا کے یہ زنگ بن کے اتر گیا تو پھر یہ کچھ بھی نہیں ہے، لہذا واپس جاؤ، یہ بات اس کے دل کو مزید چیر گئی، کہ ہماری طرف کوئی عیسائیت کے لیے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے عیسائی کر دو تو ہم ایک لحمہ بھی دیر نہیں کرتے، کیا اخلاقی برتری ہے اس بندے کی کہ کہتا ہے پہلے گھر جاؤ، اگر یہ کیفیت وہاں باقی رہ گئی، تو پھر اسلام لے آنا، اور اگر یہ کیفیت باقی نہ رہے تو پھر اسلام کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ایک اور بندہ جو ایک عالم دین کی محفل میں بیٹھا تھا، وہ ہندو سے مسلمان ہوا تھا، ایک اور بندہ آیا اور اس نے کہا، شیخ صاحب

Marfat.com

میں بھی آپ کی طرح مسلمان ہوا ہوں، آپ مجھے کچھ پیسے دے دیں، انہوں نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے پاس مانگنے والے پہلے کافی تھے، جدھر تو تھا ادھر ہی رہ جاتا بہتر ہوتا، اور اب بھی وقت ہے اگر تو واپس جانا چاہتا ہے تو واپس چلا جا، تو یہ اسلام کی اخلاقی برتری ہے، کہ وہ انسانی ذہن کو آزاد چھوڑ کے اسے کہتا ہے، کہ جب تیرے دل کی گہرائیوں میں اسلام اتر جائے، اور خون بن جائے گا، تو پھر اسے قبول کر لینا، تو جو لوگ فتنے کے لیے ایسا کرتے ہیں یا اس کا معنی تلاش کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔

اب یہاں وقفہ **"الا اللہ"** پر وقف لازم ہے تو تفسیریں دو ہوں گی، کچھ لوگوں نے کہا الراسخون پر وقفہ ہے، تو اس صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا، کہ علم میں جو پختہ لوگ ہیں، وہ بھی جانتے ہیں کہ ان کا مفہوم کیا ہے، ٹھیک ہے ایسا ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ یہاں وقفہ لازم ہے اس لیے اگلی عبارت کو الگ کرنا پڑے گا، پھر اس کا معنی یہ ہوگا، جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے، یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور نصیحت عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں، روح المعانی کے مصنف ارشاد فرماتے ہیں، کہ یہ تو پتہ چل گیا کہ جو آیات متشابہ ہیں ان کا معنی کوئی نہیں جانتا، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے غور و فکر اور اپنے طرز استدلال سے ان کا معنی وہ نہیں جانتا، اگر اللہ اپنے نبی کو ان کا معنی بتا دے، تو کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق حاصل ہے، یا اللہ کسی کامل انسان کے دل میں ایک معنی القاء کر دے، تو کسی کو اس پر اعتراض کا کیا حق ہے۔ یہ مفہوم ہے اس عبارت کا جو روح المعانی کے مصنف نے کہی ہے، وہ کہتے ہیں دونوں صورتوں میں خواہ اس کو پہلے حد تک مانے یا نہ مانے، نتیجہ یہی نکلے گا، کہ اللہ کسی کو متشابہ آیات کا معنی بتا دے تو پھر کسی کو اعتراض نہیں ہے کہ وہ بندہ اللہ کے بتانے سے جانتا ہے، میں تھوڑا سا اس میں ایک فقرے کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں اگر متشابہ آیات کا معنی سرکار ؐ کو پتہ نہ ہو تو قرآن کا نازل ہونا لغو ہو جاتا ہے لہذا انہیں اس کا پتہ ہونا چاہیے، اب وہ عبارت میں آپ کے سامنے پڑھتا ہوں خاص طور پر ایک عزیزہ کے لیے اور دوسرا خان عبدالرؤف خان صاحب کے لیے جو تشریف لائے ہیں عربی سے واقفیت کی وجہ سے اصل عبارت یہ ہے کہ

لعل القائل یکون المتشابہ مما استاثر اللہ بعلمہ لا یمنع تعلیمہ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بواسطۃ الوحی مثلا

یعنی خود کوئی نہیں حاصل کر سکتا نبی کو اللہ تعالی عطا فرما دیتا ہے

Marfat.com

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ

اللہ ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر ہدایت دینے کے بعد عطا فرما

لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ

اپنی طرف سے رحمت، بے شک تو ہی عطا فرمانے والا ہے اے ہمارے پروردگار تو لوگوں کو اکٹھا کرلے گا

النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۹﴾

اس دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے تو یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا ۵

۵ **وھاب** کا معنی کریں گے بہت زیادہ عطا فرمانے والا، قیامت آنے کا آپ نے وعدہ فرما رکھا ہے۔ اب اگلی بات کہنے کے بعد یہ دعا سکھائی نجرانیوں کو، تم یہ کہہ دو، کہ اے اللہ ٹیڑھے دلوں کو ہدایت دیدے، اور ہدایت کے بعد گمراہ نہ کر، رحمت عطا کر تو بہت زیادہ بخششیں عطا فرمانے والا ہے، قیامت کے دن ہم سب نے تیری سرکار میں حاضر ہونا ہے، ہم اگر کسی معنی میں چکر بھی کریں یا کوئی معنی بدل بھی دیں، تو وہاں تیرے سامنے تو کوئی بات چھپ نہیں سکے گی، قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے، کہ تیرا یہ وعدہ ہے، اور تو وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم

یقیناً وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کریم کے سامنے انہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں دیں گی

مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَأْبِ آلِ

وہ لوگ آگ کا ایندھن ہیں جس طرح فرعونوں کا طریقہ تھا

فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ

اور ان کا بھی جو ان سے پہلے تھے، ان سب لوگوں نے تکذیب کی اللہ کی نشانیوں کی تو اللہ نے ان لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے گرفت میں لے لیا

Marfat.com

وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾ قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ

اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے ۶۔ محبوب آپ ان لوگوں کو فرمادیں، جو کافر ہیں کہ وہ بہت جلد مغلوب ہوجائیں گے

وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ كَانَ

اور پھر انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا جہنم بدترین ٹھکانہ ہے یقیناً تھی

لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

تمہارے لیے ان دو جماعتوں میں جو باہم ٹکرائے ایک نشانی، ایک گروہ اللہ کے راستے میں جہاد کررہا تھا

وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ

اور دوسرا گروہ کافر تھا مسلمان انہیں ظاہری آنکھوں سے دوگنا دیکھ رہے تھے اللہ

يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي

اپنی مدد سے تائید فرماتا ہے جن کی چاہتا ہے بے شک اس میں نصیحت ہے دیکھنے والوں کے لیے

الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾

۶۔ **ان الذین کفرو لن تغنی . . . لعبرة لاولی الابصر** ارشاد یہ ہوا کہ اس دنیا میں دو چیزوں پر ناز ہوتا ہے۔ یا تو بہت سارے پیسے پاس ہوں تو ان پر ناز ہوتا ہے۔ اور اولاد جوان ہو قوت بازو ہو۔ قوت بازو پر ناز ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے ان دونوں باتوں کو رد کر دیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ کے انکار کے بعد یہ دونوں باتیں مفید نہیں ہوتیں۔ نہ تو بے پناہ دولت فائدہ دیتی ہے۔ اور نہ قوت بازو فائدہ دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان دونوں چیزوں کا ساتھ آپ کی زندگی کے آخری لمحہ تک ہے۔ اس کے بعد مال بھی آپ کے پاس نہیں ہے۔ اور اولاد بھی آپ کے ساتھ نہیں ہے۔ ان کا فائدہ یہاں منقطع ہوجاتا ہے۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ کہ کفر اور انکار کی وجہ سے اللہ کریم سے دوری ہوجاتی ہے۔ اور آپ میں سے جو بھی انسان اللہ سے دور ہوتا جائے گا۔ وہ اتنا

Marfat.com

اب وہ ہدایت کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر جا نہیں سکتے۔

ھدیٰ عربی زبان میں مصدر ہے اور اسے یہاں نکرہ استعمال کیا گیا ہے، اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کو اللہ گناہوں سے محفوظ فرما دیتا ہے۔

"واولٰئک ھم المفلحون" (یہ لوگ فلاح پانے والے ہیں) جب مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہو جائیں تو عربی گرائمر میں مبتداء کے مطابق درمیان میں ایک ضمیر آ جاتی ہے، اسے ضمیر فصل کہتے ہیں، لیکن یہاں یہ ضمیر، حصر کے لیے استعمال ہوتی ہے، ترجمہ ہوگا یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں، فلاح کے لفظ کے بارے میں عربی کی لغت تاج العروس میں مصنف نے فرمایا، **"لیس فی کلام العرب کلہ اجمع من لفظ الفلاح لخیر الدنیا والآخرۃ کما قال ائمۃ اللغۃ تاج العروس"۔**

''عربی زبان میں فلاح جیسا جامع لفظ اور ہمیں کوئی نہیں ملتا، مطلب یہ ہے، اس دنیا یا دوسری دنیا میں جو بھی کامیابی کے اطوار ہیں وہ سب ان لوگوں میں موجود ہیں، تاج العروس کی عبارت یہ ہے:'' دوسرا گروہ منکر ہے، جو زبان و دل سے نہیں مانتا، قرآن نے اپنی اصطلاح میں انہیں کافر قرار دیا ہے، کافر کا لفظی معنی ہے چھپا دینے والا، اس کا مصدر کفر ہے، قدیم عربی میں کسان کو کافر کہتے تھے، کہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے، لیکن جب اسلام نے اس کے لیے ایک خاص اصطلاح متعین کی، تو یہ لفظ اس معنے میں متروک ہو گیا، پھر اس کے بعد انہیں کافر نہیں کہا گیا، زارع کہا گیا زُراع اس کی جمع قرار دی گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾
یقیناً جو لوگ کافر (دینِ حق کے منکر) ہو گئے ہیں ان کے لئے برابر ہے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا وہ ایمان نہیں لائیں گے ۱۵

۱۵ **"انّ الذین کفروا"** (یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا) **"سوآءٌ"** (برابر ہے) **"علیھم"** (ان کے لیے) **"ءانذرتھم"** (پہلے ہمزہ استفہامیہ ہے، آپ انہیں ڈرائیں) **"ام لم تنذر ھم"** (یا آپ نہ ڈرائیں انہیں) **"لا یؤ منون"** (وہ ایمان نہیں لائیں گے) آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

یہاں بیضاویؒ اور صاحب کشاف نے ایک نکتہ پیدا کیا ہے، کہ ''سواء'' علیھم ''ان کے لئے برابر ہے، یہ نہیں فرمایا کہ سرکار علیہ السلام کے لیے برابر ہے، وجہ یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام نے رب کا جو پیغام پہنچاتا ہے، اس کا اجرِ عظیم ہر حال میں اللہ

Marfat.com

ہی جہنم کے قریب ہوتا جائیگا۔تو جب اسی کفر کی حالت میں یہ لوگ مر جائیں گے۔ارشاد فرمایا! یہ پھر جہنم کا ایندھن ہی بننے والے ہوں گے۔

لیکن یہاں ایک نکتہ ذہن میں رہنا چاہیے، وہ یہ ہے کہ آگ جلا کر مار دیتی ہے۔جہنم میں اسے سزا کے طور پر ڈالا جاتا ہے۔کہ آگ مارتی نہیں جلاتی ہے وہاں انداز یہ ہے کہ جسم جلتا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ بنتا چلا جاتا ہے۔تاکہ جو جرم کیا اسے اس جرم کی پوری سزا دی جائے۔ارشاد یہ فرمایا کہ کفر کا یہ انداز آج سے نہیں ہے، مکہ کے کافر، مدینہ کے یہود وعیسائی اس طریقے سے کر رہے ہیں۔یہ پرانا انداز ہے یہی طریقہ تھا۔فرعونن کے ساتھیوں کا یہاں آل فرعون کہا ہے اس سے مراد فرعون کے ساتھی ہیں۔یعنی فرعونی طرز زندگی کو فرعونی معاشرے کو فرعونی عقیدے کو قبول کرنے والے لوگ پہلے اسی طرح کرتے رہے ہیں جس طرح یہ آج مکہ اور مدینہ کے مشرک یا اہل کتاب کر رہے ہیں۔اور صرف فرعونیوں کی بات نہیں ہے۔فرعونیوں سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔اب پہلے سب نے تورات کو جھٹلایا، انجیل کو جھٹلایا اور یہ اب قرآن کو بھی جھٹلا رہے ہیں۔ان سے جو پہلے تھے وہ سابقہ انبیاء کے صحیفوں کو ان کے ارشادات کو جھٹلا رہے تھے۔

دراصل جب بھی لفظ آیات آتا ہے۔کسی نبی کے ضمن میں تو وہاں تین چار باتیں مراد ہوتی ہیں۔اس کو ذہن میں رکھ لیا جائے۔ایک تو وہ کتاب جو نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔وہ آیات میں شامل ہیں ایک نبی کے اپنے ارشاد جو قوم کی اصلاح کے لیے نبی کہتا ہے۔وہ بھی آیات میں شامل ہیں۔تیسری بات وہ معجزات ہیں جو نبی قوم کو دکھاتا ہے۔وہ بھی آیات میں شامل ہیں۔اور جب بھی آپ اس پر غور کریں گے۔آپ سمجھیں گے کہ نبی کی ساری زندگی ہی آیات سے مرکب ہوتی ہے۔اور یہاں سب باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ان سے جس شے کا بھی انکار ہوگا وہ دراصل ان تعلیمات کا انکار ہوگا۔جو اس نبی کے ذریعے اللہ کریم کائنات میں پھیلا دینا چاہتا ہے۔پھر اللہ کریم نے انجام کی طرف اشارہ فرمایا۔کہ ان کے ایسے گناہوں کی وجہ سے، گناہوں کی ابتداء کہاں سے ہوئی۔کفر سے، ذات ربانی کے انکار سے، رسول کے انکار سے، رسول پر نازل ہونے والی کتاب کے انکار سے، اور پھر یہ انکار آگے بڑھتا چلا گیا معاشرے میں ان باتوں کو پھیلایا گیا جو نبی کا منشا نہیں تھا اللہ تعالیٰ کا منشا نہیں تھا۔معاشرے کو اس راستے سے ہٹایا جو اللہ اور رسول کی طرف لے کر جاتا ہے۔یہ وہ باتیں ہیں جو ساری کی ساری مجموعی گناہ ہیں۔تو ان گناہوں کی وجہ سے اللہ کریم فرماتے ہیں۔ہم نے ان کا مواخذہ فرمادیا۔اور جب اللہ تعالیٰ مواخذہ کرتے ہیں وہ پھر بڑا ہی سخت ہوتا ہے۔تاریخ بھری پڑی ہے ایسی مثالوں سے، یہ سرکشی اپنے مقام پر جاری ہے، لیکن جب وہ وقت آگیا، جو گرفت کا وقت ہے تو پھر ان کی زبان پر نرالی بات ہے۔

فرعون ڈوبتے ہوئے کہہ رہا تھا، کہ میں اب اس رب پر ایمان لے آیا ہوں، جو موسیٰؑ کا رب ہے، اب وہ اپنے قول بھی بھول گیا

Marfat.com

ہے کہ جب وہ کسی اور کو رب نہیں بنا تا تھا۔ یہ بات بھی کہی کہ میں اس رب کو مانتا ہوں جو موسیٰؑ کا رب ہے تو قرآن نے جواباً یہ بات کہی کہ اب وہ وقت نہیں ہے جسے ماننے کا وقت کہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ایمان بھی جبری ایمان ہوتا ہے۔ وہ مستند نہیں ہوتا، وہی ایمان معتبر ہے جو اختیار کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب چونکہ جبراً ایمان لا رہا ہے۔ لہذا اس ایمان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ جب وقت تھا ایمان لانے کا تو اس وقت ایمان کی طرف نہیں بڑھا، ایسے بے شمار تاریخی واقعات ہیں، کہ بدترین قسم کے کافر جب سکرات موت کے ہاتھوں مضطرب اور بیقرار ہو رہے تھے، تو ان کے اندر کا انسان جاگ گیا تھا۔ اور اس وقت انہوں نے ماننے کا اقرار کرنا چاہا لیکن ایمان کا وہ وقت نہیں تھا۔ اب یہاں قرآن نے ایک پیشگوئی کر دی، متعدد مقامات پر قرآن نے پیشگوئیاں فرمائی ہیں، مثلاً ایک جگہ پر ارشاد ہوا کہ محبوب جس مقام کو آپ چھوڑ کے آئے ہیں آپ نے وہاں واپس جانا ہے اور پھر فتح مکہ نے اس پیشگوئی کو پورا کر دیا۔ یہاں قرآن پاک نے یہ بات فرمائی کہ محبوبؐ سب کافروں کو آپ کہہ دیں چاہے وہ عیسائیوں کی شکل میں آپ کے دشمن ہوں، یہودیوں کی شکل میں آپ کے دشمن ہوں، یا مشرکین کی شکل میں آپ کے دشمن ہوں، ان سب کو آپ فرما دیں تم بہت جلد شکست کھا جاؤ گے۔ مغلوب ہو جاؤ گے، اقتدار مسلمانوں کے پاس آ جائے گا، اب آگے کیونکہ بدر کا واقعہ آنے والا ہے، تو اس سے پہلے قرآن نے پیشگوئی کر دی، کہ تم نے شکست کھا جانا ہے، اور اس شکست کے نتیجہ میں تم ذلیل و رسواء ہو جاؤ گے۔ پھر شکست ہوتے ہی تمہاری موت ہوتی ہے جس طرح تمہارا عقیدہ ہے کہ ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے۔ بات ختم ہو جائے گی، دراصل روز اول سے دو طریقے مساوی چلتے آ رہے ہیں، ایک عقیدہ یہ ہے کہ ہم مر کر مٹی نہیں ہوں گے، مٹی ہوگا تو ظاہری جسم ہوگا، ہماری روحوں نے باقی رہنا ہے، اور زندگی کا تعلق ان کے ساتھ ہے، لہذا مر کر مٹی ہونے والا فلسفہ نہیں ہے، انبیاء کی یہ تعلیم ہے مقابلے میں جو اپنے آپ کو عقلاء کہتے تھے، فلاسفر کہتے تھے اہل دانش کہتے تھے، ان کا نظریہ یہ تھا کہ ہم نے مر جانا ہے، تو پھر کچھ بھی نہیں رہے گا۔ کبھی کبھی مسلمانوں کی زبان پر ایسے الفاظ آ جاتے ہیں، بابر نے بھی کہا تھا!

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

بابر خوب گل چھرے اڑا، دوبارہ دنیا نہیں ملے گی

، تو یہ وہ نظریہ ہے جو لاشعوری طور پر کسی کسی کے ذہن میں آ جاتا ہے، ورنہ شعوری انداز سے کوئی مسلمان بھی اس نظریہ کو نہیں مان سکتا، کہ میں نے مر کر مٹی ہو جانا ہے، اور میری اصلیت ختم ہو جاتی ہے، یہ بات نہیں ہوتی، یہ جسم ہمارا لباس ہے، لباس بدلنے سے ملبوس جو ہے وہ ختم نہیں ہو جایا کرتا، آپ روزانہ یہ لباس بدلتے رہتے ہیں، کیا لباس بدلنے والا لباس بدلنے سے ختم ہو جاتا ہے، تو اسلام نے ہر دور میں آدم علیہ السلام سے لیکر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ایک ہی بات کہی کہ تمہاری زندگی موت پر ختم نہیں ہوتی، ایک دنیا بدل جاتی ہے، تم ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتے ہو، اسی کو صحابہ عالی مقام میں سے کسی ایک بزرگ

Marfat.com

نے اس بات کو ایک بڑے نفیس انداز میں ایک فقرے میں بیان کر دیا ہے۔

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب

موت تو ایک پل ہے جو دوست کو دوست تک پہنچانے کا ذریعہ ہے، آپ برزخ کو عبور کر کے آگے بڑھنا چاہتے ہو، برزخ عبور نہیں ہو سکتا، تو برزخ پر ایک پل آنا چاہیے، وہی موت ہے، اقبال نے اسے بے شمار انداز سے بطور فلسفی کے بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ!

موت اس گلشن میں جو سنجیدن پر کچھ نہیں

جسے آپ موت کہتے ہیں وہ گلشن انسانیت میں صرف اس بات کا نام ہے، کہ پرندہ اڑنے سے پہلے ذرا اپنے پروں کو تول لے کہ وہ مجھے اڑا سکتے ہیں یا نہیں، اب جو پر اسے روزانہ اڑاتے رہتے ہیں، کیا اس کے اڑنے میں اسے کوئی ذرا سا بھی شک ہے، پروں کو تولے گا اندازہ لگائے گا، تو پھر اڑے گا۔ اقبال نے اور بہت ساری باتیں کہیں ہیں جو بڑے نفیس انداز میں فلسفہ موت پر مختلف حصوں میں بیان کرتا چلا جاؤں گا، اس لیے کہ میں قرآن پر لیکچر دے رہا ہوں، اقبال پر نہیں۔

ک ایک تو تم نے شکست کھا جانی ہے، اور شکست کے بعد تمہیں جہنم کی طرف ہانک دیا جائے گا۔ ابھی آگے واقعہ بدر آتا ہے، اس کی تفصیلات میں یہ بات آئے گی، لیکن یہاں ایک چھوٹی سی بات یاد رکھ لیں، کہ جب انہیں میدان بدر میں ڈال دیا گیا تو چھوٹا سا ایک گڑھا تھا کنواں نما، سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم توہین انسانیت نہیں چاہتے تھے، وہ تھے کافر لیکن انسانی لباس میں تھے، ان کا جسم تھا، چہرہ تھا، ہاتھ تھے، پاؤں تھے ساری کیفیات تھیں۔ سرکارؐ نے فرمایا کہ انہیں اس گڑھے میں ڈال کے دفن کر دیا جائے۔ وہ کافر ہیں، لیکن یہ اسلام کا ایک عجیب انداز ہے، اور رحمت عالم کی رحمۃ للعامینی کا یہ ایک عجیب اظہار ہے۔ کہ انہیں بھی زمین کے اوپر نہیں چھوڑا، انہیں دفن کیا جائے، ان مردہ لاشوں کو گدھیں نہ نوچیں، یہ سرکارؐ کا اپنا انداز ہے، اب جب انہیں وہاں ڈال دیا گیا، اور ان پر مٹی ڈال دی گئی، تو سرکارؐ نے ایک ایک کا نام لے کے خطاب کیا، ارشاد ہوا، کیا میں جو تمہیں بات کہتا تھا، وہ سچ ثابت ہوئی کہ نہیں، دوسرے کا نام لیا تیسرے کا نام لیا، کیونکہ اس سلسلے میں اسلام کے متعلق ابھی زیادہ آیات نازل نہیں ہوئی تھیں، حضرت عمر پاس تھے وہ بول پڑے اس لیے بولے کہ ان کی عمر ابھی کم تھی، یا اس لیے بولے کہ اس [illegible] سارے مسلے حل ہو جائیں گے، انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ کیا یہ سن رہے ہیں؟ سرکار کریم کا جواب یہ تھا یہ بخاری کی حدیث ہے کہ

"آپ سے زیادہ بہتر یہ لوگ سنتے ہیں"

تو پتہ یہ چلا کہ برزخی دنیا میں مرنے والے کو پاس کھڑے آدمی کی آواز سنائی دیتی ہے، اب رہی یہ بات کہ وہ بہت نیچے ہے اوپر مٹی کی کثافت ہے، میں اس کثافت اور لطافت پر تفصیل سے بہت لمبی بات کر سکتا ہوں۔ لیکن جتنی بات لمبی ہوگی پھر تفسیر

بہت طویل ہو جائے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے یہ بات کہوں کہ اس کثافت اور لطافت کو مجھ سے اور آپ سے اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ بہتر جانتے ہیں، لہذا جو اللہ فرمائے گا، زبان مصطفیؐ سے جو موتی نکلیں گے، ہمارا کام انہیں اپنی عقل کی ترازو پر تولنا نہیں ہے، وہ دونوں عقلیں کل ہیں، عقل جزو کو وہ بات مان لینی چاہیے، جو عقل کل کی زبان اقدس سے نکل رہی ہو، سرکارؐ نے فرمایا، آپ سے زیادہ بہتر یہ بات سن رہے ہیں، اب ایک آدمی جو اللہ کا باغی ہے وہ قبر میں بہتر انداز سے آواز سن رہا ہے، جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اور مطیع ہے، اس کے سننے کی کیفیت کیا ہوگی۔ لہذا یہ خیر سے بات کہتے جانا، کہ جو مر گیا وہ مٹی میں مل گیا، عراق میں ایک بزرگ ہوتے تھے۔ مولانا قطبی ہمارے مایہ ناز عالم دین گزرے ہیں، انہوں نے خود مجھے یہ واقعہ سنایا تھا، کتابوں میں میں نے پڑھا تھا، اس کی قبر پر کوئی بندہ جا کر بیٹھ گیا، اور اس نے نیم فارسی، نیم عربی میں یہ بات کہی!

کل کردی مردی وکل مردی لا یردی

کہ ہر کردی مر جاتا ہے۔ اور جو کردی مرتا ہے وہ واپس نہیں آتا پھر قبر کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا نیچے سے بڑے زور کی اسے لات ماری دور جا گرا انہوں نے کہا!

لیس کل کردی مردی ولیس کل مردی لا یردی

ٹھیک ہے کہ ہر کردی مر جاتا ہے اور پھر واپس نہیں آتا، اب تجھے تو ایک لات لگ گئی ہے تجھے پتہ چل گیا کہ ہر کردی مرا ہوا نہیں ہوتا، تو جو اس انداز کا تن ہے، اس کی تو بات اور ہے، جو ناقص ہے میں کہا کرتا ہوں، خدا جانے ہمارے کم علم علماء کو کیا ہو گیا ہے میں کہتا ہوں کہ آپ نہرو اور گاندھی کی موت بھی ثابت نہیں کر سکتے، ان میں بھی روح تھی اور اس روح نے بھی آزاد رہنا ہے، قیامت کے دن تک، یہاں وہ روح خدا کا انکار کرے، اور قبر میں مزے سے جا کر سو جائے، لہذا ان روحوں کو بھی باقی رہنا ہے، جو غیر مسلم روحیں ہیں، تاکہ اپنے کیے کی سزا پا سکیں، اور جس بندے نے بھی قرآن کا گہرا مطالعہ کیا، یا حدیث کا سرسری مطالعہ کیا، وہ اس بات کا انکار نہیں کر سکتا یہ دہریت ہوگی اگر اس بات کا انکار کیا جائے۔ یہ قرآن وسنت کا انکار ہوگا۔ ارشاد فرمایا کہ تم سب جہنم کی طرف جھونکے جاؤ گے۔ جہنم بدترین ٹھکانہ ہے، آپ اس دنیا میں ہیں، یہاں چھوٹے جہنم کے نمونے ہیں، حوالات ہے جیل ہے، وہاں چند سہولتیں آپ سے چھین لی جاتی ہیں، تو آپ کے لیے زندگی وبال جان بن جاتی ہے، اور جہاں کوئی بھی سہولت باقی نہ رہے، وہاں کی کیفیت کیا ہوگی۔ جس آگ کی قوت اس آگ سے ستر گنا ہو اس کی اذیت کی حد کیا ہوگی!

اب آپ کو اس واقعہ کی طرف قرآن پاک لے جانا چاہتا ہے۔ جسے آپ واقعہ بدر کہتے ہیں۔ اس پر تھوڑا سا پس منظر بیان کر دوں۔ تاکہ آیات کے سمجھنے کی سہولت رہے۔ مسلمان مکہ چھوڑ کے مدینہ طیبہ چلے گئے۔ وہاں ایک چھوٹا سا معاشرہ قائم ہو گیا۔ یہ اسلامی سٹیٹ کے قیام کی پہلی صبح تھی۔ سرکارؐ اور آپ کے ساتھی اس معاشرے میں آزادی سے جس طریقے سے

Marfat.com

چاہتے تھے۔قرآن حکیم پرعمل فرماسکتے تھے۔کافروں کوایک بات کھائے جارہی تھی،کہ وہ صحیح سلامت یہاں سے نکل گئے ہیں،اور اس دور کی جوچھپی دشمنی تھی وہ اپنی انتہا پر پہنچ گئی،وہ کہتے تھے،کہ وہ جب پلٹیں گے تو وہ ہمیں تباہ و برباد کردیں گے۔لہذا اس سے پہلے کہ وہ ایک قوت بن سکیں،انہیں کچل دیا جائے،مدینہ کی فضاء کچھ اور تھی،وہاں یہودیوں کا ایک گروہ تھا،اور نمبر دو جو جماعت تھی وہ عیسائی تھی۔لیکن ان عیسائیوں کے نجران کے عیسائیوں سے گہرے تعلقات اور رشتہ داریاں تھیں۔وہ چاہتے تھے کہ ان مسلمانوں کوکچل دیا جائے۔لیکن کچلنے کے لیے ہم آگے نہ بڑھیں،ہم سازش میں شریک ہوں،اور انہیں ماریں تو مکہ والے ماریں ،جوان کے اپنے رشتہ دار ہیں،اب یہاں دو باتیں آپ کے ذہن میں بیٹھ گئی ہوں گی،کہ مکہ والوں کوکیا دشمنی تھی،اور مدینہ والوں کو کیا دشمنی تھی،یہاں یہودی آگے کیوں نہیں بڑھے ان کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے،کہ وہ ہمیشہ سازش کرتے ہیں،اس وقت بھی وہ بین الاقوامی سازشوں میں شریک ہیں،اور اقبال کے لفظوں میں امریکہ کی جان جو ہے،وہ یہودیوں کے پنجے میں ہے،اور ہم بھی دیکھتے ہیں بین الاقوامی اقتصادیات پر،اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ پر،یہودی چھایا ہوا ہے،آپ کی خبر مڑ کر وہاں سے آتی ہے،اور پھر اسے اس کالب میں ڈھال دیا جاتا ہے،جو بین الاقوامی سطح پر یہودی سوچتا ہے،جو اس کے مفاد میں ہوتا ہے، آپ اگر اس بات کو گہرے انداز سے لیں اور بین الاقوامی اخبارات کا مطالعہ کریں ان کے پیچھے جو قوت محرکہ،جذبہ محرکہ ہے اسے جاننے کی کوشش کریں تو یہ دو باتیں بالکل الگ آپ کے سامنے واضح ہو جائیں گی،پہلی بات یہ جو عالمی اقتصادیات پر یہودی کا قبضہ ہے،وہ جس چیز کو چاہتا دنیا میں مہنگا کر دیتا ہے،اور جس چیز کو چاہتا ہے ساری دنیا میں سستا کر دیتا ہے امریکہ کا صدران کے سامنے بے بس ہے اسرائیل جو چاہے کرتا رہتا ہے اس پر افتاد کیوں نہیں پڑتی کیونکہ ان کی بیک Back پر یہودی لابی ہے،جو امریکہ میں موجود ہے،اور جس کے ڈالر امریکہ کی جان پر چھا چکے ہیں،اور امریکہ ادھر ادھر سر نہیں موڑ سکتا ،روس میں بھی یہودی اقتصادی نظام کی تباہی کا باعث بنا۔اور دوسرا بین الاقوامی پریس جو ہے،وہ یہودیوں کی تحویل میں ہے،وہ خبریں جس انداز سے چاہتے ہیں گھڑتے ہیں،جس انداز سے چاہتے ہیں ان کی تشہیر کرتے ہیں،پھر ان کی سارے ملکوں کی مختلف انداز سے یہودیت کا نام لیے بغیر تنظیمیں ہیں،آپ کے پاکستان میں بھی ہیں،باقی دنیا میں بھی اور وہ تنظیمیں عالمی سالمیت کے لیے تباہ کن ہیں (دراصل عربی میں لفظ سلمیت ہے لیکن اردو میں ہم اس کا تلفظ سالمیت کرتے ہیں) اب یہ ساری دنیا میں چھائے ہوئے ہیں،ہٹلر نے انہیں ان ہی وجوہات کی وجہ سے تباہ کرنے کی کوشش کی تھی،لیکن مغرب نے اس پالتو کتے کو مرنے نہیں دیا تاکہ مغرب جب چاہے اس پالتو کتے کے ذریعے کسی بھی شریف معاشرے کو کٹوا سکے۔تو اب مدینہ طیبہ میں یہ سازشوں میں ملوث تھے۔کیونکہ بار بار پیغام آرہے تھے مکہ میں کہ اسلام دن بدن پھیلتا جا رہا ہے،اور یہ

Marfat.com

عسکری قوت بن جائے گا اگر اسے پانچ سات سال مہلت مل گئی، اور اس عسکری قوت کے سامنے قریش مکہ بند نہیں باندھ سکیں گے۔ اور کبھی کبھی یہ بھی کہہ دیتے تھے، کہ ہماری اسلام کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے، کہ ہم بھی اہل کتاب ہیں وہ بھی اہل کتاب ہیں، وہ بھی ایک آسمانی کتاب کو مانتے ہیں ہم بھی پیغمبر کو مانتے ہیں، وہ بھی ایک پیغمبر کو مانتے ہیں، ہم قیامت کو مانتے ہیں یہ لوگ بھی قیامت کو مانتے ہیں، ہمارا اور ان کا بڑا تھوڑا اختلاف ہے، اصل مصیبت جو ہے وہ مکہ کے قریش اور مشرکین کی ہے، کہ جب یہ آئیں گے تو یہ جو تم بتوں کی پوجا کر رہے ہو اس کو ختم کر دیں گے، عرب پر جو تمہاری سرداری قائم ہے، کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے، اس کو یہ ختم کر دیں گے، لہذا براہ راست جو زد پڑے گی وہ قریش مکہ اور مشرکین مکہ پر پڑے گی، انہیں اچھے طریقے سے یہ سبق پڑھا کر ٹرینڈ کیا گیا، تا کہ مسلمان یہاں مارے جائیں، اور اسی بات کے لیے مکہ والوں نے ایک فوج تیار کی، کہ چلتے ہیں اور ان کا خاتمہ کر دیتے ہیں، اس کے ساتھ کچھ اور عوامل تھے، ان کی تفصیل میں میں اس لیے نہیں جاتا کہ ہمارا لیکچر یہاں ہی ختم ہو جائے گا، وہ کہتے تھے کہ ہمارا تجارتی راستہ جو شام کو جاتا ہے، مدینہ کے پاس سے گزرتا ہے، لہذا یہ ہمارا راستہ بند کر دیں گے، اور ہماری تجارت ختم ہو جائے گی، اور پھر ابو سفیان کے قافلے کو روکنے کے لیے انھوں نے ہر طرف افواہیں پھیلائیں، نتیجۃً ابو سفیان وہاں مکہ میں پہنچ گیا، لیکن یہ لوگ اپنے ارادے سے باز نہیں آئے، اب یہ نو سو پچاس افراد کی فوج لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے، اس دور میں چونکہ قبائلی انداز سے جنگیں ہوتی تھیں، تو عربوں کے لیے نو سو پچاس کی فوج بڑی فوج تھی، سرکارؐ نے دفاع کے لیے تیاری فرمائی، آپؐ کو صرف تین سو تیرہ آدمی مہیا ہو سکے، ان میں بوڑھے بھی تھے، بالکل نوعمر بچے بھی تھے نوعمر نوجوان بھی تھے، اس سے پہلے کہ میں موازنہ کروں، یہ بتانا ضروری ہے، کہ ان تین سو تیرہ افراد کے سینے میں محبت رسولؐ محبت خدا اور محبت قرآن کی آگ بھڑک رہی تھی، وہ اپنے سر کو کسی اقتدار کے سامنے جھکانے کے لیے تیار نہیں تھے، وہ اس قسم کی لڑائی کے لیے آمادہ نہیں تھے جس کے پیچھے ذلت کا طوفان امڈ کر آرہا ہو، لہذا انھوں نے کہا کہ ہم دو دو ہاتھ ضرور کریں گے، لیکن آیئے تاریخ سے پوچھتے ہیں کہ جب یہ لوگ مقابلے کے لیے نکلے تھے تو ان کی تعداد کیا تھی، ابھی کافروں کی تعداد میں آپ کو نو سو پچاس بتا چکا ہوں، یہ حدیث کی کتابوں میں ہے ہماری تاریخی کتابوں میں ان کی تعداد ایک ہزار لکھی ہے، مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی، یعنی کافر تین گنا سے زائد تھے، پھر مسلمانوں کے پاس گھوڑے صرف دو تھے، اونٹ ستر تھے، یہ تو پھر سواری کا سامان تھا جس کے ذریعے انہوں نے مدینہ سے بدر آنا تھا، جن لوگوں نے بدر دیکھا ہے انہیں پتہ ہے کہ مدینہ سے بہت دور ہے، 110 یا 120 کلومیٹر کا فاصلہ ہو گا یا اس سے زیادہ ہے، اب وہاں تک آنا ہے، ستر اونٹوں پر اگر دو دو بندے بیٹھیں تو وہ ایک سو چالیس بیٹھ سکتے ہیں اور وہ تین سو تیرہ تھے، دو گھوڑوں پر دو دو بندے بیٹھیں تو سواری کے لیے ایک سو چوالیس آدمی سوار ہو سکتے ہیں، باقی پھر پیدل تھے، باری باری یہ سواری ہو گی، اس سے آگے جو دردناک بات ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس تلواریں صرف آٹھ ہیں، اس کا

Marfat.com

مطلب یہ ہے کہ میدان جنگ میں صرف آٹھ آدمی اتر سکتے ہیں، باقیوں پر حملہ ہو تو کسی کے پاس لاٹھی ہے تو وہ اسے استعمال کرے، لیکن نیزے کے جواب میں تو لاٹھی کوئی شے نہیں، تلوار کے جواب میں ایسے فوجی لوگوں کے سامنے جو بڑے اپنے فن کے ماہر ہیں، ان کے سامنے لاٹھی کی کیا حیثیت ہوگی، اب ان کے پاس سو گھوڑے تھے جب وہ مکہ سے نکلے تھے، سواری کے لیے سات سو اونٹ تھے، تاریخ کی تھوڑی سی اصلاح کر لیں کہ غذا کے لیے جو اونٹ استعمال کرتے ہیں وہ ان سے لگ تھے یعنی کھانے کے لیے بکریاں، بھیڑیں اور اونٹ الگ تھے، یہ سواری کے اونٹ ہیں جن کی تفصیل میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، اب سو گھوڑے اور سات سو اونٹ ہوں تو اگر ایک اونٹ پر دو آدمی سوار ہوں تو اتنے اونٹوں کی ضرورت نہیں رہتی، انہیں صرف چار سو اونٹوں کی ضرورت تھی، تین سو فالتو تھے، اسی طرح گھوڑے جو تھے ان کے سرداروں کو اٹھا کر لے جا رہے تھے، یا ان کے جرنیلوں کو اٹھا کر لے جا رہے تھے، میدان جنگ میں جب یہ لوگ پہنچے تو کافر پہلے وہاں پہنچ چکے تھے، مختلف جگہوں پر انہوں نے اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ تاکہ مسلمان ریتلی زمین میں اتریں اور آگے پیچھے حرکت کرنے میں وہ دقت محسوس کریں، جہاں ریت زیادہ ہوتی ہے وہاں چلنا دشوار ہوتا ہے، سرکار آئے تو اپنے انداز سے دفاع کو پیش نظر رکھتے ہوئے جگہ کو منتخب کیا، اللہ کریم نے بارش نازل فرمادی، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ زمین بھیگ گئی، اور بھیگنے کی وجہ سے وہ پختہ ہوگئی، قرآن پاک نے آگے ارشاد فرمایا! یہ تمہاری تطہیر کا ایک ذریعہ تھا، یہ طہارت کا پہلا پیغام تھا، جو بدر والوں کو دیا گیا، سرکار ﷺ وہاں تشریف فرما ہیں، میں جزئیات میں اس لیے جانا نہیں چاہتا، کہ اس کے لیے الگ ایک دو گھنٹے کی تقریر درکار ہے، میدان جنگ میں نکلے، نتیجہ کیا ہوا کہ ستر بڑے بڑے بہادر کافر مارے گئے، ستر قید ہوئے، ایک سو چالیس آدمیوں کے نقصان پر یہ ساڑھے نو سو افراد کی فوج ظفر موج پاؤں سر پر رکھ کر بھاگی، اور انہوں نے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں، جاتے ہوئے یہ کہہ گئے تھے ایک کہتا تھا کہ میرے پاس العیاذ باللہ مصطفیٰ کریم کا سر ہوگا میرے نیزے پر، دوسرا کہتا تھا کہ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا سر میرے نیزے پر ہوگا، تیسرا بولتا تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سر میرے نیزے پر ہوگا، چوتھا کہتا تھا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سر میرے نیزے پر ہوگا، طلحہ و زبیر کی بوٹیاں کردیں گے، اب خواتین مکہ سے تین چار چار میل باہر چلی جاتی ہیں، ابن خلدون نے اس واقعہ کی عکاسی کرتے ہوئے، عربی ادب کا شہکار بنا دیا اس مقام کو مولانا نوٹ فرمالیں، وہ کہتے ہیں جو بھی بندہ آرہا ہوتا تھا مکہ کی طرف وہ یہ سمجھتی تھیں خواتین، کہ فتح کی خبر لے کر آرہا ہے، ایک دن دیکھا کہ ایک آدمی بڑا تیز [illegible] آرہا ہے، کہنے لگیں بس آگیا ہے، قریب آیا دو تین فرلانگ کے فاصلے پر تو کچھ خواتین نے کہا کہ ہم نے پہچان لیا ہے، کہ یہ فلاں آدمی ہے، کہ آؤ آؤ ہار لے کر اس کے گلے میں ڈالو، لیکن وہ رکا نہیں، گھوڑے کو بھگاتا آگے دوڑا، انہوں نے پوچھا کہ بتا کے جا کہ ہم بھی تو انتظار میں بیٹھے ہیں، بجائے اس کے کہ مکہ کے گھروں کے اندر جو بیٹھے ہیں انہیں جا کر تو خوشخبری سنائے، ہمیں خوشخبری سنا کر آگے جا، اس نے کہا کہ مارے گئے بس سارے مارے گئے، یہ کہہ کر بھاگ گیا، انہوں نے کہا دیکھا یہ ہمیں بات نہیں بتا تا

چاہتا، کچھ دیر کے بعد دوسرا آیا، سارے مارے گئے کون مارا گیا، وہ ادھر نام لیتی ہیں مسلمانوں کا، اور وہ کہتا ہے کہ ابو جہل بھی مارا گیا، عتبہ بھی مارا گیا، ولید بھی مارا گیا، فلاں بھی مارا گیا فلاں بھی مارا گیا، ایک خاتون بڑی ہمت کر کے دوسریوں کو تسلی دیتی ہوئی بولی، کہنے لگی بات یہ ہے کہ اس نے کبھی جنگ دیکھی نہیں تھی، جنگ کے آغاز میں دو چار بندے مارے گئے تو یہ بھاگ کھڑا ہوا، اور بزدل ابھی تک ذہن سے خوف کو دور نہیں کر سکا، بھلا ابو جہل بھی مارا جا سکتا ہے، عتبہ بھی مارا جا سکتا ہے، معذرت کے ساتھ یہ لفظ عُتبہ نہیں ہوتا عَتبہ عربی میں دہلیز کو کہتے ہیں جس کو پنجابی میں موہاٹھ کہتے ہیں یہ عتبہ کا لفظی معنی ہے، چونکہ موہاٹھ جو ہے یا دہلیز دروازے کی حفاظت کرتی ہے، اسے آگے پیچھے کھلنے نہیں دیتی تھیں، لہذا گھر کی موہاٹھ کا نام عتبہ نام رکھ دیتی تھی خواتین اپنے بیٹوں کا، اسی طرح عرب کے صحرا میں درخت کی کمی تھی عام طور پر کیکر کا درخت وہاں ہوتا تھا، جو دھوپ وغیرہ سہ لیتا ہے، تو بچوں کا نام طلحہ رکھ دیتی تھیں، طلحہ جنگل کے اس بڑے کیکر کے درخت کو کہتے ہیں، تو اب آپ اندازہ فرمایئے کہ پچھلے آئے اور انہوں نے بھی کہا کہ وہ سارے مارے گئے، اگلا سچ کہہ رہا ہے، اب ہر گھر میں وہاں ماتم ہے، کہ ہم تو تباہ ہو گئے ہماری اتنی عظیم فوج عتبہ جیسا جرنیل مارا گیا، اور وہ بدویوں کے ہاتھوں مدینہ کے گڈریوں کے ہاتھوں بھیڑیں چرانے والوں کے ہاتھوں یہ لوگ مارے گئے، ہماری عزت تو خاک میں مل گئی، کسی بہادر قوم کے ہاتھوں یہ شکست کھاتے تو بات بنتی، وہ تو باغوں میں گوڈی کرنے والے لوگ ہیں، کھجوریں اگانے والے لوگ ہیں، ان کے مقابلے میں یہ سارے سردار مارے گئے؟ تو قرآن پاک نے اس مقدس جہاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا!

کہ تمہارے لیے ان دو گروہوں میں جو میدان جنگ میں باہم لڑے تھے اور ٹکرائے تھے، اللہ کی طرف سے ایک نشانی اور اعلان فرمائی، دونوں گروہوں کا نظریہ ایک فقرے میں بیان کر دیا، کہ ایک گروہ تو راہِ خدا میں جنگ لڑ رہا تھا، کتنی بڑی بات ہے کہ رب نے شہادت دی اس بات کی، کہ بدر والے اپنی اغراض کے لیے نہیں لڑ رہے تھے، بدر والے نسلی جنگ نہیں لڑ رہے تھے لسانی جنگ نہیں لڑ رہے تھے، وہ کوئی زمین کا ٹکڑا فتح کرنے کے لیے جنگ نہیں لڑ رہے تھے، وہ اللہ کے راستے میں جہاد کر رہے تھے، اب یہ صفات وہ ہیں جو اس لفظ کے اندر چھپی ہوئی ہیں اب یہ آ سکتا تھا کہ دوسرا گروہ جو ہے وہ اللہ کے راستے میں نہیں لڑ رہا تھا، لیکن اللہ نے وہ لفظ چھوڑ دیا، ارشاد فرمایا کہ دوسری جماعت کافروں کی تھی، وہ جب کافر جماعت تھی تو اللہ کے لیے نہیں لڑ سکتے تھے۔ اب اس ایک لفظ میں آ سکتے ہیں وہ ذاتی وقار بچانے کے لیے لڑ رہے تھے، وہ محض چند انسانوں پر غلبہ پانے کے لیے لڑ رہے تھے، وہ خدا والوں کو نیچا دکھانے کے لیے لڑ رہے تھے، وہ غیر اللہ کی عظمت کو بچانے کے لیے لڑ رہے تھے، وہ بتوں کی پوجا کے لیے لڑ رہے تھے، ایک لفظ ''کافرا'' میں ان ساری باتوں کو واضح کر دیا، مسلمان انہیں ظاہری نگاہوں میں اپنے آپ سے دو گنا سمجھ رہے تھے، لیکن وہ تین گنا سے زیادہ تھے، اب وہ دو گنا مسلمانوں کو نظر آ رہے ہیں، تو یہ بھی اللہ کریم کی طرف سے

Marfat.com

مسلمانوں کے لیے ایک رحمت کی بات تھی، لیکن ہمیں یہ بتانا مقصود تھا کہ تعداد کی کثرت سے مسلمان مرعوب نہیں ہو رہے تھے، وجہ کیا تھی، مسلمان کے سامنے دو باتیں ہوتی ہیں، اللہ کی رضا کے لیے وہ میدان میں اترتا ہے، شہید ہوتا ہے تو حیات جاوداں پالیتا ہے، اور بچ جاتا ہے تو مستقبل میں پھر جان ہتھیلی پر رکھ کر اسلام کی حفاظت کے لیے میدان میں اتر آتا ہے، اس کے یہاں دو مقاصد ہوتے ہیں تیسرا مقصد کوئی نہیں ہوتا، پتہ یہ چلا کہ ان دو مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے تعداد کی قلت یا کثرت مسلمانوں کا یہ مقصد Aim نہیں ہوتا، ان کا اپنا نظریہ ان کا مقصد ہوتا ہے۔

اسی بات کی تائید ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنی مدد جسے چاہتا ہے اسے دیکر پختہ کر دیتا ہے اس کی تائید فرما دیتا ہے، تو جو ظاہری نگاہ والے ہیں۔ اب یہاں "**ابصار**" کا لفظ ارشاد فرمایا! اس سے مراد ظاہری نگاہیں لیں، باطنی نگاہ نہیں ہے، کیونکہ ان کے مقابلے میں کافر تھے، ارشاد فرمایا کہ اس میں عبرت تھی، ان لوگوں کے لیے جو ظاہری نگاہیں رکھتے ہیں، انہیں پتہ تھا کہ وہ تین گنا زائد ہیں وہ ابھی ان کے سر نوچ دیں گے، لیکن نتیجہ ان کے خلاف چلا گیا، اللہ کی تائید کسی اور طرف تھی، اب ان کے فلسفہ زندگی پر قرآن نے بڑی تفصیل سے بات کی، اور ہمیں اس بات سے تنبیہ کی کہ ایسا فلسفہ زندگی تمہارا نہیں ہونا چاہیے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ
لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت خوبصورت کر دی ہے خواہ وہ خواتین کے متعلق ہو
وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ
خواہ وہ اولاد کے متعلق ہو سونے اور چاندی کے ڈھیروں کے ڈھیر دولت کے متعلق ہو سونے چاندی
وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ
نشان زدہ گھوڑوں، جانوروں اور کھیتوں کے متعلق ہو یہ سب سامان ہیں
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ ۞ قُلْ
دنیاوی زندگی کے اللہ کے ہاں بہترین مرجع ہے وہ محبوب آپ فرما دیں!
اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ
کیا میں تمہیں ان سب باتوں سے بہتر چیز بتاؤں ان لوگوں کے لیے جو رب کے ہاں پرہیزگار ہیں ایسے باغ ہیں

Marfat.com

تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَأَزۡوَٰجٞ مُّطَهَّرَةٞ

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کی پاکیزہ بیویاں ہوں گی

وَرِضۡوَٰنٞ مِّنَ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ بَصِيرُۢ بِٱلۡعِبَادِ ﴿۱۵﴾

اللہ کی رضامندی بہت بڑی ہے اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے

۸۔ زین للناس.... واللہ بصیر بالعباد کافر کے سامنے خواہشات کی محبت سب کچھ ہوتی ہے، وہ سامان زیبائش، سامان عظمت، سامان زینت، گھر کی خواتین ہیں، بیٹے ہیں، بہت سارا بینک بیلنس ہے، پیسے جمع ہیں، گھر سونا پڑا ہے، چاندی پڑی ہے، نشان زدہ گھوڑے ہیں، جدید زبان میں نمبروں والی گاڑیاں ہیں، اس کے ساتھ ہی ساتھ اچھے جانور رکھے ہوئے ہوں، بھینسیں دودھ دے رہی ہوں، بیل ہل چلا رہے ہوں، گائیں دودھ دے رہی ہوں، بکریاں ہیں، بھیڑیں ہیں، پھر زمینیں ہیں وسیع ان پر شاندار کھیتیاں ہیں، تو یہ سارے سامان اس دنیا کی زیبائش کے سامان ہیں، یہ آپ کا مطمح نظر نہیں ہونا چاہے، اگر یہ مطمح نظر ہے تو یہ اللہ سے موڑنے کا ذریعہ ہے، لیکن اگر یہ مطمح نظر نہیں ہے یہ آپ ذریعہ سمجھتے ہیں راہ خدا میں چلنے کے لیے تو رومی نے بڑے غضب کی بات کہہ دی!

مالی را گر بہر دین باشی حمول کہ اگر تو مال کو دین کے لیے اٹھا کر پھرتا ہے، انسانیت کی برتری کے لیے اٹھا کر پھرتا ہے تو رسول علیہ السلام فرماتے ہیں! نعم مال صالح گوید رسولؐ

یہ طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ ''یہ کتنا اچھا مال ہے اس میں کتنی صلاحیت ہے''۔

کس طرح کی صلاحیتیں ہیں، کہ اس مال سے غریب کا علاج ہو، اس مال سے مسجد تعمیر ہوگئی، اس مال سے دینی ادارہ تعمیر ہوگیا ہو، اس مال سے سڑک بن گئی ہو، اس مال سے راستے پر سرائیں بنادی گئی ہوں، اس مال سے کنواں کھدوا دیا گیا ہو، اس مال سے طالب علم کو پڑھا دیا گیا ہو، اس مال سے اسلامی سلطنت کو اسلحہ خریدنے کے لیے رقم دے دی گئی ہو، اس مال سے حکومت کے پاس پیسہ نہیں رہا فوج کی تنخواہ کے لیے پیسے دیدیے ہوں۔ تو جب آپ ان مقاصد کو سامنے رکھ کر آگے بڑھیں گے، تو معاشرے پر نہ ختم ہونے والی بہار چھا جائے گی، اور یہ وہ نظریہ ہے جو اسلام سامنے رکھتا ہے، اور جب آپ اس میں کھو جائیں گے، تو پھر پتہ چلے گا، ایک تھانیدار مجھے ملے کہنے لگے کہ میں ریٹائر ہو گیا

کے وعدے کے مطابق سرکار کو ملنا ہے،ان کے لیے برابر ہے۔

یہاں کچھ مفسرین نے اس آیت سے جبر وقدر کا مسئلہ شروع کر دیا ہے دلیل یہ دی کہ قرآن پاک نے جب یہ فرمایا کہ آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے،اور دوسری جگہ قرآن کا بیان ہے کہ'' کافر ایمان لائیں تو جنہوں نے ایمان نہیں لانا انہیں کہہ دیا جائے کہ ایمان لاؤ،وہ تو ایمان نہ لانے پر مجبور ہیں وہ ایمان کیسے لائیں گے'' جب وہ ایمان نہ لانے پر مجبور ہیں تو ان کا کیا قصور؟ یہ سوال سرے سے ہی غلط ہے۔ پھر بھی اس کے بے شمار جوابات امام فخر الدین رازیؒ نے دیے ہیں اصل مسئلہ یہ ہے کہ پوری مکی زندگی میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کھول کھول کر ان کے سامنے بیان کیا،انہوں نے قرآن کریم کے سارے مطالب سنے،وہ اہل زبان تھے،قرآن پاک کے دعوے کو سمجھتے تھے،کسی مقام پر بھی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن نے انہیں مجبور نہیں کیا تھا،لیکن تیرہ سال کی طویل جدوجہد نے مسلمانوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ تیرہ سال کے طویل عرصے میں یہ کفر سے ہٹ نہ سکے تو پھر ان سے ایمان کی توقع رکھنا بے کار ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام آنے کے بعد اگر پہلے وہ لاشعوری طور پر کافر تھے،تو اسلام کی مخالفت کر کے اور اس کے دلائل کے جواب میں آ کر وہ شعوری طور پر کافر ہو گئے، اس میں جبر کا مسئلہ کہیں نہیں تھا،بات اتنی ساری تھی کہ تیرہ سال کا طویل تجربہ،کہ سرکار علیہ السلام نے پیغام ربانی پہنچانے کے لیے بے پناہ تکلیفیں اٹھائیں،بخاری شریف کی ایک حدیث عرض کرتا ہوں'' کعبہ شریف کے اندر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے،مشرکین مکہ ندوہ میں بیٹھے تھے،وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ یہ بڑی لمبی قرأت کریں گے،فلاں لوگوں نے اونٹ ذبح کیے ہیں،اور ان کی اوجھڑیاں وہاں ہی پڑی ہیں کوئی جائے اور وہ اٹھا کر لے آئے اور جب یہ سجدے میں ہوں تو وہ ان کی پشت مبارک پر رکھ دی جائیں،تاکہ یہ سجدے سے سر نہ اٹھا سکیں،چنانچہ حسب پروگرام وہ لے آئے،سرکار سجدے میں ہیں،انہوں نے اوجھڑیاں پشت مبارک پر رکھ دیں،سرکار علیہ السلام نے سر انور سجدے سے اٹھانے کی کوشش نہیں فرمائی،آپ تسبیحات پڑھتے گئے اسی طرح جیسے ایک مقام پر آپ نے تسبیحات زیادہ پڑھیں جب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی پشت مبارک پر سوار تھے،حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی،آئیں اور اوجھڑیوں کو گھسیٹ کے حضور کی پشت مبارک سے اتارا،حضرت فاطمہؓ کی زبان پر ان کافروں کے خلاف سخت الفاظ تھے،سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کی تکمیل کے بعد اٹھے اور فرمایا ہنس لو اے فلاں کافر!میں دیکھ رہا ہوں کہ بدر کے فلاں مقام پر تجھے قتل ہو جانا ہے،حتیٰ کہ سب کی قتل گاہ کی نشاندہی فرمائی،بدر کی جنگ ہجرت کے بعد ہوئی مگر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی سب بتا دیا،یہ علم غیب جاننے کی دلیل ہے،جب بدر کے لیے کفار مکہ سے چلے تو ان کا ایک چیف،ابو جہل سے کہنے لگا کہ محمدﷺ کی زبان مبارک سے کبھی کوئی بات غلط نہیں نکلی تجھے یاد ہو گا کہ جس دن ہم نے اوجھڑیاں ڈالی تھیں،تو انہوں نے فرمایا تھا کہ بدر کے میدان میں فلاں فلاں جگہ پر تم نے قتل ہو جانا ہے،آج ہم اسی

ہوں، آج مجھ سے دس پیسے گر گئے تو میں انہیں دس منٹ تک تلاش کرتا رہا ہوں، جب میں تھانے میں ہوتا تھا تو اس وقت مجھ سے ہزار کا نوٹ گر جاتا تھا تو اسوقت اس کی وقعت نہیں ہوتی تھی، میں نے کہا کہ اس وقت وہ آپ کی جیب سے نہیں نکلتا تھا اس لیے اس کی وقعت نہیں تھی، آج آپ دس پیسے کو دس منٹ تک تلاش فرماتے رہے ہیں اس لئے کہ جو چیز حلال انداز سے آتی ہے اس میں وہ برکت وہ روحانیت اور وہ عظمت ہوتی ہے کہ بے شمار باتوں کو وہ بے حد قوی کر کے نسل ہا نسل تک پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور اسی طرز زندگی کو اسلام نے حقیقی زندگی کہا ہے۔ یعنی مال کی محبت میں نہ گھر جائے۔ اللہ نے آپ کو مال دیا ہے، اس کے مقاصد کو سامنے رکھ کر آپ اچھا مکان بنائیں، آپ اچھی سواری لیں، اسلام آپ کو اس سے نہیں روکتا، روکتا اس بات سے ہے، کہ آپ اس کی محبت میں اس طرح کھو نہ جائیں، کہ نہ دنیا کے رہیں اور نہ ہی آخرت کے رہیں، نہ کسی اپنے کے رہیں نہ کسی بیگانے کے رہیں، جب اس انداز سے مال آپ کے دل و دماغ پر چھا جائے گا، تو یہ قارونیت ہوگی، جو اسلام کے نزدیک حرام ہے، یہ یزیدیت ہے، جسے اسلام پسند نہیں کرتا، یہ فرعونیت ہے جو اسلام کے نکتہ نظر سے ہٹ کر آتی ہے۔

۹ قرآن نے کہا کہ یہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے، عزیز بیٹیوں اور بہنوں کو یہ بات بھی بتانی ہے کہ متاع کا لفظ سامان کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن قرآن نے اسے محدود معنوں میں استعمال کیا ہے، مولانا صاحب اس پر خاص غور کریں، اس کا بعض چیزوں سے ناطہ ہے، جس کا لفظی معنی ہے کہ اس نے فائدہ اٹھایا، متاع وہ چیز ہے جس سے آپ وقتی فائدہ لے سکیں، وقتی طور پر اسے برت سکیں، وہ متاع ہے، تو اب اس متاع میں جب اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور پھر اسے استعمال نہیں کیا جاتا تو اسے اسلام ارتکاز کہتا ہے، ارتکاز مطلب ہے کہ دولت کسی مقام پر مرکوز ہو جائے، اشیائے خورد و نوش کسی مقام پر مرکوز ہو جائیں جیسا کہ ابھی میں کہہ رہا تھا، یہودی جس چیز کو چاہتے ہیں اسے مہنگا کر دیتے ہیں، پھر اسے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے اب خرچ اور آمد میں مساوات نہیں رہتی، اور نتیجہ یہ نکلتا ہے، مارکیٹ میں چیز بے حد مہنگی ہو جاتی ہے، یہ معاشیات کا قاعدہ ہے، اس کے استعمال میں اور اس کی آمد میں توازن رہے، اگر توازن نہیں رہے گا، تو بات نہیں بنے گی، تو قرآن کہتا ہے اسے برتنے کے حساب سے آپ نے لینا ہے، جب آپ نے برتنے کے حساب سے لینا ہے، جو برتنے سے فالتو ہے، اسے مارکیٹ میں پہنچنا چاہیے، اسے دوسرے ہاتھوں میں پہنچنا چاہیے، تاکہ کسی انداز سے بھی وہ جو چلاؤ ہے بازار کا اس میں کمی نہ آئے، لوگوں کی قوت خرید کو [illegible] کیا جائے، اس سلسلے میں سرکار ﷺ کس حد تک احتیاط فرماتے تھے، آپ گزرے ایک جگہ سے وہاں ڈھیر تھا غلے کا آپ نے اس میں یوں ہاتھ ڈال دیا، اندر سے وہ گیلا نکلا سرکار ﷺ نے یہ شہرہ آفاق حدیث ارشاد فرمائی۔

من غش فلیس منا جو لوگوں کو دھوکا دیتا ہے وہ ہمارا نہیں

Marfat.com

کتنی اونچی بات تھی، جو لوگوں کو دھوکا دیتا ہے وہ ہمارا نہیں ہے، اور جب تجارت کی بنیاد ہی دھوکے پر رکھ دی جائے، پھر اس کا نتیجہ کیا نکلے گا، وہی جو ہم دیکھ رہے ہیں، کسان کے پاس سے جو چیز دو روپے یا تین روپے کلو اٹھائی جاتی ہے آخر کیا وجہ ہے کہ راجہ بازار میں وہ آ کر سولہ روپے کلو ہو جاتی ہے، اسلام آباد میں پہنچ کے کہ یہ سفید پوشوں کا شہر ہے یہاں وہ بیس روپے کلو ہو جاتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے، اس کی وجہ وہی ارتکاز کا جذبہ ہے، مال کو ذخیرہ کرنے کا جذبہ ہے، جو مال کی محبت کی وجہ سے ہمیں اترائی کے سفر میں ڈال دیتا ہے، اور جب تک ہم انتہائی گہرے گڑھے میں گر نہیں جاتے، دائیں بائیں دیکھنے کا خیال نہیں کرتے۔ ارشاد فرمایا!

یہ دنیا کی برتنے کی چیزیں ہیں، آپ لوگوں نے انہیں محدود عرصے کے لیے برتنا ہے، پھر کسی اور ہاتھ میں دے کر چلے جانا ہے، اقبال نے اسے چھوٹے لفظوں میں کہا ہے!

دہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں میری نہیں — تیرے آباء کی نہیں تیری نہیں میری نہیں

دہ خدایا کہتے ہیں گاؤں کے چوہدری کو، گاؤں کے نمبردار کو، کہ اے نمبردار صاحب یا چوہدری صاحب یہ زمین نہ تیری ہے نہ میری ہے، نہ تیرے باپ دادا کی ہے اگر ان کی ہوتی تو وہ ساتھ لے جاتے، اسے یہاں چھوڑ کیوں گئے ہیں، ان کی نہیں تھی، یہ تیری بھی نہیں ہے میری بھی نہیں ہے، تبھی تو سرکار ؐ نے اس سلسلے میں فرمایا!

”کہ جو زمین تیرے پاس فالتو ہے اسے ہل چلانے والے بھائی کو دے دے! ملکیت بے شک تیری رہے اس سے غلہ نہ لے، وہ جو کچھ اس سے کما کر کھالے، لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ اگر تو عظیم انسان ہے تو حقوق مالکانہ بھی اسے دے دے“۔

یہ پہلی سٹیج ہے، لہٰذا دور اول میں مزارع زمین میں ہل چلاتا تھا، لیکن زمین کا مالک اس سے کچھ نہیں لیتا تھا، آپ مجھے بتائیں کیا اب بھی ایسے لوگ کہیں ہیں، تبھی تو اقبال نے کہا تھا!

؎ اب ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لے کر

اب وہ کہاں ملیں گے، ایک اور جگہ پر انہوں نے کہا تھا!

اسلام کتابوں میں اور مسلمان قبروں میں چلے گئے ہیں، اور دوسری بات انہوں نے یہ کہی کہ جس کے پاس مکان فالتو ہے، وہ کسی ایسے بندے کو جس کے پاس مکان نہیں ہے، کرائے کے بغیر دے دے، یہ انسانیت کی عظمت ہے لیکن سارا معاشرہ اس رنگ میں ڈھل جائے تو پھر نتیجہ کیا نکلے گا، اقبال کی زبان میں!

؎ کس نہ باشد در جہاں محتاج کس — حکمت شرع مبیں است وبست

اس جہان میں کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے، بس اسلام یہی چاہتا ہے، تو اب اس مقام پر قرآن نے یہ کہا

کہ برتنے کے لیے تمہیں سامان دیا تھا، مطلب تھا کہ تم امین تھے، مالک نہیں تھے، اللہ کے ہاں بہترین درجہ ہے کہ پلٹ کر تم نے جانا ہے، جو تم یہاں کھیتی اگاؤ گے اس کا پھل وہاں کھانا ہے۔ محبوب ؐ آپ اپنے غلاموں سے فرمادیں!

کیا انہیں میں سب سے بہتر بات نہ بتاؤں

زندگی کا ایک پہلو وہ تھا کہ جس میں وہ گم ہوگئے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ میرے پاس چند روز پہلے ایک صاحب آئے، آپ کو ایک علمی لطیفہ سنا رہا ہوں، کہنے لگے کہ مجھے ایک تعویذ چاہیے! پوچھا کس بات کے لیے چاہیے؟ بولا ہمارے گاؤں کے چوہدری نے کتا رکھا ہوا ہے میں نے اسے کہا ہے کہ میری ملکیت میں دو بیگھے زمین ہے وہ تو لے لے اور کتا مجھے دیدے، وہ نہیں دیتا، میں سارے جتن کر چکا ہوں، وہ کتا نہیں دیتا، تو آپ تعویذ مجھے دیں کہ چوہدری صاحب کا دل نرم ہو، تا کہ وہ کتا مجھے دے دیں، میں نے کہا کہ قرآنی آیات اب اسی لیے رہ گئی ہیں کہ چوہدری صاحب کتا آپ کو دے دیں، میں نے اس سے ہنستے ہوئے انداز میں پوچھا، مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ کتے کے ساتھ آپ کی رشتہ داری کیا ہے، جو رشتہ داری اس کے ساتھ ہے وہ مجھے بتائیں، تو انسان ہے اور انسان تو چنگے ہوتا ہے، چنگا کا کتے کے ساتھ کیا رشتہ، یہ عجیب چنگا مجھے ملا ہے جو کتے کے ساتھ رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے۔

محبوب آپ کے ذمہ بات کو پہنچا دینا ہے بندے اللہ کریم کی نگاہ میں ہیں وہ انہیں دیکھ رہا ہے

۱۰ پھر جب معاشرہ گمراہ ہوتا ہے تو اسکے انداز بڑے نرالے ہو جاتے ہیں، ارشاد فرمایا! کہ ان سب باتوں سے اچھی بات تمہیں بتاتا ہوں! جو پرہیزگارانہ زندگی گزارتا ہے، انہیں اللہ کریم باغات عطا فرمائیں گے دنیا میں، جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں یعنی پانی باہر سے لا کے نہیں لگانا پڑتا، کنواں کھدوا کر بھی پانی نہیں لگانا پڑتا، نہریں ہیں جہاں سے چاہا کاٹ لیا اور درخت کو پانی لگ گیا، اور پھر یہاں کے باغات میں ہمیشہ نہیں رہتے، مرجاتے ہیں، وہاں آپ نے ہمیشہ رہنا ہے، وہاں پاکیزہ بیویاں ہیں جن میں حسد بھی نہیں ہے، بغض بھی نہیں ہے، وہ زبان دراز بھی نہیں ہیں، اور میں آپ خواتین وحضرات کو بتادوں کہ جنت ایسی جگہ ہے کہ جہاں بندہ بغض کے ساتھ نہیں جاسکتا، جہاں کینہ کے ساتھ نہیں جاسکتا، جہاں بدزبانی کے ساتھ بندہ نہیں جاسکتا، یہاں کچھ عادت بدل لی جائے تا کہ وہاں جانے میں سہولت رہے، اگر ان عادتوں کے ساتھ ہی وہاں جانے کا پرگرام ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ راستہ اس طرف نہیں جاتا، کسی اور طرف بھٹک نہ جائیں، لہذا ان کو دور کر دیا جائے، تو ارشاد فرمایا! کہ آپ وہاں ہمیشہ بھی رہیں گے، پاکیزہ خواتین بھی ہوں گی، لیکن جو سب سے بڑی بات ہے جنت میں، وہ ہے! 'رضوان من اللہ' اللہ کی رضامندی۔ اب

اس رضامندی میں رعنائیاں کیا کیا ہیں، وہاں بے شمار لوگ لکھو کھ ہا سال زندہ رہیں گے، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ وہ جنت کا سیب نہیں کھائیں گے، انار نہیں کھائیں گے، ان کا ذکر قرآن میں موجود ہے، اب میری بچیاں اور بیٹیاں سن رہی ہوں گی، اور سوچ رہی ہوں گی کہ پھر وہاں جا کر ہم نے کرنا کیا ہے، وہاں انار ہے کھانا نہیں ہے، سیب ہے کھانا نہیں ہے، اب اس پر ذرا غور کریں، انہیں کھائیں وہ جو جنت کے سب سے نچلے طبقے کے لوگ ہوں گے، وہ کھائیں گے، جو اعلیٰ طبقہ ہے وہ یہ نہیں کھائیں گے، اللہ کریم دیدار کرائیں گے، اس دیدار میں وہ رعنائی ہوگی، کہ پھر کوئی بھوک آ نہیں سکتی، وہ لطافت ہوگی کہ کوئی بھوک آپ کے دل ودماغ میں سما نہیں سکے گی، آپ ان پردوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے ہیں اور دیکھ رہے ہیں، اور اس انتظار میں ہیں کہ پھر کس وقت یہ پردے اس طرف سرک جائیں گے، آپ اس انتظار میں ہیں اب آپ کی توجہ سیبوں سے ہٹ گئی ہے اناروں سے ہٹ گئی ہے، پھولوں سے ہٹ گئی ہے، اور کسی فارسی شاعر نے کہا تھا!

توحید متاعیست کہ بر دار فروشند گل نیست کہ در کوچہ و بازار فروشند

توحید وہ سامان ہے، جسے پھانسی کے تختے پر بیچا جاتا ہے، یہ وہ پھول نہیں ہیں جنہیں گلیوں اور بازاروں میں بیچا جاتا ہے، یہ عقیدہ تو پھانسی کے تختے پر ملا کرتا ہے، جب پھانسی کے تختے پر سے آپ گزریں گے، نتیجہ یہ ہے کہ اب اللہ کی زیارت ہوگئی ہے دیدار ہوگیا ہے، اس انتظار میں بیٹھے ہیں، اور اس انتظار کے لیے ادھر ادھر کا خیال کوئی نہیں ہے، تو فرمایا کہ اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے، اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے، کہ اس کا مقام کیا ہے، اس اینٹ کو کہاں لگانا ہے، سوچتے ہیں آپ گھر میں ،فلاں پتھر کو کہاں لگانا ہے، اس کے لیے موزوں جگہ کون سی ہے، تو بندوں کو بھی کس کس مقام پر رکھنا۔ ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا
وہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم یقیناً ایمان لے آئے ہیں آپ ہمارے گناہ بخش دیں اور ہمیں بچالیں
عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ
آگ کے عذاب سے وہ صبر کرنے والے ہیں سدا سچ بولنے والے ہیں حکم ماننے والے ہیں
وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾
راہ خدا میں خرچ کرنے والے ہیں اور سحری کے وقت اللہ سے گناہ بخشوانے والے ہیں [1]

[1] یہ بندے کون سی صفات رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے ہیں آپ پر، ہمیں بخش دیں،

Marfat.com

گناہوں سے پاک کردے، جہنم کے عذاب سے بھی ہمیں بچالے، اب یہ چند صفتیں ہیں جوان کی دعا تھی، چند صفتیں قرآن پاک نے ارشاد فرمائیں ہیں، ایک تو وہ مشکلات میں صبر کرتے ہیں، میدان جنگ میں صبر کرتے ہیں، زندگی کی ہر مشکل پر صبر کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، یہ بڑی ڈھال ہے، سرکارؐ نے فرمایا!

صبر مشکلات کے لیے ایک ڈھال ہے

دوسری بات یہ ہے کہ وہ صداقت شعار ہوتے ہیں، وہ سچ بولتے ہیں، ان کی عادت سچ بولنے کی ہوتی ہے، تیسری بات یہ ہے کہ وہ قانت ہیں، قانت کا معنی ہے اطاعت شعار، حکم کو ماننے والا، نیکی کرنے والا، مختلف مفسرین نے الگ الگ معنے لکھے ہیں، اور پھر وہ راہ خدا میں اگر ان کے پاس دولت ہے تو وہ دیتے ہیں، اور آخری بات یہ ہے کہ سحری کو اٹھ کے اللہ کریم سے معافی طلب کرتے ہیں ، اب یہاں پانچ صفات اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاروں کی بیان کی ہیں، صبر والے، صدق والے، اطاعت کرنے والے، سخاوت کرنے والے، راہ خدا میں خرچ کرنے والے، اور سحری کو اٹھ کے مغفرت طلب کرنے والے، یہ ایسا وقت ہوتا ہے جو کامل یکسوئی اور کامل تنہائی کا ہے، اس وقت بات دل سے نکلتی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

شَہِدَ . گواہی دی ۱۱
اللّٰهُ أَنَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَأُو۟لُوا۟ ٱلْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِٱلْقِسْطِ ۚ
اللہ نے ، بے شک اس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں، فرشتوں نے بھی، علم والوں نے بھی گواہی دی، اللہ تو ہی ہے جو انصاف کو قائم و دائم
لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿۱۸﴾ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ
فرمانے والا ہے اس کے بغیر کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں وہ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی ہے یقیناً اللہ کے ہاں دین
ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ ۗ وَمَا ٱخْتَلَفَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّا مِنۢ
اسلام ہی ہے ۱۳ اور جنہیں کتاب دی گئی ہے ۱۴ انہوں نے اختلاف نہیں کیا تھا مگر اس

Marfat.com

بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ

کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا ایک دوسرے کی ضد سے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے

اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ

اللہ جلد حساب لینے والا ہے محبوب اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں ۱۵ تو آپ فرمادیں میں نے جھکادیا ہے

وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ

اپنی ذات اقدس کو اپنے چہرے کو اللہ کے سامنے اور ان لوگوں نے بھی جو میرے پیروکار ہیں ان لوگوں سے فرمادیجئے جنہیں کتاب دی گئی ہے اور ان

أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا

پڑھ لوگوں کو آپ یہ پیغام پہنچادیں کیا تم بھی مطیع ہو گئے ہو اگر وہ مطیع ہو جائیں تو وہ ہدایت پر ہیں اگر وہ منہ پھیر لیں تو

عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

تو آپ ﷺ کے ذمے تو (پیغام) کا پہنچا دینا ہی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھتا ہے

شہد اللہ انہ لاالہ الاھو....... فانما علیک البلغ و اللہ بصیر بالعباد

۱۶ وہ بات جو دل سے نکلتی ہے وہ پروں کے بغیر اڑنے کی عادی ہوتی ہے، یہ بات ہوئی، اب اللہ کریم نے کہا تین شہادتیں ذات ربانی کے معبود ہونے کی، پہلی شہادت اللہ کریم کی اپنی ہے، اللہ گواہ ہے، کہ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں، اللہ خود گواہ ہے، اللہ کے فرشتے گواہ ہیں، اصحاب علم گواہ ہیں، اب اصحاب علم کے پہلے گروہ میں رسول آئیں گے، پھر بعد میں درجہ بدرجہ سارے علم والے آتے جائیں گے، اور اللہ معبود ہونے کی گواہی کے ساتھ ایک بات اور کہتا ہے، کہ وہ انصاف کے ساتھ قائم رہنے والا ہے، ایک تو وہ انصاف کو قائم فرمانے والا ہے، اب اسلامی معاشرہ اللہ کی نقل اتارے گا، جہاں بھی اسلامی معاشرہ ہوگا اس کی بنیاد عدل وانصاف پر ہوگی، تبھی سرکار کریم نے ارشاد فرمایا!

Marfat.com

''کہ حکومت کفر کے ساتھ تو قائم رہ سکتی ہے، لیکن ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہتی''۔

دور حاضر کے مسلمان حاکموں کو اس پر غور کرنا چاہیے، کہ عوام کی چمڑی ادھیڑنے سے حکومتیں قائم نہیں رہا کرتیں، اللہ کے بغیر کوئی قابل عبادت نہیں ہے، تمہاری ساری قوتیں عارضی ہیں، حالی کہتا ہے!

کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

تمہاری عارضی قوتیں ہیں، اللہ غالب ہے، اور وہ جو بھی کام کرتا ہے، حکمت و دانائی سے ہوتا ہے، ایسا کبھی نہیں ہوا، کہ اس کے کام کے پیچھے حکمت اور دانائی کام نہ کر رہی ہو، وجہ یہ ہے کہ چھوٹا سا ذہن اچھی باتیں بھی سوچتا ہے، تو جو خالق کل ہے، اس کے کام کے پیچھے حکمت نہ ہو، یہ بات نہیں ہو سکتی، ایک چھوٹے دماغ سے ایک بڑے دانا، پر یہ اعتراض سجتا نہیں، ورنہ پھر اسی فلسفی والی بات ہوگی، وہ کسی آم کے درخت کے نیچے تشریف لے گئے وہاں جا کے بیٹھے دیکھا کہ آم اتنے اتنے ہیں اس پیڑ پر لگے ہوئے ہیں، اس کے ذہن میں ایک خیال آیا، کہ اگر اللہ کریم انسانی بہتری کو ملحوظ رکھتے تو اس کو تو کسی بیل کے ساتھ لگنا چاہیے تھا، اس بیل کے ساتھ جس کے ساتھ تربوزہ لگتا ہے، اس کے ساتھ اسے لگنا چاہیے تھا، اتنے بڑے درخت کے ساتھ تربوز کو لگنا چاہیے تھا، ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ طوطے نے آ کر اسے کاٹ لیا سر پر چیز تو تھی کوئی نہیں وہ سر پر آ کے لگا، تھوڑا سا چکرا گیا، چکرا کے کہتا ہے کہ میں تو دانا بنا بیٹھا تھا، اگر یہاں تربوز لگا ہوا ہوتا تو میرا آج ویزہ لگ چکا تھا، یہ اچھا ہوا کہ یہاں تربوز نہیں تھا، یہاں تربوز ہوتا تو میں تو ختم ہو چکا ہوتا۔

تو نوعیت یہ ہے کہ اللہ کا ہر کام حکیمانہ ہوتا ہے، وہاں کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہوتی، اللہ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے، میں اس لیے یہاں ختم کرنا چاہ رہا ہوں، کہ اسلام پر مجھے لمبی بات کرنی ہے، تو آج کے لیکچر کو یہاں رہنے دیا جائے، قرآن حکیم کے تقریباً دو صفحات ہم نے پڑھ لیے ہیں اسے اب بند کر دیں۔

۱۳ ان دو آیات کا ترجمہ گزشتہ ہفتے ہو چکا ہے، مختصری تفسیر یہ ہے، کہ اللہ کے ہاں جو پسندیدہ طریقہ ہے اس پسندیدہ طریقے پر انسانوں کو چلنا چاہیے، وہ اسلام ہے، میں کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں، کہ اسلام اس دین حق کا نام ہے، جو سیدنا آدم علیہ السلام لے کے یکے بعد دیگرے سب انبیاءؑ و رسل پر نازل ہوتا رہا، اور اس کی تکمیل ہمارے آقا و مولا سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ہوئی، یہ سارے کا سارا اجتماعی طور پر اسلام ہے، اسلام کا لغوی معنی ہوتا ہے، کسی کی بات مان لینا گردن جھکا دینا، فرمانبرداری اختیار کر لینا۔ جب آپ اسلام میں داخل ہوتے ہیں، تو آپ دو باتوں کو بنیادی طور پر تسلیم کرتے ہیں، جو اللہ کریم اور رسول رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری ہوتی ہے، قرآن حکیم نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے، دوسرے مقام پر آتا ہے کہ۔ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت میں شامل ہو۔ ایک اور جگہ پر ہے۔ ''ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے''۔

Marfat.com

اب ہم اس لفظ کا تھوڑا سا تجزیہ کر دیتے ہیں، اسکا جو ابتدائی لفظ ہے وہ سـلـم ہے، اس کا لفظی مطلب ہوتا ہے بچ جانا، سرکار علیہ السلام کی حدیث اقدس ہے!

المسلم من سلم المسلمون○

مسلمان وہ ہیں جس کی زبان اور ہاتھ سے باقی مسلمان بچے رہیں

آپ اس حدیث پر تھوڑا سا گہرا ذہن لگائیں، تو جو بات واضح طور پر آپ کے سامنے آئے گی، وہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کی ساٹھ فیصد برائیاں اور جھگڑے ہماری زبان کی وجہ سے ہوتے ہیں، اگر یہ زبان ٹھیک ہو جائے، اس پر غلیظ الفاظ نہ آئیں، دل آزاری کے الفاظ نہ آئیں، طنز تشنیع نہ ہو، وہ ساری خرابیاں جو زبان کے ساتھ وابستہ ہیں وہ رہ جائیں واضح سی بات ہے کہ ساٹھ فیصد مسائل حل ہو جائیں گے۔

اور جب ہاتھ حرکت میں آتا ہے تو وہ بنیاد زبان کی ہوتی ہے، جس پر ہاتھ حرکت میں آتا ہے، باقی چالیس فیصد مسئلے جو ہاتھ کی وجہ سے ہیں ان کے بارے میں بھی سرکار علیہ السلام نے فرمادیا ہے، کہ مسلمان دو باتوں سے محفوظ رہتا ہے، اور دوسرے مسلمانوں کو محفوظ رکھتا ہے، اپنی زبان کو بھی محفوظ رکھتا ہے، اس کی زبان سے مسلمان بچتے ہیں، اور اس کے ہاتھ سے بھی مسلمان بچتے ہیں، اب یہ دو باتیں آپ جتنے بھی گہرے انداز سے سوچیں گے، آپ کو پتا چلے گا کہ سرکار علیہ السلام نے ایک فقرے میں اخلاقیات کی کتنی بڑی عمارتیں کھڑی کر دی ہیں، اس پر گھنٹوں گفتگو کی جاسکتی ہے، کیونکہ آپ لوگ اصحاب علم وفکر ہیں، میں دروازے تک آپ کو لے جا کر خود پیچھے ہٹ جاتا ہوں، جب آپ آگے بڑھیں گے، اور سوچیں گے کہ زبان کے فتنے کون کونسے ہیں، اور اس کے بعد ہاتھ کے فتنے کس کس طریقے سے شروع ہوتے ہیں، مار کٹائی سے لے کے قتل تک، اور پھر سب سے پہلے معاشرے میں وہ گھر ہوتا ہے جس میں آپ رہتے ہیں، اس میں زبان اور ہاتھ کی طہارت آئے گی، تو پھر معاشرے میں پھیلے گی، معاشرے میں پھیلے گی تو ملک میں پھیلے گی، پھر یہ بین الاقوامی حیثیت اختیار کر جائے گی، فلاں قوم بڑی متمدن ہے، ان کی زبان بھی صاف ستھری رہتی ہے ان کے ہاتھ بھی کسی کو تنگ نہیں کرتے۔ اب ایک اور انداز سے اس بات کو سوچا جائے، میری بہنیں اور بچیاں بیٹھی ہیں، انہوں نے وہ چمچے کبھی بھی جو ہانڈی میں استعمال کرتی ہیں، انہیں کسی گندی شے میں استعمال نہیں کیا، اس لیے کہ انہیں پاک رہنا چاہیے، ہانڈی صاف ستھری بھی رہے، پاکیزہ بھی رہے، نفیس بھی رہے، اب جب ہانڈی وقتی استعمال کی شے ہے، اسے پاک رکھنے کے لیے چمچے پاک ہونے چاہیں، تو زبان ایک چمچہ ہے آپ کے پاس، اسے آپ ذکر اللہ کی ہانڈی میں بھی حرکت دیتے ہیں۔ رسول علیہ السلام کی یاد کے لیے بھی اسے استعمال فرماتے ہیں، پھر قرآن پڑھنے کے لیے بھی یہ زبان چلتی ہے، درود شریف زبان سے ادا ہوتا ہے، نماز بھی زبان سے پڑھی جاتی ہے، اگر اسے غلاظت سے بھر دیا

Marfat.com

جائے ،تو پھر یہ زبان کس کام کی ہوگی ،کیا وہ ایک زبان پاک اور ناپاک دونوں میں استعمال ہوتی رہے گی ،لہذا یہ ضروری ہے ،کہ اسے پاک رکھا جائے ،تبھی تو سرکارؐ کے اس بارے میں واضح احکام ہیں ،کہ مطلب سے زیادہ بات نہ کی جائے ،اسے مختصر رکھا جائے ،محفلوں میں بیٹھ کے گھنٹوں کے حساب سے جب باتیں چلتی ہیں ،ان میں غیبت بھی آتی ہے ،بدزبانی بھی آتی ہے ،اس بات سے روک دیا گیا ،اولیاء امت نے ایک اور بات کہی ہے ،انہوں نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ کچھ مقاصد کے علاوہ جو شرعی مقاصد ہیں اسے انتہائی ضرورت کے وقت استعمال کیا جائے ،بوعلی قلندر ایک اور انداز سے کہہ گئے ہیں ،کہ تین باتیں کر لے ،زبان بند کر لے مخلوق کی طرف سے کان بھی بند کر لے ،آنکھیں بھی بند کر لے ،پھر اگر خدا کا نور نہ نظر آئے تو میر امذاق اڑا لینا ،کہ یہ عجیب فقیر ہے ،کہ یہ باتیں کہتا ہے اور پوری نہیں ہوتیں ،سرکارؐ کے اس چھوٹے سے ارشاد کو المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ''تصوف کی اتنی بڑی عمارت کھڑی کر دی ہے کہ آپ جوں جوں آگے بڑھتے جائیں گے ،اس حدیث کی وسعتیں پھیلتی چلی جائیں گی ،اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

طریقہء زندگی ،میں دین کا معنی طریقہء زندگی کر رہا ہوں ،ایک مذہب ہوتا ہے ،ایک طریقہء زندگی ہوتا ہے ،مغرب نے مذہب کو طریقہء زندگی سے نکال دیا ،لہذا دین کا معنی مجھے طریقہء زندگی کرنا پڑ رہا ہے ،کہ رب کے ہاں طریقہء زندگی جو رب کو پسند ہے ۔اور رب کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند ہے وہ اسلام ہے ۔اب سلم کا معنی بچنا تھا اسلم کا معنی ہوتا ہے بچا دینا ،گردن جھکا دینا ،مان لینا ،جب آپ نے اسلام قبول کر لیا ،تو انسانی شر سے آپ نے باقی لوگوں کو بچا لیا ،اسلام کے قلعہ میں آ کے آپ نے ان سب باتوں سے منہ موڑ لیا ،جو باتیں معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتی تھیں ،جب اسلام ابتداء سے آج تک چلتا آ رہا ہے ،تو پھر یہ اختلاف کیوں ہوا ،اس کا قرآن نے جواب دیا ۔

۱۹ کہ جن لوگوں کے پاس کتاب آئی تھی ،تورات آئی تھی انجیل آئی تھی زبور آئی تھی ،اور اب میں کہتا ہوں قرآن آیا تھا ،کتاب آنے کے بعد علم کے دریافت ہونے کے بعد وہ محض ضد اور حسد کی وجہ سے اختلاف میں پڑ گئے ،اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کتاب کے اٹھانے والے تھے ،جو کتاب کے محافظ تھے ،انھوں نے اپنے گروپوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے ،محض حسد اور بغض سے دوسرے لوگوں کی باتوں کو نہیں مانا ،اور نئے راستے نکال لیے ،تو جب ان باتوں سے ہٹ کر اللہ کی کتاب کو سوچا جاتا ہے ،تو یہ وہ شاہراہ ہے جس سے پھسلنے کا امکان نہیں رہتا ،لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ گروہ بندی کو سامنے رکھتے ہوئے خدا جانے کیا کیا انداز یہودیوں نے اپنائے ہوئے ہیں ،عیسائیوں نے اپنائے ہوئے ہیں ۔

اور پھر امت کے اندر چند ایسے لوگوں کو جو مجتہد نہیں تھے ،لیکن اجتہاد کا نشہ ان کے سر پر سوار تھا ،قدم قدم پر انہیں ٹھوکریں کھانا پڑیں ،اور ساتھی لوگوں کو بھی لے ڈوبے ،اب بارہویں صدی ہجری تک دو چار ایسے مسائل ہیں جن پر ساری امت متفق

تھی، علامہ محمد عبدالوہاب نجدی بارہویں صدی کے انسان تھے، یہ ابوبکر صدیقؓ نہیں ہیں، یہ فاروق اعظمؓ بھی نہیں ہیں، یہ حیدر کرارؓ بھی نہیں ہیں، یہ غوث اعظمؒ اور امام اعظمؒ بھی نہیں ہیں، حضرت شافعیؒ کی جوتی سیدھی کرنے کی صلاحیت بھی ان میں نہیں ہے، لیکن ہوا کیا کہ ساری امت ایک طرف چل رہی ہے، اور اس بندے نے نئے مسائل میں ایسا غلط اجتہاد کیا کہ انسان سوچتے ہوئے کہتا کہ خدا جانے اسے کون سے پاگل کتے نے کاٹ کھایا تھا کہ اس نے کہا کہ یہودی کو مارنا جائز نہیں لیکن مسلمان مشرک ہو گئے ہیں انہیں مارنا حلال ہے، یہ انداز فکر تھی اس انسان کی میں جب بھی ان کی کتابیں پڑھتا ہوں مجھے علمی دنیا میں کسی سے عناد نہیں ہے، لیکن جب میں مختلف لوگوں کی کتابیں پڑھتا ہوں تو مجھے بڑی حیرانی ہوتی ہے، اب یہ ایک محفل میں کہنے لگے، یہ میری سوٹی ہے یہ تو میرے کام آسکتی ہے، جس کا نام محمدؐ ہے وہ میرے کس کام کا ہے، اگر وہ آپ کے کسی کام کے نہیں ہیں تو آپ قرآن کیوں پڑھتے ہیں، آپ دلیل تو قرآن سے لینے کی کوشش کرتے ہیں، تو جن کا نام محمدﷺ ہے انہوں نے تو یہ قرآن نافذ کیا ہے، اسی انداز سے انہوں نے کچھ اور باتیں کہی ہیں، وہ میرا موضوع سخن نہیں ہے بات لمبی چلی جائے گی، بات صرف سمجھا یہ رہا تھا، کہ محض طبقاتی کشمکش کے لیے اسی قسم کی باقی باتوں کے لیے ضد اور حسد سے اسلام کے راستے کو چھوڑ دیا، اور ساری امت جدھر جا رہی تھی، اس سے کٹ گیا، جو اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے، اللہ اس سے جلدی حساب لے لیتا ہے، اب ہماری جلدی تو یہ چاہتی ہے کہ بات دو چار منٹوں میں ہو جائے، تو اللہ کی جلدی بسا اوقات صدیوں پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے، تو وہ حساب بہت جلد ہو جاتا ہے، مرنا زیادہ دور کا نہیں ہے، اب وہ بار بار سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حجت بازی کرتے تھے مختلف باتوں پر، تو قرآن حکیم نے یہاں ایک فیصلہ کن بات سرکارؐ کی طرف سے کہہ دی، بات یہ کہی!

۱۵ اگر محبوبؐ یہ آپ سے جھگڑیں اور حجت بازی کریں تو آپ فرما دیں میں نے اپنی ذات اللہ کے سامنے جھکا دی ہے، میں نے گردن اللہ کے سامنے رکھ دی ہے، دیکھیں اسلم تو (Past Tense) ہے متکلم کا، میں نے گردن جھکا دی، میں مان گیا، اور صرف میں نہیں بلکہ جس نے میری پیروی کی وہ بھی یہی بات کرے گا جو میں کر رہا ہوں، کہ ہم نے اپنی ذات اللہ کے حوالے کر دی ہے، عربی گرائمر کے نکتہ نگاہ سے پورا لفظ ہے ومن اتبعنی ۴ سے رسول کے حساب سے آپ حذف کر دیں گے۔

فرما دیجئے ان لوگوں کو جنہیں کتاب دی گئی ہے اور انہیں یہ بھی کہہ دیں۔ دو گروہ تھے عرب کے یہودی اور عرب کے عیسائی، اپنے آپ کو لکھا پڑھا کہتے تھے، مکہ کے لوگوں کو باقی سب مشرکین کو ''امی'' کہتے تھے، امی کا معنی ہے ان پڑھ، اور پھر وہ کبھی کبھی آپس میں بیٹھے ہوئے یہ بھی کہتے تھے، کہ اس نبی کا ہمارے سے تعلق نہیں ہے، یہ تو امیوں کا نبی ہے، ان پڑھ لوگوں کا نبی ہے، ہم تو لکھے پڑھے لوگ ہیں، ضروری نہیں کہ کوئی نبی آ کے ہمیں تعلیم دے، محبوب جنہیں کتاب دی گئی ہے انہیں بھی فرما دیں، اور یہ امی اور ان پڑھ لوگ انہیں بھی فرما دیں، کیا فرما دیں!

Marfat.com

راستے پر چل پڑے ہیں، میں مار دیا جاؤں گا، لہذا میں نہیں جاتا، ابوجہل نے کہا کہ راستے پر کہیں کھسک جانا، یہاں سے ہمارے ساتھ چلو اگر تو گیا تو تیری برادری اور دوست احباب بھی چلے جائیں گے، ہماری فوجی طاقت پر زد پڑے گی، اس نے یہ نہ سوچا کہ جس ہستی پاک نے یہ بات فرمائی ہے بھلا وہ راستے سے ہٹ کر کہیں جا بھی سکتا ہے؟ چنانچہ یہ وہاں پڑا ہوا تھا اس کے سب دوست مارے گئے ایک صحابیؓ نے جب اس کا پیچھا کیا تو وہ کسی جگہ لیٹ گیا، کچھ مسلمان بھی اس پر لیٹ گئے، ان پر اس کا کوئی احسان تھا، مسلمانوں نے کہا کہ ہم اسے پناہ دیتے ہیں، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے فرمایا، یہ وہی ہے جو تپتی ریت پر مجھے لٹایا کرتا تھا، صحابہ کرام نے اس کے پیٹ کو پھاڑ دیا وہ مر گیا، عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اتنی دیر تک اتنی کوشش کرنے کے باوجود جو لوگ اسلام نہیں لائے تھے اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ مجبور تھے، مطلب یہ تھا کہ طویل عرصے تک انہوں نے شعوری اور اختیاری انداز سے اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ بھلا ایسے لوگ اسلام کی طرف کیسے پلٹ سکتے تھے اس لئے قرآن پاک میں ان کے بارے ارشاد ہوا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ط وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز
مہر لگادی اللہ نے (نافرمانی کی وجہ سے) ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے
وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۷﴾
اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ۱۶

۱۶ ایک طویل عرصے تک انہوں نے اسلام کی مخالفت میں زندگی گزاری، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ! **"ختم"** (مہر کردی ہے) **"اللہ"** (اللہ نے) **"علی"** (پر) **"قلوبھم"** (ان کے دلوں پر) **"وعلی سمعھم"** (و، اور۔ علی۔ اوپر، سمع۔ کان) قوت سماعت کو بھی سمع کہتے ہیں، اور ان کے کانوں پر بھی مہر لگادی ہے۔ **"وعلی ابصار ھم"** ۔ **"و"** اور، **"علی"** پر، بصر کی جمع ابصار بمعنی آنکھیں، **"غشاوۃ"** پردہ، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، غشاوہ ایسی شے کو کہتے ہیں جو کسی اور چیز کو ڈھانپ دے، **"ولھم"** اور ان کے لیے، **"عذاب عظیم"** بہت بڑا عذاب ہے۔

یہاں یہ اعتراض ہوا کہ اگر ان کے دلوں پر مہریں ہیں اور آنکھوں پر پردے ہیں، تو وہ مجبور ہیں اسلام کی طرف آنے سے، جواباً وہی بات عرض کروں گا جو اوپر کہہ چکا ہوں کہ ان کی طرز زندگی بتاتی ہے کہ ان کے دل و دماغ اسلام سے پھر چکے تھے، ان کی

Marfat.com

کیا تم نے بھی اپنا وجود اللہ کے حوالے کر دیا ہے، کیا تم نے بھی اپنی گردن اللہ کے لیے جھکا دی ہے، کیا تم بھی اللہ کی بات کو مان گئے ہو پھر آگے فرمایا!

اگر وہ اپنی گردن جھکا دیں، تو وہ ہدایت پا گئے ہیں

یہاں نسلوں پر مدار نہیں ہے، یہاں زبان پر مدار نہیں ہے، یہاں رنگ پر مدار نہیں ہے، یہاں تو نظریے پر مدار ہے، اور مرکزی نکتہء خیال اسلام کا یہ ہے، جو اس کا لفظی معنی ہے، کہ اپنی گردن اللہ کے سامنے جھکا کے کہہ دو، کہ میں کورا کاغذ ہوں اس پر جو نقش و نگار بھرنا ہے وہ تیرے دین نے بھرنا ہے، جس طریقے سے چاہیں اس طریقے سے چلائیں۔

وان تولوا لیکن اگر وہ رخ موڑ دیں تو محبوب آپ کے ذمہ بات کا پہنچا دینا ہے، سرکار کریم کے پہنچانے کو رب کریم نے یہاں صرف **بلاغ** کہا ہے، لیکن قرآن پاک کی بے شمار جگہوں پر اسے **بلاغ مبین** کہا ہے، یعنی اس طریقے سے پیغام پہنچا دینا کہ اس میں کسی انداز سے کمی نہ رہے، صرف زبان سے نہ پہنچایا جائے، عمل کر کے دکھا دیا جائے، (کہ یہ ہے Way of Life) یہ زندگی کا انداز ہے یہ زندگی کا طریقہ ہے، اس پر آپ کو چلنا ہے، اللہ تعالیٰ بندوں کو خود دیکھنے والا ہے، کہ کون مسلم ہے اور کون نافرمان ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ

جس دن ہر جان موجود پائے گی، جو اس نے نیک عمل کیا ہے اپنے سامنے، اور جو عمل کیا ہے

مِن سُوٓءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُۥٓ أَمَدًۢا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ

برا اسے بھی، تو وہ جان چاہے گی، کاش اس کے درمیان اور اس عمل کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات اقدس سے ڈراتا ہے

ٱللَّهُ نَفْسَهُۥ ۗ وَٱللَّهُ رَءُوفٌۢ بِٱلْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

اللہ بندوں کے لیے بے حد مہربان ہے

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكْفُرُونَ

یقیناً وہ لوگ جو انکار کر دیتے ہیں

بِـَٔايَـٰتِ ٱللَّهِ وَيَقۡتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ بِغَيۡرِ حَقٍّ وَيَقۡتُلُونَ

اللہ کی آیات کا، اور نبیوں کو بلاوجہ قتل کرنے لگ جاتے ہیں، اوران لوگوں کو مار دیتے ہیں

ٱلَّذِينَ يَأۡمُرُونَ بِٱلۡقِسۡطِ مِنَ ٱلنَّاسِ فَبَشِّرۡهُم

جو انصاف کا حکم دیں، محبوبؐ ایسے لوگوں کو آپ بشارت دے دیں

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۱﴾ أُوْلَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ حَبِطَتۡ أَعۡمَـٰلُهُمۡ

دردناک عذاب کی، یہ وہ لوگ ہیں، جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے تھے،

فِي ٱلدُّنۡيَا وَٱلۡأٓخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّـٰصِرِينَ ﴿۲۲﴾

ان کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں ہوں گے ۱۶ء

۱۶ء ان الذین یکفرون بایٰت اللہ.....وما لھم من نصرین یہودیوں کی عادات میں یہ بات شامل تھی کہ وہ آیات ربانی کا انکار کرتے تھے، حضرت موسیٰؑ کے ساتھ وہ یہی کچھ کرتے رہے، جناب زکریاؑ، جناب یحییٰؑ، جناب عیسیٰؑ کے ساتھ بھی یہی کرتے تھے کہ ان پر جو آیات نازل ہوتی تھیں، ان آیات کا یہ لوگ انکار کر دیتے تھے، پھر مختلف انبیاءؑ کو بلاوجہ انہوں نے مار دیا، اور انبیاءؑ کے لیے قتل کی وجہ کوئی نہیں ہوتی تھی، کیونکہ جن وجوہات کی وجہ سے کسی کو مارا جاتا ہے، نبی معصوم ہوتا ہے، وہ وجوہات نبی میں نہیں ہوتیں، وہ کسی کا قاتل نہیں ہوتا کہ اسے مار دیا جائے، وہ دین سے برگشتہ نہیں ہوتا کہ اسے مار دیا جائے، وہ باغی نہیں ہوتا کہ اسے مار دیا جائے، وہ بدکار نہیں ہوتا، کہ اسے مار دیا جائے، وہ معصوم ہوتا ہے، لہذا قتل کی جو وجوہات ہیں وہ نبی میں پائی نہیں جاتیں، لیکن ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے، یہودیوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کو، پہلے پارے میں ایسی آیت کی شرح کرتے ہوئے میں نے 12 انبیاء کے نام لیے تھے، جن پر انہوں نے طرح طرح کی زیادتیاں کیں، ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، تو اللہ کریم نے فرمایا کہ ایک تو یہ ذات الٰہیہ کے منکر ہیں، بلاوجہ نبیوں کو

Marfat.com

مارتے ہیں، اور پھر تاریخ میں جن لوگوں نے انہیں انصاف کے لیے کہا ہے، یہ ان لوگوں کے بھی قاتل رہے ہیں، انہیں بھی نہیں چھوڑا، تو ان تین جرموں کی وجہ سے محبوب آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت اور خوشخبری سنا دیں۔

آپ حیران ہوں گے، کہ کسی کو کہا جائے، کہ تو جہنم جا رہا ہے، اور اس فقرے کو کہہ دیا جائے کہ یہ خوشخبری ہے، تو یہ خوشخبری تو نہیں ہے۔ عربی میں ایک انداز ہے، جسے اردو میں آپ لوگ تعریض کہتے ہیں، تعریض ایسی بات ہوتی ہے، کہ اس کا ظاہری مفہوم کچھ اور ہوتا ہے، اور آپ کچھ اور مفہوم لے رہے ہوتے ہیں، اور یہ اس لیے ہوتا ہے، کہ جو بندہ ادبی زندگی میں عظیم ماہر ادبیات ہے، اس کے ساتھ سادہ انداز سے بات نہیں کی جاتی، استعارہ ہوگا، کنایہ ہوگا اسی طرح تعریض ہوگی، مثلاً ایک آدمی اپنے آپ کو بڑا افاضل سمجھتا ہے، لیکن اس نے آپ کے سامنے بڑی احمقانہ بات کہہ دی ہے، تو آپ ہنس کر کہہ دیں کہ ماشاء اللہ، یہ بھی آپ کا ارشاد عالی بڑی اونچی بات ہے، تو یہ تعریض ہوگی، اسی طریقے سے یہاں تعریض کی گئی انہوں نے کہا تھا کہ ہم جہنم میں نہیں جائیں گے، جائیں گے تو صرف چالیس دن جائیں گے، تو اللہ کریم نے فرمایا کہ انہیں جہنم کی خوشخبری دیں کہ چالیس دن نہیں، خدا جانے تم نے وہاں کب تک رہنا ہے، اسے تعریض کہتے ہیں، تو قرآن نے متعدد جگہ پر یہودیوں کے لیے یہ بشّــر کا لفظ استعمال فرمایا تعریض طنز کے طور پر، یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے ہیں ،طریقہ کار یہ ہوتا ہے، کہ جب بندہ کسی سیدھے راستے پر چل رہا ہے، تو اسے ایسی باتیں سوجھتی ہیں جو اس راستے کی معاون ہوتی ہیں، اور جب کسی ٹیڑھے راستے پر چل رہا ہے، تو اسے ایسی باتیں سوجھتی ہیں جو ٹیڑھے پن میں اسے آگے دھکیلتی ہیں، یہاں اسی بات کی طرف اشارہ ہے، کہ دنیا اور آخرت کے سارے اعمال اکارت گئے ہیں، یہ جو ان کی مزعومات ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اللہ کے محبوب ہیں، یہ بات نہیں ہے، ان کا وہاں کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا، اب بات یہ ہے کہ جو ایک شے کو جانتا ہے، اسے بنیاد بنا کر وہ آگے بڑھتا ہے، ایک بندہ تورات کو جانتا ہے تو اسے انجیل کو جاننا چاہیے، انجیل کو جانتا ہے تو اسے قرآن پاک کی طرف بڑھنا چاہیے، طریقہ یہ ہے۔

☆☆☆☆☆

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ نَصِيبًا مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَٰبِ

محبوب آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر التفات نہیں فرمائی، جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا، اب انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے

ٱللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾

تا کہ یہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ فرمادے (یعنی قرآن حکیم) اور ان میں سے ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا۟ لَن تَمَسَّنَا ٱلنَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ

اور وہ اس کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں، یہ اس لیے ہے، کہ وہ کہتے ہیں کہ آگ ہمیں صرف چند دن لگے گی، اور انہیں بہکا دیا

فِى دِينِهِم مَّا كَانُوا۟ يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَٰهُمْ

دین کے بارے میں، ان کی من گھڑت باتوں نے، ان کا کیا حال ہوگا، جب ہم انہیں اس دن جمع کر لیں گے

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، اور ہر جان کو پورا پورا بدلہ دے دیا جائیگا اس کے اعمال کا اور ان

لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ پر زیادتی نہ کی جائیگی ۱۷ ؎

۱۷ ؎ الم تر الذین اوتوا.....ما کسبت و هم لا یظلمون

،تو رب کریم نے ارشاد فرمایا کہ محبوب ذرا آپ انہیں دیکھیں تو سہی، ان کے پاس کتاب کا ایک حصہ آیا ہے، یہاں ایک نفیس نکتہ ہے جس کی طرف قرآن پاک نے اشارہ کیا ہے۔

یعنی جسے کتاب کل کہا جائے وہ صرف قرآن پاک ہے، کہ کتاب کا ایک حصہ آیا ہے، کبھی وہ تورات کی شکل میں آیا ہے کبھی انجیل کی شکل میں آیا ہے، اور کبھی زبور کی شکل میں آیا ہے، زبور کو کاٹتے کاٹتے انہوں نے اتنا چھوٹا کر دیا ہے، کہ اب وہ تورات کا

ایک چھوٹا ساباب رہ گیا ہے، تو اب جنہیں کتاب کا ایک چھوٹا سا حصہ ملا ہے، جب انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے، اب جہاں دوسری جگہ کتاب کا لفظ آتا ہے، وہاں اللہ کا لفظ ساتھ نہیں ہوتا، قرآن کا لفظ جب کتاب کے لیے استعمال ہو، تو اللہ کا لفظ ساتھ ہوتا ہے، اس فرق پر آپ ذرا غور کریں، اور قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے، خاص طور پر یہ میری بہنیں اور بچیاں جنہیں عربی زبان آتی ہے، وہ مشورے لیتی رہتی ہیں، مطالعہ کے دوران اس پر غور کیا جائے، کہ عام طور پر تورات کے لیے الکتاب کا صرف لفظ آئے گا، اور قرآن کا جب ذکر آئے تو کتاب اللہ کا ذکر آئے گا، یہ اشارہ اس بات کی طرف کہ جو کتاب اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے وہ صرف اور صرف قرآن پاک ہے، باقی کتابیں ہیں لیکن انہیں کتاب اللہ نہیں کہا جاسکتا، اب جب اللہ کی کتاب آگئی ہے انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ تورات کا مطالعہ کرنے والو! آؤ قرآن کو بھی دیکھو، انجیل کا مطالعہ کرنے والو ذرا اس **گلشن مطفویٰ** کی بھی سیر کرو۔

قرآن پاک کیوں بلاتا ہے اپنی طرف تاکہ ان کے جھگڑوں کے درمیان ثالثی کا کردار ادا کرے۔ "**لیحکم بینکم**" کا مطلب ہے ثالثی کرنے والا، تاکہ ان کے جھگڑوں میں ثالثی کرے، تو ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ لیتا ہے، بات ان کی وہی پرانی ہے، کہ وہ اہل علم ہیں اتنے بڑے علم والے ہیں کہ ہمارے علم میں مزید علم سمانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور اس سے غفلت کر کے گزر جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، ایسا کیوں کہتے ہیں، اس کا قرآن پاک نے خود بھی جواب دیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آگ نے تو چھونا نہیں ہے، صرف چند معدودے سے دن ہوں گے، میں پیچھے عرض کر آیا ہوں، کہ انہوں نے اس کے مختلف دن مقرر کیے ہیں، کچھ نے کہا کہ تین دن، کچھ نے کہا سات دن، مختلف انداز سے وہ کہتے کہ ہم نے غلطی اتنے دن کی تھی تو زیادہ سے زیادہ بڑی ہماری جو غلطی ہے وہ سامری کے بچھڑے کی عبادت ہے۔ اور وہ صرف چالیس دن تھی، لہذا چالیس دن سے زیادہ ہمیں عذاب نہیں ہوگا، تو یہ ہے ایام معدودہ یعنی گنتی کے دن۔

اب وہ یہ ساری باتیں خود گھڑتے تھے، تو قرآن پاک نے کہا اپنی گھڑی ہوئی باتوں کے دھوکے میں آگئے۔ جس بات کی سمت اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف نہ ہو، اس کی بنیاد نہیں ہوتی، آپ یہاں ایک بات کو ذہن میں رکھ لیں، کہ انسانی بہبود کے لیے، بنیادی چیزیں دو ہیں، یا اللہ کی کتاب ہے، یا اللہ کے رسول کی سنت ہے، رسول کا طریقہ ہوتا ہے، اب ان کے ساتھ دو اور بنیادیں آتی ہیں جو انہیں پر قائم ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ ساری امت نے قرآن کے اس لفظ سے کیا سمجھا ہے، اور ساری امت نے سرکارؐ کے ارشاد سے کیا سمجھا ہے، اسے اجماع امت کہا جاتا ہے، یہ ہمارے نزدیک حجت ہے، چونکہ ایک بات کو ایک بندہ سوچتا ہے، تو وہ ایک ذہن ہے، اور آج سرکارؐ سے لے کر ہم تک چالیس سے پینتالیس نسلیں گزر چکی ہیں، ان چالیس پینتالیس نسلوں میں سے ہر نسل میں لاکھوں سوچنے والے لوگ تھے، اگلی نسل میں اور بڑھ گئے، اس طریقے سے وہ آج تک بڑھتے آئے

ایک بات پر اتنے ذہنوں نے غور کیا ہے، تو یہ لوگ غلطی پر نہیں ہو سکتے، لہذا یہ اجماع امت پر دلیل ہے۔

اور چوتھی بات یہ ہے کہ آپ دو انداز کی زندگی گزارتے ہیں، آپ کی زندگی مثلاً دنیاوی زندگی ہے، ایک اور بندہ ہے جس کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے، وہ قرآن وسنت کے لیے ساری زندگی کھپا دیتا ہے، اور پھر وہ قرآن وسنت کے سادہ الفاظ کو نہیں بلکہ وہ ان سب علوم کو پڑھتا ہے، جو براہ راست قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہیں، میں ان میں سے چند کا نام لیتا ہوں۔

قرآن کو سمجھنے کے لیے عربی کے قدیم ادب کو سمجھنا ضروری ہے، قرآن کو سمجھنے کے لیے عربی بلاغت کا جاننا ضروری ہے، پھر بلاغت کی تینوں قسمیں جو ہیں ان کی گہرائی جاننا ضروری ہے اس سے آگے بڑھ کر صرف ونحو کو جاننا ضروری ہے، قدیم عربی نثر کو جاننا ضروری ہے، قرآن جن واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہے، وہ تاریخ ہیں، تو اس ساری تاریخ کو جاننا ضروری ہے، جو قرآن سے براہ راست وابستہ ہے، اب قرآن جس ہستی پر نازل ہوا، اس نے اس کی شرح کی ہے اسے حدیث کہتے ہیں، حدیث کا جاننا ضروری ہے، حدیث سے قوانین اخذ کرنے کے لیے جس علم کو بنایا گیا ہے اس کا نام اصول حدیث ہے، اس کا جاننا ضروری ہے، اور پھر جو مسائل قرآن وسنت سے نکلتے ہیں اسے فقہ کہتے ہیں، اس کا جاننا ضروری ہے، وہ طریقے کیا ہیں جن کے پیش نظر فقہ سے مسائل اخذ کیے جاتے ہیں، اسے اصول فقہ کہتے ہیں۔ اب قرآن جس جگہ نازل ہوا ہے، وہ ایک خاص رقبہ تھا، لہذا عرب کا جغرافیہ جاننا ضروری ہے، تاکہ قرآن نے جن جگہوں کا ذکر کیا ہے ان کو سمجھا جاسکے، اب سرکار ﷺ کی ذاتی ہسٹری جو ہے اس کا جاننا ضروری ہے، تاکہ قرآن کے طرز افکار کو جانا جاسکے جو رسول ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، اب قرآن پاک ظاہر اور باطن دونوں چیزوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے، ظاہر میں تو فقہ آجاتی ہے، باطن میں تصوّف چلا جاتا ہے، لہذا ان علوم کو براہ راست جاننے کے بعد زندگی میں اسے سمو دینا جسے آپ تقویٰ کہتے ہیں، ان سارے علموں کو آپ ایک طرف رکھیں دوسری طرف تقویٰ آئے گا اکیلا، تو یہ باتیں ہوں گی، تو آپ مقام اجتہاد پر پہنچیں گے، لیکن ایک اور جو ضروری شرط ہے وہ یہ ہے کہ صدیق اکبرؓ سے لے کے آج تک جہاں سے گزرتے ہوئے مقننین نے اس قانون کو کس کس انداز سے سوچا ہے، یہ اتنی آسان سی بات نہیں ہے، کہ جاہل اسمبلی کو یہ اختیار دیدیا جائے، چند جاگیرداروں کو، انگوٹھا پاس ایم این ایز کو کہ یہ اجتہاد کر سکتے ہیں اور اقبال کا یہ نظریہ تھا، اقبال ان شاہینوں کو دیکھتا تو ان شاہینوں کو دیکھتے ہی اپنے شاہین کو ذبح کر دیتا، اور اگر یہی شاہین ہم نے پیدا کرنے تھے تو العیاذ باللہ ہم اس شاہین کی محبت سے باز آئے۔

اب آپ اندازہ فرمائیں کہ یہ مہارت آئے تو امام اعظمؒ بنتا ہے، یہ مہارت آئے تو شافعیؒ بنتا ہے، یہ مہارت آئے تو مالکؒ بنتا ہے، یہ مہارت آئے تو احمد بن حنبلؒ بنتا ہے، اور پھر آگے چل کے ان کے متبعین بنتے ہیں۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ مجتهد کو یہ اختیار دیا جائے۔ اب پھر ان مجتہدین کی دو قسمیں ہیں، کیا آج تک جتنے بھی مکاتب فکر ہیں ان سب کو وہ جانتا ہے، اور سب پر

Marfat.com

اسے یکساں مہارت ہے، تو وہ مجتہد مطلق ہے۔ اگر ایسی بات نہیں ہے، تو وہ کسی ایک برانچ کا مجتہد ہے مثلاً حنفی فقہ کا مجتہد ہے، شیعہ فقہ کا مجتہد ہے، وہ پھر مجتہد فی المذہب ہے، صدیاں گزر گئی ہیں کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ ہم نے راستہ بدل لیا ہے۔

آپ میں سے بہت سے لوگ ہیں جو ابن تیمیہ کو جانتے ہیں، انہیں غالباً ایک دن خیال آیا کہ میں مجتہد مطلق ہوں، کوئی بندہ اچانک سامنے آیا اس نے ایک مسئلہ پوچھا جواب کوئی نہیں تھا، اس نے دوسرا پوچھا جواب کوئی نہیں تھا، انہوں نے سوچا کہ میں مجتہد مطلق تو دور کی بات ہے بلکہ میں تو مجتہد فی المذہب بھی نہیں ہوں، ورنہ میں اسے جواب دیتا یہی بات جناب جلال الدین سیوطی کے ساتھ پیش آئی کہ اسلامی علوم کے علاوہ کئی فن ان کے اندر موجود تھے، ہر فن میں ان کی کتاب میں موجود تھا، لیکن دو سوال ہوئے اور جواب نہ بن سکا، کہنے لگے اللہ میری توبہ، ابوحنیفہ کو مجتہد مطلق بننا سجتا ہے،، امام شافعیؒ اور امام احمد کو ہی یہ بات سجتی ہے، بڑی دیر سے مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا، مجتہد فی المذہب آج بھی ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ ہوتے رہیں گے، لیکن مجتہد فی المذہب بننے کے لیے بے پناہ مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، ہماری مسجدوں کے علماء 98% ویسے ہی ان پڑھ ہوتے ہیں، یہ تو پیشہ ہے ایک، اور یہ ایک پیشہ ور طبقہ ہے، اور اسے اپنے انداز سے چلا رہا ہے، اللہ کرے کہ مسلمانوں میں بہت سارے مجتہد فی المذہب پیدا ہوں، مجتہد مطلق پیدا ہوں، کہ اس قوم کی بگڑی ہوئی قسمت سنور سکے، ہم تو عام دنیاوی علوم میں بھی مجتہد نہیں رہے، غلام انگریز نے اقبال کو جنم دیا، شاہ احمد رضا بریلوی کو جنم دیا، بانیء دیوبند کو جنم دیا، سید سلمان ندوی کو جنم دیا، آزاد پاکستان اور آزاد ہندوستان نے کس کو جنم دیا ہے، کوئی ایک بندہ اتنا قد آور مجھے دکھا دیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو عام دنیاوی علوم میں بھی تنزل کا شکار ہیں، جن کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں سندیں قیمتاً بکتی ہوں، وہاں علم کہاں سے آئے گا، یہ وہ خامی ہے جس خامی کو دور کر کے علم کے چراغوں کو پھر روشن کرنا ہے، تو ارشاد فرمایا!

کہ انہیں کتاب کا ایک حصہ ملا تھا، پھر انہیں کتابِ حق کی طرف دعوت دی گئی، اسے انہوں نے قبول نہیں کیا، باطل نظریات کو لے کے آگے چلے، قیامت کو جب یہ اکھٹے ہوں گے، اور ہر جان کی جو بھی اس نے نیکی یا بدی کی ہوگی دیکھی جائے گی، وہاں بالکل زیادتی نہیں ہوگی، اس لیے کہ تمہارا سارے کا سارا ریکارڈ محفوظ ہے۔

حضور علیہ السلام کے ایک صحابی جمعہ کی نماز میں موجود نہیں ہیں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ان کا نام معاذؓ تھا، معاذؓ جمعہ ہو گیا اور میں نے آپ کو نہیں دیکھا، کیا بات تھی، حضورؐ میں ایک یہودی کا مقروض ہوں، وہ دو چار دفعہ گھر آیا میں بار بھی میں تھا بل نہیں سکا اسے، اب اسے یقین تھا کہ آج جمعہ کو گھر ہوگا گھر سے نکلے گا تو میں اسے پکڑلوں گا، وہ میرے راستے پر بیٹھ گیا، میں بے عزتی سے بچنے کے لیے گھر سے نکل نہیں سکا، کہ وہ میری بے عزتی کرے گا، اور وہ یہودی ہے اس طرح میری بے عزتی دراصل مسلمانوں کی بے عزتی ہے، میں گھر بیٹھ گیا، اس وقت جب یہ کیفیت ہوئی تو اللہ کریم نے ان آیات کا نزول فرمایا، اب آیات کیا ہیں۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ

ہ اوران لوگوں پر کوئی زیادتی نہیں کی جائیگی ۱۷۔ محبوب آپ فرمادیں، اے اللہ، اے ملک کے مالک، تو ملک دیتا ہے

مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ

جسے چاہتا ہے، اور ملک چھین لیتا ہے جس سے چاہتا ہے تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ذلیل فرمادیتا ہے

مَنْ تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۶﴾ تُولِجُ اللَّيْلَ

، تیرے ہاتھ میں سب بھلایاں ہیں، اور تو ہر چیز کر سکتا ہے ۱۸ تو داخل فرماتا ہے رات کو

فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

دن میں اور دن کو رات میں، تو زندہ کو مردہ سے نکال دیتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکال دیتا ہے

وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

اور جسے چاہتا ہے، شمار کے بغیر رزق عطا فرمادیتا ہے ۱۹

قل اللّٰھمّ مالک الملک .... انک علی کل شئی قدیر

کہ اللہ ملک کا مالک تو ہے، جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے، جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے

جسے چاہتا ہے ذلت دے دیتا ہے، یہ سب بھلائیاں تیرے پاس ہیں، تو ہر چیز پر قادر ہے

۱۸ سرکار کریم نے فرمایا اسے پڑھو، اس کے ساتھ یہ الفاظ بڑھالو اسے پڑھا کرو، اگر زمین کے برابر سونا تم پر قرض ہوگا، تو وہ بھی ختم ہو جائے گا، اگلے الفاظ یہ ہیں!

یا رحمن الدنیا والآخرۃ ورحیمھما تعطی منھما من تشاء و تمنع منھما من تشاء اقض عنی دینی ۝

اللہ تو دنیا اور آخرت کا رحمٰن بھی ہے رحیم بھی ہے جسے تو چاہتا ہے یہ آخرت اور دنیا دیتا ہے جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ میرا قرض بھی تو ادا فرمادے، یہ سارے کام تو کرسکتا ہے۔" یہ وہ پڑھتے رہے، اللہ تعالیٰ نے قرضہ دور کر دیا۔

Marfat.com

مشہور محدث ابونعیم نے اس حدیث پاک کو نقل کیا ہے، اب یہاں میں نے ایک بات کہنی ہے، مفسرین سے تھوڑا ہٹ کے، اب واضح سی بات ہے کہ حضرت معاذؓ نہ اس آیت نازل ہونے سے پہلے بادشاہ تھے، نہ اس آیت کے نزول کے بعد بادشاہ بنے، تو یہاں بادشاہ سے مراد وہ بادشاہ بھی ہے، جس کے پاس دنیا ہوتی ہے، لیکن وہ بادشاہ بھی ہے جو چھوٹے سے کنبے کا سربراہ ہوتا ہے، اب گھر میں خاوند رہتا ہے تو وہ کنبے کا سربراہ ہے، وہ بادشاہ ہے، گھر خاتون ہے اور وہ بچوں کی تربیت کر رہی ہے، وہ بادشاہ ہے، اس معنی میں یہ لفظ ''ملک'' استعمال ہوا ہے، کہ معاشرے میں جو لوگ بھی ذمہ دار ہیں، یہ ذمہ داری جسے تو چاہتا ہے دے دیتا ہے، البتہ معاشرے میں گھر کا ذمہ دار جو ہے اس کی ذمہ داری چھوٹی ہے جو پورے ملک کا ذمہ دار ہے اس کی ذمہ داری بڑی ہے، تو اس سلسلے کو بڑھاتے ہوئے سرکارؐ نے بذات خود بھی ایک بات ارشاد فرمائی!

اس کا لفظی معنی تو ہے۔ **تم میں سے ہر بندہ چرواہا ہے، اور جنھیں وہ چراتا ہے ان کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا**

یہ لفظی معنی ہے، لیکن مطلب یہ نہیں ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ

تم میں سے ہر آدمی ذمہ دار ہے، اور اس سے اپنی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا

اب پھر سرکارؐ نے ان سب کو شمار کیا کہ گھر کا سربراہ گھر کی ذمہ داری اس کے ہاتھ میں ہے، گھر کے رزق کو بچوں میں تقسیم کرنا اگر بیوی کی ذمہ داری ہے تو وہ اس کے ہاتھ میں ہے، اسی طرح باقی سربراہوں کا بھی سرکارؐ نے ذکر کیا ہے، یہاں بھی وہی مراد ہے۔

اب اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت کا ایک چھوٹا سا ذکر کر دیا، کہ کبھی یہ ہوتا ہے، کہ رات چھوٹی ہوتی جاتی ہے، اور دن بڑا ہونے لگتا ہے، کبھی یہ ہوتا ہے کہ دن چھوٹا ہونے لگتا ہے اور رات بڑھتی ہے، یہ اضافہ مسلسل چلتا رہتا ہے، رات کا کچھ حصہ دن میں چلا گیا دن بڑھ گیا، دن کا کچھ حصہ رات میں چلا گیا تو رات بڑھ گئی، تو اب یہ وہ کیفیت ہے جو ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں، قرآن کا یہ انداز بھی ہے، کہ یہ مشاہداتی باتوں کو زیادہ ذکر کرتا ہے تاکہ بات فوری طور پر سمجھ آ جائے، اب زندہ ہے، اس سے مردہ نکل رہا ہے، آپ کو ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں، آپ میں اکثر حضرات ڈاکٹر ہیں اسے پھیلا لیں گے، کہ ہم دیکھتے ہیں، انڈے کے اندر جو زردی وغیرہ ہے، وہ زندہ نہیں ہے، یعنی اس معنی میں جس معنی میں ہم زندگی سمجھتے ہیں تو اس سے ایک زندہ جانور نکل آتا ہے، انڈہ مرغی دیتی ہے، وہ زندہ ہے، اس میں سے ایک مردہ نکلا ہے، تو یہ وہ کیفیت ہے جو ایک مثال کی شکل میں ہے، جب آپ لوگ اس بات کو پھیلائیں گے، تو انداز کچھ اور نظر آئے گا، اگر میں ادھر تفصیلات میں چلا گیا تو اس ایک فقرے پر مجھے ایک دو تقریریں کرنی پڑیں گی، میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو آیات ربانی میں لگا تا جاتا ہوں، تاکہ کسی ایک مقام پر آپ رک کر یہ نہ کہیں کہ شاہ صاحب نے تو ایک فقرے کے آغاز پر ہمارا ایک مہینہ لگا دیا ہے۔ کوئی شے اس

Marfat.com

کائنات میں ایسی نہیں ہے، جس میں زندگی کا ایک انداز نہ ہو ہم انسان کو زندہ مان رہے تھے، جنوں اور فرشتوں کو زندہ مان رہے تھے، ہمیں نہیں پتہ کتنی ساری اور مخلوقات ہے، جس کا پروٹین سے تعلق ہے، اور وہ زندہ ہے، پھر مختلف کیڑے مکوڑے ان میں خاص قسم کی زندگی ہے، حس ہے مگر شعور اور عقل نہیں ہے، پھر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار سدا بہار میں پہنچے تو ہمیں پتہ چلا کہ درختوں میں بھی زندگی ہوتی ہے، اس لیے کہ سرکارؐ نے اشارہ کیا تو درخت بھاگتا ہوا آ گیا، سائنس نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ اس میں جان ہوتی ہے، اس میں زندگی ہے، اگر زندگی نہیں ہے تو اس میں یہ بڑھنے کا مادہ کہاں سے آتا ہے، یہ بڑھوتری ہے، اب سائنس کو بھی آگے بڑھنا ہے، قرآن نے یہ بات کہی!

و ان من شئی الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم

کوئی ایسی شے نہیں ہے، جو اللہ کی تسبیح نہ کہہ رہی ہو، لیکن تمہیں ان کی تسبیح سمجھ نہیں آتی سورہ الاسراء آیت نمبر ۴۴

اب سائنس نے آگے بڑھنا ہے، اور قرآن کی اس پیش گوئی کو بھی پورا کرنا ہے، کہ پتھروں میں بھی زندگی ہے، مٹی اور ریت میں بھی زندگی ہے، کائنات کے ہر ذرے میں زندگی ہے، تبھی تو اقبال نے کہا تھا!

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

کیوں کہ یہ ایسا انداز ہے جس میں یہ ساری کائنات پروئی ہوئی ہے، اب اس مصرع کا میں چاہتا ہوں کہ اقبال اور رومی کا موازنہ کر دیں، وحدت الوجود اور وحدت الشھود پر گفتگو کروں، لیکن بات وہی ہوگی جس سے میں پہلو تہی کرنا چاہتا ہوں، تو ارشاد فرمایا!

۱۹ کہ زندہ کے ساتھ موت ہے، موت کے ساتھ زندگی ہے، چھوٹے لفظوں میں اسے یوں سمجھ لیں، **اللہ تو جسے چاہتا ہے حساب کے بغیر رزق عطا کر دیتا ہے**، رزق کا معنی صرف کھانے پینے کی چیزیں نہیں، رزق ہر وہ چیز ہے، جس کا تعلق آپ کی تربیت سے ہے، خواہ وہ ذہنی تربیت ہے خواہ وہ قلبی تربیت ہے، خواہ وہ جسمانی تربیت ہے، خواہ وہ روحانی تربیت ہے، اس میں جو کچھ آپ کو ملتا ہے وہ رزق ہے، رزق کو صرف کھانے پینے تک محدود کر دینا بڑے لوگوں کو رزق سے محروم کر دینے کے مترادف ہے، جنھوں نے ساری زندگی میں بہت تھوڑا کھانا کھایا ہے، سرکارؐ کو خود قیاس کر لیں، پوری حیات طیبہ میں چند کلو کھانا کھایا ہے، تو پھر کیا سرکارؐ رزق نہیں کھاتے تھے، وہ وہ رزق ہے جو مجھے اور آپ کو نہیں ملتا، اور اگر پوری زندگی میں اس کی صرف جھلکی مل جائے، تو زندگی بڑی حسین بن جاتی ہے، اور اسی جھلکی کے سہارے پھر ہم خواب دیکھتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان جھلکیوں میں اضافہ فرمائے، تاکہ وہ رعنائی زندگی میں پیدا ہو جائے جو صدیقؓ کی زندگی میں تھی، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور حیدر کرارؓ کی زندگی میں تھی، اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

کہ یہ بات کہتے ہیں اللہ والے! **ترزق من تشاء بغیر حساب○ جسے چاہتا ہے حساب کے بغیر رزق عطا کرتا ہے**

Marfat.com

135332

اشاعتی ضابطہ

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب: جمال الایمان فی تفسیر القرآن جلد دوم
مؤلف: سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی
کمپوزنگ اینڈ ایڈیٹنگ: حافظ عرفان علی ایم اے (اسلامیات)
پروف ریڈنگ: مولانا نور محمد، مولانا قاری محمد شہباز سیالوی
سید محمد باقر شاہ، سید محمد ناصر شاہ
تعداد: گیارہ سو
طباعت: محرم 1426ھ فروری 2005
متن: بشکریہ مصری پریس، تاج کمپنی پاکستان
قیمت: ....
ناشر: ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی پاکستان
Fax-4580494 0333-5166587

ملنے کے پتے

جامعۃ الزہراء اہل سنت عثمان غنی کالونی مصریال روڈ راولپنڈی
مکتبہ ضیاء العلوم مین بازار صدر راولپنڈی
ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور
فرید بک سٹال اردو بازار لاہور
شبیر برادرز اردو بازار لاہور
مکتبہ غوثیہ محلہ فرقان آباد سبزی منڈی کراچی
احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک راولپنڈی
نیو مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی

Marfat.com

آنکھیں اسلامی عظمتوں کو نہیں دیکھنا چاہتی تھیں، یہاں مہر کرنے کی نسبت اللہ کریم نے اپنی طرف کر دی ہے لیکن دوسرے مقامات پر قرآن نے ان کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔ اور اس سے بات واضح ہو جاتی ہے، قرآن کا ارشاد ہے کہ!

"بل طبع اللہ علیہا بکفرھم " (اللہ نے ان کے دلوں پر، کانوں اور آنکھوں پر جو مہر کی ہے تو ان کے کفر کی وجہ سے کی ہے)

یعنی وہ اس سلسلے میں خود مورد الزام ہیں یہ اللہ پر الزام نہیں آتا ایک اور جگہ فرمایا!

"بل ران علیٰ قلوبھم "(بلکہ زنگ چڑھ گیا ہے، ان کے دلوں پر) **"بما کانو یکسبون "** (ان کے اعمال کی وجہ سے)

اس زنگ کی تشریح کرتے ہوئے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی کوئی گناہ ہوتا ہے تو دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے دوسرے گناہ سے ایک اور پھر جو آدمی گناہ کا عادی ہوتا ہے، تو اس کا دل بالکل تاریک ہو جاتا ہے، بہر حال اللہ نے انہیں اختیار دیا تھا جسے انہوں نے کفر کی ترقی کے لیے استعمال کیا، تو یہ ساری نسبتیں ان کی طرف ہیں، قرآن نے کافروں کے لیے یہاں صرف دو آیات بیان فرمائیں، اور ان میں ساری بات آ گئی ہے، کہ جو پکا کافر ہے وہ اسلام نہیں لاتا، ایک جگہ کسی عید میلاد ﷺ کی محفل میں گاندھی تقریر کرتا ہوا سرکار علیہ السلام کے بے پناہ محامد بیان کر رہا تھا بعد میں کسی مسلمان نے کہا گاندھی جی! اگر یہ بات ہے تو پھر اسلام کیوں نہیں لے آتے؟ گاندھی نے کہا میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں جن کے دل پر زنگ لگ گیا ہے اسے دھونا میرے بس میں نہیں ہے، برصغیر میں جب ہم مشترک رہتے تو ایسے بے شمار واقعات رونما ہوتے تھے

ایک مناظر نے مناظرے میں یہ کہا کہ ہمارے ملک کی ہوا جسے باد صبا کہتے ہیں یہ مشرق کی طرف سے چلتی ہے، اس میں بڑی لطافت، رعنائی ہوتی ہے، اور جب بھی مغرب کی طرف سے چلتی ہے تو اس میں مٹی، جھکڑ وغیرہ ہوتا ہے، وہ تمہارے کعبے اور مدینے کی طرف سے آتی ہے، اس لیے ناخوشگوار ہوتی ہے، تو مسلمان مبلغ نے بڑے حسین انداز سے جواب دیا کہ تو فرق نہیں سمجھ سکا، کہ مشرق سے آنے والی ہوا مکہ مدینہ کی طرف جا رہی ہوتی ہے، اس لیے اس میں لطافت ہوتی ہے، اور جب ہوا مغرب کی طرف سے آتی ہے تو وہ مکہ و مدینہ کو پشت کرتے ہوئے آتی ہے، جس میں مٹی وغیرہ اڑتی آتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن

مومن کافروں کو اپنا دلی دوست نہ بنائیں مومنوں کو چھوڑ کر، اور جو

يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّآ أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ

ایسا کرتا ہے، اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، مگر یہ کہ تم ان سے اچھی طرح

تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُۥ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ

بچ کر رہو۔ اللہ تمہیں اپنی ذات اقدس سے ڈراتا ہے اور اللہ کی طرف ہی واپسی ہے

إِن تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي

فرما دیجیے اگر تم چھپاؤ جو تمہارے سینوں میں ہے، یا اسے ظاہر کرو، اللہ اس سب کو جانتا ہے اور وہ جانتا ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾

جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔۲۰

۲۰ اب یہاں ایک قاعدہ کلیہ اس معاشرے کے لیے قائم کیا، جو ابھی تازہ تازہ شروع ہوا تھا، اکثریت تھی کفار کی، اور پھر رشتہ داروں میں اکثریت کافر تھی، تو جب ایک نیا معاشرہ قائم ہوا ہے، اور اس بڑے معاشرے میں اسے گھونٹ دیا جائے کیا یہ اپنی انفرادیت قائم رکھ سکے گا، یہ وہ نکتہ ہے جس پر اسلام کو ساری زندگی غور کرنا ہے، وہ اپنی انفرادیت باقی نہیں رکھتے تو اب ایک مسلمان پانچ عادتیں یہودی کی لے لیتا ہے، سات عادتیں عیسائی کی لے لیتا ہے، آٹھ عادتیں ہندو کی لے لیتا ... منکر خدا کی لے لیتا ہے، تو یہ مسلمان ہے یا معجون مرکب ہے، یہ کیا شے ہے، اس لیے قرآن نے ایک اصول بنا دیا، کہ تم دنیا پر تو اثر ڈالو، لیکن بدی کا وجود اپنے قریب نہ آنے دو، اسے کس انداز سے قائم کیا، کہ مومن کافروں کو اپنا دوست نہیں بناتے، مومنوں کو چھوڑ کے، جب بھی دوستی آئے تو مومن کے ساتھ، اب اس لفظ پر میں تھوڑا سا تجزیہ کرنا چاہتا ہوں، عربی لغت میں اس کے دو مصدر استعمال ہیں۔

Marfat.com

پہلا مصدر ہے ولایة واؤ کے نیچے زیر ہے، اس کا معنی ہوتا ہے مدد کرنا، ولایہ کا چونکہ معنی ہوتا ہے مدد کرنا، اور اس سے لفظ بنتا ہے ولی، اس کا معنی ہے مدد کرنے والا دوستی کرنے والا، امداد دینے والا، اور دوسرا لفظ ہے وَلاءۃ واؤ پر زبر ہے، اس کا معنی ہوتا ہے حکمران بننا، اس کا اسم فاعل والی کا لفظ ہے، جس کی جمع وَلاءۃ ہے، گورنر، کمشنر اس طرح کے جو بھی لوگ ہوتے ہیں انہیں والی کہا جاتا تھا قدیم عربی میں، اس کی جمع ولاءۃ ہے، ولی کی جمع اولیاء ہے، تو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ لفظی بحث ولایة اور وَلایة کی نہیں ہے، یہ لفظ دونوں معنوں میں آتا رہتا ہے، اور وَلایہ کا معنی بھی وہی ہوتا ہے، جو وِلایہ کا ہوتا ہے، راغب نے یہ بات نقل کی ہے!

وقیل وِلایة او وَلایة واحدة٥

کچھ لوگوں نے کہا ہے، کہ لفظ وِلایة ہو یا وَلایہ دونوں کا معنی ایک ہے، لیکن حضرت فاروق اعظمؓ نے اس فرق کو ملحوظ رکھا ہے، آپ کا ارشاد ہے کہ وِلایة کا معنی وہ ہے جس کا فاعل ولی آتا ہے، وَلایة کا فاعل والی آتی ہے، اس پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے، الکامل میں علامہ مبرد نے، آپ میں سے جو لوگ عربی ذوق رکھتے ہیں، اس کی تیسری جلد باب الخوارج میں فاروق اعظمؓ سے اس باب کی بڑی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے، تو اب یہاں قرآن نے جب استعمال کیا، اولیا، تو یہ ولایت سے بنا ہے، یعنی اپنے مددگار، اپنے ساتھی، اپنے امدادی، مسلمان مسلمانوں کو دوست رکھیں، غیروں کو اپنے اوپر مسلط نہ کریں، جو ایسا کرتا ہے، اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، میرے سامنے جو ترجمہ پڑا ہے، یہ مرحوم محمود الحسن صاحب کا ہے، دیوبند کے سب سے پہلے شیخ الحدیث ہیں، بڑے فاضل آدمی ہیں، اب یہ ترجمہ فرما رہے ہیں۔ **جو کوئی یہ کام کرے، تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق** اور پھر میں حیران ہوں، کہ گاندھی کے ساتھ پورے برصغیر میں انہوں نے دورے فرمائے، اور جہاں نعرہ لگا گاندھی کی جے تو وہاں یہ بھی نعرہ لگا کہ مولوی محمود الحسن کی جے، اور پھر آگے دیوبند اس طرح پلٹا کہ مولانا سید سلمان ندوی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھ ماری، علامہ ابوالکلام آزاد ہندو کی گود میں یوں گرا کہ پھر مرنے تک آنکھیں نہیں کھولیں، میں حیران ہوتا ہوں کہ قرآن کی اس آیت کا یہی مطلب ہے، کہ مسلمانوں کو چھوڑ کے کافروں کو اپنا ساتھی نہ بناؤ، اور دلیل کیا دی جا رہی تھی، اس دلیل پر ہنسی آتی ہے مجھے بار بار پڑھ کے، مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ میری بڑی خط و کتابت رہی ہے، مختلف معاملات میں میرا اس وقت طالب علمی کا دور تھا، مولانا فرماتے ہیں کہ جناح بے عمل مسلمان ہیں، میں بسا اوقات سوچتا ہوں کہ جناح تو بے عمل مسلمان ہے، گاندھی اور نہرو تو اسلام کے غوث اور قطب ہیں، **شرم تم کو مگر نہیں آتی**، کیا مسند رسول کا یہی لحاظ تھا، مجھے مذہبی بحث سے غرض نہیں ہے، اختلاف کرنے کا علمی حق ہر بندے کو حاصل ہے اب میں اختلاف کر سکتا ہوں آپ سے اپنی دلیل دے کر، لیکن جب ساری ملت ایک طرف تھی، تو یہ قرآن کی شرح ہو رہی تھی کہ مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ساتھی اور مددگار نہ بنائیں تو یہ

کون سی شرح ہے جو قرآن کی کسی آیت کی کی جائے، ہاں اتنی بات ہے کہ تم کافر کے شر سے بچنا چاہتے ہو ظاہر تھوڑا سا اس کے ساتھ تعلق رکھ لو **الا ان تتقوا منھم تقٰۃ** مگر تم اس سے بچنا چاہتے ہو، کسی انداز سے بچنا تو پھر ٹھیک ہے اب ہم تو بچنا چاہتے تھے پاکستان بنا کے، پوری ملت اکٹھی ہو چکی تھی، اسلام کو ایک شوکت حاصل تھی، وہ تو تب ہوتا ہے کہ آپ ایسے معاشرے میں پھنس گئے ہیں کہ وہاں کافر کی غالب ترین اکثریت ہے، آپ کے گاؤں میں چند گھر ہیں، تو آپ کو س سے بچنے کے لیے تھوڑی سی نرمی کر دیتے ہیں، بلکہ گزرتے ہوئے لالہ جی کو سلام کر دیتے ہیں، تو اس حد تک اجازت ہے، لیکن ان کو دینی راز دار بنانا، ان سے محبت کرنا، ان باتوں سے اسلام نے روک دیا ہے۔ اور یہاں جو تنبیہ کی ہے وہ اس لفظ سے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات اقدس سے ڈراتا ہے۔

یہ دنیا کی چند روزہ زندگی ہے، اس میں کافروں سے ڈر کے اور دب کے رہنا کوئی طریقہ تو نہیں ہے، اللہ کی طرف ہمیں واپس جانا ہے، فرما دیجئے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ اس سب بات کو جانتا ہے، اس کو ہی صرف نہیں جانتا بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو جانتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، آج اگر تم بہت نیچے ہو، بہت تھوڑے ہو کل یہ تعداد بڑھ بھی سکتی ہے، معاشی، اقتصادی اور فوجی نکتہ نگاہ سے تم اوپر بھی آسکتے ہو، یہ اشارہ تھا، اور اس اشارے کو سرکار ﷺ کی آخری حیات طیبہ کے دو سالوں میں یہ پورا ہوتا لوگوں کو نظر آنے لگ گیا، کہ فتح مکہ کے بعد اسلام بڑی تیزی سے جزیرہ نما عرب میں پھیل گیا اور اگلے چند سال ہی گزرے تھے، کہ بائیس تیئس سالوں میں قیصر و کسریٰ کے تاج مسلمانوں کے قدموں کے نیچے تھے، ایک دن وہ بھی آئے گا کہ ہر جان جو اس نے اچھا عمل کیا ہوگا اسے اپنے سامنے پائے گی، جو برائی کا عمل ہے وہ بھی سامنے ہوگا، برے عمل کو دیکھ کر بندہ چاہے گا کہ کاش یہ دور ہوتا اور میں اسے دیکھ بھی نہ سکتا، اللہ تمہیں اپنی ذات اقدس سے ڈراتا ہے، اس کا تمہارے ساتھ تعلق جابرانہ نہیں، زور آوروں جیسا نہیں، اس کا تمہارے ساتھ سراسر مغفرت اور رحمت کا تعلق ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دو کہ جو بندوں کے لیے بے حد مہربان ہے، آپ تو کہتے تھے جو میں پیچھے اشارہ کر آیا ہوں، کہ ہم دو گروہ ہیں، جو علم والے ہیں، عظمتوں والے ہیں، ہمیں کسی رسول کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے، یہ مانیں تو یہ ان پڑھ لوگ مانیں

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ

محبوب فرمادیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو،

فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ ﴿٣١﴾

تو میری پیروی کرو میرے پیچھے چلو۲۱، اللہ تم سے محبت فرمائے گا، تمہارے گناہ معاف کردے گا، اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے

قُلۡ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَۖ فَإِن تَوَلَّوۡاْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ

فرمادیجئے! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر وہ منہ موڑ لیں تو اللہ پسند نہیں کرتا ۲۲

ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴿٣٢﴾ ۞ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰٓ ءَادَمَ وَنُوحٗا وَءَالَ إِبۡرَٰهِيمَ

کافروں کو، اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو نوحؑ کو، ابراہیمؑ کی اولاد کو

وَءَالَ عِمۡرَٰنَ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةَۢ بَعۡضُهَا مِنۢ بَعۡضٖۗ وَٱللَّهُ

عمران کی اولاد کو، باقی دنیاؤں میں سے چن لیا ۲۳، یہ ایک دوسرے کی نسلیں ہیں، اللہ تعالیٰ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

سننے والا اور علم والا ہے

۲۱ ان کا خیال یہ تھا کہ سرکارؐ کو ماننے کی ہمارے لیے ضرورت نہیں ہے، انہیں مانیں تو یہ لوگ مانیں جو امی ہیں ان پڑھ ہیں، وہ جس معنوں میں استعمال کر رہے تھے، وہ معنی اور ہے، اور قرآن نے جس معنی میں استعمال کیا وہ معنی اور ہے، ایک وہ عام مشرک ہیں پورے قرآن نے انھیں امی کہا ہے، ایک سرکارؐ کی ذات ہے، جسے قرآن نے امی کہا ہے، یہاں امی کے عظمت والے دو معنی ہیں، اس کا مطلقاً اور ان پڑھ معنی کرنا شان رسالت کے خلاف ہے بے ادبی ہے گستاخی ہے اس سے بچا جائے، اس کا پہلا معنی یہ ہے کہ مکے کا رہنے والا، امی کا لفظی معنی کیا بنا مکے کا رہنے والا، مکے کا نام تھا **ام القریٰ**۔ سب

آبادیوں کی ماں، اس لیے کہ انسانیت کا آغاز مکہ سے ہوا تھا، اسلامی اصول کے تحت حضرت آدمؑ وہاں آئے تھے، لہذا جو بھی آبادیاں بنی ہیں اور کائنات میں جو بھی شہر ہیں وہ مکہ کی چھوٹی بچیاں ہیں، لہذا وہ **ام القریٰ** ہے۔ اس کی نسبت سے سرکارؐ کو ائی کہتے ہیں **ام القریٰ** کا رہنے والا، دوسرا امی کا معنی یہ ہے کہ جس نے کسی کے پاس نہ پڑھا ہو، یہ دو معنے ہیں جب سرکارؐ کے لیے لفظ امی بولا جائے، اس کے علاوہ تیسرا معنی بالکل ذہن میں نہ رکھا جائے، مکہ کا رہنے والا، وہ ہستی اقدس جس کا کوئی بھی استاد نہیں ہے، اگر کوئی استاد ہے کائنات کے اندر اور وہ انسان ہے، تو نبی اسے پھر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ پر ایمان لے آؤ، وہ کہے گا کہ کل تک تو حساب پڑھتے ہوئے میں تجھے جوتے مارا کرتا تھا، اور آج مجھے کہتا ہے کہ مسلمان ہو جا، لہذا کوئی بھی نبی ظاہری دنیا میں کسی بھی انسان کا شاگرد نہیں ہوتا، سرکار کریم کے لیے تو قرآن کریم نے براہ راست کہا "الرحمٰن ۝ علم القران" ۝ (محبوب وہ رحمٰن ہے جس نے آپ کو قرآن سکھایا) تو سرکار علیہ السلام کا کائنات میں کوئی انسان استاد نہیں ہے، لہذا اس معنی میں امی ہے، تو رب کریم نے فرمایا، کہ یہ ان کے دعوے سارے باطل ہیں، آپ پھر انہیں یہ کہہ دیں، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو پھر میری پیروی کرنا ضروری ہے، جب میری پیروی کرو گے تو تم سے اللہ محبت کرے گا، تمہارے گناہ بخش دے گا، کتنا اونچا مقام ہے، کہ ان کی پیروی کریں تو صرف مسلمان نہیں بنتے، اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں، اللہ تم سے محبت کرنے لگ جائیگا، شرط یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو، اب یہاں خطاب ہے براہ راست یہودیوں اور عیسائیوں سے، اگر یہودی یا عیسائی پیروی کرے تو وہ اللہ کا محبوب بن جائے، صدیق اکبرؓ اگر پیروی کریں تو وہ صدیق اکبرؓ ہی بنیں گے، فاروق اعظمؓ پیروی کریں گے تو فاروق اعظمؓ ہی بنیں گے، عبدالقادر جیلانی پیروی کریں گے تو وہ غوث اعظمؒ بنیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت کی چادر کے نیچے آجائیں گے، اللہ کی محبوبیت کی چادر ان پر تن جائے گی، میں بسا اوقات سوچتا ہوں، کہ اگر سرکارؐ کی کملی نہ ہوتی تو ہم کہاں سر چھپاتے، ہے کوئی کائنات میں ہمارے لیے جگہ، جو سر چھپانے کی جگہ ہو، تبھی تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ رحمت والی ذات اتنی پھیلی ہوئی ہے، کہ جو ان کے سایہء رحمت کے نیچے آجاتا ہے، وہ محبوب خدا بن جایا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ پھر تمہارے سابقہ گناہ جو کفر کی حالت میں کیے ہیں وہ بخش دے گا، اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اطاعت کرو، اب رسول پر جو" الف، لام" ہے اسے عہد خارجی کہتے ہیں عربی زبان میں یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس رسول سے مراد ہیں۔

۳۲ اگر وہ منہ موڑ لے، تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا، نکتہ کو سمجھیں، منہ کدھر سے موڑنا ہے سرکارؐ کی طرف سے، اور رب کیا کہہ رہا ہے، اگر ادھر سے منہ موڑ لیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا، مطلب یہ ہے کہ سرکارؐ سے منہ موڑنا کفر ہے، اور جو سرکارؐ سے منہ موڑ لیتا ہے، وہ کفر کی تاریک وادیوں میں گر جاتا ہے، لہذا یہ ضروری ہے، کہ ہماری زندگی کا رخ سرکارؐ کی ذات اقدسؐ کی

Marfat.com

طرف ہو، ادھر سے رخ مڑ جائے تو کفر ہوتا ہے، اللہ ہمیں کفر سے بچائے، ارشاد ہوا!

۳۳ اللہ نے آدمؑ کو چنا، نوحؑ کو چنا، ابراہیمؑ کی اولاد کو چنا، عمران کی اولاد کو چنا، یہاں عمران کی اولاد سے مراد دو عمران ہیں یہودیوں کی تاریخ میں، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے والد گرامی کا نام بھی عمران ہے، اور حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ کے والد کا نام بھی عمران ہے، ان کا نام عمران بن ماطان ہے، جو حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ کے والد گرامی ہیں، مائی صاحبہ کی والدہ ماجدہ کا اپنا نام حنہ تھا (بیضاوی مصری، جلد اول صفحہ ۴۴) (ح اور ن) اس کا مطلب ہوتا ہے مہربانی والی، رفعت والی، جھکاؤ والی، اولاد کے لیے نرمی فرمانے والی، یہ اس کا لفظی معنی ہے، تو اللہ کریم نے یہاں ان نسلوں کا ذکر کیا جن میں نبوت آئی تھی، ارشاد فرمایا کہ یہ ایک دوسرے کی نسلیں ہیں، جناب ابراہیمؑ نوحؑ کی نسل سے ہیں، نوحؑ آدمؑ کی نسل سے ہیں، نیچے والے خواہ وہ حضرت موسیٰؑ ہیں، حضرت اسماعیلؑ ہیں، حضرت یعقوبؑ ہیں، حضرت عیسیٰؑ ہیں، یہ نسل ابراہیمیؑ میں ہیں، جناب اسماعیلؑ ہیں یا مصطفیٰ علیہ السلام ہیں، یہ بھی ابراہیمیؑ ہیں، یہ ایک دوسرے کی نسلیں ہیں، اللہ سنتا ہے جانتا ہے کہ کس کس کو اس نے کس کس انداز سے منتخب فرمایا ہے، اب یہاں دو لفظ ہیں جن کی میں شرح کرنا چاہوں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ اتباع کیا ہے، اور اطاعت کیا ہے، تو اس سلسلے میں عربی کے عظیم ماہر ابوالحسن آمدی نے دونوں لفظوں کی شرح کی ہے، اسے ہمارے مفسرین نے اپنی اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں، کہ اتباع کسی کے فعل یا کام کی یہ ہوتی ہے، کہ بعینہ اس کی نقل کی جائے، اس طریقے سے کرو جیسا وہ کر رہا ہے، اور اپنے لیے نہ کرے اس کی خاطر کرے، تو یہ اتباع ہے۔

اور اطاعت کیا ہے، کسی اور نے جیسا کام کیا ہے آپ نے بھی ایسا کیا ہے، کیوں کیا ہے، اسے عظیم سمجھ کے آپ نے ایسا کیا ہے، اب جب تک آپ نبی کو عظیم نہیں سمجھیں گے، تو آپ ان کے فعل کو نقل نہیں کر سکتے، لہذا یہ مطیع ہے، اور اوپر والا مطاع ہے، یہ علامہ آمدی نے دو لفظوں کی تشریح کی ہے، اب یہاں ذکر آیا ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کو چن لیا ہے، سرکارؐ کے نام کے ساتھ ہم مصطفیٰؐ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، مصطفیٰؐ کا لفظی معنی ہوتا ہے چنا ہوا، مرتضیٰ کا لفظی معنی بھی ہوتا ہے چنا ہوا، اگرچہ براہ راست لفظی معنی ہوتا ہے جس سے راضی ہو جائے کوئی بندہ، تو یہاں ہم نے دیکھنا ہے، کہ ہمارے مفسرین نے کوئی اور نکتہ تو پیدا نہیں کیا، تو یہاں قرطبی نے ایک بڑا نفیس نکتہ پیدا کیا ہے، ہمارے مفسرین سے مختلف الفاظ کی تحقیق کرتے ہوئے قرطبی ان میں سب سے آگے نکل جاتے ہیں، قرطبی فرماتے ہیں!

میں عربی عبارت نہیں پڑھوں گا، اس کا مطلب بیان کر دیتا ہوں، کیونکہ وقت ختم ہو گیا ہے، کہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ اصطفیٰ سے آگے بڑھ چکا ہے، ہمارے پاس لفظ آ جائے تو ہم مصطفیٰ کہہ دیتے ہیں، ورنہ آپ کا مرتبہ مصطفیٰ کا مصدر اصطفاء ہے، یعنی جس سے یہ لفظ مصطفیٰ بنا ہے، یہ مفعول ہے، چنا ہوا، وہ فرماتے ہیں کہ سرکارؐ کا مرتبہ اصطفاء سے آگے ہے، ارتضاء سے آگے، کیوں آگے ہے، کہ سرکارؐ حبیب بھی ہیں

Marfat.com

رحمت بھی ہیں، ان کا اگلا عربی فقرہ یہ ہے، بڑا ہی جامع فقرہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے، فرماتے ہیں کہ رسول سارے کے سارے رحمت کے لیے پیدا ہوئے تھے، تاکہ ان پر رحمت ہو، رحمت کے لیے پیدا ہوئے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر رحمت ہو، اور سرکارؐ رحمت کے لیے پیدا نہیں ہوئے بلکہ وہ خود رحمت بن کر آئے ہیں، لہٰذا ان کا مقام اصطفاء سے آگے چلا گیا ہے، اسی لیے وہ ساری مخلوق کے لیے امان ہیں، یعنی مخلوق کو امن جو ملا ہے تباہی سے سرکارؐ کی وجہ سے ملا ہے، اسی کو سرکارؐ نے خود بیان فرمایا ہے!

انہوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے، کہ ''انا رحمت مھداہ''۔ میں وہ رحمت ہوں، جو ہر طرف پھیلا دی گئی ہے، کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں یہ رحمت نہ ہو، اب یہ عجیب نکتہ ہے، کہ میں رحمت ہوں، اور مجھ سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے، پھر کہا جائے کہ جہاں میں بیٹھا ہوں یہاں تو حضورؐ نہیں ہیں، مجھے آج تک بات سمجھ نہیں آئی، اگر وہ رحمت مھداۃ ہیں تو آپ اس سے کیسے بچ گئے ہیں، آپ کے لیے بھی تو وہ رحمت ہیں، آپ اس رحمت سے لپٹ جائیں تاکہ دنیا بھی سدھر جائے اور آخرت بھی سدھر جائے۔ (آمین ثم آمین)

إِذْ قَالَتِ ٱمْرَأَتُ عِمْرَٰنَ رَبِّ إِنِّى نَذَرْتُ لَكَ

جب عمران کی بیوی نے کہا! اے میرے پروردگار میں نے آپ کے لیے نذر مان لی ہے

مَا فِى بَطْنِى مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىٓ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا

جو میرے پیٹ میں ہے، اسے سب کاموں سے آزاد کردوں گی، آپ میری طرف سے قبول فرمالیں، یقیناً آپ سننے والے اور علم والے ہیں ۲۴ جب

وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّى وَضَعْتُهَآ أُنثَىٰ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ

اسے جنا تو کہنے لگیں اے میرے پروردگار یہ تو بچی ہے جو پیدا ہوئی ہے، اللہ بہتر جانتا ہے، جو بھی پیدا ہوئی تھی

وَلَيْسَ ٱلذَّكَرُ كَٱلْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّى سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّىٓ أُعِيذُهَا بِكَ

اور لڑکا جو وہ طلب کر رہی تھیں، اس لڑکی جیسا نہیں تھا، اللہ میں نے اس کا نام مریمؑ رکھا ہے، میں اسے تیری پناہ میں دیتی ہوں

وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ

اور اس کی اولاد کو بھی، دھتکارے ہوئے شیطان (کے شر) سے ۲۵ اللہ کریم نے اس بچی کو بہت اچھے طریقے سے قبول فرمایا ۲۶

Marfat.com

حَسَنٍ وَّأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا

اور اسے حسین انداز سے بڑھایا، اس کی کفالت زکریاؑ نے لے لی، جب بھی زکریاؑ اس کے پاس آتے

زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ

محراب میں تو اس کے پاس رزق پاتے، انہوں نے کہا مریمؑ یہ تیرے پاس کہاں سے آیا ہے

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

کہنے لگیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حساب کتاب کے بغیر رزق دیتا ہے ۲۷

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً

وہاں ہی زکریاؑ نے اپنے پروردگار سے دعا کی، عرض کیا اللہ مجھے بھی اپنے پاس سے

طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ

پاکیزہ اولاد عطا فرما، یقیناً آپ دعا کو سننے والے ہیں ۲۸ فرشتوں نے اسے آواز دی جبکہ

يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ

وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتا ہے یحیٰؑ کی ۲۹ وہ تصدیق کرے گا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ ہے

اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۹﴾

وہ سردار ہوگا، پاک دامن ہوگا، اور باصلاحیت نبی ہوگا

قَالَ رَبِّ

زکریاؑ نے کہا

أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ

پروردگار میرا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے! میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں، اور میری بیوی بانجھ ہے

كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّي آيَةً

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بات ایسی ہی ہے، لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے، اس نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمائیے

قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُر

اللہ کریم نے فرمایا تیرے لیے نشانی یہ ہے، تو لوگوں سے تین دن تک سوائے اشاروں کے کوئی بات نہیں کر سکے گا اور یاد کر

رَّبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٤١﴾

اپنے پروردگار کو بہت زیادہ اور شام اور صبح اس کی تسبیح بیان کرو ۲۴

۲۴ پہلی بات یہ ہے کہ عمران نام کے دو انسان ہیں، جن کی نسل یہودیوں میں بہت زیادہ چلی گئی ہے، ایک سیدنا موسیٰؑ کے والد ماجد ہیں، اور دوسرے حضرت مریم کے والد گرامی ہیں، تو یہاں عمران سے مراد حضرت مریمؑ کے والد صاحب ہیں، عمران کی بیوی نے ایک بات کہی، اس دور میں یہ ایک بات مروج تھی یہودیوں میں، اور اسی طرح عیسائیوں میں بھی ایسی باتیں مروج تھیں، ہندو حضرات کے ہاں بھی یہ بات مروج تھی، کہ وہ اپنے بچوں کو وقف کر دیتے تھے، اپنے عبادت خانے کے لیے، وہ وہاں اپنی ساری زندگی اس عبادت خانے کی خدمت کیا کرتے تھے، اسی انداز سے عمران کی بیوی نے بھی نذر مانی انہیں احساس تھا کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے، انہوں نے کہا کہ میں اسے آزاد کر دوں گی، یہاں آزادی سے مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارا ذاتی کوئی کام نہیں کرے گا، گھر کا کوئی کام کاج اس کے حوالے نہیں ہوگا، اس نے جو کچھ بھی کرنا ہے وہ بیت المقدس کے لیے کرنا ہے، اسے دونوں طرح تلفظ کرنا جائز ہے **بیت المقدس** کہہ دیں یا **بیت المقدس** کہہ دیں، اللہ میں نے جو نذر مانی ہے، اسے میری طرف سے قبول کر لیا جائے، یقیناً آپ میری باتیں سن بھی رہے ہیں، اور آپ میرے حالات کو جانتے بھی ہیں

Marfat.com

،اب نذر تو مان لی جب وقت ولادت آیا، تو عجیب بات تھی، بجائے بچے کے ان کے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے، کہنے لگیں اے الہ العالمین یہ بچہ نہیں ہے میرے ہاں تو آپ نے بچی عنایت فرمادی ہے، یہاں قرآن میں ایک جملہ معترضہ ہے درمیان والا جملہ معترضہ وہ ہوتا ہے، کہ پہلی عبارت میں ایک نئی بات پیدا ہوگئی ہے، اس سے ایک سوال پیدا ہوجاتا ہے، اس سوال کو ذکر نہ کیا جائے، اور اس کا جواب دے دیا جائے، اس کا نیچے والے جملے سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا، آج انگریزی سٹائل میں وہاں ایک لکیر لگادی جاتی ہے، آگے دوسرا جملہ لکھ کر پھر لکیر لگادی جاتی ہے، تاکہ پڑھنے والے کو یہ احساس ہو، کہ اس جملے کا پوری عبارت سے تعلق نہیں ہے، یہ درمیان الگ ٹکڑا آگیا ہے، قدیم کتابوں میں ایسے مقامات پر بے حد الجھاؤ پیدا ہوتا تھا، جب سے اسے اس طرح الگ الگ کردیا گیا ہے تو الجھاؤ بھی ختم ہوگیا ہے، اب یہاں یہ بات آتی تھی، کہ کیا حضرت مریمؑ کی والدہ صاحبہ کو اس بات کا پتہ نہیں تھا کہ اللہ جانتے ہیں اس ساری بات کو ابھی تو وہ کہہ رہی تھیں، کہ آپ ہی سننے والے ہیں آپ ہی جاننے والے ہیں، تو پھر یہ کیسے کہا کہ یہ تو بچی ہے، اللہ کریم نے یہاں جملہ معترضہ استعمال فرمایا، کہ اللہ کو اچھے طریقے سے پتہ ہے، کہ ان کے ہاں کیا ہونے والا ہے، بچہ ہے یا بچی ہے، اب یہاں اسی معترضہ جملے کا دوسرا حصہ ہے، یعنی دو معترضہ جملے آگئے ہیں، اکثر مفسرین نے یہاں اس اگلی عبارت کو حضرت مریمؑ کی والدہ کا کلام قرار دیا ہے، یہ ان کی بات ہے، بات کیا تھی، بچہ بچی جیسا نہیں ہوتا، اب جن لوگوں نے اسے حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ حضرت حنا کا کلام قرار دیا ہے، انہوں نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اصل مقصد تو بچے کا تھا، تو جو کچھ بچہ کرسکتا ہے، وہ بچی نہیں کرسکتی، لیکن یہ مفہوم ہی اس کا نہیں ہے، یہ اللہ کریم کا کلام ہے، حضرت مریمؑ کی والدہ صاحبہ کا کلام نہیں ہے، اس لفظ ''الذکر'' پر الف لام جو ہے، یہ عہد خارجی ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ جس لڑکے کو آپ طلب کررہی ہیں، وہ اس لڑکی جیسا نہیں ہے، اب یہاں سے ضرور یہ بات ہمیں پتہ چلتی ہے، کہ بہت سی بچیاں ایسی ہوتی ہیں، جو بچوں سے افضل ہوتی ہیں، جو بچہ آپ طلب کررہی ہیں، وہ اس بچی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، اس بچی میں جو عظمتیں ہیں وہ قرآن آگے ذکر کرنے والا ہے، یہ بچی اس بچے سے عظیم ہے جو تو طلب کررہی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ خواتین مردوں سے افضل ہوتی ہیں کچھ مرد خواتین سے افضل ہوتے ہیں، یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہر مرد ہر خاتون سے افضل ہوتا ہے، یہ قرآنی نظریہ نہیں ہے۔

۲۵ میں نے اس کا نام مریمؑ رکھا ہے، اس کا تلفظ دو طرح سے ہوتا ہے، مریم بھی ہے ماریہ بھی ہے، اللہ اسے اور اس کی اولاد کو میں تیری حفاظت میں دیتی ہوں، کہ ان پر شیطان رجیم کا کسی انداز سے غلبہ نہ ہو، ہر اچھی ماں کی یہ خواہش ہوتی ہے، اور دوسرے لفظوں میں یہ حضرت مریمؑ کی سنت کی ادائیگی ہورہی ہوتی ہے، کہ اولاد کے لیے نیک دعا کی جائے، کہ انہیں شیطان کی دسترس سے شیطان کے وسوسوں سے اس کے طرز فکر سے اللہ کریم بچالے، ان کی یہ دعا قبول ہوئی، حضرت مریم اور ان کے بیٹے سیدنا

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ م﴿۸﴾

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روزِ قیامت پہ ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں ۷۱

۷۱ تیسرا گروہ وہ ہے جس کے بارے میں تیرہ آیات نازل ہوئیں، یہ منافقین ہیں، منافق وہ ہوتا ہے جس کے دل میں تو کفر ہے لیکن کچھ اسباب کی وجہ سے وہ زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہے، مفسرین نے دو بڑے اسباب کا ذکر کیا، پہلا یہ کہ کہیں مسلمانوں کا اقتدار ہے اور انہیں خوش کرنے کے لیے دل میں کفر مگر زبان پر کلمۂ توحید لے آتے ہیں، دوسرا انہیں مال و فوائد ایسا کرنے پر مجبور کردیتے ہیں، اسلام کے مکی دور میں کوئی منافق نہیں تھا، کیونکہ مسلمانوں کا اقتدار نہیں تھا، وہ خود مشکل کا شکار تھے، ان کے پاس مال بھی نہیں تھا اور مدینہ طیبہ میں جب یہ دونوں باتیں آگئیں تو پھر عبداللہ بن ابی کی قیادت میں یہ گروہ پیدا ہوگیا، اس گروہ نے کیسی کیسی ریشہ دوانیاں کیں؟ چوتھے پارے میں ان کے مختلف اعمال، افعال اور کارنامے قرآن نے کھل کر بیان کیے ہیں، اور ساتھ ساتھ حدیث پاک میں تفصیل آئے گی، سرکار علیہ السلام کو اذیت دینے کے لیے انہوں نے ایسے ایسے حربے کئے کہ جن حربوں سے پہاڑوں کو بھی ہلایا جاسکتا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راہِ خدا میں جتنی مجھے اذیتیں دی گئی ہیں اتنی کسی اور کو نہیں دی گئیں، بہر حال اب اس جماعت کا ذکر آتا ہے۔

"ومن الناس"۔ من کا معنی ہے سے، الناس کا معنی ہے لوگ۔ یہاں من بعضیہ ہے یعنی کچھ لوگ۔ الناس جمع ہے، آگے من واحد ہے یہ عربی کا ایک سٹائل ہے، اس کے بعد 'یقول' **Present Tense** ہے جو واحد ہے یادر ہے کہ اکثر مترجمین نے ترجمہ کیا کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتا ہے، اس طرح تسلسل نہیں رہتا، کچھ لوگ کہتے ہیں یہ اصل ترجمہ ہے۔

"امنا" ہم ایمان لائے۔ **"باللہ"** اللہ کے ساتھ۔ اردو میں ہوگا، ہم اللہ پر ایمان لائے۔

"وبالیوم الاخر" اور ساتھ دن آخرت کے، یعنی آخرت پر۔

"وماھم بمؤمنین" (و۔کبھی جملے کے ابتداء میں آئے تو اس کا معنی 'اور' نہیں ہوتا اس کا معنی ہوتا ہے حالانکہ اسے واؤ حالیہ کہتے ہیں، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ انہوں نے دل کی دنیا میں اس عقیدے کو بسایا نہیں، ایک اور نکتہ! ان شاطر لوگوں نے مرکزِ ایمان کو درمیان سے چھوڑ دیا اور کہا کہ ہم اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، درمیان میں سرکار علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا، ان کا اصل مرض یہاں بھی ظاہر ہوگیا، اللہ کو ماننا اس طریقے سے معتبر ہے، جس طریقے سے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

Marfat.com

عیسیٰؑ شیطان کے اس چھونے سے پاک قرار دیے گئے، جو بچے کی پیدائش کے وقت دونوں قوتوں کی مساوی انداز سے چلنے کے طور پر یہ بات ہو جاتی ہے، کہ شیطان اسے چھونے کی کوشش کرتا ہے، اس کا مطلب دوسرا یہ ہوا کہ وہ اپنے نظریات کے القاء کی کوشش کرتا ہے، تو قریباً تورات کے شروع میں بھی ہمیں یہ بات ملتی ہے، کہ جناب مریمؑ اور سیدنا عیسیٰؑ اس کے چھونے سے محفوظ رہے، مجھے اردو کی تفاسیر کو دیکھنے کا بہت کم موقع ملتا ہے میں اسے ابھی دیکھ رہا تھا، علامہ فرما رہے ہیں اپنی شرح میں کہ باقی انبیاء بھی معصوم ہوتے ہیں، لیکن اس کے لیے ہمارے پاس دلیل نہیں ہے، کہ انہیں شیطان چھو سکتا ہے یا نہیں، اصل بات یہ ہے کہ انبیاء کے علاوہ بھی لوگوں کے بارے میں دلیل موجود ہے، مثلاً حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لیے ایسے الفاظ حدیث میں موجود ہیں، اور ان کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے لیے ایسے ہی الفاظ حدیث میں موجود ہیں تفسیر مظہری میں اسی مقام پر ان سب احادیث کو قرآن کے عظیم مفسر علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے جو اپنے دور کے عظیم محقق تھے، اور برصغیر میں یہ عظیم محقق ہے جس نے تفسیر عربی زبان میں لکھی ہے، اور بڑی جاندار علمی تفسیر لکھی ہے، کہ عام تفسیروں کی طرح تیسرے یا چوتھے درجے کی تفسیر نہیں ہے، انہوں نے وہاں سب احادیث کو مرتب کر دیا ہے، کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حسنین کریمین جو نبی نہیں ہیں، وہ بھی محفوظ تھے، اسی انداز سے وہ بھی بچے تھے، اور پھر حضرت فاطمہ سے پوچھا تو انہوں نے وہ خصوصیات بیان کی ہیں، جو باقی خواتین میں نہیں ہوتیں، سادہ سی بات ہے، کہ ان کے لیے وہ دن نہیں ہوتے جو نماز کو چھوڑ دینے کے لیے ہوتے ہیں، یہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا بے حد اونچا مقام ہے، جس کے ساتھ عام خواتین شریک نہیں ہو سکتیں۔

۲۶ فتقبلها ربها بقبول حسن......ان الله يرزق من يشاء بغير حساب

تو اب اللہ کریم یہاں اعلان فرماتے ہیں، پھر ان کی اس منت کو اللہ نے بڑے اچھے انداز سے قبول فرمایا، اور جناب مریمؑ کو بڑے پیارے انداز سے حسین طریقے سے بڑھایا، اب سوال یہ تھا کہ مریمؑ کی کفالت کون کرے گا، چونکہ وہاں جو مروج بات تھی، وہ تو یہ تھی کہ بیت المقدس کے لیے نذرانہ ہمیشہ بچوں کا ہوتا تھا، بچے وہاں پلتے رہتے تھے اور بڑے ہو کر بیت المقدس کی خدمت کرتے رہتے تھے، مریمؑ وہاں کس کے پاس رہے گی، یہ وہ مسئلہ تھا، جو الجھاؤ پیدا کر رہا تھا، یہ بچی ہے اس کی پرورش کون کرے گا، تو اللہ کریم نے اس کا ذریعہ یہ بنایا کہ سیدنا زکریاؑ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی بھی ہیں اور رشتہ داری کے حساب سے انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت مریمؑ کی سگی خالہ ان کے گھر تھیں، اور وہ اس وقت بیت المقدس کے نگرانوں میں شامل تھے، اللہ کریم نے کفالت ان کے ذمہ کر دی، اس حوالے سے جو تورات میں بات آتی ہے، قرآن میں بھی کسی اور مقام پر اسے ذکر کیا گیا ہے، کہ قرعہ اندازی کی گئی تھی، اور قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا تھا، یہ ان کے گھر پرورش پانے لگ گئیں، چونکہ ان کا گھر بیت

المقدس کے اندر جس طرح مساجد کے ساتھ حجرے ہوتے ہیں اسی طریقے سے ان کا گھر بیت المقدس کے ساتھ تھا، یہ وہاں رہیں، جب تھوڑی سی بڑی ہوئیں تو پھر انہیں ایک چھوٹے سے کمرے میں بیت المقدس کے اندر ٹھہرا دیا گیا، یہاں جسٹس پیر کرم شاہ صاحب نے محراب کا جو معنی بیان کیا ہے، لغت اس کی تائید کرتی ہے، اور وہ معنی ٹھیک ہے، لیکن میں ایک اور تحقیقی معنی بھی آپ حضرات کی خدمت میں عرض کروں گا، انہوں نے محراب کے لیے یہ معنی تجویز کیا ہے، مجلس میں جو بہترین جگہ ہوا سے محراب کہتے ہیں، اب یہ عربی ادب سے انہوں نے لفظ اخذ فرمایا ہے، یہ ٹھیک ہے، لیکن اگر آپ اس لفظ کی تحقیق کے لیے ایک اور انداز سے سوچیں تو بات بڑی واضح ہو جائے گی، حرب کا لفظی معنی یہ 'ج' کے ساتھ والی 'ح' ہو، تو عربی میں اس کا لفظی معنی ہوتا ہے، جنگ کرنا، تو محراب کا لفظی معنی ہوتا ہے، جنگ کرنے کا آلہ، وہ شے جس کے ساتھ آپ جنگ لڑیں، مثلاً تلوار ہے، رائفل ہے، توپ ہے، تو جو بھی جنگ کرنے کا آلہ ہے وہ محراب ہے، اب مسجد میں محراب ہوتا ہے محراب کو محراب کیوں کہتے ہیں، وہ جگہ آپ نے شیطانی نظریات سے دفاع کے لیے قائم کی ہے، اس لیے اسے محراب کہتے ہیں، تو اب مریمؑ بھی ایسے مقام پر بیٹھی ہیں، جہاں انسانی قوتوں کو لے کے وہ شیطانی قوتوں کے خلاف لڑنا چاہتی ہیں، لہذا اس مقام میں بیٹھ کے وہ جو ورد و وظائف کر رہی ہیں، نماز پڑھ رہی ہیں، اللہ اللہ کر رہی ہیں، کوئی بھی نیکی کا عمل کر رہی ہیں، تو یہ سارے نیکی کے اعمال جو ہیں ہتھیار ہیں، یہ شیطان کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں، تو میں یہ سمجھتا ہوں، کہ محفل کی اچھی جگہ کی نسبت اگر یہ معنی کیا جائے تو وہ اس نظریہ کے مطابق ہوگا جس کے مطابق جناب مریمؑ کو وہاں رکھا جا رہا تھا، کہ وہ انسانی صفات اس دور کی اللہ کی کتاب میں آنے والی صفات اس دور کے نبی کے پیدا کرنے والی صفات کی علمبردار ہو سکے شیطانی قوتوں کے خلاف وہ جہاد کریں گی، تو ہر آلہ جہاد محراب ہے۔

۲۷ جب بھی زکریاؑ ان کے پاس محراب میں جاتے تو ان کے پاس رزق موجود ہوتا تھا، رزق سے یہاں مراد ہے، ایسے پھل جو بے موسم تھے، جس موسم کا پھل نہیں ہے، وہ پھل اس کمرے میں موجود ہوتا جہاں مریمؑ تشریف فرما تھیں، اب یہ عجیب سا لگتا جناب زکریاؑ کو، کہ آم کا تو فلاں موسم ہے، لیکن یہ دسمبر اور جنوری میں یہاں کیسے آ سکتا ہے، یہ انگور کا موسم نہیں ہے، یہ انار کا موسم نہیں ہے، یہ کیلے کا موسم نہیں ہے، تو یہ مریمؑ کے پاس کیسے آتا ہے، کچھ لوگوں نے رزق سے ان کی روحانی ترقی مراد لی ہے، لیکن قرآن کے الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں، یہ ان لوگوں نے لیا ہے، جو معتزلہ طرز فکر سے متاثر تھے، تو معتزلہ کرامات اولیاء کے قائل نہیں ہیں، تو یہاں واضح لفظوں میں کرامت ولی ثابت ہو رہی تھی، اس لیے انہوں نے موڑ کاٹنے کی کوشش کی، اور یہ بات کہی کہ اس سے مراد روحانی ترقی ہے، لیکن اگر یہ ایک لفظ ہوتا تب تو یہ پیچ لڑایا جا سکتا تھا، آگے قرآن کے جو الفاظ آتے ہیں وہ اس نظریے کو کاٹ دیتے ہیں، وہ کیسے اگر روحانی ترقی ہوتی تو حضرت زکریاؑ کو تعجب کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، اس لیے کہ وہ

روحانی ترقی کے لیے ہی وہاں الگ بیٹھی تھیں، تو انہیں تعجب نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ خوش ہونا چاہے تھا، کہ جس بات کے لیے یہاں بیٹھی تھیں وہ انہیں مل گئی ہے، لیکن انہوں نے کہا کہ مریمؑ یہ پھل کہاں سے آرہے ہیں، اب مریمؑ کا جواب ملاحظہ ہو۔ "**قالت ھو من عند اللہ**" انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کے پاس سے آتے ہیں، یہ ظاہری اسباب سے مبرہ چیزیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا، کہ یہ دنیا اسباب پر چلتی ہے، لیکن کبھی کبھی اللہ اسباب کو چھوڑ دیا کرتا ہے، کیوں چھوڑ دیتا ہے، تاکہ پتہ چلے کہ اس کی قدرت میں اسباب کے بغیر بھی چیزیں بن جایا کرتی ہیں، اگر وہ اسباب کے تابع رہے، کہ یہ مجازی آنکھیں کہیں اس میں پھنس ہی نہ جائیں، کہ اسباب کے بغیر اللہ بھی کچھ نہیں کرسکتا، اس بات کو اللہ کریم نے یہاں توڑ دیا ہے، کہ اسباب تمہارے لیے تو ہیں، لیکن ہمارے لیے اسباب کسی شے کی بنیاد نہیں ہیں، ارشاد فرمایا!

حضرت مریمؑ نے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور آگے اللہ کی عظمت بڑے پیارے فقرے میں بیان کی، فرمایا اللہ رزق دیتا ہے، جسے چاہتا ہے حساب کے بغیر عطا کردیتا ہے، اب موسم کا پھل ہے تو وہ حساب کے تحت آیا ہے، موسم کے بغیر ہے تو وہ حساب کے بغیر آرہا ہے، واضح معنی قریب تر کا معنی یہ ہے، لیکن دوسرا معنی بھی بالکل ٹھیک ہے، کہ جتنا چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے جس انداز سے چاہتا ہے وہ رزق پہنچادیتا ہے، قرآن نے اسے دوسرے مقام پر یوں بھی بیان کیا ہے، کہ وہ اس انداز سے رزق دیتا ہے، کہ رزق کھانے والے کو پتہ بھی نہیں ہوتا، کہ یہ کس انداز سے مل رہا ہے، اسے بیان کرتے ہوئے ایک عربی شاعر نے ایک بڑی نرالی بات کہی ہے، وہ کہتا ہے! کہ عقل مند تو دروازے پر دھکے کھارہا ہے، اور جو بے عقل ہے اندر بیٹھا طرح طرح کی نعمتوں سے مسرور ہورہا ہے، یہ اس کا اپنا انداز ہے، کہ عقل والے کو محروم رکھ دیا ہے، اور بے عقل کو نعمتوں سے لاد دیا ہے، یہ اس کا اپنا طریقہ ہے، اب زکریاؑ نے دیکھا کہ یہ بیر کے وقت کا موسم ہے، بیر پھل کا موسم ہے، انہیں عطا ہوگیا ہے، جو اللہ کے نبی ہیں انہیں پتہ ہے کہ اللہ کے ہاں ہر شے اسباب کے تابع نہیں ہوتی، اب یہاں مشاہدہ کرلیا ایک چیز کا جو اسباب کے تابع نہیں ہے، تو وہ بوڑھے بھی تھے، بیگم صاحبہ بانجھ تھیں، اولاد کی بالکل توقع نہیں تھی،

۳۸ ھنالک دعا زکریا ربہ..... واذکر ربک کثیرا و سبح بالعشیّ والابکار

وہاں زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی، اللہ مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، یقیناً تو دعا کو سننے والا ہے، یہاں ہمارے ماہرین نے عربی زبان میں یہ بات اس سے اخذ کی ہے، کہ نیک اولاد کا طلب کرنا نبیوں کی سنت ہے، اللہ اولاد دے لیکن وہ نیک ہو، دوسری بات یہ ہے کہ مبارک وقت ہو اور مبارک جگہ ہو تو قبولیت دعا کے قریب ہوتی ہے، اب یہ وقت ایسا ہے، کہ یہاں ایک اللہ کی بندی بیٹھی ہے، ان کے پاس بے وقت کا میوہ آیا ہوا ہے، یہ ساری چیزیں اس بات کی غماز ہیں کہ یہاں قبولیت کا وقت ہے، اسی انداز سے آپ کعبہ مقدسہ میں حاضر ہوتے ہیں، تو وہاں بھی وقت اور جگہ ایسی ہے جو قبولیت کی ہے، آپ

روضہ رسولؐ پر حاضر ہوتے ہیں، تو وہ جگہ ایسی ہے جو قبولیتِ دعا کے لیے بے حد موزوں ہے، اسی طرح آپ نے کسی انسان کو دیکھا کہ اس کی زندگی اللہ اور اللہ کے رسول کے تابع تھی، اس نے بغداد میں ڈیرا لگا لیا، آج وہ قبر میں ہے، اس نے اجمیر میں ڈیرا لگا لیا آج وہ قبر میں ہے، اس نے سیال شریف میں ڈیرا لگا لیا آج وہ قبر میں ہے، اس نے گولڑہ شریف ڈیرا لگا لیا آج وہ قبر میں ہے، تو قبر کا ذکر جو ہے، وہ روح کا ذکر ہوتا ہے، تو روح جہاں ذاکر ہو تو قبر بھی وہاں ذاکر رہتی ہے، قبر میں بھی وہی غیب وحضور رہتا ہے، اقبال نے بڑی غضب کی بات کہی ہے!

اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے — قبر میں بھی وہی غیب وحضور رہتا ہے
تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے — فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا

اور وہ وجود جو آپ کی قبر میں روح ہے، جو ذکر سے سرشار ہو گئی تھی، اسی لیے زیادہ وقت اللہ کو یاد کرنا چاہیے، اس کے ذکر کی کئی نوعیتیں ہیں، قرآن کا پڑھنا اس کا ذکر ہے، نماز پڑھنا اس کا ذکر ہے، درود پڑھنا اس کا ذکر ہے، اس کے مختلف ناموں کا ورد کرنا اس کا ذکر ہے، کلمہ طیبہ افضل الذکر سرکار علیہ السلام کی زبان مبارک سے آیا ہے، اس کے لیے یکسوئی شرط ہوتی ہے اس کے ذکر کے لیے، اس یکسوئی کو کیسے پیدا کیا جائے، آنکھیں بند کرلیں، کان کسی اور طرف توجہ نہ دیں، زبان کو حرکت نہ دیں، یہ آلہ ہے، تو آلے کا ذکر عظمتوں والا نہیں ہوتا، لہذا دل کو ذکر کرنا چاہیے، اور سانس اللہ اور روح ھو کہے یا سانس لا الہ الا اللہ پڑھتی جائے، تو یہ وہ طریقہ ہے، جو اس راستے کے چلنے والے زندگیاں اس میں گزار دیتے ہیں کیونکہ جو روح کی غذا بن جاتی ہے روح غیر فانی ہے، لہذا قبر میں بھی وہی بات جاری رہتی ہے، اسے اقبال نے اپنے انداز سے کہہ دیا، رومی نے اپنے انداز سے کہہ دیا! قرآن وسنت میں اپنے اپنے انداز سے آ گیا، لیکن ماخذ قرآن وسنت ہے، اب انہوں نے یہ باتیں کہیں ایک خاص مقام ہے۔

۳۹ اب جو ان کی اولاد آتی ہے، ان کا نام ہے حضرت یحییٰؑ حضرت زکریاؑ کو ملتا ہے، یحییٰ کو تورات اور انجیل میں یوحنا بھی لکھا گیا ہے، اور انگریزی لٹریچر میں انہیں عام طور پر جان (John) کے لفظ سے لکھا جاتا ہے، تو یہ تینوں نام ہیں جو مختلف انداز سے لیے جاتے ہیں، ہمیں قرآن سے جو بات ملتی ہے وہ یہ ہے، یحییٰ علیہ السلام سے پہلے یحییٰ کسی کا نام نہیں رکھا گیا، اب جب انہوں نے کہا کہ تو دعا قبول کرتا ہے، یہ مقام دعا ہے تو دعا قبول کرلے، تو فرشتوں نے انہیں آواز دی، وہ بھی محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، پتہ چلا کہ نماز شروع سے انبیاء کی عادت کھڑے ہو کر پڑھنے کی ہے، لہذا ہمارے فقہاء نے یہ کہہ دیا ہے کہ نماز میں قیام فرض ہے تو اس کا ماخذ یہ ہے، کہ اللہ تمہیں بشارت دیتا ہے یحییٰ کی، وہ تصدیق بھی کرے گا، اللہ کے کلمہ کی، اللہ کے کلمے سے یہاں مراد سیدنا عیسیٰؑ ہیں، کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے عیسیٰؑ کی تصدیق کرنی ہے، تو جناب یحییٰ بار بار کہتے

کہ مسیح آنے والے ہیں، دنیا میں مسیح آنے والے ہیں، بار بار وہ کہتے تھے، تو اللہ نے جناب مسیح کے لیے کلمہ کا لفظ کیوں تعبیر فرمایا ،اس لیے کہ وہ ان ظاہری اسباب سے پیدا نہیں ہوئے ، باپ کے بغیر پیدا ہوئے ،لہذا ان کے لیے کلمہ وہی ہے جس سے وہ پیدا ہوں گے ان کے لیے یہاں کلمہ کا لفظ تعبیر کیا ان کی تین چار صفتیں تھیں جناب یحیٰؑ نے آکے بیان فرمادیں۔ قرآن نے ذکر کیا کہ ان (یحیٰؑ) کی پہلی صفت یہ تھی کہ اللہ کے کلمہ کی انہوں نے تصدیق کرنی ہے، دوسری صفت یہ ہے کہ وہ سردار ہوں گے سید ،اپنی قوم کے قائد ہوں گے، تیسری بات یہ ہے کہ وہ پاک دامن ہوں گے، پاک دامن دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے، ایک تو ہم جسمانی طور پر استعمال کرتے ہیں، دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ زندگی بھر شادی نہیں کریں گے، یہاں حصور کا معنی یہی ہے، اصل دیکھنا یہ ہے کہ ح۔ص عربی میں کس انداز سے استعمال ہوگی، اس کا لفظی معنی ہوگا بندش ،عربی بلاغت میں حصر کا معنی یہ ہوتا کہ آپ ایک مفہوم کو کسی چیز میں بند کردیں، مثلاً **"ایاک نعبد"** یہاں حصر ہے، کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، یہاں اسی حصر کا مصدر ہے اور دوسرا حصور اس کا مصدر ہے، یعنی اس نے شادی سے بندر رہنا ہے، وہ شادی نہیں کریں گے، وہ اللہ کے نبی ہیں ،اور صلاحیتوں سے بھرے ہوئے ہیں، انسان میں مختلف صلاحیتیں ہوتی ہیں، نبی میں بہت زیادہ صلاحیتیں ہوتی ہیں، اب جب خصوصیت سے اللہ ان صلاحیتوں کا ذکر فرمادے، تو ان پر چار چاند لگ جاتے ہیں، اس میں عظمت پیدا ہوجاتی ہے، اب جب اللہ نے زکریاؑ کو بشارت دے دی، کہ آپ کی بات قبول ہوگئی ہے، مریمؑ کی والدہ کو بشارت مل گئی کہ آپ کی دعا بھی قبول ہوچکی ہے، اسی طرح سرکارؐ نے بشارت دی، یہ میرا بیٹا جس کا نام حسن ہے یہ سید ہے، اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں سمجھوتا کرادے گا، دوسری حدیث میں فرمایا! **الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنہ** ٥ حسنؑ اور حسینؑ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں

ان دو حضرات کے لیے سید کا لفظ استعمال ہوا ہے، ان کی اگلی نسل کے لیے لغوی انداز سے۔ لفظ سید برصغیر میں استعمال ہوا ہے، وہاں عرب میں انہیں شریف کہا جاتا ہے، وہاں لفظ شریف ہے، سید کا لفظ برصغیر میں ہے، بنگال میں بنگلہ دیشی سید کو خواجہ کہتے ہیں، تو یہ تین لفظ ہیں جو مختلف مقامات پر استعمال ہوئے ہیں، حضرت حیدر کرارؓ کی باقی اولاد کو علوی کہا جاتا ہے، اور ان دو حضرات کی اولاد کو وہاں شریف کہتے ہیں، برصغیر میں انہیں سید کہتے ہیں، ایران میں سید کہا تو جاتا ہے، لیکن عام طور پر سادات کو آغا کے لفظ سے وہاں زیادہ تعبیر کیا جاتا ہے، تو یہ تین چار صفات ہیں جو جناب یحیٰؑ کی قرآن پاک میں کہی ہیں، اب تعجب ہے کہ ظاہری اسباب نہیں ہیں، جناب زکریاؑ نے درخواست کی اللہ کے دربار میں ،عرض کیا میرے پروردگار میرا کیسے بیٹا ہوگا، مجھ پر تو بڑھاپا چھا گیا ہے، اور میری بیوی بانجھ ہے، اللہ نے فرمایا **"قال کذلک"** زکریا بات ایسی ہے جیسی آپ کہہ رہے ہیں، آپ بھی بوڑھے ہوگئے ہیں، آپ کی بیوی بھی بانجھ ہے، لیکن **اللہ یفعل ما یشاء** اللہ جو چاہتا ہے کردیتا ہے

Marfat.com

اب یہ ایسی بات تھی، جو جناب زکریاؑ کے پاکیزہ عقیدے کو مزید پختہ فرما رہی تھی کہنے لگے پھر کوئی ایسی نشانی ہو کہ مجھے پتہ چلے کہ اللہ کریم آپ مجھے بیٹا عطا فرمانے والے ہیں، کوئی نشانی ہو جب اللہ کا نبی یہ نشانی مانگ رہا تھا تو اس کا مطلب یہ تھا، کہ جوں ہی نشانی ظاہر ہو تو میں اس کے شکر نعمت کے لیے ہمہ تن پورے وجود کو شکرانے کا مرکز بنا دوں لہذا یہ ضروری ہے کہ کوئی نشانی ہو اللہ نے فرمایا کہ بات ایسی ہوگی کہ تین دن آپ کوئی بات کر ہی نہیں سکیں گے، زبان ہوگی، لیکن اس سے بات نہیں نکل سکے گی، آپ لوگوں کو اشاروں سے باتیں سمجھائیں گے، زبان نہیں چلے گی، جب یہ وقت آئے آپ پر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا بیٹا آنے والا ہے، اب دیکھا کہ توجہ کیسے موڑی ارشاد فرمایا کہ زبان تو ہوگی لیکن لوگوں کی باتوں کے لیے نہیں ہوگی، کس بات کے لیے ہوگی۔ **واذکر ربک کثیرا** ان دنوں میں کثرت سے رب کا ذکر فرمایئے۔ اللہ کے نبی کی زبان پر ہر وقت اللہ کا ذکر ہوتا ہے، اس کا دل ہر وقت ذکر کرتا رہتا ہے، لیکن یہاں ایک خاص انداز سے ارشاد فرمایا!

کہ عقیدت مندوں سے بھی کٹ جاتا ہے، جب ان سے بات ہی نہیں کرنی ہے تو کٹائی تو لازمی ہو جائیگی، ان سے کٹ جاتا ہے، بڑی کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے، شام اور صبح اس کی تسبیحیں بیان کرتی ہیں، عام طور پر 'سبحان اللہ'' کو تسبیح کہا جاتا ہے، لیکن لغوی حیثیت سے ہر وہ لفظ جو اللہ کی پاکیزگی بیان کرتا ہے اسے تسبیح کہتے ہیں، تو یہ اللہ کے نبی کا انداز ہوتا ہے، کہ اس کے وجود کا ہر عضو اللہ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس صحابہ بیٹھتے تھے، سرکار کا دل کس طرح ذکر خدا میں محو رہتا تھا، کہ صحابی کہتے تھے کہ ہمیں پاس بیٹھے ہوئے ایسا محسوس ہوتا تھا، کہ ہنڈیا آگ پر ابل رہی ہے، یہ انداز ہوتا تھا سرکارؐ کے دل کے ذکر کا، کیونکہ یہ ساری رعنائیاں سرکارؐ کے وجود اقدس ؐ کے صدقے میں ہیں، میں نے اس مقام سے گزرتے ہوئے ایک شعر کہا ہے آپ کو بھی سنا دیتا ہوں!

تیری نگاہ ناز سے گلشن کو رنگ ملا ورنہ کہاں تھی جان ہی عطر و گلاب میں

یہ جو عطر گلاب میں جان پڑ گئی یہ آپؐ کی نگاہ ناز کا صدقہ ہے، ورنہ اس میں یہ رعنائیاں کہاں سے پیدا ہوتیں، تو یہ اللہ کے نبیوں کا خاصہ ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

وَإِذْ قَالَتِ اور یاد کرو وہ وقت جب فرشتوں نے کہا،

ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصْطَفَىٰكِ وَطَهَّرَكِ وَٱصْطَفَىٰكِ

اے مریمؑ اللہ نے تجھے چن لیا ہے تجھے طہارت عطا کی ہے، اس دور کی سب عورتوں سے تمہیں ممتاز کیا ہے تمہیں پسند کیا ہے،

عَلَىٰ نِسَآءِ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٤٢﴾ يَٰمَرْيَمُ ٱقْنُتِى لِرَبِّكِ وَٱسْجُدِى

اے مریمؑ اپنے رب کی اطاعت اور بندگی کر، سجدہ کر

وَٱرْكَعِى مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾ ذَٰلِكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلْغَيْبِ نُوحِيهِ

رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر ۳۱ یہ غیب کی خبریں ہیں، جو محبوب ہم آپ کی طرف وحی فرما رہے ہیں ۳۲

إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَٰمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ

آپ (جسمانی) طور پر ان کے پاس نہیں تھے، جب وہ قلمیں پھینک رہے تھے، کہ مریمؑ کی کفالت کون کرے

مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٤﴾ إِذْ قَالَتِ

اور (جسمانی) طور پر آپ ان کے پاس نہیں تھے، جب وہ آپس میں بحثیں کر رہے تھے جھگڑ رہے تھے پھر محبوب جس وقت فرشتوں

ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ٱسْمُهُ ٱلْمَسِيحُ

نے مریمؑ سے کہا! اے مریمؑ اللہ تجھے بشارت دیتا ہے، اپنے پاس سے ایک کلمہ کی ۳۳ جس کا نام مسیح

عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ وَمِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾

عیسیٰ ابن مریمؑ ہے وہ دنیا میں بھی بڑا وجاہت والا ہوگا اور آخرت میں بھی، اور وہ اللہ کے مقربین میں سے ہوگا

Marfat.com

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۴۶﴾

، وہ لوگوں سے پنگھوڑے (گہوارے) میں بھی باتیں کرے گا، اور ادھیڑ عمر کا ہوگا تو تب بھی باتیں کرے گا، وہ بڑی صلاحیت والا ہوگا

قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ

کہنے لگی اے میرے پروردگار میرا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے، مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں، اللہ نے فرمایا بات ایسی ہی ہے،

اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۴۷﴾

لیکن اللہ پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرلیتا ہے، وہ صرف یہ کہتا ہے، کہ ہو جا وہ بات ہو جاتی ہے

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۴۸﴾

اللہ اسے یعنی تیرے بیٹے کو کتاب اور حکمت بھی سکھائے گا تورات اور انجیل بھی سکھائے گا

وَرَسُولًا إِلٰى بَنِي إِسْرَاءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ

، وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا، اور انہیں کہے گا کہ میں تمہارے پاس رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں

أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ

میں بناتا ہوں تمہارے لیے تر مٹی سے پرندے کی شکل کی کوئی چیز، پھر میں اس میں پھونک ماردیتا ہوں

فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ

وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، میں مادرزاد اندھوں اور برص والے کو شفا دے دیتا ہوں

وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ

میں اللہ کے حکم سے مردوں کو بھی زندہ کردیتا ہوں، میں تمہیں بتادوں گا، جو تم کھاتے ہو، اور جو تم ذخیرہ کرکے رکھ لیتے ہو

فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۴۹﴾

گھروں میں، اس میں تمہارے لیے نشانی ہے، اگر تم صاحب ایمان ہو

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم

میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، جو مجھ سے پہلے تورات ہے، اور میں تمہارے لیے کچھ ایسی چیزیں حلال کردوں گا

بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ

جو تم پر پہلے حرام ہیں، میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک آیت لے کے آیا ہوں، ایک نشانی لے کے آیا ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۵۰﴾ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ

اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو، یقیناً اللہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے، اس کی عبادت کرو،

هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۵۱﴾ یہ سیدھا راستہ ہے ۳۲

۳۱ جناب مریمؑ کے پاس اسی محراب میں جہاں وہ قیام فرماتھیں، اللہ کے فرشتے آگئے، انہوں نے آ کے یہ بات عرض کی کہ دو باتیں بطورِ صفت آپ میں پیدا ہو چکی ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کریم نے آپ کو پسند فرما کے چن لیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو اللہ کریم نے پاکیزگی عطا کی ہے، اس پاکیزگی میں جسمانی پاکیزگی بھی شامل ہے، روحانی پاکیزگی بھی شامل ہے، اور اہل اللہ سب سے زیادہ جس بات پر توجہ دیتے ہیں وہ روحانی پاکیزگی ہے، جب روحانی پاکیزگی آتی ہے تو اس کے ساتھ ظاہری پاکیزگی کا آنا لازمی ہو جاتا ہے، لہذا یہ دونوں باتیں انہیں عطا فرما کے یہ باتیں کہیں، کہ اس دور میں جو عالمین ہیں ان سب پر آپ کو یہ برتری حاصل ہے، کہ باقی سب خواتین کو چھوڑ کے اللہ کریم نے آپ کو چن لیا ہے، اب اس چننے میں کتنی ساری باتیں تھیں، پہلی بات یہ ہے، کہ والدہ نے تو بیٹا مانگا تھا، اللہ نے چنا آپ کو کہ بیٹی کی شکل میں آپ آئیں پھر جناب زکریا کی کفالت میں آپ کو دیا کہ آپ اپنی خالہ کے ہاں تربیت پاسکیں، پھر بیت المقدس کا یہ قاعدہ کہ وہاں بچہ ہی جا سکتا ہے اس کو توڑ دیا تیرے لیے، یہ ساری باتیں اصطفٰی کی ہیں، یہ چناؤ کی باتیں ہیں، پھر ان کی طہارت یہ ہے، کہ وہ ایک نبی کی ماں ہیں، نبی کی ماں غیر پاکیزہ ہو، یہ چشم تصور میں بھی بات نہیں آسکتی، لہذا نبی کی ماں ہونا طہارت کی سب سے بڑی دلیل ہے، دوسرے سارے

خاندان سے کٹ کے ایک الگ کمرے میں زندگی بھر محو عبادت رہنا، یہ طہارت کا لازمہ ہے، پھر ساری کائنات سے ذہن کو ہٹا کے ایک نکتے پر مرکوز کر کے یادِ خدا میں گم ہو جانا یہ ساری طہارت کی باتیں ہیں، یہ ظاہری طہارت بھی ہے اور باطنی طہارت بھی ہے، یہ لفظ طہارت کے معنی سے بات نکلتی ہے، لیکن جب ہم اسے اردو کے قالب میں ڈھالتے ہیں، تو پھر ترجمہ پر ہی گزارہ نہیں چلتا، اب اگر یہی بات ہے کہ ہم نے چن لیا ہے، تو آپ کو بھی کچھ کرنا ہوگا، یہ سلسلہ جو آپ نے شروع کیا ہے، اس سلسلے کو جاری ہی رکھنا ہے، "**اقنتی**" اس کے ظاہری طور پر دو معنی ہیں، ایک معنی ہوتا ہے اطاعت کرنا، دوسرا معنی اس کا ہوتا ہے بندگی کرنا، آپ نے بندگی کرنی ہے اپنے پروردگار کی، پوری زندگی جو آپ کی باقی زندگی ہے، اللہ کے سامنے سجدے کرنے ہیں، رکوع کرنے والوں کے ساتھ آپ نے بھی رکوع کرنے ہیں، یہاں سے ایک امام اعظمؒ کی علمی اور فکری دلیل ملتی ہے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ جہاں دو لفظوں کے درمیان 'وْ' آجائے۔ ''وْ'' اس کا معنی ہے ''اور''۔ جسے آپ انگریزی میں and کہتے ہیں ، اسے حرف عطف کہا گیا ہے، یعنی دو چیزوں کو ملانے کے لیے آتی ہے، امام اعظمؒ ایک بات یہ ارشاد فرماتے ہیں، کہ وہ چیزیں آپس میں مل تو جائیں گی، لیکن ان میں ترتیب نہیں ہوگی، ترتیب وہاں لازم نہیں ہے، ہوسکتا ہے جو خالد، حمید اور رشید آئے، تو یہ ترتیب ہونا ضروری نہیں ہے، جس طریقے سے آپ نام لے رہے ہیں، ہوسکتا ہے کہ حمید پہلے آیا ہو، ہوسکتا ہے خالد پہلے آیا ہو، اس کی دلیل دیکھیں یہاں کیسی ہے، کہ سجدہ لازماً رکوع سے پیچھے ہوتا ہے، آپ پہلے رکوع پر جاتے ہیں، اس کے بعد سجدہ آتا ہے، اور یہاں قرآن نے کیا کہا، تو سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر، تو ترتیب ٹوٹ گئی، پتہ چلا کہ 'وْ' تو صرف جمع کرنے کے لیے ہوتی ہے ترتیب کے لیے نہیں ہوتی ورنہ پہلے رکوع کا لفظ آتا بعد میں سجدے کا لفظ آتا، دیکھا گرامر کے نکتہ نگاہ سے، امام اعظمؒ کتنی دور کی بات سامنے لے آئے، لہٰذا انہوں نے کہا کہ نماز میں جس طریقے سے وضو کرتے ہیں کہ پہلے منہ دھوئے پھر ہاتھ دھوئے پھر سر کا مسح کرے پھر پاؤں دھوئے یہ قرآن نے 'وْ' کے لفظ سے ذکر کیا ہے، لہٰذا قرآن سے یہ ترتیب فرض ثابت نہیں ہوتی، چونکہ یہ سرکارؐ کا وضو ہے اس لیے ہم کہہ دیں گے کہ یہ سنت ہے، قرآن نے اسے صرف کہہ دیا ہے کہ یہ سب کر دینے ہیں، ترتیب فرض نہیں ہے، ترتیب کیوں رکھتے ہیں کیونکہ یہ سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

اب یہاں ارشاد فرمایا! کہ یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ سابقہ امتیں بھی رکوع اور سجدہ کرتی تھیں، اور اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ مریم اسے جاری رکھنا ہے، یہ ضروری بات ہے، اب روئے سخن سرکارؐ کی طرف پلٹ آیا ہے، اب آپ یہی باتیں تورات میں دیکھیں تو آپ کو اتنی تفصیل سے نہیں ملتیں، ایک عجیب سا انداز ہے، اور ایسا انداز کہ جس کی تہہ سے خدا جانے کتنے شکوک جنم لیتے ہیں، اور وہ شکوک تورات کو سامنے رکھ کے مرزا غلام احمد آنجہانی نے وہی انداز اپنایا جو باقی بے دین لوگوں کا انداز تھا، میں اسے آگے چل کے ذکر کرتا ہوں۔

Marfat.com

فرمائیں، ورجہ توحید کی یہ معراج لفظوں کی حد تک تھی، کہ شیطان کہہ رہا تھا، میں آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ نہیں کرتا، میں صرف تجھے سجدہ کرتا ہوں، لیکن اللہ کو یہ توحید پسند نہ آئی، اس کی توحید نا قابلِ قبول تھی اس لیے کہ واسطۂ نبوت کے بغیر تھی، تو جب منافقین نے درمیان سے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر نہ کیا تو اللہ نے فرمایا کہ وہ مومن نہیں ہیں۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ط ﴿۹﴾
دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو (حقیقت میں) دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو (اور اس حقیقت کو نہیں) سمجھتے ۱۸

۱۸ **"یخدعون اللّٰہ"** خدع کے لفظی معنی ہے دھوکا دینا اور جب یہ باب مفاعلة سے آئے تو اس کا ماضی خادع، مضارع یخادع اور مصدر مخادعة ہوگا۔ باب مفاعلة کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں کام کرنے میں دو افراد شریک ہوتے ہیں۔ مثلاً مقاتلة ایک دوسرے سے لڑنا۔ مسامعت۔ ایک دوسرے کو سنانا۔ مناصرت۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا، تو جہاں بھی باب مفاعلہ آئے گا، اس میں دو کا وجود ضروری ہے، ایک دوسرے سے لڑنے میں لازماً دو آدمی شریک ہونگے۔ اب یہاں وہی بات آئی ہے **"یخدعون اللّٰہ"** وہ اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، یہاں مفسرین نے فرمایا کہ کبھی باب مفاعلہ خدع کے معنی میں آجاتا ہے تو اب یہ دھوکا صرف ایک طرف سے ہوگا۔ لیکن ایک نکتہ ذہن نشین رہے جو آپ کو بار بار کام آئے گا، کہ قدیم عربی ادب میں اگر کبھی ایک لفظ کسی ایک بات کے لئے استعمال کیا جاتا اور جواباً وہی لفظ آجاتا تو جوابی لفظ میں وہ معنی مراد نہیں ہوتے تھے جو پہلے لفظ کے ہوتے تھے، بلکہ اس کی جزا او سزا مراد ہوتی ہے، مثلاً "جزاء سیئة سیئة مثلها" کہ بدی کی جزا ایسی ہی بدی ہے، غور کریں تو یہ ترجمہ غلط ہے، جیسے عام مترجمین نے کیا ہے، اگر بدی کے بدلے میں بدی ہی آتی جائے تو بدی ختم کہاں ہوگی؟ اسلام بدی کے خاتمے کا نام ہے۔

دوسری مثال **"نسوا اللّٰہ فانسھم"** (وہ اللہ کو بھولے تو اللہ نے انہیں بھلادیا)

جواباً عرض کروں کہ اللہ رب العزت بھلایا نہیں کرتا۔ اللہ بھلادے تو کائنات ختم ہوجائے۔ اس معنی میں [illegible] پہلے استعمال ہوا ہے، اگلے لفظ کو سزا کے طور پر استعمال کریں گے، پہلی آیت کا اصل ترجمہ یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بدی کی سزا ہے، جو بدی کی مقدار میں آتی ہے، اگر کسی نے قتل کیا ہے یا بازو توڑا ہے تو جواباً اسی کو قتل کیا جائے، اور بازو توڑا جائے، جیسی بدی کا اس نے ارتکاب کیا ہے جوابی طور پر وہ اسے سزا کے طور پر مل جائے۔

اسی طرح "نسوا اللّٰہ" انہوں نے اللہ کو بھلادیا، اللہ نے بھلانے کا انہیں بدلہ دیا سزا دی، اب یہاں "یخدعون اللّٰہ" کا معنی ہوگا کہ انہوں نے اللہ کو دھوکا دینا چاہا، اور اللہ نے ان کے دھوکے کی سزا دی، اب خاص بات یہ کہ وہ اللہ کو دھوکا دینا

۴۴ محبوب یہ سب غیب کی خبریں ہیں، جو اس وقت نہیں ہو رہی ہیں، ہم بذریعہ وحی آپ کو اطلاع فرما رہے ہیں، آپ جسمانی طور پر وہاں موجود نہیں تھے، جب وہ قلمیں ڈال رہے تھے، قرع اندازی کے لیے، قرآن نے قرع اندازی کے لیے قلموں کا ذکر کر دیا ہے، کہ مریم کی کفالت کون کرے گا، پھر وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے، کوئی کہتا تھا کہ میں زیادہ حق دار ہوں، کوئی کہتا تھا کہ میں زیادہ حق دار ہوں، کوئی کہتا تھا کہ اس کو سرے سے یہاں ہونا ہی نہیں چاہیے تھا، اس لیے کہ یہ بچی ہے، رھبان تو سارے بچے ہوتے ہیں، ایک بچی کو اتنے سارے بچوں میں ہم کس طرح رکھ سکتے ہیں، یہ ساری بحثیں تھیں، اب مریم سلام اللہ علیہا کو بشارت ملی، فرشتوں نے کہا کہ اے مریم

۴۵ اذقالت الملائكة ان الله يبشرک ---هذا صراط مستقیم اللہ آپ کو بشارت دیتا ہے، ایک کلمے کی، میں ابھی تشریح کر رہا ہوں، کہ کلمہ اس لیے فرمایا کہ ظاہری اسباب کے ذریعے پیدا نہیں ہوئے تھے، ان کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، اب دیکھا آپ نے کہ مسیح ذاتی نام نہیں ہے، مسیح کا لفظی معنی ہوتا ہے مسح کرنے والا، ہاتھ پھیرنے والا، تو یہ ذاتی نام نہیں ہے، ذاتی نام عیسیٰ ہے، عیسیٰ مریم کا بیٹا، اب اس لفظ مسیح پر دو باتیں آپ کے ذہن میں آنی چاہئیں، مسیح اس لیے کہ مختلف امراض میں وہ جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے، وہ مرض ختم ہو جاتا تھا، قرآن کے اندر سے یہ بات ثابت ہوگئی، کہ آپ اگر کوئی دم کر رہے ہیں تو آپ جسم کے اس حصے پر ہاتھ پھیر دیں، تو یہ اللہ کے ایک نبی کی سنت ہے، اس پر اعتراض کرنا یا اسے عقلی پیمانوں پر تولنا یہ صحیح بات نہیں ہوگی، ہمارے سامنے عقل پیمانہ نہیں قرآن پیمانہ ہے، ایک تو یہ مسیح سے مراد ہے، دوسرا ''مسح فی الارض'' عربی میں آتا ہے، زمین میں چلنا پھرنا سفر کرنا، تو تبلیغی سفر ہوتے ہیں، انہیں بھی ایسے لوگوں کو جو تبلیغ کے لیے نکلتے ہیں، انہیں اس دور میں مسیح کہا جاتا تھا عربی ادب میں، اب مریم کے ذہن میں یہ بات آسکتی تھی، کہ عیسیٰ ہیں تو ان کی نسبت پھر کیا ہوگی، جب شجرہ نسب چلے گا، کس باپ سے ان کی نسبت آئے گی، قرآن نے اس بات کا بھی فیصلہ دے دیا، کہ باقی جہاں بھی منسوب ہوتے ہیں ہوتے رہیں، یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں، اور جہاں بھی قرآن نے نام لیا ہے، لازماً مریم کا نام لیا گیا ہے ابن مریم، اب ابن مریم ہیں تو ان پر طرح طرح کے طنز و تشنیع ہوگی، قرآن نے اس کا جواب یہ دیا، کہ اس بات کی آپ فکر نہ کریں، وہ دنیا میں بڑے صاحب وجاہت اور شان والے ہوں گے، اور آخرت میں بھی ان کا مرتبہ بہت ہی اونچا ہوگا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں، اس کے دربار کے حاضر باش ہیں، لہذا یہ جو آپ کے ذہن میں وہم پڑ رہے ہیں، انہیں دل سے جھٹک دیا جائے، انہیں ذہن سے نکال دیا جائے، ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، اللہ نے اپنے نبیوں کو ''وجیہ'' کہا ہے، وجیہ کا لفظی معنی ہوتا ہے شان والا، وجاہت والا، خوبصورت انداز والا، خوبصورت شکل والا، جب یہ باتیں اکٹھی ہوں تو وہ وجیہ ہوتا ہے، اب ایک صاحب نے ایک کتاب لکھ ماری، یہاں برصغیر میں جو سب سے بڑی نزاعی کتاب ہے جس نے امت کو یہاں دو حصوں میں

Marfat.com

بانٹ دیا ہے، وہ لکھتا ہے، اس بادشاہ کی تو یہ شان ہے کہ اس کے سامنے ساری مخلوق حتیٰ کہ انبیاء جو ہیں وہ بھی چوہڑوں چماروں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں، اس بندے کو یہ نہیں پتہ چلا کہ جو آپ کا رب ہے وہ انہیں وجیہ کہہ رہا ہے وہ انہیں مقرب کہہ رہا ہے، اور تو انہیں چوہڑوں اور چماروں سے تشبیہ دے رہا ہے، کہ وہ اللہ کے سامنے چوہڑے اور چمار ہیں، اب شائد یہ خود چوہڑا یا کوئی چمار ہو جس نے یہ فتنہ کھڑا کیا، اور ساری امت کو دو حصوں میں بانٹ کے رکھ دیا، اللہ کے نبیوں کے لیے زبان کو استعمال کرتے ہوئے سارے آداب کا لحاظ ضروری ہے، ورنہ ایمان چلا جاتا ہے۔

اب ارشاد یہ فرمایا! کہ دنیا میں بھی صاحب وجاہت ہیں اور آخرت میں بھی وہ مقربین میں شامل ہیں، اگلی بات اس کی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے مہد میں بات کرے گا، مہد عربی زبان میں جھولے کو کہتے ہیں، انہوں نے ترجمہ کرتے ہوئے کہا، کہ جب ماں کی گود میں ہو، لیکن زیادہ صحیح ترجمہ اس کا جھولا ہے، آپ اسے پنجابی میں گل گھوٹی بھی کہہ سکتے ہیں، وہ جس انداز میں بچے کو کسی شے میں ڈال کے جھولا جھلایا جائے وہ مہد ہے، اب قرآن نے دوسرے مقام پر اس کی تفسیر کی ہے، کہ جب حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے عیسیٰ کا لفظی معنی ہوتا ہے سردار، یہ عیشو لفظ ہے قدیم تورات میں، اسے عربی میں لائیں تو عیسیٰ کا لفظ بنتا ہے، عیسیٰ کے لفظ کا معنی ہے سردار، محترم اور معزز، قرآن نے کہا کہ وہ پنگھوڑے میں بھی بات کریں گے جب بچہ بات نہیں کرتا، اس کے لیے قرآن نے دوسری جگہ نقشہ ضرور کھینچا، کہ جب ان کی ولادت باسعادت ہوئی، مریمؑ کدھر ہیں گھر میں ہیں، کدھر گئی ہیں کسی نے کہا کہ یہاں سے جا رہی تھیں، پیچھا کیا جب باہر نکل گئے تو عجیب منظر ہے ایک چھوٹی سی وادی ہے، اس میں کھجور کے درخت کے نیچے مائی صاحبہ تشریف فرما ہیں اور معصوم سا بچہ پاس پڑا ہوا ہے قرآن نے کہا! یہ کہاں سے آ گیا وہی جواب تھا جو بے موسم پھل کے لیے جواب تھا کہ اللہ نے دیا ہے لیکن وہاں انہوں نے یہ لفظ واضح لفظوں میں ادا نہیں کیا، **فاشارت الیہ** پھل کے لیے جواب دے دیا کہ اللہ کی طرف سے آیا ہے، بچے کے لیے یہ نہیں کہا، وہاں کہہ دیا کہ **فاشارت الیہ** بچے کی طرف اشارہ کر دیا، لوگ حیران ہوئے کہ ابھی اسے چند گھنٹے ہوئے ہیں اس دنیا میں آئے ہوئے **قالوا** وہ بولے۔ **کیف نکلم من کان فی المھد صبیا** ہم اس سے کیسے بات کریں، جو ابھی پنگھوڑے کا چھوٹا سا بچہ ہے، اب بچے نے ماں کا دفاع کیا، "**قال انی عبداللہ** اس نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں **اتانی الکتب** اللہ مجھے کتاب دے چکا ہے **وجعلنی نبیا** وہ مجھے نبی بنا چکا ہے، اس سے دو باتیں پتہ چلیں، کہ نبی کو آنے سے پہلے کتاب کا علم ہوتا ہے، دوسری بات یہ پتہ چلی کہ وہ اس وقت نبی ہوتا ہے لہٰذا وہ چالیس سال اور چھ ماہ والی بات ہمارے ناسمجھ مورخین نے یا ناسمجھ علماء نے کہہ دی ہے، تو اب انہوں نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں کتاب لے کے آیا ہوں نبی بن کے آیا ہوں، اب وہ مہد میں بولے، مہد میں بولنا تعجب والی بات ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ ادھیڑ عمر کے ہوں گے تو تب بھی باتیں کریں گے، اور وہ باصلاحیت ہوں گے، یہاں ایک نکتہ ذہن میں

Marfat.com

رکھیں، مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب عیسیٰؑ زندہ ہیں، اور وہ آسمان پر ہیں، اس امت کے آخری دور میں وہ آسمان سے واپس اتریں گے، جناب مہدی علیہ السلام کا اور ان کا دور ایک ہوگا، اور یہ دونوں مل کے اسلام کے دفاع کے لیے جہاد کریں گے، اس وقت جب دمشق کی جامع مسجد ابھی تعمیر بھی نہیں ہوئی تھی، یہ تو بعد کی بات ہے، تو سرکارؐ نے یہ ارشاد فرمایا تھا! کہ دمشق کی مسجد کے مشرقی مینار پر عیسیٰؑ آ کے اتریں گے، یہ عصر کا وقت ہوگا، تمہارا امام تمہارے اندر ہی ہوگا حضرت مہدی تمہاری قیادت کر رہے ہوں گے جب وہ نیچے اتریں گے، حضرت مہدی انہیں نماز پڑھانے کے لیے کہیں گے اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت مہدی کو یہ پتہ ہے کہ یہ لا الہ الا اللہ پڑھ کے آئے ہیں، وہ کہیں گے نہیں امامت کے مستحق آپ لوگ ہی ہیں میں آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا اس کے علاوہ بے شمار دفعہ سرکارؐ نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا، جب یہ 53 کی مرزائی تحریک میں مولانا مودودی اور مولانا عبدالستار خان نیازی وغیرہ کو سزائے موت ہوگئی تھی، تو اس وقت جو عدالت میں بیان آئے مودودی صاحب کے وہ تین بیان تھے، ایک بیان میں انہوں نے ساری حدیثیں اکٹھی کی تھیں، جو حضرت عیسیٰؑ کی حیات طیبہ پر ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ مولانا مودودی صاحب نے جو علمی کام کیا ہے، یہ چھوٹا سا بیان ان سب علمی کاموں سے ٹاپ پر ہے، کہ کم از کم ایسی ساری حدیثیں ایک جگہ پر اکٹھی ہوگئی ہیں، جو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہیں، اب یہاں اس زندگی کے بارے میں قرآن نے صرف اشاروں سے بات کی ہے، میں ان اشاروں کی نشاندہی اس لیے کر رہا ہوں، کہ مرزائیت کے خلاف آپ کے ذہن میں اسلامی نظریات آسکیں، اب ایک چھوٹی سی بات ہے، قرآن نے کہا کہ وہ ادھیڑ عمر میں لوگوں سے باتیں کرے گا، آپ میں کتنے سارے بندے بیٹھے ہیں جو ادھیڑ عمر کے ہیں، یہ سارے اس بات کے قائل ہیں تعجب کی بات نہیں ہے، تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں نہ رہیں اور آسمان پر چلے جائیں، اور ہزار ہا سال کے بعد واپس آئیں اور اس دور کی زبان انہیں آتی ہو، اور اس دور کی زبان میں وہ لوگوں سے باتیں کر رہے ہوں، یہ بات بنے تب تعجب کی بات بنتی ہے، یہ بات نہیں ہے تو تعجب کی بات ہی نہیں ہے، اب جب وہ اس دنیا سے اٹھائے گئے ہیں آسمان کی طرف تو ان کی ساری عمر 33 سال تھی، 33 سال میں ادھیڑ عمر کا بندہ نہیں ہوتا، یہ تو جوانی کا شباب ہے، یہ جوانی کا دور ہے، اب مائی صاحبہ نے بھی کہا، کہ اللہ میرا کیسے بیٹا ہوگا، مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں، رب نے فرمایا بات ایسی ہی ہے۔ **کذلک** کہہ کے رب نے یہ بات کہہ دی کہ مریمؑ پاک دامن ہیں، اب مرزے کے وہ سارے بکواسات جہنم میں چلے گئے، جن میں اس نے کہا ہے کہ ایک یوسف نامی تھا، جو ترکھانوں کا کام کرتا تھا، مریمؑ کی اس سے شادی ہوگئی تھی، اور حضرت عیسیٰؑ جو ہیں، وہ اس یوسف نجار کے بیٹے ہیں، اس کم بخت کے بچے کو حیا بھی نہیں آئی، کہ قرآن بار بار کہتا ہے کہ ''عیسیٰؑ ابن مریمؑ'' تو یہ یوسف نجار درمیان میں کہاں سے آ گیا، یہ یہودیوں اور عیسائیوں کے نظریات تھے، جو اس نام نہاد متنبی نے مسلمانوں کے سامنے بیان کیے۔ تو قرآن نے کہا **کذلک** بات ایسی ہی ہے، جیسے

Marfat.com

مریمؑ آپ کہہ رہی ہیں، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے،، حضرت زکریاؑ کے ساتھ **یخلق** کا لفظ نہیں آیا، وہاں **یفعل** کا لفظ آیا ہے، کہ اللہ کرتا ہے، جس طرح چاہتا ہے، وہ ظاہری اسباب کے تابع بات تھی، زکریاؑ بھی موجود تھے اور ان کی بیگم صاحبہ بھی موجود تھیں، وہ ظاہری اسباب سے پیدا ہوئے تھے، لہذا وہاں **یفعل** کا لفظ آیا ہے، یہاں نرالی بات تھی کہ باپ نہیں ہے، وہ پیدا ہوئے ہیں تو **یخلق** کا لفظ استعمال ہوا ہے، جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا تو وہ بات ہو جاتی ہے، اگلی بات یہ تھی کہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا، اسے تورات اور انجیل کی بھی تعلیم دے گا، اب یہاں چار چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ ا۔ تورات ۲۔ انجیل

تورات ان سے پہلے نازل ہو چکی تھی لہذا اس کا انہیں علم ہونا چاہیے تھا، انجیل خود ان پر نازل ہوئی ہے، لہذا اس کا بھی علم ہو گیا، قرآن نے جہاں بھی کتاب اور حکمت کا لفظ استعمال کیا ہے، کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد عمل مصطفیٰ ﷺ ہے، اب ابھی قرآن نازل نہیں ہوا ہے، ابھی حکمت والا آیا ہی نہیں ہے، تو پتہ یہ چلا کہ جناب عیسیٰؑ نے واپس آنا ہے، قرآن اور حکمت پر آ کے عمل کرنا ہے، لہذا یہ دوسرا اشارہ ہو گیا کہ وہ وصال نہیں فرما چکے ابھی زندہ ہیں، قرآن نے پچیسویں پارے میں کہا ۔"**وانه لعلم للساعة فلا تمترن بها**" (عیسیٰؑ تو قیامت کی ایک نشانی ہیں، اس میں شک نہ کرو) اس کا مطلب ہے کہ قیامت سے پہلے انہوں نے آنا ہے، اور قیامت کا نشان بننا ہے، ابھی اس متن میں اور بھی چیزیں آ رہی ہیں، لیکن میں تھوڑی سی ایک اور آیت کو ساتھ ملا دینا چاہتا ہوں، وہ دوسری آیت یہ ہے، کہ رب کریم نے ان کی ولادت کا ذکر فرمایا، مائی صاحبہ ایک الگ تھلگ کمرے میں غسل فرما رہی تھیں، عین غسل فرمانے کے بعد جب وہ کپڑے پہن چکیں تو جناب جبرائیل وہاں تشریف لائے ، مائی صاحبہ نے جونہی دیکھا ، کمرہ بند ہے اندر سے کنڈی لگی ہوئی ہے، تو یہ ایک انسان یہاں کیسے آ گیا ہے، قرآن کہتا ہے ۔**فتمثل لها بشرا سويا ٹھیک ٹھاک بشری شکل میں سامنے آئے**۔ وہ کہنے لگیں کہ اللہ کی پناہ اگر تم میں تقوی ہے آپ یہاں میرے اس خلوت گدے میں کیسے آئے ہیں انہوں نے کہا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں، **لاهب لک غلاما ذکیا میں تجھے ایک ایسا بیٹا دینے آیا ہوں، جو بڑا ذہین وفطین اور بڑی صلاحیتوں والا ہوگا**

اللہ تعالیٰ نے جناب جبرائیل کو بھیجا لیکن نسبت اپنی طرف کی ہے **لاهب لک** تا کہ میں تجھے عطا کروں۔ اب دیتا تو اللہ ہے جب نسبت کسی اور کی طرف کر دیتا ہے تو اللہ کی عطائیگی میں فرق نہیں پیدا ہوتا ہے، اور نہ ہی یہ شرک ہوگا، ورنہ جناب جبرائیل کو آپ مشرک کہیں گے، کہ آپ نے اپنی طرف اس بات کی نسبت کیوں کر دی ہے۔ اور ابھی آگے جناب عیسیٰؑ خدا جانے کتنی باتوں کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں، آپ نے اس وقت دو باتیں ذہن میں رکھنی ہیں، کہ یہ مجاز ہے، مجازی انداز سے وہ بات کر رہے ہیں حقیقت میں دینے والا اللہ ہے، لیکن نسبت انہوں نے اپنی طرف کر لی ہے، آپ بچے کو لے کے جاتے ہیں استاد کہتا

ہے کہ بیٹا آپ روزانہ حاضر رہیں گے تو میں آپ کو پڑھادوں گا، پڑھانے والا استاد تو نہیں ہے، علم تو اللہ عطا کرنے والا ہے، لیکن یہ نسبت مجازی ہے، اس مجاز اور حقیقت میں فرق نہیں کریں گے تو قدم قدم پر ٹھوکر کھائیں گے، اور تنگ نظر اور ظاہر پرست علماء جب اس راستے پر سے گزرے ہیں تو قدم قدم پر ٹھوکر کھا کے لوگوں کو مشرک اور کافر کہا ہے، اب جناب جبرائیل نے بچے کا دینا اپنی طرف منسوب کردیا اور یہ بات قرآن کے اندر آگئی ہے، لیکن دوسری بات آپ دیکھیں، کہ بشر اور نور کا جھگڑا آپس میں علماء نے دو گروپ بن کے کیا ہوا ہے، ایک کہتا ہے کہ سرکار نور ہیں، دوسرا کہتا ہے کہ بشر ہیں، جبرائیل کے نور ہونے میں کسی کو بھی شک نہیں ہے، اور وہ جو نور ہے وہ کہہ رہا ہے، اس کے لیے قرآن کہہ رہا ہے **فتمثّل لها بشرا سويًا** (ٹھیک ٹھاک بشری شکل میں وہ سامنے آئے) تو جب وہ بشری شکل میں تھے تو نور نہیں رہے تھے، یقیناً نور تھے، تو پتہ یہ چلا کہ بشر اور نور آپس میں ضد نہیں ہیں، بشر ہوتے ہوئے بھی نور ہوسکتا ہے، اور نور ہوتے ہوئے بھی بشر ہوسکتا ہے، اب خدا جانے انہوں نے خواہ مخواہ قوم کو کیوں جھگڑے میں ڈال رکھا ہے۔

اب جناب عیسیٰؑ کی چند صفات اللہ تعالیٰ نے یہاں پھر گنوادی ہیں، وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوں گے، جناب عیسیٰؑ نے بذات خود جو بات کہی تھی، وہ آج بھی ان لفظوں میں انجیل میں موجود ہے، فرماتے ہیں، اس نے جواب میں کہا جب ان سے پوچھا گیا تھا کہ آپ کن کے نبی ہیں کہا میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی باب نمبر 15 آیت نمبر 25) اور اسی کو اس متی میں باب 10 آیت نمبر 5 تا 8 تک بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے انہوں نے کہ صرف اسرائیلیوں کے لیے آیا ہوں، اب جو صرف اسرائیلیوں کے لیے آیا ہے، اس کے مرید مختلف سکیموں کے تحت ساری دنیا میں غیر اسرائیلیوں کو اسرائیلی بنانے کی کوشش میں ملوث ہیں، اب یہ ان کے مذہب میں جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی کہہ رہا ہے کہا کہ میں صرف اسرائیلیوں کے لیے آیا ہوں، میں کسی اور کے لیے نہیں آیا، اگر اس کے غلام کسی اور کو دعوت دیتے ہیں، تو اسرائیل کی تعلیمات کے مخالف جارہے ہیں، یہ وجہ کیوں پیدا ہوئی، کہ عالمین کے لیے ایک آیا تھا، انہوں نے کہا کہ وہ بات تمہارے پاس ہے نہیں، کسی طرح انہیں عالمین کے لیے ثابت کیا جائے، تو غیر اسرائیلیوں کو دعوت دی جارہی ہے، حالانکہ یہ بات نہیں ہے، میں کل جمعہ کے خطبے میں ایک لطیفہ سنا رہا تھا، کہ یہاں ایک پادری آیا، جگہ جگہ وہ لوگوں سے مناظرے کرتا پھر رہا تھا، ایک مولوی صاحب نے اس سے مناظرہ رکھا، پادری کو کہا کہ دلائل دے، جناب مسیح کے بارے میں، وہ بولتا رہا، وہ تقریباً پہلے 30 منٹ تک بولا مولوی صاحب نے کہا کہ اور بولیں پھر تقریباً 15 منٹ اور بولا پھر اسی طرح تقریباً وہ 2 گھنٹے تک بول چکا تو کہنے لگا کہ میرا خیال ہے کہ اب کوئی شے نہیں رہ گئی مولوی اس کے قریب گیا اور قریب جا کے بڑا زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا، اس نے عدالت میں کیس کردیا، کہ اس نے میری ہتک عزت کی ہے، سینکڑوں افراد کے مجمع میں اس نے میرے منہ

Marfat.com

پر چانٹا مارا ہے، عدالت نے علامہ صاحب کو بلایا وہ جب وہاں عدالت میں گئے، آپ نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا ہے جی میں نے اسے مارا مجھے اس سے ایک بات پوچھنے دیں یہ انجیل ہے اس میں لکھا ہے کہ جناب مسیح نے فرمایا جب تمہیں کوئی منہ پر تھپڑ مار دے دائیں گال پر تو آپ بایاں گال پیش کر دیں لیکن جوابی تھپڑ نہیں مارنا تو اس نے عیسائی تعلیم پر عمل نہیں کیا یہ تو انجیل کا منکر ہے جب میں نے اس کے منہ پر دائیں گال پر تھپڑ مارا تھا تو اسے چاہیے تھا کہ یہ میرے سامنے بایاں گال پیش کرتا اب میں جج صاحب سے درخواست کرتا ہوں جج بھی اتفاقاً عیسائی تھا اب یہ مجھے ذرا عیسائی ہونے کا ثبوب مہیا کرے کہ ایک تھپڑ وہاں کھایا ہے تو دوسرے تھپڑ کے لیے یہ یہاں اپنا منہ پیش کرے تاکہ عیسائی تعلیمات پر عمل پورا ہو سکے تو اب وہ بات جزوی تھی اسے کل ثابت کرنے کے لیے عیسائیت پورا زور لگا رہی ہے اب میں پنجابی کا چھوٹا سا لفظ بولنے لگا ہوں اساں نوں تے چھوٹی وچ پانی پا کے مر جانا چاہیدا کہ جو امتی عالمین کے لیے رحمت ہیں وہ تو خاموشی سے بیٹھے ہوئے ہیں ایک دوسرے کو مشرک اور منکر قرار دینے کے لیے اور جن کے نبی کا یہ طریقہ کار نہیں ہے وہ کائنات کو خالی سمجھ کے جو کائنات کا نبی نہیں تھا، اسے کائنات کو نبی ثابت کرنے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں اللہ نے فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل کا رسول ہے، جب وہ آئے گا تو کہے گا کہ میں رب کی طرف سے نشانیاں لے کے آیا ہوں، یہاں اللہ کریم نے ان کی چند باتیں ذکر کی ہیں۔

پہلی بات، یہ معجزات ہیں جناب عیسیٰؑ کے، یہاں پانچ معجزے آئے ہیں۔

۱۔ یہ پہلا معجزہ ہے جناب عیسیٰؑ کا وہ کہتے ہیں کہ میں گیلی مٹی سے پرندے کی شکل بناؤں گا پھر میں اس میں پھونک ماروں گا، وہ اللہ کی مرضی سے پرندے بن کر اڑ جائیں گے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ مادرزاد اندھا ہے، وہ میرے پاس آ کے بینا ہو جائے گا۔

۳۔ تیسرا معجزہ یہ ہے کہ جو برص والا ہے میں اس پر ہاتھ پھیروں گا وہ ٹھیک ہو جائے گا۔

۴۔ چوتھا معجزہ یہ ہے کہ میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔

یہ چار معجزے وہ تھے جو عملی تھے، پانچواں معجزہ وہ ہے جو علمی ہے۔ اس کے لیے فرمایا!

۵۔ کہ میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کھا کے میری محفل میں آئے ہو کتنے نوالے لیے ہیں کیا کیا کھایا ہے اور جو گھر میں چھوڑ کے آئے ہو وہ بھی بتا دوں گا اگر تم میں ایمان ہے تو ان باتوں کے بعد تمہیں حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے۔ اگلی بات یہ ہے کہ جو مجھ سے پہلی کتاب ہے میں اسکی بھی تصدیق کروں گا اور جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان میں سے کچھ چیزوں کو حلال قرار دے دوں گا۔

آپ دیکھیں اور آپ غور فرمائیں، کہ انہوں نے کیا کیا فرمایا! میں مٹی سے پرندے بنا کے پھونک دوں گا وہ اڑ جائیں گے، میں بناؤں گا اپنی طرف نسبت کی ہے، میں مادرزاد اندھے کو ٹھیک کر دوں گا، کوڑھی کو میں ٹھیک کر دوں گا، میں اللہ کے حکم

Marfat.com

سے مردوں کو زندہ کر دوں گا، ان سب کی نسبت انہوں نے اپنی طرف کی ہے، کہ یہ مجاز ہے، باذن اللہ میں آ کے اس حقیقت کو واشگاف کر دیا ہے، میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کھا کے آئے ہو، جو گھر چھوڑ کے آئے ہو وہ بھی بتا دوں گا، یہ وہ ساری باتیں ہیں جو غیب سے متعلق ہیں، اور اللہ اپنے نبیوں کو کس کس انداز سے غیب بتاتا ہے، یہاں اس کی وضاحت ہو گئی ہے، میرا مشن یہ ہے کہ میں پہلی کتاب کی تصدیق کرتا ہوں، ہر نبی پہلے کی تصدیق کرتا ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے پچھلے نے کسی پہلے کے ایک لفظ کی بھی تکذیب کی ہو تو اس کی کہیں مثال موجود نہیں ہے، کچھ چیزیں جو تم پر حرام ہیں، وہ اب میں حلال قرار دے دوں گا، اسی کو سرکارؐ نے اپنے انداز سے بیان فرمایا، جس کو میں حرام قرار دیتا ہوں وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح قرآن نے کسی کو حرام قرار دے دیا ہو، میں اکثر علماء حضرات سے پوچھتا ہوں، کہ اگر سرکارؐ کو اختیار نہیں ہے، تو الحمد سے لیکر والناس تک اگر کہیں آیت مل جائے تو مجھے بتا دیں، تو اب نوعیت یہ ہے کہ جو چیز اللہ حرام کرے وہ بھی حرام ہے، جو اللہ کا رسول حرام کرے وہ بھی حرام ہے، فرمایا میں تمہارے پاس نشانی لے کے آیا ہوں، اللہ سے ڈرو میری فرمانبرداری کرو، مجھے کل خدا نہ مان لینا، دیکھا کس طرح پیش بندی فرمائی ہے، جو مستقبل میں بات ہونے والی تھی، انہیں اللہ کا بیٹا کہہ کے، کہ اللہ مجھے بھی کمال تک پہنچانے والا ہے، تمہیں بھی کمال تک پہنچانے والا ہے، رب کا ہم نے معنی پروردگار کیا ہے پالنے والا کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ صحیح معنی یہ ہے کہ تربیت کر کے کمال تک پہنچانے والا ہے، مجھے بھی کمال تک پہنچانے والا ہے تمہیں بھی کمال تک پہنچانے والا ہے، اللہ کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے، مجھے خدا نہ مانو، سرکار بھی اس دنیا سے جا رہے تھے، تو ارشاد فرما رہے تھے، کہ میرے بعد عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح مجھے اللہ بھی نہ کہنا اور اللہ کا بیٹا بھی نہ کہنا، یہ وہ بات ہے جو انبیاء علیہ السلام کی تعلیمات میں شامل ہے۔

۞ فَلَمَّآ أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ
جب عیسیٰؑ نے ان کی طرف سے کفر محسوس کیا ۵۲
الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ
تو کہنے لگے۔ کون ہے جو اللہ کے راستے میں میری مدد کرے، حواری بولے ہم

Marfat.com

أَنصَارُ ٱللَّهِ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَٱشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۵۲﴾

اللہ کے راستے میں آپ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، آپ اس بات کے گواہ رہیے، کہ یقیناً ہم فرمانبردار اور مسلم ہیں

رَبَّنَآ ءَامَنَّا بِمَآ أَنزَلْتَ وَٱتَّبَعْنَا ٱلرَّسُولَ فَٱكْتُبْنَا مَعَ

اے ہمارے پروردگار ہم اس پر ایمان لائے، جو آپ نے اتارا، اور ہم نے رسول یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی، ہمیں آپ لکھ لیں

ٱلشَّٰهِدِينَ ﴿۵۳﴾ گواہوں میں

وَمَكَرُوا۟ وَمَكَرَ ٱللَّهُ ۖ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلْمَٰكِرِينَ ﴿۵۴﴾

انہوں نے چال چلی، اللہ کریم نے خفیہ تدبیر فرمائی، اللہ کی خفیہ تدبیریں بہت ہی بہتر ہوتی ہیں

إِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَىٰٓ إِنِّى مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ

اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ کریم نے فرمایا، اے عیسیٰ میں آپ کو پوری طرح لے جانے والا ہوں، اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں

إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَجَاعِلُ ٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوكَ

آپ کو ان لوگوں سے پاک کردوں گا جو کافر ہیں، آپ کے فرمانبردار

فَوْقَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ ۖ ثُمَّ إِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ

ان لوگوں پر غالب رہیں گے قیامت تک، جنہوں نے آپ کا انکار کیا، پھر میری طرف ہی تم سب کی واپسی ہے

فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۵۵﴾

میں تمہارے درمیان فیصلے فرماؤں گا ان چیزوں کا جن میں تم آپس میں اختلاف کرتے ہو

فَأَمَّا ٱلَّذِينَ تو جو لوگ

كَفَرُوا۟ فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ وَمَا

کافر ہو گئے ہیں میں انہیں دنیا اور آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا کردوں گا

Marfat.com

لَهُم مِّن نَّٰصِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ

،اوران کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا،اور جو لوگ ایمان والے ہیں،اوران کے عمل

ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥٧﴾

صالح ہیں،اللہ انہیں پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا،اللہ ظالموں کو پسند نہیں فرمایا کرتا ۳۵

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ ٱلْءَايَٰتِ وَٱلذِّكْرِ ٱلْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾

ہم آپ پر یہ آیات اور حکیمانہ ذکر تلاوت فرمارہے ہیں

۳۴ فلمّا احسّ عیسیٰ منھم الکفر.......من الایٰت والذکر الحکیم

آپ ان واقعات کو گزشتہ گزارشات میں سن چکے ہیں، جو واقعات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے پیش کیے تھے،جب آپ نے ان کے بدلے ہوئے تیور دیکھے،احساس فرمایا کہ یہ کفر کو چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں،تو آپ نے ایک کھلے مجمع میں اپنے ساتھیوں سے یہ بات کہی کہ میں راہ خدا کا داعی ہوں یہ بتایئے کہ تم میں سے کون کون سے حضرات راہ خدا میں میرا ساتھ دے سکتے ہیں حواری بولے راہ خدا کے لیے ہم ہر قسم کی مدد آپ کے لیے پیش کریں گے یہاں جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے،جس طرح ہمارے رسول اقدسؐ کے ساتھیوں کو صحابی کہا جاتا ہے،اسی طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو حواری کہا جاتا تھا،سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اپنے کچھ صحابہ کو حواری کے لفظ سے نوازا ہے کہ فلاں فلاں جنت میں میرے حواری ہوں گے،اور خاص طور پر سیدنا طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرکار کریمؐ نے نام لیا،یہ حدیث کی ساری کتابوں میں موجود ہے،انہوں نے بانگ دہل یہ بات کہی کہ آپ کی دعوت پر ہم اللہ تعالیٰ کو مان چکے ہیں،اور اس پر ایمان لا چکے ہیں،آپ سے ہماری گزارش یہ ہے کہ آپ ہمارے مسلمان ہونے کے گواہ رہیں،یہاں سے ضمنی طور پر جو نکتہ نکلتا ہے،وہ یہ ہے کہ نبی امت کے ایمان کا گواہ ہوتا ہے،اور یہ ضروری ہے،کہ امتی کے ایمان کے مدارج کو نبی جانتا ہو،دیکھیں نا ہمارا کوئی بندہ اس ظاہری دنیا میں اس لیے گواہ نہیں بن سکتا،کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے،اور دلی کیفیات کو لوگ جانتے نہیں ہیں،اور پھر اگر ہمارے ایمان کا شاہد ہمارا نبی بھی نہ ہو تو ہمارے ایمان کی شہادت ختم ہو جائیگی،اس آیت کے ضمن میں یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے،کہ ایک سابقہ نبی کے غلاموں نے یہ بات نبی سے کہی کہ آپ ہمارے ایمان کی گواہی دیں گے،اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے ایمان کی گواہی دیں گے،اس کے لیے جو ضروری بات ہے،وہ یہ ہے،کہ جب تک گواہ کو ایک واقعہ کا علم نہیں ہوتا تو وہ گواہی نہیں دے سکتا،کہ سرکار ہمارے ایمان کے اسی انداز سے گواہ ہیں کہ آپ ہمارے ایمان کی کیفیات کو جانتے ہیں ،پھر اس کے ساتھ کچھ حدیث پاک کو ملا لیا جائے۔

Marfat.com

کہ میری امت کے اعمال ہفتے میں دو دن میرے سامنے پیش ہوتے ہیں، ایک سوموار کا دن ہوتا ہے، ایک جمعہ کا دن ہوتا ہے، ان دو دنوں میں سرکارؐ کے سامنے امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں، اب یہاں دو باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں، ایک براہ راست جاننا، اور ایک اعمال کا پیش ہونا، کیا ان پیش ہونے والے اعمال کے علاوہ بھی سرکارؐ کو اس پیشی سے پہلے پتہ ہوتا ہے یا نہیں، اولیاء امت کا اس سلسلے میں اجماع ہے، کہ سرکارؐ کو ان اعمال کی پیشی سے پہلے ان اعمال کا پتہ ہوتا ہے، یہ تو ایک سرکاری روٹین ہے، کہ خطوط دفتر میں کب پہنچیں گے، کہ جو کچھ اللہ کے فرشتوں نے پیش کرنا ہے، وہ اس انداز سے ہے، اب یہاں ایک چھوٹی سی بات ہے، ہمارے علماء تنگ نظری سے بات بات پر شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ اگر فرشتے کو پتہ لگ جائے آپ کے نامہ اعمال کا تو وہ سرکار کی خدمت میں لے جائے، اور یہ شرک نہ ہوگا، تو جو فرشتے سے یقیناً اتنے اعلیٰ اور ارفع ہیں کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، اس نامہ اعمال لے جانے والے فرشتے کے مقام اور سرکارؐ کے مقام میں کتنا فرق ہے، تو یہ کیسا شرک ہے، علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس حدیث کو یوں نقل کیا ہے، کہ سرکار کریمؐ کے مزار اقدس پر ایک فرشتہ ہے، جس کے علم کی وسعتیں یہ ہیں، کہ دنیا کے جس گوشے میں بھی سرکار کریم کا کوئی نام لیتا ہے درود پیش کرتا ہے، وہ فرشتہ بتا تا رہتا ہے، کہ فلاں آپ کا امتی فلاں کا بیٹا آپ پر درود پیش کر رہا ہے، جو ضروری سوال یہاں پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس فرشتے کے پاس اتنا وسیع علم ہو تب تو شرک نہ ہو، اور سرکارؐ کا علم اتنا وسیع ہو جائے تو اسے شرک قرار دے دیا جائے، حالانکہ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے، مسلمانوں کے سب طبقات میں سے کہ سرکارؐ کا مرتبہ اللہ کریم کے بعد سب نبیوں سب فرشتوں سے برتر و اعلیٰ ہے، تو مفضول کے لیے جو بات ماننا آپ جائز قرار دے دیتے ہیں، وہ افضل کے لیے جائز کیوں نہیں قرار دے سکتے، ان باتوں پر مقام رسالت سے بے خبری کی حالت میں یہ کہہ دیا جائے کہ اگر یہ بات کہہ دو گے تو یہ شرک ہوگا، تو یہ سینہ زوری ہے، اب انہوں نے دعائیہ الفاظ استعمال کیے، جناب عیسیٰؑ کے حواری اللہ کریم سے عرض کرنے لگے، اللہ جو کلام آپ نے ہمارے نبی پر نازل کیا ہے انجیل کی شکل میں، ہمارا اس پر ایمان ہے، ہم رسول کے پیروکار ہیں، اس لفظ رسول سے مراد سیدنا عیسیٰؑ ہیں عربی زبان میں جب کسی لفظ پر الف لام آ جائے، تو اس کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے، کہ بولنے والے اور سننے والے کے درمیان مطلب متعین ہے، وہ صرف لام کو بول دے تو الف لام عہد خارجی کہتے ہیں، تو یہ الف لام جو رسول پر ہے، یہ عہد خارجی ہے، رب کو پتہ ہے کہ لوگ رسول سے کیا عہد لے رہے ہیں، اور انہیں بھی پتہ ہے کہ لفظ رسول سے مراد حضرت ابراہیمؑ نہیں ہیں، حضرت عیسیٰؑ ہیں، اللہ تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے کہ ہم نے تیرے نبی کی رسالت کی گواہی دی ہے، یعنی نبی سے اپنے ایمان کی گواہی کے طالب ہیں، اور خود نبی کی رسالت کے اقراری ہیں اور اس بات کے گواہ ہیں، تو یہاں بھی ہمیں یہ بات پتہ چلی، کہ نبی کی نبوت کا گواہ اس کا غلام ہوتا ہے، کیوں ہوتا ہے، کہ اس نے ان کی عظمتوں کو تسلیم کر کے ان کی نبوت کو مانا ہے، کہ وہ اللہ کی توحید کے ساتھ ان کی رسالت

Marfat.com

چاہتے ہیں تو وہ اللہ کو دھوکا نہیں دے رہے تھے، بلکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دھوکا دینا چاہتے تھے، جو سرکار علیہ السلام کو دھوکہ دے اللہ اسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے، کئی جگہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی، زبان کے بولنے کی نسبت اپنی طرف کی۔ **"والذین امنوا"** اور ایمان داروں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ **"ومایخدعون"** وہ دھوکہ نہیں دیتے۔ **"الا انفسھم "** مگر اپنی جانوں کو۔ پہلا ایک جملہ نفی ہوجائے، اس کے بعد اثبات کردیا جاتا ہے، جہاں بھی ایسی عبارت آتی ہے، وہ حصر کا فائدہ دیتی ہے، اصل ترجمہ ہے کہ وہ صرف اور صرف اپنی جانوں کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں۔

"ومایشعرون" اور انہیں شعور نہیں۔ کہ دھوکہ دیتے ہوئے وہ جس راستے پر چل رہے ہیں یہ دھوکہ پلٹ کر انہیں پر پڑے گا، اسلام کا بول بالا ہوگا۔ منافق ایسا کیوں کرتے ہیں، پتہ چلا دل وزبان میں ایک بات نہیں اور اس ملمع سازی کے لیے وہ بے پناہ جتن کر رہے تھے، یہ انسانی نفسیات ہے، کہ وہ جب غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے تو خدا جانے اس کو کس کس انداز سے گل کاری کرکے لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، اس لیے داناؤں نے کہا ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں ۔اس بات کو بنیاد بنا کر فرمایا۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ
ان کے دِلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھادی
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾
اور ان کے لیے دردناک عذاب (تیار) ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۱۹

۱۹ **"فی قلوبھم مرض "** ان کے دلوں میں بیماری ہے، مرض ہم 'ض' سے پڑھتے ہیں عربوں میں اسے 'ض' نہیں پڑھا جاتا تھا، اور قرآن چونکہ لغتِ قریش میں نازل ہوا وہ اسے 'ض' نہیں پڑھتے۔ صوبہ نجد میں 'ض' پڑھا جاتا تھا، تو موجودہ حکومت جو نجد سے متعلق ہے ابتداء میں انہوں نے 'ض' پڑھا، اس کا اثر برصغیر میں مختلف طبقات پر پڑا اور اسے 'ض' پڑھا گیا، آج سے چند سال قبل سعودی حکومت نے ایک نوٹس جاری کیا کہ آج سے ہم 'ض' نہیں پڑھیں گے، اس لیے کہ قرآن ہماری زبان میں نازل نہیں ہوا۔ بلکہ زبانِ قریش میں نازل ہوا ہے، اب حرم پاک میں پیش امام اسے 'ض' نہیں پڑھتے۔ تو جامعۃ الازہر مصر اور باقی عربوں نے اسے 'ض' نہیں پڑھا، ان کے ایک نمائندے سے میری ملاقات ہوئی میں نے 'ض' پڑھا اس نے اعتراض کیا، میں نے کہا جناب صبح کے بھولے شام کو گھر آجاتے ہیں تو بھولے نہیں کہلاتے۔ آپ لوگوں نے ہی ہمیں 'ض' پڑھایا تھا۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے بیماری یہ ہے کہ

Marfat.com

کا اقرار کرتا ہے، قرآن نے ان کا واقعہ نقل کرنے کے بعد آگے واقعہ کی تکمیل ان لفظوں میں ارشاد فرمائی۔

۳۵ کہ انہوں نے بھی چال چلی، اللہ نے بھی خفیہ تدبیر فرمائی، ان کی چال یہ تھی کہ جناب عیسیٰؑ کو شہید کر دیا جائے، اللہ کی خفیہ تدبیر یہ تھی، کہ عیسیٰؑ ان کی گرفت میں نہ آئیں، انہوں نے ظاہری انداز سے تکمیل کر لی ساری بات کی، کہ عیسیٰؑ کو ہم نے مار دیا ہے، اللہ کریم کی خفیہ تدبیر اس انداز سے آئی، کہ کوئی اس بات پر قادر نہ ہو سکے، اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کو وہ شہید نہ کر سکیں، قرآن کے چھٹے پارے میں کہا۔ **"وماقتلوہ یقینا"** انہوں نے بالیقین عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا ہے **"بل رفعہ اللہ الیہ"** اللہ نے عیسیٰؑ کو اپنی طرف اٹھالیا ہے، اب اگلی آیت میں ان کے مکر کے بعد اللہ کریم نے جو خفیہ تدبیر فرمائی، اس کی اطلاع اپنے رسول کو دے دی، اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے، جب اللہ نے فرمایا کہ میں آپ کو اٹھا لینے والا ہوں، متوفی کے دو معنے کیے ہیں لوگوں نے، ایک اس کا حقیقی معنی ہے اور ایک مجازی معنی ہے، ایک نکتے کی بات عرض کرنے لگا ہوں، قاعدہ یہ ہے، کہ جس جگہ حقیقی معنی مراد لیا جا سکتا ہو، وہاں مجازی معنی مراد نہیں لیا جا سکتا، اور اگر کوئی قرینہ ہو کہ یہاں آپ اس کا حقیقی معنی مراد نہیں لے سکتے، تو پھر مجازی معنی مراد ہوتا ہے، جب ہم لغت کی طرف بڑھتے ہیں، تو اس کے حقیقی معنی کیا ہیں، اس کے لیے میں دو تین تفسیروں کے حوالے دوں گا، علامہ قرطبی نے لکھا **توفاہ ای لم یدع منہ شیئا** کسی کو اس طریقہ سے لینا کہ اس کا کوئی حصہ پیچھے باقی نہ رہے، وہ سارے کا سارا اٹھا لیا جائے، یہ کہاں ہوگا، جہاں چیز اجزا بن جائے، مثلاً کہیں آٹھ دس پھل پڑے ہیں، وہ سارے آپ اٹھائیں گے تو یہ کہا جائے گا، **توفی فواکھا** اس نے سارے دانے پھل کے اٹھا لیے ہیں، لیکن اگر وہ قابل تجزیہ نہیں ہے، ایک ہی شے ہے، کہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے، اسے ساری کیفیات کے ساتھ اٹھا لیا جائے، اب انسان ہے، اس میں دو چیزیں ہیں، ایک اس کی روح ہے، اور ایک اس کا جسم ہے، جب آپ اسے اسی طرح اٹھائیں کہ روح اور جسم دونوں اٹھ جائیں، تو یہ کہا جائے گا۔ **توفی حمید خالدا** حمید نے خالد کو اٹھا لیا ہے، تو اس صورت میں یہ اس کا حقیقی معنی ہے، یہی بات ہے، جو قرطبی نے لکھی ہے، اور یہی بات ہے جو بیضاوی نے لکھی ہے، میں ان کی عبارت اس لیے نہیں پڑھنا چاہتا کہ وقت بچا کے دو تین آیتیں آگے نکل جاؤں، اور یہی بات ہے جو ابن جریر نے لکھی ہے، اور یہی بات ہے جو مفردات میں امام راغب اصفہانی نے لکھی ہے، تو یہ ہمارے چار وہ عظماء ہیں، یہ بات کشاف میں علامہ زمخشری نے لکھی ہے، اسی بات کو تفسیر کبیر میں فخر الدین رازی نے لیا ہے، تو یہ ہمارے قدیم مفسرین ہیں، جو عربی کے زبردست ماہر ہیں، چھ آدمی ہیں جو چھ کے چھ کہتے ہیں کہ اس کا حقیقی معنی یہ ہے، کہ کسی چیز کو پورے کا پورا اٹھا لینا اگرچہ اس کے اجزاء الگ الگ ہیں، اور اگر اجزاء الگ الگ نہیں ہیں، تو اس کی جو کیفیات ہیں، ان ساری کیفیات سمیت اٹھا لینا، یہ ہے اس کا حقیقی معنی، اور اس کا مجازی معنی کیا ہے، کہ کسی کو وفات دے دینا، کسی کا مر جانا، اس مجاز کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں علامہ قرطبی نے، وہ یہ ہیں **ومن المجاز ادرکۃ الوفاۃ**

Marfat.com

ای الموت والمنیۃ ' مجازی معنی یہ ہے کہ فلاں کو وفات آگئی ہے، جو اسی وفی کے لفظ کا مصدر ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پر موت آگئی ہے۔

اب ہمیں سوچنا یہ ہے کہ یہاں کون سا معنی مراد لیا جائے، ابھی میں آپ کے سامنے قاعدہ عرض کر چکا ہوں، یہ خالص علمی بحث ہے، اس پر خصوصی توجہ دینا ہوگی، کہ جہاں بھی لفظ بولا جاتا ہے، اس کا اصلی معنی حقیقی معنی ہوتا ہے، مجازی معنی بعد میں ہے، مثلاً آپ کے سامنے درخت ہے بیر کا، اب بیر پنجابی میں اس درخت کو بھی کہتے ہیں جس پر بیر لگتے ہیں، اور بیر کو بھی بیر کہتے ہیں، اب اس کا حقیقی معنی کیا ہے، ایک بندہ کہتا ہے کہ میں نے بیر کھایا ہے، تو اس کا حقیقی معنی وہ بیری کا درخت نہیں ہے بلکہ اس کا پھل ہے، اب بیری کے درخت کے پتے کو کھایا جاسکتا ہے، لیکن اس معنی کی طرف ہم نہیں جائیں گے، اس لیے کہ کھانے کے لیے حقیقی معنی جو استعمال ہوتا ہے وہ وہ نہیں ہے جدھر اسے لے جایا جا رہا ہے اب یہاں کوئی دلیل نہیں ہے جناب عیسیٰ کی ظاہری وفات کی لہذا مجازی معنی مراد نہیں لیا جاسکتا، اس کا حقیقی معنی ہوگا، اس کے لیے ہمارے پاس دو قرینے موجود ہیں، پہلا قرینہ نبی رحمت علیہ السلام کے ان گنت ارشادات ہیں۔ جناب حسن سے سرکارؐ نے فرمایا! جناب حسن آگے فرماتے ہیں کہ رسول اقدسؐ نے یہودیوں سے یہ بات کہی کہ یقیناً عیسیٰ کا وصال نہیں ہوا ہے، وہ تمہارے پاس واپس آئیں گے، قیامت کے دن سے پہلے ان کی واپسی ہوگی

یہ صرف آپ حاضرین کے لیے اس حدیث کے الفاظ پڑھے ہیں، میں نے گزشتہ ہفتے یہ بات عرض کی تھی، کہ سنہ ۵۳ کی تحریک مرزائیت میں مولانا مودودی نے عدالت میں تین بیان دیے تھے، ایک بیان تو ان کا ان ساری احادیث پر ہے جن کا تعلق حضرت عیسیٰ کی حیات طیبہ سے ہے ان کا وہ بیان قابل مطالعہ ہے مختصراً یہ کہ میں نے یہاں صرف خلاصہ عرض کرنا ہے، کہ حدیث کی ساری کتابوں میں بخاری سے لے کے مشکوۃ تک جو مستند کتابیں ہیں حدیث کی، مشہور کتابیں احادیث کی تقریباً 88 تک ہیں، ان سب کتابوں میں یہ حدیث بے شمار سندوں سے روایت ہے، کہ سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا! جناب عیسیٰ کی وفات نہیں ہوئی ہے، اب سرکارؐ کے اس فرمانے کے بعد مجازی معنی لینے کی کوئی تک بنتی ہی نہیں ایک بات، دوسری بات یہ ہے کہ جناب عیسیٰ کے لیے چال چلی ہے یہودیوں نے مار دینے کی، اور آپ بھی انہیں مار دیں، تو یہی تو یہودی چاہتے تھے، اور یہی کچھ رب بھی کرے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے تو دونوں فریق خلاف ہوگئے، رب بھی خلاف چلا گیا، اور سارے کے سارے یہودی بھی خلاف چلے گئے، لہذا اگر وہ انہیں یہاں مار دیتے، تو اللہ کی حمایت جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نہ ہوتی، بلکہ وہ یہودیوں کے ساتھ ہوتی، تو پتہ یہ چلا کہ سنت مقدسہ اور قرآن کے الفاظ وہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اس موقع پر موت کے قائل نہیں تھے، سرکارؐ کے ارشادات میں بے پناہ وضاحت ہے، میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ چونکہ یہ واقعہ

Marfat.com

تین جگہ آتا ہے، ایک جگہ رک جاؤں اور وہ ساری حدیثیں پیش کروں، تو اس کے لیے تین چار لیکچر درکار ہیں، لہٰذا خلاصہ احادیث کا یہ ہے، کہ سرکارؐ نے بیسیوں محفلوں میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ عیسیٰؑ زندہ ہیں، آخری دور میں انہوں نے آنا ہے، جناب مہدی علیہ السلام کے ساتھ مل کے کافروں سے جنگ لڑنی ہے، اور جناب مہدی کو یہ بات بھی کہنی ہے، کہ امامت آپ لوگوں کا حق ہے میں امام بن کے نہیں آیا، یہ ترمذی میں الفاظ موجود ہیں، بخاری میں بھی غالباً موجود ہیں، اب یہاں معنیٰ کیا ہوگا، کہ عیسیٰؑ میں تمہیں جسم اور روح دونوں کے ساتھ اٹھانے والا ہوں، کدھر اٹھانے والا ہوں اپنی طرف، اور ان لوگوں سے جو کافر ہیں آپ کو پاک کرنے والا ہوں، پاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رسائی آپ تک نہیں ہوگی، وہ آپ کو شہید نہیں کرسکیں گے، آپ اٹھ کے اوپر آجائیں، کون اٹھا کے لے جائے گا، وہی اٹھا کے لے جائے گا جو ایسے مراحل پر کام کرتا رہا ہے، وہی کہ بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا، کنویں کی گہرائی کتنی تھی، 20فٹ ہوگی، یا 40فٹ ہوگی، اور جبرائیل سدرہ پر بیٹھے تھے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس سے پہلے کہ یوسفؑ کنویں کی تہہ میں پہنچے آپ نے نیچے پر بچھا دینے ہیں، اب کیا جناب یوسفؑ کو وہاں نیچے جانے دیا گیا تھا، وہ جو یوسفؑ کو وہاں جانے نہیں دیتے تھے، وہ اس مقام سے اٹھا لیتے ہیں جناب عیسیٰؑ کو، وہ جب سے آسمان پر تشریف لے جاتے ہیں اور پیچھے قرآن نے جو اشارے کیے ہیں، وہ میں آپ سے عرض کر چکا ہوں، کہ وہ ادھیڑ عمر میں آپ کے پاس آ کے باتیں کرے گا، اب جب وہ گئے ہیں تو ان کی عمر مبارک 33 سال تھی، یہودیوں کا، عیسائیوں کا اور مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے، تو 33 سال میں بندہ ادھیڑ عمر کا نہیں ہوتا، اس وقت اس کی جوانی کا آغاز ہوتا ہے، تو اب اللہ کریم نے یہ بات بتائی کہ تین گروہ اپنے اپنے انداز میں بات کہہ رہے ہیں، یہودیوں نے کہا کہ ہم نے مار دیا ہے، ہم نے جب قرآن سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ وہ نہیں تھے، ان جیسا ایک اور آ گیا تھا، ان سے مشابہ ایک اور آ گیا تھا، اور تاریخ نے ہمیں بتایا کہ جو کمرے میں داخل ہوا تھا عیسیٰؑ کو مارنے کے لیے، وہ ان کا سردار تھا اس وقت وہ جذبات میں تھا اس لیے اس نے ادھر ادھر دیکھا نہیں اور جب وہ باہر نکلا تو وہ عیسیٰؑ سے مشابہ تھا اس وقت اللہ کریم نے اس سردار کی شکل کو تبدیل کر کے عیسیٰ جیسا بنا دیا، یا پہلے ان سے ملتا تھا، میری تحقیق یہ ہے کہ کمرے سے نکلنے کے بعد اس کی شکل جناب عیسیٰؑ جیسی ہوگئی تھی، جب وہ باہر نکلا تو یہودیوں نے اسے پکڑ کر مار دیا، اب وہ چال چل رہے تھے، جناب عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کی، اور اللہ نے خفیہ تدبیر کیا فرمائی، کہ جو کمرے میں داخل ہوا اور واپس نکلا تو وہ خود مارا گیا، نوعیت یہ ہوئی کہ بعد میں جب تلاش کیا تو انہیں وہ نہیں مل سکا، یہود کے لٹریچر میں یہ بات موجود ہے، کہ اندر جانے والا اس اندر داخل ہونے [ ] کے بعد باہر نکلتا یا واپس قوم میں آتا نہیں لیکن عقیدہ انہوں نے یہی رکھا کہ ہم نے عیسیٰؑ کو مار دیا ہے، رہی وہ بات کہ جو اندر گیا تھا وہ کدھر گیا ہے، اس کے پیچھے وہ نہیں پڑے، عیسائیوں نے کہا، کہ عیسیٰ پکڑ کر صلیب چڑھا دیئے گئے، لیکن دوسرے دن وہ زندہ ہو کے اللہ کے پاس

چلے گئے یہ عیسائیوں کا نظریہ تھا۔ مسلمانوں نے دونوں کے نظریے کو اس لیے جھوٹا قرار دیا ہے، کہ ان میں سے جس کی بھی بات مانیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو یہودی چاہتے تھے اللہ نے نبی کے ساتھ وہی کر دیا تو اس بات سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ جناب عیسیٰؑ اٹھ کے آسمانوں پر چلے جائیں۔ قرآن نے یہاں یہ بات کہی کہ میں وہ اشارے آپ کو بتا چکا ہوں، پچیسویں پارے میں قرآن نے وضاحت سے یہ بات کہی، وہ قیامت کی نشانی ہیں، اگر وہ قیامت سے پہلے واپس نہیں آتے تو وہ نشانی بن نہیں سکتے، قرآن نے بھی یہ بات کہہ دی، حدیث نے بھی یہ بات کہہ دی، اب رہی یہ بات جو عقلی انداز سے پیش کی جاتی ہے، کہ اتنی لمبی زندگی کسی کو ملی ہے، تو آسمان پر جتنے فرشتے بیٹھے ہوئے ہیں، ان کی لمبی زندگی نہیں ہے، کیا جبرائیل ان کے جانے سے پہلے وہاں موجود نہیں تھے، وہ فوت ہو گئے ہیں، ملک الموت جو روحوں کو قبض کرنے پر متعین ہے کیا وہ فوت ہو گئے ہیں، تو نبی بحیثیت نبی سارے عالم اسلام کا مسلمہ عقیدہ ہے جناب صدیق اکبرؓ سے لے کے اس وقت تک کہ انسان نبی، فرشتہ نبی سے افضل ہے، لہٰذا عیسیٰؑ وہاں کے فرشتوں سے افضل ہیں، جب انہیں وہاں بٹھا دیا گیا ہے تو ان کی ماہیت کو اسی طرح تبدیل کر دیا گیا ہے، معراج میں سرکارؐ تشریف لے جاتے ہیں، تو ان کی کیفیت کو بدل دیا جاتا ہے، اور وہ اسی انداز سے وہاں سے گزرتے ہیں، جس کیفیت سے انہیں وہاں سے گزرنا چاہیے، یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے انداز ہیں، اس کا اپنا رنگ ہے، اس میں ایک محدود سی عقل والا انسان مداخلت کرے، تو وہ قدم قدم پر گرتا چلا جائے گا، اب یہ تین نظریے تھے، میں نے تینوں کا خلاصہ آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے، البتہ جو پیش گوئی تھی، وہ یہ ہے قرآن کی، کہ جو ان کے پیروکار ہیں یعنی عیسیٰؑ کے، وہ قیامت تک ان کے منکروں پر غالب رہیں گے، اب جو ہمیں تاریخ معلوم ہے، وہ یہی ہے کہ جناب عیسیٰؑ کے بعد عیسائیوں کو غلبہ حاصل ہوا، اور وہ سیاسی غلبہ ہمارے دور تک قائم ہے، یہ قرآن کی پیشگوئی ہے، اور آئندہ بھی یہ غلبہ قائم رہے گا، البتہ چونکہ دونوں باطل پرست ہیں اس لیے اسلام کے خلاف یہودیت کو عیسائیت نے تحفظ مہیا کر دیا ہے لیکن یہودیت اس سے آگے بڑھ جائے کسی انداز سے یہ بات ابھی تک وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ یہودیو! تم نے بھی عیسائیو! تم نے بھی میرے پاس ہی واپس آنا ہے تمہارے اختلافی مسائل کھلے مجمع میں لاتعداد انسانوں کے سامنے حل کر دیئے جائیں گے گھبراؤ نہیں چونکہ جس دنیا میں تم رہ رہے ہو، یہ عمل کی دنیا ہے، محدود سے اختیارات کی دنیا ہے، اگر یہاں اس بات کو ختم کر دیا جائے، تو تم مجبور ہو جاتے ہو، اور مجبور کو جزا اور سزا نہیں دی جاتی، لہٰذا تمہیں فرصت ہے اجازت ہے، جو کر سکتے ہو کر لو، ہمارے سامنے آؤ گے تو ان ساری باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا جو کافر ہیں ان کے لیے یہاں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ہو گا ان کا مددگار کوئی نہیں ہو گا اگر آپ یہودیوں کی تاریخ دیکھیں تو دنیا میں بار بار ان پر عذاب نازل ہوتا رہا ہے کبھی وہ بخت نصر کی شکل میں تھا، کبھی وہ ہٹلر کی شکل میں تھا اور آج پھر ان کے گھونسلے اکٹھے ہو گئے ہیں، وہ دور آنے والا ہے کہ پتھر بھی پکار کر کہہ دیں گے، کہ یہ یہودی میرے پیچھے چھپا بیٹھا ہے اسے پکڑ

Marfat.com

لو، اس لیے کہ اس قوم کا مزاج ہی ایسا ہے، کہ عذاب سے جب ایک دفعہ نکل جاتے ہیں تو پھر عذاب کو آواز دینا شروع کر دیتے ہیں قرآن نے اسے پہلے پارے میں کہا کہ غضب کے بعد پھر یہ غضب کے نیچے آتے رہتے ہیں جس طرح پانی بھنور میں ہوتا ہے، اس میں گری ہوئی چیز بار بار اس بھنور سے نکل نہیں سکتی یہی ان کا انداز ہے، جس کو یہ چھوڑ نہیں سکے، اور ان دونوں قوموں کا عجیب انداز ہے، ایک طرف یہ یہود ہیں اور دوسری طرف ہندو ہیں، ان کے مزاج میں یہ بات رچی بسی ہے کہ ہر اس کو یہ ڈبو دیں گے جس کے ساتھ یہ مل کر زندگی گزارتے ہیں، ہندو کے مزاج کو عرب قومیں نہیں جانتیں، لہذا وہ ان کے ساتھ دوستی لگاتے ہیں، ہم ان کے مزاج کو سمجھتے ہیں کیونکہ ہم ان کے ساتھ بارہ چودہ سو سال مل کے رہے ہیں، ہمیں پتہ ہے کہ اس قوم کا مزاج کیسا ہے، لہذا جو لوگ ہندو سے مسلمان ہوئے یہ اسلام کی کتنی بڑی عظمت ہے اور دور حاضر کا کتنا بڑا معجزہ ہے کہ وہ قومیں مسلمان ہو گئی ہیں، اور ایک دو پشتوں کے بعد ان کی ساری عادات بدل گئی ہیں، پتہ یہ چلا کہ مصطفیٰ علیہ السلام کا روحانی تصرف عالم اسلام میں اس انداز سے پھیلا ہوا ہے، کہ جو اسلام کی آغوش میں آجاتا ہے، وہ اپنی قومی روایتی باتوں کو چھوڑ دیا کرتا ہے جو یہودی ادھر آگئے ہیں ان کا بھی یہی انداز رہا ہے، جو ہندو ادھر آ گیا ہے اس کا بھی یہی انداز رہا ہے، تو اس دنیا میں بھی ان قوموں پر بار بار سختیاں اور عذاب آئے گا کیونکہ مدد پھر ایسے آڑے وقت میں کسی نے نہیں کی کیا ہٹلر سے ان کو بچانے کے لیے ہٹلر کے ہاتھ سے نکالنے کے لیے کوئی آگے بڑھا تو جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے، انہی میں سے انہیں اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے گا، اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، سرکارؐ نے فرمایا، دو تین قسم کے انسانوں کو شمار کیا، یہ دوھرے دوھرے ثواب لے جائیں گے، ایک بندہ کسی کا غلام ہے اس کی خدمت میں جو اخلاقاً یا معاشرۃً اس پر لاگو ہے، اس سے پہلو تہی نہیں کرتا، اور پھر نمازوں کے اوقات میں رب کو بھی یاد کرتا ہے، رات کی تنہائیوں میں بھی اللہ کو یاد کرتا ہے، یہ دوھرا ثواب لے جائے گا، ایک بندہ پہلے کسی نبی کو مان رہا تھا، وہ یہودی تھا یا عیسائی تھا، سرکارؐ تشریف لے آئے، آپ کو مان لیا، تو سرکارؐ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو دوھرا ثواب ملے گا، تو یہاں اللہ کریم نے اشارہ فرمایا ہے، پھر اپنے محبوب اقدس کو اپنی عادت مقدسہ کے تحت خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ یہ آیات بھی ہیں، اور حکیمانہ یادیں بھی ہیں، یہاں قرآن کو ذکر بھی کہا ہے اللہ کریم نے، ذکر کا معنیٰ ہوتا ہے یاد، انسان اس دنیا میں آ کے مادیت میں گھر گیا ہے، اپنی توجہ ہٹا لیتا ہے اللہ کریم کی ذات اقدس سے، تو جب قرآن کا مطالعہ کرتا ہے، تو پھر وہ یادیں تازہ ہو جاتی ہیں، وہ واپس پلٹ آتا ہے، میں کئی دفعہ آپ سے عرض کر چکا ہوں، کہ قرآن کو بحیثیت توحید پڑھا جائے تو دل و دماغ پر عجیب قسم کے نقوش ابھرتے ہیں، وہ نہ تورات پڑھنے سے ہوتے ہیں اور نہ انجیل پڑھنے سے ہوتے ہیں، چونکہ عیسیٰؑ یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان وجہ نزاع تھے، اور عیسیٰؑ پر طرح طرح کے انہوں نے الزامات لگا رکھے تھے، قرآن اور صاحب قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ انہوں نے جناب عیسیٰؑ کا دامن صاف کر دیا ہے، اور اتنے حکیمانہ انداز سے کیا ہے کہ یہودیوں

کے سارے الزامات کی بھی تردید کردی، ساری تہمتوں کی تردید کردی، لیکن عیسائی جس طرح خدا یا خدا کا بیٹا مان رہے تھے، اس بات کو بڑے حکیمانہ انداز سے رد کردیا، یہ بات نہیں ہے، اور اعتدال کا راستہ مسلمانوں نے صاف کردیا، جس کی ایک مثال عجیب انداز سے نجاشی کے سامنے پیش آئی، سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی کے سامنے پیش ہو کے اپنے ساتھیوں سمیت صفائی پیش کی، دراصل مکہ کے مشرکین نے نجاشی سے کہا کہ ان کو ہمارے حوالے کیا جائے، اس لیے کہ بھگوڑے ہیں، نجاشی تیار ہو گیا واپس کرنے کے لیے، لیکن اس نے سوچا کہ بات تو کلیئر ہو کہ ان کا قصور کیا ہے، جناب جعفر طیار نے جو حضورؐ کے چچازاد بھائی ہیں، بڑے بھرپور انداز سے اسلام کی وکالت کی، اور انہوں نے اعتراض کیا کہ یہ عیسیٰؑ کے دشمن ہیں، سیدنا جعفر طیار نے عیسیٰؑ کے متعلق سورۃ مریم میں جو آیات آتی ہیں وہ پڑھ کے سنائیں وہ تخت پر بیٹھا تھا تخت سے نیچے اتر آیا، زمین سے ایک تنکا اٹھایا یہودیوں سے کہنے لگا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس تنکے برابر بھی قرآن نے عیسیٰؑ کی شان میں نہ اضافہ کیا ہے نہ کمی کی ہے بلکہ جو اعتدال کا راستہ تھا وہ بیان کردیا، جاؤ مکہ والوں سے کہہ دو کہ میں انہیں واپس نہیں کرسکتا، تو یہاں اسی انداز سے دفاع کرتے ہوئے اللہ کریم نے اپنے محبوب رحیمؐ کے ذریعے سے یہودیوں کو سامنے رکھا اور اصلیت واضح کر کے فرمایا، کہ اللہ کے ہاں عیسیٰؑ کی مثال ایسی ہے، جس طرح آدمؑ کی مثال تھی، مطلب یہ ہے کہ یہودیو! یہ تم مانتے ہو کہ آدمؑ، ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے، تو عیسیٰؑ کی مثال ایسی ہی ہے، کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے ہیں، تو اس کائنات میں تخلیق کے الگ الگ انداز ہیں کبھی انشاء اللہ اس پر تفصیل سے گفتگو ہو گی، کہ کچھ وہ ہیں جو ماں باپ کے بغیر پیدا ہوئے، کچھ وہ ہیں جو باپ کے بغیر پیدا ہوئے ہیں، کچھ وہ ہیں جن کا باپ تو ہے لیکن ماں کے بغیر پیدا ہوئے ہیں، تو ان اصناف کو اللہ نے جس انداز سے اس کائنات میں پھیلایا، اس کی تفصیلات انشاء اللہ کبھی جب میں مظاہر فطرت پر بحث کر رہا ہوں گا تو یہ بات سامنے آئے گی، تو قرآن حکیم نے جو بات یہاں ہمارے سامنے ارشاد فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت آدم باپ اور ماں کے بغیر پیدا ہوئے ہیں، اگر وسائل کے بغیر پیدا ہونے سے بندہ خدا بن جاتا ہے، تو خدا بننے کا زیادہ حق جناب آدمؑ کو ہے، کیونکہ ماں باپ دونوں نہیں ہیں، عیسیٰؑ کو تو ان کے بعد دوسرا نمبر ملے گا، کہ ان کی والدہ ماجدہ تو ہیں باپ نہیں ہے، لہٰذا ماں باپ کا نہ ہونا یا صرف باپ کا نہ ہونا یہ الوہیت کا ذریعہ نہیں ہے، تو عیسیٰؑ کی ماں ہے باپ نہیں ہے، یہ قرآن کا اعلان ہے، اب ذرا اس خبیث روح کی طرف پلٹ آتے ہیں جس نے دور حاضر میں مسلمانوں کو فتنے میں ڈال دیا، میری مراد مرزا غلام احمد قادیانی سے ہے۔ جو یہ کہتا ہے، کہ مریم کا تو نکاح ہوا تھا یوسف نجار کے ساتھ، نجار بڑھئی کو کہتے ہیں تو حضرت عیسیٰؑ اس یوسف کے بیٹے ہیں جو بندہ یہ کہتا ہے تو واضح الفاظ میں قرآن کی تردید کر رہا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ان کا باپ نہیں ہے اور یہ ایک باپ بتاتا ہے اور یہی یوسف نجار ہے اس کی تہمت وہ جناب مریمؑ پر لگا رہے تھے اس کا مطلب یہ ہوا یہ یہودی النسل ہے جس کا نام غلام

احمد قادیانی ہے کہ جو یہودیوں نے اعتراض اللہ کے مقدس پیغمبر پر کیا تھا اسی اعتراض کو اس نے آ کے مسلمانوں کے سامنے دھرایا ہے تو قرآن کہتا ہے کہ عیسیٰ کے باپ نہیں ہیں نہ مریم کی شادی ہوئی اور نہ شادی کے بعد جناب عیسیٰ پیدا ہوئے اگر شادی ہو چکی ہوتی تو پیدائش کے عین وقت بیگم صاحبہ کو لوگوں سے الگ ہو کے ایک وادی میں جا کے بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی وہ کہہ دیتیں کہ یوسف کا بیٹا ہے معاشرہ جانتا تھا کہ یوسف کے ساتھ اس کا نکاح ہوا ہے پھر قوم دوڑی دوڑی کیوں گئی مریم نہ تیرا باپ بدکردار تھا نہ تیری ماں بدکردار تھی یہ بچہ کہاں سے آیا یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی اگر یوسف نجار تھا ان کا شوہر تھا؟ یہ کم بخت مرزا (مفتی صاحب) اعلان نبوت سے پہلے اہل حدیث تھا اور اہل حدیث لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن وسنت کے ٹھیکیدار ہم ہیں۔قرآن نے اسے درجن جگہ پر استعمال کیا ہے،اور کئی مقامات پر یہی بات کہی ہے کہ عیسیٰ کی والدہ کا کہیں نکاح یا شادی نہیں ہوئی تھی،تو جب وہ اس دنیا میں آرہے تھے تو قرآن نے کہا **فتمثل لها بشرا سويا**۔جبرائیل آئے آپ مرد کی شکل میں آئے اور کہا کہ میں **کلمۃ اللہ** آپ کو دے کے جا رہا ہوں،تو کیا یہ قرآن نہیں ہے؟ جب تک یہ اہل حدیث تھا تب تک تو ان باتوں کو مان رہا تھا،تو جب اعلان نبوت ہوا تو پھر یہ ساری باتیں بدل گئیں۔

إِنَّ

(محبوب یہ وہ آیات ہیں،اور حکیمانہ ذکر ہے،جو ہم آپ کے سامنے پڑھ رہے ہیں) یقیناً

مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ ٱللَّهِ كَمَثَلِ ءَادَمَ خَلَقَهُۥ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ

عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے ہاں آدم کی مثال ہے ۶ع،اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا،پھر فرمایا کہ

لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾

ہو جا پس وہ ہو گیا،محبوب حق آپ کے رب کی طرف سے ہے،اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا۟

اگر آپ سے کوئی حجت بازی کرتا ہے،جبکہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو آپ انہیں فرمادیں،آئیے ہم

أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ

اپنے اور تمہارے بیٹوں کو،اپنی اور تمہاری خواتین،اپنی اور تمہاری جانوں کو بلالیں

Marfat.com

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾

پھر ہم مباہلہ کریں، اور اللہ کی لعنت جھوٹوں پر کریں

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ

یقیناً یہ حق کے واقعات ہیں، اللہ کریم کے بغیر کوئی قابلِ عبادت نہیں، یقیناً اللہ ہی

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

غالب اور حکمت والا ہے اگر وہ پشت موڑ جائیں تو اللہ فساد کرنے والوں کو جانتا ہے

اذقال اللّٰہ یاعیسٰی.....وانّ اللّٰہ لھو العزیز الحکیم

۳۶ اب ارشاد فرمایا کہ آدم کی اصلیت یہ ہے کہ **اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا فرمایا** اور مٹی سے بنانے کے بعد ایک ہی لفظ تھا، جو رب نے کہا ''کن'' ہو جا بن جا، یہ کہنے کی دیر تھی کہ آدم بن گئے، میں ابتدائی لیکچروں میں سے ایک لیکچر میں بتا چکا ہوں، کہ بشر چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک بشر وہ ہے، جو مٹی سے بنا ہے، (حضرت آدم علیہ السلام) ایک بشر وہ ہے، جو ہوا سے بنا ہے، قرآن نے کہا! میں نے **اپنی روح پھونک دی** تو یہ ہوا سے بشر بنا ہے ایک بشر وہ ہے جو پانی سے بنا ہے مٹی سے بنا ہے ہوا سے بنا ہے اور چوتھا بشر وہ ہے جو روح سے بنا ہے، میں بسا اوقات کہا کرتا ہوں، اور آپ سے خلاصہ عرض کر رہا ہوں۔

مصطفٰی علیہ السلام کی بشریت ان چار قسموں سے الگ قسم کی ہے، اس کی تفصیلات میں اس لیکچر میں بیان کر چکا ہوں، جو اسے دوبارہ سننا چاہیں وہ عزیزہ ڈاکٹر صاحبہ سے اس کی کاپی لے سکتے ہیں، تا کہ اسے دوبارہ سن لیا جائے خلاصہ یہ ہے، چار قسم کے بشر قرآن پاک سے ثابت ہیں، محبوب ؐ آپ کے رب کی طرف سے یہ سچی باتیں ہیں حق ہیں، اس حق میں کسی کو شک نہیں کرنا چاہیے، اس آیت کے لفظوں کو پڑھنے کے بعد پھر بندہ کوئی کیسے کہتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ یوسف نجار کا بیٹا تھا! خدا جانے یہ خبیث روح کہاں سے نازل ہوئی ہے! اس کی تاویل کرنا باقی ہے اگر اس کے بعد بھی اتنا واضح حضرت عیسٰیؑ کی والدہ ماجدہ کے متعلق کہہ چکے ہیں اس کے بعد بھی کوئی آدمی آپ سے حجت بازی کرے اور کج بحثی کرے تو آپ انہیں فرما دیں کہ آؤ ایک اور حل آپ کو بتاتے ہیں، ہم اپنے بیٹوں کو بلا لیتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلا لو ہم اپنی خواتین کو بلا لیتے ہیں تم اپنی خواتین کو بلا لو ہم اپنی جانوں کو بلا لیتے ہیں تم اپنی جانوں کو بلا لو اس کے بعد ہم مباھلہ کرتے ہیں اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں اسے عام طور پر

Marfat.com

آیت مباہلہ کہا جاتا ہے مباہلہ باہل لفظ سے بنا ہے، باہل لفظ کا معنی ہوتا ہے لعنت کرنا [illegible]
دوسرے پر لعنت کرنا۔ دو فریق آگئے میدان میں انہوں نے کہا کہ اگر ہم سچے ہیں تو [illegible]
ہو پھر وہ کہتے ہیں کہ ہم سچے ہیں ہماری نجات ہو ان پر لعنت ہو یہ دو طریقہ تھا جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [illegible]
تھا اب نجران سے جو عیسائی آئے ہوئے تھے انہوں نے یہ بات مان لی جب [illegible]
کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ پانچ افراد آپ کے ساتھ تھے آپ سمیت [illegible]
تھے، خاتون قیامت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا تھیں، حسنین کریمین تھے اور [illegible]
شخص کے بغیر وہ میدان میں اترے اس عجیب انداز کو پاکر ان میں سے ایک عقلمند [illegible]
تو بھاگا بھاگا ان کے پاس گیا، کہنے لگا اگر تم آج سامنے آگئے تو نجران میں کوئی بھی عیسائی زندہ نہیں رہے گا [illegible]
لے گی، وہ جس انداز سے سامنے آئے ہیں، اس انداز سے تم بچ کے نہیں جا سکو گے [illegible]
دیکھا کہ تخلیق کائنات کا سارا حسن ان پانچ وجودوں میں باہر نکل آیا ہے، اب اگر یہ بات [illegible]
جاتے ہیں تو آج تک جو ان کی زبان سے بات نکلی ہے وہ کبھی غلط تو ہوئی نہیں ہے [illegible]
کے ساتھ ہمیں ملعون قرار دے دیا، تو پھر کہیں وہ پرانی تاریخ جو ہمارے اسلاف میں موجود تھی کہ کوئی بندر بن گیا [illegible]
شے بن گئے، وہ تاریخ کہیں پھر دہرانہ دی جائے، پھر ان لوگوں کو بھی پیچھے جو گھر بیٹھے ہیں ان کے عقیدے کو بھی [illegible]
گے، لہذا ہمیں آگے نہیں بڑھنا ہے، وہ پیچھے ہٹ گئے، تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان چار حضرات کو ساتھ لے کے میدان میں
نکلے، اللہ کریم نے ارشاد فرمایا، کہ جو واقعات جناب عیسیٰ جناب مریمؑ اور جو باقی لوگوں کے بیان کیے ہیں یہ سچے واقعات ہیں
، "القصص الحق" یہ سچے واقعات ہیں، وہ عیسیٰ معبود نہیں ہیں، یہ توحید کا ایک خاص انداز تھا، کہ جناب عیسیٰ کا ذکر کر کے
آخری جملہ یہ ارشاد فرمایا، کہ معبود صرف اللہ کریم کی ذات ہے، اللہ ہی غالب ہے، اللہ ہی حکمت والا ہے، یہاں غالب سے مراد
وہ واقعات ہیں، جو تاریخ یہودیت یا تاریخ نصرانیت کے گزرے تھے، اور کس حکمت بھرے انداز سے اللہ کریم [illegible]
فرمادی، اور ان لوگوں کی تردید فرمادی، یہاں اللہ نے آخری الفاظ یہ ارشاد فرمائے، کہ اگر اب بھی [illegible] تو ان
مفسدین کو اللہ جانتا ہے، ان کا آگے جو انجام ہے اسے بھی اللہ جانتا ہے، یہاں تھوڑی سی بات آتی ہے میرے سامنے، سیدہ مریمؑ
کا واقعہ قرآن نے بڑے ہی حسن و خوبی سے بیان فرمایا ہے، اور ان کی تہہ میں بے شمار علمی موتی چھپے ہوئے ہیں جن سے
میں سرسری انداز سے گزر رہا ہوں، کہ اگر اس طرف چلا جاؤں تو یہ تفصیل پھر خدا جانے کتنا لمبا وقت چاہے گی، ضروری ہے کہ
اختصار کو سامنے رکھتے ہوئے اصل مفاہیم کی طرف رجوع کیا جائے، لیکن ایک بات میرے سامنے آتی ہے جو مفکرِ اسلام علامہ

Marfat.com

اقبالؒ نے حضرت سیدہ مریم سلام اللہ علیہا اور خاتون قیامت سیدۃ نساء العالمین سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا موازنہ کرتے ہوئے کہی۔ میں آپ کی خدمت میں اقبالؒ کا وہ شعر عرض کر دیتا ہوں۔ تا کہ دونوں عالی مقام خواتین کا بے ادبی کیے بغیر موازنہ ہو جائے، یہ اسلام کی خدمت نہیں ہوتی کہ توحید کو اس طرح بیان کریں کہ رسولوں کی اس میں تذلیل ہو جائے، رسولوں کا مقام بیان کرتے ہوئے توحید کو اپنے مقام سے نیچے لے آئیں یہ بات نہیں ہے، مقام کو بحال رکھتے ہوئے چلنا ہوتا ہے، اقبالؒ نے کہا!

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز　　　از سہ نسبت حضرت زہراء عزیز

کہ مریم ایک نسبت رکھتی ہیں، وہ نسبت یہ ہے کہ وہ عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ ہیں، لہذا وہ بہت عزیز ہیں، لیکن نسبت ایک ہے، حضرت زہراء محترم عزت مآب عزیز ہیں، کہ ان میں تین نسبتیں ہیں، اور وہ تین نسبتیں کیا ہیں، پہلی نسبت یہ ہے کہ وہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لخت جگر اور نورِ نظر ہیں۔ اور دوسری نسبت یہ ہے کہ؛

بانوئے آں تاجدار ہل عطا　　　مرتضی مشکل کشا شیر خدا

ہل عطا کے تاجدار کی وہ بیگم محترمہ ہیں، وہ ہل عطا کے تاجدار کون ہیں، مرتضی مشکل کشا شیر خدا تین صفاتی نام لیے آپ نے حضور حیدر کرار کے، کہ وہ مرتضی بھی ہیں، مرتضی کا لفظی معنی ہوتا ہے چنا ہوا، وہ مشکل کشا بھی ہیں، وہ شیر خدا بھی ہیں۔ اور تیسری نسبت یہ ہے کہ

"مادر آں مرکز پُرکار عشق"　"مادر آں کارواں سالار عشق"

وہ پُرکار عشق کے مرکز کی ماں ہیں، آپ پُرکار کے گرد دائرہ ڈالنا چاہیں تو مرکزی ایک نکتہ ہوتا ہے، ادھر اقبال اشارہ کرتے ہیں، عشق کی پُرکار کا مرکز جو ہے، یعنی ذات حسین ہیں، عشق کی پُرکار کا مرکز ہیں، وہ ان کی ماں ہیں، اور عشق کا جو قافلہ ہے اس قافلے نے جسے اپنا قائد مان رکھا ہے، وہ عشق کے قافلے کے قائد کی والدہ ماجدہ ہیں، لہذا ان کی تین نسبتیں ہیں، اور سیدہ مریمؑ کی ایک نسبت ہے، تو یہ بات وہ ہے جو اقبال نے موازنہ کرتے ہوئے بیان کی ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

وہ سرکار کی مخالفت کرتے ہیں، انسانی اقدار کی مخالفت کی اب واضح بات ہے کہ جب اقدار بڑھتی چلی جائیں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت اجاگر ہوتی چلی جائے، قرآن دلوں پر حکومت کرتے آگے چلا جائے، تو نتیجہ یہی ہوگا۔

"فزادھم اللہ مرضا" (اللہ نے ان کی بیماری کو، اور بڑھایا) تو وہ بات وہاں ختم نہ ہوئی جہاں ختم کرنا چاہتے تھے۔

"ولھم عذاب الیم" ان کے لیے دردناک عذاب ہے، کیوں؟

"بما کانوا یکذبون" (ب سبب ما اس۔ بما کانوا یکذبون۔ یہ ماضی استمراری ہے، اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے)

قرآن حکمت کی باتیں مختلف مسائل کے ضمن میں کہہ دیا کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جھوٹے کے لیے دردناک عذاب ہے چاہے جس طبقے سے بھی تعلق رکھتا ہو کیونکہ یہ منافق کی نشانی ہے، سرکار علیہ السلام نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا!

"اذا حدث کذب" (منافق جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾
اور جب کہا جائے انھیں کہ نہ فساد پھیلاؤ زمین میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾
سن لو! وہی ہیں فسادی لیکن سمجھتے نہیں
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
اور جب کہا جائے انھیں ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے ایمان لائے بیوقوف خبردار بے شک وہ
السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾
احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں ۲۰

۲۰ ان آیات میں اللہ کریم نے منافقین کی عادات، اطوار و حالات، طرز عمل، طرز گفتگو اور ان کے عقائد کے بارے میں تفصیل سے باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

"لفظ 'اذا' عربی میں اگر پاسٹینس (فعل ماضی) پر بھی آجائے تو اس کا معنی Present Tense فعل مضارع کا ہوتا ہے، **"واذا قیل"** جب کہا جاتا ہے ان سے تم ایمان لاؤ جیسا کہ باقی لوگ ایمان لائے۔ **"الناس"** پر الف لام عہد خارجی ہے، اس

Marfat.com

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

محبوب فرمادیجئے! اے کتاب کے ماننے والو، آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے

أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا

کہ ہم اللہ تعالٰی کے بغیر کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے، اللہ تعالٰی کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور نہیں مانیں گے ایک دوسرے کو

بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا

اپنا رب اللہ کو چھوڑ کے (یا اللہ کے مقابلے میں) اگر تم ان باتوں کو چھوڑ کے پشت موڑ جاؤ تو مسلمانو! تم کہہ دو (یہودیو اور عیسائیو) تم گواہ رہو کہ

مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾ ہم تو تابع فرمان ہیں ۳۷

۳۷ اب ایک نکتے پر خصوصی توجہ ہونی چاہیے، قرآن واحد کتاب ہے، جس نے انسانیت کو ملت واحدہ قرار دیا ہے، اور ملت واحدہ قرار دیتے ہوئے صرف یہ بات کہی کہ جن نے مان لیا ہے وہ امت اجابت ہیں، اور جنہوں نے نہیں مانا ہے وہ امت دعوت ہیں، ہم نے امت دعوت کو ہمیشہ قرآن وسنت کی طرف دعوت دیتے رہنا ہے، لہذا یہ ضروری ہے، کہ امت دعوت کے ساتھ نہ زبانی تلخی ہو اور نہ فی سبیل اللہ فساد ہو، حکیمانہ انداز سے انسانیت کو اللہ تعالٰی کی طرف بلایا جائے، اب ایک بنیاد ہے، جو ہم میں اور ان میں مشترک ہے، اس بنیاد کو بنیاد منواتے ہوئے سرکار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تبلیغ فرماتے ہیں، دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب بھی کسی کو آپ اسلام کی طرف دعوت دیں، کہ جو باتیں وہ مانتا ہے، ان باتوں کو بنیاد بنایا جائے، تاکہ معلوم سے مجہول کی طرف بڑھا جائے، منطق کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ علم بہترین علم ہے، جو ہمیں معلوم سے مجہول کی طرف لے جاتا ہے، اور پروفیسر صاحب علم کا مدار ہی اسی بات پر ہے، کہ معلوم سے مجہول کی طرف لے جایا جاتا ہے، آپ مجہول سے معلوم کی طرف نہیں جاسکتے، جو بات نامعلوم ہے اسے آپ دلیل بنا کے ایک اور نامعلوم کی طرف آپ نہیں بڑھ سکتے، آپ معلوم سے مجہول کی طرف بڑھیں گے، یہاں بھی وہی بات قرآن نے ذکر کی ہے، کہ ان کے سامنے توحید معلوم تھی، ارشاد فرمایا ایک بات ہے اس پر ہم متحد ہو سکتے ہیں، آؤ اس بات کو تو مانو، کہ اللہ ایک ہے، ہم اسی کی عبادت کریں گے، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اب دیکھا حکیمانہ انداز، یہ نہیں کہا کہ ہم عزیر کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، یہ نہیں فرمایا کہ ہم عیسیٰؑ کو

Marfat.com

شریک نہیں ٹھہرائیں گے، جملے کو مطلق فرما کے ان کے ذہنوں پر بات ڈال دی، کہ جب اللہ کا شریک کسی کو نہیں ٹھہرانا ہے، تو یہودی کہے گا پھر میں عزیر کو شریک خداوندی کیسے کروں، عیسائی کہے گا پھر میں عیسیٰ کو اللہ کا شریک کیسے ٹھہراؤں، وہ عقلمند ہیں وہ خود سمجھیں گے، یہاں بھی تبلیغ کا انداز یہ ہو، کہ ایک قاعدہ کلیہ آپ بیان کردیں، اور اس کی جزئیات اس کے ذہن پر چھوڑ دیں، وہ خود پلٹ کر کہے گا، کہ جب اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے تو عزیر اللہ کا شریک نہیں ہوسکتا، جب اللہ کا شریک کوئی نہیں ہے تو عیسیٰ اللہ کے شریک نہیں ہوسکتے۔

ایک دوسرے کو ہم نے رب بھی نہیں ماننا ہے، مشہور سخی حاتم کا بیٹا مسلمان ہوگیا، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل میں بیٹھ کے ان کا نام عدی ہے عدی ابن حاتم، کہنے لگے عرض کرنے لگے کہ حضور ہم ایک دوسرے کو رب تو نہیں مانتے تھے، تو پھر قرآن نے یہ کیسے بات کہہ دی، کہ ایک دوسرے کو رب نہ مانو، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تمہارے مقتدر لوگ جو مذہبی مقتدر تھے جو چیز اللہ نے حلال کی تھی، وہ کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے، تم اسے حرام مان لیتے تھے یا نہیں، عرض کیا جی مان لیتے تھے، اللہ نے ایک چیز حرام کی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ حلال ہے، تم اسے حلال مان لیتے تھے، اللہ نے حلال قرار دی ہے تم نے اسے حرام مان لیا، اس کا یہ مطلب ہے، کہ انہیں یہ مقام نہ دو کہ جو اللہ نے حرام کیا ہے کہ اسے وہ حلال کردیں، جو اللہ نے حلال کیا ہے اسے وہ حرام کردیں، ایک ساتھی ایصال ثواب کے لیے چاول پکادیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس پر ہم نے حضور غوث پاک کے ایصال ثواب کے لیے دعا مانگی ہے، وہ کہنے لگا یہ شرک ہے، میں نے کہا یار مجھے یہ بتادے یہ چاول ہیں انہیں اللہ نے حلال کیا ہے، اس میں جو گوشت ہے اس کو بھی اللہ نے حلال کیا ہے، اس کے اندر جو گھی انہوں نے ڈالا ہے اس کو بھی اللہ نے حلال کیا ہے، اب وہ اس انداز سے ایصال کرتا ہے حضرت غوث اعظم کو، محرم ہے وہ ایصال ثواب کرتا ہے خاندان نبوت کو، ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو اس مہینے میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت بھی ہے اور آپ کا وصال پاک بھی ہے، جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہدیہ کرنا چاہتا، کیا کوئی شے سرکار کو ہدیہ کرنے سے حرام ہوجاتی ہے، تو ایک دوست کے پاس ہدیہ لے جائے کہ یہ فروٹ آپ کے لیے لے آیا ہوں وہ حلال ہے اور سرکار کی خدمت میں پیش کردیا جائے تو وہ حرام ہوجاتا ہے، مجھے یہ بات سمجھا کہ ان میں سے کون سی چیز ہے جسے اسلام نے یا قرآن نے حرام قرار دیا ہے، کیا یہ وہی یہودیوں والی بات نہیں ہے، جسے اللہ نے حرام نہیں قرار دیا کیا اسے آپ حرام قرار دے رہے ہیں، اور جسے اللہ نے حلال قرار دیا ہے اس کو حرام قرار دینے کی وجہ سے اسے استعمال کرنے والوں کو آپ مشرک اور کافر کہہ رہے ہیں، میں ایک کتاب کا مطالعہ کررہا تھا کہ مجھے بڑی حیرانی ہوئی، وہ بڑے ہی فاضل آدمی ہیں، اور خیر سے انہیں ایک دنیا اپنا پیر بھی مانتی ہے، انہوں نے ایک جملہ کس دیا، جملہ یہ ہے، کہ ہندو اپنے تبرکات تمہیں دے تو وہ بے شک تم کھالو، لیکن حسین کے نام پر جو سبیل لگی ہوئی ہو، وہ پانی نہ پیؤ، دیکھا کہ عجیب بات

[illegible] قریش کا۔ یہ بحث یہاں سے پہنچی ہے

اب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آخری بات جو اللہ تعالیٰ نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ

اے کتابیو! ابراہیم کے بارے میں حجت بازی کیوں کرتے ہو

إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا

حالانکہ توریت اور انجیل ان کے بعد نازل کی گئی تھیں، کیا تمہیں

تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَـٰٓأَنتُمْ هَـٰٓؤُلَآءِ حَـٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ

اتنی بھی سمجھ نہیں ہے، سنتے ہو تم جو یہ لوگ ہو ان باتوں میں جھگڑا کرو جس کا تمہیں علم ہے

عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ

ان باتوں میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں ہے، اللہ جانتا ہے

لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ اور تم ہر واقعے سے بے خبر ہو ۳۸

مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَـٰكِن كَانَ

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے

حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ

وہ سب باطلوں سے ہٹ کے اللہ کے فرمانبردار تھے وہ مشرک لوگوں میں شامل نہیں تھے ۳۹ یقیناً سب لوگوں سے ابراہیم کے قریب

Marfat.com

بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِيُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ۗ وَٱللَّهُ وَلِيُّ

وہ لوگ ہیں جو ان کے پیچھے پیچھے چلے، اور یہ نبی ہیں اور جو ان پر ایمان لائے ہیں ۱۳۰ اللہ مددگار ہے

ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۸﴾ مومنوں کا

وَدَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ

اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی یہ خواہش ہے، کہ کاش وہ کسی طرح تمہیں گمراہ کردیں

وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۹﴾ يَٰٓأَهْلَ

وہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں، انہیں اس بات کا شعور نہیں ہے، کتابیو!

ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿۷۰﴾

تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار اور کفر کرتے ہو، حالانکہ تم اس بات کے خود گواہ ہو

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَلْبِسُونَ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ وَتَكْتُمُونَ ٱلْحَقَّ

او کتابیو! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو، تم حق کو چھپاتے ہو

وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ ءَامِنُوا۟

علم ہوتے ہوئے بھی ۱۴۱ اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا تم اس پر ایمان لاؤ

بِٱلَّذِىٓ أُنزِلَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَجْهَ ٱلنَّهَارِ وَٱكْفُرُوٓا۟ ءَاخِرَهُۥ

جو مسلمانوں پر نازل ہوا دن کے پہلے حصے میں اور دن کے آخری حصے میں انکار کردو

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوٓا۟ إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ

تا کہ یہ مسلمان واپس پلٹ آئیں ۱۴۲ تم بات صرف اسی کی مانو جو تمہارے دین کے تابع ہو ۱۴۳ فرمادیجئے!

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

جاسکتے، پھر آگے تنبیہ کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی کہ جس بات کا تمہیں علم ہو اس کے سلسلے میں تو ضرور دلائل دو حجت بازی کرو جس بات کا سرے سے علم ہی نہیں ہے، اسے زیر بحث لانے کا فائدہ کیا ہوا؟ یہ مسلمانوں کے لیے تعلیم بھی ہوگئی، ان پر طنز بھی ہوگیا اور مسلمانوں پر تعلیم اس انداز سے ہوئی کہ ہر وہ بات جس کا بندے کو علم نہ ہو، اسے زیر بحث اس لیے نہیں لایا جاسکتا کہ بحث اس شے پر کی جاتی ہے جس کو آپ خود جانتے ہوں یا معلومات مقدمات ہوں جنہیں سامنے رکھ کر آپ کو کسی مجہول نتیجے پر پہنچنا ہو یہ علم کی تعریف ہے کہ معلوم چیزوں کو آپس میں ملا کے نتیجہ نکال لیں یا معلوم چیزوں کو ملا کے مجہول تک پہنچیں علم کی دو سطحیں ہوتی ہیں جب ان میں سے کوئی کیفیت بھی تمہارے پاس نہیں ہے تو پھر بحث کیوں کرتے ہو اب یہاں ایسی بحثوں سے بھی قرآن نے روک دیا جن کا علم نہیں ہوتا۔ اصل بحث کے لفظ پر غور کرلیں بحث کا لفظی معنی کریدنا ہوتا ہے۔ آپ کوئی شے لے کر زمین کو اوپر سے آہستہ آہستہ ہٹانا شروع کردیتے ہیں۔ تو بحث کا معنی یہ ہے۔ اب بہت ساری چیزیں آپ کو معلوم ہیں انہیں آپس میں ملا کر ایک نتیجے پر پہنچنا چاہتے ہیں تو یہ بحث ہے بہت ساری چیزیں معلوم ہیں لیکن ایک چیز معلوم نہیں اب معلوم سے نامعلوم چیز تک پہنچنا یہ بحث ہے۔ منطق کا یہی استدلال ہوتا ہے کہ معلوم چیزوں کو ملا کے ایک نامعلوم نتیجے تک پہنچا جائے یا معلوم چیزوں کو ملا کے مجہول نتیجے تک پہنچا جائے یہی علم ہے۔ تو اب نصرانی ہیں تو پھر وہ کیا ہیں؟ قرآن نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم یہودی نہ تھے اور نہ ہی نصرانی تھے بلکہ وہ حنیف اور مسلم تھے اب یہاں حنیف کا معنی کیا ہے؟ یہ لفظ حنف سے بنا ہے ح، ن، اور ف۔

سب باطل نظریات کو چھوڑ کے حق کے نظریے کی طرف پلٹ جانا یہ حنف ہے۔ ایسا بندہ جو سب باطل چھوڑ کر حق کی طرف پلٹ جائے اسے حنیف کہتے ہیں، اس کے مقابلے میں اس کی ضد جنف ہے۔ اس ح کو ج سے بدل دیں۔ جنف کا معنی یہ ہے کہ حق چھوڑ کے باطل کی طرف پلٹ جانا۔ ایک حنیف اور دوسرا جنیف بن جائے گا جنیف کا لفظ کہیں بھی استعمال ہوا۔

میں متضاد انداز سے دو لفظوں پر بحث کررہا ہوں۔ تو ابراہیم علیہ السلام کی پہلی صفت یہ کہ ہر باطل نظریے کو چھوڑ کے انہوں نے نظریہ حق کو قبول کیا تھا۔ نظریہ حق کیا ہے سیدنا آدمؑ سے لے کے جناب ابراہیم تک سب انبیاء کا جو نظریہ تھا وہ نظریہ حق ہے۔ لہٰذا وہ اس نظریے کے علمبردار ہیں اور جو سب انبیاء کا نظریہ ہے اس میں شرک کی آمیزش کبھی نہیں ہوتی۔ یہودیت نے جناب عزیرؑ کو ابن اللہ کہہ دیا، عیسائیوں نے جناب عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہہ دیا تم تو شرک کی نجاست میں گھرے ہوئے ہو، ابراہیم کی زندگی میں شرک کا کہیں وجود نہیں تھا لہٰذا وہ حنیف ہیں۔ یعنی ہر باطل مذہب سے ہٹ کے حق کی پیروی کرنے والے۔ اس میں ایک چھوٹی سی بات اور کہہ دوں تو بات زیادہ واضح ہوجائیگی کہ ہر وہ نظریہ زندگی جو انسان بناتا ہے وہ باطل ہے اور ہر وہ نظریہ زندگی جو اللہ اور رسولوں کے ذریعے سے انسانوں تک پہنچتا ہے وہ حق ہے۔ اس کا یہ موازنہ۔ جناب ابراہیمؑ ایک حنیف ہیں یعنی بندوں کے بنائے ہوئے نظریے کے پیچھے نہیں چلتے وہ حنیف ہیں کہ نبیوں کے امتیوں نے جو غلط

Marfat.com

نظریات قائم کردیے وہ ان کے پیچھے بھی نہیں چلتے اور کوئی بھی نبوت ان کو نہیں مانتی نہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے نظریات کو مانتی ہے نہ اس حق کی بگڑی ہوئی شکل کو مانتی ہے جسے ماننے والوں نے بگاڑ کے رکھ دیا ہو۔ یہ دو باتیں نبی کسی دور میں بھی نہیں مانتا، تو ایک بات یہ ہوئی کہ وہ حنیف ہیں دوسری بات یہ ہے کہ مسلم ہیں۔ یہاں مسلم کا لغوی معنی مراد ہے مسلمان کا نہیں۔ مسلم کا لفظی معنی ہوتا ہے تابع فرمان۔ قرآن نے پہلی بات میں حنیف کہہ کر دو باتوں کو رد کیا تھا۔ قرآن کے الفاظ میں یہی جامعیت ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے طریقے کے وہ پیروکار نہیں ہوتے اور انسانوں نے خدائی نظام بگاڑ کے بنائے ہیں دونوں حروف پڑھے جائیں تو ان کا تلفظ درست نہ ہو سکتا ہو، تو پھر جو آپ کے لیے ممکن ہے وہ ٹھیک ہے، اسلام کو تنگ نظری کی تنگنائیوں سے گزارنے کی کوشش نہ کی جائے، فرمایا کہ یہ ساری آسانیاں تمہارے لیے ہیں، یہ تو عام پڑھنے والے تھے، ایک پڑھنے والے کے گلے میں کپڑا ڈال کے فاروق اعظمؓ اسے جھٹکے مارتے ہوئے سرکار کی خدمت میں لے آئے، آ کے کہا کہ فلاں سورت آپ نے مجھے یوں پڑھائی ہے یہ بخاری میں حدیث موجود ہے، اور یہ بندہ تو یوں پڑھ رہا تھا، سرکارؐ نے فرمایا! پہلے اس کے گلے سے کپڑا تو نکالیے یہ کوئی طریقہ ہے! کپڑا نکالا فرمایا کہ اس کا تلفظ بھی ٹھیک ہے اور جیسے وہ پڑھ رہا تھا وہ بھی ٹھیک ہے، اور جیسے آپ (فاروق اعظمؓ) پڑھ رہے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے، یہ آسانی کی بات ہے اسے آسان رہنے دو، جب سرکارؐ تشریف لائے تو اس وقت عربی میں علاقائی زبانیں سات تھیں، آپ نے فرمایا اگر سات اندازوں سے مثلاً **نَعْبُدُ** ہے تو جنوبی عرب والے اسے **نِعْبُدُ** کہتے تھے، کچھ کہتے کہ 'ن' کے نیچے زیر ہے اور 'ب' کے نیچے بھی زیر ہے، اسے **نِعْبِدُ** پڑھ دو تو یہ لفظ وہی ہے، اس کی زبریں زیریں بدلی ہیں، تو ابتداء اسلام نے اس کی اجازت دے دی تھی، ہم جو عرب سے باہر رہنے والے تھے، اس ایک قرأت پر ہمیں جمع کر دیا گیا، جو سرکارؐ کی اپنی زبان کی قرأت تھی، وہ اس لیے تاکہ مختلف الفاظ میں فرق ڈال کے عجمیت غالب نہ آ جائے، الفاظ بدل نہ جائیں، اور اس انداز سے تورات اور انجیل میں پہلے تحریف ہو چکی تھی، وہ دروازہ علمی دنیا میں ہم نے ضرور بند کرنا ہے، لیکن عوام کو اس انداز پر مجبور نہیں کرنا، مثلاً قرآن کا لفظ ہے، جو عربی زبان میں بنے گا **للھب** ہمارے دیہاتوں میں خواتین پڑھتی ہیں **لاذھبا** تو اب اگر ان سے یہ توقع کریں کہ **ذھب** الگ ہے اور **لاَ** الگ ہے ان کی بلا جانے، اب اگر آپ یہ کوشش فرمائیں گے تو وہ قرآن کی تلاوت سے بھی جائیں گی، لہذا سرکار کا یہ ارشاد کہ یہ تمہارے لیے ساری سہولتیں ہیں، ان سہولتوں پر پابندی لگانے کی کوشش نہ کی جائے۔

۳۹ اب ارشاد فرمایا کہ وہ مشرک نہیں تھے، یہاں سے ہمیں ضمنی طور پر تین باتیں سمجھ آئیں، کہ جو انسانی قانون بنا کے انسانوں کے سروں پر مسلط کرتا ہے وہ شرک کرتا ہے، جو آیات الٰہیہ کے اصل مفاہیم کو بدل کے اپنے مفاہیم پہنا دیتا ہے وہ بھی شرک کرتا ہے، جو اپنی خواہش نفس سے فیصلے کرتا ہے وہ بھی شرک کرتا ہے، کیونکہ قرآن نے تینوں باتوں کی تردید کر کے ارشاد فرمایا کہ وہ

مشرکوں میں سے نہیں تھے، پتہ چلا کہ یہ تینوں باتیں شرکیہ انداز کی تھیں، اب یہودی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم یہودی ہیں تو ابراہیمؑ بھی یہودی تھے، عیسائی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں تو ابراہیمؑ بھی عیسائی تھے، اب یہ پتہ چل گیا کہ وہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے، ان میں یہ تین باتیں تھیں، اب ان تین باتوں کے ماننے والے کون لوگ ہیں۔

﴿ قرآن نے کہا، ابراہیمؑ کے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں، جنہوں نے ان کے اپنے دور اقدس میں ان کی پیروی کی، ان کا وہی نظریہ تھا جو سیدنا ابراہیمؑ کا نظریہ تھا، اور جب وہ دور گزر گیا تو پھر ابراہیمؑ کے زیادہ قریب ہمارے کالی زلفوں والے تھے، یہ نبی ہے جو ابراہیمؑ کے سب سے زیادہ قریب ہے، پھر ابراہیمؑ کے قریب کون ہیں، وہ اس نبی کے پیروکار ہیں، اس لیے کہ جس طرح ملت ابراہیمیؑ ان تین باتوں کی پابند تھی، اسی طرح ملت محمدیہ بھی ان تین باتوں کی پابند ہے، لہذا ابراہیم کے قریب یہ ہیں، میں اَوْلٰی کا معنی قریب کر رہا ہوں، اَوْلٰی کا معنی زیادہ قریب اس کے اور معنی بھی ہیں، یہ جو میرے سامنے ترجمہ پڑا ہوا ہے انہوں نے ترجمہ کیا ہے کہ لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کی تھی، اسی طرح فاضل بریلوی نے یہاں ترجمہ کیا ہے، زیادہ حقدار، یہ ترجمہ ٹھیک ہے، لیکن میں نے وہ ترجمہ کرنا ہے جو عوام کے ذہنوں میں فوراً اتر جائے، اس کو قرآن نے بذات خود قریب کے معنی میں استعمال کیا ہے، تو یہاں اس کا معنی قریب کر دیں تو زیادہ بہتر ہوگا، ابراہیمؑ کے زیادہ قریب تین لوگ ہیں، ایک وہ جو ان کے دور میں انہیں مانتے تھے، دوسرے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تیسرے سرکارؐ کے غلام، یہ لوگ ایمان والے ہیں، خواہ وہ دور ابراہیمی میں تھے خواہ وہ دور مصطفویؐ میں ہیں، اور اللہ ان مومنوں کا مددگار ہے، ولی کا معنی مددگار، والی وغیرہ نہیں، اب ایک خواہش تھی اہل کتاب کی، کہ کوئی بھی طریقہ ایسا اپناؤ کہ یہ مسلمان اسلام چھوڑ کے واپس ہمارے اندر شامل ہو جائیں، اس کی تین وجوہات تھیں، پہلی بنیادی وجہ یہ تھی، کہ اسلام نے ان کے معاشرے سے ہی بندے نکالے ہیں، یہودی مسلمان ہو گئے، عیسائی مسلمان ہو گئے، مشرک مسلمان ہو گئے، اب کوئی کسی کا بیٹا ہے کوئی کسی کا بھائی ہے کوئی کسی کا باپ ہے وہ کہتے تھے کہ ہمارے معاشرے میں اسلام نے آ کے تفریق ڈال دی ہے، لہذا کوئی ایسی صورت پیدا کرو کہ یہ لوگ واپس آ جائیں، یہ ان کی خواہش تھی، قرآن نے کہا کہ جس حد تک یہ لوگ خود گمراہ ہیں، تو کسی اور کو گمراہی کی دعوت دینے میں کتنے بے باک ہیں، یہ تو اپنی جانوں کو خود گمراہ کر رہے ہیں، انہیں اس بات کا شعور بھی نہیں ہے، کہ جب کوئی نبی آتا ہے، تو جس انداز سے اس کی تعلیمات لوگوں کے دلوں میں اترتی ہیں، سینے پھٹ تو سکتے ہیں لیکن ان نظریات سے وہ منہ موڑ نہیں سکتے، حضور حیدر کرارؓ کا ایک بڑا ہی نفیس ارشاد ہے نہج البلاغۃ میں، وہ فقرہ آپ سن لیں ایمان تازہ ہو جائیگا، مولائے کائنات نے فرمایا!

"کہ میرا ایمان بالغیب ہے" اگر اللہ اپنے سارے پردے ہٹا کے میرے سامنے آ جائے تو میرے ایمان میں ذرا بھی اضافہ نہیں ہوگا، یہ وہ عظیم مقام ہے، جو ایمان کی اصلیت ہے، میں اسے دیکھے بغیر جس انداز سے مان رہا ہوں، اگر وہ سامنے

Marfat.com

آجائے تو تب بھی اس ایمان میں فرق نہیں آئے گا، ایمان بالغیب ایمان بالشہادت میں تبدیل ہو جائے تو پھر ایمان وہاں ہی رہے گا جس مقام پر ایمان ہے، آیئے اس قول کے قریب ہونے کی کوشش کریں، کیا ہمارے اندر بھی ایسا جذبہ ہے، کہ جو ہمارا ایمان بالغیب ہے اور وہ ایمان بالغیب اتنا قوی ہے کہ جس قسم کا بھی طوفان آجائے ہم اس ایمان سے روگردانی نہیں کریں گے، اس میں کہیں ضعف پیدا نہ ہو، اگر ایمان بالغیب اس مرحلے پر پہنچ جائے تو پھر ایمان بالشہادت اس میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔

اے اہل کتاب مجھے ایک بات بتاؤ کہ تمہارے پاس انبیاء آئے تم نے وہ آیات مانیں جو تورات یا انجیل میں تھیں، جب نبی رحمت تشریف لے آئے، اور ان کے پاس بھی اسی آیات بھیجنے والے نے آیات بھیجیں، جس نے ان نبیوں کے پاس بھیجی تھیں، تو پھر ان کا انکار کیوں کرتے ہو، انکار وہ بندہ کرے جسے علم شہادت نہ ہو، تب تو کوئی بات سمجھ بھی آتی ہے، تم اس بات کے شاہد ہو کہ اللہ نے آیات نازل فرمائی ہیں، تو آج پھر وہی اللہ آیات نازل فرما رہا ہے، تو تم بے رخی کیوں کر رہے ہو، جس طرح پہلے آیات کو مانا تھا، اسی طریقے سے ان آیات کو بھی مان لو، اب جن لوگوں میں اللہ کریم نے صلاحیت رکھی تھی، انہوں نے اسے مانا، بخاری میں یہ حدیث موجود ہے، کہ جب رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہے تھے، تو مدینے کے یہود میں سے ایک صاحب کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں اتار رہے تھے انہیں کسی نے بتایا کہ آپ ذرا ادھر دیکھیں، جدھر یہ چند بندے جا رہے ہیں یہ مکہ مکرمہ سے آئے ہوئے نبی کے ساتھ جا رہے ہیں اور وہ بندہ جس نے اس قسم کا لباس پہنا ہوا ہے اور اس قسم کی پگڑی سر پر ہے یہ وہ رسول ہے جسے یہ لوگ رسول مانتے ہیں، جناب عبداللہ بن سلام نے جو کھجور کے درخت کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں، حضور کے چہرہ اقدس پر نگاہ ڈالی، اور نگاہ ڈالتے ہی ان ساتھیوں سے جو کھجور کے درخت کے نیچے کھڑے تھے انہیں کہنے لگے "یہ چہرہ اقدس کسی جھوٹے انسان کا چہرہ ہو ہی نہیں سکتا" لہذا یہ سچے انسان کا چہرہ ہے، تو اب جو اہل کتاب متلاشی حق تھے، آیات آتی تھیں تو انہیں بھی مان لیتے تھے، سرکار کی زیارت کرتے تھے تو سرکارؐ کو بھی مان لیتے تھے، میں تبرکاً ساری حدیث کا ترجمہ کر دیتا ہوں۔

جب وہاں سے اترے شام کو سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کرنے لگے یا رسول اللہؐ میں نے آپ کو دیکھا ایس ایمان لے آیا، اب آپ مجھے ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دیں، شہر کے معزز یہودیوں کو بلائیں، میرے بارے میں ان سے ایک سوال کریں، پھر آگے جدھر بھی بات بڑھے گی وہ آپ دیکھ لیں گے، سرکارؐ نے انہیں کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی، شہر کے یہودی جو معززین تھے انہیں بلایا، دعوت اسلام پیش فرمائی، انہوں نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پاس تو پہلے سے اللہ کی کتاب موجود ہے تورات بھی ہے انجیل بھی ہے، ہمیں نہ کسی نئی کتاب کی ضرورت ہے نہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہے ہم نہیں مانتے سرکارؐ نے فرمایا عبداللہ بن سلام سنا ہے تمہارے بڑے عالم ہیں، وہ کیسے ہیں، بے پناہ تعریفیں

Marfat.com

کیں عبداللہ بن سلام کی، سرکارؐ نے فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر! کہنے لگے اللہ اس کو اسلام سے بچائے جو آپ لے کے آئے ہیں، وہ قطعاً مسلمان نہیں ہو سکتے، مدینے کا وہ آخری بندہ ہوگا، اگر وہ اسلام لے آئے، ہم سب پہلے مسلمان ہو جائیں گے تب وہ اسلام لائے گا وہ بڑا قابل آدمی ہے سرکارؐ نے کہا کہ اگر وہ اسلام لے آئے، مگر یہ بات ممکن نہیں ہے! سرکارؐ نے کسی صحابیؓ کو اشارہ کیا انہوں نے جا کر کنڈی کھول دی وہ نکلے اور وہاں سے بلند آواز سے پڑھتے آرہے تھے **اشھد ان محمد رسول اللّٰہ** سرکارؐ نے فرمایا اب بتایئے کہنے لگے یہ تو بدترین ہے ساری مخلوق سے، بدترین باپ کا بیٹا ہے، بدترین دادے کا پوتا ہے، ابھی جو زبان عبداللہ بن سلام کی تعریف میں مصروف تھی اب وہ زبان بدل گئی اور اسی زبان سے ان کی مذمت ہونے لگی، یہ علامات ہیں جو منافق لوگوں کی ہوتی ہیں، تو قرآن کریم نے ادھر اشارہ کر کے فرمایا!

<u>تم تو گواہ تھے عظمت مصطفویؐ کے تم گواہ تھے آیات ربانی کے تم ہی ٹیڑھے چل پڑے ہو، اب تمہارا انداز کیا ہے، کہ حق اور باطل کو ملا دیتے ہو</u>

یہ دورِ قدیم سے انسان کی خامی رہی ہے، کہ بجائے اس کے کہ سادہ لفظوں میں حق سامنے آیا ہے تو اسے مان لے، اس میں اپنی طرف سے تاویل کرے گا، معنے کو بدلے گا، وجہ یہ ہے کہ وہ جو اندر چھپا ہوا شیطان ہے وہ کہتا ہے کہ میں بھی جیتا رہوں اور مذہب بھی چلتا رہے، تو یہ معمول ہے ان لوگوں کا جو سیدھے سادے خدائی مذہب کو ماننے سے پہلوتہی کرتے رہتے ہیں، وہ حق اور باطل کو ملا دیتے ہیں، پھر حق کو چھپا دیتے ہیں، ارشاد فرمایا یہ اس لیے نہیں ہوتا، کہ دوران اجتہاد تمہیں غلطی لگ جاتی ہے، ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کرنی ہے، آپ اپنے آپ کو ایک طرف رکھ کے، معاشرے کو ایک طرف رکھ کے، ماحول کو ایک طرف رکھ کے، اِدھر اُدھر کے مانگے تانگے نظریات کو ایک طرف رکھ کے، خالی الذہن ہو کے قرآن پر غور کرتے ہیں تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر غور کرتے ہیں تو حقیقت نکھر کے سامنے آجاتی ہے، اب وہ ماحول کی سیاہیاں اس میں ملانے کی کوشش کرتے ہیں، ماحول کے نظریات اس میں ملانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اللہ ہمیں پناہ دے دور حاضر میں ہم ملاوٹ کے زبردست ماہر ہیں، ہم نے اسلام کے ساتھ سوشل ازم کو بھی ملا دیا، ہم نے اسلام کے ساتھ استعماریت کو بھی ملا دیا ہے، اور انہیں ملا کے کہا کہ جناب یہ تو اسلام نے بات پیش کی تھی، یعنی جب شکست خوردہ آدمی مغلوب آدمی غالب کے سامنے یہ بات کہتا ہے تو اس بات کا کوئی وزن نہیں ہوتا، یہ چاپلوسی ہے یہ مداھنت ہے، تھوڑا آگے بڑھ جائیں تو یہ منافقت ہے، اسلام کا اپنا ایک مزاج ہے، آپ کو پسند نہیں ہے، جو پسند ہے اسے قبول کرلیں، لیکن اسلام قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دیتا، کہ اس کے پاکیزہ اور خالص نظام پر مختلف قسم کے چیتھڑے وابستہ کردئے جائیں، اور پھر کہا جائے کہ یہ اسلام ہے، اسلام تو ایک ہی بات کہتا ہے، کہ قرآن مرکز ہے، اور اس کی شرح کا حق سب سے پہلے مصطفیؐ کو ہے، پھر اس کے بعد جتنے بھی عظماء امت گزرے ہیں

کا مطلب ہے کہ وہ لوگ جو سرکار علیہ السلام سے فیض یافتہ ہیں، یعنی جس طرح صحابہ واہل بیت ایمان لائے ہیں، ایسے ہی تم بھی ایمان لاؤ، یہاں سے نکتہ یہ نکلا، کہ معتبر ایمان ان لوگوں کا ہے جو سرکار علیہ السلام کے پاس ایمان لائے، اور اس طریقے سے انہوں نے عمل کیا ہے کہ جیسے سرکار علیہ السلام نے فرمایا تھا، اب یہاں منافقوں کو دعوت ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جو غلامان مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔

"قالوا" (وہ کہتے ہیں) **"انؤ من"** (ہمزہ استفہام ہے یعنی کیا ہم ایمان لائیں) **"کما امن السّفهآء"** (کما جیسا کہ ایمان لائے۔ **السّفهاء**۔ یہ **سفیہ** کی جمع ہے **سفیہ** عربی زبان میں پاگل اور بے وقوف کو کہتے ہیں، کیا ہم ایمان لائیں جس طرح پاگل لوگ ایمان لائے ہیں) **"النّاس"** پر الف لام عہد خارجی تھا، اسی طرح **سفهاء** پر بھی ہے یعنی وہی لوگ جن جیسا ایمان لانے کی دعوت دی گئی تھی، ان سب لوگوں کو انہوں نے **سفهاء** کہا ہے، مفسرین نے یہاں، بہت کچھ فرمایا مگر میں یہاں صرف یہ عرض کروں گا کہ ان کا خیال تھا کہ ان میں اکثریت غرباء کی ہے، دوسرا خیال یہ تھا کہ اکثریت غلاموں کی ہے، لہذا انتہائی نیچے والا طبقہ ہے انہیں عقل وشعور نہیں ہے، لہذا ہم ان جیسا ایمان لا کے بے وقوفوں کے زمرے میں شمار نہیں ہو سکتے۔ اللہ کریم نے اس کا جواب دیا۔

"الآ" (یہ لفظ تنبیہ کے لیے آتا ہے اب اس کا کسی جگہ میں ترجمہ کروں گا، کہ۔ سنو، سنو! کسی جگہ کہوں گا، خبر دار! کسی جگہ کہوں گا، کہ متوجہ ہو جاؤ! کسی جگہ غور کر لو!) یعنی جس قسم کی عبارت کا چلاؤ ہو گا، اسی قسم کا ترجمہ ہو گا، کیونکہ ہمارے پاس متبادل الفاظ ہر زبان کی طرح موجود ہوتے ہیں، **"الآ"** (متوجہ ہو جاؤ)، **"ان"** (یقیناً، بے شک) **"هم"** وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں) کہ صحابہ عالی مقام۔ **العیاذباللہ**۔ **سفهاء** میں شامل ہیں۔

"السّفهاء" وہی پاگل ہیں جو صحابہ کو پاگل کہتے ہیں، یہاں ایک بات اور عرض کر دوں کہ، **"ان"** کے بعد۔ **"هم"** آ گیا۔ **هم** ضمیر ہے جمع غائب کے لیے یعنی وہ سب مرد اس کے بعد ہے، **"السّفها هم"** اسم معرفہ Proper Noun ہے **"السّفها"** الف۔ لام کی وجہ سے پراپر ناؤن اسم معرفہ ہے، عربی گرائمر میں یہاں شبہ پڑتا ہے، یہ صفت موصوف ہیں، یا مبتدا خبر ہیں؟ تو اس شبہ کو کاٹنے کے لیے قرآن جگہ جگہ پر درمیان میں دوبارہ ضمیر لے آتا ہے، عربی گرائمر میں اسے ضمیر فاصل کہتے ہیں، یعنی اس نے آ کے فرق پیدا کر دیا ہے، کہ یہ صفت موصوف نہیں بلکہ مبتدا خبر ہیں، عربی گرائمر کا اپنا ایک سٹائل Style ہے، جنہوں نے اس سٹائل کو چھوڑا وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے رہے۔ اب جب **هم** کا لفظ دو دفعہ آ گیا تو اردو میں اسے نبھانے کے لیے آپ حصر کا معنی پیدا کریں گے، حصر پیدا کرتے ہوئے بات یہ ہو گی، یہ لوگ ہی پاگل ہیں۔ **"ولکن لاّ یعلمون"** (لیکن اپنے پاگل پن کو یہ جانتے نہیں ہیں، اب یہاں ایک اور علمی نکتہ ہے، کہ ان لوگوں کا جو

Marfat.com

ان سب نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لیے ہوئے نور سے آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے، ایک چھوٹی سی مثال اور عرض کرتا ہوں، مولائے کائنات کوفے میں منبر پر تشریف فرما تھے، کسی مسئلے پر ایک نرالی سی کیفیت بن گئی، آپ نے ارشاد فرمایا، عرش تک جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے پوچھ لو، جب آپ تشریف لے گئے، کسی ساتھی نے پاس بیٹھ کے عرض کیا، حضور عرش کی حد بندی کیوں تھی، تو آپ کا جواب یہ تھا کہ مقام رسالت کا ادب ملحوظ تھا، لہٰذا میں اس سے آگے اس لیے نہیں بڑھا کہ جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب اور مرتبہ ہے، اس میں کسی انداز سے فرق نہ آنے پائے، تو یہ ہے ہمارے عظماء کا انداز، یہ ہے طرز زندگی، جسے وہ نبھانے کے لیے مختلف طریقے اور بے شمار حکیمانہ باتیں ہمارے سامنے ارشاد فرماتے رہتے تھے، اب ان کی ایک سکیم کو قرآن نے وقت سے پہلے واشگاف لفظوں میں کہہ دیا، ان کے لیے حیرت یہ ہوتی تھی، کہ جو ہم رات کے اندھیرے میں دروازے بند کر کے اپنے گھروں میں مشورے کرتے ہیں وہ صبح سویرے قرآن کی شکل میں مصطفیٰ علیہ السلام پر نازل ہو جاتے ہیں، ہمارا سارے کا سارا تحفظ ضائع ہو جاتا ہے۔

۷۲ یہاں اگلی آیت میں ایسا ہی مفہوم ہے، ان میں سے کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ ایک طریقہ ہے اسلام کا راستہ روکنے کا، اس پر اس دور میں بھی عمل ہوتا ہے، میں ادھر بھی آتا ہوں، وہ طریقہ ان کے نزدیک کیا تھا، ایسا کرو سویرے جا کے ہمارے آٹھ دس آدمی مصطفیٰ علیہ السلام کی محفل میں جائیں اور کہیں جناب ہم مسلمان ہو گئے ہیں، وہاں اسلام کا اعلان کرو، آج شام کل شام واپس آئیں اور آ کے کہیں کہ ہم نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے وہ تو خامیوں کا مجسمہ ہے، مسلمانوں کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ تو بڑے بد اخلاق لوگ ہیں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو ہم بطور سپیکر استعمال کریں گے، اور یہ اسلام کی خامیاں بیان کریں گے، اب وہ طبقہ جو اسلام سے جذباتی لگاؤ رکھتا ہے، ان پڑھ ہے، وہ مسلمان تو ہو چکے ہیں، جب وہ سمجھیں گے کہ فلاں چوہدری صاحب فلاں علامہ صاحب وہ خیر سے اسلام کو چھوڑ آئے ہیں تو اس میں کوئی نقص ہوگا تبھی چھوڑ گئے ہیں، تو ہم بھی چھوڑ دیں، یہ جو رات کی سکیم چلی تھی، یہ صبح ہونے سے پہلے پہلے مسلمانوں کی زبان پر تھی، جب یہودیوں کی محفلوں میں جا کے یہ آیت انہیں سنائی، گلی سے گزرتے ہوئے ان کے گھر کے پاس بلند آواز سے یہ آیت پڑھ دی، تو کہنے لگے کہ بات تو بگڑ گئی ہے بات تو بنی نہیں اب پتہ ہے کیا ہوتا ہے، پراپیگنڈا کے لیے۔ بہت سے لوگوں کو دوسری جعلی قسم کی جماعتوں میں داخل کر لیا جاتا ہے بھائی وہاں جا کے آپ نے یہ اور یہ باتیں کرنی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے یہودیوں کی کئی صفات معاشرے میں ابھی تک باقی ہیں، وہ نکل نہیں سکی ہیں۔

اب اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں۔ صبح تو ایمان لے آؤ شام ہو تو کفر کو قبول کر لو، اس طرح وہ واپس آ جائیں گے، لیکن تمہیں ہم نے تین باتیں سکھائی ہیں، عزیز بہنوں، بھائیوں اور بچیوں سے یہ درخواست ہے کہ قرآن کی وہ آیات جو مفسرین کے خیال

میں سب سے مشکل شمار ہوتی ہیں ان میں یہ آیت بھی ہے، الفاظ بڑے سادہ ہیں پھر مشکل کہاں پیدا ہوگئی؟ درمیان میں ایک جملہ آگیا **قل ان الھدیٰ ھدی اللہ** " کچھ مفسرین نے اس کو پہلے جملے کے ساتھ ملادیا ہے اور کسی نے آگے والے جملے کے ساتھ ملادیا ہے، جب بات نہ بنی تو بہت سی لمبی تاویلات شروع کردیں، لیکن یہ بڑا ہی سادا فقرہ ہے، اگر اسے تھوڑی سی دیر آپ ایک طرف رکھ دیں تو بات فوراً بن جائیگی۔ وہ تین باتیں انہیں سکھاتے تھے اب وہ تین باتیں ہم قرآن کے مختلف جملوں سے اخذ کرتے ہیں پہلی بات یہ ہے جنہیں وہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل میں بھیجتے تو انہیں اندر سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ کہیں اس محفل میں جا کے ہمارے کام سے بالکل ہی نہ نکل جائیں، مسلمان ہی نہ ہو جائیں پکے اور سچے لہذا انہیں تین باتیں سکھا دی جائیں اور خوب خوب ان کے دل ودماغ میں اتار دی جائیں پہلی بات یہ ہے کہ جو یہودی یا نصرانی ہو اس کے نظریے کو تم نے ماننا ہے ان دونظریوں کے خلاف جو بات بھی ہوگی اسے ہرگز نہیں ماننا پہلی بات۔ دوسری بات ان کے ذہن میں یہ بٹھاتے تھے کہ یہ بات بالکل نہیں ماننی کہ کسی اور کو بھی وہ انعام واکرام مل سکتا ہے جو تمہیں ملا ہے۔ اس انعام واکرام کا اشارہ تورات اور انجیل کی طرف تھا کہ جس طرح تمہیں کتاب ملی ہے اس طرح کسی اور کو کتاب ملے یہ ناممکن ہے۔ یہ دوسری بات تھی تیسری بات یہ تھی کہ مسلمان کل میدان محشر میں تمہارے سامنے دلائل پیش کریں ایسی بات بالکل نہیں ہوگی، یہ ہمارے سامنے وہاں آ ہی نہیں سکیں گے خدا جانے انہیں کہیں اڑا کے پھینک دیا جائے گا یہ تین باتیں تھیں جو انہیں سکھائی جاتی تھیں۔

۳۴ علامہ قرطبی جیسے مفسرین نے جہاں تک میرا مطالعہ ہے، سب سے پہلے ان تین باتوں کو الگ کیا، اور ایک نکتے کا تعین فرمایا، وہ نکتہ یہ تھا، کہ محبوب آپ یہ کہہ دیں کہ ہدایت اللہ کی ہدایت ہے یہ جملہ معترضہ ہے، جملہ معترضہ آپ سارے لوگ جانتے ہیں، کہ آپ ایک بات کرتے جارہے ہیں، ایک شبہ پیدا ہوتا ہے، آپ کا خیال ہے کہ سننے والے کے ذہن میں اس فقرے سے یہ شبہ پیدا ہوجاتا ہے، آپ بات کاٹ کے درمیان میں ایک فقرہ بڑھا دیتے ہیں، اور آگے پھر اصل بات شروع ہوجاتی ہے، اسے جملہ معترضہ کہتے ہیں، مثلاً آپ بات کررہے ہیں، کہ حضرت قائد اعظم" درمیان میں کہہ دیا کہ اللہ ان پر رحم فرمائے، عظیم قائد تھے، اللہ ان پر رحم فرمائے یہ جملہ معترضہ ہے، آپ نے کہا قائد اعظم بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے، وہ فلاں سن میں پیدا ہوئے، لیکن بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے یہاں یہ فقرہ بڑھا دیا کہ نہ وہ بکنا جانتے تھے نہ وہ جھکنا جانتے تھے، تو یہ درمیان میں جملہ معترضہ آگیا، یہاں بھی یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے، اب میں اس آیت کا ترجمہ کردیتا ہوں تاکہ بات واضح ہوجائے۔ انہیں سکھا کے جب بھیجا جارہا ہے کہ تم نے اسلام کا اعلان کرنا ہے اور اندر سے مسلمان نہیں ہونا ان تین باتوں کو ماننا ہے تم ہرگز ایمان نہ لاؤ، مگر اس آدمی کی بات پر جو تمہارے دین کے تابع ہو، یہاں پہلی بات ختم ہوگئی، جملہ معترضہ آگیا، فرمادیجئے کہ ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے، تمہارے دین کے تابع ہونے سے تو زائد نہیں ہوتی، یہ جملہ معترضہ آگیا، اب دوسری

Marfat.com

بات آئی، یہ بات ہرگز نہ مانو، اس کا تعلق اسی لا تؤمنوا کے ساتھ ہے، کہ کسی اور کو بھی ایسا دیا جا سکتا ہے، جیسا تمہیں دیا جا چکا ہے، آگے پھر لا تؤمنوا کے ساتھ اگلے جملے کا پھر تعلق ہے اس بات کو بھی ہرگز نہیں ماننا کہ کوئی حجت بازی قیامت کے دن تمہارے ساتھ کر سکے گا، یہ بات بھی نہیں ہے، تینوں باتوں کو کہہ دیا درمیان میں جملہ معترضہ آ گیا کہ ہدایت وہ نہیں ہے جو تم کہتے ہو، ہدایت وہ ہے جسے اللہ ہدایت کہے، آگے فرمایا کہ اللہ کے ہاتھ میں فضل ہے، یہاں فضل سے مراد وحی اور کتاب ہے، اللہ جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے، اللہ تمہارے تابع تو ہے نہیں، کہ تمہیں تو تورات دے دے انجیل دے دے، اور قرآن پاک اپنے محبوب اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا نہ فرمائے، یہ بات نہیں ہے، وہاں وسعتیں ہیں علم ہے، جسے چاہتا ہے علم عطا کر دیتا ہے، وہ بڑے فضل والا ہے، قرآن کی تنقید کا ایک انداز ہے۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ

کچھ اہل کتاب وہ ہیں، کہ اگر آپ انہیں ڈھیروں مال دے دیں

يُؤَدِّهِۦٓ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِۦٓ إِلَيْكَ إِلَّا

وہ واپس آپ کو دے دیں گے، کچھ وہ ہیں، کہ اگر انہیں ایک دینار دے دیا جائے، تو وہ واپس نہیں کریں گے، جب تک

مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا۟ لَيْسَ عَلَيْنَا فِى ٱلْأُمِّيِّـۧنَ

آپ ان کے سر پر کھڑے نہ رہیں، یہ اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ جوان پڑھ ہیں

سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۵﴾

ان کا کچھ لے لینا گناہ نہیں ہے[۴۴]، اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ اس بات کو جانتے ہیں[۴۵]

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِۦ وَٱتَّقَىٰ فَإِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَّقِينَ ﴿۷۶﴾ إِنَّ

ہاں جو بھی اللہ کے عہد کو پورا کرتا ہے، پرہیزگاری اختیار کرتا ہے، اللہ ایسے پرہیزگار لوگوں کو پسند فرماتا ہے یقیناً

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا

جولوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسمیں بیچ کے اس دنیا کی تھوڑی سی رقم لے لیتے ہیں، ان کے لیے کوئی

خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ

حصہ نہیں آخرت میں ، اللہ ان سے بات نہیں کرے گا، ان پر نگاہ رحمت نہیں ڈالے گا

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۷﴾

قیامت کے دن، انہیں پاک بھی نہیں کرے گا، ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۷۷

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ

ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جو اپنی زبانوں کو موڑ موڑ کے اللہ کے الفاظ کو تبدیل کرتے ہیں، تاکہ تم سمجھو

مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ

اسے کتاب سے ، حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے بھی نہیں ہے، اللہ پر وہ جھوٹے اتہام باندھتے ہیں

وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

حالانکہ وہ اس بات کو جانتے ہیں ، کوئی انسان جسے اللہ کتاب وحکمت اور نبوت دے

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ

(ان تین نعمتوں کے بعد) وہ لوگوں سے کہے، کہ میرے بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ دو

Marfat.com

دُونِ ٱللَّهِ وَلَٰكِن كُونُواْ رَبَّٰنِيِّـۧنَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ ٱلْكِتَٰبَ

یہ لوگ تو کہتے ہیں کہ تم رب والے بنو کیونکہ تم کتاب کو پڑھتے ہو

وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُواْ ٱلْمَلَٰٓئِكَةَ

اور ایک دوسرے کو کتاب پڑھاتے بھی ہو (اللہ کا کامل بندہ) تمہیں یہ حکم نہیں دے گا، تم فرشتوں کو

وَٱلنَّبِيِّـۧنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُم بِٱلْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾

اور نبیوں کو رب بنالو، یہ تو کفر یہ بات ہے، اسلام کے بعد کیا تمہیں کفر کا حکم بھی دیا جا سکتا ہے؟

ومن اهل الكتاب من ان تامنه بقنطار یؤده الیک........

☜یہاں پہلی بات تو کچھ یہودیوں کی فطرت تھی جسے قرآن نے ذکر کیا، لیکن اسے عموماً نہیں رکھا، معاشرے میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں، تو جب بھی قرآن تنقید کرتا ہے، اچھے لوگوں کو ایک طرف نکال دیتا ہے، ارشاد فرمایا کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جن کو بے پناہ دولت آپ دے دیں امانت کے طور پر، وہ خیانت نہیں کریں گے، آپ کو واپس دے دیں گے، ان میں وہ بھی ہیں، کہ ایک دینار دے دیں تو جب تک آپ اس کے سر پر نہ چڑھے رہیں وہ ایک دینار بھی واپس نہیں دینا چاہے گا، اور دلیل کیا دیتے ہیں، کہ ہم لکھے پڑھے لوگ ہیں، یہ تو ان پڑھ لوگ ہیں، ان ان پڑھ لوگوں کو ہم سے واپس پیسے لینے کا حق نہیں ہے، سبیل کا لفظی معنی راستہ ہوتا ہے، لیکن قرآن میں کئی جگہوں پر سبیل کا معنی دلیل آیا ہے، یہاں بھی معنی دلیل ہے، ان پڑھ لوگ ہمارے سامنے کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے، ہم لکھے پڑھے لوگ ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد ہوتا ہے، کہ معاشرے کے گرے پڑے لوگوں کو اوپر اٹھانا، اگر تعلیم کو آپ گرے پڑے لوگوں کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرنا شروع کریں، تو معاشرے کے مختلف طبقات میں بہت بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

آپ جب بھی قرآن کا مطالعہ کرنے بیٹھیں گے، ایک نفیس بات آپ کے ذہن میں اترتی رہے گی، کہ قرآن مستضعفین کو اوپر

لاتا ہے، اور جہاں بھی مستضعفین ہوتے ہیں، ان کی حمایت ہوتی ہے مستکبرین کی نہیں، فرعون نے زمین میں برتری چاہی، اب برتری چاہنے کو قرآن نے یہاں معیوب مرادلیا ہے، شیطان نے کہا کہ یہ مٹی سے بنا ہے میں آگ سے بنا ہوا ہوں، اس نے بھی برتری چاہی، اس مصنوعی برتری کا اسلام قائل نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ معاشرے کے سب طبقات کو ساتھ لے کے آگے بڑھو، اب بے شمار اقتصادی مسائل ہیں، اسلام نے ان کا حل پیش کیا ہے، اس کے اندر بھی یہی جذبہ کارفرا ہے، کہ گرے پڑے طبقے کو اٹھا کے آگے بڑھنا ہے، تو آپ اگر طویل انسانی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو مستضعفین کی قیادت ہمیشہ عظیم لوگوں نے فرمائی، اور انہیں پستیوں سے اٹھا کے بلندیوں تک پہنچایا ہے، اب آپ عربوں کو ہی دیکھ لیں، یہ اپنے دور میں دنیا کے سب سے زیادہ مستضعفین تھے، تو نبی رحمتؐ نے انہیں ہی اوپر اٹھایا، اور وہ چند سالوں میں اس وقت کی آباد دنیا پر چھا گئے، تو اب یہاں ارشاد یہ ہوا کہ امامت بے حد اہم بات ہے، تو یہ بات کہنا کہ ان لوگوں کی دلیل ہمارے سامنے نہیں چلتی، کیونکہ ہم زیادہ لکھے پڑھے لوگ ہیں، یہ معاشرے کو غلط راستے پر ڈالنے کے مترادف ہے، لہذا یہودیوں کی اس دلیل کو قرآن نے ریجیکٹ Reject کر دیا ہے، اب اگر کوئی مسلمان طبقہ بھی اس انداز کی دلیل لیتا ہے تو قرآن کے اسی نکتہ نظر سے وہ بھی تردید کے قابل ہے، اللہ کے بارے میں یہ جھوٹی باتیں کر رہے ہیں، اور بے خبری میں نہیں کر رہے، انہیں پتہ ہے جو یہ کر رہے ہیں، قرآن نے بار بار ایک بات پر زور دیا ہے، کہ بے خبری میں جو بات ہوتی ہے وہ ہے ناجائز، لیکن اس کی سختی میں تھوڑی کمی آجاتی ہے، یہاں سے ایک بات اخذ کی ہمارے فقہاء نے، فقہاء اسلامی قانون کے جاننے والے ماہرین کو کہا جاتا ہے، یہ فقیہ کی جمع ہے، فقہاء نے ایک بات کہی کہ آپ نے اپنے نظریات کو ایک طرف رکھ دیا، خیالات کو ایک طرف رکھ دیا، خالی الذہن ہو کے آپ نے قرآن وسنت کا مطالعہ کیا، آپ بڑے خلوص سے مطالعہ کرتے ہوئے کسی مقام پر بھٹک گئے، تو اس بھٹکنے کا مواخذہ آپ سے نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ آپ نے اپنے نظریات قرآن پر تھوپے نہیں ہیں، اپنے معاشرے کو قرآن پر مسلط نہیں کیا ہے، آپ بالکل خالی الذہن ہو گئے تھے، اس خالی الذہن ہونے کی کیفیت میں جو بات آپ نے کی ہے وہ مقبول ہے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ لفظ نکلے کہ آنے والے دور میں اگر مجتہد خطا کر جائے گا اپنے خلوص کے بعد تو پھر بھی وہ ثواب کا مستحق ہے کہ اس نے قرآن وسنت پر بڑی محنت کی ہے، اور جب وہ نتیجے پر ٹھیک پہنچے گا تو پھر وہ دوہرے ثواب کا مستحق ہے، اب اگر وہ غلط چلا گیا ہے، تو اگلی نسل کا یہ فرض ہے کہ اس کو جانچتے ہوئے یہ کہہ دے کہ فلاں آدمی زیادہ درست ہے، یہ درست نہیں ہے، لیکن اسے کفر اور اسلام کی بات بنا لینا یہ زیادتی ہوگی، اب مثلاً ایک چھوٹی سی بات ہے، کہ قرآن ایک لفظ استعمال کرتا ہے، اصول میں یہ بات ہے کہ کیا وہ لفظ عام ہے یا خاص، اگر عام ہے تو اس میں کتنی چیزیں شامل ہیں، خاص ہے تو کتنی چیزیں شامل ہیں، کیا اس عام سے کسی کو خاص کیا جا سکتا ہے، تو خاص کون کرے گا، ان سب باتوں کو مجتہد اپنے انداز سے جانچتا ہے، پھر وہ کسی نتیجے پر پہنچتا ہے، اس کی ذات ایک

طرف ہے،اسے جو اللہ نے ذہن دے رکھا ہے وہ صرف اسلام کو اجاگر کرنے کے لیے ہے،اس نے اگر راتیں جاگ کے گزاریں ہیں اللہ کی رضا کے لیے، نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تو اس نے اپنے ذرائع تو سارے استعمال کر لیے تھے۔

﴿و یقولون علی اللّٰہ الکذب و ہم یعلمون۔۔۔ فان اللّٰہ یحب المتقین﴾

۴۵ اب اللہ کریم نے یہاں ایک بات ارشاد فرمائی، کہ یہ لوگ جانتے ہوئے جھوٹ کی طرف بڑھ رہے ہیں، اللہ نے جو عہد ان سے لیا ہے اسے پورا کریں، تقویٰ اختیار کریں، تو اللہ متقی لوگوں کو پسند فرماتے ہیں تقویٰ ہے کیا؟ یعنی ہر ٹیڑھے راستے سے بچ کے اپنے آپ کو بچا کے سیدھے راستے پر چلنے کی کوشش کرنا، حضرت فاروق اعظمؓ سے کسی نے پوچھا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں ؟فرمایا! کبھی تو جنگل میں سے جھاڑیوں میں سے گزرتا ہے، اس نے جواب دیا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے پھر کیا کرتا ہے؟ کپڑے لپیٹ لیتا ہوں، زمین دیکھ کے پاؤں رکھتا ہوں، فرمایا یہی تقویٰ ہے۔ جب تو زندگی کی شاہراہ سے گزرتے ہوئے اپنے آپ کو محفوظ کرلے گا، کہ جو اللہ اور رسولؐ چاہتے ہیں وہ کروں گا تو یہ تقویٰ ہے، اب اللہ کا عہد ایک طرف ہے، ان کی عادت تھی کہ مختلف عہد کرتے ہوئے قسمیں کھاتے تھے، عہد کیا ہے، ساتھ قسم کھائی ہے، یہ پرانے دور سے کسی بات کو پختہ کرنے کے لیے قسم کا رواج تھا، آج بھی عدالتوں میں یہ بات کہی جاتی ہے، کہ میں اللہ کو حاضر ناظر کر کے یہ بات کہہ رہا ہوں، میں حلف دے رہا ہوں ، یہ وہ قسم والی بات ہے جو پرانے معاشروں سے چلتی آرہی ہے، اب ایک طرف یہ بات تھی دوسری طرف دنیا کا کوئی مفاد تھا، اس مفاد میں تین چار چیزیں شامل ہیں، پیسے مل رہے ہیں، زمین مل رہی ہے، مکان مل رہا ہے، ہمارے ملک میں تو بے شمار لوگوں کو نظریات تبدیل کرنے کی وجہ سے کہ سیاسی پارٹی بدل لو تمہارے بیٹے کو سروس مل جائے گی، تمہارے بھتیجے کو سروس مل جائے گی، تو بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے والوں کی فہرست کتنی لمبی ہے، میں اس طرف نہیں جاتا، یہ ہمارا معاشرتی روگ ہے اللہ ہمیں اس روگ سے بچالے۔

﴿ان الذین یکفرون بایت اللّٰہ و یشترون بہ ثمنا قلیل۔۔۔۔ولہم عذاب الیم﴾

۴۶ یہ بہت ہی تھوڑے پیسے ہیں، آپ نے چھ کروڑ دس کروڑ لے لیا ہے تو قرآن نے اسے قلیل کہا ہے، آپ نے جاگیر لے لی ہے، تو اس ضمن میں قلیل کہا ہے، بلکہ قرآن نے تو یہ کہہ دیا کہ قل متاع الدنیا الاقلیل محبوب انہیں کہہ دیں ساری دنیا کا سامان بھی قلیل ہے، ساری دنیا نہ تمہیں کوئی دے سکتا، نہ کوئی لے سکتا ہے، لیکن جو کچھ آپ لے رہے ہیں، ظاہری نگاہ سے اسے آپ نے کثیر مان لیا ہے، لیکن قرآن کہتا ہے کہ وہ قلیل ہے، اب جب ایسی بات ہوگی، تو اس کے لیے قرآن پاک نے پانچ سزائیں تجویز کی ہیں، اور یہاں انہیں میں آپ کے سامنے شمار کر رہا ہوں، پہلی بات کہ آخرت کی نعمتوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، **"لا خلاق لہم فی الآخرۃ"** آخرت میں انہیں کچھ نصیب نہیں ہے، یعنی آخرت کی نعمتوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں

Marfat.com

ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اللہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا، اس جملے میں آپ کے سامنے ایک بات کہہ دی ہے اس پر غور کریں ، دیکھیں نا آپ کسی بڑے آدمی کو ملنے جاتے ہیں، وہاں جا کے بیٹھے ہیں، وہ بالکل خاموشی سے بیٹھا رہتا ہے، آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ محفل آپ کے لیے عذاب تھی، کہ جس کے لیے آپ نے اتنے جتن کیے اس بندے نے آپ سے بات ہی نہیں کی، تو اللہ کریم اس سے بات نہیں کریں گے، اور جب اللہ بات کرتے ہیں، اور بات سننے والا بات سن رہا ہوتا ہے، تو اس کی وجدانیات پر کس قسم کے اثرات پڑ رہے ہوتے ہیں، قرآن میں اس کا نمونہ مذکور ہے، کہ رب نے صرف یہ کہا کہ **وما تلک بیمینک یا موسی** موسیٰ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے، انہوں نے جواب دیا **قال ھی عصای** میرے ہاتھ میں میری لاٹھی ہے، بات ختم ہو گئی، لیکن بات ختم نہیں ہوئی، "**اتوکؤ اعلیھا واھش بھا علی غنمی ولی فیھا مارب اخری**" یہ باتیں کیوں کرتے گئے، کہ جب کائنات کا پروردگار بات کر رہا ہے تو اس محفل کو تھوڑا لمبا ہونا چاہیے، یہ لطافتیں ہوتی ہیں کلام کی، جناب موسیٰ نے یہ بات کہی، رحمت عالم نے ہمیں ایک طریقہ سکھایا، کہ جب تم باکمال بننا چاہو تو سجدے میں کہو "**سبحان ربی الاعلی**" پھر جواب کا انتظار کرو، کیا ادھر سے جواب آتا ہے، پھر آگے چلو آگے چلو، بڑھتے چلو جواب آتا ہے یا نہیں آتا، سرکار علیہ السلام کا ارشاد ہے، کہ جب بندہ کہتا ہے "**سبحان ربی الاعلی**" تو ادھر سے آواز آتی ہے "**لبیک یاعبدی**" (میرے بندے میں حاضر ہوں) بتا کیا بات ہے، لمبے سجدے ہو جاتے ہیں، دور اول کے مسلمان صحابہ اور اھل بیت بہت لمبے سجدے کرتے تھے، قرآن نے ایک جگہ پر اشارہ کیا ہے، کہ پرندے سمجھتے تھے کہ یہ بندہ زندہ نہیں ہے اس کے اوپر بے شک بیٹھ جاؤ، یہ مر گیا ہے، زندہ ہوتا تو کچھ تو حرکت کرتا، تو یہ وہ سجدے تھے، جن سجدوں پر زمین کو بھی ناز تھا، آسمان کو بھی ناز تھا، وہ سجدے پھر ختم ہو گئے، وہ ایک سجدہ جسے روئے زمین ترستی ہے، ایسا سجدہ وہ لوگ کرتے تھے، لیکن وہ سجدہ کیا ہوتا ہے، ایک ایسا سجدہ ہو تو وہ ہزار ہا سجدوں سے نجات ہی دلا دیتا ہے، اب اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا، سجدے میں آپ جاتے ہیں تو رب سے کلام کرتے ہیں، سجدہ لمبا ہو جاتا ہے، آپ بار بار "**سبحان ربی الاعلی**" کہتے رہتے ہیں، سرکار کریم نے بسا اوقات اتنی دیر تک سبحان ربی الاعلی کہا ہے جتنی دیر تک آپ سورۃ بقرہ تلاوت کر دیں اڑھائی پارے، اتنی دیر تک "**سبحان ربی الاعلی**" کہا ہے۔ بہت مشہور حدیث ہے کہ ایک دن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی پشت مبارک پر آ گئے، تو آپ 72 مرتبہ "**سبحان ربی الاعلی**" فرماتے رہے، جب تک وہ اترے نہیں آپ نے سر مبارک نہیں اٹھایا، اور یہ جماعت کی نماز تھی، تنہا نہیں تھی، اور جماعت کی نماز کے لیے سرکار کریم نے فرمایا اسے ہلکا پڑھو، پیچھے کوئی بیمار بھی کھڑا ہو سکتا ہے، کوئی مسافر بھی ہو سکتا ہے، تنہا پڑھ رہے ہو تو اسے لمبا پڑھو، تو اب یہ جماعت والی نماز ہے، میں بسا اوقات سوچتا ہوں، کہ آج کا دور اگر ایسا ہو اور ایک بچہ پشت پر آ جائے اور وہ سکون سے "**سبحان ربی الاعلی**" 72 مرتبہ کہے، میرا خیال ہے کہ مقتدی کوئی چالیس

Marfat.com

مرتبہ سر اٹھا کے دیکھیں گے کہ کہیں مولوی صاحب فوت تو نہیں ہو گئے، غالباً فوت ہو گئے ہیں کہ سر نہیں اٹھا رہے ہیں، اور یہاں مولوی صاحب نے ایک اور طریقہ اپنایا، صدر ایوب صاحب نے فرمایا کہ صبح عید ہے، علماء نے کہا عید نہیں ہے، شرعی شہادت نہیں ہے، ایک بے چارے حکومت گزیدہ مولوی صاحب کو انہوں نے پکڑ لیا، کہ صبح آپ نے نماز پڑھانی ہے، میں نام نہیں لیتا، وہ لے گئے عید گاہ میں مولوی صاحب نے کہا کہ سارے مجھے ملامت کریں گے، عید جو نہیں تھی، اور میں نے روزہ رکھا ہوا ہے، اور روزے کے ساتھ میں نماز عید پڑھا رہا ہوں، اس نے پھر طریقہ یہ اپنایا کہ جب سارے سر سجدے میں رکھ بیٹھے تو اس نے دیوار پھلانگی اور بھاگ گیا، انہوں نے تھوڑی دیر دیکھا کہ مولوی صاحب ابھی شائد سجدے میں ہیں، پانچ سات مرتبہ "**سبحان ربی الاعلی**" کہا کسی نے سر اٹھا کے دیکھا تو مولوی صاحب آگے نہیں ہیں، دوسرے کو کہنی مارتا ہے کہ میدان تو صاف ہے پھر ہمارے نمازیوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بھول کے کہیں سال میں ایک بار مسجد میں آجائیں بہت بڑا اجتماع دیکھا شاہی مسجد لاہور کی یا شاہی مسجد دہلی کی، اسے یہ یاد نہیں رہا کہ میں نماز میں ہوں، اور نماز کے دوران وہ کہتا اللہ اتنا بڑا اجتماع، دوسرے نے کہنی ماری کہ نماز میں بات نہیں کیا کرتے، یہ ساری برادری ایک جیسی ہے، اب ہمارا اسلام کے ساتھ تعلق کوئی اس قسم کا رہ گیا ہے۔

اب یہاں ارشاد فرمایا! کہ نہ تو اللہ بات کرے گا، بات ہو اور پھر بات کے اندر لطافت نہ ہو، تو پھر بات نہیں بنتی، تیسری سزا یہ ہے کہ "**لاینظر الیھم**" ان پر نگاہ ناز نہیں فرمائے گا، نگاہ رحمت بھی نہیں فرمائے گا، چوتھی بات یہ ہے کہاں کا تزکیہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ جنت میں جاسکیں۔ پانچویں بات یہ ہے کہ وہ جہنم میں چلا جائے گا، تو یہ وہ سزائیں ہیں جو اللہ نے ترتیب وار ذکر کی ہیں۔

﴿و ان منھم لفریقا یلون السنتھم ــــــ بعد اذ انتم مسلمون﴾

۷۸ اب آگے پھر ان کی وہی پرانی عادت ہے، کہ بات یوں کی کہ بدل جائے بات، پہلے پارے میں آپ پڑھ چکے ہیں، راعنا ہماری مدد فرمائی جائے، لیکن ع کو لمبا کر دیتے تھے، اس کا معنی ہے ہمارا چرواہا، نعوذ باللہ تو یہاں پھر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ان میں کچھ گروہ وہ ہیں جو اپنی زبان کو ٹیڑھا کر کے اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں تاکہ خیال ہو کہ یہ کتاب کا حصہ ہے، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے بھی نہیں ہے، یہ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں جان بوجھ کے، اللہ نے یہاں آگے والی آیت میں ایک قاعدہ کلیہ ذکر فرمایا ہے!

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کوئی انسان جسے اللہ تعالیٰ تین باتیں دے کتاب بھی دے، اسے حکومت بھی عطا کردے، نبوت بھی عطا فرمادے، تو وہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، وہ پھر اپنی زبان سے یہ بات کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کے میرے بندے بن جاؤ تو یہ ناممکن ہے، تو یہاں پھر یہودیت اور عیسائیت کی تردید ہے، کہ جناب عیسیٰ کہیں کہ میں خداوند ہوں، جناب عزیر کہیں کہ میں خدا ہوں ،حضور حیدر کرار کی لطافتوں کو، ان کی نورانیت کو، ان کے باطنی جلوؤں کو کچھ لوگوں نے دیکھا تو انہوں نے کہہ دیا کہ علیؑ تو خدا ہیں ،حضور حیدر کرار کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے انہیں بلایا، انہوں نے سامنے بھی اقرار کیا اسی بات کا، حضور حیدر کرار نے فرمایا کہ انہیں اٹھا کے آگ میں ڈال دو، انہیں اٹھا کے آگ میں ڈال دیا گیا، لیکن جب گمراہی آتی ہے تو پھر وہ ایک طریقے سے نہیں آتی ،حضرت عبداللہ ابن عباس جو حضور کے چچازاد بھائی ہیں، انہوں نے کہا کہ مولا ایک عرض ہے اگر قبول فرمالیں ،عرض یہ ہے کہ جہنم والی دوزخ والی آگ کو دوسری دنیا کے لیے رہنے دیا جائے، یہاں لوگوں کو آگ میں ڈالنے کی سزا نہ دی جائے ،مولائے کائنات نے ان کی عرضداشت قبول کرلی، لیکن اس باطل پرست فرقے نے اگلی بات کیا کی، اگر یہ خدا نہیں ہیں تو پھر یہ خدا کا حق ہے کہ وہ کسی کو آگ میں ڈالے، انہوں نے انہیں آگ میں ڈالا ہے اس لیے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خدا ہیں، اب مولائے کائنات نے اس بات کو رد کیا، اس لیے کہ ہمارے پاس ایک قاعدہ کلیہ موجود ہے، اس انداز کو عیسیٰؑ نے رد کیا، اس انداز کو جناب موسیٰؑ نے رد کیا، تو قرآن نے قاعدہ کلیہ کے لیے یہاں ارشاد فرمایا!

کہ جس بندے پر اللہ کے انعامات کی بارش ہو جاتی ہے، وہ اللہ کی طرف دعوت دیا کرتا ہے، وہ اللہ کی طرف سے لوگوں کو موڑا نہیں کرتا، ارشاد ہوا کہ وہ یہ کہے کہ تم میرے بندے بن جاؤ، اور اللہ کو چھوڑ دو یہ بات نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ تم رب والے بن جاؤ، ہم رب کی طرف پہنچانے والے لوگ ہیں، اس لیے کہ اللہ نے تمہیں کتاب دی ہے، اور تم اسے پڑھ رہے ہو، تو اس کے بعد بھی اگر غلط عقیدہ رکھو گے تو یہ بات غلط ہے، "ربنیین" عربی لغت کے ماہرین، ان کا خیال یہ ہے کہ لفظ رب ہے، آگے نسبت کی 'ی' ہے نسبت کی 'ی' ہے تو مولانا اس لفظ کو ربی بننا چاہیے، 'ربانی' تو یہ 'الف اور ن' کہاں سے آ گیا، انہوں نے کہا کہ یہ مبالغے کے لیے ہے، یعنی وہ رب کے بہت زیادہ قریب چلے گئے ہیں، تو کیا اس کی کوئی دلیل ملتی ہے لغت عربیہ میں ،کہ 'الف اور ن' مبالغے لیے لایا جائے، فخر الدین رازیؒ نے کہا، جس کی گردن لمبی ہو اسے عربی زبان میں رقبانی کہتے ہیں ،حالانکہ اسے 'رقبی'' ہونا چاہیے تھا، جس کی بے حد گھنی داڑھی ہو، اسے 'لحیانی' کہتے ہیں، وہاں جس طرح 'الف اور ن' آ گیا یہاں بھی اسی انداز سے 'الف اور ن آ گیا ہے، لیکن مبرد یہاں کچھ اور کہتے ہیں ،یہ عربی ادب کا زبردست ماہر ہے، یہ کہتا ہے کہ لفظ اصل میں ہے ہی 'ربان'۔ اور 'ربان' کا لفظی معنی ہوتا ہے تربیت کرنے والا، ربانی کا معنی ہو گا تربیت کرنے والا، اسے 'ربیون'' بھی قرآن نے استعمال کیا

Marfat.com

منافق تھے،صحابہ کو سفھا کہنا،ان کے محدود علم کے مطابق تھا،اور جب اللہ نے جواباً سفھا کہا تو وہ ایک وسیع علم کے تابع ہے لہذا ان کی سفاہت، بے وقوفی اور پاگل پن میں ذرا برابر بھی شک نہیں رہتا۔ضمناً یہ نکتہ ہے کہ جو اللہ والوں کو بے وقوف کہتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں بے وقوف بنا دیتا ہے۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ
اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں
قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾
کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف (ان) کا مذاق اُڑاتے ہیں ۱۲

۱۲ "واذا لقوا الّذین آمنوا"۔

"اذا" (یہاں ماضی کو مضارع کے معنی میں لینا ہے) **"لقوا"** (جب ملتے ہیں) **"الّذین"** (ان لوگوں کو) **"آمنوا"** (جو ایمان لائے) ان کا مختلف لوگوں کے ساتھ طرز عمل کیا ہے، جب یہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے **"قالوا"** (کہتے ہیں) **"امنا"** (ہم ایمان لائے) **"واذا خلوا الٰی شیطینھم"** (اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں) **"خلٰی"** (کا لفظی معنی الگ ہو جانا ہے) یعنی جب وہ اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں، یہاں شیطان سے مراد ان منافقوں کے سردار ہیں، مطلب یہ ہوا کہ شیطانِ اعظم کے ساتھ چھوٹے چھوٹے شیطان ہر دور میں ہوتے ہیں، **"قالوا"** (وہ کہتے ہیں) **"انا معکم"** (یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں) ضمنی سوال یہ ہے کہ جب ہمارے ساتھ ہو تو پھر مسلمانوں کے پاس کیا لینے جاتے ہو؟ تو اس سے پہلے کہ وہ سوال کرتے انہوں نے خود جواب دے دیا، دوران گفتگو ایسا اکثر ہوتا ہے، جب آدمی کو پتہ ہو کہ اس آدمی کے ذہن میں میرے خلاف یہ سوال آئے گا تو آپ اسے اس کے سوال کرنے سے پہلے مطمئن کرنا چاہتے ہیں، **"انما"** (اس پر تھوڑا سا تبصرہ کرنا ہوگا، **"ان"** (بے شک) **"ما"** (نہیں) لیکن جب یہ مل کر آتے ہیں تو یہ معنی نہیں بنتا، خالص اردو میں یہ ترجمہ ہوگا کہ اس کے بغیر اور کوئی بات نہیں ہے، اگر سادہ اردو میں ترجمہ کریں تو اس کا مطلب ہوگا صرف۔

"نحن مستھزء ون" (ہم تو صرف مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے لیے ان کے پاس جاتے ہیں۔(پورا ترجمہ یوں ہوگا)

"جب یہ منافق ان لوگوں کو ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں، تو یہ کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں اور

ہے،اور'ربیین' بھی استعمال کیا ہے،تو یہ تربیت کرنے والے مربی ہوئے،اس دور میں جوقدیم عربی کی کتابیں ہیں،ان کتابوں میں ان کے پادریوں کو ربانی کہا جاتا تھا،لہذا بہت زیادہ اچھی تحقیق ہے جو علامہ مبرد نے کی ہے،وہ ایسی بات کبھی بھی نہیں کہتے یہ بھی نہیں کہتے کہ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بنالو،کسی اور کو پروردگار ماننا یا اللہ ماننا یہ کفر ہے،اور یہ ایمان کے نمائندے ہیں ایمان کے نمائندے کفر کی تعلیم نہیں دے سکتے،آپ پوری امت کے کردار پر نگاہ ڈال لیں،ربانی کربلا میں تو چلا جاتا ہے لیکن غلط بات تسلیم نہیں کرتا،احمد ابن حنبل جیل تو قبول کر لیتے ہیں لیکن غلط بات تسلیم نہیں کرتے،برصغیر میں حضرت مجدد الف ثانی ساری تکلیفیں تو برداشت کر لیتے ہیں لیکن وہ جو تربیت والا راستہ ہے اللہ کو ماننے والا راستہ ہے اسے نہیں چھوڑتے،اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ منارۂ نور ہیں،یہ ذریعہ ہیں لوگوں کی ہدایت کا،یہ شرک کی تعلیم نہیں دیتے۔

وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ لَمَآ ءَاتَيْتُكُم مِّن كِتَٰبٍ

اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالٰی نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمھیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور اور حکمت

وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ

سے پھر تشریف لائے تمھارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمھارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا

بِهِۦ وَلَتَنصُرُنَّهُۥ ۚ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِى ۖ

اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اسکے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اٹھایا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ؟

قَالُوٓا۟ أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَٱشْهَدُوا۟ وَأَنَا۠ مَعَكُم مِّنَ ٱلشَّٰهِدِينَ ﴿٨١﴾

سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں

فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿٨٢﴾

پھر جو کوئی پھرے اس (پختہ عہد) کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں

Marfat.com

أَفَغَيْرَ دِينِ ٱللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُۥٓ أَسْلَمَ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ

کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں حالانکہ اسی کے حضور سر جھکادیا ہے آسمان اور زمین کی ہر چیز نے

وَٱلْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾

خوشی و ناخوشی سے اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے

قُلْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ عَلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ

فرمادیجئے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہماری طرف نازل کیا گیا، اور اس پر بھی جو ابراہیم

وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوتِىَ

اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو دیا گیا ہے

مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ

موسیٰ، عیسیٰ اور (دوسرے) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے، نہیں فرق کرتے ہم کسی کے درمیان ان میں سے

مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ ﴿۸۴﴾ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ

اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ۴۸ اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر

دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿۸۵﴾

کوئی (اور) دین تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ قیامت کے دن نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا

كَيْفَ يَهْدِى ٱللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا۟ بَعْدَ إِيمَٰنِهِمْ وَشَهِدُوٓا۟

کیسے ہوسکتا ہے کہ ہدایت دے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جنھوں نے کفر اختیار کرلیا ایمان لے آنے کے بعد اور وہ (پہلے خود) گواہی دے چکے تھے

Marfat.com

أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

کہ رسول سچا ہے اور آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ ہدایت

الظّٰلِمِينَ ﴿۸۶﴾ أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ

نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔ ایسوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر پھٹکار پڑتی رہے اللہ کی

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

فرشتوں کی اور سب انسانوں کی، ہمیشہ رہیں اسی پھٹکار میں نہ ہلکا کیا جائے گا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۸﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ

ان سے عذاب اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی مگر وہ لوگ جنھوں نے (سچے دل سے) توبہ کر لی اس کے

بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۸۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ

بعد اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے (انھیں بخش دے گا)

كَفَرُوا بَعْدَ إِيمٰنِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ

یقیناً وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ایمان لانے کے بعد پھر

وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ

بڑھتے گئے کفر میں ہرگز نہ قبول کی جائے گی ان کی توبہ اور یہی لوگ ہیں جو گمراہ ہیں جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے

كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ

کفر ہی کی حالت میں تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا

افْتَدٰى بِهِ ۗ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِينَ ﴿۹۱﴾

اگرچہ وہ (اپنی نجات کے لیے) عوضانہ دے اتنا سونا ایسے لوگوں کے لیے عذاب ہے دردناک اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار ۹۱

Marfat.com

۴۸؎ سیدنا الکریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں بیان ہونے والی عظیم المرتبت آیت ہے، سب نبیوں سے اللہ کریم وعدہ لے رہے ہیں کہ تمہیں اپنی کتاب وحکمت کی قسم جب میرے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو تمہاری کتابوں کی بھی تصدیق کریں گے تمہیں لازماً ایمان لانا ہوگا اور لازماً انکی مدد کرنی ہوگی، پھر اعادہ فرمایا کہ تم نے یہ عہد قبول کرلیا اور یہ بھاری ذمہ داری اٹھالی سب انبیا علیہم السلام نے اقرار فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ تم بھی گواہ رہو میں بھی گواہ ہوں۔ جو کسی نبی پر ایمان لاتا ہے وہ اس کا امتی ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اصل نبوت ذات محمدی کی ہے باقی سب تابع انبیاء ہیں تبھی تو آیت کی تفسیر کرتے ہوئے محقق شہیر علامہ سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں ارشاد فرمایا ہے ومن ھنا ذھب العارفون الی انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھو النبی المطلق والرسول الحقیقی والمشرع الاستقلالی وان من سواہ من الانبیاء علیھم الصلوت والسلام فی حکم التبعیۃ لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اسی لیے عارفوں نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام ہی نبی علے الاطلاق، رسول حقیقی اور مستقل شریعت لانے والے ہیں اور دوسرے سارے رسول آپ علیہ السلام کے تابع ہیں) سیدنا حیدر کرار اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما بھی اسی معنی کے قائل ہیں۔

سب انبیاء کرام علیہم السلام شب معراج حضور علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھنے آئے آپ کے پیچھے آپکی شریعت کے مطابق نماز پڑھی اس طرح ایمان بالغیب ایمان بالشھادت میں تبدیل ہوا اور نبوت کے ساتھ صحابیت کا شرف پایا اور تابع ہونے پر مہر لگادی۔ یہ عظمت کا دوسرا اظہار تھا۔ تیسرا اظہار قیامت کو ہوگا اور انبیاء سمیت سب کی شفاعتِ کا تاجِ عظمت آپ کے سر مبارک پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انکے جھنڈے کے نیچے جگہ عطا فرما کر انکی شفاعت عظمیٰ سے حصہ وافر عطا فرمائے۔

۴۹؎ انبیائے عالی مقام تو معصوم ہیں وہ کسی طرح بھی عہد نہیں توڑ سکتے یہ باقی انسانوں کے لیے حکم ہے کہ اے اولاد آدم! سوچ سمجھ کر وادی حیات میں قدم رکھو رحمت عالم علیہ السلام کی اتباع کرو ورنہ فاسق قرار پاؤ گے۔

۵۰؎ اللہ کا دین کائنات کی ہر شے مان رہی ہے اس کے تکوینی امر کے سامنے سب نے سر جھکا رکھا ہے ہر شے اسی ضابطہ حیات پر عمل پیرا ہے جو اسکے لیے مقرر ہے تو کیا انسان مختصر سا اختیار پانے کے بعد اتنا خودسر ہوگیا ہے کہ اپنے لیے خود ساختہ نظام حیات اختیار کررہا ہے اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے ورنہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہوگا اور اس خسارے کے سودے کا خمیازہ بھگتنا ہوگا

۵۱؎ اسلام سابقہ انبیاء اور سابقہ کتب کو برحق کہتا ہے نبی رحمت علیہ السلام نے انبیائے کرام کو ایک باپ کے بیٹوں سے تشبیہ دیکر مسئلہ سمجھایا ہے کہ سب انبیاء عظام کی تعلیمات آگئی ہیں، یہاں قومی، وطنی، نسلی، اور لونی آمیزشیں نہیں ہیں۔ یہ دین رب العالمین کا دین ہے جو رحمۃ للعالمین علیہ السلام کے ذریعے ملا ہے یہی دین ہے جو اتحادِ انسانی کا علمبردار ہے اور ساری انسانیت

Marfat.com

کو رنگ توحید میں رنگتا ہے ہم نبیوں میں تفریق نہیں کرتے سب کو مانتے ہیں اور یہ ہی اللہ کریم کا حکم ہے ہمارا سر اسکے سامنے خم ہے۔

۵۲ دین اسلام سب نبیوں کا دین ہے اسے لیکر اب خاتم النبین علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اس دین کامل کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص کسی اور دین کا متلاشی ہے تو اس کا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے ایسے دین والا آخرت میں زیاں کار اور رسوا ہوگا۔ اس سے پتہ چلا کہ سید المرسلین علیہ السلام کے بعد نہ کوئی نبوت ہے اور نہ ہی کوئی دین ہے اور نہ ہی کوئی کتاب خداوندی ہے ایسا کرنے والے جہنم کے بیوپاری ہیں۔

۵۳ انسان اگر کسی بات کو نہیں جانتا اور اس کا انکار کرتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ جب اسے علم ہو جائے تو مان لے مگر جو شخص جانتا ہے اور اپنی نجی محفلوں میں اس کا اقرار کرتا ہے اور پھر دشمنی پر کمر بستہ بھی رہتا ہے مخالفت کرتا ہے ہر موقع پر تکذیب بھی کرتا ہے، روشن دلائل، چمکتے معجزات سامنے آتے ہیں مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہتا ہے تو اس کے سامنے ھدایت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں وہ اس گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے۔

۵۴ ایسے لوگوں نے اپنے اختیار سے ضلالت اختیار کی ہے لہذا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو گئے ہیں فرشتوں کی دعاؤں سے محروم ہو گئے ہیں اور انسانوں کی پھٹکار ہر طرف سے ان پر پڑ رہی ہے

۵۵ یہ اپنی کج روی سے باز نہیں آئیں گے تو یہ پھٹکار اور لعنت بھی اپنا برسنا ختم نہیں کرے گی، جب انکی زندگی کا چراغ گل ہوگا تو مسلسل عذاب میں ہوں گے عذاب میں نہ تخفیف ہوگی اور نہ ہی انہیں مہلت ملے گی

۵۶ رحمت الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے گمراہی کی دلدل سے نکلنے کی کوشش سدا جاری رہنی چاہئے جب بھی ایسا گنہگار برے ماحول سے بچ کر اصلاح کر لیتا ہے تو رحمت خداوندی اس پر بخشش اور رحمت کی بارش فرما دیتی ہے لہذا اب ایسے لوگوں کو استقامت دکھاتے ہوئے اس راہ ہدایت پر چلتے رہنا چاہئے۔

۵۷ ایمان کے بعد کفر کی طرف وہی پلٹ سکتا ہے جو بے اصل اور بے ضمیر ہوتا ہے اب جو کفر میں دھنستا ہی چلا جائے اور لوگوں کو بھی اس اندھیرے میں گراتا جائے تو پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور وہ ظلم کی جلائی ہوئی اپنی آگ میں ہی بھسم ہو جاتا ہے ایسے سیاہ دل نور اسلام کی طرف کبھی نہیں آتے۔

Marfat.com

۵۸؎ اب اگر کوئی اسی کفر وشرک کی حالت میں مرجاتا ہے اور زندگی کی اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتا جو اللہ کریم نے اسے عطا فرمائی تھی، اب اگر ایسا ڈھیٹ کافر زمین بھر کے برابر سونا بھی دے تو وہ جہنم سے نہیں بچ سکے گا کوئی مددگار اسکی مدد اور شفاعت بھی نہیں کرے گا کیونکہ شفاعت گنہگار ایماندار لوگوں کے لیے ہے کافروں اور مشرکوں کے لیے نہیں ہے

۵۹؎ ایسے بدبخت کا تو جہنم انتظار کررہی ہے تاکہ وہ دردناک عذاب کا مزہ چکھے۔

☆☆☆☆☆

﴿ اختتام پارہ تلک الرسل ﴾

تکمیل جلد دوم

والحمد للہ رب العلمین

اتوار ۲/ جنوری ۲۰۰۵ء

مفسر القرآن: **سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی**

خادم القرآن: **حافظ عرفان علی** ایم اے (اسلامک سٹڈیز)

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
قرآن مجید فرقان حمید کا تعارف	1
سورۃ الفاتحہ کا تعارف	
سورۃ فاتحہ کی تفسیر (بسم اللہ شریف)	
الحمد للہ	11
رب العالمین۔ ایک نکتہ	12
مالک	13
بیضاوی کا نکتہ	14
تربیت کا نرالا پن	15
عبادت وسجدہ	17
استعانت	18
ہدایت وصراط مستقیم	20
انداز حکیمانہ	24
منعم علیہ	25
دنیوی واخروی نعمتیں	26
مسئلہ حل ہوگیا	27
یہودی اور عیسائی	29
آمین	30
سورہ البقرہ کا تعارف	31
حروف مقطعات پر تحقیق	33
ذلک کیوں۔ الکتاب کا حرف تعریف	37
ھدی للناس اور ھدی للمتقین میں تطبیق	38
الغیب سے مراد۔ علمی بحث	38
فلاح سے مراد	41
جبر وقدر کی بحث	42
اہل ایمان وکفار کے بعد منافقین کا ذکر	46
یخادعون کا معنی	47
'مرض' کیسے پڑھا جائے	48
'اذا' کا استعمال	49
صحابہؓ کو پاگل کہنے والے پاگل ہیں	50
'یستھزء' کا حقیقی معنی۔ نیز مکر بھی	52
ضلالت کا معنی، یہ نبی کے لیے استعمال کفر ہے	54
آگ کس نے جلائی۔ مثل کیا ہے	56
(دو مثالیں)	56
کل شئی فوقک فھو سماء لک	58
بارش کہاں سے آتی ہے	58
منافقوں کی مکاریاں	59
جھوٹ اور قدرت خدا	61
تربیت پر بھی روشنی	63
تقویٰ کی تین بنیادیں	64
اللہ کریم کی نعمتیں اور صفات ربانی	66
'ند' کی تحقیق	69
قرآن کی مثل ایک سورت لاؤ۔ سورہ نکرہ کیوں ہے	70
عظمت قرآنی	72
چیلنج قبول نہ کرنے کی سزا، پیش گوئی ہے	74
ایمان والوں کی عظمتیں، جنتی پھلوں کی کیفیت	78
انسان کی تین فطرتیں	80
کافروں کے اعتراض کا جواب	81
'لایستحیی' کا معنی	82
فساد کی قسمیں	85
قدرت خداوندی اور انسانی تدریجی ارتقاء	87
تخلیق کی ہر شے انسان کے لیے ہے	89
آدم علیہ السلام اور خلافت ارضی	94
فرشتوں کے سوالات اللہ کریم کے جوابات	96
علم آدم علیہ السلام کی وسعت	98
فرشتوں کی انکساری	99
حکم خداوندی	100
فرشتوں کا سجدہ، شیطان کا انکار	101
آدم وحوا علیہما السلام کا جنت میں قیام	105
شیطان کی مکاری	106
ابوالبشر علیہ السلام کی زمین میں تشریف آوری	108
آدم علیہ السلام نے اللہ کریم سے کون سے کلمات سیکھے	110
خوف وحزن سے بری	112

Marfat.com

کفر و تکذیب سبب جہنم	114
یہود پر انعامات اور انکے انکار کی وجوہات	115
قرآن کے پہلے کافر اور منسوخ کا اثر	118
چار ہزار سال میں چار ہزار نبی اور پھر بے عملی	119
تفسیر کا حق، یہودیوں کی ملمع سازیاں	121
قادیانی حبشی کی لن ترانیاں	121
تقلید صرف قرآن وسنت کی ہے	122
نماز۔ اہمیت زکوٰۃ اور رکوع	123
مشکل کے وقت عمل مصطفیٰ ﷺ	124
ملاقات ربانی اور فلاسفہ	126
مجرم کی رہائی کے چار طریقے	128
سمندر پھٹنے کا معجزہ	129
چالیس دن کا وظیفہ	130
موسیٰ کو کتاب وحکمت ملتی ہے	131
مرتد کو سزائے موت ہو	132
رویت خداوندی کا مطالبہ اور سزا	135
اسی دنیا میں موت کے بعد زندگی	136
بادل کا سایہ کرنا اور من وسلوی کا نزول	137
اصطلاحی اور لغوی سجدہ	141
یہودی پھر مکر کرنے لگے	142
بارہ چشموں کا معجزہ	143
گیہوں اور ساگ وغیرہ کا مطالبہ	147
الفاظ کی تشریح غلط مطالب	149
آیت کا صحیح مطلب	151
علامہ ابوالکلام اور علامہ مدنی	153
قیام پاکستان کی مخالفت	154
پھر طور اٹھ گیا	156
فضل سے مراد موسیٰ اور تورات	158
پھر انہیں بندر بنادیا گیا	159
بندر بنانے کی حکمت	161
گائے ذبح کرو اور یہودیوں کے عذر	162
گائے کا ٹکڑا مارنے سے بوڑھا زندہ ہوگیا	162
پتھر اور لوہے سے سخت دل	167
تحریف، یہود کی عادت	167
مسلمانوں اور یہودیوں سے منافقت	168
حرام کمائی	169
صرف چند دن عذاب ہوگا۔ یہود کا دعوی	170
بنی اسرائیل سے عہد اور احکام	171
ایک دوسرے کا قتل اور جلاوطنی	172
عیسیٰ کے معجزات اور روح القدس	173
رحمت عالم کے وسیلے سے دعا	174
بچھڑا معبود بن گیا	175
سمعنا وعصینا	176
موت کی تمنا کرو	176
قرآن کی پیشگوئی کہ تمنا نہیں کریں گے	176
جبرئیل سے دشمنی کی وجہ	178
ملائکہ اور رسولوں کے دشمنوں کا اللہ تعالیٰ دشمن ہے	179
نزول قرآن اور یہود کی دشمنی	180
حضور نے تورات اور انجیل کی تصدیق فرمائی	181
سلیمان بری ہیں مجرم جادوگر ہیں	182
ہاروت وماروت کے واقعہ کی تحقیق	186
کیسے اعمال (عملیات) جائز ہیں	188
لاتقولوا راعنا، عظمت رسول	190
یہود نہیں چاہتے کہ مسلمان کو کتاب ملے	193
نسخ کیا ہے؟ اقوال ائمہ	194
نبی سے زیادہ سوال نہ کرو	197
یہودی ایمان ختم کرنا چاہتے ہیں	198
حتی یاتی اللہ بامرہ، پیشگوئی ہے	198
نیکی اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے	200
یہود یا نصاریٰ ہی جنت جائیں گے باطل دعوی ہے	202
جنت جانے کی شرائط	202
یہود ونصاریٰ کے محرومات	204
آداب مساجد، ذکر خدا سے روکنا ظلم ہے	204
قرآن کی پیش گوئی	205

Marfat.com

حکومت کلی اللہ تعالیٰ کی ہے	206
اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں بتردید عیسائیت	207
بلا میٹریل اور بے مثال بنانا	209
کن فیکون	210
کلام خدا انبیاء سے ہے آپؐ بشیر نذیر ہیں	211
یہود و نصاریٰ کب راضی ہونگے	214
تلاوت و قرات میں فرق	215
علمی نکتہ	217
پھر بنی اسرائیل سے خطاب	218
ابراہیمؑ اور کلمات سے آزمائش	219
بیت اللہ اور مقام ابراہیمؑ	221
وہ عہد کیا تھا	222
بلد امن اور پھلوں کا رزق	224
بیت اللہ کی تعمیر	225
اولاد کے لیے دعا، مناسک کی درخواست	226
سرکار کریمؐ کے لیے درخواست	226
لفظ حکمت کی تشریح	228
یزکیھم کی تشریح	229
ملت ابراہیمی سے پھرنے والا بیوقوف ہے	230
مقام ابراہیم علیہ السلام	231
وصیت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو	231
اپنے اعمال کی ہی پوچھ ہوگی	233
یہودیت و نصرانیت نہیں ملت ابراہیمی	234
سب انبیاء کو ماننا اصل عقیدہ ہے	235
ایمان صحابہ معیار ہے	236
فسیکفیکھم اللہ پیش گوئی ہے	237
بپتسمہ اور اللہ تعالیٰ کا رنگ جو سب سے حسین ہے	238
ربوبیت تو عام ہے	238
کیا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ ۔۔۔ یہودی یا نصرانی تھے	239
تم اپنے اعمال سوچو وہ حضرات اپنے اعمال فرما گئے	240
ایک فقہی نکتہ	241

دوسرا پارہ شروع

تحویل قبلہ	242
رسول اکرم علیہ السلام سب پر گواہ ہیں	244
ماخذ مذہب	245
رضائے رسولؐ پر ارشاد ربانی	246
پہچان حق	247
دوسرے مذاہب کی خواہشات کی پیروی نہ کی جائے	248
حضور علیہ السلام کو یہود و نصاریٰ پہچانتے ہیں	248
نیکیوں میں سب سے آگے بڑھو۔ جدید سائنسی تحقیقات	249
جہاں بھی ہو رخ کعبہ کی طرف کرلو	252
معیت ربانی پر مختلف ارشادات	253
صفات محمدی، تلاوت، تزکیہ، تعلیم	255
بیان اقبال	256
ذکر اور اسکی رفعتیں	257
صبر اور نماز کی برکات	259
راہ خدا کے جان نثار، مقام شھداء	260
پہلا۔ دوسرا اور تیسرا واقعہ	263
ایک خاص واقعہ	264
آزمائش۔ پانچ الفاظ کی تشریح	265
صفا اور مروہ شعائر اللہ ہیں	269
آیات کو چھپانا لعنتیوں کا کام ہے	270-290
کفر پر موت لعنت اور دائمی عذاب کا سبب ہے	272
مناظر سے خالق تک رسائی آسان ہے	273
ایمان والے اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھتے ہیں	278
لفظ 'ند' کی تشریح	278
باطل معبودوں کی برائت	280
حلال کھانے کا حکم	282-285
کافر آباء کی پیروی	284
کافروں کی مثال	285
مسلمانوں پر حرام چار چیزیں	286
سور حرام۔ شہادت تورات	287
وما اھل بہ لغیر اللہ کا مسئلہ	288

Marfat.com

ایصال ثواب	289
ایک خاص نکتہ	290
ایک مثال/ایک نکتہ/ کتاب میں اختلاف کیوں	291/292/293
نیکی کی حقیقت ایمان ہے	294
احکام قصاص	295
ایک لطیفہ	297
مدعی اور مدعی علیہ کا تحفظ	298
اجتہاد کا حق	300
وصیت کے احکام	301
روزے کی فرضیت/روزے کے احکام	302/303/314
رمضان میں قرآن کی آمد	306
آپ سے پوچھیں تو میں قریب ہوں	308
رمضان کی راتیں اور جنسی رابطہ	309
باطل و حرام طریقے سے مال کمانا	314
چاند کے احکام اور ضرورت	316
جہاد کی شرائط	317
مسجد حرام کی حرمت	318
فتنہ ختم ہونا ضروری ہے	320
حرمت والے مہینوں میں حملے کا جواب	320
ہلاکت میں جان بوجھ کر نہ جاؤ	321
حج اور عمرہ کے احکام	322
خرچ لے کر حج پر جاؤ	323
حج میں تجارت	324
عرفات تک سب جائیں	324
مشعر حرام (مزدلفہ) میں ذکر	324
دنیا اور آخرت دونوں مانگو	325
فمن تعجل فی یومین سے مراد	325
منافقانہ انداز کی گفتگو	326
رضائے ربانی والی زندگی	328
اسلام پوری طرح قبول کرو	329
اب امر خداوندی کا انتظار ہے	331
نعمت بدلنے پر شدید عذاب	331
قیامت میں اہل ایمان کی برتری	333
اختلاف کی وجہ، آج کے اختلافات	334
راہ اسلام کی تکالیف	338
راہ خدا میں کن کو مال دیا جائے	339
تمہارا انتخاب غلط ہو سکتا ہے	340
حرمت والے مہینوں میں جہاد کے احکام	342
ایمان۔ ہجرت اور جہاد	345
شراب اور جوا	345
اقبال کے نزدیک عفو کا معنی	349
ایک نمونہ	349
یتیموں کی اصلاح	350
مشرک عورتوں اور مردوں سے نکاح کی ممانعت	351
حیض اور اسکے احکام	353
خواتین کی حرث (کھیتی) سے تشبیہ	355
قسموں سے بچو اور قسم کے احکام	357
ایلاء کا مطلب۔ تین طلاقیں	358
مطلقات کی عدت اور احکام	359-367
یہ فضیلت کیوں ہے	360
عورت کن صورتوں میں خلع لے سکتی ہے	363
نکاح موقت یعنی حلالہ کی چند قباحتیں	364
عورت کو ضرر کے لیے نہ روکو	365
پہلے خاوند سے نکاح سے نہ روکو	366
رضاعت کی مدت اور احکام	367
خاوند مر جائے تو عدت کتنی ہے	369
عدت میں منگنی یا نکاح نہیں ہے	371
جنسی رابطے سے پہلے طلاق کے احکام	372
مہر مقرر تھا تو نصف مہر دینا ہوگا	374
پانچ نمازیں اور نماز قصر کے احکام	375
سال تک خاوند مرے۔ عورت کو گھر سے نہ نکالا جائے،	
مطلقات کو سامان دیں	380
ہزاروں موت کے ڈر سے نکلے اللہ نے مارا پھر زندہ کیا	382
قرض حسنہ	383

Marfat.com

اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں چلے جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف ان سے مذاق کرتے ہیں '' یہاں عبارت میں انہوں نے ایک اور چال چلی ہے، جو عربی جاننے والوں کے لیے بڑی ہی تفنن طبع کا ذریعہ بنے گی، جملہ اسمیہ ثبوت کو چاہتا ہے، اور جملہ فعلیہ کا مطلب ہے کہ بات ابھی نوخیز ہے، ناپید تھی ابھی ابھی پیدا ہوئی، یہاں انہوں نے ایسا ہی انداز اپنایا، جب مسلمانوں کو کہا تو لفظ '' **امنا** '' استعمال کیا، کہ ہم تازہ ابھی ابھی مسلمان ہوئے اور جب کافروں سے بات کی ہے تو جملہ اسمیہ استعمال کیا۔ ''**انا معکم** '' ہم تو ہمیشہ سے تمہارے ساتھ ہیں، یہ بات کوئی محتاجِ دلیل نہیں ہے، یہاں قرآن نے گرفت اس بات پر کی کہ اس معاشرے میں کبھی بھلائی نہیں ہوتی، جس معاشرے کے افراد منافقت **hypocracy** کا رویہ اختیار کریں۔ یہ قومی مرض ہوتا ہے، اور یہ مرض کس کس انداز سے کس کس طبقے میں پہنچا۔ بہت ہی تفصیل طلب مسئلہ ہے۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾
اللہ سزا دے رہا ہے انھیں اس مذاق کی اور ڈھیل دیتا ہے انھیں تا کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ۱؎

۱؎ ''**اللّٰہ یستھزء بھم** '' (اس کا لفظی ترجمہ ادب کے خلاف ہے، لہٰذا بار بار عظیم مفسرین نے سوچا کہ اس لفظ کا کیا معنی کیا جائے، کبھی کبھی وہ لفظ جو شانِ ربوبیت کے قابل نہیں ہوتا، اسے نتیجے کے طور پر ذکر کرتے ہیں، نتیجے سے مراد سزا ہوتی ہے، مثلاً ''**جزآء سیئة سیئة مثلھا** '' (بدی کا بدلہ اسی جیسی بدی ہے، تو اس طریقے سے تو پھر بدی ختم نہیں ہوگی) بدی کا بدلہ تو آپ نیکی سے دیں گے، تو تب بات بنے گی، دوسرا لفظ **سیئة** جزا کے لیے لایا گیا، یہاں بھی ''**یستھزء** '' جزاء کے طور پر ہے، اللہ انہیں اس مذاق کی سزا دیتا ہے مجھے افسوس سے یہ بات کہنی پڑتی ہے، کہ تیئس علوم پر ماضی میں ہمارا نصاب مشتمل تھا، اب وہ سکڑتا ہوا، دس بارہ پر آ گیا ہے، وہ سارے علوم دو باتوں کے لیے پڑھے جاتے تھے، کہ آپ کو قرآن وسنت پر مضبوط گرفت ہو جائے، میں حیران ہوں کہ بڑے جید مفسرین نے ترجمے کیے، مگر جس بات کے لیے سارے علوم پڑھے تھے، اس بات کا ترجمہ کرتے وقت خیال نہیں رکھا گیا، کسی نے کہا اللہ تعالیٰ ان سے ہنسی کرتا ہے، کسی نے کہا مذاق کرتا ہے، کسی نے کہا ٹھٹھہ اڑاتا ہے، جن لوگوں نے ساری زندگی اپنے مدارس میں بیضاوی پڑھائی ہے، (میری مراد دیوبند مکتبہ فکر سے حضرت شیخ الہند ہیں جنہوں نے لکھا کہ اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے) اور علامہ بیضاوی نے اس آیت کے نیچے یہ بات وضاحت سے لکھی ہے کہ اللہ ان کے تمسخر کی انہیں سزا دیتا ہے، اور علامہ قرطبی نے ایک قاعدہ لکھا کہ اس فعل کے جواب میں جب فعل آتا ہے، تو اس کا مطلب سزا دینا ہوتا ہے، اور اسے اسی فعل سے تعبیر کرتے ہیں، اردو مترجمین میں سے حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نے ایک نیا انداز

Marfat.com

الم تر پر اعتراض اور اس کا جواب	384
سموئیل علیہ السلام سے بادشاہ طلبی	386
طالوت کو بادشاہ بنایا گیا	387
تابوت سکینہ، بزرگوں کے تبرکات	388
جالوت کو سیدنا داؤد علیہ السلام نے قتل کر دیا	389
رسالت محمدی کی گواہی	390
(دوسرا پارہ ختم)	
تیسرا پارہ شروع	
شان انبیاء اور رفعت شان مصطفیٰ علیہ السلام	393
انفاق کی فضیلت، قیامت کی مشکلات سے پہلے	396
آیۃ الکرسی کے مطالب	396/400
یخرجہم من الظلمات الی النور، نور سے کیا مراد ہے	400
سیدنا ابراہیمؑ اور نمرود کا مناظرہ	401
پھر شہر بھی آباد ہو گیا اور عزیزؑ بھی جاگ گئے	402
ٹکڑے ہوئے پرندے بھاگ کر ابراہیمؑ کے پاس آ گئے	404
انفاق سے مال چودہ گنا بڑھتا ہے	405
انفاق کے بعد احسان و ایذاء نہ ہو	405
ریاکاری سے عمل تباہ ہو جاتا ہے	408
قرآنی مثال	409
خلوص عمل سے اضافہ	410
ایک اسلامی قانونی قاعدہ	411
اولاد چھوٹی اور باغ تباہ کون چاہتا ہے	412
پاکیزہ چیزیں خرچ کرو	413
شیطان فقر سے ڈراتا اور فحشاء کا حکم دیتا ہے	415
فضل کیا ہے؟	416
حکمت کی تعریف	417
نذر کیا ہے	419
صدقات کیسے دیئے جائیں	420
انفاق کے فائدے	421
راہ خدا والوں کے لیے صدقات	422
ایک نفیس نکتہ اور علم رسول علیہ السلام	422
راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کے لیے خوف و غم نہیں ہے	423
خوف و حزن میں فرق	424
سود خور کو شدید عذاب، بیع و سود میں فرق	425
ایک واضح مثال	427
سود نہ چھوڑنے پر اللہ و رسولؐ سے اعلان جنگ	430
دو مقامات پر اعلان جنگ	431
مقررہ مدت کے قرضے کو لکھ لو	433
قرضے کے احکام	433
رہن اور اسکے احکام	438
محاسبہ کے بارے میں احکام	440
ایمان کے ارکان اور مقام رسول علیہ السلام	442
دعائیہ آیت مقدسہ	445
تعارف سورہ آل عمران	448
حروف مقطعات کا علم رسولؐ کو ہے	451
اولیائے کاملین کے بارے میں علامہ آلوسی کی تحقیق	452
حق کی تین قسمیں	453
ارحام میں تصویر کشی فرمانے والا	455
محکم و متشابہ آیات	457
متشابہ کی وضاحت	459
آیات دعا	459
مال و اولاد کافر کے لیے مفید نہیں	460
پیشگوئی کہ کافر مغلوب ہونگے	461
ایک باریک نکتہ	461
آیت کے معانی اور ذات نبی	461
مر کر مٹی نہیں ہونگے	462
الموت۔۔۔یوصل الحبیب الی الحبیب	463
واقعہ بدر۔ کئی بحثیں	465-469
دنیا کے عاشق اور آخرت کے متوالے	469
ایمان والوں کے اوصاف	674
توحید اور دین اسلام۔ دین کا معنی	674
اہل کتاب اور بدویوں کو دعوت اسلام	476
علامہ محمد بن عبدالوہاب اور اجماع امت	480
اگر وہ گردن جھکا دیں تو وہ ہدایت پا گئے ہیں	481

Marfat.com

یہود اور قتل انبیاء	482
توراتیو! انجیلیو! قرآن کا گلشن دیکھو	485
دنیوی زندگی اور قرآنی زندگی	486
ابن تیمیہ اور مجتہد مطلق	487
قرض اتر جائے گا	488
بادشاہ سے مراد	489
درخت میں جان ہے	490
انفرادیت قائم رہنی چاہئے	491
ولایت اور وَلایت کیا ہے	492
کافروں سے دبیں نہیں	493
اطاعت رسول علیہ السلام کی رعنائیاں	494-96
عمران کی بیوی کی نذر	497
سیدہ مریمؑ کی ولادت	497
انکی والدہ کی دعا	497
سیدنا زکریا کی کفالت	498
بے موسم پھل کرامت سیدہ مریمؑ	498
اولاد کے لیے زکریاؑ کی دعا	498
سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی بشارت	498
اللہ! کوئی نشانی فرمادے	499
دو عمران اور نذر کا مسئلہ	499
عصمت انبیاء	501
لفظ محراب کی تحقیق	502
یحییٰ علیہ السلام کے نام	504
سید کے لیے مختلف الفاظ	505
سیدہ مریم اپنے دور کی سب عورتوں سے افضل	507
علم مصطفوی	507
بشارت مسیح علیہ السلام انکے کمالات	508
شرک کی تردید	509
سیدہ مریم کو چننے کی وجوہات	509
واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہے (امام اعظمؒ)	510
کلمہ سے کیا مراد	511
عیسیٰ علیہ السلام کا معنی سردار و محترم	512
سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ	513
سیدنا عیسیٰ کو قرآن وحدیث کا علم ہے	514
بشر و نور میں تضاد نہیں ہے	515
سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ معجزات	616
سب چیزوں کی نسبت انہوں نے اپنی طرف کی ہے	617
حواری آگے بڑھتے ہیں ان کا اعلان حق	617
عیسیٰ علیہ السلام کا رفع آسمانی اور پیش گوئی	518
حواری کون ہیں	519
کیا فرشتے کے علم سے شرک نہیں ہوگا	520
متوفی کے معانی	521
یہودیوں کی چال مارنا ہے عیسیٰؑ زندہ ہیں	522
حیات عیسوی پر دلائل	523
لمبی زندگی ممکن ہے	524
تصرف مصطفیٰ علیہ السلام	525
عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہیں	526
تخلیق عیسیٰ تخلیق آدم سے مشابہ ہے	527
آیت مباہلہ۔ پانچ تن شامل تھے	527
بشر کی قسمیں	528
پانچ تن کی وجاہت دیکھ کر کافر میدان سے بھاگ گئے	529
مریمؑ اور فاطمہؑ کی نسبتیں	530
اہل کتاب کو دعوت توحید	531
وحدت انسانیت اور اسلام	531
اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام نہ قرار دو	532
مذھب ابراہیم علیہ السلام	533
ابراہیم علیہ السلام کے ساتھی	534
یہود و کفار کی چال	534
رحمت سے مختص کون ہیں	535
حنیف کا معنی	536
دونوں کی قرائت ٹھیک ہے	537
اولیٰ کا معنی	538
تعلیمات نبی کا اثر	538
چہرہ مصطفوی اور عبداللہ بن سلام	539

Marfat.com

قرآن و مصطفیٰ پر غور کریں	540
علم حیدری اور ادب نبوی	541
مسلمانوں کو کفر کی طرف موڑنے کا طریقہ	541
سکھائی جانے والی تین باتیں	542
اہل کتاب کے دو طبقے قرآن کا اعلان حق	543
کوئی انسان یہ نہیں کرسکتا	544
نبی اور فرشتے رب نہیں	545
قرآن مستضعفین کا حامی ہے	546
فاروق اعظم کے نزدیک تقوی	547
سبحان ربی الاعلی۔ لبیک یا عبدی	548
کتنی بڑی سزائیں ہیں	549
لفظ بگاڑنے کا پرانا مرض	549
کوئی بندہ اللہ نہیں بن سکتا	550
یہ کہنے والوں کو حیدرؓ کی سزا	550
عظمت مصطفیٰ کا ظہور	551
صرف اسلام مقبول ہے	552
ایمان کے بعد پھر کفر	553
کفر پر مرنے والے جہنمی ہیں	553
نبی مطلق صرف مصطفیٰ ہیں۔ دلائل	554
رحمت الٰہی کی سدا تلاش رہے	555
اب کوئی مددگار نہیں ہے	556

Marfat.com

فہرست مطبوعات

ضیاء العلوم پبلی کیشنز

یو 128 بازار تلواڑاں راولپنڈی پاکستان

MOB 0333-5166587
FAX 051- 4580404

نام کتاب	مصنف	قیمت	نام کتاب	مصنف	قیمت
نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن [illegible]	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	160/= [illegible] 120/=	دعوت الحق فی جواب معیار الحق	شیخ الحدیث سید غلام محی الدین شاہ	30/=
نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن [illegible]	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	240/= [illegible] 180/=	تعظیم رسول اور گستاخ رسول کی سزا	مولانا اشرف قادری	18/=
نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن [illegible]	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	جنوری 2005 [illegible]	حیلۃ الاسقاط	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	30/=
نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن [illegible]	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	اپریل 2005 [illegible]	عمدۃ المفاتیح اردو ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح [illegible]	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	50/=
نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن [illegible]	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	240/= [illegible] 180/=	قدوری مع ترجمہ وتشریح [illegible]	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	50/=
شمع ہدایت	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	120/=	اربعین نقشبندی	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	48/=
مراح الارواح (اردو حاشیہ)	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	36/=	شب قدر	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	27/=
تذکرۃ الانبیاء (مجلد خاص)	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	360/=	فضائل صدقات	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	33/=
موت کا منظر مع احوال حشر ونشر (بڑا سائز)	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	210/=	الوافیہ بتوضیح الکافیہ	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	48/=
موت کا منظر مع احوال حشر ونشر (چھوٹا سائز)	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	150/=	سیدنا محمد ﷺ (انگریزی)	مولانا محمد اکبر ہزاروی	36/=
اقامت بیٹھ کر سننا مستحب ہے	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	21/=	مکاشفۃ القلوب	حافظ محمد اسحاق ظفر (مترجم)	165/=
اسلام میں عورت کا مقام	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	150/=	خوبصورت نعتیں	جاوید اقبال اعوان	24/=
اذان کے ساتھ درود شریف مستحب ہے	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	21/=	ذکر حبیب	مولانا سید حسین الدین شاہ	10/=
سبز عمامہ کی برکات سے کذاب جل اٹھے	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	24/=	نور ہدایت	مولانا سید حسین الدین شاہ	فروری 2005 میں متوقع ہوگی
انگوٹھے چومنا مستحب ہے	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	21/=	زیارت قبور حیات برزخی اور ایصال ثواب	پروفیسر سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی	45/=
نماز کے بعد ذکر ودعا مستحب ہے	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	40/=	عظمت سید المرسلین امہات المؤمنین	پروفیسر سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی	36/=
تکریم والدین مصطفیٰ ﷺ	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	20/=	میلاد النبی ﷺ	مولانا محمد یعقوب ہزاروی	120=
احکام مساجد	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	24/=	احکام رمضان	مولانا نعیم الدین مراد آبادی-	12/=
نماز حبیب کبریاء	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	150/=	گیارہویں شریف	مولانا ابوالحسن محمد علی رضوی	12/=
نور الایضاح (عربی حاشیہ)	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	69/=	مناقب رومی	محمد ریاض قادری	210/=
تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	120/=	والضحیٰ نعتیہ مجموعہ (دو جلدیں)	حسان الہند پدم شری بیکل اتساہی	50/=
السراجی فی المیراث (اردو)	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	33/=	فقہ حنفی اور حدیث رسول	مولانا سردار احمد حسن سعیدی	45/=
تلخیص المفتاح (عربی حاشیہ)	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	45/=	حقیقت قربانی	مولانا سردار احمد حسن سعیدی	18/=
کنز الدقائق (عربی حاشیہ)	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	270/=	تذکرۂ محی الدین	مولانا سردار احمد حسن سعیدی	80/=
المظہر النوری علی المختصر القدوری	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	150/=	انوار شریعت (جلد اول)	از افادات [illegible] اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی [illegible]	200/=
ایصال ثواب مستحب ہے	مولانا عبدالرزاق بھتر الوی	27/=	انوار شریعت (جلد دوم)	مرتبہ مولانا محمد اسلم علوی قادری رضوی	[illegible] 2005 میں متوقع ہوگی
سیرت مصطفیٰ ﷺ (بڑا سائز)	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی	180/=	جنتی موتی مع زیور نسواں	مولانا اشرف قادری	36/=
سیرت مصطفیٰ ﷺ (چھوٹا سائز)	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی	150/=	قانون شریعت	مولانا شمس الدین احمد	135/=
عقائد اہل سنت	مولانا مشتاق احمد نظامی	90/=	سیر برزخ	قاضی نور الحق ازہر نقشبندی	
نوٹ: فہرست میں شامل کتب ہی کی ترسیل ہوگی۔			ماں باپ کے حقوق	قاضی نور الحق ازہر نقشبندی	

دسمبر 2004

Marfat.com

Marfat.com

اپنایا۔ مگر ترجمے کی تہہ تک پھر بھی بات نہیں پہنچی، کہ اللہ ان سے استہزا کرتا ہے، جیسے استہزا کا حق ہے، ایک تو وہ استہزا کا لفظ استعمال فرما گئے، جس کا معنی ہی سرے سے نہیں بنتا، دوسرا یہ کہہ دینا کہ جیسا استہزا کا حق ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی عربی بلاغت کے خلاف ہے، حالانکہ وہ بہت بڑے فاضل آدمی تھے، دہلی کے ایک ہندو نے ایک چھوٹا سا کتابچہ لکھا، ہمارے ان مترجمین کی عبارتیں لے کر اس نے بہت مذاق اڑایا ہے۔ مثلاً **"ومکروا ومکر اللہ"** کا ترجمہ ہے کہ انہوں نے مکر کیا تو اللہ نے بھی مکر کیا۔ اس نے اوپر سرخی دی کہ **مسلمانوں کا اللہ مکار ہے**۔ معاذاللہ مکر کا لفظ منافقین کے لئے تھا جبکہ اللہ کے لئے اس لفظ کے کچھ اور معنی نکلتے ہیں۔ اس لفظ کے ایسے معنی تلاش کرنے چاہئے تھے جو اللہ کریم کی ذات اقدس کی صفات کے خلاف نہ جائے، تو اس کا معنی لغت میں خفیہ تدبیر بھی آتا ہے۔ (فاضل بریلوی پر لکھی گئی ہماری کتاب میں تفصیلات درج ہیں)

بہر حال یہاں ہمارا موضوع یہ نہیں ہے، اللہ انہیں ان کے مذاق کی سزا دیتا ہے، کیوں سزا دیتا ہے؟ اس لیے کہ شریف لوگوں کا مذاق اُڑا رہے ہیں جو ساری کائنات سے افضل ہیں، مہاجرین وانصار کو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسانیت کا عطر قرار دیا ہے، اور اس میں ذرا بھی شک نہیں، اس لیے کہ سب صحابہ دنیائے انسانیت کی معراج ہیں، کیونکہ انہوں نے سرکارؐ سے براہِ راست تربیت پائی ہے، مطلب یہ ہوا کہ جو ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں سزا دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے؟ **"یمدھم"** اس کا لفظی معنی ہوتا ہے پھیلانا۔ لیکن یہاں مراد ہے ڈھیل دینا۔ اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتا ہے ان کو۔ **"فی طغیانھم"** اس کا لفظی معنی ہوتا ہے سرکشی یعنی اپنی۔ کہ وہ اپنی سرکشی میں۔ **"یعمھون"** سرگرداں پھرتے رہتے ہیں،

جب بندہ کسی ایسے صحراء میں پہنچ جاتا ہے جہاں نقوش پا نہیں ہوتے، وہ چار قدم ایک طرف چلتا ہے پھر خیال آتا ہے کہ میں غلط راستے پر چل رہا ہوں پھر دوسری طرف قدم اٹھا کر یہی سوچتا ہے، تو اس کی یہ گردش تقریباً تین چار فرلانگ کے اندر گھومتی رہتی ہے، اسے عربی میں **عــمــہٌ** کہتے ہیں، سرگرداں پھرنا۔ بھٹکتے رہنا، کچھ لوگوں نے یہاں نابینا معنی کیا ہے یہ عربی لغت کے مطابق نہیں ہے، صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ انہیں ان کے مذاق کی سزا دیتا ہے، انہیں مہلت دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں وہ سرگرداں پھرتے رہیں، انہیں راہِ راست تب قبول کرنی ہے جب ان کی خواہشات کے مطابق ٹیڑھی ہو جائے، اور یہی منافقت ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُهُمۡ

(یہ) وہ لوگ ہیں جنھوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے مگر نفع بخش نہ ہوئی ان کی (یہ) تجارت

وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿١٦﴾

اور وہ صحیح راہ نہ جانتے تھے ٢٢

٢٢ "اولٰئک الّذین اشترو الضّلٰلة با لهدٰی". "اولٰئک" (وہ سب لوگ۔ یہ دور کے لیے اشارہ ہے، یہ ذالک کی جمع ہے، یعنی وہ وہی لوگ ہیں) "الذین" (جنہوں نے) "اشعروا" (خرید لیا) "الضّلٰلة" (گمراہی) "بالهدٰی" (با، بدلہ، الھدی، ہدایت) پورا ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی''۔

"الضّلٰلة" گمراہ ہونا۔ جب کوئی آدمی نجات والا راستہ چھوڑ دیتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ عقیدۂ نجات اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنے میں وہ ناکام ہو گیا، اس لیے لفظ ضلال استعمال کیا، یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے، حضرت یوسفؑ کے بارے میں ہے کہ ان کے بھائی اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہہ رہے تھے کہ'' انک لفی ضلالک القدیم'' مگر یہاں بھی ترجمہ کرتے ہوئے وہی ٹھوکر لگی، ان مترجمین نے یہ نہیں سوچا کہ یعقوب علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں، انہوں نے ترجمہ کیا کہ ابا جان آپ اسی پرانی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، کیا ایک متین بیٹا نبی زادہ ہو کر والد کو کہہ سکتا ہے؟ یہی لفظ دوسرے مقام پر قرآن نے سرکار علیہ السلام کے لیے استعمال کیا۔'' و وجدک ضآ لا فهدی '' یہاں بھی مترجمین نے ٹھوکر کھائی، کہ تجھے گمراہ پایا تو راستہ دکھا دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے پہلے العیاذ باللہ سرکار ﷺ کی زندگی مبارک گمراہی والی تھی؟ یہ ترجمہ مقام نبوت کے خلاف ہے، لغت میں ضلال کا ایک اور معنی بھی مذکور ہے یعنی اتنا انہماک کہ آپ کو ماحول کی خبر نہ رہے، جسے مختصر لفظوں میں آپ اردو میں کھو جانا کہتے ہیں، اب ترجمہ یہ ہوگا کہ ابا جان جو محویت آپ پر محبت یوسف علیہ السلام کی طاری ہے، اتنا عرصہ گزر گیا ہے، اس محویت میں کمی نہیں آئی؟ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں جو آیت ہے اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ کریم نے آپ کو اپنی ذات میں محو اور خود فراموش پایا۔ آپ اس طرح ذات ربانی میں محو ہو گئے کہ اور سب کچھ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، تو رب نے اپنی طرف آنے کا راستہ بتا دیا، جب یہ معنی ہوگا تو ادب میں کہیں خرابی نہیں آئے گی، یہ باتیں اس لیے عرض کر دیں کہ

Marfat.com

قرآن مجید فرقان حمید کا تعارف

آج ہم اس کتابِ مقدس کے ترجمے اور تشریح کا آغاز کرنے لگے ہیں جس نے اس کائنات میں آ کے انسانیت کے خود ساختہ بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا، یہ وہ کتاب ہے جس نے آج تک بے شمار انقلابات پیدا فرمائے، اور قیامت تک بے شمار انقلابات اس کی تعلیمات سے جنم لیں گے، یہ وہ کتاب ہے جو کسی دور کے ساتھ خاص نہیں، کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں، کسی نسل یا کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں، جس کا دعویٰ ساری انسانیت کو ساتھ لے کے چلنا ہے، یہ وہی کتاب ہے جس نے چند سالوں میں اپنے ابتدائی دور میں قیصر و کسریٰ کے تاج، عرب کے بدوؤں کے پاؤں کے نیچے کچلوا دیئے تھے، یہ وہ کتاب ہے جس کے ماننے والے برصغیر میں اقلیت میں تھے لیکن ایک ہزار سال تک انہوں نے بڑے شکوہ سے برصغیر پر حکومت کی، یہ وہ کتاب ہے کہ اس کی طرف جب مرحوم و مغفور قائد اعظمؒ نے بلایا تو ساری قوم لبیک کہتے ہوئے ان کی طرف دوڑ پڑی، یہ وہ کتاب ہے کہ جب ہمیں جدید الٰہیات کی ضرورت تھی، جب ہمیں جدید فلسفہ اسلام کی ضرورت تھی، جب ہمیں جدید علم کلام کی ضرورت تھی تو علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے آگے بڑھ کے قرآن پاک سے نور مانگا تو قرآن پاک نے انہیں اپنے نور سے مالا مال فرما دیا، یہ وہ کتاب ہے جس کی لطافتیں نہ کبھی ختم ہوئی ہیں نہ کبھی ختم ہوں گی، یہ وہ کتاب ہے جس کی رعنائیوں کے سمندر اس کی ابتداء سے لے کے ایک انتہاء تک ٹھاٹھیں مار رہے ہیں، یہ وہ کتاب ہے جس نے کوئی ایسا مسئلہ نہیں چھوڑا جو صبح قیامت تک قابل حل ہو اور اس کتاب کے اندر اس کا حل موجود نہ ہو یا اسے حل نہ فرما دیا ہو، یہ وہ کتاب ہے جس نے اجتہاد کے وہ دروازے کھولے کہ ان دروازوں سے گزرنے والوں نے قانون کے میدان میں، اخلاقیات کے میدان میں، تمدن کے میدان میں، سیاست کے میدان میں، زندگی کے ہر شعبے میں وہ ریکارڈ چھوڑا ہے کہ آج دنیا انگشت بدنداں ہے۔ ابتدائی چھ صدیاں چھوڑ کے مسلمان دنیا کے حکمران نہیں رہے تھے، اور اگر کہیں تھے تو ٹوٹے پھوٹے خطے ان کے قبضے میں آئے تھے، پھر وہ بھی چلے گئے، اور گزشتہ تین صدیوں میں تو بالکل بے مائیگی مسلمانوں پر مسلط رہی ہے، یہ وہ زندہ کتاب ہے کہ مساجد میں، عبادت گاہوں میں، لوگوں کے گھروں میں نہ صرف زندہ رہی بلکہ مسلمان قوم کو بھی زندہ رکھا، یہ وہ عظمت ہے جو اس عظیم کتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ آج ہم اس کتاب کے ترجمے اور تفسیر کا آغاز کرنے والے ہیں۔

ہم نے اس سے ذہنوں کے لیے جلا بھی لینی ہے، دل کے لیے ایمان بھی لینا ہے، جوارح و اعضاء کے لیے اعمال بھی لینے ہیں، ایسے افکار بھی لینے ہیں، کہ ہم ایک دفعہ پھر زندگی کو زندگی بنا سکیں، قوم کو قوم بنا سکیں، اور پھر اسلام کی عظمت رفتہ واپس دلانے کی مساعی میں حصہ دار بن سکیں، یہ وہ کتاب ہے جو خود زندہ ہے بلکہ خود زندگی ہے اور جن قوموں نے اسے اپنے سینے سے

آپ کو ترجمہ پڑھتے وقت یہ احساس نہ ہو کہ اگر انبیاء ہی معاذ اللہ گمراہی میں تھے تو امتوں کو کیسے ہدایت مل سکتی ہے۔
"فما ربحت تجارتھم" (رَبِحَ کا معنی ہوتا ہے نفع دیا، پہلے 'ما' کا معنی ہے نفع نہیں دیا، ان کی تجارت کیسے نفع دے)
تفسیر مظہری کے مصنف لکھتے ہیں کہ نقصان کس چیز کا تھا؟ فرماتے ہیں **"وھی فطرۃ السلیمۃ"** وہ سلیم فطرت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی تھی۔

"وما کانوا مھتدین" (اور نہ ہی انہیں راستہ ملا) راستہ تب ملتا ہے جب فطرت سلیمہ کے مطابق وہ ایمان لے آتے اور پھر ایمان کی رعنائیاں محفل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بیٹھ کر حاصل کرنے کی کوشش کرتے، تو وہ مجسمہ ایمان واطاعت بن جاتے ہیں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل کا نقشہ کھینچتے ہوئے غیروں نے ایک بات کہی ہے، کہ صحابہ کی زبان پر کبھی لفظ کیوں نہیں آیا۔ اور ان کی کامیابی کا سب سے بڑا یہی راز ہے۔
برصغیر کے کسی محقق کو میں پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے فن مناظرہ پر بڑی مزے کی ایک بات کہی کہ جب فلسفیانہ انداز اپناتے ہوئے کوئی بندہ دلیل کو جھٹلا کر کیوں پیدا کردے۔ تو جواب اسی انداز میں دو کیوں پیدا کر کے اس کے گلے میں ڈال دو تا کہ اس کا بولنا بند ہو جائے، صحابہ کیوں کو نہیں بلکہ صرف علم وادب کو جانتے تھے، مگر منافق بار بار ہر بات میں کیوں استعمال کرتے ہیں، اب یہاں قرآن پاک نے ان کی دو مثالیں پیش کیں، ان کے دو گروہ تھے، ایک تو وہ تھے جو نفاق پر بڑے ہی پکے تھے، اسے چھوڑتے نہیں تھے، دوسرے وہ تھے جو وقتی طور پر چھوڑ کر ادھر آجاتے کہ بڑی ہی سچی بات پیغمبر اسلام فرمارہے ہیں، کچھ وقت کے بعد جب کوئی مشکل آجاتی تھی، تو کہتے کہ ویسے تو ہم مان لیتے مگر اس راستے پر بے شمار وادیاں ہیں کانٹے اور مشکلات ہیں اس لیے قبول نہیں کرتے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ
ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی پھر جب جگمگا اٹھا اس کا آس پاس
ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾
تو لے گیا اللہ ان کا نور اور چھوڑ دیا انھیں گھپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے ۲۳

۲۳ **"مثلهم"** (ان کی مثال۔ مثل، مثیل، مماثل) یہ تین لفظ اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں، عام اردو میں نظیر کہہ دیتے ہیں عربی میں المثل اور اردو میں ضرب المثل استعمال ہوتا ہے، **"کمثل الذی"** اس آدمی کی مثال ہے۔ **"استو قد"** جس نے روشن کیا یا جلایا۔ **"النار"** کا معنی ہے آگ۔ ان کی مثال اس آدمی کی مثال جیسی ہے۔ **"فلمّا"** (جب) **"اضآء ت"** (اس آگ نے روشن کر دیا) واضح رہے کہ عربی میں آگ مؤنث ہے اس لیے **اضآءت** میں 'ت' ہے **"ماحول"** (اردگرد) **"ہٗ"** (اس کا)

اس آگ جلانے والے نے آگ کو روشن کر دیا۔ آگ کے جلنے کی وجہ سے ماحول چمک اٹھا۔ **"ذهب"** کا لفظی معنی ہے گیا۔ مگر جب اس کے بعد لفظ 'ب' آجائے تو معنی ہوگا، لے جانا۔ اس صورت میں یہ متعدی ہو جاتا ہے، اللہ لے گیا۔ **"بنورهم"** (ان کی روشنی کو) پورا ترجمہ یوں ہوگا۔

''جب وہ آگ روشن کر کے اس کی روشنی میں راستہ پکڑ سکتا تھا تو دفعتاً اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو بجھا دیا''۔

"وترکهم" اور انہیں اس حال میں چھوڑا۔ **"فی ظلمتٍ"** کہ وہ اندھیروں میں ہیں۔ **"لایبصرون"** انہیں نظر نہیں آتا۔ اکثر آپ نے دیکھا ہوگا کہ اندھیرے میں یک دم روشنی آجائے پھر فوراً ختم ہو جائے تو کیا حال ہوتا ہے، یہاں یہی مثال بیان کی گئی ہے۔ اب ہم نے غور کرنا ہے اس مثال پر کہ کس نے یہ نورانی شمع روشن کی ہے، جس کے قریب جاتے ہیں تو روشنی ہو جاتی ہے اور جب ان کے قریب سے ہٹ جاتے ہیں تو پھر اندھیروں میں گھر جاتے ہیں، اس سے مراد سرکار علیہ السلام کی ذات اقدس ہے، جنہوں نے اسلام کی روشنی کو جلایا۔ اور جب اسلام نے ماحول کو منور کیا تو چاہیے یہ تھا کہ وہ اس میں چلتے۔

چلنے کی بجائے وہ پیچھے ہٹے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دور بھاگے تو روشنی اندھیرے میں تبدیل ہوگئی۔علامہ بیضاوی نے یہاں ایک نکتہ بیان فرمایا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل میں گئے تو دل میں ذات مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شعاعیں پڑیں۔باہر نکلے تو وہ جو اپنے پرانے کرتوت تھے ان کی طرف پلٹ پڑے۔اس بات پر توجہ فرمائیں کہ جب بندہ روحانیت کی طرف بڑھتا ہے تو اسکے دل پر انوار کی بارش ہوتی ہے اور جب تھوڑا سا دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ روشنی مدھم ہونے لگ جاتی ہے،اس تھوڑی سی روشنی پر کفایت نہ کی جائے۔لوگوں کے سامنے بیان نہ کیا جائے،اس پر دسترس اتنی ہو جائے گویا کہ وہ آپ کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے،تو تصوف کے مسافروں پر ضروری ہے،کہ جو آگ سینے میں جل گئی ہے،اس شمع کو بجھنے نہ دیا جائے،تاریخ گواہ ہے کہ جب ایسے لوگ اہل اللہ کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں تو وہ یہی فرماتے ہیں کہ جو دیا آپ کے سینے میں روشن ہے اسے تیل ڈالتے رہنا۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَۙ ﴿۱۸﴾
یہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں پھریں گے ۲۴

۲۴ "صمٌّ" یہ اَصَم کی جمع ہے اَصَم کہتے ہیں بہرے کو معنی ہوگا "هم صمٌّ" وہ بہرے ہیں۔"عمی" اعمی کی جمع ہے بمعنی نابینا ہونا۔"بکم" ابکم کی جمع ہے گونگے ہیں۔"فهم لا یرجعون" وہ نہیں پلٹیں گے۔

یعنی انہوں نے اپنے آپ کو اس حد تک اسلام سے دور کر لیا ہے کہ اب کسی دلیل سے اسلام کی طرف نہیں آ سکتے۔اس لیے گونگے، بہرے، اندھے ہیں۔انہیں بہار کی رعنائیوں کا کیا پتہ لہٰذا اسلام نے یہ بات کہہ دی کہ بغض اسلام، سرکار علیہ السلام اور اللہ کریم کی مخالفت میں وہ اتنے دور نکل گئے کہ واپسی ناممکن ہے۔

☆×☆×☆×☆×☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعۡدٌ وَّ بَرۡقٌ ۚ
یا جیسے زور کا مینہ (برس رہا ہو) بادل سے جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو
يَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِىۡٓ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ
ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے باعث
حَذَرَ الۡمَوۡتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۹﴾
موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۲۵

۲۵ "او کصیّب من السّمآءِ" (صیب کا معنی ہے موسلا دھار بارش۔من السماء، جو اوپر سے آرہی ہو)

بارش کہاں سے آتی ہے؟

دور اول کے فلاسفر کہتے تھے کہ بادل صرف علامت ہے بارش آسمان سے آتی ہے، سوال یہ ہے کہ لفظِ سمآء سے کیا مراد ہے۔ بیضاوی، قرطبی اور امام راغب نے فرمایا کہ!

"کلّ شیءٍ فوقک فھو سمآء لک"

ہر وہ چیز جو آپ کے سر کے اوپر ہے وہ سما ہے علامہ بیضاوی نے فرمایا اسی لیے ہم چھت، بادل کو سما کہتے ہیں عام اصطلاح میں قدیم فلاسفر جسے آسمان کہتے تھے اسے بھی ہم آسمان کہتے ہیں۔ اور دوسری جگہ وضاحت سے قرآن نے بارش کا بادلوں سے برسنا ثابت کیا ہے۔ کہ وہ ذات ہے جو بادلوں کو ہوا کے دوش پر سوار کر لیتی ہے اور پھر اس پیاسی زمین کو جو مرچکی ہے ان کے پانی سے سیراب کر دیتی ہے۔ یاد رہے کہ عربی میں بادل کو سحاب کہتے ہیں، سحاب اسے کہتے ہیں جو کسی اور چیز کے پڑنے سے بوجھل ہو گیا ہو۔ اور وہ بادل پانی کے قطرات سے بوجھل ہو جاتا ہے اسے قرآن پاک لواقح کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ لواقح دودھ دینے والے جانور کو کہتے ہیں۔ تو یہ ساری باتیں قرآن نے بادل کے لیے ارشاد فرمائی ہیں۔ فکری انداز سے جس بندے نے سب سے پہلے یہ بات کہی کہ بارش بادل سے آتی ہے، وہ اسلام کے عظیم فلسفی بو علی سینا تھے، واضح رہے کہ یہ لفظ سینا۔ زیر کے ساتھ نہیں بلکہ سَینا زبر کے ساتھ ہے، اسلامی تاریخ میں اس جیسا وزیر اعظم اور کوئی نہیں جدید یورپ کا فلسفہ philosphy اسی کے فلسفے سے ماخوذ ہے، اور دوسری بات یہ کہ طب یعنی ڈاکٹری کے میدان میں بھی یورپ

Marfat.com

ان کا مرہون احسان ہے، قانونِ شیخ اور شرح اشارات یہ دو کتابیں ہیں جو یورپ کے علوم کا ستون ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم اس راستے سے گزرے ہی نہیں، ہمیں پتہ ہی نہیں کہ ہم کن عظیم لوگوں کی اولاد ہیں۔ اقبال اسی مقام پر فرما گئے!

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

میں سوچتا ہوں کہ وہ کون سی کتاب تھی جس کو پڑھ کر ہمارا عظیم مفکر کھو گیا؟ تو آپ کے علم میں اضافہ کے لیے عرض کرتا ہوں کہ مشہور اسلامی مفکر لبیب کی لکھی ہوئی کتاب **المغنی للبیب** اقبال کے مطالعہ میں تھی جس کو پڑھ کر اقبال یہ شعر کہہ گئے۔ میں اقبال کو دور حاضر کا سب سے بڑا مفکر مانتا ہوں، اور میں نے مغنی کتاب بڑی دقت سے تلاش کی، اور بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا۔ جناب پیر محمد کرم شاہ صاحب نے بھی اس کا معنی آسمان نہیں کیا، اور لکھا کہ یا وہ موسلا دھار بارش جو اوپر سے آ رہی ہو، اس بارش میں ہوتا کیا ہے؟ ''ظلمت''۔ اندھیرے ہیں، ایک رات کا اندھیرا دوسرا بادل کا تیسرا پانی کا جو گر رہا ہے، تو یہ کئی اندھیرے مل جاتے ہیں، اس لیے قرآن نے جمع کا لفظ استعمال کیا۔ **"رعد"** بادل کی کڑک کو کہتے ہیں، **"برق"** بجلی کی چمک کو کہتے ہیں، اس بادل میں تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ اندھیرے کا سبب ہے۔ ۲۔ اس میں کڑک پیدا ہوتی ہے۔ ۳۔ اس میں بجلی چمکتی ہے۔ اب تورات کی شرح ماننے والوں نے کہا کہ اس میں ایک فرشتہ ہوتا ہے جو بادل کو بہت مارتا ہے تو اس سے کڑک کی آواز پیدا ہوتی ہے، لیکن بیضاویؒ نے لکھا کہ اس میں مختلف چیزوں کا ٹکراؤ (clash) ہونے کی وجہ سے جو رگڑ پیدا ہوتی ہے تو اس سے یہ دھما کہ خیز آواز پیدا ہوتی ہے، بیضاوی آج سے اٹھ سو یا ہزار سال پہلے ہو گزرے ہیں آج اگر سائنس وہاں پہنچ گئی ہے تو کون سا تیر مارا ہے یہ ہمارے علوم ہیں جو غیروں نے استعمال کر لیے ہیں، اور بوعلی سینا نے کہا کہ اگر آپ پہاڑ کے اوپر چڑھ جائیں تو وہاں بارش نہیں ہوگی، بادل نیچے ہوتے ہیں، نیچے پانی بہہ رہا ہوگا، اس کا مطلب ہے کہ اگر اوپر سے بارش آئی ہوتی تو پہاڑ کی چوٹی پر بھی آئی ہوتی، اس دور میں بوعلی سینا کے پاس کوئی اور دلیل نہیں تھی اس لیے اسی پر اکتفا کیا۔

"یجعلون" وہ کرتے ہیں یعنی وہ ڈالتے ہیں۔ **"اصابعهم"** اپنی انگلیوں کو۔ **"فی اذانهم"** اپنے کانوں میں۔ **"اذن"** کا جمع اذان ہے۔ **"من الصواعق"** صاعقہ کی جمع جس کو آپ کڑکا کہتے ہیں۔ یہ جمع کا لفظ اس لیے کہ بار بار بادل کڑک رہا ہے۔ **"حذر الموت"** موت کے ڈر کی وجہ سے۔ کہ کہیں شدت سے کڑکے تو ہمیں ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے، کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی وجہ سے وہ بچ جائیں گے؟ **"واللہ محیط بالکفرین"** اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔ اس مثال میں اسلام کو یا نبی رحمتؐ کی ذات اقدس کو موسلا دھار بارش سے تعبیر کیا گیا۔ یہ بارش اسی طرح باطنی زندگی کا باعث بنتی ہے، جس طرح ظاہری زندگی میں بادل سے اترنے والی بارش بنا کرتی ہے، اب انہوں نے سمجھا کہ بارش آ گئی ہے جو

سراپا رحمت ہے لیکن اس کے اندر کڑک، اندھیرے اور بجلی کی چمک کو دیکھا، کبھی خوف سے مدینے میں رات جاگتے ہوئے گزارنی پڑتی تھی تو کبھی کچھ اور سختی جھیلنی پڑتی تھی، ایسے واقعات وہاں بار بار پیش آتے تھے، بخاری شریف میں یہ حدیث پاک موجود ہے کہ صحابہ کرام اور سرکار علیہ السلام نے زور کی آواز سنی جو جہاں تھا وہیں سہم گیا۔ سرکار کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے گھر سے نکل آئے، سچا نبی یہاں پہچانا جاتا ہے گھر سے نکلے کسی کو بلایا نہیں آپ نے اپنے گلے مبارک میں تلوار ڈال لی ایک گھوڑا تھا جو اس حد تک بے کار تھا کہ گھر والوں نے بے کار سمجھ کے چھوڑ دیا تھا کہ بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں، جب اس پر کوئی سوار ہوتا تو آگے چلنے کی بجائے پیچھے ہٹ جاتا، یہ اس کی عادت تھی، سرکار علیہ السلام جب گلی میں نکلے تو وہی گھوڑا سامنے تھا، اس کی پیٹھ ننگی تھی، سرکار کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس پر سوار ہو گئے، جب حضور علیہ اس پر سوار ہوئے تو وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا، اس نے سمجھا کہ میں تو آج براق بن گیا ہوں، سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے مدینے کے چاروں طرف اسے گھمایا، جب گھما کر واپس تشریف لائے تو صحابہ عالی مقام مختلف جگہوں سے اٹھ کے ایک جگہ بیٹھ کر سوچ رہے تھے، کہ یہ آواز کدھر کی ہے، کس نے ڈرایا ہے یا حملہ کیا ہے؟ دفعتاً سرکار علیہ السلام محفل میں تشریف لے آئے، جونہی پہنچے تو فرمایا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، بس مدینے کے چاروں طرف چکر لگا آیا ہوں کچھ بھی نہیں ہے، اور پھر گھوڑے کے لیے فرمایا۔ "وان وجدناہ لبحرا او کماقال" یہ تو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا چل رہا تھا تم کہتے ہو یہ چلتا نہیں ہے، جانور بھی سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو جانتے تھے، جب سرکار علیہ السلام انہیں استعمال فرماتے تو ان کا انداز بدل جاتا، اللہ کرے ہم بھی سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو پہچان لیں، اگر گھوڑا پہچان لے اور ہم نہ پہچانیں تو فضلیت کا تاج کس کے سر پر ہوگا، لہذا اس کائنات میں سب سے بڑی بات سرکارﷺ کی پہچان ہے، تو قرآن پاک نے کہا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ مشکلات آتی ہیں، تو یہ منافق اسلام کی آواز کان میں پڑتے ہی کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں، لیکن ایسے لوگوں کو اللہ گھیر لے گا، اس گھیرنے کا ذکر قرآن نے بڑے نفیس انداز میں کیا ہے۔

☆=☆=☆=☆=☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۚ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ
قریب ہے کہ بجلی اچک لے جائے ان کی بینائی، جب چمکتی ہے ان کے لیے تو چلنے لگتے ہیں اسکی (روشنی) میں
وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ
اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کے سننے کی قوت اور ان کی بینائی
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾
بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۲۶

۲۶ "یکادالبرق" قریب ہے بجلی۔ "یخطف" اچک لے۔ "ابصارھم" بصر کی جمع ان کی آنکھوں کو۔ اردو میں یوں ہوگا کہ ہوسکتا ہے بجلی ان کی نگاہوں کو اچک لے، حالات ایسے بن گئے ہیں کہ ایسے حالات میں نگاہیں چلی جاتی ہیں۔ "کلما اضآء لھم" جب بھی بجلی ان کے سامنے روشنی کرتی ہے۔ "مشوا فیہ" اس میں چل پڑتے ہیں۔ یعنی اسلام کے ساتھ چند قدم چلے۔ "واذا اظلم علیھم" اور جب ان پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ "قاموا" وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ "ولوشاء اللہ" اگر چاہتا اللہ۔ "للذھب بسمعھم" ان کے کان بھی لے جاتا۔ یعنی وہ بہرے ہو جاتے۔ "ابصارھم" ان کی آنکھیں بھی لے جاتا، کہ نابینا ہو جاتے۔ "ان اللہ علی کلّ شیء قدیر" اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

یہاں وہ انداز اپنایا جو اوپر والوں کے ساتھ تھا، اس لیے کہ ہوسکتا ہے، یہ اسلام کے ساتھ چل پڑیں۔ ''شی ء'' کبھی شائی کے معنی میں استعمال ہوتی ہے، یعنی چاہنے والا۔ اور کبھی یہ "مشیّ" کے معنی میں، یعنی چاہا ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ جس بات کو چاہتا ہے وہ اس پر قادر ہے، کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اللہ جھوٹ پر قادر ہے، العیاذ باللہ۔ تو اللہ کو کسی عیب کی طرف منسوب کرنا بذات خود بے ادبی ہے، اللہ جس شے کو چاہے وہ اس پر قادر ہے اب محققین نے ایک بات کہی ہے کہ یہاں مراد وہ شے ہے جو چاہی گئی ہے، اور اللہ کریم اس پر قادر ہے، رہا جھوٹ تو نیک بندوں کا وہ چاہا ہوا نہیں ہے، کیونکہ وہ عظمت انسانی کے خلاف ہے تو مولا کریم کا وہ چاہا ہوا نہیں ہوسکتا، لہٰذا جھوٹ اس مشیت والے زمرے سے ہی خارج ہے، اپنی منقاروں سے جال کے حلقے بننے والے پرندوں کی طرح ہمیں بھی اپنے لیے ایسے جال نہیں بننے چاہئیں، جو جہنم میں لے جانے کا سبب ہوں، اللہ کریم فاسد عقائد سے محفوظ رکھیں۔ (آمین)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۲۷

۲۷ گزشتہ رکوع میں منافقین اور ان کے نظریات کو ہم نے بڑی تفصیل سے بیان کیا، اور اس سے پہلے رکوع میں اہل ایمان اور اہل کفر کے متعلق وضاحت سے بتایا، ہمیں پتہ یہ چلا کہ انسان ہمیشہ تین گروہوں میں بٹے رہتے ہیں، خواہ وہ مذہب کے بارے میں سوچ رہے ہوں، یا دنیا کے دیگر معاملات کے بارے میں سوچ رہے ہوں، ایک گروہ وہ ہے جو اطاعت گزار ہے، بات کو مانتا ہے، اس پر عمل کرتا ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو سراسر مخالف ہے، وہ کسی انداز سے بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، یہ وہ گروہ ہے جسے اہل کفر کہا جاتا ہے، تیسرا گروہ، وہ ہوتا ہے جو کچھ لمحے مومنین کے پاس گزارتا ہے اور ان کا ہمنوا بننے کی کوشش کرتا ہے، اور جب کافروں کے پاس جاتا ہے تو ان کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔

آپ مختلف انسانی طبقات کو دیکھ لیں، مذہب سے ہٹ کے مختلف تحریکات کا جائزہ لے لیں، تو یہ بات بڑی واضح نظر آئے گی کہ انسان تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، اب یہاں سے اللہ کریم نے تینوں گروہوں کو اکٹھا کر کے خطاب شروع کیا ہے، آیات مقدسہ میں جو آگے آرہی ہیں، ایک تو توحید کے دلائل ہیں، اللہ کریم کی عظمتوں کا ذکر ہے، اس کی نوازشات، مہربانیوں اور کرم فرمانیوں کا تفصیل سے تذکرہ ہے، اور دوسری طرف آدمؑ کا قصہ بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس انداز سے قرآن پاک نے یہاں توحید ذاتی اور توحید صفاتی کا ذکر کیا ہے، اس تفصیل اور جامعیت سے سابقہ کسی کتاب میں نہیں ہے، اور عظمت انسان کا تذکرہ جس انداز سے قرآن حکیم نے کیا ہے وہ بھی خاصے کی شے ہے، اور انسان کی اپنی شناخت کے لیے اس سے بڑھ کر کہیں بھی مواد نہیں ملتا، فرمایا!

"یاایھا الناس" (اے لوگو! اے بنی آدم! اے گروہِ آدمیت!) **"اعبدوا"** (تم عبادت کرو) عبادت اس عاجزی کو اس ذلت کو کہتے ہیں جو عظیم ترین ہستی کے سامنے ایک انتہائی نیچے درجے والی ہستی پیش کرتی ہے، اس سے بڑھ کے عاجزی کا اور کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا، تو یہ عبادت ہے، اب انسان کو عبد بھی کہا گیا ہے، چونکہ یہ اللہ کریم کا عبادت گزار ہے اور اس کا بندہ ہے، تو ارشاد یہ ہوا کہ تم عبادت کرو، کس کی عبادت کریں۔ **"ربکم"** یہاں پھر اللہ کا لفظ چھوڑ دیا ہے، جو اسم ذات ہے، اسمائے

Marfat.com

صفات کو بھی چھوڑ کے **"رب"** کا لفظ منتخب کیا ہے، یعنی اس ذات کی عبادت کرو، جو ذات تمہاری تربیت کا بندوبست کرتی ہے۔

"ربکم" (جو تمہارا پروردگار ہے) جو تمہاری تربیت کرنے والا ہے، **"ربُّ العٰلمین"** کے تحت تربیت کا تذکرہ بھی میں تفصیل سے کر چکا ہوں، یہاں صرف یہ کہنا ہے، کہ تربیت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ایک ہستی کو انتہائی پستی سے اٹھا کے اس پر توجہ منعطف کر کے اس کی دستگیری فرما کے اس کا ہاتھ پکڑ کے اس کو ظاہری اور باطنی خوبیاں عطا کر کے جب آپ بلندی پر پہنچا دیتے ہیں تو یہ تربیت ہوتی ہے، تو یہاں رب کا لفظ ارشاد ہوا کہ تم عبادت اس کی کرو جس نے تمہاری تربیت کی ہے، تربیت کی بے شمار شاخیں branches ہیں، ہم نے ذہنی تربیت کا بھی خیال رکھنا ہے، ہم نے باطنی تربیت کا بھی خیال رکھنا ہے، ہم نے تعلیمی تربیت کا بھی خیال رکھنا ہے، ہم نے اخلاقی تربیت کا بھی خیال رکھنا ہے، اور سب سے بڑھ کر اس قسم کی تربیت کرنی ہے، کہ جب دوسری دنیا میں جائیں تو وہاں کامیابیاں ہمارے راستے دیکھ رہی ہوں، ناکامیاں ہمارے راستے پر رکاوٹ نہ بن سکیں، یہ مراحل ہیں تربیت کے جو اللہ کریم انسانوں کو عطا فرماتا ہے۔

یہ اشارات تھے، جب آپ خود اس پر غور فرمائیں گے، تو پتہ چلے گا کہ اس نے ہماری تربیت کس کس انداز سے کی، ہم نے تربیت کو بہت محدود معنوں میں لے رکھا ہے، ایک تربیت یہ کہ جسم کو پالا جائے، اور والدین یہ فریضہ سرانجام دیں، دوسری تربیت یہ کہ جو گھسی پٹی out dated تعلیم انگریز وراثت میں چھوڑ گیا ہے، اسے ایک حد تک پڑھ کے ہم یہ چندروزہ زندگی گزار سکیں، اگر ان دو شعبوں میں تربیت کو آپ بند کر دیں گے تو تربیت کا وسیع مفہوم تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا، تربیت تو آپ کی ہر ہر قدم پر ضروری ہے، مختلف شعبوں میں ضروری ہے، اور جو تربیت کرتا ہے وہ خود فرما رہا ہے، کہ لوگو عبادت کرو اپنے تربیت کرنے والے کی، جسے سادہ لفظوں میں ہم پروردگار کہتے ہیں۔

☆/☆/☆/☆/☆

۲۹ **"الذی خلقکم"** (وہ جس نے پیدا کیا تمہیں، وہ جس نے تمہیں وجود بخشا، وہ جس نے تمہیں زیور تخلیق سے آراستہ کیا، جو تمہیں عدم سے وجود کی طرف لے آیا) یہ سارے معنی ہیں **"خلقکم"** کے۔اس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اب ایک توحید تھی تربیت میں، دوسری توحید ہے تخلیق میں، کہ وہ تمہارا خالق ہے، لیکن یہ تخلیق کا سلسلہ ایسا نہیں کہ جس کا نکتہ آغاز تم ہو، یہ بات نہیں ہے۔

"والذین من قبلکم" (اور ان لوگوں کو بھی اس نے پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے) یعنی تخلیق کا نکتہ آغاز تم نہیں ہو، اس کا نکتہ آغاز کوئی اور تھا، اور تم اس زنجیر کی کڑی تو ضرور ہو لیکن آغاز تم سے نہیں ہے، پھر اس نے پیدا کیا تمہیں بھی، اور اس سے پہلے لوگوں کو بھی، اور اس تخلیق میں ایک قسم کے اُنس کو بھر دیا، اب آپ بار بار کہتے ہیں کہ ماں کی ممتا کی مثال نہیں ہے، باپ کی شفقت کی مثال نہیں ہے، تو رب نے اپنی تخلیق کی تکمیل کے لیے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی ہے، اگر آپ کی تخلیق کی تکمیل نہ کرنی ہوتی، تو ان کے دلوں میں رحم دلی کے جذبات نہ ہوتے، اس لیے نعمت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا، کہ تمہیں زندگی کی نعمت سے نوازا، اور اس زندگی کو اجاگر کرنے کے لیے، اس نے وہ ماحول مہیا فرمایا جس ماحول کو سامنے رکھ کے تم آگے بڑھ سکتے ہو۔ تم سے پہلے لوگوں کو بھی اس نے تخلیق کی خلعت سے نوازا، تخلیق کا تاج ان کے سر پر بھی رکھا، یہ کیوں ہوا!

"لعلکم تتقون" ہمارے مترجمین حضرات اس کا معنی کر رہے ہیں ''تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ''۔اب یہاں ترتیب وار تین چار چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں، ان کا نتیجہ ہے تقویٰ۔ان کا نتیجہ ہے پرہیزگاری۔وہ چیزیں ترتیب کے ساتھ کس طرح آئیں پہلی بات یہ آئی کہ عبادت کرنی ہے، دوسری بات یہ آئی کہ عبادت کا حق صرف اللہ کریم کے لیے ہے، اس میں کسی اور کو شریک نہیں کرنا ہے، تیسری بات یہ آئی کہ اللہ کریم نے تمہیں پیدا فرمایا ہے یہ نعمت ہے اس کی تم پر، اس نعمت کے حق کو ادا کرنے کے لیے عبادت کرنی ہے، تم سے پہلے لوگوں کو بھی پیدا کیا، تا کہ ان کے زیر تربیت رہ کے تم آگے بڑھ سکو، اور مختلف چیزیں شعوری اور لاشعوری طور پر ان سے سیکھ سکو، مثلاً والدین ہیں جن سے بے شمار باتیں آپ بغیر علم حاصل کرنے کے بغیر ان سے سیکھ لیتے ہیں اسی طرح اساتذہ ہیں، ایک تو علم کتابی ہے جو آپ کو وہ پڑھا رہے ہیں، لیکن ایک اور بات ہوتی ہے جسے استاد کی شخصیت personality کہا جاتا ہے، شخصیت کن چیزوں سے بنتی ہے، وہ چیزیں ہیں جو شعوری یا لاشعوری طور پر آپ کو متاثر کرتی ہیں، اور آپ زندگی میں ایک راستے پر چل پڑتے ہیں، اب جب یہ ساری چیزیں آجاتی ہیں تو اس کے نتیجے میں تقویٰ کا پیدا ہونا ضروری ہے، اس لیے نتیجے کے طور پر رب کریم نے یہ ذکر فرمایا، تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ، اب یہ معالات سامنے سے بھی گزریں اور انسان پھر غلط راہوں سے نہ بچے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی شے نے اسے فائدہ نہیں پہنچایا، اور جب کوئی بھی شے اسے فائدہ پہنچائے گی تو وہ اس راستے سے ہٹ جائے گا جو راستہ ہلاکتوں کی طرف لے کر جاتا ہے وہ پلٹے گا اس راستے کی طرف جو

Marfat.com

لگایا ہے ان قوموں کو اس نے زندہ کر دیا ہے، یہ وہ اعجاز ہے جو قرآن پاک کے اندر ہے میں نے بے شمار تفاسیر کا مطالعہ کیا، آپ کے افکار عالیہ میں یہ بات ڈالنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے قرآن پاک کے الفاظ کی بلاغت جس انداز سے بیان کی وہ کسی کتاب میں نہیں ہے، لیکن قرآن پاک کی حقیقی بلاغت یہ ہے، کہ ترجمہ وتفسیر آپ کو خدا تک پہنچا دے، اقتدار کے ایوان آپ کے قدموں کے نیچے لا کے رکھ دے، ہر دین پر اسلام کو غالب کر دے، یہ وہ بات ہے جو قرآن پاک آپ سے مطالبہ کرتا ہے، اسی کو جگہ جگہ پر قرآن پاک نے کہا ہے اور جب ہم اس کا ترجمہ کرتے ہوئے ان مقامات سے گزریں گے تو پتہ چلے گا کہ قرآن حکیم نے کس کس انداز سے ہمارا ہاتھ پکڑا ہے، اور ہم نے بار بار اس سے ہاتھ چھڑا کے دوسرے نظریات کو کس کس حد تک قبول کیا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کا تعارف

قرآن پاک کی پہلی سورۃ سورۃ فاتحہ ہے، اس کے حدیث پاک میں انیس یا بیس نام آتے ہیں، فاتحہ کا لفظی معنی ہوتا ہے آغاز کرنے والی، چونکہ قرآن پاک کا یہاں سے آغاز ہوا ہے، اس لیے اسے سورۃ فاتحہ کہتے ہیں، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے جو اور اس کے نام نکلے ہیں وہ بھی اسی انداز سے ہیں۔ اس کے کتنے نام ہیں جو سرکار کریمؐ نے ارشاد فرمائے ہیں، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ''ام القران'' بھی فرمایا ہے یہ قرآن پاک کی اصل ہے، اسے سرکار کریم علیہ السلام نے ''اساس'' کا نام بھی دیا ہے جس کا معنی بنیاد ہے، سرکار کریمؐ نے اسے ''کنز'' بھی فرمایا ہے، کنز کا لفظی معنی ہوتا ہے خزانہ۔ اسے ''وافیہ'' بھی فرمایا ہے، کہ یہ وفاء کرنے والی ہے تکمیل کرنے والی ہے، اور کافیہ بھی کہا ہے کہ یہ کافی ہے اپنے ماننے والوں کے لیے، اس کا نام ''سورۃ حمد'' بھی ہے، ''سورۃ شکر'' بھی ہے، ''سورۃ دعا'' بھی ہے، ''تعلیم المسئلہ'' بھی اسے کہتے ہیں، ''سورۃ الصلوۃ'' بھی اسے کہا جاتا ہے، کیونکہ اسے نماز میں بار بار پڑھا جاتا ہے، یہ ''سورۃ شافیہ'' بھی ہے، جس کا معنی شفاء ہے، اسے ''سبع مثانی'' بھی کہا جاتا ہے، وہ سات آیتیں جنہیں بار بار دہرایا جاتا ہے، آپ ان سات آیات کو نماز میں بار بار دہراتے ہیں اور حدیث پاک میں یہ بات بھی موجود ہے کہ یہ سورۃ دو دفعہ نازل ہوئی ہے، اس کے فضائل بیان کرنے سے پہلے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ یہ سورۃ وہ ہے جو اللہ کریم نے بندوں کی زبان سے کہلوائی ہے، کہ جب میری سرکار میں آؤ تو اس طریقے سے بات کرو۔

برصغیر میں ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ ہندو قرآن پاک کی عبارات پڑھ کے ان سے مختلف سوالات پیدا کیا کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ مسلمان ان کا جواب دیں، چونکہ ہم اپنے علوم سے کٹ گئے ہیں، ورنہ ان کے سارے سوالات کے جوابات ہماری تفاسیر میں موجود ہیں، ہمارے ذہین مفسرین نے ایک نرالی بات کی کہ وہ سوال جو اس وقت تک کسی نے نہیں کیے تھے انہوں نے

روشنی کی طرف لے کے جاتا ہے، جو منزل کی طرف لے کے جاتا ہے، جو انجام بالخیر کی طرف لے کے جاتا ہے، تو اس کا دوسرا معنی بھی ہم کر سکتے ہیں، تاکہ تم بچ جاؤ، یعنی جب معاشرتی اقدار اللہ کی عبادت پر قائم ہوں گی، اسے اپنا تربیت کرنے والا سمجھ لیا جائے گا، اسے اپنا خالق اور پہلوں کا بھی خالق سمجھ لیا جائے گا، تو پھر معاشرتی میدان میں آپ اس راستے سے ہٹ جائیں گے، جو انسانیت کے صراط مستقیم سے ہٹا ہوا راستہ ہوگا، لہذا اس کا دوسرا معنی کہ تم بچ جاؤ یعنی اخلاق رزیلہ سے تم بچ جاؤ، ان اقدار سے بچ جاؤ، جو افراد کو یا معاشرے کو تباہی کی طرف لے جاتے ہیں، تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن پاک نے کہہ دیا! ''تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ''۔ پرہیز گار کا لفظی معنی بھی ہوتا ہے پرہیز کرنے والا، یعنی ان باتوں سے بچ جانے والا، جو اس کی روحانی زندگی، اس کی حقیقی زندگی، اس کی اسلامی زندگی، اس کی انسانی زندگی کے خلاف ہوں گی، جب آپ ان باتوں سے بچ جائیں گے تو آپ پرہیز گار ہیں، تو یہاں دونوں معنے ہو سکتے ہیں، ان انعامات کے سلسلے کو بڑھاتے ہوئے، اللہ کریم نے کچھ اور باتوں کا ذکر فرمایا ہے، چونکہ انسانی وجود جسمانیت کو چاہتا ہے، اور یہ جسمانیت ایک اور جسم کو چاہتی ہے، جو اس کے کام آسکے، اور اگر وہ دوسرا جسم نہ ہو، تو انسان ناکام ہو جاتا ہے۔

☆×☆×☆×☆×☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ
(رب وہ ذات ہے) جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت اور اتارا
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ
آسمان سے پانی پھر اس (پانی) سے نکالے کچھ پھل تمہارے کھانے کے لیے
فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾
پس (تو پھر) تم نہ ٹھیراؤ اللہ کے لئے مدِ مقابل اور تم جانتے ہو ۲۹

۲۹ "الذی جعل لکم الارض فراشا" (وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنادیا) یہ اللہ کریم کے سارے صفاتی نام ہیں، اور آیت مقدسہ میں لفظ اللہ نہیں آیا، اللہ تعالیٰ کا تعارف صفات سے ہو رہا ہے، اس ضمن میں یہ نکتہ بھی سامنے آئے گا کہ اللہ کا تعارف جب بھی کرایا جائے گا تو اس کا آغاز صفات سے کیا جائے گا، صفات سے بڑھتے بڑھتے شائد آپ اتنے قریب ہو جائیں کہ پھر ذات کو سمجھنا آسان ہو جائے، ورنہ جو ذات نگاہوں میں نہیں آتی، دماغ اور اعصاب میں نہیں سماتی، جسے آپ نہ سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں، اگر آپ صفات کا سہارا نہیں لیں گے، تو وہاں کیسے پہنچیں گے، لہذا یہاں اللہ کریم نے صفات کو ترتیب سے ذکر کرتے ہوئے، اپنی ذات تک آنے کا راستہ بتا دیا، ارشاد ہوا کہ "وہ ذات جس نے بنایا تمہارے لیے زمین بچھونا" اسی کو آپ فرش کہتے ہیں، کہ عام طور پر آپ فرش پر کوئی چیز ڈال کے بیٹھ جایا کرتے ہیں، وہ بچھونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنادیا، اگر زمین نہ ہوتی کہ جس طرف میں اشارہ کر رہا ہوں، تو وہ وجود جو جسم کا محتاج ہے، وہ زمین کی جسمانیت کے بغیر فضاؤں میں کس طرح چل سکتا تھا، لہذا اس کی سہولت کے لیے زمین کو بچھونا بنادیا۔

"والسماء بناء" میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ سماء کا معنی ہر وہ چیز جو ارض سے اوپر ہے وہ سماء ہے، چونکہ ایک مکان کے اندر بیٹھے ہوئے چھت ہمارے اوپر ہوتی ہے، اس لئے مکان کے اندر بیٹھے ہوئے چھت کو سماء کہہ دیتے ہیں، جب آپ کھلی فضاء میں ہیں کہ وہ اجرام فلکی جو سر سے اوپر ہیں، وہ جس شکل میں بھی ہوں، سورج کی شکل میں، چاند کی شکل میں، تاروں کی شکل میں، خلا کی شکل میں، ان سب پر سماء کا اطلاق ہوتا ہے، اور بالائی دنیا کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ بالائی دنیا کو اللہ کریم نے تمہارے لیے عمارت بنادیا، "بنا" کا لفظی معنی چھت نہیں ہوتا، "بنا" کا لفظی معنی عمارت ہے، چونکہ عمارت میں چھت بھی ہوتی ہے، لہذا مجموعی

طور پر عمارت ہے، دیواریں ہیں چھت ہے۔ یہ سب مل کر بناء ہیں، صرف چھت بناء نہیں ہے، اسی طرح زمین کے اردگرد جتنی بھی فضا ہے، ہمارے اوپر جتنے بھی سیارے ہیں، خلائیں ہیں مختلف طبقات ہیں، ان کا ٹھوس جسم ہے یا نہیں یہ الگ بحث ہے، اور اس کو پھر کبھی زیر بحث لائیں گے، لیکن نظریاتی انداز سے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اگر عالم بالا میں کوئی چیز جسم رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو، قرآن پاک کے الفاظ پر ذرا برابر بھی فرق نہیں آتا، لہذا اس نے اوپر والی جتنی بھی دنیا ہے اسکو عمارت بنا دیا ہے۔

"وانزل من السّمآء مآءً" (یہاں بھی سما ہی کہا کہ سما سے پانی آتا ہے، "انزل "اتارا سما سے پانی،)

دوسرے مقام پر قرآن پاک نے وضاحت کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی کہ اللہ کریم ہوائیں اٹھاتا ہے، وہ اپنے دوش پر پانی لے کے پھرتی ہیں، پھر اللہ کریم جہاں چاہتے ہیں اس پانی کو ڈال دیتے ہیں، اس آیت مقدسہ نے وضاحت سے بات بتا دی کہ بارش بادل سے آتی ہے آگے ترجمے میں یہ بات انشاء اللہ آئے گی، اور بڑی تفصیل سے آئے گی، تو یہاں پھر سماء کا معنی بادل ہوگا، کہ دوسری جگہ قرآن پاک نے اس کی وضاحت کردی ہے، اور اس نے بادلوں سے پانی اتارا، اب یہاں ہمیں چند چیزوں پر خصوصی غور کرنا ہوگا۔

زمین نرم بھی رکھی، پھیلا بھی دی، تا کہ ہمارے چلنے کے کام آسکے، ہماری رہائش کے کام آسکے، اور اسکے مختلف پہلو بڑی تفصیل سے قرآن خود آگے بیان کرے گا، اس انداز سے آپ دیکھیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ قرآن تو ایک سائنس کی کتاب ہے، قرآن پاک زمین کا جغرافیہ بیان فرما رہا ہے، اس کے مختلف اندازوں کا اور پہاڑوں کا الگ ذکر کرتا ہے، میدانوں کا الگ ذکر کرتا ہے، اس زمین کو جو نیم نرم ہے، اسے الگ ذکر کرتا ہے، وہ جو زیادہ سخت ہے اسے الگ ذکر کرتا ہے، اور پھر اس کی حکمتیں بیان کرتا ہے کہ اس کے یہ مختلف انداز کیوں آئے ہیں، اب آپ یہاں ملاحظہ فرمالیں کہ زمین بچھونا ہے، اور یہ بالائی خلا ہمارے لیے ایک عمارت کا درجہ رکھتا ہے، اور پھر ان بالائی خلاؤں اور زمین کے درمیان ایک نئے انداز سے بادلوں کو جنم دیا ہے، لہذا دوسری آیت نے واضح کر دیا کہ ہوائیں جس انداز سے چلتی ہیں اور جس انداز سے بادل بنتے ہیں، اور پھر جس انداز سے ان میں کثافت آتی ہے، اور پھر مختلف خطوں سے چلتے ہوئے کچھ زمینوں پر پہنچ کے جہاں بارش زیادہ ہوتی ہے وہ کثافت پگھلتی ہے اور پگھل کر بارش کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جدید سائنس نے یہی کچھ کہا ہے، اور قرآن حکیم نے اس دور میں یہ بات کہی جب ساری کائنات یہ کہتی تھی کہ بادل بارش کا اعلان کرنے والا ایک ذریعہ ہے، اس میں بارش نہیں ہوتی، بارش آسمان سے آتی ہے، تو قرآن حکیم نے وہ نظریہ بیان کر کے اس بات کو ختم کر دیا، اب یہ بارش کیوں آتی ہے، قرآن پاک نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا! "ہر زندہ شے کی بقاء پانی سے وابستہ ہے"۔ اس پانی کو کس انداز سے کائنات میں چلایا جاتا ہے، اسے جب

مشاہداتی دنیا میں، عقل وشعور کی دنیا میں ہم غور کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں، تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے، کہ دنیا کو رزق پہنچانے کے لیے دو باتیں لازمی قرار دیں، ایک وہ بارش جو بادل کے ذریعے کائنات پر بکھیری جارہی ہے، اور دوسری بات یہ کہ اس زمین کی مٹی کے اندر وہ صلاحیتیں رکھ دیں جو اس بارش کے پانی سے استفادہ کرتے ہوئے بڑے نفیس انداز سے پودے کو اگاتی ہیں، پھر جب وہ مختلف مراحل سے گزر کر تیار ہو جاتا ہے تو وہ انسان کی غذا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، دیکھیں غلہ زمین سے نہیں اگتا، وہاں سے تو ایک ننھی سی کونپل نکلتی ہے پھر اس کے ساتھ پتے لگتے ہیں پھر اس کا تنا بنتا ہے، جب تک وہ پتہ اور تنا تھا تو انسان نے اسے خود استعمال نہیں کیا، جانوروں کو استعمال کرایا ہے، اور جب وہ پھل کی صورت میں سامنے آیا تو اسے خود استعمال کیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات کے اندر سے جو شے نکلتی ہے، اس شے کا نتیجہ، اس شے کا ثمرہ، اس شے کا اختتام انسان کی غذائیت کے لیے استعمال ہوتا ہے، انسان کے لباس کے لیے استعمال ہوتا ہے، تو وہ اس ساری کائنات کا نچوڑ ہوتا ہے۔ وہ بہت نرالا ہوتا ہے آپ اس نکتے پر جتنا بھی غور فرماتے جائیں گے، بات پھیلتی چلی جائے گی، اب اگر زمین سے وہ صلاحیت سلب کر لی جائے، اسے کلر کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے، تو کیا اس پھل کے اس پودے کے پھلنے اور پھولنے کا امکان باقی رہ جائے گا، بالکل نہیں! اسی نکتے کو سمجھاتے ہوئے قرآن پاک نے دوسری جگہ اللہ کریم کی یہ صفات بیان فرمائی ہیں۔ ''کتنی ہی عظمتوں والا ہے، کتنی ہی برکتوں والا ہے، کتنی ہی شان والا ہے''۔ جو ہر تخلیق کرنے والے کے عمل تخلیق سے اپنے عمل کو زیادہ حسین رکھتا ہے۔

"فاخرج بہٖ" (نکالا اس پانی کے ذریعے) **"من الثمرات"** (کچھ پھل)۔

اس لیے کہ کچھ ایسے بھی پودے ہیں، درخت ہیں، جن کا آخری ثمرہ انسان کے کھانے کے کام نہیں آتا، اگر آپ یہ نہیں مانیں گے تو یہ آپ کو کھانا پڑے گا، اس لیے کہ وہ سارے کے سارے پھل اس میں شامل ہو جائیں گے، ارشاد فرمایا کہ پھر اس پانی کے ذریعے اللہ کریم نے کچھ پھل تمہارے کھانے کے لیے پیدا فرما دیئے۔

"رزقًا لکم" (تمہارے لیے رزق بنا دیا، تاکہ تم اسے کھا سکو) یہاں رزق سے مراد ہے کھانے کے لیے، اللہ کریم نے پانی کے ذریعے کچھ پھل تمہاری غذا بنا دیئے ہیں، جب یہ ساری کی ساری باتیں اللہ کریم نے کی ہیں تو آپ اس ساری ترتیب کو ذہن میں رکھیں، کہ اس نے ہماری تربیت کی ہے، ہماری تخلیق فرمائی ہے، ہم سے پہلے لوگوں کی تخلیق فرمائی ہے، زمین کو ہمارے لیے بچھونا بنایا ہے، اس آسمان کو ہمارے لیے حسین عمارت بنایا ہے، پھر بادل سے پانی اتارا ہے، زمین کو یہ صلاحیتیں عطا کی ہیں، کہ وہ ہر قسم کے پھل اگائے، لیکن سب پھلوں کو ہمارا رزق نہیں بنایا، کچھ پھلوں کو آپ کا رزق بنایا ہے، وہ جو باقی کچھ رہ گئے ہیں، اس کائنات میں بکھرے ہوئے باقی جانداروں کے لیے اس نے بنا دیا ہے، اور جسے آپ براہ راست کھا نہیں سکتے، اس کے اندر

ایسی خصوصیات رکھ دی ہیں کہ اس کو آپ بطور دوا کے استعمال کر سکتے ہیں، مثلاً دھریک کا پھل ہے، اسے آپ کھا نہیں سکتے لیکن یہ مختلف دواؤں میں استعمال ہو رہا ہے دھریک کے بیج کا تیل نکال کر مختلف زخموں پر لگایا جا سکتا ہے، جدید طب میں یعنی انگریزی ادویات میں بواسیر ایک ایسا مرض ہے جو دیر تک جان نہیں چھوڑتا، لیکن یہی دھریک کا جو پھل ہے، دیسی طب میں اس کا ایک اتنا حسین نسخہ ہے کہ چند دنوں کے استعمال سے یہ مرض ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے، تو اب وہ چیزیں جو آپ ڈائریکٹ بطور غذا کے استعمال نہیں کرتے، وہ چیزیں بطور دوا کے استعمال ہو جاتی ہیں، کسی اور انداز سے استعمال ہو جاتی ہیں، تو ارشاد فرمایا! کہ جب یہ اتنا کچھ اللہ کریم نے تمہارے لیے کیا ہے تو پھر تمہیں عقل و شعور سے کام لینا چاہیے اور اسکا کوئی شریک نہ بنانا چاہیے۔

"فلا تجعلوا للّٰہ انداداً و انتم تعلمون" ○ تو تم نہ بناؤ اللہ کے لیے یعنی اللہ کے مقابلے کے لیے ''انداد'' یہ 'ند' کی جمع ہے، عام طور پر اس کا معنی شریک کیا جاتا ہے، لیکن اس لفظ کی وضاحت جس طریقے سے مختلف مفسرین نے لغت کے ذریعے کی ہے ایک چھوٹے سے فقرے میں آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں۔ 'ند' وہ ہے، جو آپ کے مقابل آئے لیکن آپ کی صفات کے مقابلے میں اس کی صفات بالکل ضد ہوں، یعنی وہ آئے تو مقابل لیکن اس کی صفات ان صفات کی ضد ہوں جو آپ کے اندر موجود ہیں، تو وہ 'ند' ہے، اب اللہ تعالیٰ کا شریک وہ ہے جسے کسی انسان نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں لا کھڑا کیا ہے، لیکن اس کی وہ صفات نہیں ہیں، جو اللہ کریم کی صفات ہیں، تو تھوڑی سی بصیرت والا انسان ایسا کام نہیں کرتا۔ تو ارشاد فرمایا! کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، جب کہ تم اس بات کو جانتے ہو، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک نہیں ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک بن سکتے ہیں نہ ان میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک بنیں، یہاں ایک لطیف اشارہ ہے، قرآن پاک میں اسکا تذکرہ آئے گا، لطیف اشارہ یہ ہے کہ تم عظیم ہو، اس لیے یہ ساری باتیں انعام کے طور پر تمہارے لیے ذکر کی جا رہی ہیں، تو اللہ تعالیٰ جو خالق ہے، اس کی مخلوق میں سے تم جو افضل ہو، اگر کسی بت کو خدا بنا لو یا کسی اور شے کی عبادت میں تم مصروف ہو جاؤ، تو یہ معراج انسانیت کے خلاف بات ہوگی، یہ عظمت انسانی کے خلاف بات ہوگی، یہ بھی کوئی بات۔ ہے کہ جو افضل ہے وہ مفضول کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے، یہ بات تو ہو نہیں سکتی، پھر ارشاد ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک بھی نہ بناؤ، جبکہ تمہیں اس بات کا پتہ ہے، کہ اللہ کا شریک عقلی طور پر محال ہے، تو پھر اسے کیوں مانتے ہو، اب آگے ایک اور بات ارشاد فرمائی۔ دو باتیں تمہارے سامنے آتی ہیں، ایک یہ کہ رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں، دوسری بات یہ کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، یہ دو باتیں ہیں جو تمہارے سامنے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے بیان ہو رہی ہیں، ان دونوں کو تم نہیں مان رہے ہو، تمہارے سامنے ایک دلیل دی جاتی ہے یا اس کا توڑ کر دو یا پھر مان لو دلیل یہ ہے:۔

☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا
اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر
فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ
تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلا لو اپنے حمائتیوں کو
مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾
اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔۳۰

۳۰ "وان کنتم" (اگر تمہیں کسی قسم کا شک ہے) میں یہ کسی قسم کیوں کہہ رہا ہوں، اس لیے کہ یہاں 'ریب' کو قرآن نے کامن ناؤن common noun کی حیثیت سے استعمال کیا ہے، اگر تمہیں کسی قسم کا بھی شک ہے، کس بات میں ''مما'' اس چیز سے ''نزلنا'' ہم نے جسے اتارا ہے، ''علی عبد نا'' اپنے برگزیدہ بندے پر۔ یا اپنے خاص بندے پر۔ آپ دونوں معنے کر سکتے ہیں، صرف بندہ معنی کرنا آداب کے خلاف ہے، اگر تمہیں کسی انداز سے بھی شک ہے، اس کلام پاک میں جو ہم نے اپنے برگزیدہ بندے پر اپنے بندہ خاص پر اتارا ہے، برگزیدہ بندۂ خاص دونوں معنی ہیں، آپ غور فرمائیں گے، ''عبد'' کا معنی ہے بندہ۔ ''نا'' کا معنی ہے ہمارا۔ اس کا معنی ہے ہمارا بندہ۔ تو یہ بندہ خاص اور برگزیدہ بندہ ترجمے میں کہاں سے آ گیا، بات یہ ہے کہ عبد نکرہ تھا، اس کی نسبت 'نا' سے ہوئی اور نا اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ تو نکرہ معرفہ کے ساتھ مل کے معرفہ ہو گیا، تو پہلے وہ عام تھا اب وہ عام نہیں رہا، کیونکہ نسبت ذات ربانی سے ہو گئی۔ اس لیے اس کا معنی کیا ہوگا، ہمارا خاص بندہ۔ اور جو خاص ہوتا ہے وہی برگزیدہ ہوتا ہے، بے شمار لوگ ہیں ان میں سے ایک کو آپ نے چن لیا ہے، تو جسے چن لیتے ہیں اسے فارسی زبان میں برگزیدہ کہتے ہیں، تو جب میں اس کا ترجمہ کر رہا ہوں تو نکرہ معرفہ کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے، تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا ہمارا خاص بندہ۔ اس سلسلے میں ایک اور بات بھی دیکھیں، سب بندے رب کے ہیں لیکن کسی کو بھی اپنی طرف منسوب نہیں کیا، محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی طرف نسبت دی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ عبد ہے جس کی عبدیت پر خدا کو بھی ناز ہے، تبھی تو یہ بات کہی نا۔ کہ

وہ ہمارا بندۂ خاص ہے، جس پر ہم نے قرآن پاک کو نازل کیا ہے، اب اس میں تمہیں ذرا بھی شک ہے، اور شک کا مرجع دو ذاتیں ہوں گی، ایک شک ہوگا ذات رسولؐ میں، اور ایک شک ہوگا اس کتاب میں جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لے کے آئے ہیں، اب نتیجہ کلام یہ ہوگا، یعنی قرآن پاک نے لطافت کا جو انداز اپنایا ہے اسے آپ زیر غور رکھیں، وہ لطافت کا انداز یہ ہے کہ جب ان دو میں سے ایک کو مانا جائے تو دوسرے کا ماننا ضروری ہو جاتا ہے، لہٰذا رخ ایک طرف کیا، رخ کیا کیا، کہ اگر تمہیں قرآن پاک میں شک ہے، تو جب قرآن پاک میں شک ہے، تو اسی بات پر شک ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے، تو کس نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے رسول اقدسؐ نے۔ لہٰذا جب آپ اس میں شک کریں گے، تو براہ راست شک ذات رسول پر ہوگا۔ اب اگر آپ ذات رسول پر شک کریں گے تو براہ راست قرآن حکیم پر شک ہوگا۔ اب ان دونوں چیزوں کو اکٹھا ذکر کرنے کی بجائے اللہ کریم نے بھی ایک کو لیا اور ارشاد ہوا کہ جو قرآن پاک نازل ہوا ہے ہمارے بندۂ خاص پر ساتھ شامل کر لیا سرکار علیہ السلام کو۔ اگر اس کلام میں تمہیں شک ہے، تو اس کا بڑا آسان ساحل ہے۔

"فاتوا بسورة مّن مّثلہٖ" ۵ تم آؤ لیکن جب پیچھے 'ب' آجائے تو اس کے ذریعے اسے متعدی کیا جائے، تو اس کا معنی ہے تم لے آؤ۔ اب یہاں وہی معنی ہوگا۔ ''فاتوا'' تم لے آؤ۔ یہ 'ب' صرف متعدی کر کے درمیان سے ہٹ گئی۔ اس کا معنی ہم نے نہیں کرنا ہے۔ ''بسورة'' سورت کو پھر یہاں اللہ کریم نے نکرہ رکھ دیا، کوئی بھی سورت، یہ نہیں کہا کہ قرآن پاک میں 114 سورتیں ہیں، سورت بقرہ سب سے لمبی سورت ہے، اس جیسی سورت بنا لاؤ! کوئی بھی سورت، اب قرآن پاک نے اس سلسلے میں پھر تین سورتیں بالکل مختصر ایک طرح سے ذکر کر دیں، ان میں سے ایک سورة العصر ہے، ایک الکوثر ہے، ایک الاخلاص ہے، تو یہ تین سب سے چھوٹی سورتیں ہیں، ان میں سے کوئی سورت لے لیں، اور ایک ایسی سورت بنا کر لے آئیں، پھر عربوں کو براہ راست چیلنج تھا، اور اس دور میں چیلنج ہے۔ جب وہ ساری دنیا کو عجم یعنی گونگا اور اپنے آپ کو عرب یعنی فصیح و بلیغ کہتے تھے، اس دور میں چیلنج ہے، جب عرب کے گھر گھر میں شاعر پیدا ہوتے تھے، عورتیں بھی شاعر ہیں، لڑکے بھی شاعر ہیں، لڑکیاں بھی شاعر ہیں، چھوٹے چھوٹے بچے بھی شعر کہہ رہے ہیں، اس دور میں یہ بات ارشاد فرمائی، کہ اس کی مثل کوئی ایک سورت پیش کرو، اور پھر یہاں چیلنج کا اختتام نہیں ہوا۔ **"وادعوا"** بلا لو۔ **"شهدآء كم"** شہداء کے کئی معنے ہیں یہ شہید کی جمع ہے، اس کا معنی گواہ ہوتا ہے، اس کا معنی وہ جو راہ خدا میں قتل کر دیا جائے وہ ہوتا ہے، اس کا معنی مددگار ہوتا ہے، یہاں یہ تیسرا معنی مراد ہے۔ **"وادعوا شهدآء كم"** قرآن پاک کا اکیلے بالکل مقابلہ نہ کرو، اپنے سارے معاونین کو اپنے سارے مددگاروں کو بھی بلا لو۔ ''من دون اللہ'' اللہ تعالیٰ کے بغیر، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسا کلام تو وہ کر سکتا ہے، کیونکہ اس کا تو یہ اپنا کلام ہے، لہٰذا اللہ کریم کی ذات کو ایک طرف کر دو، خود بھی آؤ اور اپنے گواہوں کو بھی بلا لو اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔ ''ان کنتم صادقین'' اگر تم سچے ہو، کہ یہ

Marfat.com

کلام مشکوک ہے تو اس کا توڑ آسان ہے وہ کرو! خطاب صرف عربوں تک محدود نہیں ہے، ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کے پہلے مخاطب ہیں لہذا وہ پہلے زد میں آتے ہیں، لیکن یہ خطاب الناس کو ہے، اور پھر اس کا کسی دور کے ساتھ تعلق نہیں ہے، یہ ہمیشہ کے لیے چیلنج ہے، اب آپ ذرا سوچیں کہ 1400 سال میں کتنی قومیں تھیں جو قرآن پاک کے خلاف تھیں، کتنی قومیں ہیں جو قرآن پاک کے خلاف ہیں، لیکن کیا کسی نے یہ ہمت کی ہے کہ وہ کچھ لکھ کے کہہ دے کہ یہ قرآن پاک کا جواب ہے، ہر کتاب کا جواب لکھا گیا ہے، لیکن قرآن پاک کا جواب نہیں لکھا جا سکا، اب اگر کوئی ایسا جواب لکھتا ہے ایک بات آپ ذہن نشین کر لیں، وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اپنے دامن میں بیشمار علوم کو سمیٹا ہوا ہے، اس وقت تک 300 علوم سے بات آگے نکل گئی ہے جن کا ماخذ قرآن پاک ہے، 300 علوم سے آگے۔ اب جو کوئی لکھے گا وہ تو ایک ہی علم لکھے گا، بھلا اس عبارت میں وہ جامعیت کہاں سے آئے گی، کہ پھر اس کے اندر سے علوم نکلنے لگیں۔ میں قرآن حکیم کے طالب علم کے حساب سے اس بات کو جانتا ہوں کہ جب آدمی قرآن کی وسعتوں میں کھو جاتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ بحرِ بے کراں ہے، اور میں ایک تنکا ہوں، اس تنکے کے لیے کنارہ کدھر ہے، قرآن پاک کے طالب علم کو اس کا کنارہ نہیں ملتا، نہ رازی کو ملا ہے، نہ غزالی کو ملا ہے، نہ آلوسی کو ملا ہے، نہ کسی اور مفکر کو ملا ہے، اور وہ کبھی اس لیے نہیں ملے گا، کہ ہر دور میں اپنے ظاہری اور باطنی امراض کا علاج اس سے پوچھنا ہے، لیکن اس دور میں اسے محدود نہیں کرنا ہے، اگر محدود ہو گیا تو اگلی نسل تک یہ کتاب پرانی ہو جائے گی، اور یہ کتاب پرانی نہیں ہے، اس نے سدا نیا رہنا ہے، لہذا یہ ارشاد فرمایا! کہ تم جو بھی ہو جہاں بھی ہو جس دور میں بھی ہو اور جس نسل سے متعلق ہو اور جو بولی بھی بولتے ہو تمھارا اندازِ زندگی جو بھی ہو اگر تمہیں قرآن پاک کے بارے میں شک ہے، تو اس کا حل یہ ہے کہ اس کی انتہائی چھوٹی سورۃ کے مقابلے میں سورۃ لے آؤ۔ اور پھر اکیلے نہ آؤ، اپنے سارے مددگاروں کو بلا لو، یعنی جمہوری انداز بنا لو۔ یعنی سارے جمہور اکٹھے ہو جائیں، اور مل کے اس کا جواب دینے کی کوشش کریں، اگر سارے مل کر بھی اس کا جواب قیامت تک نہ دے سکیں، تو پھر انسانیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے، شرافت اس بات کا تقاضا کرتی ہے، اخلاق اس بات کو چاہتے ہیں، کہ اسے تسلیم کر لیا جائے، اس کی مثال میں نے غالباً قرآنی علوم پر بحث کرتے ہوئے کہی تھی۔

عربی کے سب سے بڑے شاعر کا نام امراءالقیس ہے، یہ نکلا باہر کعبے کے طواف کے لیے سیدنا حیدر کرار کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الشریف نے سورۃ کوثر کو جو انہی دنوں نازل ہوئی تھی، آپ نے اسے لکھ کے کعبے کے ساتھ لٹکا دیا، اس دور میں قصیدوں کو کعبے کے ساتھ لٹکایا جاتا تھا، تو جب اس سے بھی اچھا قصیدہ آتا تو پرانے کو اتار دیا جاتا، وہ آیا اور اس نے دیکھا کہ جہاں اس کا قصیدہ ہوتا تھا وہاں آج سورۃ کوثر موجود ہے، وہ ان تین مصرعوں کو رباعی کے تین مصرعے سمجھ رہا تھا۔ **"انّآ اعطینک الکوثر ۝ فصلّ لربّک وانحر ۝ انّ شانئک ھو الابتر"** ۝ وہ سات چکر کعبے کے لگا بیٹھا، طواف تو پورا ہو گیا لیکن

جواب نہیں بن پڑا۔کوثر کیا ہے،اس کی عطا کیا ہے،عطا کرنے والا کون ہے،کوثر کسی مخصوص شے کا نام ہے یا بس ایسے بنا ہے،یہ ساری باتیں اس کے دماغ میں اس لیے پھر رہی تھیں کہ وہ عربی جانتا تھا،اب اس سورۃ پر لوگوں نے ضخیم تفسیریں لکھ ڈالی ہیں،اسی طرح سورۃ اخلاص کی تین چار آیتوں پر ہزار بارہ سو صفحات کی تفسیریں آ گئی ہیں،لیکن ان ساری تفسیروں کے باوجود جب آدمی اس کلام کو سادہ انداز سے پڑھے تو بڑا سادہ معنی آپ کے ذہن میں اتر جائے گا،ان تفسیروں کو پڑھنے کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ اس میں آگے بڑھنے کی ابھی اور بڑی گنجائش ہے،تو وہ بھی یہ سوچ رہا تھا،کہ چھوٹے چھوٹے تین فقرے ہیں،ان کا جواب آنا چاہیے،لیکن دماغ نے ساتھ نہیں دیا،جب دماغ نے ساتھ نہ دیا تو چوتھا مصرع ساتھ لگا یا کہ!''ماھذا کلام البشر'' یہ انسان کا کلام نہیں ہے،اگر انسان کا کلام ہوتا،تو میں بے حد قادر الکلام شاعر ہوں میں ضرور اس کا جواب لکھ دیتا،اب جن لوگوں نے بھی قرآن پاک کو امعان نظر سے پڑھا ہے،وہ اس کی رعنائیوں میں کھو جاتے ہیں۔وہ اس کے خیالات کی وسعت میں کھو جاتے ہیں،وہ اس کی بلاغت میں کھو جاتے ہیں،وہ اس کے مضامین میں کھو جاتے ہیں،ایک جملے کے اندر پانچ پانچ سات سات کتابیں سما سکتی ہیں،تو وہ ان کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں،بھلا وہ اس کا جواب کیا لکھتے وہ تو مبہوت ہو گئے تھے،میں بسا اوقات جب تنہا بیٹھ کے قرآن پاک کا مطالعہ کر رہا ہوتا ہوں،تلاوت کر رہا ہوتا ہوں،تو کئی کئی فقروں پر میں یہ سوچتا ہوں کہ مجھ جیسا قرآن پاک کا طالب علم اگر چاہے تو ایک فقرے پر ہزار بارہ سو صفحے کی کتاب لکھ سکتا ہے،غزالی،رازی یا آلوسی یہ لوگ جو عظیم لوگ تھے،انہوں نے قرآن حکیم پر کتنی ضخیم کتابیں لکھ ڈالیں۔لیکن کیا ذوق پورا ہو گیا،ذوق تو پورا نہیں ہوا،انہوں نے صرف یہی بات کہی کہ ہم آپ کو اس حسن کے شہر کے دروازے تک لے آئے ہیں جہاں اندر شہر میں حسن ہی حسن ہے،لیکن دروازہ کھول کے اندر جانا آپ کا اپنا کام ہے،ہم صرف راستہ دکھانے والے ہیں،قرآن پاک کی تہہ تک پہنچانے والے نہیں ہیں،تو قرآن حکیم نے یہاں ارشاد فرمایا کہ اپنے سارے معاونین کو بھی بلا لو،اگر تم سچے ہو،تو اس کا جواب لکھو۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا

پھر اگر ایسا نہیں کرسکے اور ہرگز نہ کرسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا

النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے ۳۱

۳۱ "**فان لم تفعلوا**" میں نے چند مترجمین کو دیکھا ان کے ترجمے سے مجھے اتفاق نہیں ہے، آپ کو پتہ ہے کہ جب پریزینٹ ٹینس present tense پر عربی زبان میں "لـــم" آجائے، تو وہ پاسٹ ٹینس past tense میں تبدیل ہو جاتا ہے، اب اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ پھر اگر تم ایسا نہ کرسکو، یہ حال کو چاہتا ہے یا استقبال کو چاہتا ہے لہذا یہ ترجمہ عربی بلاغت کے خلاف ہے، اور یہاں بڑے اور چھوٹے سب یہی ترجمہ کر رہے ہیں، اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اگر آج تک تم نے ایسا نہیں کیا ہے" "تو آئندہ بھی ہرگز ایسا نہیں کرسکو گے"۔ "**ولن تفعلوا**" "تم ہرگز ایسا نہیں کرسکو گے"۔ اگر آج تک ایسا نہیں کیا، یعنی کوشش تو تم نے کرنی تھی، کیونکہ قرآن پاک نے تمہیں للکارا تھا، لیکن تمہاری زبان پر پہرے بیٹھ گئے، تمہارے دماغ منجمد ہو گئے، تمہارے دلوں کی رعنائیاں کھو گئیں۔ فرمایا کہ تم آگے نہیں بڑھ سکے، اور آئندہ بھی ایسا نہیں ہو سکے گا! آپ غور کریں کہ قرآن حکیم کے اس چیلنج کے بعد بڑی آسان سی بات تھی، کہ کوئی بندہ یہ کہتا کہ میں یہ کر بیٹھا ہوں، لہذا قرآن کا یہ اعلان میں نے غلط ثابت کر دیا ہے، کہ تم ایسا کبھی نہیں کرسکو گے، لیکن آج تک کیا ہوا، کہ کہیں سے کوئی آواز نہ آئی۔ نہ عیسائی دنیا آگے بڑھی، نہ یہودی دنیا آگے بڑھی، مسلمانوں کے خلاف سازشیں تو ہوتی رہیں لیکن قرآن پاک کی للکار کا جواب کوئی نہیں دے سکا، نہ ہندو آگے بڑھا، نہ دور حاضر کا کمیونسٹ communist آگے بڑھا، نہ ریڈ بک اس کے جواب میں آسکی، نہ کوئی اور ایسا کرسکا، تو قرآن کا چیلنج اپنی جگہ باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے مقابلے میں نہ کوئی آواز اٹھی ہے نہ اٹھ سکتی ہے نہ اٹھ سکے گی، آگے فرمایا کہ تم ہرگز ایسا نہیں کرسکو گے۔ اب تمہاری بہتری اس میں ہے کہ!

"**فاتقوا**" تم بچ جاؤ۔ "النار" دوزخ سے۔ نار کا معنی آگ ہے لیکن اس پر الف لام لگنے سے اس سے مراد ایک مخصوص آگ ہے اور وہ مخصوص آگ جہنم کی آگ ہے، جہنم کی آگ سے بچ جاؤ۔ "**التی وقودها الناس والحجارة**"۔ وہ آگ، 'وقود' کا لفظی معنی ہوتا ہے ایندھن، اور 'و' پر اگر پیش آجائے، تو اس کا معنی ہوتا ہے آگ کا بھڑکنا، تو یہاں **وقود** کا لفظ ہے، مراد

Marfat.com

بذات خود کر کے ان کے جوابات اپنی تفسیروں میں ذکر کیے ہیں، یہ اس لیے تھا تا کہ مستقبل میں کوئی مسلمان ان سوالات کا جواب نہ دے سکے اور اسلام پر جمود کا دور طاری ہو جائے تو اس دور میں ان تفسیروں کی مدد سے جواب دیا جا سکے، انہوں نے یہ مسئلہ اٹھایا کہ رب کا کلام ہے تو رب یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ میں رب کے نام سے شروع کرتا ہوں، یہ بات نا قابل فہم ہے، علامہ بیضاوی نے جو اس امت میں بڑے ذہین مفسرین میں شامل ہیں، امام فخر الدین رازی نے جو عظیم المرتب مفسرین میں شامل ہیں، ان دو مفسرین نے سب سے پہلے اس سوال کا اپنی تفسیروں میں ذکر کیا، علامہ بیضاوی نے فخر الدین رازی سے پہلے اس سوال کا جواب دیا، لیکن دونوں نے بڑی تفصیل سے اس سوال کا تجزیہ کیا، اور کہا کہ بندوں کو دربار خداوندی میں حاضری کے آداب کا علم نہیں تھا، رب کریم نے اپنی سرکار میں حاضر ہونے کے آداب سکھائے، تو وہ آداب اس سورۃ نے بیان کیے ہیں، جب آپ ایک آفس میں جاتے ہیں وہاں درخواست فارم کس طریقے سے پُر کرنا ہے اس بات کا آپ کو پتہ نہیں ہے، اس فارم کی ایک عبارت آپ کے سامنے آجاتی ہے تا کہ آپ خالی جگہ کو پُر کر لیں، یہی وہ انداز ہے کہ جب ربّ کریم کی سرکار میں آپ نے حاضری دینی ہے تو وہاں گفتگو کا انداز آپ نے کیا اپنانا ہوگا، قرآن پاک نے سورۃ فاتحہ میں یہی بات سمجھائی، اب اس کے اندر علوم و حکمت کتنے ہیں، مولائے کائنات کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الشریف نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں بسم اللہ شریف کی تفسیر لکھوں تو بسم اللہ شریف کی تفسیر والی کتابیں اتنی تعداد میں ہوں گی کہ جب وہ چالیس اونٹوں پر لادی جائیں گی تو پھر بھی باقی ہوں گی اور ان کو لادنے کے لیے اور اونٹوں کی ضرورت ہوگی، لیکن اس امت کے ایک عالم ہیں جو فکری دنیا میں بڑا امتیاز مقام رکھتے ہیں امام رازی نے جب یہ کتاب لکھی جسے آپ تفسیر کبیر کہتے ہیں، جسے بڑے شایان شان انداز سے تہران سے اکتیس جلدوں میں شائع کیا گیا ہے، اس کی ابتداء میں رازی صاحب نے ایک بڑی پیاری بات کہی ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ میں کسی محفل میں بیٹھا تھا میں نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو بسم اللہ شریف سے دس ہزار مسائل اخذ کر سکتا ہوں، یہ بات جب عام لوگوں تک پہنچی تو لوگوں نے کہا کہ یہ بہت بڑا دعویٰ ہے، بسم اللہ شریف میں تین چار تو صرف الفاظ ہیں ان سے دس ہزار مسائل کیسے اخذ ہو سکتے ہیں، بس اس بات نے مجھے قرآن پاک کی تفسیر لکھنے پر آمادہ کیا، انہوں نے اپنی تفسیر کا جو مقدمہ لکھا ہے، اسے جس انداز سے مرتب کیا ہے، اور مرتب کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ وہ سوال کرنے والا کدھر گیا، میں نے تو کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ اگر میں چاہوں تو بسم اللہ شریف سے دس ہزار مسائل اخذ ہو سکتے ہیں، میں تو کہتا ہوں کہ میرے مقدمے سے تو وہ دس ہزار مسائل خود ہی اخذ کر لے گا، اگر وہ کہے تو میں اس سے ایک لاکھ مسائل اخذ کر دوں، یہ تھی وہ علمی عظمت جو قرآن کریم کے مختصر مختصر الفاظ کے اندر موجود تھی، یہی وہ بات ہے جس کی طرف دعوت دیتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے یہ بات ارشاد فرمائی، کہ سینکڑوں جہاں ابھی قرآن پاک کے اندر چھپے ہوئے ہیں، یہ ضروری ہے کہ ان جہانوں کو بروئے کار لانے کے لیے منصۂ شعور پر جلوا گر کرنے کے لیے ہمیں قرآن پاک

Marfat.com

ہے ایندھن، یہ جہنم کی آگ وہ ہے، جس کا ایندھن لوگ بھی ہوں گے، انسان بھی ہوں گے، اور پتھر بھی ہوں گے، اس پتھر سے کیا مراد ہے؟ حجر کی جمع حجارہ ہے، مفسرین نے ارشاد فرمایا، کہ وہ پتھر جنہیں گھڑ کے وہ معبود بنا لیتے تھے، اور ان کے ساتھ اپنی عبودیت اور بندگی کو وابستہ کر دیتے تھے، ان کی عبادتیں کرتے تھے، ان پتھروں کو بھی اٹھا لیا جائے گا، تا کہ ان کے عقیدہ پر یہ زد پہنچے کہ اگر یہ معبود تھے تو جہنم میں کیسے پہنچ گئے، اگر یہی عبادت کے مستحق تھے تو پھر انہیں جلنا تو نہیں چاہیے تھا، اب رہی یہ بات کہ کیا پتھر جل جاتا ہے، تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ لکڑی میں ایک حد تک کرختگی ہوتی ہے، اسے یہ آگ جلا دیتی ہے، اب ایسی قسم کی آگ ہمارے پاس موجود ہے جو پتھر کو پیس کے رکھ دیتی ہے یہ چیز ہمارے مشاہدے میں آ چکی ہے کہ بڑے بڑے پتھر فورا راکھ بن جاتے ہیں۔ اب بات اتنی باقی رہ گئی ہے کہ وہ جل تو گئے، کہ ان میں شعلہ بھی نکل سکتا ہے یا نہیں، اگر وہ وقود ہے تو اس میں سے شعلہ نکلنا چاہیے، ہمارا مشاہدہ یہی ہے کہ اس سے شعلہ نکلتا ہے، لہذا جہنم کی آگ میں ایسی تیزی اور سختی ہوگی جو ہماری دنیا کی آگ سے مختلف ہوگی، پتھر سے زیادہ سخت شے ہے فولاد، کیا یہ پگھل نہیں جاتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آگ کی قوت جب مختلف مدارج سے گزرتی ہے، تو اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور مختلف چیزوں کو وہ جلا دیتی ہے، پگھلا دیتی ہے، راکھ بنا دیتی ہے تو اس کا ایندھن لوگ بھی ہیں اور پتھر بھی ہیں۔ ایک دفعہ ایک بچہ رات کے وقت باپ سے ضد کر رہا تھا کہ میں بھی آپ کے ساتھ نماز کے لیے مسجد میں جاؤں گا، باپ نے بڑی کوشش کی کہ اندھیرا ہے گلیوں میں کیچڑ ہے اسے نہ لے جایا جائے، یہ میرے لیے مشکلات کا ذریعہ بنے گا، باپ نے کہا کہ چھوٹے بچوں پر نماز فرض نہیں ہوتی میں تو صرف اس لیے تم کو ساتھ لے جاتا ہوں کہ تم کو آہستہ آہستہ نماز کی عادت ڈال دوں۔ اگر آپ نماز پڑھیں گے تو آپ جہنم میں نہیں جائیں گے، بچے نے بڑا نفیس جواب دیا، اس نے کہا ابو جی! جب میری ماں چولہا جلاتی ہیں تو وہ پہلے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھتی ہیں۔ اور انہیں جب آگ بھڑک کے لگ جاتی ہے تب بڑی لکڑیاں رکھتی جاتی ہیں، تا کہ وہ جلدی سے آگ پکڑ سکیں تو میں ڈرتا ہوں اللہ کریم کے جلال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن جہنم کو گرم کرنے کے لیے پہلے چھوٹوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے لہذا میں تو نماز پڑھنے کے لیے ضرور جاؤں گا کیچڑ ہے تب بھی جاؤں گا بارش ہے تو تب بھی جاؤں گا، جب باپ نے یہ جواب سنا تو اس نے کہا کہ آپ پر بھی نماز فرض ہے کیونکہ جس کا شعور اتنا پختہ ہو گیا ہو وہ ضرور نماز پڑھے۔ یہاں آخری فقرہ یہ ارشاد فرمایا کہ

"جہنم کی آگ سے بچو! جس کا ایندھن لوگ بھی ہیں اور پتھر بھی ہیں"

"اعدت للکفرین" ٥ اسے تیار کیا گیا ہے، آگ کو عربی زبان میں مؤنث مانتے ہیں، اردو میں بھی مؤنث مانتے ہیں، کہ آگ جل رہی تھی، 'اعدت' اس آگ کو تیار کیا گیا ہے کافروں کے لیے، کافر منکر خدا منکر رسول منکر قرآن، وہ آگ تو ان لوگوں

کے لیے تیار کی گئی ہے! لہذا اس راستے پر ایماندار کو نہیں چلنا چاہیے، ایمان والوں کو ایسا راستہ نہیں اپنانا چاہیے، قرآن پاک کی ایک عادت ہے، یہ بار بار آپ دیکھیں گے، کہ جہاں اس نے کافروں کا ذکر کیا ہے، وہاں ایمان والوں کا ذکر ضرور کرے گا، جہاں اندھیرے کا ذکر کیا ہے، وہاں روشنی کا ذکر ضرور کرے گا، اس لیے کہ ایک چیز جس کی ضد کے مقابلے میں دوسری چیز ہو، جب اس کا ذکر آجائے تو ان دونوں کی وضاحت ہو جاتی ہے، عربی کا مشہور شاعر متنبی کہتا ہے، کسی چیز کی وضاحت کرنی ہو تو اس کی ضد اور جو اس کا مقابل ہے اس کا ذکر کرو اس کی وضاحت ہو جائے گی، تو میں تھوڑا سا اضافہ کر رہا ہوں، دونوں کی وضاحت ہو جائے گی، جب ایک کی وضاحت ہوگی تو اس کی ضد کی بھی وضاحت ہو جائے گی، روشنی کی وضاحت ہوگی تو اندھیر کی بھی وضاحت ہو جائے گی، باطن کی وضاحت ہوگی تو ظاہر کی لازماً وضاحت ہو جائے گی، اب اگلی آیت میں اللہ کریم نے اصحاب ایمان کا ذکر کیا ہے، اور اللہ کریم نے ان کے لیے جو نعمتیں متعین کر رکھی ہیں، ان کا ذکر کیا ہے، اس سلسلے میں کچھ الفاظ بھی آئیں گے جن کا انشاءاللہ ساتھ ہی ساتھ ذکر ہوگا اب آیت کا سادہ ترجمہ کر کے بات ختم کرتا ہوں!

''اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تمہیں پیدا فرمایا، اور ان کو بھی جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ، تمہارا پروردگار وہ ہے، جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا، اور آسمان کو عمارت قرار دیا، بادلوں سے اس نے پانی اتارا، اور پانی کے ذریعے کچھ پھل تمہارے کھانے کے لیے نکالے، اللہ کا کوئی مقابل نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو، اگر تمہیں شک ہے اس کلام میں جو ہم نے اپنے مخصوص بندے پر نازل فرمایا ہے، تو اس کی مثل کوئی ایک سورت لے آؤ، اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کے، اگر تم سچے ہو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا، اور ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے، تو اس آگ سے بچ جاؤ، جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

(وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

اور خوشخبری دیجئے انھیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے (کہ) ان کے لیے باغات

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ

ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں جب کھلایا جائے گا انھیں ان باغوں میں سے کوئی پھل

رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ

(تو صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے کھلایا گیا تھا اور انہیں دیا گیا (صورت میں) ملتا جلتا

وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور ان کے لیے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۳۲

۳۲ اللہ کریم کی یہ قرآن کریم میں عادت مقدسہ ہے کہ جہاں بھی کافروں کا ذکر ہوتا ہے وہاں ساتھ ساتھ اہل ایمان اور ان کی عادات کا ذکر بھی ہوتا ہے، یہاں بھی اسی بات کو نبھاتے ہوئے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے امت کے لیے یہ بات ارشاد فرمائی!

"**بشر**" کا معنی ہوتا ہے آپ خوشخبری دیں، کن لوگوں کو خوشخبری دی جائے؟ "**الذین**" جمع ہے جو" آمنوا "ایمان لائے۔" **وعملوا الصّلحت**" جنہوں نے نیک عمل کیے، ان لوگوں کو آپ بشارت دے دیں جو ایمان لائے نیک اور اچھے عمل کیے۔ عمل صالح کے لیے امت مرحومہ نے ایک بات کہی ہے، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار چیزیں عمل صالح کے لیے ضروری ہیں۔ ا۔ آپ چیز کی اصلیت کو جانتے ہوں یعنی 'علم' ضروری ہے۔ ۲۔ اس عمل کی نیت بھی آپ کر رہے ہوں یعنی اپنے ذہن میں اس کام کو کرنے کا ارادہ بھی ہو۔ ۳۔ اس کام کے لیے جو کٹھن مراحل آئیں خندہ پیشانی سے برداشت کریں اور صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ ۴۔ اس عمل میں اخلاص، رضائے ربانی مقصود ہو۔ اس کی تشریح علامہ اقبال نے یوں فرمائی، کہ عمل صالح وہ ہے جس کے پیچھے آپ کی اپنی کوئی غرض نہ ہو اور جب آپ غرض کو چھوڑ کر رضائے ربانی کے لیے کام کر رہے ہوں تو جس طرح کا عمل بے غرض ہے ویسی ہی جزا ہوگی۔

Marfat.com

"ان" یقیناً "لھم" ان کے لیے ہیں "جنت" یہ جمع ہے جنۃ کی، معنی ہے باغ۔ان کے لیے باغات ہیں، عربی گرائمر میں جہاں بھی 'ج' اور 'ن' مشترک ہوں تو ان میں مخفی ہونے کا معنی پایا جاتا ہے، مثلاً جن ہے اس میں نون مشدد ہے، لہذا وہ نظر نہیں آتے، اسی طرح "جنین" اس بچے کو کہتے ہیں جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے "جنّت" وہ گھنا باغ ہے جس کے نیچے بیٹھے ہوں تو آسمان نظر نہ آئے اگر اوپر ہوں تو زمین نظر نہ آئے۔آپ نیچے ہوئے تو آسمان کو چھپا دیا، اگر اوپر ہوئے تو زمین کو چھپا دیتا ہے۔اسی طرح "جنۃ" جیم پر پیش ہو تو اس کا معنی وہ ڈھال ہے جس کے نیچے آپ آ جائیں اور اپنے آپ کو تلوار سے بچا لیں، "جنّت" نکرہ ہے تعظیم کے لیے، یہ بھی کامن ناؤن common noun ہے اس کا معنی ہوگا کہ ان کے لیے شان و شکوہ والے باغات ہیں، "تجری من" سے بہتی ہیں، "تحت" نیچے۔ "ھا" ان کے۔ "الانھر" نہر کی جمع ہے ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، یہ مجاز ہے کیونکہ پانی بہتا ہے نہر نہیں بہتی، مجازاً ہم کہہ دیتے ہیں کہ پرنالہ بہہ رہا ہے، حالانکہ پرنالہ نہیں پانی بہتا ہے، مسبب کی طرف نسبت کر کے سبب بول دیا گیا ہے، باغات میں نہریں بہتی ہوں تو اس کی خوبصورتی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے ان نہروں کی کیفیت کیا ہے نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! جنت کا پانی دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا ہے، ارد گرد کی دیواریں خوبصورت موتیوں اور قیمتی پتھروں سے بنی ہوئی ہیں اس کی تہہ کستوری کی طرح مہک رہی ہوتی ہے، یہ مختصر وضاحت بخاری سے نیچے تک سب حدیث کی کتابوں میں درج ہے، "کلما" جب بھی اس میں تکرار ضروری ہے، یعنی ایک دفعہ کرنے سے نہیں بار بار کرنے کو کلما کہا جائے گا، "رزقوا" رزق دیا جاتا ہے، "منھا" ان باغات میں سے اور یہ رزق کس شے کا ہوتا ہے۔"من ثمرۃ" یہ لفظ بھی نکرہ ہے عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں اگر نکرہ آئے تو اس میں عظمت کی وسعت پیدا نہیں ہوتی، میری معلومات کے مطابق فارسی اردو، انگلش میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے۔ترجمہ ہوگا کہ جب بھی انہیں شاندار حسین و جمیل رزق عطا کیا جاتا ہے۔ "قالوا" وہ کہہ دیتے ہیں۔ "ھذا" یہ۔ "الذی" وہ جو۔ "رزقنا" ہمیں کھلایا گیا۔ "من قبل" اس سے پہلے، اصل میں تھا "من قبل ھذا" مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا۔اور قبل مبنی ہو گیا۔ترجمہ: یہ وہ رزق ہے جو اس سے پہلے ہمیں عطا کیا گیا! پہلے کہاں عطا کیا گیا؟ دنیا میں کھا چکے یا جنت میں اس سے قبل کھایا؟ حدیث شریف میں آتا ہے، (قرآن کی شرح کا پہلا حق صرف سرکار علیہ السلام کو ہے) فرمایا کہ جنت کے پھلوں کی ظاہری حالت ایسی ہوگی جیسا کہ دنیا کے پھلوں کی ہے اس پر محدثین نے فرمایا چونکہ انسان ان پھلوں کا استعمال ذوق سے کرتا ہے، جنہیں وہ جانتا ہے، آپ کے سامنے اگر ایسا پھل آ جائے، جسے آپ نہیں جانتے، آپ سوچنے لگ جائیں گے کہ پتہ نہیں میٹھا ہے یا کڑوا مفید ہے یا غیر مفید۔دوسرا معنی یہ کہ جنت میں جو اس سے قبل پھل کھا چکے ہیں وہ اس کے مشابہ ہے جو ابھی سامنے ہے۔وہ جنتی عرض کرے گا یہ تو وہ ہے جو ابھی میں کھا چکا ہوں یا یہ وہ ہے جسے میں دنیا میں کھا کے آیا ہوں، قرآن نے اس کا جواب دیا:۔

"واتوا بہٖ متشبھاً" ۔**'اتوا '**۔انہیں دیا جائے گا، **'بہٖ'**۔اس پھل کے ساتھ **"متشبھاً"** ملتا جلتا۔شکل میں مشابہ ہوگا مگر اس کا ذائقہ وہ نہیں جو اس سے پہلے کھایا۔پھل ایک ہے مگر ذائقہ بدل گیا ہے، دنیا میں بھی ہمارے سامنے کئی ایسے پھل آتے ہیں، کہ جن کی شکل ایک مگر ذائقے جدا ہوتے ہیں، پھر جب انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو دیکھ کر اس کی نقل اتارتا ہے، تو اس میں تنوع پیدا کر دیتا ہے، اس میں رنگارنگی آجاتی ہے، ایک قسم کا آم آیا تو ماہرین نے ایک اور قسم کا آم پیدا کرنے کی کوشش کی، پھر تیسری قسم کا بنانے کی کوشش کی۔آپ مجھ سے پوچھیں گے تو میں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کو سامنے دیکھتے ہوئے، اور اس میں رنگا رنگی اور تنوع کو پاتے ہوئے، انسان سوچتا ہے کہ کیا میں ان نئی چیزوں کو مختلف رنگ دے سکتا ہوں یا نہیں اور یہ ساری کی ساری بات اصل میں اس حقیقت کی نقل ہوگی، جو اللہ کریم نے اس حقائق کی دنیا میں بکھیر رکھی ہیں۔

"ولھم فیھا " ۔ان کے لیے ان باغات میں۔**"ازواج مطھرۃ"** بے حد معذرت کے ساتھ۔یہاں مجھے تحقیق کی دنیا میں عام ترجموں سے ہٹ جانا ہے، **"زوج "** کا معنی صرف بیوی نہیں ہوتا، زوج کا معنی خاوند بھی ہوتا ہے، آپ ساری حدیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں رب جانے عربوں نے کب زوج کو 'ت' لگا کر اسے مؤنث بنا دیا، اور لفظِ زوجہ کا استعمال کیا، قرآن وسنت نے بیوی کے ساتھ مرد کا ذکر کیا تو زوج کہا، اور مرد کے ساتھ بیوی کا نام لیا تو زوج کہا، یعنی میاں، بیوی دونوں میں یہ لفظ مشترک ہے، حدیث میں **"قالت عائشۃ سلام اللہ علیھا زوج النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم "** حدیث میں کہیں بھی زوجہ کا لفظ نہیں ہے، اصل میں لفظ زوج نہ مرد کے لیے ہے نہ عورت کے لیے ہے، اس کا معنی ہے، جوڑا یا جڑواں۔یہ دو معنے ہیں، اگر اس سے مراد بیوی ہے تو مرد پاکیزہ ہونا ضروری ہے، اور اگر مرد کے لیے ہے تو بیوی کا پاکیزہ ہونا ضروری ہے، اس طہارت میں دو چیزیں آئیں گی، یہ ایک سمت کی بات نہیں ہے بلکہ دونوں سمتوں کی بات ہے اگر اس جگہ ازواج سے مراد عورت ہے تو خواتین کی طہارت یہ ہوگی کہ وہ ظاہری و باطنی پلیدیوں سے پاک ہوں گی، ظاہری پلیدی یہ کہ جو انسانی جسم کے ساتھ مختلف طرح سے لگتی ہے، جنہیں ہر باشعور آدمی جانتا ہے، باطنی طہارت یہ کہ حسد، بغض، کینہ، بدزبانی، بدکلامی اور سوچیں غلیظ نہ ہوں، ان سب چیزوں کی نفی ہو جائے تو باطنی طہارت آتی ہے، اب اگر ازواج سے مراد مرد ہیں، تو ان کے ظاہری جسم کی طہارت ضروری اور یہی مرض باطنی انداز سے جسم میں نہیں ہونے چاہئیں، اس میں ایک نکتہ ہے، کہ جنت میں جانے کے لیے ظاہری و باطنی طہارت ضروری ہے، اس طہارت کے لیے دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ سرکار علیہ السلام کی نگاہ ناز قیامت کے دن آپ پر پڑ جائے اور باطنی طہارت فرما دیں اس لیے کہ باطنی طہارت کے سب سے بڑے موصوف اس کائنات میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں، جگہ جگہ جہاں بھی ان کی یہ خصوصی صفت قرآن نے بیان کی ہے، فرمایا۔**"ویزکیھم "**میرے محبوب انسان کو اندر سے پاک کر دیتے ہیں، اب یہ اندر کا پاک ہونا تبھی ہو سکتا ہے کہ اندر کی بیماریوں کا پتہ ہو، پھر اس نگاہ میں یہ تاثیر ہو کہ جہاں نگاہ پڑ جائے

طہارت دی جائے، دعا ہے کہ اللہ ہمیں سرکار کی نگاہ ناز سے نوازے، دوسری بات یہ ہے کہ سزا دے دی جائے، اور اس سزا سے طہارت ہو جائے، اس سزا کو جہنم کہا گیا ہے، باطن کی غلاظت کو جہنم کی آگ جلا دے، اس کی تشریح کرتے ہوئے سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ جب جہنمی جہنم سے نکلیں گے، تو ان کی کیفیت بالکل کوئلے جیسی ہوگی، پھر ایک مقام پر انہیں ڈال دیا جائے گا، ان پر آبِ حیات پڑے گا، آبِ حیات بمعنی زندگی کا پانی۔ یہ میرا حسنِ عقیدت یا تخیل نہیں بلکہ قرآن وسنت کے گہرے مطالعہ سے عرض کرتا ہوں کہ سب سے زیادہ جو چیز طہارت عطا کرتی ہے، وہ نگاہ مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ نہ وہاں آبِ حیات، آبِ کوثر، آبِ تسنیم پہنچتا ہے اور نہ وہاں کوئی اور چیز پہنچتی ہے، جہاں سرکار کی نگاہ ناز پہنچتی ہے، آبِ حیات پڑتا ہے، تو سرکار علیہ السلام نے فرمایا، وہ اسی طرح وہاں سے نکلتے ہیں، جس طرح سیلاب گزر جائے تو بڑی نفیس سی مٹی پیچھے رہ جاتی ہے، اس میں جو بیج آ جاتا ہے، اور جس طریقے سے اس سے نکلتا ہے، اسی طریقے سے پھر یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے، اگر ہم اس زندگی میں ظاہری و باطنی طہارت کے لیے کوشش کریں تو اسی دنیا میں ایک چھوٹی سی جنت بن سکتی ہے، بشرطیکہ یہ انداز اپنایا جائے تو بات بن سکتی ہے، کہ

فرشتے سے بہتر ہے انسان ہونا　　　مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

تو فرمایا! کہ اس میں ان کے جوڑے ہیں، جو بڑے پاکیزہ ہیں، مرد حضرات کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ہم غلاظت کے ساتھ جنت میں چلے جائیں گے، یہ طہارت صرف خواتین کے لیے نہیں مردوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ ''وھم فیھا خلدون'' (ھم، وہ۔ فیھا، ان باغات میں۔ خالدون، ہمیشہ رہیں گے) یہاں ایک نکتہ ہے کہ مثلاً ایک بندہ سو سال تک کہیں رہ جائے تو اسے خالد کہہ دیتے ہیں، اس کی جمع ہو تو خالدون بھی کہہ دیتے ہیں مگر ہمیشگی ظاہر کرنے کے لیے ابداً کا لفظ بڑھانا چاہیے تھا، تو کیا قرآن نے کہیں ابداً کا لفظ کہا ہے؟ ہاں ایک جگہ نہیں بلکہ بیسیوں جگہ قرآن نے ابداً کا لفظ اس کے ساتھ استعمال کیا ہے، چونکہ اب یہ ابداً کے لفظ سے مقید ہے تو جہاں ابداً کا لفظ نہیں ہے وہاں بھی وہ معنی ساتھ کرنا پڑے گا، اب یہاں تین باتیں ہیں جو انسانی فطرت میں ہیں۔

۱۔ کہ رہائش بڑی ہی نفیس ہو۔ ۲۔ ساتھ رہنے والے لوگ ظاہری و باطنی کدورتوں سے پاک ہوں، تاکہ کسی وقت بھی زندگی کی لطافتوں میں فرق نہ آسکے۔ ۳۔ وہاں دوام ہو۔ موت کا کھٹکا نہ ہو۔

تو قرآن کریم نے تینوں باتوں کی شہادت دی ہے، یہ دلائل وہ تھے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے تھے، اور قرآن کریم کے بے مثل ہونے کے تھے، اور ساتھ یہ چیلنج کے تھے، کہ اگر تم میں ہمت ہے تو اس جیسی ایک چھوٹی سی سورۃ بنا کر لے آؤ، ان کے پاس جواب کوئی نہیں تھا، لیکن وہ کھسیانی بلی کھمبہ نوچنے والا محاورہ تھا جو ان پر صادق آ رہا تھا کہنے لگے جی باتی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِٓ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ

بے شک اللہ حیا نہیں رکھتا اس سے کہ ذکر کرے کوئی مثال مچھر کی ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی

فَأَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ

تو جو ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے (اتری ہے)

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ

اور جنھوں نے کفر کیا سو وہ کہتے ہیں کیا قصد کیا اللہ نے اس مثال کے ذکر سے

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّ يَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا ؕ

گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے بہتیروں کو

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا الْفٰسِقِينَ ۙ﴿۲۶﴾

اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمانوں کو ۳۳؎

۳۳؎ تو ٹھیک ہے لیکن یہ رب کا کلام نہیں ہے، کیونکہ کہیں اس میں مکھی کی بات آجاتی ہے کہیں مکڑی یا مچھر کی۔ لہذا یہ رب کا کلام نہیں ہے، رب بہت بڑا ہے مچھر جیسی اتنی چھوٹی سی مخلوق کا نام اپنی کتابِ عظیم میں کیوں لے رہا ہے؟ یہاں قرآن پاک نے اپنا دفاع مختلف انداز سے کیا ہے، جیسے کے قرآن کا انداز اکثر ہوا کرتا ہے۔ اگر خطاب یہودیوں یا نصرانیوں سے ہوتا یا آتش پرستوں سے ہوتا جن کی کتابیں، ژند، پاژند، اوستا تھیں، تو فوراً قرآن پاک کہہ دیتا کہ دیکھو! تمہاری کتابوں میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں اگر ان میں ایسی مثالیں موجود ہیں تو قرآن میں کیوں نہیں ہو سکتی ہیں، یہ بھی رب کی کتاب ہے لیکن چونکہ خطاب براہ راست مکہ کے کفار سے تھا، عربوں کے ساتھ تھا، نہ وہ کسی کتاب کو مانتے تھے نہ وہ صاحبِ کتاب تھے لہذا اندازِ خطاب بدل دیا گیا، وہ بات نہیں کہی گئی جو الزامی جواب کے لیے ضروری ہوتی ہے، جواب ایک اور انداز سے دیا گیا، کہ جب بھی

مثال پیش کی جاتی ہے تو اس میں دو کیفیتیں ہوتی ہیں، ممثل جس کی مثال آپ نے پیش کی ہو، **"ممثل له"** وہ جسے مثال کے طور پر پیش کیا جائے مثلاً **"مشبه به"**۔ آپ نے بنایا ہے، اب یہاں ممثل ہے قرآن جس نے مثال پیش کی ہے، اور حقیقتاً یہ قرآن نازل کرنے والا رب ہے۔ "ممثل له" وہ چھوٹی چیزیں جن کے مختلف افعال سے مشابہت دی جائے، یہاں تشبیہ سے مراد ان چھوٹی چیزوں کی حقارت ہوتی ہے، اور جس کے لیے مثال پیش کی گئی ہے ہدایت دینے کی خاطر اسے سمجھانا مقصود ہوتا ہے، یہ ہے تمثیل کی سب سے بڑی غرض، تو فرمایا جو تمثیل کی غرض ہے کیا قرآن اس سے ہٹ گیا ہے، اگر اس سے ہٹ گیا ہے تو بے شک تم اعتراض کرو، اگر نہیں ہٹا تو اعتراض بے معنی ہے اسے یوں بیان کیا۔ **"انّ اللّٰه"**۔ یقیناً اللہ۔۔

۔ **"لایستحي"** (یہاں بھی عام مترجمین نے توجہ نہیں فرمائی اور بائیس تیئس علوم پڑھنے کے بعد بھی یہ ترجمہ کیا کہ۔ اللہ شرماتا نہیں ہے، شرم اس کیفیت کا نام ہے کہ ایک بات آپ کی فطرت کے خلاف آ گئی ہے اور اس سے طبیعت سکڑ گئی ہے، یہ ہے شرم اور عربی میں اسی کو حیا کہتے ہیں، تو کیا اللہ کریم کے لیے ایسی بات کہنا جائز ہے؟ یہاں بیضاوی نے لکھا ہے کہ جب ایسی بات آ جائے تو جس کا تعلق انسانی طبیعت کے ساتھ ہو تو وہ معنی قرآن میں بالکل مراد نہیں ہوتا، بلکہ مراد اس کا نتیجہ ہوتا ہے، اور یہاں عربی کے عظیم ماہر علامہ قرطبی نے لکھا کہ **"لایستحي"** کا معنی ہے **"لایخشٰی"** یعنی اللہ خوف نہیں کرتا، دوسرا معنی ہے **"لایترک"** وہ چھوڑتا نہیں ہے، تیسرا معنی ہے **"لا یمنع"** وہ رکتا نہیں یا روکتا نہیں ہے۔ **"ان یضرب مثلاً ما بعوضۃً فما فوقھا"** ۔ لفظ یضرب کا معنی ہوتا ہے مارنا مگر یہ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مگر یہاں معنی ہے۔ پیش کرنا، مثلاً نکرہ تھا، اس کے ساتھ 'ما' نکرہ لگا کر اس کی تنکیر میں اضافہ کر دیا، بمعنی کوئی مثال۔ بعوضۃ اس کے دو معنے ہیں ایک معنی مفسرین نے مچھر کیا اور ایک معنی ہے پسو۔ "فما فوقھا" یا اس سے اوپر جو شے ہے۔ اس کے دو معنے ہیں، ایک معنی اوپر کا بڑا ہے، بڑا ہونے میں مثلاً مکھی، مکڑی۔ اللہ مثال پیش کر دے، مچھر، مکھی یا مکڑی کی، ایک اور جگہ مکھی کی مثال بھی ملتی ہے، **"وان یسلبھم الذباب شیاً لا یستنقذوہ"** اگر ان سے کوئی شے مکھی چھین کر لے جائے، یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے، یعنی ان کے گھٹیا پن کی کتنی حسین مثال ہے۔ ان کے ضعف کی مثال بھی بیان کی کہ یہ تو مکڑی کا جالا ہے، جو عقیدہ تم پیش کر رہے ہو وہ بڑا کمزور ہے اسی طرح جو عقیدہ شرک پر مبنی ہو جب توحید کا سورج نکلتا ہے تو پھر اس شرک کی تاریں اسی طرح بکھر جاتی ہیں، جس طرح مکڑی کا جالا ذرا سا ہاتھ لگنے سے بکھر جاتا ہے، یہ ایسی چوٹیں تھیں جن کا جواب ان کی بلاغت میں نہیں تھا، وہ کہتے کہ اللہ بڑی ذات ہے چھوٹی بات کیوں کرتا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ تیسری مثال بیان فرما دی تا کہ ان کی ذلت میں اضافہ ہو۔ یہاں محققین زبان نے بڑا ہی نفیس نکتہ بیان فرمایا ہے۔ اسے بیضاوی نے اشارے سے بیان کیا، فخر الدین رازی نے تفصیل سے بیان کیا۔ کہ ایک شے جو چھوٹا ہونے میں دوسری سے اوپر ہے، وہ یہ ہے کہ مچھر کا ایک پر جس کی سند حدیث میں ہے اس کے چھوٹا ہونے کی تفصیل ذلت کے

Marfat.com

طور پر ہے حدیث میں سرکار علیہ السلام نے فرمایا! کہ اگر ساری کائنات کی قیمت میرے رب کی نگاہ میں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس میں کسی کافر کا حصہ نہ ہوتا، اب مخاطب دو گروہ ہوتے ہیں، ایک وہ جو مثال مثل اور ممثل لہ کو دیکھتے ہیں کہ اس مثال کے پیش کرنے کی غرض کیا ہے، اور ایک وہ گروہ ہے جو سطحی انداز سے آگے نہیں بڑھ سکتا، تو قرآن نے دونوں کو الگ الگ نکھار دیا، فرمایا!" **فاما الذین امنوا**" جو صاحب ایمان ہوں، صاحب ایمان کے لیے صاحب علم ہونا لازم ہے، مسلمان حقائق کو جان کے ان کو مانتا ہے۔ اس لفظ کے اندر بڑی وسعت ہے ہم بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جو حقیقت پسند لوگ ہیں وہ" **فیعلمون**" انہیں پتہ ہے۔" **انہ الحق من ربھم** "کہ یقیناً یہ بات رب کریم کی طرف سے حق ہے یعنی جو رب کریم فرمارہا ہے۔ مجھے بولنا رب تعالیٰ نے سکھایا ہے میں نے اسے نہیں سکھایا تو جب زبان بولی جارہی ہو اور رب فرمادے کہ ایسا انداز نہ اپناؤ تو یہ اس کا حق ہے، لیکن میں رب کو کہوں کہ آپ ایسے الفاظ استعمال نہ فرمائیں تو یہ میرا حق نہیں ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جو قانونِ قرآن و حدیث میں امت کے امام ہیں، یہ باہر سے مسجد کی طرف آ رہے تھے مسجد میں دایاں پاؤں رکھنے کی بجائے پہلے بایاں پاؤں رکھ دیا، جب باطن کی طہارت ہوتی ہے تو پھر وہ ایسا نہیں کرنے دیتی، دفعتاً فضا سے آواز آئی۔ "**یا ایھا الثور ماذا تصنع**" او جانور تو کیا کر رہا ہے؟ ثور بیل کو کہتے ہیں، ثوری بیل والا، یہ آواز کسی انسان کی نہ تھی بلکہ اس کی تھی جس کے لیے اس نے طہارتیں حاصل کی تھیں، اللہ کریم اب یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کی زندگی میں ایک کراہت بھی داخل ہو جائے انہوں نے اپنے نام کے ساتھ ثوری لاحقہ رکھ لیا، جہاں بھی سفیان کا لفظ آتا ہے ساتھ ثوری کا لفظ ضرور آتا ہے، کہ میرے مالک نے مجھے اس لفظ سے خطاب کیا تھا، یہ ذوق کی بات ہے۔" **واما الذین کفروا**" کفر اصل کوئی مذہب نہیں ہے، کفر کا معنی چھپا دینا ہوتا ہے، اسی لیے پرانی عربی میں کسان کو کافر کہتے تھے، کہ وہ بیج کو چھپا دیتا ہے زمین میں، کافر کا معنی چھپانے والا۔ یعنی حقیقت کی رعنائیوں کو جو دیکھتا نہیں ہے، یہاں لغوی معنے میں قرآن نے بات کی ہے۔ "**فیقولون** "وہ کہتے ہیں۔"**ماذا**" کیا۔" **اراد اللہ**" ارادہ کیا ہے اللہ نے۔

" **بھٰذا** " مثلاً اس کے ساتھ مثال پیش کر کے، اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ ہوتے ہوئے یہ مثال پیش نہیں کرنی چاہئے تھی، اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں (ایک حقیقت سے آشنا اور حقیقت سے ناآشنا) کی نشاندہی کرنے کے بعد فیصلہ کن انداز میں فرمایا۔" **یضل بہ کثیراً**" وہ راستے سے ہٹا دیتا ہے، اصل ضلال کا لغوی معنی ہلاکت ہے، اصطلاحی معنی گمراہی ہے۔ یہ لفظ کہیں بھی اس معنی میں نبی کے لیے استعمال کرنا کفر ہے، کثیراً بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے، کہ وہ اپنی ناقص عقل کے مطابق عظمت خداوندی کو ناپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ " **ویھدی بہ کثیراً**" اور ایسی مثال کے ساتھ بہت سے لوگوں کو راستہ دکھا دیتا ہے ہدایت کا۔ **یھدی** کسی کی رہنمائی کرنا۔ صرف یہ نہیں کہ کسی کو راستہ بتا دینا بلکہ ساتھ چل پڑنا، یہ ہدایت کی تکمیل ہوتی ہے تو اس تکمیل کو اللہ اپنی کتاب اور نبی کے ذریعے کرتا ہے۔

Marfat.com

"ومایضلّ بہ الّا الفٰسقین " وہ گمراہ نہیں فرماتا۔ **"الّا "** مگر۔ **"الفسقین "** فاسقوں کو۔ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ فسق کا لغت میں معنی کیا ہے؟ قرطبی فرماتے ہیں، **" الخروج من طاعة اللّٰہ عزوجل شانہٗ "** اللہ کی اطاعت سے نکل جانا فسق ہے۔ عربی لغت میں فسق کا مفہوم یوں ہے۔ ''فسق یہ ہے کہ آپ بکری کے گلے میں رسی ڈالیں آپ آگے کھینچیں اور وہ رسی نکال کر پیچھے ہٹنا چاہے تو یہ فسق ہے۔''

آپ شریعت کی رسی نکال دینا چاہیں تو یہ فسق ہوگا، اسی کو قرطبی نے نتیجے کے طور پر یوں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی حدود سے باہر نکل جانا فسق ہے، عربی کا اپنا ایک اسٹائل ہے کہ پہلے ایک بات کی نفی ہوتی ہے پھر اس کا اثبات ہو جاتا ہے، تو معنی میں حصر پیدا ہو جاتا ہے یعنی بندش آجاتی ہے اس سے معنی یہ ہوگا، ''اور گمراہ نہیں فرماتا ایسی مثال سے مگر فاسقوں کو'' یعنی صرف اور صرف فاسقوں کو اس سے گمراہ فرماتا ہے اب اس کے معنی میں حصر پیدا ہو گیا ہے۔

کے گہرے سمندر میں غوطے لگانے ہوں گے، اور اقبالؒ نے ایک اور بات کہی جو میں حاضرین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، اقبالؒ نے کہا کہ جب آپ قرآن پاک پڑھنے بیٹھیں تو یہ سمجھیں کہ آج پہلی دفعہ نازل ہو رہا ہے، بھلا دل کی دنیا میں یہ کون سا انقلاب لاتا ہے، براہ راست یہ گویا آپ سے مخاطب ہے، اور سچی بات بھی یہی ہے کہ جب تک آپ اس مقام پر آ کے قرآن پاک کا مطالعہ نہیں کریں گے تو۔ عقدہ کشا ہے رازی نہ صاحب کشاف' پھر بات نہیں بنتی، تو اسی انداز سے آپ نے پڑھنا ہے۔ میں آپ حضرات کا شکر گزار ہوں کہ مجھ جیسے بے مایہ طالب علم کو سننے کے لیے اپنا قیمتی وقت نکال کر تشریف لاتے ہیں، میرے پاس وقت نہیں ہوتا کہ میں قرآن پاک کی تفسیر کے لیے قلم پکڑ لوں، لیکن آپ کے طفیل اللہ کریم نے یہ کام چلانا شروع کر دیا ہے، اب جو پہلے پندرہ لیکچر ہو چکے ہیں وہ ایک مستقل کتاب ہے جو کم وبیش تین یا چار سو صفحات لے جائے گی، اور قرآنی علوم پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

اب آیئے ذرا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں، کہ آقا یہ جو سورۃ مقدسہ ہے اس کے کچھ محامد آپ ارشاد فرما دیں، تو اس روایت کو صحاح ستہ میں سے ترمذی نے روایت کیا ہے، اور ترمذی کے حوالے سے امام بیضاوی نے بھی اپنی کتاب بیضاوی میں نقل کیا ہے، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشہور صحابی حضرت ابیؓ کو فرمایا کہ کیا میں آپ کو ایک ایسی سورۃ نہ بتاؤں کہ تورات، انجیل اور قرآن پاک میں اس جیسی کوئی اور سورۃ نازل نہیں ہوئی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ آپ ارشاد فرمائیں، آپؐ نے کہا یہی فاتحۃ الکتاب بے مثل سورۃ ہے، اس جیسی سورۃ کسی آسمانی کتاب میں موجود نہیں ہے، یہ سات آیتیں ہیں جنہیں بار بار دہرایا جاتا ہے، یہ وہ عظمت والا قرآن پاک ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے، یہ ایک حدیث پاک ہے۔

اب دوسری روایت خاندان نبوت میں سے ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں، کہ ہم سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ فرشتے نے حاضری دی اور آ کے دو، نوروں کی مبارک باد پیش کی، جو سرکار کریمؐ کی خدمت میں پیش ہوئے ہیں، لیکن وہ نور آپ کی خدمت سے پہلے کسی اور کی خدمت میں پیش نہیں ہوئے ہیں، ان دو نوروں میں سے ایک نور یہی سورۃ فاتحہ ہے، اور دوسرا نور سورۃ البقرۃ کی آخری آیات کو جہاں کفار کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کے لیے دعائیں مانگتے ہیں، فرمایا یہ ہیں جو آپ کو عطا ہوئی ہیں اور کسی دوسرے کو عطا نہیں ہوئی ہیں، یہ حدیث کی کتابوں میں مسلم میں موجود ہے اور بعد میں اسے بیضاوی نے بھی نقل کیا ہے۔

ایک اور روایت میں سرکار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کریم ارادہ فرماتا ہے کسی قوم کو گرفت میں لینے کا ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے لیکن پھر ایک معصوم سا بچہ سورۃ فاتحہ پڑھنے لگ جاتا ہے، تلاوت کرنے کے طور پر، یاد کرنے کے طور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ۪ وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ
وہ جو توڑتے رہتے ہیں عہد خداوندی کو اسے پختہ باندھنے کے بعد اور کاٹتے رہتے ہیں اسے جس کا حکم اللہ نے دیا
اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴿۲۷﴾
جوڑنے کا اور فساد مچاتے رہتے ہیں زمین میں وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ۳۴

۳۴" **الذین ینقضون عهداللّٰه** " نقض کا معنی ہوتا ہے توڑ دینا۔ یہ Present Tense (فعل مضارع) ہے جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں، " **میثاق** " پختہ عہد باندھنا۔ عہد کو پختہ کرنے کے بعد جو توڑ دیتے ہیں وہ فاسق ہیں، کائنات کے ساتھ اللہ نے تین دفعہ عہد باندھا، ایک دفعہ ساری اولاد آدم کے ساتھ دوسری دفعہ انبیاء عالی مقام کے ساتھ تیسری دفعہ شریعت کے جاننے والے علماء سے عہد باندھا۔ اب اس علم کی مختلف نوعیتیں ہیں یہ جو ہم نے مختلف مساجد میں ائمہ حضرات بٹھائے ہوئے ہیں، اللہ انہیں اسلام کی اور زیادہ توفیق دے، یہ ایک طبقہ بن گیا ہے، اسلام میں ایسے طبقے کا کوئی وجود نہیں ہے، میں بنکاک گیا تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ مسجد میں ان کا امام کوئی نہیں تھا، وہ لوگ آئے تو ایک دوکاندار آگے کھڑا ہو گیا اس نے اتنی خوبصورت قرأت کے ساتھ نماز پڑھائی کہ باید وشاید اس وقت تک میرا یہ خیال تھا کہ یہ امام ہے، لیکن اگلی نماز میں دوسرا آ گیا، میں نے ان سے پوچھا کہ مکمل امام کیوں نہیں، کہنے لگے کہ جس طرح اسلاف کا طریقہ تھا ہم اسی طرح چل رہے ہیں، اسلام نے کہا تھا کہ جو آپ کا جج ہے وہ نماز پڑھائے گا اس کے بعد نیچے والے اہل مراتب پڑھائیں گے، تا کہ دین و دنیا کی تفریق کا تصور نہ ہو، ان کا براہ راست قوم سے رابطہ رہے۔

" **ویقطعون ماامر اللّٰه به ان یوصل** " ۔ **یقطعون**، کاٹ دیتے ہیں، " **ما** " اس چیز کو، " **امر اللّٰه** " اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسے ملایا جائے، ملانے سے یہ مراد ہے کہ اللہ کی ذات کے ساتھ رابطہ، سرکار علیہ السلام کے ساتھ رابطہ، قرآن پاک کے ساتھ رابطہ، امت کے اجتماعی طرز فکر کو سامنے رکھ کر چلنا، انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے رات دن وقف کر دینا۔

جس میں آپ کی نہ انا شامل ہو نہ اغراض نفسانی ملوث ہوں اس انداز کو لے کر جب آپ چلیں گے تو اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا ساتھ ہوگی۔ " **ویفسدون فی الارض** " ۔ **یفسدون** ،فساد مچاتے ہیں زمین میں، اس فساد مچانے کی بے حد قسمیں ہیں، جن کے لیے کافی وقت درکار ہے، بہر حال مختصر طور پر عرض کروں کہ زمین میں فساد دو طریقوں سے ہوتا ہے

Marfat.com

آپ اپنے نظریات دوسرے لوگوں پر جبراً مسلط کریں، جن کے متعلق آپ کو خود بھی یقین نہ ہو کہ یہ ٹھیک ہیں کہ نہیں، دوسری بات کہ آپ اپنے اقتصادی نظریات دوسروں پر مسلط کرنے کے لیے ان کی اقتصادی حالت کو پیس دیں، جس طرح اس وقت امریکہ کرر ہا ہے، تیسری بات کہ آپ اپنا طرز تعلیم دوسروں پر اس طرح مسلط کریں کہ ان کی اپنی سوچیں ساری کی ساری مفلوج کر کے رکھ دیں، جس طرح برصغیر میں انگریز کر گیا ہے۔ چوتھی بات کہ آپ ان کی عدلیہ کو اس رنگ میں ڈھال دیں کہ ان کی عدلیہ محسوس نہ ہوتی ہو، وہ آپ کی اپنی عدلیہ محسوس ہوتی ہو، پانچویں بات کہ آپ اپنی سیاست ان پر مسلط کر دیں۔ اب جو مفاد پرست طبقہ ہے وہ تو آپ کے ساتھ چل پڑے گا مگر جو مفاد پرست نہیں ہیں وہ اسے قبول نہیں کریں گے، تو ان پر آپ نے مختلف راستوں سے فساد مسلط کر دیا ہے، یہ وہ فساد ہے جو زمین میں استکبار، استعماریت پسند اور اشتراکیت پسند مختلف انداز سے کرتا رہا ہے، اور جہاں سے وہ بوریا بستر اٹھا کر چلا جاتا ہے اپنی معنوی اولاد کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے کہ ہم اگر ساٹھ فیصد کامیابی حاصل کر چکے ہیں تو بچہ جمورا آپ نے اسے سو فیصد تک پہنچانا ہے، اور پھر اسے سو تک پہنچانے میں قوم پر جو گزرتی ہے وہ قوم ہی جانتی ہے تو قرآن نے اسے فساد فی الارض سے تعبیر کیا ہے، گزشتہ پانچ عناصر جب مل جائیں تو نتیجہ قرآن پاک کہتا ہے۔ "اولٰٓئک ھم الخسرون" یہ لوگ وہ ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔ ہمارا نقصان یہ ہوگا کہ پانچ پانچ سال کے الیکشن کے بعد بیڑا غرق ہو جائے گا یا کوئی اور نظریہ اس نظریے پر غالب آ جائے گا، استعماریت پر دیکھتے ہی دیکھتے اشتراکیت غالب آ گئی، اب اشتراکیت شکست کھا چکی ہے، استعماریت بھی" انا ولا غیر " کے نعرے بلند کر رہی ہے، لیکن پردۂ غیب سے آگے کیا نکلتا ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اور وہ اس استعماریت کے ایک ایک تار و پود کو کیسے بکھیرتا ہے، یہ بھی مستقبل کا معاملہ ہے لیکن مستقبل ہماری زندگی تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ بڑا وسیع ہوتا ہے یہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے کہ اس بات کو بگاڑنے کے لیے جن لوگوں نے آگے آنا ہے ان کی کتنے عرصے تک تربیت کرنے والوں نے تربیت کرنی ہے، اور وہ جب تربیت پا کے نکلیں گے تو بقول اقبال کہ شاہیں مرے زیر تربیت ہیں کب سے؟ ایک طویل عرصے سے اور جب تربیت کا نتیجہ آیا تو 14 اگست 1947ء کو انقلاب آ گیا، تو یہ وہ بات ہوتی ہے جو آہستہ لہروں کی طرح انسان کے اندر سے گزرتی رہتی ہے۔ تو فرمایا آخر انجام ان کا خسارہ ہوتا ہے وہ دو سو سال یا چھ سو سال کے بعد ہو سکتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے، اگر کسی کو ایک دن کی مہلت دینی ہوتی ہے تو اسے ہزار سال حکومت کرنی ہوتی ہے، اور وہ نسل اتنا عرصہ برسر اقتدار رہے گی، اب یہ باتیں سامنے آ گئیں کہ اللہ تعالیٰ بھی حق، سرکار بھی حق، قرآن پاک بھی حق، عظمتِ انسانی بھی حق۔ تو پھر بتاؤ۔

☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ج
تم اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے تو اس نے تمھیں زندہ کیا
ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾
پھر وہ تمھیں موت دے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے ۳۵

۳۵ کیف تکفرون باللہ ''تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو، کیا انکار کی کوئی گنجائش باقی ہے؟ کیا کوئی دلیل باقی ہے؟ لیکن قربان جاؤں بلاغتِ قرآن پر ایک اور دلیل دے دی۔ فرمایا کہ تم کیسے انکار کر سکتے ہو؟ حالانکہ ''وکنتم امواتا'' تم بے جان تھے۔ اس کے زیادہ فصیح معنی یہی ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ انسان پیدائش سے پہلے جن مراحل سے گزرتا ہے وہ ایک طویل عرصے تک بے جان رہتا ہے۔

نیستی سے ہستی تک پہنچنے میں کتنے مراحل ہیں جو نیستی کو ساتھ لے کر چل رہے ہوتے ہیں۔ گوشت کا لوتھڑا ہو یا اس سے پہلے کی کیفیت، یہ بے جان حالت ہے۔ اب اس بے جان کو ایک ذات نے جان بخش دی۔ ''فاحیاکم'' اس نے تمہیں زندہ کر دیا۔ یہ زندگی وجود میں کیسے داخل ہوئی، یہ طویل بحث ہے جو آگے چل کر کسی مقام پر ذکر کروں گا۔ ''ثم'' وقفہ کو چاہتا ہے یہ وقفہ اللہ تعالیٰ کے علم میں آئے تو یہ سالہا سال پر مشتمل ہوتا ہے، میری زبان میں آئے تو کچھ ساعتوں یا کچھ گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ''ثم یمیتکم'' زندہ کرنے کے بعد پھر تمہیں مارے گا اس میں وقفہ ہوگا، کسی کو چالیس سال مل جائیں گے کسی کو ساٹھ سال کسی کو اسی سال یہ بلاغت، اردو میں نہیں ہے یہ تین مراحل روزانہ ہماری زندگی سے گزرتے ہیں کہ نہ سے ہاں اور ہاں سے پھر نہ یعنی نفی سے اثبات، اور اثبات سے پھر نفی۔ ''ثم یحییکم'' پھر تمہیں زندہ کر دے گا، یہ زندگی بھی ایک وقفہ ہے، جو قبر تک جانے میں ہمارے ساتھ ہوتا ہے، یہاں اکثر مترجمین اس سے قیامت کی زندگی مراد لے رہے ہیں اس سلسلے میں، میں ان کا ہمنوا نہیں ہوں، اس لیے کہ قبر کی زندگی قرآن سے بھی اور سرکار علیہ السلام کے ارشادات گرامی سے ثابت ہے پھر اولیاء کرام کے مشاہدات سے بھی ثابت ہے۔ ''ثم الیہ ترجعون'' پھر تم اس کی طرف پلٹا دیے جاتے ہو، یہ قیامت کا ذکر اور زندگی ہے لہذا اس سے پہلے ایک اور زندگی ہونی چاہیے جو ہماری ظاہری موت اور قیامت کی زندگی کے درمیان ہو۔ صرف چار زندگیاں نہیں بلکہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ زندگی مختلف انداز بدلتی رہتی ہے، شاید وہ قبر میں بھی کئی انداز بدلتی ہے، کچھ حسیات وہ ہیں جو محسوسات سے

Marfat.com

آگے نہیں بڑھ سکتیں، اور کچھ وہ ہیں جو محسوسات کو چیر کے آگے نکل جاتی ہیں اس چیر نے کا ذکر خدا جانے اسلامی نکتۂ نگاہ کو سامنے رکھ کر اقبال نے کتنے پیرائیوں میں بیان کیا ہے پھر تم واپس کر دیئے جاؤ گے، تو واپس انسان وہاں جاتا ہے جہاں سے آیا تھا، قرآن پاک نے ضمنی طور پر ایک بلیغ بات کہہ دی کہ جب تم خالص روح تھے، تو تمہیں قرب ربانی حاصل تھا پھر جب مادیت میں آگئے تو قرب ربانی سے اس لیے ہٹ گئے کہ تمہیں قریب رہنے یا دور جانے کا اختیار مل گیا تھا، اب جب واپس گئے ہو تو پھر اسی عظیم ہستی کے قریب چلے گئے ہو، جس سے تمہاری زندگی کا آغاز ہوا تھا، زندگی ایک عروج کا نام ہے جو مسلسل چل رہا ہے زندگی فنا کا نام نہیں زندگی رب کریم کے قریب سے شروع ہوئی تھی، اصلی نظافتیں رب کریم کے پاس جا کے حاصل کرنی ہیں، لیکن وہ عرصہ جو تھوڑا سا اختیار میں ملا ہے اسے ہم غلط استعمال نہ کریں تو یہ قرب بڑا جلدی مل جائے گا، اور اگر غلط استعمال کیا تو پھر تو قرب دوری میں تبدیل ہو جائیگا، پھر وہی بات ہے کہ اسے وہاں سے گزار کے لاؤ جہاں حسد، بغض، کینہ جل جاتا ہے، یعنی دوزخ اسی کو قرآن نے ایک جگہ فرمایا کہ تم میں ایسا کوئی نہیں جو دوزخ میں وارد نہ ہو، تو اس کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین نے فرمایا کہ پل صراط دوزخ کے اوپر ہے ہم نے اس کے اوپر سے گزرنا ہے لہذا وارد ہو کر ہی جانا ہے البتہ وہاں سٹیجز stages الگ الگ ہیں، جو نیچے گر جائے گا وہ رسوا ہو جائے گا، اور جو نکل جائے گا وہ جنت میں جائے گا، لیکن اس کا مقصد کیا ہوا؟ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ تکمیل انسانیت چاہتے ہیں، اور سرکار علیہ السلام بھی یہی چاہتے ہیں، قرآن بھی یہی چاہتا ہے تو انسانیت کتنی عظیم ہے جس کی تکمیل کے لیے تین ہستیاں لگی ہوئی ہیں۔ ایک بات عرض کردوں کہ پل صراط سے باقی انبیاء گزر جائیں گے اپنی امتوں کے بارے میں کچھ نہیں پوچھیں گے کہ کدھر گئے کیا ہوا، مگر یہ ایک ہی ہستی کا کمال ہے کہ پل صراط کے اُدھر کھڑے ہو جائیں گے فرمائیں گے جب تک میرے غلام نہیں گزرتے میں نہیں گزرتا، اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائیں گے۔ ''یارب سلم امتی ،یارب سلم امتی'' اے پروردگار میری امت کو سلامتی سے گزار دے، اور جبرائیلؑ بھی پر بچھادیں گے، کیا شان ہے امت کی کہ نگاہِ مصطفیٰ علیہ السلام میں ہے اور جبرائیلؑ کے پروں پر سوار پل صراط سے گزر رہی ہے۔

(وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ۚ
وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب
ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰٮهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ
پھر توجہ فرمائی اوپر کی طرف تو ٹھیک ٹھیک بنا دیا انھیں سات آسمان
وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۹﴾
اور وہ سب کچھ خوب جانتا ہے ۳۶

۳۶ اللہ کریم نے یہاں انسانیت کے لیے اپنی ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے، اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا!

"ھو" ۔وہ، **"الذی"** ۔وہ جو، **"خلق"** اس نے پیدا کیا، **"لکم"** تمہارے لیے، **"ما"** جو کچھ ہے، **"فی الارض"** زمین میں، **"جمیعاً"** سارے کا سارا۔

''اللہ کریم کی وہ ذات ہے جس نے صرف تمہارے لیے پیدا فرمایا ہے زمین میں جو کچھ ہے سارے کا سارا''۔

اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو پیدا فرمایا، اس کے منافع، مقاصد اور ٹھہرنے کے لیے وسیع زمین بنادی اور زمین میں بے شمار چیزیں پیدا فرمادیں۔ یہاں اصول کی بات ہے کہ لفظ ''ما'' کے کئی معنی ہوتے ہیں، جو بھی ، نہیں وغیرہ لیکن یہاں معنی ہے جو کچھ ۔ یہ لفظ عموم کو چاہتا ہے گہرائی میں جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ انسان کے لیے بنا ہے اس کا علم انسان کے لیے ضروری ہے پہلی اور آخری کتاب قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ جو کچھ ہے انسان کے لیے ہے۔ قرآن نے ایک راستہ متعین کر دیا ہے۔ قرآن جزیات کی کتاب نہیں ہے بلکہ کلیات کی کتاب ہے لیکن اگر کلیات کے ماہرین جزیات کے راستے پر نکل پڑیں تو پھر ساری جزیات قرآن کے اندر سے نکالی جاسکتی ہیں، یہ واحد کتاب ہے جس نے تسخیر کائنات کا حکم دیا، یہ ضروری نہیں کہ پہلی نسل میں ہی تسخیر ہو جائے، ایک اور نسل آئے گی پھر اور آئے گی پھر بڑھتے بڑھتے ساری کائنات مسخر ہو جائے گی، لیکن میں نے یہ عرض کرنا ہے کہ جو کتاب تسخیر کائنات کا حکم دیتی ہے، وہ قرآن پاک ہے اور تسخیر کائنات غیر کر رہے ہیں یہ بہت بڑا المیہ ہے، یہ المیہ کب شروع ہوا؟ یہ بہت لمبی بحث ہے لیکن میں صرف اشارہ کروں گا کہ جب ہم نے اپنی

Marfat.com

مرکزیت کو توڑ دیا تو اس المیے کا آغاز ہوا، پھر جب مرکزیت غیروں کے پاس چلی گئی تو وہ ہمیں تسخیر کائنات کے لیے آگے بڑھنے نہیں دیتے، اور راستے بند کر دیے، مثلاً وہ نہیں چاہتے کہ کوئی بھی اسلامی مملکت ایٹمی قوت بن جائے۔ اسکی دو وجوہات ہیں، ایک ہماری کوتاہی، دوسری غیروں کا تسلط، جس سے مستقبل قریب میں بھی مجھے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، البتہ جو ممولوں سے شہبازوں کو مروا دیتا ہے وہ کر دے تو یہ اور بات ہے۔

مغربی استعمار نے گزشتہ تین چار صدیوں سے اور پھر اس کے ساتھ مل کر مشرقی اشتراکیت نے پونی صدی سے مسلمانوں کے خلاف جتنی کوششیں کی ہیں، وہ محتاج بیان نہیں ہیں، مسلمانوں کے اجتماعی نظام کو بکھیر دیا، انکے علمی انداز کو تباہ کیا، ان کے اقتصادی نظام کو سبوتاژ کیا، ان کی فوجی قوت کو نابود کیا، ان کے نظام عدل کا تار و پود بکھیر دیا، انہیں خزاں کے پتوں کی طرح ظلم کی آندھیوں کے کندھوں پر سوار کیا تاکہ وہ کبھی بھی دنیا میں پنپ نہ سکیں۔ جب ملت میں کہیں روح حیات ابھرتی ہے تو اسے پہلے دن ہی کچل دیا جاتا ہے ان حالات سے نجات صرف ملت کے اتحاد میں مضمر ہے اللہ کرم فرمائے اور وہ گھڑی جلد آپہنچے جب ہماری تسخیری قوتیں بیدار ہوں اور ہمارے ماضی کی طرح ہمارا حال اور مستقبل بھی تابناک ہو جائے۔

تسخیر کائنات کا یہ کتنا بڑا اعلان ہے جو قرآن نے ابتدائی آیات میں کیا، بیضاوی نے فرمایا ہے کہ یہاں "لکم" میں لام فائدے کے لیے ہے یعنی یہ تمام اشیاء انسان کے فائدے کے لیے ہیں، ان چیزوں میں اگر زہر بھی شامل ہے تو وہ کس فائدے کے لیے ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں کہ زہر کے پیچھے بے شمار ایسے فوائد ہیں کہ جب اسے خاص شکل دی جاتی ہے تو بے شمار امراض کا رافع بن جاتا ہے، شنگرف اور سنکھیا جیسے زہر، کشتہ کرنے سے اکسیر بن جاتے ہیں جن سے بیسیوں امراض کا کامیاب علاج ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جنسِ انسانی میں سے کسی ایک فرد کے لیے ایک چیز نقصان دہ ہو تو وہ ساری جنسِ انسانی کے لیے ہی نقصان دہ ہو، یہ بات بھی نہیں ہوتی۔

اسی طرح کئی مقامات پر قرآن نے انسانی تسخیر کا بھی ذکر کیا، کہ **"طبقا عن طبق"** کہ تم ایک طبق سے دوسرے کی طرف بڑھتے چلے جاؤ گے، اب دور حاضر میں مختلف طبق نیچے رہ گئے ہیں انسانی ذہن اور اس کی صلاحیت ان اطباق سے اوپر نکل گئی ہے، واضح رہے کہ تورات، زبور، انجیل و دیگر رہنما کتب سوائے قرآن پاک کے کسی نے تسخیر کا ذکر نہیں کیا۔

"ثم استوی الی السماء" استوی کا لفظی معنی ہے چھا جانا، غالب آنا۔ کسی کو اپنی گرفت میں لے لینا، لیکن یہ معانی اللہ کریم کی ذات کے لیے مناسب نہیں، بہرحال ہمارے مفسرین نے اس کا معنی کیا ہے، قصد کرنا، ارادہ کرنا۔ **"ثم"** پھر۔ **"استوی"** قصد فرمایا۔ **"الی السماء"** عالم بالا کی طرف۔ **"فسوّٰهن"** تسویہ کا معنی ہے کسی چیز کو اس طریقے سے بنانا، کہ اس میں کوئی خامی نہ رہے۔ **"سبع سمٰوٰت"** سات آسمان، آسمان کی اصلیت کیا ہے، اس سلسلے میں سائنس کی طرف سے دو

Marfat.com

نظریے سامنے آئے ہیں، ایک قدیم یونانی نظریہ ہے کہ آسمان ایک مادی چیز ہے جس نے کائنات کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ ہزار ہا سال تک یہی نظریہ چلتا رہا، ان کی تعداد عام حالات میں سات (7) بیان کی گئی ہے، لیکن خاص حالات میں نو (9) بیان کی گئی۔ ہمارے مسلمان فلاسفر بھی نو (9) کے قائل ہیں، اولیاء امت کے ہاں نظریات کچھ اور ہیں۔ کہ ان کا مشاہدہ باقی لوگوں سے تیز ہوتا ہے حضرت ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ ، اولیاء امت میں سے ممتاز شخصیت گزرے ہیں انہیں ملنے کے لیے اس دور کا عظیم فلسفی اور وزیر اعظم بوعلی سینا آیا، کچھ دیر وہاں ٹھہرا، جب باہر نکلا تو کسی نے کہا کہ آپ نے سعید ابوالخیر کو کیسا پایا؟ بوعلی سینا نے کہا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تشریحات کے ساتھ سب جانتے ہیں، پھر حضرت صاحب سے بوعلی سینا کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا "ہرچہ او گوید مامی بینیم" جو وہ کہتا ہے ہم اسے دیکھ رہے ہیں، یاد رہے کہ فلسفے اور منطق کا پہلا استاد ارسطو دوسرا ابو النصر فارابی اور تیسرا ابو علی سینا ہے،

تو قدیم فلسفے کا یہ نظریہ تھا مسلمان مفکرین نے مختلف انداز سے اس کی تردید تو کی لیکن ان کے پاس فلسفیوں سے متبادل نظریہ نہیں تھا، اس لیے انہوں نے اس کی نہ تو تائید کی اور نہ انکار کیا، تاریخ ترکی میں یہ مشہور واقعہ گزرا ہے کہ سلطان عبدالحمید اپنی محفل میں بیٹھا تھا، وہاں پادری حضرات یہ بحث کر رہے تھے کہ آسمان ٹھوس وجود رکھتا ہے، اس میں سوراخ یا راستے نہیں ہیں، تو مسلمانوں کے پاس واقعہ معراج کی عقلی دلیل کیا ہے؟ اور اس موضوع کو اتنا اچھالا گیا کہ سلطان عبدالحمید ایک مقام پر سوچنے لگا کہ پادری ٹھیک کہہ رہے ہیں، اور میں اسلام سے انکار کر جاؤں، اس وقت ایک صاحب جن کو تاریخ رحمۃ اللہ العزیز یا رحمۃ اللہ کے نام سے یاد کرتی ہے، وہ اچانک محفل میں آئے، کپڑے میلے کچیلے اور پھٹے پرانے پہن رکھے تھے، فرمایا کہ میں تمہیں مشاہدہ کرا دیتا ہوں کہ کثیف جسم سے لطیف جسم نکل جایا کرتا ہے، چنانچہ وہ قلعے کی دیوار سے آٹھ نو مرتبہ اندر باہر ہوئے، ان سے پوچھا گیا کہ دیوار سے پار کیسے گئے؟ تو فرمایا! میں کیسے کی بات نہیں کرتا، چونکہ میں اپنے نبی کے مقام کے تحفظ کے لیے آگے بڑھا ہوں لہذا اللہ کریم نے مجھے یہ استطاعت عطا فرما دی ہے کہ میرے محبوب پر یہ جو داغ لگانا چاہتے ہیں اسے دھو ڈالوں۔

ہمارے پڑوس میں سکھوں کا گرو نانک تھا، اس سے کسی نے پوچھا کہ مسلمانوں کا پیغمبر آسمانوں سے اوپر نکل گیا تھا؟ گرو نے کہا بالکل نکل گئے تھے، سائل نے عینک لگا رکھی تھی، گرو نے کہا کہ تیری نظر ٹھوس شیشے سے اگر نکل سکتی ہے تو وہ پیغمبر بھی آسمانوں سے نکل سکتے ہیں، یہ بات اس وقت کی ہے جب یونانی فلسفہ کہتا تھا کہ آسمانوں کو پار نہیں کیا جا سکتا، اب اس کی تردید انہوں نے اس انداز سے کی، کہتے ہیں کہ عالم بالا میں سیارے تو ہیں لیکن آسمان کا کوئی وجود نہیں ہے، اور وہ سیارے مختلف وقفوں پر ہیں جو سورج کی کشش کی وجہ سے قائم ہیں، اور یہی سارا جدید فلسفہ ہے، اب وہ کہتے ہیں کہ مسلمان کہتے تھے کہ اس طریقے پر

Marfat.com

پر آسمان ہے، اب وہ آسمان کدھر گیا، آپ اندازہ فرمائیں، کہ یہ تو میں کتنی جھوٹی ہیں، کہ جو نظریہ ان کا اپنا تھا اور جب انکے اپنے ہی ہاتھ سے ٹوٹا تو پھر کہا کہ مسلمان یہ کہتے تھے۔ جو کچھ واقعہ معراج میں حدیث پاک میں آتا ہے اس سے ہم وضاحت سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یکے بعد دیگرے طبقات آتے ہیں جن کا انداز ایک دوسرے سے الگ ہے، ایک طبقے سے آپ اوپر نکل جائیں جہاں کشش ثقل نہیں ہے اگر آپ وہاں قدم اٹھائیں تو وہ اتنا نہیں ہوتا جتنا اس زمین پر ہے بلکہ اس سے کئی گنا لمبا ہو جاتا ہے کیونکہ کشش ثقل نہیں ہے اسی طرح جب آپ اس حد سے آگے نکلیں گے تو اس کے ایسے قواعد ہیں۔ پھر آگے نکلتے جائیں تو اپنے اپنے قواعد میں اگر کسی وقت ایسی سات حدیں ختم ہو جائیں اور آگے حد نہ ملے تو پھر اسلام پر اعتراض آئے گا ورنہ نہیں۔ سات آسمان یکے بعد دیگرے آتے ہیں ان کا خالق اللہ ہے، تخلیق کی صفت میں دوسرے بھی شامل ہیں جو تخلیق کرتے ہیں، مثلاً ایک کمپنی ریڈیو وغیرہ بناتی ہے، ایک ریڈیو سیٹ کمپنی سے تیار ہو کے نکل گیا اب منیجر کو یہ معلوم نہیں کہ فلاں نمبر کا ریڈیو دنیا کے کس خطے میں جا کر فروخت ہوگا اور کون خریدے گا پھر اس سے آگے کن کن ہاتھوں سے گزرتے ہوئے ختم ہو جائے گا۔ اس سے پتہ چلا کہ اس ریڈیو کو بنانے والے کا علم بڑا محدود ہے اور بنانے کی حد تک تو وہ جانتا ہے لیکن آگے کے مراحل کو وہ نہیں جانتا۔ گویا اللہ نے فرمایا اور یہی وہ مقام ہے جہاں مجازی بنانے والوں میں اور حقیقی بنانے والوں میں تفریق ہو جاتی ہے۔

"وهو بكل شيء عليم" "وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

ہمیں یاد نہیں کہ جب سے ہم دنیا میں آئے ہیں اس وقت تک ہم کتنا غلہ کھا چکے ہیں اور کتنا پانی پی چکے ہیں لیکن اللہ کو ہر ایک کا علم ہے کہ اس نے کتنا کھایا کتنا پیا لیکن یہ ہماری زندگی میں محفوظ نہیں۔ میں اس ہستی کی عظمتوں کو کروڑوں سلام کرتا ہوں کہ جس کے غلاموں کو بھی پتہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوری حیات مبارکہ میں کتنا غلہ استعمال فرمایا، سرکار کی مبارک زندگی میں یہ ساری باتیں واضح ہیں۔ تو پتہ چلا کہ زندگی اصل میں ایک ہی تھی باقی اس زندگی کی نقلیں ہیں۔ لیکن جسے زندگی کہا جاتا ہے وہ ایک ہی ہے اور جہاں قرآن نے یہ فرمایا! کہ **"وما خلقكم ولا بعثكم الا كنفس واحدة"** اس نے بھی ادھر ہی اشارہ فرمایا ہے کہ اصل وجود ایک ہی ہے باقی وجود تابع ہیں اور اپنے قیام میں کسی اور حیثیت کے محتاج ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعتیں یہ ہیں کہ ایک ذرہ جب بنا تھا اور پھر جب کسی وجود نے اسے قبول کر کے ایک وجود بخشا تو وہ اس کا ایک حصہ بن گیا مثلاً ایک انگلی کے اگر ذرات شمار کیے جائیں تو ہزار ہا ہیں تو ان مختلف ذروں کو اکٹھا کرنے کے لیے پھر ایک شکل دینے کے لیے پھر اس میں جان دوڑا دینے کے لیے جو مراحل آئے ہیں پھر جس انداز سے ان مراحل نے ختم ہونا ہے، یہ سب کچھ مجھے تو معلوم نہیں، کسی سائنسدان کو بھی معلوم نہیں، لیکن یہ اللہ جانتا ہے تو معلوم ہوا کہ سائنس ابھی نابالغ ہے جو زمین پر گھٹنے گھسیٹ کر چل رہی ہے، خدا جانے اسے جوان ہونے میں کتنا عرصہ باقی ہے، اور اس کے بلوغ کے لیے جس کتاب نے ساتھ دینا ہے وہ سوائے

Marfat.com

قرآن پاک کے اور کوئی کتاب نہیں، یہ کائنات میں واحد کتاب ہے جس نے انسان کی بے مانگی کا ہاتھ پکڑتا ہے، سائنس کے میدان میں، فلسفے میں، ظاہری و باطنی علوم میں انسانیت کے نکھار اور اس کے سدھار میں جو کتاب ساتھ دیتی ہے وہ قرآن پاک ہے اور جو نبی ساتھ دیتا ہے وہ وہی ہے جس کے لیے حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ میں تو جا رہا ہوں پیچھے وہ آئے گا جو سدا تمہارے ساتھ رہے گا، تو پتہ چلا کہ حقائق اللہ کی ذات اور سرکار علیہ السلام کی مبارک شخصیت یا قرآن پاک کی ہمہ گیریت ہے، یہ حقائق ہمیں ایک ہی بات کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔

﴿☆☆☆☆☆﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ
اور جب فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں اپنا نائب
قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ
کہنے لگے کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اور خونریزیاں کرے گا
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ؕ
حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے
قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
فرمایا بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۳۷

۳۷ اب جب زمین بن گئی تو اس کی آبادی کا مسئلہ تھا فرمایا!

"واذقال ربک" محبوب یاد کیجئے! علامہ بیضاوی، امام فخرالدین رازی ودیگر قابل ذکر مفسرین فرماتے ہیں، کہ "اذ" کا معنی ہے "اذکر" "یاد کریں۔" "قال" "فرمایا۔" "رب" "پروردگار۔" "ک" "آپ کا۔"

جب آپ کے پروردگار نے فرمایا! یہاں ایک معنوی لطافت ہے، یہ نہیں فرمایا کہ کائنات کے رب نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات مقصود اصلی نہیں ہے، یہ بھی نہیں فرمایا کہ جنت کے خالق عرش یا زمین کے مالک نے فرمایا معلوم ہوا کہ یہ ساری چیزیں ثانوی ہیں، اے محبوب! ربوبیت کا لفظ بھی تب آتا ہے کہ تخلیق تو ہو، اس مقام سے گزرتے ہوئے برصغیر کے عظیم مفسر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ تھی کہ کائنات میں خلیفہ اعظم، امام اکبر نبی کریم علیہ السلام کی ذات اقدس ہی ہے، محبوب یاد کریں جب تیرے رب نے فرمایا تھا۔ **"للملٰئکۃ"** فرشتوں کو۔ **"ملک"** کی جمع ہے اور یاد اسے کرایا جاتا ہے جسے پتہ ہو اگر پتہ نہیں تو یاد کرانے کا مقصد کیا؟

"انی جاعل فی الارض خلیفۃ" (انی، یقیناً میں۔ جاعل، بنانے والا ہوں۔ فی الارض، زمین میں۔ خلیفۃ، نمائندہ)

یاد رکھیں کہ لفظ جانشین میں ادب نہیں آتا اس لیے جانشین وہ ہوتا ہے کہ اصل والا چلا جائے اور وہ اس کی جگہ آئے، تو چونکہ اللہ

Marfat.com